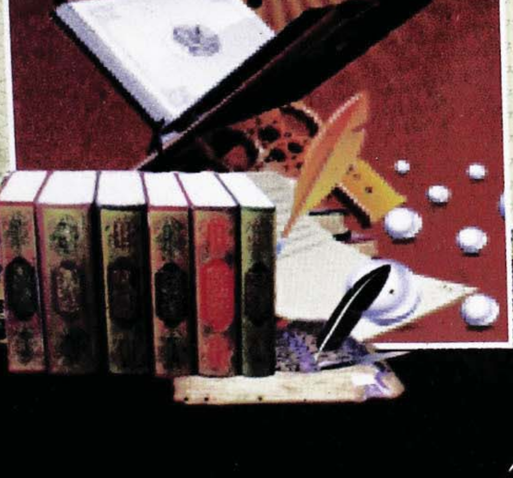
فَاسْئَلُوْا اَهْلَ الذِّكْرِ اِنْ كُنْتُمْ لَا تَعْلَمُوْنَ (القرآن)
فَاِنَّمَا شِفَاءُ الْعِيِّ السُّؤَالُ (الحديث)

نجم الفتاویٰ

جلد اوّل

کتاب الایمان والعقائد

ایمان وعقائد کے مختلف شعبوں سے متعلق پانچ سو سے زائد
اہم فتاوی جات کا مدلل و مفصل مجموعہ



تألیف:
حضرت شیخ الحدیث مفتی سید نجم الحسن امروہوی دامت برکاتہم
رئیس دارالافتاء و مہتمم دارالعلوم یاسین القرآن (نارتھ کراچی)

جدید ترتیب و تبویب: مفتی فرحان حسن عفی عنہ
نگران شعبہ تصنیف و استاذ دارالعلوم یاسین القرآن (نارتھ کراچی)

ناشر
شعبہ نشر و اشاعت دارالعلوم یاسین القرآن

فَاسْئَلُوْا اَهْلَ الذِّكْرِ اِنْ كُنْتُمْ لَا تَعْلَمُوْنَ (القرآن) فَاِنَّمَا شِفَاءُ الْعِيِّ السُّؤَالُ (الحديث)

نجم الفتاویٰ (جلد ۱)

جلد أوّل

کتاب الایمان والعقائد

ایمان وعقائد کے مختلف شعبوں سے متعلق پانچ سو سے زائد
اہم فتاوی جات کا مدلل ومفصل مجموعہ

تألیف: حضرت شیخ الحدیث مفتی سیّد نجم الحسن امروہوی دامت برکاتہم
رئیس دار الافتاء ومہتمم دار العلوم یاسین القرآن (نارتھ کراچی)

جدید ترتیب وتبویب: مفتی فرحان حسن
نگران شعبہ تصنیف واستاذ دار العلوم یاسین القرآن (نارتھ کراچی)

ناشر
شعبہ نشر واشاعت دار العلوم یاسین القرآن

کتاب کا نام : نجم الفتاویٰ

مؤلف : حضرت شیخ الحدیث مفتی سید نجم الحسن امروہوی دامت برکاتہم
رئیس دارالافتاء و مہتمم دارالعلوم یاسین القرآن (نارتھ کراچی)

جدید ترتیب و تبویب : مفتی فرحان حسن (استاذ دارالعلوم یاسین القرآن)

کمپوزنگ : بھائی شکیل احمد صدیقی صاحب

سن اشاعت : 1437ھ بمطابق 2016ء

مطبع : ادارۂ طباعت 0333-2136180

ناشر : شعبۂ نشرواشاعت دارالعلوم یاسین القرآن (نارتھ کراچی)
0301-2113944, 0334-3957443

ملنے کے پتے:

ملک کے مشہور اسلامی کتب خانوں سے طلب فرمائیں!

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

اجمالی فہرست (جلد اول)

آئینہ عناوین

نجم الفتاوی جلد ۱

(کتاب الایمان والعقائد)

کتاب التفسیر وما یتعلق بالقرآن

(تفسیر اور متعلقہ قرآن کے بیان میں) ۳۵۹

کتاب ما یتعلق بالحدیث

(حدیث شریف سے متعلق سوالات) ۳۷۲

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

عرضِ مرتب

مفتی فرحان حسن عفی عنہ

"فتویٰ" ایک ایسا لفظ ہے جو ایک دینی گھرانے سے تعلق رکھنے والا شخص وقتاً فوقتاً سنتا رہتا ہے، جبکہ درحقیقت یہ لفظ ہر مسلمان کی ضرورت ہے۔ قرآن کریم میں اللہ تعالیٰ کا ارشاد مبارک ہے:

"فَاسْئَلُوْا أَهْلَ الذِّكْرِ إِنْ كُنْتُمْ لَا تَعْلَمُوْنَ" (الانبیاء:۷)"

ترجمہ: سو اگر تم کو معلوم نہ ہو تو اہل کتاب سے دریافت کرلو (بیان القرآن)۔

آپ علیہ الصلوٰۃ والسلام کا بابرکت فرمان ہے: "فَإِنَّمَا شِفَاءُ الْعِيِّ السُّؤَالُ" (ابو داؤد ۱/۴۹)۔ ترجمہ: بیشک نادان کی شفاء سوال کرنا ہے۔

دورِ حاضر میں انسان بلاشبہ بے حد ترقی کر چکا ہے، بلکہ گزشتہ چند دہائیوں میں انسانی دماغ نے جتنی ایجادات کی ہیں وہ پچھلی چند صدیوں میں بھی نہ ہوئی تھیں، لیکن دوسری طرف یہ بھی مسلم ہے کہ انسان جتنی ترقی کر رہا ہے اتنا ہی وہ انسانیت سے نکل کر حیوانیت پر اتر آیا ہے۔ اللہ تبارک وتعالیٰ نے ہدایت کیلئے قرآن پاک اور سنت نبوی کو متعین فرمایا ہے۔ قرآن وسنت پر عمل اور اسے ملک کا قانون بنانا ہی انسانیت کی فلاح اور کامرانی کا سبب بن سکتا ہے۔ اکابرینِ امت اور فقہاء اعلام کا یہ احسانِ عظیم ہے کہ انہوں نے قرآن وسنت کو قانون کی شکل میں ایک جامع رنگ دیا۔ یہ ایک ایسا احسان ہے کہ ہر شخص کا سر ان فقہاء کے سامنے تا قیامت جھکا رہے گا۔ بہت سے ممالک میں فقہ اسلامی بطورِ قانون رائج رہی اور اس کے ثمرات ہر انسان نے محسوس کئے۔ سلطنتِ عثمانیہ کا قانون مطبوعہ شکل میں موجود ہے، اسی طرح فتاویٰ ہندیہ کا مغل سلطنت کے قانون میں دخل رہا ہے۔

فقہ درحقیقت قرآن وسنت سے شرعی اصولوں کے ماتحت استنباطِ مسائل کا نام ہے۔ فقہاء نے ان مسائل کو مرتب بیان فرما دیا اور کتب فقہ میں یہ منضبط ہو گئے، لیکن اس سے حقیقی معنوں میں استفادہ ایک عامی کیلئے فی الواقع ممکن نہیں، جس کے باعث افتاء کا باب وجود میں آیا۔ اسی لئے جہاں پر بھی مدرسہ ہو گا وہاں عموماً دارالافتاء کی صورت میں ایک گوشہ عوام کی اس ضرورت کو پورا کرنے کیلئے مختص ہوتا ہے، جس میں چند خوش نصیب لوگ ان کتبِ فقہ سے عام آدمی کے مسئلے کا حل نکال کر اسی کی زبان میں عام فہم انداز میں پیش کر دیتے ہیں، یہ حل، فتویٰ کہلاتا ہے۔

فتویٰ درحقیقت اس جواب کا نام ہے جو مفتی کسی سائل کے سوال کے جواب میں تحریر کرتا ہے۔ علماء کا اصل مقام انبیاء کی

وراثت ہے، ان کی ہر قسم کی ذمہ داری، چاہے وہ تصنیف وتالیف سے متعلق ہو یا درس وتدریس سے، بیان وخطابت سے متعلق ہو یا بیعت وارشاد سے، ہر ذمہ داری کی ادائیگی کیلئے تقویٰ، طہارت، مضبوط علم، بڑوں کی سرپرستی، وسیع مطالعہ اور راتوں جاگ کرامت کیلئے جگر سوزی کرنا، یہ سب چیزیں اس وراثت کی ادائیگی کیلئے ضروری ہیں۔ لیکن افتاء کا مقام علماء کی وہ ذمہ داری ہے جو حد سے زیادہ نزاکت اور حساسیت کی حامل ہے، اس میں قرآن وسنت اور ذخیرہ فقہ پر وسیع نظر، دیگر فقہاء کے مذاہب کا احاطہ، اپنے مذہب میں خاص تفقہ، وقتاً فوقتاً پیدا شدہ جدید مسائل کا شریعت کے مطابق تشفی بخش حل پیش کرنا اور بالخصوص اپنے اہل زمانہ کے عرف سے باخبر ہونا ایک مفتی کیلئے انتہائی ضروری ہے۔ یہ وہ ذمہ داری ہے، جس میں ذرا سی اونچ نیچ حلت وحرمت پر اثر انداز ہوتی ہے، ذرا سی لاپرواہی حدود شرع سے تجاوز کا سبب بن جاتی ہے۔ آپ علیہ الصلوٰۃ والسلام کا فرمان ہے:

”من افتی بغیر علم کان اثمہ علی من افتاہ“ (مشکوۃ ۱/۳۵)

”جسے بغیر علم کے فتویٰ دیا گیا تو اس کا گناہ فتویٰ دینے والے پر ہوگا“۔

لہٰذا یہ فن فتویٰ ایسا فن نہیں جس میں ہر عالم دخل کرے، بلکہ وہ علماء جن میں مطلوبہ صفات اور ان پر بڑوں کا اعتماد ہو، بڑوں نے انہیں یہ حساس ذمہ داری اپنے کاندھوں پر لینے کی اجازت دی ہو، وہی علماء اس ذمہ داری کو ادا کریں تو بہتر ہے۔ منصبِ افتاء علمی سلسلوں میں سب سے زیادہ دقیق، حساس اور اہم ترین منصب ہے۔ کتبِ فقہ میں بکھرے سینکڑوں جزئیات میں سے صورت مسئولہ کا جواب تلاش کرنا تبحر علمی کے بغیر مشکل ہے، جو ہر شخص کے بس کی بات نہیں۔

اللہ تعالیٰ کا دیوبند کے منتسبین پر احسان عظیم ہے کہ اللہ تعالیٰ نے انہیں ایسے حضرات کا ایک سلسلہ عطا فرمایا جن پر بڑوں نے اعتماد کا اظہار کیا اور بارگاہِ خداوندی سے انہیں وہ صلاحیتیں عطا ہوئیں کہ وہ اس عظیم ذمہ داری کو قبول کرنے کے صحیح معنوں میں اہل تھے۔ ان کا تعلق مع اللہ اور رسوخ فی العلم مسلم تھا۔ ان حضرات نے اپنے تحریر کردہ فتاویٰ کے ذریعے، ذخیرہ فقہ میں ایک وسیع اور عظیم باب کا اضافہ کیا، بلکہ بلاشبہ کہا جاسکتا ہے کہ ذخیرہ فقہ پر جب بھی قلم اٹھایا جائے گا تو علماء دیوبند کے مطبوعہ فتاویٰ جات کا ذکر کئے بغیر وہ تحریر مکمل نہ ہو سکے گی۔ علماء دیوبند نے پوری دنیا کے مسلمانوں کے پیش آمدہ مسائل کا حل عموماً اور پاک وہند کے مسلمانوں کے مسائل کا حل خصوصاً قرآن وحدیث اور فقہ کی روشنی میں تحریر فرمایا۔ ان حضرات کے فتاوی کتابی صورت میں طبع بھی ہوئے، جو آج مکتبوں کی زینت اور اہم مسائل اور اختلافات کے حل کیلئے مرجع کی حیثیت رکھتے ہیں۔ ان خوش نصیب حضرات کی فہرست میں ایک دمکتا نام ”حضرت الاستاذ شیخ الحدیث حضرت مفتی سید نجم الحسن امروہوی دامت برکاتہم العالیہ“ کا ہے۔

”امروھوی“ یہ وہ نسبت ہے جو احقر اپنے گردوپیش میں ”حضرت الاستاذ مفتی سید نجم الحسن امروھوی دامت برکاتہم“ کے نام کے ساتھ، جب سے ہوش سنبھالا ہے، سنتا آرہا ہے۔ استاذِ محترم کا نام کسی تعارف کا محتاج نہیں۔ علمی اور فقہی حلقوں میں آپ کی علمی اور عملی قابلیت مسلم ہے۔ حضرت الاستاذ دامت برکاتہم کی عرصہ دراز کی محنت کا ثمرۃ ”جامعہ دارالعلوم یاسین القرآن“ اب ایک قدآور درخت اور شجرۃ طیبہ کی شکل اختیار کر چکا ہے۔ راقم الحروف صغر سنی کی عمر سے جامعہ دارالعلوم یاسین القرآن سے وابستہ رہا ہے۔ راقم نے

ناظرہ، حفظ، کتب کے ابتدائی درجات اور تخصص فی الفقہ الاسلامی کی تعلیم ''جامعہ دار العلوم یاسین القرآن'' میں استاذ محترم دامت برکاتہم کے زیر سایہ اور شرفِ تلمذ میں حاصل کی ہے۔ اللہ تعالیٰ کا احسانِ عظیم ہے کہ اس نے احقر کو استاذِ محترم کی فقیہانہ اور محدثانہ دونوں صلاحیتوں کا قریب سے مشاہدہ کرنے کا موقع عطا فرمایا ہے۔

حضرت الاستاذ کے فقیہانہ ذوق کے ساتھ مفتی اعظم پاکستان حضرت مفتی ولی حسن ٹونکی رحمۃ اللہ علیہ کی عرصہ دراز کی رفاقت، حضرت الاستاذ مدظلہ کی فقہی پختگی اور رسوخ کا سبب بنی ہے۔ حدیث میں مولانا عبد الرشید نعمانی رحمۃ اللہ علیہ کے شرفِ تلمذ اور تعلقِ خصوصی نے حضرت الاستاذ کی صلاحیتوں کو نکھار دیا ہے۔ حضرت الاستاذ کو مولانا عبد الرشید نعمانی رحمۃ اللہ علیہ سے خلافت بھی حاصل ہے۔ ان ہر دو حضرات مفتی اعظم پاکستان مفتی ولی حسن ٹونکی رحمۃ اللہ علیہ اور مولانا عبد الرشید نعمانی رحمۃ اللہ علیہ کی نظر کا کمال اور اعتماد کا نتیجہ ہے کہ آج استاذِ محترم کو حدیث اور فقہ میں رسوخ حاصل ہے۔ ان دو اکابر اور دیگر اساتذہ کرام کا استاذ محترم پر اعتماد ہی انہیں آج اس عظیم ذمہ داری کو نبھانے میں ممد ہے۔

اللہ تعالیٰ نے حضرت الاستاذ مدظلہ پر جو انعامات اور نوازشات فرمائی ہیں وہ بے شمار، لاتعد ولا تحصی ہیں۔ تصوفانہ زندگی، خطیبانہ شان، تدریسی رنگ، انتظامی صلاحیت اور بہت سے اوصافِ جمیلہ اللہ تعالیٰ نے استاذِ محترم کو ایسے مرحمت فرمائے ہیں کہ ہر صاحبِ نظر اس کا مشاہدہ کرتا ہے اور متاثر ہوئے بغیر نہیں رہ پاتا لیکن حضرت الاستاذ کی محدثانہ شان اور فقہی بصیرت یعنی علم حدیث اور فقہ میں پایا جانے والا کمال آپ کو معاصرین سے ممتاز کرتا ہے۔ حضرت الاستاذ کا درسِ بخاری شریف اپنے اندر وہ جامعیت اور کمال رکھتا ہے جس کی مثال ملنا مشکل ہے۔ فتح الباری، عمدۃ القاری، قسطلانی، وغیرہ شروحات کا حتی المقدور استیعاب، حنفیہ پر اٹھائے جانے والے اشکالات کے مضبوط جوابات، اور متعلقہ ابحاث پر سیر حاصل کلام، استاذ محترم دامت برکاتہم کے درسِ بخاری کو انتہائی مفید، جامع اور دلچسپ بنادیتے ہیں۔ نیز طلبہ کی طرف سے اٹھائے گئے اشکالات کے مسکت جوابات طلبہ کو تشفی فراہم کرتے ہیں۔ الغرض حدیث سے متعلق کوئی گوشہ تشنہ نہیں چھوڑا جاتا۔ یہ تمام باتیں آپ کے درسِ بخاری کو امتیازی شان عطا فرماتی ہیں۔ درسِ بخاری میں فقہی استنباطات اور امام بخاری رحمۃ اللہ علیہ کے طریقِ استدلال کا بیان درس کی افادیت کو مزید بڑھادیتا ہے۔ درس کے وقت محسوس ہوتا ہے کہ حدیث ہی اس شخص کا اوڑھنا بچھونا اور مقصدِ حیات ہے۔

لیکن ان سب سے آگے حضرت الاستاذ دامت برکاتہم کا ایک اور وصف ہے جس میں آپ اپنے معاصرین اور اتراب میں نمایاں ہی نہیں، انتہائی بلند پایہ اور منفرد صلاحیت کے حامل ہیں، وہ وصف ''فقہ'' ہے۔ فقہ وفتویٰ میں آپ کا تعمق و تفحص، قرآن وسنت کے دلائل پر آپ کی نظر، مسائل کا استحضار، امام اعظم رحمۃ اللہ علیہ کے مذہب میں تصلب اور دلائل پر گہری نظر اور مضبوط شواہد، دیگر فقہاء کے مذاہب کی تفصیلات، کتبِ حنفیہ سے قدیم تعلق، بالخصوص فتاویٰ شامیہ پر حضرت الاستاذ دامت برکاتہم کی نظر، نیز عرف اور زمانے کی وجہ سے مسائل پر پڑنے والے اثرات کا لحاظ، اس کے علاوہ سوال کا قابل عمل اور تشفی بخش حل تحریر کرنا اور استاذِ محترم دامت برکاتہم کا فقہ اور تفقہ سے سالوں پر محیط قدیم تعلق، یہ وہ چیدہ چیدہ خصوصیات ہیں جو حضرت کی فقیہانہ شان کو سب سے ممتاز کرتی ہیں۔

دارالافتاء دارالعلوم یاسین القرآن کے قیام کو تقریباً سولہ سال کا عرصہ بیت چکا ہے۔ طہارت سے لے کر میراث تک تقریباً ہر باب سے متعلق فتاویٰ کا اجراء دارالافتاء سے ہوا ہے۔ جن میں سے بعض حضرت الاستاذ دامت برکاتہم کے خود تحریر کردہ ہیں اور ایک تعداد ان فتاویٰ کی ہے جن پر تحقیقی نظر فرما کر استاذِ محترم دامت برکاتہم نے تصدیقی دستخط ثبت فرمائے ہیں۔ ڈیجیٹل کیمرے سے لی گئی تصویر کی حرمت سے متعلق آپ کا فتویٰ مع تصدیقاتِ علماء پاک وہند، شائع ہو کر اہلِ علم اور عوام میں مقبول ہو چکا ہے نیز مختلف عبادات سے متعلق حضرت استاذ محترم کے مختصر رسائل بھی خاص وعام کے لئے نفع کا سبب بن رہے ہیں، ان رسائل میں موضوع سے متعلق اہم مسائل کو نمبروار آسان اور عام فہم الفاظ میں بیان کر دیا گیا ہے۔ ''تحفہ نماز''، ''تحفہ رمضان''، ''تحفہ زکوۃ''، ''تحفہ اعتکاف وتراویح''، ''تحفہ حج''، ''تحفہ قربانی''، ''تحفہ وظائف'' اور ''تحفہ میراث'' جیسے اہم رسائل مرتب ہو چکے ہیں اور ان میں سے بیشتر طبع بھی ہو چکے ہیں نیز دیگر اہم عناوین پر بھی رسائل کی ترتیب پیشِ نظر ہے۔

اس کے علاوہ استاذ محترم کی صحیح بخاری کی تقریر پر بھی بندہ کام کر رہا ہے اور ان شاء اللہ مستقبل قریب میں منفرد اور امتیازی خصوصیات کی حامل یہ شرح جس میں بیک وقت محدثانہ اور فقیہانہ رنگ نظر آئیگا، مستقل تصنیف کے لبادے میں منظر عام پر آئیگی۔ اس کی خصوصیات، انفرادیت، جاذبیت اور اس میں استاذ محترم کی وسعت علمی کا اندازہ قارئین اسے پڑھ کر ہی لگا سکیں گے، یہ مختصر صفحات متحمل نہیں کہ اس عظیم کتاب کی خصوصیات سے یہاں بحث کی جائے۔

نیز ''الاشباہ والنظائر لابن نجیم رحمۃ اللہ علیہ'' جو کہ خود ایک معرکۃ الآراء کتاب ہے، استاذ محترم کے درسی افادات کی روشنی میں اس کی تحقیقی شرح پر بھی کام جاری ہے جس میں ''اشباہ'' کے ہر مسئلے کی وضاحت، کتب فقہ حنفی سے تخریج، ''شروحِ اشباہ'' اور ''کتبِ فقہ'' کے تناظر میں ہر مسئلے سے متعلق محققانہ اور فقیہانہ کلام نیز مسئلہ میں راجح اور مفتی بہ کا تعین موجود ہے۔

''الاشباہ والنظائر'' اور اس کی عبارات پر نظر رکھنے والے حضرات جانتے ہیں کہ ''اشباہ'' کو اس خدمت کی کتنی ضرورت ہے اور یہ کتنا اہم کام ہے لہذا بندہ اس پر مزید کلام نہیں کرتا، اس شرح کی یہی خصوصیت اس کے امتیاز اور اس میں موجود دقتِ نظری، سلامتِ فکر، احتیاج الی الوقت الکثیر اور وسعتِ مطالعہ کی طرف مشیر ہے نیز جو خوش نصیب کبھی استاذ محترم کے اشباہ کے درس میں شریک ہوئے ہوں وہ ان باتوں کو بدرجہ اتم محسوس کر سکتے ہیں۔ اللہ تعالی سے دعا گو ہیں کہ اللہ عز وجل ہمارے اوقات میں اتنی برکت عطا فرمائے کہ یہ سب تحقیقی اور قابلِ قدر کام جلد از جلد منظر عام پر آسکیں تاکہ صاحب علم حضرات ان سے استفادہ کر سکیں۔

فقہ وفتویٰ میں چونکہ حضرت استاذ محترم کی ایک زندگی گزر چکی ہے سولہ سال تو صرف جامعہ دارالعلوم یاسین القرآن اور اس کے دارالافتاء کے اہتمام وریاست کے فرائض سرانجام دیتے ہو چکے ہیں۔ اس سے قبل بھی مختلف دارالافتاء میں مصروفیات کے زمانے میں اور ذاتی طور پر بے شمار فتاویٰ آپ کے جاری کردہ ہیں۔ ان تمام فتاویٰ کی مجموعی تعداد سینکڑوں نہیں ہزاروں میں ہے، جن کی نقول دارالافتاء کے اندر فائلوں میں موجود ہیں۔ ان تمام فتاویٰ کے مجموعات سے چیدہ چیدہ فتاویٰ کو بغیر تکرار کے جمع کر کے، کتابی صورت میں ''نجم الفتاویٰ'' کی صورت میں شائع کیا جا رہا ہے۔ آج سے دس سال قبل ۱۴۲۶ھ [بمطابق 2005ء] میں

نجم الفتاویٰ کی پہلی جلد طبع ہوکر عام ہوئی تھی جو" کتاب الایمان والعقائد" سے متعلق تھی۔ اس میں ایمان وعقائد اور بدعاتِ مروجہ سے متعلق مختلف شعبوں کے تقریباً پانچ سو سے زائد فتاویٰ کو جمع کیا گیا تھا۔ اس جلد کو ترتیب اور مراجعت کے مراحل سے گزارنے کا کام مفتی غلام مصطفیٰ ہزاروی اور مفتی الیاس صاحب مدظلہما نے کیا تھا۔ اس کے بعد ۱۴۳۱ھ [بمطابق 2010ء] میں یعنی پانچ سال بعد نجم الفتاویٰ کی مزید دو اور جلدیں زیورِ طبع سے آراستہ ہوکر منظر عام پر آئیں، یہ دو جلدیں طہارت، صلوۃ، زکوٰۃ، صوم اور حج سے متعلق ابواب پر مشتمل تھیں۔ ان دو جلدوں میں تقریباً تیرہ سو مسائل منتخب کر کے طبع کئے گئے تھے۔ ان پر تحقیق، ترتیب اور مراجعت کا کام "مفتی وقار احمد صاحب دامت برکاتہم" نے کیا تھا۔ اس طرح ۱۴۳۱ھ [بمطابق 2010ء] میں نجم الفتاویٰ کل تین جلدوں میں شائع ہوئی، جس میں ایمانیات اور عبادات سے متعلق تقریباً اٹھارہ سو مسائل طبع ہوئے۔ یہ تینوں حضرات (مفتی غلام مصطفیٰ ہزاروی صاحب، مفتی الیاس صاحب اور مفتی وقار احمد صاحب دامت برکاتہم) حضرت الاستاذ مدظلہ کے اجل تلامذہ میں سے ہیں، بوقتِ تحریر بھی فقہ، فتویٰ اور تدریس جیسے عظیم شعبوں سے منسلک ہیں۔ اللہ تعالیٰ ان تینوں حضرات کے علم وعمل میں مزید ترقی عطا فرمائے۔ آمین۔

راقم الحروف نے ناظرہ، حفظ، درجہ متوسطہ اور درجہ اولیٰ کی تعلیم ''دارالعلوم یاسین القرآن'' میں حاصل کی، درجہ ثانیہ سے دورہ حدیث تک کے درجات ''جامعہ فاروقیہ کراچی'' میں پڑھے۔ ۱۴۳۱ھ [بمطابق 2010ء] میں راقم الحروف نے جامعہ فاروقیہ کراچی سے سندِ فراغت حاصل کی۔ راقم اسے بھی اپنی خوش بختی سمجھتا ہے کہ اللہ تعالیٰ نے اسے عہد حاضر کے عظیم محدث اور صحیح بخاری کے عظیم شارح، صدرِ وفاق ''حضرت شیخ الحدیث مولانا سلیم اللہ خان صاحب دامت برکاتہم العالیہ'' سے استفادے اور تلمذ کا شرف بخشا۔ ۱۴۳۲ھ [بمطابق 2011ء] میں بندہ نے دارالافتاء دارالعلوم یاسین القرآن سے تخصص فی الافتاء کی تعلیم مکمل کی۔

۱۴۳۴ھ [بمطابق 2013ء] میں راقم کا حضرت استاذِ محترم کے مشورے سے جامعہ میں تقرر ہوا۔ راقم کی بنیادی ذمہ داری شعبہ تصنیف میں نجم الفتاویٰ کی مزید جلدوں کی ترتیب، تحقیق اور مراجعت سے متعلق تھی، تقریباً دو سال درمیان میں یہ کام موقوف رہا تھا۔ استاذ محترم کے حکم پر راقم نے نجم الفتاویٰ کی "چوتھی، پانچویں اور چھٹی جلد" [جن میں نکاح اور طلاق سے متعلق مسائل کو منتخب کرنا تھا] پر کام شروع کیا نیز ابتدائی تین جلدوں پر بھی از سرِ نو نظر ثانی، تصحیح اغلاط اور کچھ فتاویٰ میں پائے جانے والے تعارض یا تسامحات کی نشاندہی سے متعلق بھی راقم نے کام شروع کر دیا۔ راقم نے آخری تین جلدوں میں نکاح اور طلاق سے متعلق تقریباً چودہ سو مسائل جمع کئے ہیں، لہٰذا نجم الفتاویٰ [طبع جدید] اب چھ جلدوں کی صورت میں کل [3184] یعنی تقریباً بتیس سو مسائل کے ساتھ شائع ہو رہی ہے۔

۱۴۲۶ھ [بمطابق 2005ء] میں [جب نجم الفتاویٰ کی پہلی جلد شائع ہوئی تھی اس وقت] راقم درجاتِ کتب [درجہ ثالثہ] کا طالب تھا۔ راقم اس سال ۱۴۲۶ھ کے رمضان المبارک کے وہ دن کبھی نہیں بھلا سکتا، جب مسجد کے احاطے میں، اعتکاف کے دوران، تراویح وغیرہ سے فراغت کے بعد، ہم چند دوست مل بیٹھتے اور ایک دوست نجم الفتاویٰ کے مسائل پڑھتا جاتا، باقی سنتے تھے۔ اس وقت احقر کے وہم وگمان میں بھی نہ تھا کہ اتنے مبارک اور علمی وتحقیقی کام میں بندے کو اللہ تعالیٰ کی توفیق اور اپنے اساتذہ کرام کی دعاؤں کے ثمرے میں اپنا حصہ بھی ڈالنے کا موقع ملے گا۔ بہر حال احقر نے استاذِ محترم دامت برکاتہم کے زیر سایہ اس کام کا آغاز کیا۔

نجم الفتاوی[طبع جدید] کی خصوصیات اور ترتیب میں ملحوظ امور:

راقم الحروف نے نجم الفتاوی کی خصوصیات کالحاظ رکھتے ہوئے اس ترتیب پر کام کیا ہے:

(۱)۔ دارالافتاء میں موجود کئی سالوں کے نکاح یا طلاق سے متعلق جاری شدہ فتاوی میں سے ان مسائل کو منتخب کیا جنہیں کتاب میں شامل کرنا تھا۔

(۲)۔ ان فتاوی میں سے مکررات کو حذف کیا، تاکہ ایک ہی مسئلہ بار بار آنے سے کتاب کی افادیت متاثر نہ ہو۔

(۳)۔ تیسرا مرحلہ ان فتاوی جات کی تبویب کا تھا۔ ان منتخب مسائل کو فقہی ترتیب کے مطابق باب در باب علیحدہ کیا۔

(۴)۔ ہر فتوی کا بغور مطالعہ کیا سوال وجواب میں کسی قسم کی تصحیح یا تغیر مطلوب ہو تو اس کی نشاندہی کر دی۔

(۵)۔ ہر فتوی میں موجود فقہی حوالوں میں سے صریح حوالہ جات کی تعیین اور ان کی اصل کتب سے مراجعت کی۔

(۶)۔ ان پانچ مراحل سے گزرنے کے بعد ہر فتوی کو استاذِ محترم نے لفظ بلفظ سنا ہے۔ استاذ محترم دامت برکاتہم سماعت کے بعد جو غلطی یا عبارت میں رکاکت محسوس کرتے، اس کا تعین فرما کر تبدیلی فرمادیتے۔

(۷)۔ اس کے بعد ہر فتوی پر استاذِ محترم دامت برکاتہم تحقیقی اور تنقیدی نظر فرماتے، اگر کوئی قابلِ اعتراض بات سامنے نہ آئے تو آپ اس فتوی پر حتمی دستخط ثبت فرمادیتے۔ راقم ترتیب وار ان دستخط شدہ فتاوی کو فائل میں جمع کر لیتا اور اگر کوئی بھی قابلِ اشکال یا تحقیق طلب بات ہوتی تو استاد محترم تعیین فرمادیتے۔ اس بات کی مراجعت کی جاتی لہذا اس فتوی کو موقوف قرار دے دیا جاتا۔

(۸)۔ ان تحقیق طلب فتاوی کی مراجعت میں بعض اوقات کئی دن اور بعض اوقات کئی ہفتے اور مہینے بھی لگ جاتے اور بعض مسائل تو سال سے زیادہ بھی مراجعت اور تحقیق کے مراحل میں رہے۔

(۹)۔ ان تحقیق طلب فتاوی میں جو بھی فتوی بعد از تحقیق حتمی شکل اختیار کر لیتا، راقم اسے ترتیب کے مطابق فائل میں جمع کر لیتا۔

(۱۰)۔ ان تحقیق طلب فتاوی میں مراجعت کیلئے مختلف طریقے اختیار کئے جاتے۔ ایک طریقہ تو یہ ہوتا کہ تخصص کے طلبہ کرام یہ مراجعت کرتے۔ اس سلسلے میں ۱۴۳۴ھ [بمطابق 2013ء] اور ۱۴۳۵ھ [بمطابق 2014ء] کے طلبہ تخصص نے کافی معاونت کی۔ دوسرا طریقہ یہ بھی تھا کہ استاذ محترم کے مشورے سے راقم خود ہی کتب کی مراجعت کے بعد جواب کو ترتیب دیدیتا۔ ایک طریقہ یہ بھی تھا کہ استاذ محترم دامت برکاتہم خود کتب سے مراجعت فرما کر راقم کو اہم امور ترتیب وار بتادیتے اور راقم جواب مرتب کر دیتا۔ بعض حد سے زیادہ تحقیق طلب مسائل کیلئے دیگر دارالافتاء اور اکابرین سے مراسلت اور مراجعت کا طریقہ بھی اختیار کیا جاتا۔ جن حضرات کی جانب سے تشفی بخش جواب آجاتا تو ان سب کی روشنی میں جواب ترتیب دیدیا جاتا۔

(۱۱)۔فتوی میں عموماً تو سائل کے سوال کے مطابق مختصر جواب دیدیا جاتا ہے،لیکن بعض تحقیقی فتاوی کتاب میں ایسے بھی آگئے ہیں، جوایک رسالے کی شکل رکھتے ہیں۔ان میں فقہی عبارات میں پائے جانے والے ابہام یااردو فتاوی میں پائے جانے والے تعارض یا تسامحات پر قلم اٹھانا پڑا ہے۔چونکہ استاذِ محترم کا مزاج تحقیقی اور سائل کے سوال کا تشفی بخش جواب (بایں طور کہ کوئی گوشہ تشنہ نہ رہے) فراہم کرنے کا ہے، دوسری طرف بعض سوالوں میں ہی ان اکابرین کی عبارات سے متعلق استفسار ہوتا ہے، لہٰذا ادب و احترام اور علوِ مرتبت کا لحاظ رکھتے ہوئے، قرآن وحدیث، فقہی نصوص اور مذہب حنفی کے مطابق بعداز تحقیق جو جواب واضح ہوتا، اسے امانت و دیانت کے ساتھ تحریر کردیا جاتا۔بعض اوقات تصریحات سے عدول اصولِ فتوی کے مطابق ممکن نہیں ہوتا، وہاں اپنے تحفظات درج کردیئے جاتے۔الغرض ان فتاوی میں اختیار کی گئی رائے میں ہم سے بھی تسامح ممکن ہے، لہٰذا ان تحقیقی فتاوی کوادب واحترام کا پاس رکھتے ہوئے مطالعہ کیا جائے اور کسی سے متعلق سوءِ ادب ذہن میں نہ آنے دیا جائے۔

(۱۲)۔استاذِ محترم کے حکم سے راقم الحروف نے نجم الفتاوی کی پہلے سے طبع شدہ تینوں جلدوں کا بھی از سرِ نو مطالعہ کیا۔ان میں موجود بعض اغلاط اور استدراکات کی نشاندہی کی۔اغلاط کی حتی المقدور تصحیح کردی گئی ہے۔جن مواقع پر کچھ استدراک تھا اس میں بعداز تحقیق اور حضرت استاذِ محترم دامت برکاتہم سے مشاورت اور مباحثے کے بعد، جن مواقع پر استاذِ محترم کو استدراک درست معلوم ہوا، ان فتاوی سے رجوع کرلیا گیا ہے۔فقہ میں چونکہ قوتِ دلیل کا اعتبار ہوتا ہے اور فتاوی میں ایسے تسامحات ہوجاتے ہیں، لہٰذا ان مقامات پر رجوع کا فتوی نقل کردیا گیا ہے، الغرض ابتدائی تین جلدیں بھی بعض تحقیقی اضافہ جات کے ساتھ منظرِ عام پر آرہی ہیں۔

(۱۳)۔اس عرصے میں بعض استدراک ابتدائی تین جلدوں سے متعلق خارجی طور پر بھی موصول ہوئے تھے، ان میں بھی جو مسائل رجوع کے متقاضی تھے، ان سے رجوع کرلیا گیا۔ان کو بھی کتاب کا حصہ بنادیا گیا ہے۔

(۱۴)۔بعض مسائل ابتدائی تین جلدوں سے متعلق ایسے بھی ہیں، جن میں نجم الفتاوی کی یہ تین جلدیں طبع ہونے کے بعد استاذِ محترم کی رائے تبدیل ہوئی ہے، لہٰذا اس کا اثر کتاب میں موجود فتاوی پر بھی ہوا ہے۔ان مقامات میں کتاب کے اندر تبدیلی اور تعیین کردی گئی ہے۔اگلی سطور میں راقم مختصراً ان مذکورہ بالا تمام مقامات کا ذکر کردے گا۔

(۱۵)۔نجم الفتاوی کی ان مکمل چھ جلدوں سے متعلق [جو عقائد سے لے کر طلاق تک کے مسائل پر مشتمل ہیں] ایک اہم کام یہ بھی کیا گیا ہے، کہ ان میں موجود احادیث کی تخریج کی گئی ہے، تاکہ کسی موضوع یا ضعیف حدیث پر جواب کا مدار، جواب کے ضعف اور کتاب کی حیثیت پر مؤثر نہ ہو۔اس کام کو انجام دینے میں ۱۴۳۵ھ [بمطابق 2014ء] کے طلبہ تخصص نے کافی معاونت کی اور اس اہم کام کو سرانجام دینا آسان بنایا۔

(۱۶)۔ان تمام مراحل سے گزر کر نجم الفتاوی کی کمپوزنگ کا مرحلہ آیا۔چوتھی، پانچویں اور چھٹی جلد کی کمپوزنگ بھی دوسری اور تیسری جلد کی طرح جامعہ کے قدیم کمپوزر ''بھائی شکیل'' نے ہی کی ہے۔

(۱۷)۔کمپوزنگ کے بعد پروف کی تصحیح کیلئے یہ طریقہ اختیار کیا گیا کہ پہلے راقم الحروف پروف کی تصحیح کرتا جاتا اور چند چند

صفحات استاذ محترم کے حوالے کرتا جاتا۔ استاذ محترم بھی اس پر ایک نظر فرماتے اور اگر کوئی غلطی رہ گئی ہوتو اس کی تصحیح فرمادیتے۔ نیز ۱۴۳٦ھ [بمطابق 2015ء] کے تخصص کے طلبہ کرام نے بھی تصحیح کے کام میں معاونت کی۔

(۱۸)۔ ہر مسئلے کے صریح جزئیے کا عربی حوالہ لانے کا اہتمام کیا گیا ہے۔

(۱۹)۔ تمام جلدوں کی مکمل فہرست تیار کی گئی ہے اور مختصر فہرست کا بھی اہتمام کیا گیا ہے نیز کتاب کے ہر صفحے کی پیشانی پر باب کے عنوان کا اہتمام کیا تا کہ قاری کیلئے آسانی پیدا ہو اور اسے سرسری نظر میں بھی ہر صفحے پر موجود مسئلے کا باب معلوم ہو۔ قرآن کریم کی آیات پر اعراب کا اہتمام کیا گیا ہے۔ اس کے لئے ایک سافٹ ویئر سے مدد لی گئی ہے نیز قرآن کریم کے خط کو حتی المقدور رسم عثمانی کے مطابق رکھنے کی کوشش کی گئی ہے۔

(۲۰) نجم الفتاوی کی یہ طبع جدید [مکمل چھ جلدیں] جہاں اور خاصیات کی حامل ہیں وہاں ان کی زینت وہ تحقیقی اور تفصیلی فتاوی بھی ہیں جو ان چھ جلدوں میں جا بجا پھیلے ہوئے ہیں اور مختلف عنوانات کی یہ تحقیقات جو کہ فتاوی کا حسن ہوتی ہیں، متعلقہ ابواب میں انہیں درج کر دیا گیا ہے۔ اہل علم، صاحب نظر، فقہ اور تفقہ کا ذوق رکھنے والوں اور تحقیق کے شناوروں کیلئے ان فتاوی میں انتہائی قابلِ قدر مواد موجود ہے، یہ موتیاں چونکہ چھ جلدوں میں جا بجا بکھری ہوئی ہیں لہذا سہولت کے پیشِ نظر ان سب کی ایک اجمالی فہرست نجم الفتاوی کی اس پہلی جلد کے آخر میں دے دی گئی ہے جو ان فتاوی کے نام اور مختصر تعارف پر مشتمل ہے تا کہ اہل علم حضرات یک جا ان پر نظر کر سکیں نیز ہر جلد کے آخر میں فقط اسی جلد میں موجود تحقیقی فتاوی کے نام دے دیئے گئے ہیں۔

یہ [اور اس کے علاوہ بعض اہم احتیاطیں] وہ بنیادی باتیں ہیں جن کا لحاظ رکھتے ہوئے راقم الحروف نے اس عظیم الشان کام کو ترتیب دیا ہے۔ راقم اپنی کم علمی اور کم عملی کا معترف ہے، اگر استاذِ محترم کا سایہ اور قدم بقدم موجود رہنمائی نہ ہوتی تو شاید اتنے بڑے کام کا ایک فیصد بھی بندہ مرتب نہ کر پاتا۔ یہ استاذ محترم دامت برکاتہم کا احسان ہے کہ انہوں نے راقم کو اس قابل سمجھ کر یہ ذمہ داری سونپی اور بنفس نفیس اپنی بے شمار انتظامی، تدریسی اور دارالافتاء کی ذمہ داریوں کے باوجود، اتنا وقت دیا کہ ایسا معلوم ہوتا تھا کہ حضرت استاذ محترم کیلئے اس کام کی اہمیت سب سے زیادہ ہے۔ اس دورانیے میں راقم کو استاذِ محترم دامت برکاتہم سے استفادے کا جتنا موقع ملا، راقم اس کے مطابق اخذ تو نہ کر سکا لیکن اسے اپنی خوش نصیبی اور خوش بختی سمجھتا ہے۔ بلا مبالغہ بے شمار مسائل پر گھنٹوں استاذِ محترم سے بحث ہوئی۔ حضرت استاذِ محترم کی زبان سے نکلے نکات، حضرت کے طریقِ استدلال، فقہی بصیرت اور بے شمار وہ صلاحیتیں راقم نے قریب سے مشاہدہ کیں، کہ کفرانِ نعمت ہوگا کہ رب کی اس نعمت پر اس کا ہزاروں مرتبہ شکر ادا نہ کیا جائے۔ یہ اس ذاتِ کریم کا فضل ہے کہ اس نے راقم کے اوقات کو اس عظیم مصرف میں لگا دیا اور اس عظیم ہستی سے استفادے کا اتنا کثیر موقع عنایت فرمایا، جن کے قریب چند لمحات گزارنا بھی سعادت سمجھا جاتا ہو۔ الغرض ''نجم الفتاویٰ'' ابھی اپنی تکمیل کو نہیں پہنچی ہے۔ یہ تو ایک سمندر ہے، راقم کیلئے یہ اعزاز ہے کہ راقم کو اس میں اپنا حصہ ڈالنے کا موقع ملا، اور جدید ترتیب وتبویب کے مطابق اسے شائع کیا گیا۔ فقہی ترتیب کے مطابق نکاح اور طلاق کے بعد متعدد ابواب ابھی باقی ہیں۔ اللہ تعالیٰ سے ہم سب کی دعا ہے کہ دارالافتاء میں موجود یہ قیمتی ذخیرہ جلد از جلد طبع ہو جائے۔

نجم الفتاوی کے گزشتہ ایڈیشن میں موجود بعض مسائل سے رجوع کا ذکر:

آخر میں راقم الحروف نجم الفتاویٰ کی ابتدائی تین جلدوں سے متعلق اس حالیہ ایڈیشن میں جو رجوع یا تبدیلیاں کی گئی ہیں، ان کا مختصراً ذکر کر رہا ہے۔ اگلی سطور میں ذکر جلد اور صفحہ نمبر گزشتہ ایڈیشن کے ہیں۔ اس ایڈیشن میں کچھ اضافہ جات کی بنیاد پر معمولی تقدیم وتاخیر ہوگی۔ پہلی جلد میں یہ تبدیلیاں کی گئی ہیں:

(۱)۔ پہلی جلد کے (صفحہ ۶۹) پر اپنی بیوی کو "تو مجھے اللہ سے زیادہ پیاری ہے" کہنے والے سے متعلق اشباہ کی عبارت کی بنیاد پر محبت شہوت اور محبت طاعت کا فرق کیا گیا تھا، لیکن دیگر حوالوں کی بنیاد پر اس سے رجوع کر کے اس فتوے کو تبدیل کر دیا گیا ہے۔

(۲)۔ پہلی جلد کے ہی (صفحہ ۷۱) پر بغیر وضو کے عمداً نماز پڑھنے سے مطلقاً کفر کا فتویٰ موجود تھا، لیکن تحقیق کے بعد اس فتوے سے رجوع کر لیا گیا ہے، بغیر وضوء کے عمداً نماز پڑھنے میں کچھ تفصیل ہے اسے کتاب میں دیکھ لیا جائے، لیکن مطلقاً تکفیر اس میں نہیں ہوگی۔

(۳)۔ پہلی جلد کے (صفحہ ۱۰۱) پر مالک کے نوکر کو یہ کہنے پر کہ "میں ان شاء اللہ نہیں جانتا" اس پر مطلقاً دائرہ اسلام سے خروج کا فتویٰ تھا، لیکن مزید تحقیق سے یہ ظاہر ہوا کہ یہاں بھی تفصیل ہے، لہٰذا اس فتوے کو تبدیل کر دیا گیا ہے۔

(۴)۔ پہلی جلد کے (صفحہ ۱۱۶) پر نماز کو ورزشی عمل اور نازیبا کلمات استعمال کرنے والے کے بارے میں تفصیل کی گئی تھی، لیکن اب یہ واضح ہوا ہے کہ یہ شخص مطلقاً استہزاء کرنے والا اور کافر ہے، لہٰذا اس فتوے کو تبدیل کر دیا گیا ہے۔

(۵)۔ پہلی جلد کے (صفحہ ۱۳۳) پر قراءات سبعہ عشر کے منکر سے متعلق پہلے تفصیل نہ تھی، بلکہ مطلقاً تکفیر کا قول تھا، لیکن اب اس میں کچھ تفصیل اور تبدیلی کر دی گئی ہے۔

(۶)۔ پہلی جلد کے (صفحہ ۱۶۲) پر سبز عمامے سے متعلق عدمِ ثبوت کا فتویٰ درج تھا، لیکن بعض روایات اور فقہی عبارات سے چونکہ اس کا ثبوت ملتا ہے، لہٰذا سبز عمامے کے ثبوت کا قول کیا گیا ہے، البتہ بدعتیوں کا شعار بن جانے کی وجہ سے ترک کرنا چاہیئے۔

(۷)۔ پہلی جلد کے (صفحہ ۳۴۴) پر ایسے شخص سے متعلق جو حرمین میں نماز پڑھنے کا مدعی ہو اور مقام (اپنے گھر) پر نماز نہ پڑھتا ہو، پہلے تفصیل کی گئی تھی، لیکن اب ایسے شخص سے متعلق مطلقاً فسق کا قول اختیار کیا گیا ہے۔ اس فتوے کو تبدیل کر دیا گیا ہے۔

اس کے علاوہ بعض فتاویٰ میں معمولی تبدیلیاں اور اضافے کئے گئے ہیں، نیز بعض اہم اور مفصل فتاویٰ کا اضافہ بھی کیا گیا ہے، مثلاً حیاۃ النبی صلی اللہ علیہ وسلم، سماعِ موتیٰ، توسل، حرام شئی کی حلت کی تمنا کرنا، فقہ حنفی میں شاتم رسول کا حکم، قرآن خوانی پر اجرت وغیرہا بعض انتہائی مفید، محقق ومدلل اور پر مغز فتاویٰ کا اضافہ بھی پہلی جلد کے اس ایڈیشن میں کیا گیا ہے۔

دوسری جلد میں یہ تبدیلیاں کی گئی ہیں: (۱)۔ جلد ۲ کے (صفحہ ۸۱) پر مصنوعی بالوں پر مسح سے متعلق فتویٰ میں کچھ تسامحات تھے۔ ہر بال کو مطلقاً لگوانا ناجائز قرار دیا گیا تھا، جبکہ ایسا نہیں۔ نیز لگوانے کے بعد مطلقاً مسح کے جواز کا قول تھا، جس پر خنزیر وغیرہ کے بال سے اشکالات وارد ہوتے ہیں، لہٰذا اس فتوے میں تبدیلی کی گئی ہے۔

(۱)۔جلد ۲ (صفحہ ۸۵) پر مسح الرقبۃ میں رقبہ کا اطلاق گدی پر کیا گیا تھا،لیکن بعد از تحقیق طرفین کا رقبہ میں داخل ہونا واضح ہوا ہے لہٰذا اس فتویٰ کو رقبہ کے مصداق کی حد تک تبدیل کر دیا گیا ہے۔

(۳)۔جلد ۲ کے (صفحہ ۱۶۹) پر حالت جنابت میں ناخن کاٹنے سے متعلق ایک فتوے پر ایک سائل کو کچھ اشکالات تھے،اس فتوے کو تبدیل تو نہیں کیا گیا،لیکن اس کے بعد وضاحتی فتویٰ اور اشکالات کا دفیعہ تحریر کر دیا گیا ہے۔

(۴)۔جلد ۲ کے (صفحہ ۲۸۶ اور ۲۸۷) پر دو فتووں میں مسبوق کے بوقتِ شرکت،ثناء نہ پڑھنے کا قول کیا گیا تھا۔اس پر بعض فقہی عباراتِ اور معتمد کتب کے حوالجات سے ایک سائل نے استدراک کیا،لیکن ان عبارات اور اشکالات کو قوی نہ سمجھا گیا،بلکہ ان کو مان لینے میں بہت سے اشکالات وارد ہو رہے تھے،جن کا کوئی حل نہ تھا،لہٰذا ان عبارات اور اشکالات کے جوابات تحریر کئے گئے اور تا حال یہی رائے ہے کہ مسبوق بوقتِ شرکت ثناء نہیں پڑھے گا،ان اشکالات کا مدلل انداز میں ردّ فتویٰ کی صورت میں ان دو فتاویٰ کے بعد اضافہ کر دیا گیا ہے،جس میں تمام تفصیلات ملاحظہ کی جا سکتی ہیں۔

(۵)۔جلد ۲ کے (صفحہ ۳۳۳) اور (صفحہ ۵۵۶) پر دونوں میں کراہتِ تحریمی کے ساتھ اداء نماز کے واجب الاعادہ ہونے سے متعلق ماہیت اور غیر ماہیت صلوٰۃ کا فرق کیا گیا تھا،جو کہ بعض فقہاء نے کیا ہے۔علامہ شامی رحمۃ اللہ علیہ نے بھی الاقرب الأول کہہ کر اسے اختیار فرمایا ہے،اگرچہ بعد میں وہ خود بھی اس پر مکمل مطمئن نہیں۔نیز مدافع الاخبثین، صلوۃ الی وجہ الانسان،تصویر والے کپڑوں میں نماز وغیرہ صورتوں میں کراہت ماہیت میں نہیں،لیکن نماز واجب الاعادہ ہے۔نیز دیگر دلائل کی بنیاد پر یہ رائے بنی ہے کہ نماز مطلقاً واجب الاعادہ ہو اور قاعدہ "کل صلوۃ أدیت مع کراھۃ التحریم تجب اعادتہا" کو اطلاق پر رکھا جائے،لہٰذا ان دونوں فتاویٰ کو تبدیل کر دیا گیا ہے اور کراہتِ تحریم کے ساتھ اداء نماز کے مطلقاً اعادے کا حکم لگایا گیا ہے۔

(۶)۔جلد ۲ کے (صفحہ ۳۹۴) پر نجاست غلیظہ میں صرف درہم کی مقدار مساحۃً کا اعتبار کیا گیا تھا،جبکہ کتب کی مراجعت سے کچھ فرق معلوم ہوتا ہے خشک نجاست میں درہم کی مقدار وزناً اور تر نجاست میں مساحۃً کا قول راجح معلوم ہوتا ہے،لہٰذا اس فتویٰ کو تبدیل کر دیا گیا ہے۔

(۷)۔جلد ۲ کے (صفحہ ۴۰۲) پر نماز فجر کی سنتوں سے متعلق فرض کے تابع ہو کر قضاء کا فتویٰ درج تھا،لیکن اب بعد از تحقیق یہ رائے بنی ہے کہ زوال سے قبل تک انفراداً بھی فجر کی سنتیں قضاء کر لینا بہتر ہے۔

(۸)۔جلد ۲ کے (صفحہ ۵۱۷) پر غیر عربی میں خطبہ دینے سے متعلق فتویٰ میں کچھ تسامحات ہوئے تھے،امام صاحب رحمۃ اللہ علیہ کا مطلقاً قراءت،خطبہ اور جمیع اذکارِ صلاۃ میں رجوع ثابت کر دیا گیا تھا،جیسا کہ علامہ عینی سے بھی یہ تسامح ہوا ہے،جبکہ امام کا رجوع صرف قراءت میں ثابت ہے،لہٰذا اس فتوے کو تبدیل کر کے مدلل و مفصل فتویٰ مع تنقیحات کے درج کر دیا گیا ہے۔

اس کے علاوہ رفضِ ارکان،تاخیرِ جنائز،انتقالِ میت،رفعِ یدین،جمعہ کیلئے مصر کی شرائط،نمازِ جنازہ کا داخلِ مسجد پڑھنا،مسجد سے متصل جنازہ گاہ وغیرہ جیسی رفاہی زمینوں کا حکم اور اس جیسے دیگر محقق و مدلل فتاویٰ کا بھی دوسری جلد میں اضافہ کیا گیا ہے۔

تیسری جلد میں یہ تبدیلیاں کی گئی ہیں: (۱)۔ جلد ۳ کے (صفحہ ۹۰) پر زکوۃ کے نصاب ساڑھے باون تولہ چاندی کو گرام میں (۶۱۳.۲۵ گرام) تحریر کردیا گیا تھا جو کہ صحیح مقدار نہیں۔ اسے تبدیل کردیا گیا ہے۔

(۲) جلد ۳ (صفحہ ۹۸) پر مرتد کے دوبارہ اسلام لانے کے بعد گزشتہ حالتِ اسلام میں واجب (غیر اداء) زکوۃ کے سقوط کا فتوی تحریر تھا لیکن خانیہ، طحطاوی اور شامیہ وغیرہ کی تصریحات کو مقدم کرتے ہوئے اس فتوی سے رجوع کرلیا گیا ہے اور اب رجوع کا فتوی اس مقام پر اضافہ کردیا گیا ہے یعنی مرتد کو اسلام لانے کے بعد گزشتہ واجب زکوۃ وغیرہ کی ادائیگی ضروری ہے۔

(۳)۔ جلد ۳ کے (صفحہ ۲۵۰) پر روزے میں انجکشن لگوانے سے متعلق اگر معدے تک پہنچ جائے تو روزہ ٹوٹ جانے کا حکم تحریر تھا، جبکہ بعد از تحقیق یہ واضح ہوا ہے کہ انجکشن سے روزہ نہیں ٹوٹتا، چاہے دواء معدے تک پہنچ جائے۔

اس کے علاوہ زکوۃ میں حاجتِ اصلیہ کا تعین [کہ حاجت اصلیہ میں کون کون سی چیزیں شامل ہیں؟]، نیز فلوس پر بوقت ضرورت زکوۃ ہے یا نہیں؟ اور اس بنیاد پر نوٹ پر زکوۃ سے متعلق اشکالات کے جواب اور روزہ میں نسیاناً دخول ہو جائے اور پھر روزہ یاد آئے یا طلوع میں وقت باقی ہونے کا سمجھ کر دخول کرلیا جائے اور بعد میں طلوع کا علم ہو، تو روزے کے حکم وغیرہ عنوانات پر سیر حاصل فتاوی تیسری جلد کے اس ایڈیشن میں شامل کئے گئے ہیں۔

یہ تو ابتدائی تین جلدوں میں کی گئی تبدیلیوں، رجوع اور تحقیقات کا ذکر تھا۔ چوتھی، پانچویں اور چھٹی جلد اس ایڈیشن میں ہی اضافہ کی گئی ہیں۔ ان میں نکاح وطلاق سے متعلق مسائل جمع کئے گئے ہیں، نیز بہت سے تحقیقی، نادر اور دلائل قویہ والے فتاوی سے مزین یہ تین جلدیں منظر عام پر آئی ہیں۔

کتاب النکاح سے متعلق مسائل زیادہ ہونے کے سبب اسے دو جلدوں میں طبع کیا جارہا ہے۔ بندہ ایک بار پھر اس پر اللہ تعالیٰ کا شکر ادا کرتا ہے کہ اس تحقیقی اور مدلل کام میں اپنا حصہ ڈالنے کی توفیق ملی، ھٰذا من فضل ربی۔ اللہ سبحانہ وتعالیٰ سے دعا ہے کہ اللہ تعالیٰ اسے اپنی بارگاہ میں قبول فرما کر اخلاص اور اپنی خوشنودی کے حصول کا سبب بنائے۔ کوئی کتاب بالخصوص فتاوی سے متعلق کتاب غلطیوں یا تسامحات سے خالی نہیں ہوسکتی۔ از حد تحقیق کے بعد بھی غلطی کا وقوع یا پروف ریڈنگ کی غلطیاں رہ سکتی ہیں، لہٰذا کسی پڑھنے والے کو کسی بھی نوعیت کی غلطی کا احساس ہو تو وہ مطلع فرمائے۔ ان شاء اللہ ہم اس کے شکر گزار ہوں گے اور اگر غلطی درست معلوم ہوئی تو اسے تبدیل کردیا جائے گا۔ اللہ تعالیٰ ہم سب کا حامی وناصر ہو۔

فقط

ابوعزام فرحان حسن بن مظفر حسین

خریج جامعہ فاروقیہ کراچی

متخصص واستاذ جامعہ دارالعلوم یاسین القرآن

ومسئول شعبہ تصنیف وتالیف

۲۰ محرم ۱۴۳۶ھ [بمطابق 2015ء]

مقدمة

للشيخ الامام الفقيه المحدث المفتى البحاث صاحب اليد العليا فى العلوم كلها

الاستاذالشيخ المفتى "سيدنجم الحسن امروهوى" دامت بركاتهم العالية

استاذالاساتذة والعلماء،مدير الجامعة دار العلوم ياسين القرآن ورئيس دار الافتاء بها

والخطيب بالمسجد الجامع "اكبرى مدنى جامع مسجد"

بِسۡمِ اللّٰہِ الرَّحۡمٰنِ الرَّحِیۡمِ

مقدمہ

از

شیخ الحدیث حضرت مولانا مفتی سید نجم الحسن امروہوی دامت برکاتہم

الحمد للہ رب العالمین والعاقبۃ للمتقین والصلوٰۃ والسلام علی رسولہ محمد وعلی آلہ واصحابہ اجمعین وعلی من تبعھم باحسان من المحدثین والفقہاء المجتہدین والعلماء العاملین۔

امابعد!

اللہ تعالیٰ کا ارشاد گرامی ہے: اَلرَّحْمٰنُ عَلَّمَ الْقُرْآنَ (رحمٰن نے قرآن کریم کی تعلیم دی)۔اس سے معلوم ہوا کہ تمام علوم میں اصل وحی کا علم ہے اور اس وحی الٰہی کے ساتھ اسلام جو فلاح انسانیت کا ضامن ہے انسانی زندگی کے تمام شعبوں، افکار ونظریات، اخلاق، عادات ومعاملات، معاشرت ومناکحت، حدود وتعزیر، میراث وترکات، نجی امور واجتماعیات، ملکی وبین الاقوامی سیاسیات میں بھرپور رہنمائی مہیا کر کے زندگی کا رشتہ مکمل طور پر وابستہ کرتا ہے۔اس وابستگی کا فائدہ کیا ہے......؟

نوعی اعتبار سے انسان نباتات اور حیوانات سے برتر ومکرم مخلوق ہے:

وَلَقَدْ كَرَّمْنَا بَنِيْ آدَمَ وَحَمَلْنٰهُمْ فِي الْبَرِّ وَالْبَحْرِ وَرَزَقْنَاهُمْ مِنَ الطَّيِّبٰتِ وَفَضَّلْنٰهُمْ عَلٰى كَثِيرٍ مِّمَّنْ خَلَقْنَا تَفْضِيلًا (الاسراء :۷۰)

ترجمہ: اور ہم نے آدم کی اولاد کو عزت دی اور ہم نے ان کو خشکی اور دریا میں سوار کیا اور نفیس نفیس چیزیں ان کو عطا فرمائیں اور ہم نے ان کو اپنی بہت سی مخلوقات پر فوقیت دی۔(ترجمہ از بیان القرآن)

لَقَدْ خَلَقْنَا الْإِنْسَانَ فِي أَحْسَنِ تَقْوِيمٍ (التین:٤)

ترجمہ: ہم نے انسان کو بہت خوبصورت سانچے میں ڈھالا ہے۔(از بیان القرآن)

مذکورہ انواع اپنی نشونما اور کمال نوعی کی تحصیل میں مادی غذا کی محتاج ہیں جیسے پانی کے بغیر نباتاتی وحیوانی زندگی کا تصور نہیں اسی طرح وحی خداوندی کے بغیر ''انسانی زندگی'' کا امکان نہیں۔ کیونکہ انسانیت کے لئے وحی الٰہی کی ایسے ہی حقیقی ضرورت ہے جیسے حیات کے لئے پانی کہ جس طرح پانی کے بغیر درخت پھل لانے کے بجائے سوکھ کر ایندھن کی جگہ کام آتا ہے اسی طرح اتباع وحی کے بغیر کمال نوعی سے محروم ہو کر انسان دوزخ کا ایندھن بن جاتا ہے۔

وَمَا خَلَقْتُ الْجِنَّ وَالإِنْسَ إِلا لِيَعْبُدُونِ(الذاريات:٥٦)

ترجمہ: اور میں نے جن اور انسان کو اسی واسطے پیدا کیا ہے کہ میری عبادت کیا کریں۔(از بیان القرآن)

اللہ تعالیٰ نے انسان کو دنیا میں بھیجا تاکہ وہ یہاں اللہ تعالیٰ کے احکامات کے مطابق زندگی گزار کر اللہ تعالیٰ کی خوشنودی حاصل کرے اور آخرت میں جنت کا مستحق ہو جیسا کہ صحابہ کرام رضوان اللہ علیہم اجمعین کو اس انعام کا مستحق قرار دیتے ہوئے ارشاد باری تعالیٰ ہے:

إِنَّ الَّذِينَ اٰمَنُوا وَعَمِلُوا الصّٰلِحٰتِ أُولٰئِكَ هُمْ خَيْرُ الْبَرِيَّةِ جَزَاؤُهُمْ عِنْدَ رَبِّهِمْ جَنّٰتُ عَدْنٍ تَجْرِي مِنْ تَحْتِهَا الْأَنْهٰرُ خٰلِدِيْنَ فِيهَا أَبَدًا رَضِيَ اللهُ عَنْهُمْ وَرَضُوْا عَنْهُ ذٰلِكَ لِمَنْ خَشِيَ رَبَّه

(البينة :٧،٨)

ترجمہ: بیشک جو لوگ ایمان لائے اور انہوں نے اچھے کام کئے وہ لوگ بہترین خلائق ہیں ان کا صلہ ان کے پروردگار کے نزدیک ہمیشہ رہنے کی بہشتیں ہیں جن کے نیچے نہریں جاری ہوں گی جہاں ہمیشہ ہمیشہ رہیں گے اللہ تعالیٰ ان سے خوش رہے گا اور وہ اللہ سے خوش رہیں گے یہ اس شخص کیلئے ہے جو اپنے رب سے ڈرتا ہے۔ (از بیان القرآن)

اس سے معلوم ہوا کہ زندگی کے تمام شعبوں اور اسی طرح فلاح دارین کا دارومدار فقط وحی پر ہے۔ اس کی کیا وجہ ہے؟ حضرت شیخ الہند محمود الحسن رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں:

''اللہ تعالیٰ نے انسان کو حواس بھی دیئے ہیں اور عقل بھی عطا فرمائی ہے لیکن ان کے ذریعے ایک مخصوص حد تک علم حاصل ہو سکتا ہے بلکہ اس میں بھی غلطیاں ہوتی ہیں مثلاً دن رات ہم مشاہدہ کرتے ہیں نگاہ غلطی کرتی ہے چنانچہ چاندنی رات کو جب چاند بھی نکلا ہوا ہو اور بادل بھی آسمان پر ہوں تو دیکھنے والے کو محسوس ہوتا ہے کہ گویا چاند دوڑ رہا ہے جبکہ حقیقت میں بادل دوڑ رہے ہوتے ہیں۔ یہی حال تمام حواس ظاہرہ کا ہے۔ جہاں تک عقل کا تعلق ہے سو آپ کو معلوم ہے کہ وہ نابالغ ہے خواہ وہ ترقی کر کے کہیں سے کہیں پہنچ جائے۔ اس میں عدم بلوغ کی شان باقی اور برقرار رہتی ہے چنانچہ ہم عقلاء کو دیکھتے ہیں کہ ہر چیز میں اختلاف کرتے ہیں۔ شاذ و نادر کسی مسئلے میں ان کا اتفاق ملے گا ورنہ اختلاف ہی اختلاف ہوتا ہے۔ یہ اختلاف اس بات کی دلیل

ہے کہ عقل کی رسائی منزل تک ضروری نہیں''۔

(کشف الباری ۱/۲۱۱)

معلوم ہوا کہ انسان کی فلاح وبہبود کے لئے نہ تو حواس ظاہرہ پر کلی اعتماد وانحصار کیا جاسکتا ہے اور نہ ہی انسانی عقل پر کیونکہ یہ تمام چیزیں حقیقت کے کماحقہٗ ادراک سے عاجز ہیں۔ ان کے مقابلے میں ایک ذریعہ علم وحی ہے جس کے دائرہ کار کی ابتدا عقل وحواس کی حدود ختم ہونے کے بعد شروع ہوتی ہے اور یہ ایسا محفوظ ذریعہ ہے کہ قرآن نے اعلان کیا ہے:

لا يَأْتِيهِ الْبَاطِلُ مِنْ بَيْنِ يَدَيْهِ وَلا مِنْ خَلْفِهِ تَنزِيْلٌ مِّنْ حَكِيْمٍ حَمِيْدٍ○

(حٰمٓ السجده: ٤٢)

جس میں غیر واقعی بات نہ اس کے آگے کی طرف سے آسکتی ہے اور نہ اس کے پیچھے کی طرف سے یہ خدائے حکیم محمود کی طرف سے نازل کیا گیا ہے۔ (ترجمہ از بیان القرآن)۔

اس لئے اگر کسی انسان کی فلاح وبہبود کے لئے کسی چیز پر مکمل اعتماد کیا جاسکتا ہے تو وہ فقط ''وحی'' ہے۔

وحی:

امام راغب اصفہانی معجم مفردات الفاظ القرآن ص: ۵۵۲ پر وحی کے لغوی معنی لکھتے ہوئے فرماتے ہیں:

''اصل الوحی الاشارة السريعة''۔ یعنی جلدی سے اشارہ کر دینا اور بتادینا ہے کیونکہ فرشتہ ایک آن میں آکر غیب کی باتیں بتاجاتا ہے۔ علامہ عینی رحمۃ اللہ علیہ عمدۃ القاری ۱/ ۱۴ پر لکھتے ہیں: "والوحی فی الاصل الاعلام فی خفاء" یعنی وحی کہا جاتا ہے چپکے سے بتادینے کو چنانچہ فرشتہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس آکر اس طرح پیغام خداوندی پہنچادیتا تھا کہ لوگوں کو پتہ بھی نہیں چلتا تھا۔

لیکن اصطلاح میں وحی کا اطلاق صرف اس کلام پر ہوتا ہے ''جو اللہ تعالی کی طرف سے نازل ہو خواہ بذریعہ فرشتہ یا کسی اور ذریعہ سے، نیز جس میں اسباب ظاہری اور امور عادیہ کا دخل نہ ہو''۔ یہ وحی نبوت کے ساتھ خاص ہے۔ اور اگر وحی میں اسباب ظاہری وغیرہ کا دخل ہو مثلاً وحی بذریعہ القاء فی القلب ہو یا بذریعہ خواب ہو تو اس پر لغۃً وحی کا اطلاق ہوتا ہے اصطلاحاً نہیں۔

(معجم مفردات الفاظ القرآن: ص ۵۵۲)

پھر اس وحی کی دو قسمیں ہیں: والوحی اما متلو أو غيره وهو السنة (نورالانوار: ص۶)۔ ''وحی متلو'' قرآن اور ''وحی غیر متلو'' حدیث ہے۔ وحی کی ان دونوں قسموں سے استنباطِ مسائل واحکام کا نام فقہ ہے۔ جس کے ذریعے فرض وواجب، حلال وحرام اور صلاح وفساد کا علم ہوتا ہے۔

فقہ کی اہمیت وفضیلت قرآن وحدیث کی نظر میں:

يُؤْتِي الْحِكْمَةَ مَن يَشَاءُ وَمَن يُؤْتَ الْحِكْمَةَ فَقَدْ أُوتِيَ خَيْرًا كَثِيرًا وَمَا يَذَّكَّرُ إِلَّا أُولُو الْأَلْبَابِ○ (البقرة: ۲۶۹)

دین کا فہم جس کو چاہیں دے دیتے ہیں اور جس کو دین کا فہم مل جاوے اس کو بڑی خیر کی چیز مل گئی اور نصیحت وہی لوگ قبول کرتے ہیں جو عقل والے ہیں۔(از بیان القرآن)

اس آیت کے تحت تفسیر درمنثور ۲/ ۶۶ میں حضرت مجاہد رحمۃ اللہ علیہ کا قول نقل کرتے ہوئے علامہ سیوطی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں:

عن مجاهد رحمه الله (يؤتی الحكمة من يشاء) قال ليست بالنبوة ولكنه بالقرآن والعلم والفقه۔

"(عنایت کرتا ہے حکمت جسکو چاہے) فرمایا کہ حکمت سے مراد نبوت نہیں بلکہ قرآن، علم اور فقہ ہے"۔

نیز حضرت ابن عباس سے بھی یہ تفسیر منقول ہے یعنی "قرآن میں سمجھ بوجھ"۔

وأخرج ابن ابی حاتم عن مالك بن انس قال زيد بن اسلم ان الحكمة العقل الخ۔

"زید بن اسلم فرماتے ہیں کہ حکمت عقل ہی کا نام ہے اور میرے قلب میں یہ بات اللہ تعالی نے ڈال دی کہ حکمت اللہ کے دین میں سمجھ کا نام ہے اور یہ اللہ تعالی اپنے فضل ورحمت سے دلوں میں داخل فرماتے ہیں اور اس سے واضح ہوتا ہے کہ تو ایک آدمی کو پائے گا کہ وہ دنیاوی امور میں عقلمند ثابت ہوگا دوسرا اس کے مقابلے میں کمزور لیکن دینی معاملہ کو بصیرت سے جاننے والا ہوتا ہے تو اس کو اللہ تعالی نے حکمت عطا فرمائی اور پہلے عقلمند کو اس سے محروم رکھا۔ سو حکمت دین الہی میں سمجھ کا نام ہے"۔ (الدر المنثور ۲/۶۷)

فَلَوْلَا نَفَرَ مِنْ كُلِّ فِرْقَةٍ مِّنْهُمْ طَائِفَةٌ لِّيَتَفَقَّهُوْا فِي الدِّيْنِ وَلِيُنْذِرُوْا قَوْمَهُمْ إِذَا رَجَعُوْا إِلَيْهِمْ لَعَلَّهُمْ يَحْذَرُوْنَ (التوبة: ۱۲۲)

سو ایسا کیوں نہ کیا جاوے کہ ان کی ہر بڑی جماعت میں سے ایک چھوٹی جماعت جایا کرے تاکہ باقی ماندہ لوگ دین کی سمجھ بوجھ حاصل کرتے رہیں اور تاکہ یہ لوگ اپنی قوم کو جبکہ وہ ان کے پاس آویں ڈراویں تاکہ وہ لوگ احتیاط رکھیں۔(از بیان القرآن)

قَالَ حُمَيْدُ بْنُ عَبْدِ الرَّحْمٰنِ سَمِعْتُ مُعَاوِيَةَ خَطِيْبًا يَقُوْلُ سَمِعْتُ النَّبِيَّ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يَقُوْلُ مَنْ يُّرِدِ اللهُ بِهِ خَيْرًا يُّفَقِّهْهُ فِي الدِّيْنِ" (رواه البخاری ۱/۱۶)

"جس کے ساتھ اللہ تعالی خیر کا ارادہ فرماتے ہیں اسے دین میں سمجھ (تفقہ) عطا فرماتے ہیں"۔

"عن ابن عمر رضی الله عنهما قال قال رسول الله ﷺ افضل العبادة الفقه وافضل الدين الورع۔" (رواه الطبرانی ۱۲۲/۱۰، وفی الترغيب ۱/۵۰، کنز العمال: ۲۸۷۶۳)

''افضل عبادت فقہ ہے اور افضل دین تقویٰ ہے''۔

"عن عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما عن رسول اللہ ﷺ قال: قلیل العلم خیر من کثیر العبادۃ و کفی بالمرء فقھاً اذا عبداللہ و کفی بالمرء جھلا اذا أعجب برأیہ."

(رواہ الطبرانی فی الاوسط ۹/۳۱۸، الترغیب والترھیب ۱/۵۰)

''تھوڑا علم زیادہ عبادت سے بہتر ہے اور انسان کے سمجھدار ہونے کے لئے یہی ایک بات کافی ہے کہ وہ اللہ کی عبادت کرے اور انسان کے جاہل ہونے کیلئے یہی ایک بات کافی ہے کہ اس کو اپنی رائے بھلی لگے''۔

ان لکل شئ دعامۃ ودعامۃ ھذا الدین الفقہ ولفقیہ واحد اشد علی الشیطان من الف عابد۔ (کنز العمال :۲۸۷۶۸)

''ہر چیز کا ایک ستون ہوتا ہے، دین اسلام کا ستون فقہ ہے۔ اور شیطان پر ہزار عابدوں کے مقابلے میں ایک فقیہ عالم (کو گمراہ کرنا) سخت ہوتا ہے''۔

"طلب الفقہ حتم واجب علی کل مسلم۔" (کنز العمال ۱۰/۱۵۹ [۲۸۸۲۵])

''ہر مسلمان پر فقہ کا طلب کرنا ضروری اور واجب ہے''۔

تدوین فقہ اور ائمہ اربعہ رحمۃ اللہ علیہم:

یہ تو سب ہی جانتے ہیں کہ اسلام ایک ہمہ گیر، وسیع اور دائمی نظام حیات ہے اور اس نے اپنی اس امتیازی شان ہمہ گیری اور دوامی حیثیت کی بقاء کی خاطر اپنے اندر لچک اور گنجائش رکھی ہے، تا کہ ہر دور میں اور ہر جگہ انسانی ضروریات کا ساتھ دے سکے اور کسی منزل پر اپنے پیروکاروں کی رہبری سے قاصر نہ رہے۔

حضور اقدس صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے زندگی کے تمام گوشوں سے متعلق ایک جامع ضابطہ حیات امت کو عطا فرمایا جس میں تمام شعبوں سے متعلق قواعد وضوابط بیان کردیئے گئے ہیں۔ آپ علیہ الصلوٰۃ والسلام کے بعد خلفاء راشدین اور صحابہ کرام رضوان اللہ علیہم اجمعین نے جو کہ حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے تربیت یافتہ تھے دین وشریعت کو قائم رکھا اور چار دانگ عالم میں اس کو پھیلا دیا۔ وقت گزرنے کے ساتھ ساتھ نئے نئے مسائل پیش آتے گئے جن کا بظاہر قرآن وحدیث میں حکم نہیں ملتا تھا۔ چنانچہ علماء ربانیین نے اس ضرورت کا احساس کیا اور اس کے لئے باضابطہ سب سے پہلے سراج الامۃ حضرت امام ابوحنیفہ رحمۃ اللہ علیہ آمادہ ہوئے اور اس کے بعد دیگر ائمہ کرام کو اللہ تعالیٰ نے اس کام کے لئے منتخب فرمایا جن میں ائمہ اربعہ رحمۃ اللہ علیہم کا ذکر خاص طور پر ملتا ہے۔

من اشتھرت مذاھبھم، ھم اربعۃ :ابوحنیفۃ الکوفی ومالک واحمد والشافعی واولھم الاول ویعاصرہ الثانی الخ (مقدمۃ الفوائد البھیۃ :ص۶)

''جن کے مذاہب نے شہرت حاصل کی وہ چار ہیں امام ابوحنیفہ کوفی رحمۃ اللہ علیہ، امام مالک رحمۃ اللہ علیہ، امام احمد

رحمۃ اللہ علیہ اور امام شافعی رحمۃ اللہ علیہ ان چاروں میں سے پہلے (یعنی امام ابوحنیفہ رحمۃ اللہ علیہ) مقدم ہیں''۔

سراج الامۃ حضرت امام اعظم ابوحنیفہ رحمۃ اللہ علیہ:

آپ کا پورا نام نعمان بن ثابت الکوفی ہے لیکن آپ کی شہرت آپ کی کنیت کے ساتھ ہے جو''ابوحنیفہ'' ہے۔عام طور پر امام صاحب رحمۃ اللہ علیہ کا عجمی النسل ہونا مسلم ہے۔علامہ ذہبی نے سیر اعلام النبلاء ۶/ ۵۳۱ پر امام صاحب رحمۃ اللہ علیہ کے پوتے اسماعیل بن حماد کی زبانی یہ روایت بیان کی ہے:

''ہم پر کبھی غلامی کا دور نہیں آیا، ہم فارسی نسل کے ہیں، ہمارے دادا امام ابوحنیفہ رحمۃ اللہ علیہ ۸۰ ھ میں پیدا ہوئے''۔

تحصیل علم:

امام صاحب رحمۃ اللہ علیہ بیس (۲۰) سال کی عمر میں تحصیل علم کی طرف متوجہ ہوئے۔سب سے پہلے ادب وانساب اور اس کے بعد خصوصاً علم کلام حاصل کیا۔کچھ عرصہ کے بعد فقیہ وقت امام حماد کے حلقہ درس میں شریک ہونے لگے۔امام صاحب رحمۃ اللہ علیہ نے اگرچہ مختلف اساتذہ سے فقہ وحدیث کی تحصیل کی ہے لیکن خصوصیت سے حضرت حماد رحمۃ اللہ علیہ کے تربیت یافتہ تھے۔

شرف تابعیت:

امام صاحب رحمۃ اللہ علیہ روایت اور رؤیت دونوں اعتبار سے تابعی ہیں۔امام صاحب رحمۃ اللہ علیہ کا عائشہ بنت عجرد رضی اللہ عنہا سے صحیح سند سے سماع ثابت ہے۔''امام الجرح والتعدیل استاذ الامام بخاری ومسلم یحی بن معین رحمۃ اللہ علیہ'' نے اپنی کتاب ''التاریخ والعلل'' میں حضرت عائشہ بنت عجرد رضی اللہ عنہا سے امام صاحب رحمۃ اللہ علیہ کے سماع کی صراحت ان الفاظ میں کی ہے:

ان اباحنیفۃ صاحب الری سمع عائشۃ بنت عجرد تقول سمعت رسول اللہ ﷺ اکثر جند اللہ الجراد لا آکلہ ولا احرمہ۔

(رواہ البخاری وابو داؤد ونعیم وروی ابن ماجہ عن انس رضی اللہ عنہ وذکرہ ابن المنذر باختلاف السند والمتن)

حافظ ابن حجر رحمۃ اللہ علیہ نے لسان المیزان (۳/ ۶۶۰) پر بھی یحی بن معین رحمۃ اللہ علیہ کا یہ قول نقل کیا ہے۔حضرت عائشہ بنت عجرد رضی اللہ عنہا سے امام صاحب رحمۃ اللہ علیہ کے علاوہ عثمان بن راشد بھی روایت کرتے ہیں اور حجاج بن ارطاۃ بھی حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے روایت کرتے ہیں۔

اس کے علاوہ حافظ ابن عبدالبر مالکی رحمۃ اللہ علیہ جو خطیب کے معاصر ہیں، اپنی مشہور تصنیف "جامع بیان العلم وفضلہ" ص ۴۵ پر امام ابو یوسف رحمۃ اللہ علیہ کے واسطے سے ہوتے ہوئے امام صاحب رحمۃ اللہ علیہ کی عبداللہ بن الحارث رضی اللہ عنہ سے روایت ذکر کرتے ہیں:

"ابو عمر بن عبد البرّ فقال اخبرت عن ابی یعقوب یوسف بن احمد الصیدلانی المکی حدثنا ابو جعفر محمد بن عمرو بن موسی العقیلی حدثنا ابو عبد اللہ بن جعفر الرازی عن ابی یوسف سمعت اباحنیفة یقول حججت مع ابی ثلاث وتسعین ... ھذا رجل قد صحب رسول اللہ ﷺ یقال لہ عبد اللہ بن الحارث بن جزء الخ...." (اعلاء السنن)

اسی طرح حافظ ابو بکر جعابی حنفی رحمۃ اللہ علیہ نے بھی اپنی نادر تصنیف (الانتصار لمذھب ابی حنیفہ) میں اسی اسناد سے امام صاحب رحمۃ اللہ علیہ کی صحابی سے روایت کردہ حدیث ذکر فرمائی ہے۔ یحیٰ بن معین اور ابن عبدالبر رحمۃ اللہ علیہ کی اسناد سے متعلق محدث العصر امام الحدیث والنقد علامہ عبدالرشید نعمانی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ اس میں کسی طرح کی جرح منقول نہیں نیز مزید فرماتے ہیں کہ:

"اگر یہ روایات پایہ ثبوت تک نہ پہنچتیں تو امام بن معین، ابو بکر جعابی، حافظ ابونعیم اصفہانی، حافظ ابن عبدالبر مالکی رحمہم اللہ جو روایت حدیث کے ارکان خیال کئے جاتے ہیں ہرگز امام صاحب رحمۃ اللہ علیہ کے متعلق اس بات کی تصریح نہ کرتے کہ انہوں نے صحابہ کرام رضوان اللہ علیہم اجمعین سے حدیثیں سنی ہیں"

جہاں تک امام صاحب رحمۃ اللہ علیہ کی دیگر روایات کا تعلق ہے اگر انہیں ضعیف بھی مان لیا جائے تو ضعیف روایات مناقب رجال اور فضائل اعمال میں مقبول ہیں۔ نیز حضرت انس رضی اللہ عنہ والی روایت اتنی قطعی اور یقینی ہے کہ دارقطنی اور خطیب جیسے حضرات بھی اس کا انکار نہ کر سکے۔ بعض روایات کے مطابق جس زمانہ میں آپ کوفہ میں پیدا ہوئے تھے تو بہت سے صحابہ کرام رضوان اللہ علیہم اجمعین وہاں موجود تھے۔ اور اس میں تو کسی کو بھی شبہ نہیں ہے کہ بعض صحابہ رضوان اللہ علیہم اجمعین کو آپ نے دیکھا تھا۔

أما رؤیته لانس رضی اللہ عنہ وادراکه لجماعة من الصحابة بالسن فصحیحان لاشك فیهما۔
(الخیرات الحسان: ۵۵)

"یعنی امام صاحب رحمۃ اللہ علیہ کا حضرت انس رضی اللہ عنہ کی زیارت اور صحابہ کرام رضوان اللہ علیہم اجمعین کی ایک جماعت کا زمانہ پانا دونوں باتیں صحیح ہیں اور شک وشبہ سے پاک ہیں"۔

یہ شرف ایسا ہے کہ جس میں ائمہ اربعہ رحمۃ اللہ علیہم میں سے کوئی آپ کا شریک نہیں بلکہ یہ امتیازی شان صرف آپ کو ہی حاصل ہے۔

وفی فتاوی شیخ الاسلام ابن حجر انه ادرك جماعة من الصحابة کانوا بالکوفة بعد مولده بها سنة ثمانین فهو من طبقة التابعین ولم یثبت ذالك لاحد من ائمة الامصار المعاصرین کالاوزاعی بالشام والحمادین بالبصرة والثوری بالکوفة ومالك بالمدینة

الشریفة واللیث بن سعد بمصر۔ (الخیرات الحسان :ص ۴۸)

”امام صاحب رحمۃ اللہ علیہ نے ان صحابہ کرام رضوان اللہ علیہم اجمعین کی ایک جماعت کو پایا جو ۸۰ھ میں آپ کی پیدائش کے بعد کوفہ میں موجود تھے اور اسی وجہ سے آپ کا شمار تابعین میں ہوتا ہے، یہ شرف ایسا ہے جو آپ کے معاصرین میں سے کسی کو حاصل نہیں“۔

امام اعظم رحمۃ اللہ علیہ کو ایک طرف تابعی ہونے کا شرف حاصل ہے جو بقیہ تینوں ائمہ میں سے کسی کو حاصل نہیں ہے، دوسری طرف آپ ان سب سے مرتبے میں بھی بڑے ہیں۔

الحاصل ان التابعین افضل الامة بعد الصحابة فنعتقد ان الامام الاعظم والھمام الاقدم ابوحنیفة افضل الائمة المجتھدین واکمل الفقھاء فی علوم الدین ثم مالك فانه اتباع التابعین ثم الامام الشافعی لکونه تلمیذ الامام مالك بل تلمیذ الامام محمد ثم الامام احمد کالتلمیذ للشافعی۔ (شرح الفقه الاکبر :ص ۳۴۶)

”حاصل یہ کہ صحابہ کرام رضوان اللہ علیہم اجمعین کے بعد اس امت کے افضل ترین افراد تابعین ہیں پس ہمارا اعتقاد ہے کہ امام اعظم رحمۃ اللہ علیہ کا مرتبہ ائمہ مجتہدین میں سب سے اونچا ہے اور فقہاء علوم دینیہ میں آپ سب سے بلند و اکمل ہیں، آپ کے بعد امام مالک رحمۃ اللہ علیہ جو کہ تبع تابعی ہیں پھر امام شافعی رحمۃ اللہ علیہ جو کہ امام مالک رحمۃ اللہ علیہ بلکہ امام محمد رحمۃ اللہ علیہ کے بھی شاگرد ہیں پھر امام احمد رحمۃ اللہ علیہ جو امام شافعی رحمۃ اللہ علیہ کے شاگرد کیطرح ہیں“۔

دیگر ائمہ کرام کی توثیق:

امام مالک رحمۃ اللہ علیہ سے امام شافعی رحمۃ اللہ علیہ نے کہتے ہوئے سنا کہ کیا آپ نے امام ابوحنیفہ رحمۃ اللہ علیہ کو دیکھا ہے اور ان سے گفتگو کی ہے؟ انہوں نے فرمایا کہ ہاں میں نے اس شخص کو دیکھا ہے کہ جو اگر پتھر کے ستون کو دیکھ کر یہ کہہ دے کہ یہ ستون سونے کا ہے تو وہ اس بات کو اپنی دلیل سے ثابت کر دے گا۔ (سیر اعلام النبلاء ۶/ ۵۳۴)

امام شافعی فرماتے ہیں کہ لوگ علم فقہ میں امام ابوحنیفہ رحمۃ اللہ علیہ کے محتاج ہیں۔

(اعلام النبلاء ۶/ ۵۳۷...... البدایہ والنہایہ ۱۰/ ۱۰۸)

یزید بن ہارون رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں میں نے ابوحنیفہ رحمۃ اللہ علیہ سے زیادہ کسی کو بردبار نہیں دیکھا۔ (سیر اعلام النبلاء :ص ۶/ ۵۳۷)

علی بن عاصم رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ اگر امام ابوحنیفہ رحمۃ اللہ علیہ کے علم کا موازنہ ان کے ہم عصر فقہاء کے ساتھ کیا جائے تو امام صاحب رحمۃ اللہ علیہ کا علم ان کے علم پر بھاری رہے گا۔ (حوالہ بالا)

عبداللہ بن مبارک رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں: امام ابوحنیفہ رحمۃ اللہ علیہ لوگوں میں سب سے بڑے فقیہ تھے۔
عبداللہ بن مبارک یہ بھی فرماتے تھے کہ اگر اللہ تعالی امام ابوحنیفہ وسفیان رحمہما اللہ کے ذریعے میری امداد نہ فرماتے تو میں آج عام لوگوں کی طرح ہوتا۔

امام اعظم رحمۃ اللہ علیہ کی وفات:

وكانت وفاته في رجب من هذه السنة اعني سنة خمسين ومائة وكان مولده في سنة ثمانين فتم له من العمر سبعون سنة وصلى عليه ببغداد ست مرار لكثرة الزحام وقبره هناك رحمه الله۔ (البداية والنهاية: ١٠/١١٠)

امام صاحب رحمۃ اللہ علیہ کی وفات رجب کے مہینے ۱۵۰ھ میں ہوئی۔ بے تحاشا افراد کی شرکت کے باعث بغداد میں چھ مرتبہ نماز جنازہ پڑھائی گئی۔

امام مالک رحمۃ اللہ علیہ:

مالک نام، ابوعبداللہ کنیت، امام دارالہجرۃ لقب اور والد کا نام انس تھا۔ خالص عرب خاندان سے تھے جو جاہلیت اور اسلام دونوں میں معزز تھا۔ معتبر روایت کے مطابق سن پیدائش ۹۳ھ ہے۔
امام مالک رحمۃ اللہ علیہ کے خاندان کا جس طرح دینی وعلمی لحاظ سے ایک ممتاز مقام تھا اسی طرح آپ کا مولد ومسکن مدینۃ الرسول علی صاحبہا الصلوٰۃ والسلام علماء وفضلاء کا مخزن تھا۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی وفات کے بعد سینکڑوں صحابہ رضوان اللہ علیہم اجمعین دور دراز مقامات میں نکل گئے تھے لیکن معدن، سونا نکلنے کے بعد بھی معدن ہے۔
آپ ہمیشہ مدینہ منورہ ہی میں مقیم رہے، مدینہ منورہ کو چھوڑ کر کبھی کسی اور شہر منتقل نہیں ہوئے۔ امام مالک رحمۃ اللہ علیہ نے علماء مدینہ سے کسب علم کیا اور ایک طویل عرصے تک عبدالرحمن بن ہرمز کی شاگردی اختیار کی اور حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہما کے مولی نافع اور ابن شہاب زہری اور اپنے علم فقہ کے استاد ربیعۃ بن عبدالرحمن المعرف بربیعۃ الرائی سے کسب فیض کرتے رہے۔
مولانا سید سلیمان ندوی رحمۃ اللہ علیہ نے امام مالک رحمۃ اللہ علیہ کی مجلس درس کا نقشہ ان الفاظ میں کھینچا ہے:
"جاہ وجلال اور شان وشوکت سے کاشانہ امامت پر بارگاہ شاہی کا دھوکہ ہوتا تھا، طلبہ کا ہجوم، مستفتیوں کا اژدحام، امراء کا ورود، علماء کی تشریف آوری، سیاحوں کا گزر، حاضرین کی مؤدب نشست، درخانہ پر سواریوں کا انبوہ دیکھنے والوں پر رعب ووقار طاری کردیتا تھا۔" (محدثین عظام: ص ۹۲ بحوالہ حیات مالک)
امام مالک رحمۃ اللہ علیہ کی وفات ہارون الرشید کے دور میں مدینہ منورہ میں ۱۷۹ھ میں ہوئی اور جنت البقیع میں آرام فرما ہوئے۔

(البدایۃ والنہایۃ ۱۰/ ۱۸۰...... سیر اعلام النبلاء ۷/ ۳۸۲)

امام شافعی رحمۃ اللہ علیہ:

آپ کا اسم گرامی ابوعبداللہ محمد بن ادریس القریشی الہاشمی تھا۔ آپ کا نسب حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کے جدامجد عبدمناف میں جا کر حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام سے مل جاتا ہے۔ آپ کی ولادت فلسطین میں غزہ کے مقام پر ۱۵۰ھ میں ہوئی اور اتفاق سے یہ وہی سال ہے جس سال امام ابوحنیفہ رحمۃ اللہ علیہ کی وفات ہوئی۔

آپ نے بچپن میں ہی قرآن شریف حفظ کرلیا، اس کے بعد عربی زبان میں کمال حاصل کرنے کے لئے ھزیل قبیلہ کے گاؤں تشریف لے گئے۔ آپ نے مکہ مکرمہ کے مفتی مسلم الزنجی کی شاگردی اختیار کی یہاں تک کہ انہوں نے آپ کو فتوی دینے کی اجازت مرحمت فرمائی جبکہ آپ کی عمر ۱۵ سال تھی۔ اس کے بعد مدینہ منورہ منتقل ہو کر امام مالک رحمۃ اللہ علیہ سے علم فقہ حاصل کیا ۱۸۳ھ میں بغداد تشریف لے گئے جہاں آپ نے امام محمد بن حسن رحمۃ اللہ علیہ سے فقہاء عراق کے علوم حاصل کئے۔ ۱۸۷ھ میں مکہ مکرمہ میں امام احمد رحمۃ اللہ علیہ نے آپ سے ملاقات کی امام احمد رحمۃ اللہ علیہ نے آپ سے فقہ اور اصول ناسخ ومنسوخ میں کسب فیض کیا۔ اس کے بعد آپ ۲۰۰ھ میں مصر تشریف لے گئے جہاں آپ نے اپنے فقہی مذہب کی بنیاد رکھی اور مصر میں ۲۰۴ھ میں آپ کا انتقال ہوا اور قرافہ کے مقام پر آپ کی تدفین ہوئی۔ (البدایۃ والنہایۃ ۱۰/ ۲۶۲)

امام احمد بن حنبل رحمۃ اللہ علیہ:

آپ کا نام ابوعبداللہ احمد بن حنبل بن حلال بن اسد الذھلی الشیبانی تھا ۱۶۴ھ میں بغداد میں ولادت ہوئی اور وہیں آپ نے تربیت حاصل کی۔

ابتدائی دور میں بغداد میں آپ نے امام شافعی رحمۃ اللہ علیہ کی تقلید کی لیکن پھر بعد میں آپ مستقل امام مجتہد بن گئے اور حنبلی مذہب کی بنیاد رکھی۔ آپ نے احادیث کے جمع اور حفظ کے سلسلے میں گرانقدر خدمات انجام دیں یہاں تک کہ اپنے دور میں امام المحدثین کہلانے لگے۔

حضرت ابراہیم حربی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ میں نے امام احمد رحمۃ اللہ علیہ کو دیکھا ایسا معلوم ہوتا تھا گویا اللہ تعالیٰ نے ان کے اندر اولین وآخرین کے علوم جمع فرمادیئے ہیں۔

امام شافعی رحمۃ اللہ علیہ جب مصر تشریف لے گئے تو فرمایا جب میں بغداد سے نکلا تو وہاں امام احمد رحمۃ اللہ علیہ سے بڑا نہ کوئی فقیہ تھا اور نہ پرہیزگار۔

ابن المدینی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ نے اسلام کو دو آدمیوں کے ذریعے اعزاز بخشا، حضرت ابوبکر صدیق

رضی اللہ عنہ سے ارتداد کے وقت اور حضرت امام احمد بن حنبل رحمۃ اللہ علیہ سے فتنہ خلق قرآن کے وقت۔ (تذکرۃ الحفاظ ۱۵/۲)

۲۴۱ھ میں بغداد میں آپ کی وفات ہوئی۔ (البدایہ والنہایہ ۱۰/۳۴۰)

ائمہ اربعہ رحمۃ اللہ علیہم کی تقلید پر امت کا اجماع:

یہ چاروں ائمہ کرام جمہور اہل اسلام کے وہ ائمہ ہیں جن کے مذاہب نے شہرت حاصل کی اور فقہ کی تدوین کے لئے اللہ تعالیٰ نے ان ہی چار کا انتخاب فرمایا۔ ان کے فقہی مسالک اصول شرعیہ سے ماخوذ و مستنبط ہیں اس لئے سب اپنے مقام پر درست وحق ہیں اوران کی تقلید پر امت کا مسلسل اجماع چلا آرہا ہے۔ ان کے علاوہ دوسرے مجتہدین کے اقوال اول تو منتشر ہیں اور دوسرے یہ کہ شرائط وقیود کے اعتبار سے منقح بھی نہیں ہیں۔ اسکے ساتھ ساتھ اجتہاد مطلق کا دروازہ بھی بند ہو چکا ہے (ادب المفتی و المستفتی: ص ۲۹)۔ اس لئے ان چار ائمہ میں سے ہی کسی ایک کی تقلید کرنا ضروری ہے۔

التقریر والتحبیر ۳/۲۷۴ سے "التحریر" کی عبارت پیش خدمت ہے:

ذکر بعض المتأخرین (ابن الصلاح) منع تقلید غیرالائمۃ الاربعۃ لانضباط مذاہبھم .... ولم یدر مثلہ فی غیرھم الآن لانقراض اتباعھم وھو الصحیح۔

"بعض متأخرین یعنی ابن صلاح نے ذکر کیا ہے کہ ائمہ اربعہ رحمۃ اللہ علیہم کے علاوہ کی تقلید نہیں کی جائے گی بوجہ ان ائمہ کے مذاہب منضبط ہونے کے .... اور اس وقت ان حضرات (ائمہ اربعہ رحمۃ اللہ علیہم) کے علاوہ ان جیسا اور کوئی موجود نہیں ہے بوجہ ان (دیگر حضرات) کے متبعین کے ناپید ہو جانے کی وجہ سے اور یہی (بات) صحیح ہے"۔

فقہ حنفی کے امتیازات وخصوصیات اور مجلس شوریٰ:

(۱) جوں جوں انسان ترقی کرتا گیا اس کی ضرورتیں بڑھتی اور پھیلتی گئیں، پھر اسلامی حکومتوں کی بڑھتی ہوئی حدود نے نئے نئے مسائل پیدا کئے۔ ادھر مزاجوں میں بڑی تیزی سے انقلاب آچکا تھا۔ سادہ دلی اور سادہ زندگی جو صحابہ کرام رضوان اللہ علیہم اجمعین کا شیوہ خاص تھا ختم ہوتا جارہا تھا۔ ایران وروم اور دوسرے عجمی ممالک کی سہل پسندی طبیعتوں میں مرکوز ہوتی جارہی تھی اس لئے حالات کا تقاضا ہوا کہ کتاب وسنت کی تعلیمات ایک نئے انداز سے مرتب ہوں۔ صحابہ کرام رضوان اللہ علیہم اجمعین کے اقوال تلاش کئے جائیں اور دین کا سارا ذخیرہ سامنے رکھ کر "نظام حیات" کی ترتیب ایسے جاذب نظر اور دلکش انداز میں ہو جسے ہر عالم وجاہل، ذہین وغبی، عربی وعجمی اور شہری وبدوی بآسانی سمجھ لے اور جو مسائل صراحۃً کتاب وسنت اور اقوال صحابہ رضوان اللہ علیہم اجمعین میں موجود نہیں ہیں علماء کے باہمی غور وفکر اور بحث

وتمحیص سے مستنبط ہوں تاکہ آنے والی نسلیں پریشانیوں سے دوچار نہ ہونے پائیں اور کتاب وسنت کی روشنی میں آسانی سے زندگی گزار سکیں۔اور ساتھ ہی ان کی عجلت پسند اور سہل طلب طبیعتیں تلاش وتجسس کی مشقت سے محفوظ رہیں۔

چنانچہ اس کام کے لئے اللہ تعالیٰ نے حضرت امام صاحب رحمۃ اللہ علیہ کی ذات گرامی کو مخصوص اور منتخب فرمایا۔حضرت امام صاحب وہ پہلی شخصیت ہیں جنہوں نے فقہ کو باضابطہ طریقے سے مدون اور مبوب فرمایا۔اگرچہ شروع ہی سے فقہ اور اس کے احکامات موجود تھے لیکن وہ حضرات صرف اپنے حافظہ پر اعتماد کرتے تھے جبکہ امام صاحب رحمۃ اللہ علیہ نے بعد والوں کا لحاظ کرتے ہوئے فقہ کو جمع کرکے کتابی شکل سے مزین کیا۔چنانچہ ابن حجر شافعی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں:

"انه اول من دوّن علم الفقه ورتّبه ابوابا وكتبا على نحو ما هو عليه اليوم وتبعه مالك في مؤطئه ومن قبله انما كانوا يعتمدون على حفظهم۔" (الخیرات الحسان: ص ۷۳)

"امام ابوحنیفہ رحمۃ اللہ علیہ پہلے شخص ہیں جنہوں نے علم فقہ کو مدون کیا اور اسے ابواب وفصول سے اس طرح مرتب کیا جس طرح آج کل اس کی مرتب کردہ شکل موجود ہے۔اور امام مالک رحمۃ اللہ علیہ نے مؤطا میں ان کی پیروی کی ہے۔ امام ابوحنیفہ رحمۃ اللہ علیہ سے پہلے لوگوں کا اعتماد حافظہ پر ہوا کرتا تھا"۔

امام ابوحنیفہ رحمۃ اللہ علیہ نے تدوین کا یہ کام صرف اپنی ذات تک محدود نہیں رکھا بلکہ اس کے لئے ایک جماعت (مجلس شوریٰ) تیار کی جن کی تعداد ایک ہزار تک تھی لیکن ان میں سے چالیس علماء خصوصی صلاحیتوں کے مالک تھے چنانچہ علامہ شامی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں:

"ونقل ط عن مسند الخوارزمي ان الامام اجتمع معه الف من اصحابه أجلهم وافضلهم اربعون قد بلغوا حد الاجتهاد فقربهم وأدناهم۔" (شامية: ۱/۶۷)

اس کے بعد علامہ شامی رحمۃ اللہ علیہ مزید لکھتے ہیں:

فكان اذا وقعت واقعة شاورهم الخ۔ یعنی جب کوئی مسئلہ درپیش ہوتا تو امام صاحب رحمۃ اللہ علیہ اپنے تمام اصحاب علم وفن سے مشورہ اور بحث ومباحثہ کرتے اور پہلے ان سے فرماتے کہ جو کچھ ان کے پاس احادیث اور اقوال صحابہ رضوان اللہ علیہم اجمعین کا ذخیرہ ہے وہ پیش کریں، پھر اپنا ذخیرہ احادیث ان کے سامنے رکھتے۔اس کے بعد ایک ایک ماہ اور بعض اوقات اس سے بھی زیادہ وقت اس مسئلہ پر بحث کرتے تاآنکہ حتمی بات طے پاجائے تو اس مسئلہ کو لکھوادیتے اس طرح شورائی طریقہ پر سارے اصول منضبط ہوئے۔ایسا نہیں کہ تنہا کوئی بات کہی ہو۔

یہ مجلس شوریٰ ایسی تھی کہ کسی اور کو ایسا اعزاز نہ مل سکا۔یہی وجہ ہے کہ ابن حجر مکی رحمۃ اللہ علیہ اس جماعت کی تعریف اور اس پر حد درجہ اعتماد کا اظہار کرتے ہوئے ایک واقعہ نقل فرماتے ہیں:

قال رجل عند وكيع اخطأ ابوحنيفة رحمه الله فزجره وكيع وقال الخ۔ یعنی امام وکیع کے سامنے ایک شخص نے کہا کہ امام صاحب رحمۃ اللہ علیہ سے (کسی مسئلہ میں) غلطی سرزد ہوگئی۔اس جملہ کے سنتے ہی امام

وکیع نے اس شخص کو سختی سے ڈانٹا اور فرمایا کہ جو شخص یہ کہے وہ جانوروں کی طرح بلکہ اس سے بھی بدتر ہے...... امام ابوحنیفہ رحمۃ اللہ علیہ کیسے غلطی کر سکتے ہیں؟ جبکہ ان کی مجلس میں فقہ کے ائمہ امام ابو یوسف رحمۃ اللہ علیہ اور امام محمد رحمۃ اللہ علیہ ہیں، حدیث کے ائمہ ہیں (یہ کہہ کر پھر) انہیں شمار کیا اسی طرح لغت عربی کے ائمہ ہیں (پھر) انہیں بھی شمار کیا، زہد و تقویٰ کے امام جیسے حضرت فضیل رحمۃ اللہ علیہ اور داؤد طائی رحمۃ اللہ علیہ وغیرہ جیسے حضرات موجود ہیں۔ جس کے ساتھی یہ حضرات ہوں وہ غلطی نہیں کر سکتا اس لئے کہ اگر وہ غلطی کرے گا تو یہ حضرات فوراً انہیں حق کی طرف لائیں گے۔ (الخیرات الحسان :ص ۷۲)

اس جماعت نے کتاب وسنت اور اقوال صحابہ رضوان اللہ علیہم اجمعین کا پورا ذخیرہ سامنے رکھا تا کہ کوئی گوشہ نظروں سے اوجھل نہ رہے۔ ہر طرح چھان بین کرنے کے بعد مسائل کو قلمبند کیا گیا۔ اس عرق ریزی، غور وفکر، اخلاص وللّٰہیت اور فضل وکمال کے ساتھ فقہ کی تدوین ہوئی جو ہر جہت سے مہذب اور زندگی کے تمام شعبوں پر حاوی ہے۔

(۲) امام ابوحنیفہ رحمۃ اللہ علیہ نے صرف اسی پر اکتفا نہیں کیا کہ مجلس شوریٰ کی بحث وتمحیص کے بعد جو بات طے ہو جائے وہی حتمی قرار پائے بلکہ تلامذہ اور اصحاب کو حکم دے رکھا تھا کہ تم خواہ مخواہ کسی ایک بات پر جم نہ جانا بلکہ اگر کسی مسئلہ میں کوئی اور وزنی اور قابل اعتماد دلیل شرعی مل جائے تو اس کو اختیار کر لینا اور اسی کا دوسروں کو حکم دینا۔ اس لئے کہ مقصود کتاب وسنت اور اقوال صحابہ رضوان اللہ علیہم اجمعین پر عمل ہے، اپنی بات پر ضد اور اپنی فہم کی اشاعت پیش نظر نہیں۔ چنانچہ علامہ شامی رحمۃ اللہ علیہ اسی کی وضاحت کرتے ہوئے فرماتے ہیں:

فاعلم ان أباحنيفة من شدة احتياطه وعلمه بان الاختلاف من آثار الرحمة قال لاصحابه ان توجه لكم دليل فقولوا به۔ (عقود رسم المفتی :ص۱۶)

''امام ابوحنیفہ رحمۃ اللہ علیہ نے احتیاط اور تقویٰ پر سختی سے عمل پیرا ہوتے ہوئے اور اس بات کو پیش نظر رکھتے ہوئے کہ اختلاف رحمت کے آثار میں سے ہے اپنے اصحاب سے فرمایا کہ اگر تمہیں کوئی دلیل مل جائے تو اسی کو اختیار کرو''۔

چنانچہ یہی وجہ ہے کہ صاحبین رحمۃ اللہ علیہما کا امام ابوحنیفہ رحمۃ اللہ علیہ سے اختلاف مشہور ومعروف ہے۔ تقریباً ایک تہائی مسائل میں صاحبین رحمۃ اللہ علیہما نے اختلاف کیا ہے۔ یہ اقوال بھی فقہ حنفی کی تدوین میں شامل اور مذہب کا حصہ ہیں۔ اس اختلاف کا رحمت ہونا مختلف ضرورت کے مواقع پر اہل علم پر مخفی نہیں۔ برخلاف دوسرے ائمہ کرام کے کہ وہاں صاحب مذہب کے قول کے علاوہ ان کے اصحاب کے اقوال مذہب میں شامل نہیں سمجھے جاتے۔ کہیں خود صاحب مذہب سے ایک سے زائد قول مروی ہوں تو ان میں بھی صرف ایک قابل عمل ہوتا ہے۔ جیسے امام شافعی رحمۃ اللہ علیہ کے ہاں بعض مسائل میں قول قدیم وجدید ملتا ہے۔ لیکن خود امام شافعی رحمۃ اللہ علیہ کی صراحت کے مطابق ان کا قول جدید ہی معتبر ہے قول قدیم نہیں۔

حاصل یہ کہ اختلاف کی بناء پر رحمت کے آثار اور جو توسع احناف کے یہاں پایا جاتا ہے دیگر مذاہب میں یہ بات نہیں پائی

جاتی۔

افتاء اور اس کی اہمیت:

ماقبل تفصیل سے معلوم ہوگیا کہ اب اجتہاد مطلق کا دروازہ تو بند ہوگیا۔لہٰذا ان ہی چار ائمہ میں سے کسی ایک کی تقلید کی جائے گی لیکن اس کے ساتھ ساتھ چوں کہ انسانی زندگی اپنے تمام تر شعبوں کے ساتھ ترقی کی راہ پر گامزن ہے اور عموماً ہر شخص کے حالات ہر زمانے میں یکساں نہیں ہوتے بلکہ مختلف ڈھنگ سے صورت حال سامنے آتی ہے۔سب میں یہ فہم وبصیرت کہاں کہ فقہاء کے بیان کردہ جزئیات سے اپنے حالات کے مطابق ہر ہر جزئیہ کا جواب حاصل کریں اور وہ جواب بالکل صحیح بھی ہو کیونکہ اول تو حالات واقعی اور فقہی عبارات کا انطباق ایک پیچیدہ مسئلہ ہے اور اس کے ساتھ ساتھ جہاں فقہاء میں اختلاف ہوا اور اس اختلاف کے نتیجے میں مختلف اقوال سامنے آئیں یا متقدمین سے کسی جزئیہ کی صراحت نہ ہونے کی صورت میں متاخرین کی تخریج میں اختلاف ہوا اب ان مختلف اقوال میں کسی ایک قول کو عمل کے لئے متعین کرنا اور بسا اوقات نئے پیش آمدہ مسئلہ کی متقدمین ومتاخرین دونوں سے صراحت نہ ہونے کی صورت میں ان ہی حضرات کے اصولوں کی روشنی میں ان مسائل کا حل بیان کرنا یہ ہر شخص کے بس کا کام نہیں۔ بلکہ اس کے لئے ایک جماعت ایسی ہونی چاہیئے جو قرآن وحدیث اور متقدمین ومتاخرین فقہاء کے کلام پر گہری نظر رکھنے کے ساتھ ساتھ مسائل ضروریہ مستنبط کر کے یکجا کرتی رہے تاکہ عام افراد اپنے دن رات کے پیش آمدہ مسائل میں کہیں الجھاؤ کا شکار نہ ہوں۔اور بلاشبہ اسی استنباط واستخراج کا نام ''فتویٰ'' ہے۔ جو شخص اس استنباط واستخراج میں مہارت تامہ کا حامل ہو وہ ''مفتی'' ہے۔

افتاء ایک اہم اور حددرجہ احتیاط کی متقاضی ذمہ داری ہے یہی وجہ ہے کہ اسلاف اس ذمہ داری کے قبول کرنے سے احتراز کرتے تھے اور جن کو وہ اپنے سے علم وعمل میں برتر سمجھتے تھے ان پر یہ ذمہ داری ڈالنا چاہتے تھے۔پھر اس باب میں ان کا یہ حال تھا کہ اگر کسی مسئلہ مستفسرہ کی صحیح صورت معلوم ہوتی تو بلا تکلف بتادیتے اور اگر معلوم نہ ہوتی تو صاف کہہ دیتے کہ ''ہمیں یہ مسئلہ معلوم نہیں، کسی اور سے پوچھ لیا جائے''۔ کھینچ تان اور تکلف وتصنع کو کسی حال میں پسند نہیں کرتے تھے۔

حضرت عبدالرحمن بن ابی لیلیٰ رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ میں نے ایک سو بیس انصاری صحابہ رضوان اللہ علیہم اجمعین کو دیکھا ہے کہ ان سے جب کوئی مسئلہ پوچھتا تو وہ دوسرے صحابی کے پاس بھیجتے، وہ تیسرے کے پاس، یہ سلسلہ اسی طرح چلتا یہاں تک کہ وہ سائل پہلے صحابی کے پاس واپس آجاتا۔ (ادب المفتی والمستفتی: ص ۹)

حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ جو شخص لوگوں کے تمام سوالوں کے جواب دینے کے لئے تیار بیٹھا رہے وہ پاگل ہے۔(حوالہ بالا: ص ۹)

قاسم بن محمد بن ابی بکر رحمۃ اللہ علیہ سے کسی نے کوئی بات دریافت کی، آپ نے جواب دیا کہ مجھے یہ مسئلہ اچھی طرح معلوم نہیں ہے۔اس شخص نے کہا کہ میں تو آپ کے سوا کسی اور کو اس منصب کے لائق نہیں جانتا اس لئے آپ کے پاس

آیا ہوں۔حضرت قاسم نے فرمایا: میری لمبی داڑھی اور میرے ارد گرد لوگوں کی بھیڑ کو نہ دیکھ، مجھے تیرا مسئلہ اچھی طرح معلوم نہیں ہے۔اس مجلس میں ایک قریشی شیخ بیٹھے ہوئے تھے، انہوں نے کہا: اے میرے بھتیجے! اس مجلس میں میں نے آج تک آپ سے بڑا کوئی عالم نہیں دیکھا، آپ جواب دیجئے۔حضرت قاسم نے فرمایا: مجھے یہ بات زیادہ پسند ہے کہ میری زبان کٹ جائے اس کے مقابلے میں کہ میں ایسے مسئلہ کا جواب دوں جس کا علم میرے پاس نہ ہو۔ (حوالہ بالا)

یہ اور اس طرح کے بیسیوں واقعات ہیں جن سے معلوم ہوتا ہے کہ سلف صالحین منصب افتاء کے سلسلے میں بڑی ہی احتیاط کیا کرتے تھے۔مشکوۃ کتاب العلم میں روایت مروی ہے:

"من افتیٰ بغیر علم کان اثمہ علی من افتاہ۔" (مشکوۃ ۳۵/۱)

"جو شخص بغیر علم کسی مسئلہ کا جواب دے گا اس کا گناہ اسی پر ہوگا"۔

اسی وجہ سے امام مالک رحمۃ اللہ علیہ اور امام ابوحنیفہ رحمۃ اللہ علیہ اس وقت تک مسند افتاء پر جلوہ افروز نہ ہوئے جب تک ستر علماء کرام نے ان کی اہلیت کی گواہی نہ دی۔[البدایۃ والنہایۃ ج ۱۰/ص ۱۸۰]

امام مالک رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ بسا اوقات ایک مسئلہ مجھے سوئے، کھانے اور پینے سے روکے رکھتا تھا۔ [الموافقات ۴/۲۲۷]

نیابت نبوت:

علامہ شاطبی نے موافقات ۴/۱۹۳ میں اس پر مفصل بحث فرمائی ہے۔امام موصوف نے یہاں تک صراحت کردی کہ "مفتی امت میں افتاء اور تعلیم وتبلیغ کے اعتبار سے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کا نائب ہوتا ہے"۔اس سے یہ واضح کرنا مقصود ہے کہ فتویٰ درحقیقت حکم خداوندی کا اظہار ہے۔اور مفتی خدا تعالیٰ اور اس کے بندوں کے مابین واسطے کی حیثیت رکھتا ہے۔اس لئے فتویٰ دینے میں بہت زیادہ احتیاط کی ضرورت ہے بلکہ جواب دیتے وقت جنت اور جہنم کا استحضار بھی ہونا چاہیئے کہ ان دونوں میں کس کو پسند کرتا ہے۔[ادب المفتی والمستفتی: ص ۸]

الحمد للہ دارالافتاء دارالعلوم یاسین القرآن کے قیام کو تقریباً اٹھارہ برس کا عرصہ ہو چکا ہے۔عرصہ ہذا میں دارالافتاء سے کئی ہزار فتاویٰ جاری ہو چکے ہیں۔بندے کی ہمیشہ یہ خواہش رہی کہ فتاویٰ کا یہ مجموعہ شائع ہو جائے لیکن تعلیمی، تدریسی اور انتظامی مصروفیات کی بنا پر یہ خواہش پایۂ تکمیل کو نہ پہنچ سکی تھی۔چند سال قبل اللہ کا نام لے کر اس کام کو شروع کیا، جو محض اللہ جل جلالہ کے فضل وکرم سے کتاب العقائد تا کتاب الحج تین جلدوں کی صورت میں ناظرین کے سامنے آچکا ہے، جس میں عقائد، طہارت، صلاۃ، زکوۃ، صوم اور حج سے متعلق تقریباً دو ہزار اہم مسائل کے جواب مفصل ومدلل انداز میں طبع ہوئے ہیں۔

الحمدللہ ان تین جلدوں کے بعد اب "نجم الفتاوی" کی تین اور جلدیں ہدیہ ناظرین ہیں، جن میں کتاب النکاح سے کتاب الطلاق تک کے ابواب سے متعلق تقریباً پندرہ سو اہم فتاوی جات مذکور ہیں۔ نیز کتاب العقائد تا کتاب الحج کی پہلی تین جلدوں میں بھی بعض اہم فتاویٰ کا اضافہ کیا گیا ہے۔ چنانچہ فتاویٰ کا یہ مجموعہ اب چھ جلدوں میں احباب کی خدمت میں حاضر ہے جن میں مجموعی اعتبار سے تقریباً ساڑھے تین ہزار مسائل کو جمع کیا گیا ہے۔

آخر میں بندہ ناچیز یہ اقرار بھی کرتا ہے کہ علم فتویٰ ایک پرخطر اور مہتم بالشان علم ہے جس کے لئے نہایت اعلیٰ صلاحیتوں اور استعداد کی ضرورت ہے جن سے بندہ عاجز ہے البتہ توفیق الٰہی اور فضل خداوندی کے بعد اپنے تمام اساتذہ ومشائخ عظام کی دعاؤں کی برکت ہے کہ اللہ تعالیٰ نے بندے سے یہ کام لیا اور لے رہا ہے۔ خاص طور پر میرے ہر دو مشائخ مفتی اعظم پاکستان حضرت مفتی ولی حسن ٹونکی نور اللہ مرقدہٗ اور امام الحدیث قدوۃ العلماء حضرت مولانا عبدالرشید نعمانی قدس سرہٗ پر لاتعد ولاتحصی رحمتیں نازل ہوں کہ ناچیز کو علوم ظاہرہ وباطنہ میں جو ادنیٰ سی سوجھ بوجھ حاصل ہوئی ہے یہ ان ہی حضرات کی توجہات اور دعاؤں کا ثمرہ ہے۔ بندہ اس فتاویٰ کے طبع ہونے میں اپنے ان تلامذہ کا ذکر بھی ضروری سمجھتا ہے جن کی کاوشوں سے فتاویٰ کا یہ مجموعہ ناظرین کے سامنے ہے خصوصاً طبع اول میں عزیزم مفتی غلام مصطفی سلمہ اور طبع ثانی میں مفتی وقار احمد زید عمرہ نے بندہ ناچیز کی بھرپور معاونت کی جبکہ موجودہ چھ جلدوں کی مکمل جلد اول تا جلد ششم کی ترتیب وتبویب تمام تحقیقات ومراجعات کے حوالہ جات وغیرہ پر کلیدی کام مفتی فرحان حسن زید علمہ وعمرہ نے کیا ہے۔ نیز بعض شرکاء تخصص نے تمام عربی حوالہ جات کی اصل سے مراجعت اور عبارات کی تصحیحات کی ہیں۔

حقیقت یہ ہے کہ ان ہی حضرات کی انتھک محنت اور کاوشوں سے یہ مجموعہ مورد وجود میں آیا۔ اللہ تعالیٰ ان حضرات کے علم وعمل اور حیات میں بے پایاں برکات نصیب کرے۔ آمین

آخری گزارش بندے کی ان اہل علم حضرات سے جن کی نظر سے یہ کتاب گزرے گی کہ "الدین النصیحة" کے مصداق اس کو اصلاح کی نظر سے دیکھیں۔ جہاں بھی کوئی قابل اشکال بات محسوس کریں بندے کو ضرور آگاہ کریں۔

اللہ تعالیٰ سے دعا ہے کہ اس کتاب کو ہر خاص وعام کے لئے نافع بنائے۔ مؤلف اور جملہ معاونین کی مغفرت کا ذریعہ بنائے۔ آمین

فقط

(شیخ الحدیث مفتی) سید نجم الحسن امروہوی (دامت برکاتھم العالیة)

خادم دار العلوم یٰسین القرآن کراچی

۲۹ محرم الحرام ۱۴۳۶ھ

كتاب الإيمان والعقائد

كتاب الايمان والعقائد

کتاب الایمان والعقائد

(ایمان اور عقائد کے بیان میں)

(۱) کیا ایمان مخلوق ہے؟

سوال

کیا فرماتے ہیں علماء کرام ومفتیان عظام اس مسئلہ کے بارے میں کہ ایک شخص کا کہنا یہ ہے کہ ایمان مخلوق ہے۔ کیا یہ بات صحیح ہے؟ کیا اس سے انسان کافر ہوجاتا ہے؟

الجواب بعون الملک الوھاب

صورت مسئولہ میں جواب سے قبل اصل مسئلہ کی تھوڑی سی وضاحت ضروری ہے اور وہ یہ کہ خود مشائخ احناف میں اختلاف رہا ہے کہ ایمان مخلوق ہے یا غیر مخلوق۔ بعض احناف مخلوق اور بعض غیر مخلوق ہونے کے قائل تھے لیکن یہ نزاع لفظی ہے نہ کہ حقیقی کیونکہ جو حضرات ایمان کے غیر مخلوق ہونے کے قائل تھے ان کا کہنا یہ تھا کہ ایمان نام ہے اللہ تعالی کی طرف سے توفیق اور عنایات کے حصول کا اور یہ غیر مخلوق ہے لہٰذا ایمان غیر مخلوق ہوا۔

جو حضرات مخلوق ہونے کے قائل تھے ان کے نزدیک ایمان نام ہے تصدیق قلبی اور اقرار باللسان کا اور یہ دونوں بندوں کے افعال میں سے ہیں اور بندہ اپنے تمام افعال کیساتھ مخلوق ہے لہٰذا ایمان بھی مخلوق ہے۔

اس تفصیل کے بعد کسی ایک جانب میں کفر کا حکم لگانا بعید معلوم ہوتا ہے۔ یہی وجہ ہے کہ بعض مصنفین نے کفر کے قول کو مبالغہ آمیزی پر محمول کیا ہے خاص طور پر جب دو طرح کی صراحت ہمارے مشائخ سے موجود ہے تو پھر ایک جانب کی تکفیر کا نتیجہ (العیاذ باللہ) اوپر تک پہنچے گا۔ لہٰذا احتیاط اسی میں ہے کہ کسی ایک جانب کی تکفیر کے بجائے اس میں سکوت اختیار کیا جائے۔

لما في التاتارخانية (۵/۵۴۷): من قال بخلق القرآن فهو كافر وكذا من قال بخلق الايمان فهو كافر وروى عن بعض السلف انه روى عن ابي حنيفة رحمه الله ان الايمان غير مخلوق ...... وحكى عن الشيخ الامام الزاهد انه قال لسائل هذه المسئلة: ايمان كردش بنده است

بخدای تعالی بتوفیق وی وکردش بنده فعل بنده است وبتده باهمه افعال آفریده است. وتوفیق وهدایت حق که بنده رادار ازصفت خدا است ، وحق عزوجل باصفات خویش ناآفریده است۔ وسئل مزة اخری عن هذه المسئلة فقال: ان اردت بالایمان التصدیق والاقرار فهذا فعل العبد والعبد بجمیع افعاله مخلوق وان اردت توفیق الله وهدایته علی اتیان الایمان بالله تعالی فالله تعالی بجمیع افعاله غیر مخلوق۔

وفی شرح الفقه الاکبر (ص۱۴۲) : ان الایمان مخلوق اوغیر مخلوق اختلف فیه مشائخ الحنفیة فذهب اهل سمرقند الی الاول وذهب اهل بخاریٰ الی الثانی مع اتفاقهم ان افعال العباد کلها مخلوقة لله سبحانه ، وبالغ بعض مشائخ بخاریٰ فکفروا من قال بان الایمان مخلوق ......قال ابن الهمام فی المسایرة :ونص ابی حنیفة رحمه الله فی کتابه الوصیة صریح فی خلق الایمان حیث قال: نقر بان العبد مع جمیع اعماله واقراره ومعرفته مخلوق. فلماکان الفاعل مخلوقا فاولی ان یکون فعله مخلوقا انتهی۔

(۲) کتب سماویہ پر ایمان کی کیفیت

سؤال

کیافرماتے ہیں علماء کرام ومفتیان عظام اس مسئلہ کے بارے میں کہ اگر کوئی شخص چار آسمانی کتب پر ایمان لائے مگر وہ صحائف جو دیگر انبیاء پر نازل کئے گئے ان پر ایمان نہ لائے یا اسے معلوم ہی نہ ہو تو ایسا شخص مسلمان سمجھا جائے گا یا نہیں؟

الجواب بعون الملک الوهاب

صورت مسئولہ میں جملہ کتب سماویہ پر اجمالی ایمان کافی ہے یعنی جو کچھ اللہ تعالیٰ نے نازل کیا وہ سب حق ہے، تفصیلی ایمان لانا ضروری نہیں، ہاں! اگر ان میں سے کسی کا انکار کردیا تو اس صورت میں یہ شخص مؤمن نہیں کہلائے گا۔

لمافی الصحیح لمسلم (۱/۲۷): حدثنا عبیدالله بن معاذ العنبری ......قال حدثنی عمر بن الخطاب رضی الله عنه... قال فأخبرنی عن الایمان قال ان تؤمن بالله وملئکته وکتبه ورسله والیوم الآخر۔

وفی المشکوة (ص۱۱): عن عمر بن الخطاب رضی الله عنه ......قال فأخبرنی عن الایمان قال ان تؤمن باللهوملئکته وکتبه ورسله والیوم الآخر۔

وفی المرقاة(۱/۵۷) تحت هذه الروایه (وکتبه) ای ونعتقد بوجود کتبه المنزلة علی رسله تفصیلا

فيما علم يقينا كالقرآن والتوراة والزبور والانجيل واجمالا فيماعداه وانها منسوخة بالقرآن۔

(۳) چار آسمانی کتابوں کے علاوہ دیگر صحائف پر بھی ایمان لانا ضروری ہے

سؤال

کیا فرماتے ہیں علماء کرام ومفتیانِ عظام اس مسئلہ کے بارے میں کہ کیا چار آسمانی کتابوں کے علاوہ دیگر صحائف پر بھی ایمان لانا ضروری ہے، اگر کوئی شخص چار آسمانی کتابوں پر ایمان رکھتا ہو لیکن وہ صحائف جو دیگر انبیاء پر نازل ہوئے ان کو لاعلمی کی وجہ سے یا علم ہونے کے باوجود نہ مانتا ہو تو ایسے شخص کے بارے میں کیا حکم ہے؟ قرآن وسنت کی روشنی میں جواب عنایت فرمائیں۔

الجواب بعون الملك الوهاب

چار آسمانی کتابوں کے علاوہ دیگر انبیاء پر نازل ہونے والے صحائف پر بھی اجمالی ایمان لانا ضروری ہے، کیونکہ ان میں سے ہر ایک پر ایمان دوسرے پر ایمان لانے سے وابستہ ہے، ان میں ایک کا انکار بھی گمراہی اور اللہ تعالیٰ سے دوری کا موجب ہے۔ البتہ تفصیلی ایمان لانا ضروری نہیں۔ لہٰذا صورت مسئولہ میں اگر کوئی شخص ان صحائف کا انکار کرے تو ایسا شخص دائرہ اسلام سے خارج ہے۔

لقوله تعالى (النساء:١٣٦): يَاأَيُّهَاالَّذِيْنَ اٰمَنُوْا اٰمِنُوْا بِاللّٰهِ وَرَسُوْلِهٖ وَالْكِتٰبِ الَّذِيْ نَزَّلَ عَلٰى رَسُوْلِهٖ وَالْكِتٰبِ الَّذِيْٓ اَنْزَلَ مِنْ قَبْلُ ط وَمَنْ يَّكْفُرْ بِاللّٰهِ وَمَلٰٓئِكَتِهٖ وَكُتُبِهٖ وَرُسُلِهٖ وَالْيَوْمِ الْاٰخِرِ فَقَدْ ضَلَّ ضَلٰلاًبَعِيْداً

وفى مشكوة المصابيح (١/١١): عن عمر بن الخطاب رضى الله عنه قال بينما نحن عند رسول الله ﷺ ذات يوم اذ طلع علينارجل شديدبياض...قال فاخبرنى عن الايمان قال أن تؤمن بالله وملئكته وكتبه ورسله واليوم الآخر...

وفى شرح الفقه الاكبر(١٢٩): أصل التوحيد وما يصح الاعتقاد عليه يجب أن يقول: آمنت بالله وملائكته وكتبه ورسله۔۔۔(وكتبه)اى المنزلة من عنده كالتوراة والانجيل والزبور والفرقان وغيرهامن غير تعيين عددها۔

(۴) ایمان کیلئے فقط توحید و رسالت کا اقرار کافی ہے؟

سؤال

کیا فرماتے ہیں علماء کرام ومفتیان عظام اس مسئلہ کے بارے میں کہ ایک ہندو دوران تقریر یوں کہنے لگا جبکہ وہ بلدیاتی انتخابات میں اپنے لئے ووٹ مانگ رہا تھا اور علاقہ بھی مسلمانوں کا تھا ''مجھے سمجھ میں نہیں آتا کہ میں کیوں کلمہ نہ پڑھوں؟ اللہ تعالی کی تعریف نہ کروں اور محمد عربی صلی اللہ علیہ وسلم کو اپنا پیغمبر نہ مانوں؟ کیا ان الفاظ کے کہنے سے اسے مسلمان تصور کیا جائے گا یا نہیں؟ قرآن وسنت کی روشنی میں جواب عنایت فرمائیں۔

الجواب بعون الملک الوھاب

صورت مسئولہ میں صرف اس قدر کہنا کافی نہیں ہے بلکہ تمام قطعیات پر ایمان لانا ضروری ہے لہٰذا اگر مذکورہ ہندو شریعت مطہرہ کی تمام قطعی ویقینی باتوں کومن وعن تسلیم کرتا ہے اور یہ اعلان کرتا ہے کہ میں مسلمان ہوں تو اسے مسلمان ہی تصور کیا جائے گا اور اگر قطعیات میں کسی ایک چیز کا بھی منکر ہو تو اسے مسلمان نہیں سمجھا جائے گا بلکہ وہ بدستور ہندو ہی ہے۔

لما فی مشکوۃ المصابیح (۱/۱۲): عن ابن عمر رضی الله عنهما قال قال رسول الله ﷺ بنی الاسلام علی خمس شهادة ان لا اله الا الله وان محمداً عبده ورسوله واقام الصلوة وایتاء الزکوۃ والحج وصوم رمضان. متفق علیه۔

عن العباس بن عبد المطلب قال قال رسول الله ﷺ ذاق طعم الایمان من رضی بالله رباً وبالاسلام دیناً وبمحمد رسولاً رواه مسلم۔

وفی شرح الفقه الاکبر (ص۱۵۴): اعلم ان المراد باهل القبلة الذین اتفقوا علی ما هو من ضرورات الدین کحدوث العالم ... فمن واظب طول عمره علی الطاعات والعبادات مع اعتقاد قدم العالم او نفی الحشر او نفی علمه سبحانه بالجزئیات لا یکون من اهل القبلة۔

وفی الیواقیت و الجواهر (ص۳۹۵): اما من خرج ببدعته من اهل القبلة کمنکری حدوث العالم ومنکری البعث للنشر والحشر للاجسام والعلم بالجزئیات علی ما مر فی مبحث اسمه تعالی العالم فلا نزاع فی کفرهم لانکارهم بعض ما علم مجئ الرسول به ضرورة۔

وفی الشامیة (۴/۲۶۳): صرح فی کتابه المسایرة بالاتفاق علی تکفیر المخالف فیما کان من اصول الدین وضروریاته۔

(۵) نصرانی کے مسلمان ہونے کی کیفیت

سؤال

کیافرماتے ہیں علماء کرام ومفتیان عظام اس مسئلہ کے بارے میں کہ اگر کوئی نصرانی یوں کہے کہ میں نصرانیت سے برأت کا اعلان کرتا ہوں اور ساتھ میں شہادتین کا اقرار کرے تو مسلمان سمجھا جائے گا یا نہیں؟

الجواب بعون الملک الوھاب

صورت مسئولہ میں ایسا شخص فیمابینہ وبین اللہ تو مسلمان ہوگا البتہ دنیاوی احکامات کے اجراء کے لئے یا تو یہودیت سے بھی برأت کا اعلان ضروری ہوگا یا یہ صراحت ضروری ہوگی کہ ''میں دین اسلام میں داخل ہوتا ہوں''۔ یہ حکم اس وقت ہے جبکہ کوئی نصرانی ہمارے درمیان رہتے ہوئے اسلام قبول کرے ورنہ اگر میدان جنگ میں ہو تو ہر ایسا کلمہ جو اس کے مسلمان ہونے پر دلالت کرے اس کے خون کو بچانے کے لئے اس کلمہ کی وجہ سے اسے مسلمان سمجھا جائے گا۔

لمافی البزازیة علی هامش الهندیة (۳۱۳/۶) : واذا قال النصرانی اشهد ان لااله الاالله واتبرأ عن النصرانیة لایحکم باسلامه لجواز انه دخل فی الیهود اذ الیهود یقول ایضا وان زاد وقال وادخل فی دین الاسلام زال الاحتمال۔

وفی الدرالمختار مع ردالمحتار (۲۲۶/۴) : الکفار اصناف خمسة: من ینکر الصانع کالدهریة ومن ینکرالوحدانیة کالثنویة ومن یقربهمالکن ینکربعثة الرسل کالفلاسفة ومن ینکر الکل کالوثنیة، ومن یقر بالکل لکن ینکر عموم رسالة المصطفیٰ کالعیسویة فیکتفی فی الاولین بقول لااله الاالله وفی الثالث بقول محمد رسول الله وفی الرابع باحدهما وفی الخامس بهما مع التبری عن کل دین یخالف دین الاسلام۔

وفی الشامیة تحته: (وفی الخامس بهما مع التبری) ذکر ابن الهمام فی المسایرة ان اشتراط التبری لاجراء احکام الاسلام علیه لالثبوت الایمان فیمابینه وبین الله تعالی ......قال فی الفتح : ان اشتراط التبری انما هو فیمن بین اظهرنا منهم واما من فی دارالحرب لوحمل علیه مسلم فقال محمد رسول الله فهو مسلم۔

(۶) مرتد کے مسلمان ہو جانے کے بعد اس کی نیکیوں کے لوٹ آنے کا حکم

سؤال

کیا فرماتے ہیں علماء کرام اس مسئلہ کے بارے میں کہ مرتد اگر مسلمان ہو جائے تو اس کی نیکیاں دوبارہ لوٹ کر آتی ہیں یا نہیں؟

الجواب بعون الملک الوهاب

ارتداد کی وجہ سے سابقہ نیک اعمال ختم ہو جاتے ہیں البتہ اگر وہ توبہ کر کے دائرہ اسلام میں آجاتا ہے تو اس کے سابقہ نیک اعمال آئندہ کے نیک اعمال میں معاون ہوں گے۔

لما فی التاتارخانیة (۴۶۱/۵) : ثم ما یکون کفرابلا خلاف یوجب احباط العمل وتلزمه اعادة الحج ان کان قد حج...... وفی الیتیمة ، قیل له : لو تاب أتعود حسناته ؟ قال: هذه المسئلة مختلفة فعند ابي علی وابي هشام واصحابنا انها لا تعود ، وعند ابي القاسم انها تعود ونحن قلنانه لایعود مابطل ثوابه لکنه تعود طاعته المتقدمة مؤثرة فی الثواب من بعد۔

وفی الدر المختار مع رد المحتار (۲۵۱/۴) : وما أدى منها فیه یبطل ولا یقضی من العبادات الا الحج۔

وفی الشامیة: (وما أدى منها فیه یبطل) فی التتارخانیة معزیا الی الیتیمة قیل له لو تاب تعود حسناته؟ قال هذه المسئلة مختلفة فعند ابي علی وابي هاشم واصحابنا انه یعود وعند ابي القاسم الکعبی انها تعود ونحن نقول انه لا یعود ما بطل من ثوابه لکنه تعود طاعاته المتقدمة مؤثرة فی الثواب بعد اه بحر۔

(۷) قریب المرگ شخص کا حکم

سؤال

کیا فرماتے ہیں علماء کرام ومفتیان عظام اس مسئلہ کے بارے میں کہ ایک شخص مرض کی شدت کی بناء پر قریب المرگ ہے اسی حالت میں اس کے منہ سے کوئی شرکیہ کلمہ نکل جاتا ہے۔ کیا اس کلمہ کا اعتبار کیا جائے گا اور وہ شخص اس کلمہ کی بناء پر مشرک سمجھا جائے گا؟

الجواب بعون الملک الوهاب

صورت مسئولہ میں قریب المرگ شخص کے کلمات کا اعتبار نہیں۔ لہذا قریب المرگ شخص اگر کفریہ کلمات بکتا ہے تو وہ کافر نہ ہو

گا البتہ کوئی کافر قریب المرگ اگر اسلام لے آئے تو اس کے بارے میں اللہ تعالیٰ سے توبہ کی امید کی جا سکتی ہے۔

لمافی صحیح البخاری (٦٧٤/٢): عن سعيد بن المسيب، عن أبيه، قال: لما حضرت أبا طالب الوفاة دخل عليه النبي صلى الله عليه وسلم، وعنده أبو جهل وعبد الله بن أبي أمية، فقال النبي صلى الله عليه وسلم: " أي عم، قل: لا إله إلا الله أحاج لك بها عند الله "، فقال أبو جهل، وعبد الله بن أبي أمية: يا أبا طالب أترغب عن ملة عبد المطلب، فقال النبي صلى الله عليه وسلم: لأستغفرن لك ما لم أنه عنك ، فنزلت: {ما كان للنبي والذين آمنوا أن يستغفروا للمشركين ولو كانوا أولي قربى، من بعد ما تبين لهم أنهم أصحاب الجحيم}۔

وفی الشامية (١٩٠/٢): لكن الظاهر ان زمان الياس زمان معاينة الهول والمسطور فی الفتاویٰ ان توبة الياس مقبولة لا ايمانه ...... والحاصل ان المسألة ظنية واما ايمان الياس فلا يقبل اتفاقاً الخ۔

(٨) غرغرہ اور قریب المرگ شخص سے متعلق حکم

سؤال

کیا فرماتے ہیں علماء کرام ومفتیانِ عظام اس مسئلہ کے بارے میں کہ غرغرہ کی حالت سے کیا مراد ہے ایک صاحب کا کہنا ہے کہ قریب المرگ شخص کے کلمات (ایمان یا کفر) کا اعتبار ہوتا ہے مگر غرغرہ والے کا نہیں۔ بندہ ناچیز نے عرض کیا کہ غرغرہ اور قریب المرگ ایک ہی چیز تو ہیں تو احکام مختلف کیوں؟ اس نے کچھ تفصیل بتائی جو بندہ نہ سمجھ پایا۔ برائے مہربانی جواب دے کر شکریہ کا موقع عنایت فرمائیں۔

الجواب بعون الملک الوھاب

قریب المرگ اس شخص کو کہتے ہیں کہ جس پر موت حاضر ہو یعنی موت کی علامات اس پر طاری ہو جائیں مثلاً اعضاء ڈھیلے پڑ جائیں اور ناامیدی کی کیفیت پیدا ہو جائے، اور غرغرہ کی حالت وہ ہوتی ہے جب روح تمام جسم سے نکل کر حلق تک پہنچ جائے، ایمان اور کفر کا اعتبار نہ تو پہلی صورت میں ہوتا ہے اور نہ دوسری صورت میں یعنی اگر اس حالت میں کفریہ کلمات زبان سے نکل گئے تو اس کی وجہ سے اس پر کافر ہونے کا حکم نہیں لگایا جائے گا بلکہ اس کے ساتھ مسلمانوں والا معاملہ کیا جائے گا اور ایسی حالت میں اگر کوئی شخص ایمان لاتا ہے تو ایمان لانا بھی اس کو کوئی فائدہ نہیں دیتا، البتہ پہلی صورت یعنی قریب المرگ شخص سے متعلق اللہ تبارک وتعالیٰ سے توبہ کی امید کی جا سکتی ہے۔

لمافی قولہ تعالیٰ (المؤمن :٨٤): فَلَمَّا رَأَوْا بَأْسَنَا قَالُوٓا اٰمَنَّا بِاللّٰهِ وَحْدَهٗ وَكَفَرْنَا بِمَا كُنَّا بِهٖ مُشْرِكِيْنَ

وفی الشامیة، کتاب الصلاۃ، باب صلاۃ الجنائز (١٨٩/٢) ط سعید: قوله بوجه المحتضر بالبناء للمفعول فیهما ای یوجد وجه من حضره الموت او ملائکته والمراد من قرب موته قوله وعلامته ای علامة الاحتضار کمافی الفتح وزاد علی ماهنا ان تمتد جلدة خصیته لانشما. رالخصیتین بالموت، وکذا قال (ص ١٩٠): لکن الظاهر ان زمان الیاس زمان معاینة الهول والمسطور فی الفتاویٰ ان توبة الیاس مقبولة لا ایمانه ...... والحاصل ان المسألة ظنیة واما ایمان الیاس فلا یقبل اتفاقاً الخ۔

(٩) غیر اللہ کے نام پر چھوڑی گئی گائے کو تصحیح نیت کے بعد اللہ کے نام سے ذبح کرنے کا حکم

سؤال

کیا فرماتے ہیں علمائے کرام ومفتیانِ عظام اس مسئلہ کے بارے میں کہ ہمارے گاؤں میں ایک شخص کے پاس کافی تعداد میں گائیں موجود ہیں اس شخص نے ان میں سے ایک گائے کو غیر اللہ کیلئے مقرر کر دیا تھا بطور ثواب کے، پھر اس شخص کی نیت بدل گئی اور اس نے وہی گائے بسم اللہ، اللہ اکبر کہہ کر ذبح کر دی اب مفتی صاحب آپ بتائیں کیا اس گائے کا گوشت حرام ہے یا حلال ہے؟ کیا اس کے گوشت کو کھایا جاسکتا ہے؟ براہ کرم تفصیل سے جواب دیں۔

الجواب بعون الملک الوھاب

کسی بھی چیز کو غیر اللہ کے نام پر مقرر کرنا نذر معصیت ہے، اور ان جیسی نذروں کو ترک کرنا لازم ہے۔ اگر یہ نذر جانور کی صورت میں ہو، تو جانور پر ذبح کے وقت کی نیت اور کلمات کا اعتبار ہوتا ہے، کہ اگر اس وقت اس کی نیت درست ہو، اور اللہ تعالیٰ کا نام لے کر ذبح کیا جائے، تو یہ ذبح کرنا درست، اور اس جانور کا گوشت حلال ہوتا ہے۔ لہٰذا صورت مسئولہ میں چونکہ اس شخص کی نیت تبدیل ہو چکی ہے، اور اس گائے کو اللہ تعالیٰ کا نام لے کر ذبح کر دیا ہے، اس لئے یہ ذبح درست ہے، اور اس گائے کا گوشت کھانا حلال ہے۔

لمافی الدرالمختار(٣٠٢/٦): وتشترط التسمیة من الذابح حال الذبح... والمعتبر الذبح عقب التسمیة قبل تبدل المجلس... الخ۔

''وفی الشامیة'' ''من الذابح'' اراد بالذابح محلل الحیوان لیشمل الرامی والمرسل وواضع الحدید، واحترز به عما لو سمی له غیره فلا تحل... ''حال الذبح'' قال فی الهدایة: ثم التسمیة فی

ذكاة الاختيار تشترط عند الذبح، وهي على المذبوح وفي الصيد تشترط عند الارسال والرمي...
''قبل تبدل المجلس'' اى حقيقة او حكما كالفاصل الطويل كمايأتي فافهم... وان كان كثيرا لا يحل لأن ايقاع الذبح متصلا بالتسمية بحيث لا يتخلل بينهما شئ لايمكن الا بحرج عظيم فأقيم المجلس مقام الاتصال والعمل القليل لا يقطعه والكثير يقطع۔

وفي الدرالمختار(٤٣٩/٢): واعلم ان النذر الذى يقع للأموات من اكثر العوام ومايؤخذ من الدراهم والشمع والزيت ونحوها الى ضرائح الأولياء الكرام تقربا اليهم فهو بالإجماع باطل وحرام مالم يقصدوا صرفها لفقراء الأنام وقد ابتلى الناس بذلك ولا سيما في هذه الأعصار۔

وفي الشامية تحته : ''تقربا اليهم''كان يقول يا سيدى فلان ان رد غائبى او عوفي مريضى او قضيت حاجتى فلك من الذهب او الفضة او من الطعام او الشمع او الزيت كذا بحر ''باطل وحرام'' لوجوه: منها انه نذر لمخلوق والنذر للمخلوق لايجوز لانه عبادة والعبادة لاتكون لمخلوق، ومنها ان المنذور له ميت والميت لايملك، ومنها انه ان ظن ان الميت يتصرف في الأمور دون الله تعالىٰ واعتقاده ذلك كفر۔

وفي التفسير المظهرى(١٩٢/٢، ١٩٣): قال ابو عبيدة السائبة البعير الذى يسيب وذلك ان الرجل من اهل الجاهلية اذا مرض اوغاب له قريب نذر فقال ان شفانى الله او شفى مريضى او رد غائبى فناقتى هذه سائبة ثم تسيب فلا تحبس عن رعى وماء ولا يركبها احد فكانت بمنزلة البحيرة وقيل الناقة اذ انتجت ثنتى عشره اناثا سيبّت ولم يركب ظهرها ولم يجز وبرها ولم يشرب لبنها الا ضيف۔ ... والسائبة كانو يسيبونها لألهتهم لايحمل عليها شئ۔

(۱۰) مرتے وقت کلمہ طیبہ پڑھنا

سؤال

کیافرماتے ہیں علماء کرام اگرکوئی شخص مرتے وقت کلمہ طیبہ پڑھ لےتو اس کلمہ کا اعتبار ہوگا یانہیں؟

الجواب بعون الملک الوھاب

صورت مسئولہ میں جوشخص مرتے وقت (یعنی قریب المرگ شخص) کلمہ طیبہ پڑھ لےتواس کے بارے میں توبہ کی امید کی جا سکتی ہے بشرطیکہ غرغرہ کی حالت میں نہ پڑھے بلکہ اس سے پہلے پڑھے البتہ یہ کافرشخص کاحکم ہے مسلمان چاہے پہلے پڑھے یاغرغرہ کے

بعد اس کا کلمہ طیبہ پڑھنا معتبر ہے۔

لما فی قولہ تعالی (النساء :۱۸): وَلَيْسَتِ التَّوْبَةُ لِلَّذِينَ يَعْمَلُونَ السَّيِّئَاتِ حَتَّى إِذَا حَضَرَ أَحَدَهُمُ الْمَوْتُ قَالَ إِنِّي تُبْتُ الآنَ وَلاَ الَّذِينَ يَمُوتُونَ وَهُمْ كُفَّارٌ أُوْلَئِكَ أَعْتَدْنَا لَهُمْ عَذَابًا أَلِيمًا

قال ابو عبد الله القرطبی تحتها (۵/۹۳) : قوله تعالى (ليست التوبة) نفى سبحانه ان يدخل فى حكم التائبين من حضره الموت وصار فى حين اليأس كما كان فرعون حين صار فى غمرة الماء۔

وفی الصحیح للبخاری (۲/۹۸۸): حدثنا ابو اليمان ...سعيد بن المسيب عن ابيه قال لما حضرت ابا طالب الوفاة جاءه رسول اللهﷺ فقال قل لا اله الا الله كلمة احاج لك بها عندالله۔

(۱۱) ملحد کی تعریف

سؤال

کیا فرماتے ہیں علماء کرام ومفتیان عظام اس مسئلہ کے بارے میں کہ شریعت میں ملحد کسے کہتے ہیں؟ امید ہے کہ مدلل ومفصل جواب عنایت فرمائیں گے۔

الجواب بعون الملک الوھاب

ملحد وہ کہلاتا ہے جو شریعت سے ہٹ کر کفر کی طرف مائل ہو اور قرآن وسنت کے صحیح معانی ومفاہیم کو چھوڑ کر اِدھر اُدھر کی تاویلات کرے۔

لمافی شرح العقائد (ص۲۴۴): الحاد ای میل وعدول عن الاسلام واتصال والتصاق بكفر لكونه تكذيبا للنبى فيماعلم مجيئه بالضرورة۔

وفی ردالمحتار (۴/۲۴۱): والملحد :وهو من مال عن الشرع القويم الى جهة من جهات الكفر ، من الحد فى الدين :حاد وعدل لايشترط فيه الاعتراف بنبوة نبيناعليه السلام ولابوجود الصانع تعالى وبهذا فارق الدهرى ايضا ولااضمار الكفر وبه فارق المنافق ، ولاسبق الاسلام وبه فارق المرتد فالملحد اوسع فرق الكفر حدا:اى هو اعم من الكل۔

(وهكذا فى القاموس الفقهى : ص۳۲۹)

(۱۲) زندیق کی تعریف

سؤال

کیا فرماتے ہیں علماء کرام ومفتیان عظام اس مسئلہ کے بارے میں کہ زندیق کی تعریف کیا ہے؟ بحوالہ نقل کریں۔

الجواب بعون الملک الوهاب

زندیق کا اطلاق ایسے شخص پر کیا جاتا ہے جو کسی دین کا پابند نہیں ہوتا۔ نیز وہ بظاہر اسلام کو ظاہر کرتا ہے اور بباطن کفریہ عقائد رکھتا ہے۔

لمافی القاموس الفقهی (ص١٦٠): الزنديق من يؤمن بالزندقة ....وقال العلامة ابن كمال باشاان الزنديق فی لسان العرب يطلق على من ينفی البار ی تعالى ، وعلى من يثبت الشريك وعلى من ينكر حكمته۔عندالمالكية والشافعية والحنابلة والجعفرية والزيدية: هوالذی يظهرالاسلام ويخفی الكفر وكان يسمى فی عصر النبوة منافقا فصار فی العرف الشرعی زنديقا۔ عندالحنفية وفی قول للشافعية :هوالذی لاينتحل دينا۔

وفی ردالمحتار (٦٩/٤): يازنديق يامنافق الاول هو من لايتدين بدين ، والثانی هو من يبطن الكفر ويظهر الاسلام۔

وفی التقريرات (ص٤٧) تحت تعريف الزنديق: (قوله الاول هو من لايتدين بدين) وجعله فی النهر بمعنى المنافق۔

وفی الدرالمختار (٢٤٣/٤): والمنافق الذی يبطن الكفر ويظهر الاسلام كالزنديق الذی لايتدين بدين۔

وفی الشامية تحته: ويجب ان يكون حكم المنافق فی عدم قبولنا توبته كالزنديق لان ذلك فی الزنديق لعدم الاطمينان الى مايظهر من التوبة اذا كان يخفی كفره الذی هو عدم اعتقاده دينا والمنافق مثله فی الاخفاء۔

وفی ردالمحتار (٢٤١/٤):قال العلامة ابن كمال باشافی رسالته: الزنديق فی لسان العرب ... والفرق بينه وبين المرتد العموم الوجهی لانه قد لايكون مرتدا ، كما لوكان زنديقا اصليا غير منتقل عن دين الاسلام ، والمرتد قد لايكون زنديقا كمالوتنصراوتهود وقد يكون

مسلما فيتزندق واما فی اصطلاح الشرع، فالفرق اظهر لاعتبارهم فيه ابطان الكفر والاعتراف بنبوة نبينا على مافی شرح المقاصد لكن قيد الثانی فی الزنديق الاسلامی بخلاف غيره۔

(۱۳) ارتداد کے بعد سابقہ عبادات کا ثواب

سؤال

کیا فرماتے ہیں علماء کرام ومفتیان عظام اس مسئلہ کے بارے میں کہ ایک شخص بہت عبادت گزار ہو، اچانک اس سے ایسا فعل سرزد ہوجائے جس سے وہ کافر ہوجائے اور وہ فوراً کلمہ بھی پڑھ لے اور توبہ کرلے تو اس کی سابقہ عبادات کا ثواب باقی رہے گا یا ختم ہوجائے گا؟ قرآن وسنت کی روشنی میں جواب عنایت فرمائیں۔

الجواب بعون الملک الوهاب

صورت مسئولہ میں اس آدمی کا پہلا ثواب ختم ہوجائے گا لیکن اس کی وہ عبادات اور طاعات جو اس نے پہلے کیں وہ ثواب میں مؤثر ہوں گی۔ اور ثواب میں مؤثر ہونے کا مطلب یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ اسلام کی طرف لوٹنے کی وجہ سے اس کو جدید ثواب عطا فرمائیں گے جو اس ثواب کے علاوہ ہوگا جو باطل ہوچکا ہے۔ دوسرا مطلب یہ ہے کہ اس شخص سے ان عبادات کے لوٹانے کا مطالبہ دوبارہ نہیں ہوگا جو یہ کافر ہونے سے پہلے ادا کرچکا۔

لمافی البحر الرائق (۵/ ۱۲۷): لو تاب أ تعود حسناته ......نقول انه لايعود مابطل من ثوابه لكنه تعود طاعاته المتقدمة مؤثرة فی الثواب بعده۔

وفی ردالمحتار (۲/۷۶): وفی البحر والنهر......تعود طاعته المتقدمة مؤثرة فی الثواب بعد ولعل معنى كونها مؤثرة فی الثواب بعد ان الله تعالى يثيبه عليها ثوابا جديدا بعد رجوعه الى الاسلام غيرالثواب الذی بطل اوان الثواب بمعنى الاعتداد بها وعدم مطالبة بفعلها ثانيا وان حكمنا ببطلانها لان ذلك فضل من الله تعالى۔

(۱۴) جس کو اسلام کے بارے میں زندگی بھر پتہ نہ چلا

سؤال

کیا فرماتے ہیں علماء کرام ومفتیان عظام اس مسئلہ کے بارے میں کہ ایک ایسا شخص جس کے پاس کسی بھی واسطہ سے اسلام نہیں

پہنچا تو اس کے بارے میں کیا حکم ہے؟ کیا اس سے اس بارے میں باز پرس ہوگی یا نہیں؟

الجواب بعون الملک الوھاب

اگر کوئی شخص ایسی جگہ موجود ہو جہاں کوئی دوسرا انسان نہیں پہنچ سکا، کسی پہاڑ کی چوٹی پر ہو یا صحرا میں گوشہ نشین ہو جہاں اس کی ہدایت کا کوئی سامان نہ ہو تو اگر یہ شخص کفر یا شرک کا ارتکاب کرے گا تو اس پر مؤاخذہ ہوگا کیونکہ اللہ تعالیٰ نے اسے عقل وشعور عطا کیا وہ اس کے ذریعے قدرت کی نشانیاں دیکھ کر اس کی وحدانیت کو پہچان سکتا ہے۔ البتہ باقی احکامات یعنی حلال وحرام کی تمیز، نماز اور روزہ کی عدم ادائیگی پر اس کا مؤاخذہ نہیں ہوگا کیونکہ یہ احکامات عقل سے معلوم نہیں ہو سکتے۔

لمافی روح المعانی (۱۵/ ۳۹): روی عن ابی حنیفة رحمه الله انه قال: لولم یبعث الله تعالی رسولا لوجب علی الخلق معرفته وقدصرح غیر واحد من علمائهم بان العقل حجة من حجج الله تعالی ویجب الاستدلال به قبل ورود الشرع ...وماکنا معذبین فی الاعمال التی لاسبیل الی معرفتها الابالشرع الابعد مجئ الشرع۔

فصل فی کلمات الکفر وغیرھا

(کفریہ کلمات اور افعال کے بیان میں)

(۱۵) اپنے غیر مسلم ہونے کا اقرار اور حکم متواتر کا انکار

سؤال

کیا فرماتے ہیں علماء کرام ومفتیان عظام اس مسئلہ کے بارے میں کہ نعیم اور خرم کی آپس میں گفتگو ہو رہی تھی باتوں باتوں میں نعیم نے خرم سے کہا کہ یار نماز پڑھ لیا کرو۔ خرم نے غصہ میں کہا ایسی باتیں نہ کرو میں ہندو ہوں اور میں نماز نہیں پڑھتا۔ اب پوچھنا یہ ہے کہ خرم اس کلام سے ہندو بن گیا یا نہیں؟

الجواب بعون الملک الوھاب

جب کوئی شخص غیر مسلم ہونے کا اقرار یا نصوص قطعیہ کا انکار کرے تو بلاشبہ وہ شخص دائرۂ اسلام سے خارج ہو جاتا ہے پس صورت مسئولہ میں جب نعیم نے خرم سے کہا کہ نماز پڑھ لیا کرو تو جواب میں خرم کا یہ کہنا کہ ''ایسی باتیں نہ کرو میں ہندو ہوں اور میں نماز نہیں پڑھتا'' تو خرم نے غیر مسلم ہونے کا اقرار کیا جس کی بنا پر خرم دائرۂ اسلام سے خارج ہو گیا۔ لہٰذا خرم کو چاہیئے کہ وہ اللہ جل شانہٗ سے توبہ واستغفار کر کے ایمان کی بھی تجدید کرے اور اگر شادی شدہ ہے تو از سرِ نو نکاح کرے۔

لمافی القران الکریم(النحل:۱۰۶): مَنْ كَفَرَ بِاللهِ مِنْ بَعْدِ إِيمَانِهِ إِلَّا مَنْ أُكْرِهَ وَقَلْبُه مُطْمَئِنٌّ بِالْإِيمَانِ وَلَكِنْ مَّنْ شَرَحَ بِالْكُفْرِ صَدْرًا فَعَلَيْهِمْ غَضَبٌ مِّنَ اللهِ وَلَهُمْ عَذَابٌ عَظِيمٌ

وفی الهندیة(۲/۲۵۷): ومن یرض بکفر نفسه فقد کفر. . .(ص۲۶۸) لو قال لمریض صل فقال والله لا أصلی أبد اولم یصل حتی مات یکفر۔

وفی التاتارخانیة(۵/۵۱۵): مسلم قال: أنا ملحد یکفر لأن الملحد کافر، هکذا ذکره الامام ابو المعین ولو قال: ما علمت أنه کفر: لا یعذر بهذا۔

(۱۶) حالت نیند میں کفریہ کلمات کہنا

سؤال

کیا فرماتے ہیں علماء کرام ومفتیانِ عظام اس مسئلہ کے بارے میں کہ ایک شخص نیند کی حالت میں کفریہ کلمات ادا کرتا ہے، آیا یہ شخص ایمان سے خارج ہوگا یا نہیں؟

الجواب بعون الملک الوهاب

اگر کوئی شخص نیند کی حالت میں کفریہ کلمات کہہ دے تو اس سے وہ ایمان سے خارج نہیں ہوگا۔

لما فی رد المحتار (۲۴۳/۳) : وفی التحریر وتبطل عباراته من الاسلام والردة والطلاق ، ولم توصف بخبر وانشاء وصدق وکذب کالحان الطیور اھ ومثله فی التلویح۔ فھذا صریح فی ان کلام النائم لایسمی کلاما لغة ولاشرعا بمنزلة المھمل۔

(۱۷) مرتکب کبیرہ کو کافر کہنا

سؤال

کیا فرماتے ہیں علمائے کرام ومفتیانِ عظام اس مسئلہ کے بارے میں کہ اگر کوئی مسلمان کسی گناہ کبیرہ کا مرتکب ہو تو اسے کافر کہنا درست ہے یا نہیں؟

الجواب بعون الملک الوهاب

کسی مسلمان کو گناہ کبیرہ کے ارتکاب کی وجہ سے کافر کہنا درست نہیں ہے بلکہ یہ خود گناہ کبیرہ ہے لہٰذا کسی مسلمان کو بغیر ارتکاب کفر کے کافر کہنا (اگرچہ وہ کتنا ہی گناہ گار ہو) خود گناہ کبیرہ ہے۔

لمافی شرح العقائد (صـ ۱۸۲) : والکبیرة لاتخرج العبد المؤمن من الایمان ولا تدخله فی الکفر ...... أن حقیقة الایمان ھوالتصدیق القلبی فلا یخرج المؤمن عن الا تصاف به الا بما ینافیه ومجرد الاقدام علی الکبیرة لغلبة شھوة أوحمیة ...... خصوصا اذا اقترن به خوف العقاب ورجاء العفو والعزم علی التوبة لاینافیه نعم اذا کان بطریق الاستحلال والاستخفاف کان کفرا ...... الأیات والاحادیث الناطقه باطلاق المؤمن علی العاصی کقوله تعالی یآایھا الذین آمنوا کتب علیکم القصاص فی القتلیٰ وقوله تعالی یَا أَیُّھَا الَّذِینَ آمَنُوا تُوبُوا إِلَی اللهِ تَوْبَةً نَصُوحًا

وقوله تعالى وان طائفتان من المؤمنين اقتتلوا الآية۔

وفی فتح الملهم (۲/۲۶۹): (فقال رسول اللهﷺ اللهم وليديه فاغفر)فی هذا الحديث حجة لقاعدة عظيمة لاهل السنة ان من قتل نفسه او ارتكب معصية غيرها ومات من غير توبة فليس بكافر ولايقطع له بالنار بل هو فی حكم المشيئة۔

وفی حاشية النووی علی الصحيح لمسلم (۱/ ۵۷) : ان مذهب اهل الحق انه لايكفر المسلم بالمعاصی كالقتل والزنا۔

(۱۸) صحابہ کرام رضوان اللہ علیہم اجمعین اور تابعین کو گالیاں دینے والا

سؤال

کیا فرماتے ہیں علمائے کرام ومفتیانِ عظام اس مسئلہ کے بارے میں کہ صحابہ کرام رضوان اللہ علیہم اجمعین اور تابعین کو گالیاں دینے کی وجہ سے آدمی کافر ہوتا ہے یا نہیں؟

الجواب بعون الملک الوھاب

حضور اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اور شیخین رضی اللہ عنہما کے علاوہ دیگر صحابہ رضوان اللہ علیہم اجمعین اور تابعین رحمۃ اللہ علیہم کو گالیاں دینے والا کافر نہیں ہوتا البتہ سخت گناہ گار ہوگا۔

لما فی مصنف ابن ابی شيبة(۶/ ۴۰۸) : عن عائشة رضی الله عنها قالت امروا بالاستغفار لاصحاب محمدﷺ فسبوهم۔ وعن عطاء قال قال رسول اللهﷺ من سبّ اصحابي فعليه لعنة الله۔

وفی الشامية (۴/ ۲): من سب الشيخين اوطعن فيهما كفر۔

وفيه ايضاً(۴/۲۳۷): الرافضی اذا كان يسب الشيخين ويلعنهما فهو كافر ......وسبّ احد من الصحابة وبغضه لايكون كفرا لكن يضلل۔

(۱۹) مسلمان کو کافر یا مشرک کہنا

سؤال

کیا فرماتے ہیں علمائے کرام ومفتیانِ عظام اس مسئلہ کے بارے میں کہ اگر کوئی آدمی کسی مسلمان کو مشرک کہے اور کہنے والا بھی مسلمان ہو تو کہنے والے پر کفر لازم آتا ہے یا نہیں؟

الجواب بعون الملک الوھاب

اگر کوئی مسلمان دوسرے مسلمان کو کافر یا مشرک کہے تو اگر کہنے والے کا عقیدہ یہ ہے کہ وہ کافر ہے تو پھر کہنے والے پر بھی کفر لازم آتا ہے۔اور اگر کہنے والے کا یہ عقیدہ نہیں بلکہ برا بھلا یا گالم گلوچ کے طور پر کہتا ہے تو اس صورت میں کہنے والا کافر نہیں ہوگا۔البتہ اس قسم کے الفاظ زبان پر لانے سے اجتناب اور احتیاط لازم ہے اس لئے کہ کفر و ایمان کا مسئلہ سنگین اور نازک مسئلہ ہے اسے مذاق نہیں بنانا چاہیئے۔

لما فی التاتارخانیة (۵/۵۱۳): ولوقال لمسلم اجنبی یا کافر اولاجنبیة یاکافرة ولم یقل المخاطب شیئا أو قال لامرأته یا کافرة ولم تقل المرأة شیئا...... والمختار للفتوی فی جنس هذه المسائل ان القائل بمثل هذه المقالات ان کان اراد الشتم ولا یعتقده کافراً لایکفر وان کان یعتقده کافراً فخاطبه بهذا بناء علی اعتقاده انه کافر یکفر۔

وهکذا فی الهندیة (۲/ ۲۷۸)۔

(۲۰) آپ علیہ السلام کی پسند فرمودہ کے متعلق استہزاء کرنا

سؤال

کیا فرماتے ہیں علمائے کرام ومفتیانِ عظام اس مسئلہ کے بارے میں کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ فلاں چیز مجھے پسند ہے۔ایک شخص استہزاء کرتے ہوئے کہتا ہے کہ جو چیز آپ علیہ الصلوۃ والسلام کو پسند ہے مجھے پسند نہیں (معاذ اللہ)۔شریعت میں ایسے شخص کے بارے میں کیا حکم ہے؟

الجواب بعون الملک الوھاب

صورت مسئولہ میں اگر وہ شخص استہزاءً یہ کہے کہ جو چیز آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو پسند ہے وہ مجھے پسند نہیں تو ان کلمات کے کہنے سے یہ شخص کافر ہوجائے گا۔

لمافی البحرالرائق (۵/۱۲۱): ویکفر... بقوله انا لااحبه حین قیل له ان النبی صلی اللہ علیہ وسلم کان یحب القرع وقیل: ان کان علی وجه الاهانة۔

وفی التاتارخانیة (۵/۴۸۱): ولو قال رجل لغیره: کان رسول الله صلی اللہ علیہ وسلم یحب کذا بان قال مثلایحب القرع فقال ذلك الغیر: انا لا احبه فهذاکفر هکذا روی عن ابی یوسف نصا......

وبعض المتأخرین قالوا: اذا قال ذلك علی وجه الاهانة کان کفرا وبدونه لایکون کفرا۔

وھکذا فی الھندیۃ (۲/۲۶۵)۔

وفی ردالمحتار (۴/۲۲۲): ماکان دلیل الاستخفاف یکفر بہ وان لم یقصد الاستخفاف۔

(۲۱) روزہ اور نماز کو تکاسلاً ترک کرنے والا

سؤال

کیا فرماتے ہیں علمائے کرام ومفتیانِ عظام اس مسئلہ کے بارے میں کہ میرے ایک عزیز ہیں، میں ان سے بار بار نماز کا کہتا ہوں لیکن وہ نماز نہیں پڑھتے اور کل ان کے گھر والوں نے بتلایا کہ وہ روزہ بھی نہیں رکھتے لیکن وہ ان دونوں چیزوں کا انکار بھی نہیں کرتے۔ کیا ایسے شخص کو مسلمان سمجھا جائے یا کافر؟ اور شریعت مطہرہ نے ایسے شخص کے لئے کیا سزا تجویز کی ہے؟

الجواب بعون الملک الوھاب

اگر کوئی شخص نماز کی فرضیت کا انکار نہیں کرتا لیکن سستی اور کاہلی کی وجہ سے نماز بھی نہیں پڑھتا تو ایسے آدمی کو کافر کہنا جائز نہیں ہے بلکہ ایسا شخص فاسق ہے اور شرعاً اس کی سزا یہ ہے کہ اسے قید کیا جائے اور بعض حضرات کے نزدیک اتنا مارا جائے کہ جسم سے خون نکل آئے اور یہ سزا اس وقت تک جاری رکھی جائے جب تک وہ تائب ہو کر نماز پڑھنا شروع نہ کردے یا مرجائے۔ اسی طرح جو آدمی روزہ نہیں رکھتا لیکن اس کی فرضیت کا انکار بھی نہیں کرتا وہ بھی کافر نہیں بلکہ فاسق ہے اور اس کی سزا یہ ہے کہ اسے بھی قید کردیا جائے اور دن کو اس کا کھانا پینا بھی بند کیا جائے یا امام (خلیفہ وقت) اگر چاہے تو اپنی صوابدید پر کوئی سزا تجویز کرے۔

لما فی عمدۃ القاری (۱/۱۸۱): قال النووی یستدل بالحدیث علی ان تارک الصلاۃ عمدا معتقدا وجوبھا یقتل ...وقال ابوحنیفۃ والمزنی یحبس الی ان یحدث توبۃ ولا یقتل ... ولو ترک صوم رمضان حبس ومنع الطعام والشراب نھارا لان الظاھر انہ ینویہ لانہ معتقد لوجوبہ۔

وفی فیض الباری (۱/۱۰۶): قال الامام الشافعی ومالک ان تارک الصلوۃ یقتل حدا لا کفرا ... وقال امامنا الاعظم رحمہ اللہ انہ لیس بکافر ولایقتل ولکنہ یحبس ثلاثا فان عاد الی الصلوۃ فبھا والا یضرب ضربا یتفجر منہ الدم۔

وفی الدرالمختار مع رد المحتار (۱/۳۵۲): وتارکھا عمدا مجانۃ ای تکاسلا فاسق یحبس حتی یصلی ...وقیل یضرب حتی یسیل منہ الدم۔

وفی الشامیۃ: "قیل یضرب" ظاھر الحلیۃ انہ المذھب۔

(۲۲) کسی بزرگ سے اولاد کا سوال اور والدین کی اطاعت

سؤال

کیا فرماتے ہیں علمائے کرام ومفتیانِ عظام اس مسئلہ کے بارے میں کہ ہمارے ہاں یہ طریقہ رائج ہے کہ جس شخص کو اللہ تعالی اولاد نہ دیں اور آٹھ/نو سال تک اس کے ہاں اولاد نہ ہو تو ہمارے ہاں ایک بابا گھوڑے پر سوار ہو کر آتا ہے۔ جس کے ہاں اولاد نہ ہو وہ اسے پانچ سو یا ہزار روپے دیتا ہے۔ کیا ایسا کرنا شرعاً جائز ہے؟ مجھے میرے والدین مجبور کررہے ہیں کہ میں اس بابا کے پاس جاؤں، اگر یہ عمل ناجائز ہے اور میں نہ جاؤں تو والدین کا حکم نہ ماننے کی وجہ سے گناہ ہوگا یا نہیں؟ تفصیل سے جواب عنایت فرمائیں۔

الجواب بعون الملک الوھاب

اولاد دینا یا نہ دینا صرف اور صرف اللہ تعالی کی قدرت واختیار میں ہے۔ اللہ تعالی کے سوا کوئی کسی کو اولاد نہیں دے سکتا۔ اللہ تعالی جسے چاہتے ہیں بچہ دیتے ہیں، جسے چاہتے ہیں بچی دیتے ہیں اور جسے چاہتے ہیں بالکل محروم کردیتے ہیں۔ اللہ تعالی کے نیک بندوں سے دعا تو کروائی جاسکتی ہے لیکن اس طرح سے کہ عقیدہ میں کوئی خرابی پیدا نہ ہو۔

لہٰذا صورت مسئولہ میں آپ اپنے والدین کو سمجھائیں اور اللہ تعالی کے حضور ان کی ہدایت کے لئے دعا بھی کریں۔ آپ کے لئے کسی صورت میں ان کی یہ بات ماننا جائز نہیں ہے بلکہ اگر آپ نے ان کی بات مانتے ہوئے ایسا کرلیا تو آپ گناہ گار ہوں گے۔

لمافی قوله تعالی (الشوری:٤٩): لِلّٰهِ مُلْكُ السَّمٰوَاتِ وَالْأَرْضِ يَخْلُقُ مَا يَشَاءُ يَهَبُ لِمَن يَشَاءُ إِنَاثًا وَيَهَبُ لِمَن يَشَاءُ الذُّكُورَ أَوْ يُزَوِّجُهُمْ ذُكْرَانًا وَإِنَاثًا وَيَجْعَلُ مَنْ يَشَاءُ عَقِيمًا إِنَّهُ عَلِيمٌ قَدِيرٌ.

قال العلامة الآلوسی تحت هذه الآية (۲۵ / ۵۳): ان الملك ملكه سبحانه من غير منازع ومشارك يتصرف كيف يشاء فليس على من هو احقرجزء من ملكه تعالى ان يعترض ويريد ان يجرى التدبيرحسب هواه الفاسد۔

وفی کنزالعمال (۳۵۸/۲): [۴۲۳۵] عن علی رضی اللہ عنہ عن النبی صلی اللہ علیہ وسلم .... لاطاعة الافی معروف۔

وفیه ایضا (٦/ ٦٧): [۱۴۸۷۴] لاطاعة لاحد فی معصية الله انما الطاعة فی المعروف۔ [۱۴۸۷۵] لاطاعة لمخلوق فی معصية الخالق۔

(۲۳) اپنی بیوی کو "تجھے اللہ تعالیٰ سے زیادہ پسند کرتا ہوں" کہنے کا حکم

سؤال

کیا فرماتے ہیں علمائے کرام ومفتیانِ عظام اس مسئلہ کے بارے میں کہ ہمارے محلے میں ایک شخص ہے وہ اکثر گفتگو میں یہ بات کہتا رہتا ہے کہ "میں اپنی بیوی کو اللہ تعالیٰ سے زیادہ پسند کرتا ہوں" لہٰذا مفتی صاحب مجھے آپ سے یہ معلوم کرنا ہے کہ کیا وہ شخص اس طرح کہنے سے کافر ہو جائے گا یا نہیں؟ براہ کرم قرآن وحدیث کی روشنی میں جواب دیں۔

الجواب بعون الملک الوھاب

ضروریات دین میں سے کسی ایک چیز کے انکار کرنے سے انسان کافر ہو جاتا ہے، اللہ تعالیٰ اور اس کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم کی محبت بھی چونکہ ضروریات دین میں سے ہے، لہٰذا جو شخص بھی اللہ اور رسول صلی اللہ علیہ وسلم کی محبت کے مقابلے میں مخلوق میں سے کسی کیلئے زیادتی محبت کا اقرار کرتا ہے تو وہ شخص دائرہ اسلام سے خارج ہو جاتا ہے اور اس کی بیوی اس پر حرام ہو جاتی ہے لہٰذا اگر اس شخص نے اپنی بیوی کو یہ جملہ "کہ میں تجھے اللہ سے زیادہ پسند کرتا ہوں" یہ جانتے ہوئے کہا کہ میں کلمۂ کفر کہہ رہا ہوں تو یہ شخص دائرہ اسلام سے خارج ہو گیا اور اس کی بیوی اس پر حرام ہو گئی لہٰذا اس پر تجدید ایمان اور تجدید نکاح لازم ہے لیکن اگر اس نے یہ جملہ جہالت اور ناواقفیت کی بناء پر کہا ہے تو پھر یہ شخص کافر تو نہیں ہوگا اور نہ ہی اس پر اس کی بیوی حرام ہوگی البتہ یہ جملہ کہنے کی وجہ سے یہ شخص سخت گناہگار اور فاسق ہوگا لہٰذا اس پر توبہ واستغفار لازم ہے اور احتیاطاً تجدید نکاح بھی کر لینا چاہیئے۔

لمافی صحیح البخاری(۱/۷): حدثنا محمد ابن المثنی... عن انس عن النبی صلی اللہ علیہ وسلم قال ثلث من کن فیه وجد حلاوة الایمان ان یکون الله ورسوله احب الیه مما سواهما وان یحب المرء لایحبه الا لله وان یکره ان یعود فی الکفر کما یکره ان یقذف فی النار۔

وفی منح الروض الازهر فی شرح الفقه الاکبر(ص۴۵۱): ثم اعلم انه اذا تکلم بکلمة الکفر عالماً بمعناها ولا یعتقد معناها، لکن صدرت عنه من غیر اکراه، بل مع طواعیة فی تأدیته، فانه یحکم علیه بالکفر بناء علی القول المختارِ عند بعضهم من ان الایمان هو مجموع التصدیق والاقرار، فبإجرائها یتبدل الاقرار بالانکار، أما اذا تکلم بکلمة ولم یدر انها کلمة کفر، ففی فتاویٰ قاضیخان حکایة خلاف من غیر ترجیح حیث قال: قیل: لایکفر لعذره بالجهل، وقیل یکفر ولا یعذر بالجهل، أقول: والاظهر الأول الا اذا کان من قبیل مایعلم من الدین بالضرورة فانه حینئذ یکفر ولا یعذر بالجهل۔

وفی البحر الرائق (٥/٢٠٣): ویکفر ان اعتقدان الله تعالیٰ یرضی بالکفر... وبقوله لامرأته أنت احب الی من الله وقیل لا... ومحل الاختلاف عند عدم قصدا لاستهزاء... الخ۔

وفی الهندیة (٢/٢٥٩): ولو قال لامرأته أنت احب الی من الله تعالیٰ یکفر کذا فی الخلاصة۔

وفی (ص٢٨٣): ما کان فی کونه کفرا اختلاف فان قائله یؤمر بتجدید النکاح وبالتوبة والرجوع عن ذالک بطریق الاحتیاط وما کان خطأ من الالفاظ ولایوجب الکفر فقائله مؤمن علی حاله ولا یؤمر بتجدید النکاح والرجوع عن ذلک کذا فی المحیط، اذا کان فی المسئلة وجوه توجب الکفر ووجه واحد یمنع فعلی المفتی ان یمیل الی ذلک الوجه کذا فی الخلاصة، فی البزازیة الا اذا صرح بارادة توجب الکفر فلا ینفعه التأویل حینئذ کذا فی البحر الرائق، ثم ان کانت نیة القائل الوجه الذی یمنع التکفیر فهو مسلم وان کانت نیته الوجه الذی یوجب التکفیر لاتنفعه فتوی المفتی ویؤمر بالتوبة والرجوع عن ذلک وبتجدید النکاح بینه وبین امرأته کذا فی المحیط۔

وفی الشامیة(٤/٢٢٤): وفی الفتاوی الصغری: الکفر شئ عظیم فلا اجعل المؤمن کافرا متی وجدت روایة انه لا یکفر اھ وفی الخلاصة وغیرها: اذا کان فی المسألة وجوه توجب التکفیر ووجه واحد یمنعه فعلی المفتی ان یمیل الی الوجه الذی یمنع التکفیر تحسینا للظن بالمسلم زاد فی البزازیة الا اذا صرح بارادة موجب الکفر فلا ینفعه التأویل ح... والذی تحرر انه لا یفتی بکفر مسلم امکن حمل کلامه علی محمل حسن أو کان فی کفره اختلاف ولو روایة ضعیفة فعلی هذا فأکثر الفاظ التکفیر المذکورة لایفتی بالتکفیر فیها...الخ۔ وفی (ص٢٣٠): نعم سیذکر الشارح ان ما یکون کفرا اتفاقا یبطل العمل والنکاح، وما فیه خلاف یؤمر بالاستغفار والتوبة وتجدید النکاح اھ وظاهره انه امر احتیاط۔

(٢٤) شریعت کے خلاف اشعار کہنا

سؤال

کیا فرماتے ہیں علمائے کرام ومفتیانِ عظام اس مسئلہ کے بارے میں کہ ایک شاعر ایسے اشعار لکھتا ہے جس کے ظاہری معنی یقینی طور پر اسلامی تعلیمات کے خلاف ہوتے ہیں مثلاً اللہ تعالیٰ سے کھلم کھلا شکوہ، شراب کو ہر پریشانی کا حل بتانا (جبکہ وہ شاعر خود بھی کھلے

عام شراب پیتا ہو) اس کے علاوہ علماء دین کی تذلیل، انہیں بے کار اور بے خبر کہنا۔ شاعر مذکور کا حکم کیا ہے؟ خصوصاً جبکہ اس شاعر کا انتقال ہو چکا ہو اور ان کلمات کے بارے میں اس کی مراد بھی نہیں پوچھی جا سکتی۔ نیز اس طرح کے بہت سے اشعار اس کے دیوان میں موجود ہیں اس دیوان کا کیا حکم ہوگا۔ نمونہ کے طور پر بعض اشعار کا ترجمہ یہ ہے:

۱۔ میرے محبوب کی آنکھوں میں بہت سارے خوبصورت جہاں ہیں (آگے شاعر اللہ تعالی سے خطاب کر کے کہتا ہے) لہٰذا تو اپنی دنیا کو مجھ سے لے لے، مجھے تیری دنیا کی کوئی ضرورت نہیں ہے۔ (معاذ اللہ)

۲۔ جام شراب اٹھا کر مسلمان ہو جا اور اسی جہاں میں جنتی ہو جا۔

الجواب بعون الملک الوھاب

جس شخص کے اشعار میں ایسے مفہوم اور معنی موجود ہوں جو اللہ تعالی سے شکوہ، عدم رضا بالقضاء، شراب کو ہر پریشانی کا حل سمجھنے، حلت خمر اور انکار حرمت پر مبنی ہو، حاملین دین علماء کرام کی تذلیل، استخفاف دین یا استخفاف علم دین پر مبنی ہو تو یہ شخص دائرہ اسلام سے خارج سمجھا جائے گا اور اگر مندرجہ بالا امور ان حیثیات پر مبنی نہ ہوں تو یہ شخص کافر نہیں ہوگا البتہ گنہگار ہوگا۔

اب سوال میں ذکر کردہ شاعر کے بارے میں یہ معلوم کرنا کہ اس نے یہ اشعار کس نیت سے کہے مشکل ہے لہٰذا ایسی صورت میں اس پر کفر کا حکم نہیں لگایا جائے گا۔ البتہ ایسے اشعار کا پڑھنا خطرے سے خالی نہیں ہے لہٰذا ان سے از حد اجتناب ضروری ہے۔

لما فی السراجیة (ص۶۹): ماتیقن منه انه ردة یحکم بها ومایشك فی انه ردة لایثبت لان الثابت لایزول بالشك ....فینبغی للعالم اذا رفع الیه مثل هذا ان لایبادر باکفار اهل الاسلام مع انه یقضی بصحة الاسلام تحت ظلال السیوف۔

وفی الهندیة (۳۵۱/۵): قرأة شعر الادیب اذا کان فیه ذکر الفسق والخمر والغلام یکره۔

وفی الشامیة (۴۷/۱): ان المحرم منه ماکان فی اللفظ مالایحل کصفة الذکورة والمرأة المعینة الحیة ووصف الخمر المهیج الیها والحانات والهجاء لمسلم اوذمی اذا أراد المتکلم هجائه۔

(۲۵) یوں کہنا کہ میں اسلام کو چھوڑتا ہوں یا داڑھی مونڈنے پر اچھا لگتا ہوں

سؤال

مفتی صاحب درج ذیل باتوں سے متعلق استفسار کرنا ہے کہ اگر کوئی شخص لوگوں کے سامنے کہے کہ:

۱۔ ''میں یہ اسلام چھوڑ دیتا لیکن لوگ کہیں گے کہ اپنے مذہب کو چھوڑ دیا'' تو آیا ان الفاظ سے یہ کافر ہوگا یا نہیں؟

۲۔ اگر کوئی شخص یوں کہے کہ ''فلاں گانا مجھے بہت پسند ہے'' یا یوں کہے کہ ''فلاں گانا بڑا اچھا ہے'' تو یہ شخص کافر ہوگا یا نہیں؟ حالانکہ

اس نے ایک حرام چیز کو پسند کیا۔

۳۔ کسی نے داڑھی مونڈھ کر کہا کہ ''واہ کتنا خوبصورت لگ رہا ہوں'' یا دوسرے نے کہا ''واہ بھائی کتنے خوبصورت لگ رہے ہو'' یا یوں کہا کہ ''اگر تم داڑھی مونڈھ لوگے تو بہت خوبصورت لگوگے'' یا ''اگر میں داڑھی مونڈھ لوں تو بہت خوبصورت لگوں گا''۔ تو یوں کہنے والا کافر ہے یا نہیں؟ حالانکہ اس نے ایک حرام چیز کو پسند کیا اور اس میں خوبصورتی کو بیان کیا۔

الجواب بعون الملک الوھاب

صورت مسئولہ کی پہلی صورت میں اس شخص نے کفر کو پسند کیا تو یہ شخص کافر ہو گیا لہٰذا اس کا نکاح اور اعمال ختم ہو گئے۔

۲۔ دوسری صورت میں اگر گانے کو حلال سمجھ کر اس طرح کہا اور دین کی خفت مقصود ہے تو کفر ہوگا ورنہ فسق اور معصیت کا مرتکب ہوا ہے اس پر استغفار کرے اور آئندہ اس طرح کے کلام سے اجتناب کرے۔

۳۔ تیسری صورت میں بھی اگر نبی علیہ الصلوٰۃ والسلام کی سنت سے اعراض اور استخفافِ دین مقصود ہے تو کفر ہے وگرنہ فسق اور معصیت ہے۔

لمافی خلاصة الفتاوی (۳۸۶/۴): مجوسی اسلم فاعطی شیئاً فقال مسلم لیت کافر فنسلم حتی یعطونی شیئا یکفر لانه تمنی الکفر وذلك کفر۔

وفی الهندیة (۲۵۷/۲): ومن یرضی بکفر نفسه فقد کفر۔

وفی شرح الفقه الاکبر (صـ۱۸۲): من قال دعنی اصیر کافرا کفر ای لانه نوی الکفر اوکدت ان اکفر کفر، وفیه بحث اذ لایلزم من مقاربة الکفر مفارقته اللهم الاان یرید قصدت الکفر وماکفرت فانه یکفر لقصده ونیته۔

وفی البنایة شرح الهدایة (۲۰۶/۹): ان مجرد الغناء والاستماع معصیة لماروی صدر الشهید فی الکراهیة فی کتاب الواقعات عن رسول اللهﷺانه قال استماع الملاهی معصیة والجلوس علیها فسق ...الی آخر الروایة۔

وفی الهندیة (۲۶۳/۲): من لم یقر ببعض الانبیاء اولم یرض بسنة من سنن المرسلین فقد کفر۔

وفی شرح الفقه الاکبر (صـ۱۵۲): ان استحلال المعصیة صغیرة کانت اوکبیرةکفر اذا ثبت کونها معصیة بدلالة قطعیة وکذا الاستهانة بها کفر۔

وفی النبراس (صـ۵۶۶): واستحلال المعصیة صغیرة کانت اوکبیرة کفر لانه تکذیب للشارع اذا ثبت کونها معصیة بدلیل قطعی۔

(۲۶) کیا صدقہ فطر کا منکر کافر ہے؟

سوال

کیا فرماتے ہیں علمائے کرام ومفتیانِ عظام اس مسئلہ کے بارے میں کہ ہمارے پڑوس میں ایک شخص رہتا ہے جو صدقہ فطر کا انکار کرتا ہے کیا اس انکار کی وجہ سے یہ شخص کافر ہوگا یا نہیں؟

الجواب بعون الملک الوھاب

صدقہ فطر کا منکر کافر نہیں ہے البتہ فاسق اور گناہ گار ہوگا۔

لمافی البحرالرائق (۲/۲۵۱) فی بحث صدقة الفطر: والاجماع المنعقد علی وجوبها لیس قطعیا لیکون الثابت الفرض لانه لم ینقل تواترا ولهذا قالوا من انکر وجوبها لایکفر۔

وفی الدر المختار (۲/۳۵۸): فرض رسول الله ﷺ زکاة الفطر معناه قدر للاجماع علی ان منکرها لایکفر۔

(۲۷) ممنوع اور حرام کام پر خوشی کا اظہار کرنا

سوال

کیا فرماتے ہیں علماء کرام ومفتیان عظام اس مسئلہ کے بارے میں کہ انسان کبھی ایسی باتوں اور ایسے واقعات پر خوشی کا اظہار کرتا ہے کہ وہ کام شرعاً ممنوع ہوتے ہیں جیسا کہ کسی شخص کا اس بات پر خوشی کا اظہار کرنا کہ اس کا دوست جوا کھیل کر جیت گیا ہے اور کبھی انسان ایسے کام پر خوشی کا اظہار کرتا ہے جو کہ شریعت کی طرف سے مشروع ہوتے ہیں جیسا کہ اپنے بیٹے کو نماز پڑھتے ہوئے دیکھنا لہٰذا ان دونوں صورتوں میں خوشی کا اظہار کرنے کا کیا حکم ہے؟

الجواب بعون الملک الوھاب

شریعت مطہرہ کے ایسے احکامات جن کی حرمت کسی دلیل قطعی سے ثابت ہو اس پر خوشی کا اظہار کرنا کفر ہے البتہ وہ احکامات جن کو مشروع قرار دیا گیا ہے اس پر خوشی کا اظہار کرنا اچھی بات ہے اور باعث ثواب ہے۔

لمافی التاتارخانیة (۵/۵۲۵): اذا سقی ولده الخمر اول مرة فجاء اقربائه ونثروا الدراهم والسکر فقد کفروا وفی الفتاوی الخلاصة: اولم ینثروا الدراهم ولکنهم قالوا مبارکباد فقد کفروا۔

(وھکذا فی الھندیة : ۲/۲۷۳)

(۲۸) ویزے کے حصول کے لئے اپنے آپ کو قادیانی ظاہر کرنا

سوال

کیا فرماتے ہیں علمائے کرام ومفتیانِ عظام اس مسئلہ کے بارے میں کہ میرے بھائی کینیڈا جانا چاہتے ہیں۔ اب ایجنٹ کہتا ہے کہ اگر اپنے آپ کو قادیانی ظاہر کردیں تو ویزے میں آسانی رہے گی۔ کیا شرعاً ایسا کرنا جائز ہے؟

الجواب بعون الملک الوھاب

اپنے آپ کو قادیانی ظاہر کرنا ایسا ہے کہ جیسے کوئی شخص کفر کا اقرار کرے اور کفر کا اقرار موجب کفر ہے لہٰذا مذکورہ صورت میں اپنے آپ کو قادیانی ظاہر کرنا جائز نہیں ہے۔

لمافی الھندیة(۲/۲۸۳): رجل کفر بلسانه طائعاوقلبه مطمئن بالایمان یکون کافرا ولا یکون عندالله مؤمنا کذافی فتاوی قاضیخان۔

وفیه ایضا (۲/ ۲۵۷): ومن یرضی بکفر نفسه فقد کفر۔

وفی الدرالمختار (۴/۲۲۲): ومن ھزل بلفظ کفر ارتد وان لم یعتقد للاستخفاف۔

وفی الشامیة: (من ھزل بلفظ الکفر)ای تکلم به باختیاره غیر قاصد معناه۔

(۲۹) داڑھی کو اونٹ کی دم کہنا

سوال

کیا فرماتے ہیں علماء کرام ومفتیان عظام اس مسئلہ کے بارے میں کہ میاں بیوی کا کسی بات پر جھگڑا ہوا، بیوی نے غصہ کی حالت میں اپنے شوہر کی داڑھی پکڑی اور جھنجھوڑی اور کہا کہ یہ تمہاری داڑھی نہیں بلکہ میرے اونٹ کی دم ہے کیا وہ عورت اس طرح کہنے سے کافر تو نہیں ہوگئی؟

الجواب بعون الملک الوھاب

اگر مذکورہ عورت نے یہ قول وفعل بطور استخفاف واستہزاء کے یا آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی سنت کو کمتر سمجھتے ہوئے کیا ہو تو دائرہ اسلام سے خارج ہوگئی ورنہ نہیں۔

لمافی التاتارخانیة (۵/۴۸۲): رجل قال لآخر البس الثیاب البیض فان ھذا سنة رسول

اللهﷺ فقال ذالك الرجل لوكان هذا سنة پس مغان دست ......فقد قيل هذا استخفاف بسنة رسول اللهﷺ وانه كفر ......وكذالك فى سائر السنن۔

وفى الدرالمختار مع رد المحتار (۲۲۲/۴): من هزل بلفظ كفر ارتد وان لم يعتقده للاستخفاف۔

وفى الشامية : ان ماكان دليل الاستخفاف يكفر به۔وان لم يقصد به الاستخفاف۔

(۳۰) آپ ﷺ کے بارے میں حاضر وناظر وغیرہ عقائد رکھنے والے شخص کا حکم

سؤال

کیا فرماتے ہیں علمائے کرام ومفتیان عظام اس مسئلہ کے بارے میں کہ ایک شخص یہ اعتقاد رکھتا ہے کہ آپ ﷺ حاضر وناظر اور عالم الغیب ہیں اسی طرح وہ یہ بھی اعتقاد رکھتا ہے کہ اولیاء اور بزرگان دین تمام امور میں تصرف کرتے ہیں کیا ایسا شخص مسلمان ہے یا نہیں؟

الجواب بعون الملک الوھاب

جو شخص آپ ﷺ کے عالم الغیب اور ہر جگہ حاضر وناظر ہونے کا عقیدہ رکھے اگر وہ کسی تاویل یا شبہ کی وجہ سے ایسا عقیدہ رکھتا ہو تو اس کی تکفیر نہیں کی جائے گی البتہ ایسا شخص گمراہ اور فاسق شمار ہوگا اور اگر بغیر کسی تاویل کے وہ ان عقائد کا حامل ہو تو ایسا شخص دائرہ اسلام سے خارج ہوجائے گا (اعاذنا اللہ تعالیٰ منہ)۔

نیز کائنات کے تمام امور میں تصرف اللہ تعالیٰ کی صفت ہے اس صفت میں کوئی بزرگ اور ولی اس کا شریک نہیں اور ایسا عقیدہ رکھنے والا شخص مسلمان نہیں اسے اپنا ایمان اور اگر شادی شدہ ہو تو نکاح بھی دوبارہ کر لینا چاہیئے۔

لما فى قوله تعالى (النمل:٦٥): قُلْ لَّا يَعْلَمُ مَنْ فِي السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ الْغَيْبَ اِلَّا اللهُ ؕ

(الانعام: ٥٩): وَعِنْدَه مَفَاتِحُ الْغَيْبِ لَا يَعْلَمُهَا اِلَّا هُوَ ؕ

وفى الصحيح للبخارى (۱۰۹۸/۲) : عن عائشة رضى الله عنها من حدثك ان محمدارأى ربه فقد كذب ...ومن حدثك انه يعلم الغيب فقد كذب وهو يقول لايعلم الغيب الاالله۔

وفى البحرالرائق (۸۸/۳):وفى الخانية والخلاصة لوتزوج بشهادة الله ورسوله لاينعقد ويكفر لاعتقاد ان النبىﷺ يعلم الغيب۔

وفى الشامية (۴۳۹/۲) : ان ظن الميت يتصرف فى الامور دون الله واعتقاده ذلك كفر۔

(۳۱) مؤذن کو گالی دینا

سؤال

کیا فرماتے ہیں علمائے کرام ومفتیانِ عظام اس مسئلہ کے بارے میں کہ اگر کوئی شخص مؤذن کو گالی دے یا اس کے لئے گالی کے مشابہ الفاظ استعمال کرے تو اس کے لئے کیا حکم ہے؟ جیسے کوئی شخص یوں کہے کہ ؎

وصال شب میں دی مؤذن نے اذان ہائے کمبخت کو کس وقت خدا یاد آیا

الجواب بعون الملک الوھاب

صورت مسئولہ میں اگر اذان کی توہین مقصود ہو تو یہ شخص کافر ہوجائے گا لیکن اگر اذان کی توہین مقصود نہیں بلکہ مؤذن کی توہین مقصود ہے (جیسا کہ سوال سے معلوم ہوتا ہے) تو کافر نہ ہوگا البتہ اسے اس پر توبہ کرنی چاہیئے اور آئندہ ایسے کلام سے اجتناب کرنا چاہیئے۔

لمافی شرح الفقه الاکبر (ص۱۵۲): الاستهزاء علی الشریعة الغراء کفر۔

وفی التتارخانیة (۵/۵۰۰): واذا سمع المؤذن یؤذن فقال السامع ایں بانگ پاسباں است یکفر وفی الیتیمة مؤذن اذن فقال رجل این بانگ غوغا است یکفر انْ قال علی وجه الاستخفاف وفیها سئل الجحندی عن مؤذن یؤذن فقال له رجل استهزاء من هذا المخادع الذی یؤذن هل یکفر ؟ فقال ان استهزء بالاذان یکفر وان استهزء بالموذن لایکفر۔

وفی الهندیة (۲/۲۶۹): مؤذن اذّن فقال رجل این بانگ غوغا است یکفر ان قال علی وجه الانکار۔

(۳۲) ملاقات کے وقت جھکنا

سؤال

کیا فرماتے ہیں علماء کرام ومفتیان عظام اس مسئلہ کے بارے میں کہ آج کل عمومی طور پر جب ایک شخص دوسرے سے ملتا ہے تو سر جھکا کر ملتا ہے۔ اس طرح سر جھکا کر ملاقات کرنا صحیح ہے یا نہیں؟ بعض ساتھیوں کا کہنا ہے کہ یہ بھی غیر اللہ کے سامنے جھکنے میں شامل ہے۔ آیا ان کی بات درست ہے یا نہیں؟

الجواب بعون الملک الوھاب

ملاقات کے وقت کسی کے سامنے جھکنا مکروہ ہے لہٰذا اس سے اجتناب کرنا چاہیئے۔

لمافی المشکوۃ (ص۴۰۱): عن انس رضی اللہ عنہ قال قال رجل یارسول اللہ الرجل منا یلقی اخاہ اوصدیقہ اینحنی لہ قال لاقال أفیلتزمہ ویقبلہ قال لاقال أفیأخذ بیدہ ویصافحہ قال نعم۔

وفی المرقاۃ (۷۶/۹) تحت ھذہ الروایۃ: (اینحنی لہ) من الانحناء وھو امالۃ الرأس والظھر تواضعا وخدمۃ (قال لا) ای فانہ فی معنی الرکوع وھوکالسجود من عبادۃ اللہ سبحانہ ......وفی شرح مسلم للنووی: حنی الظھر مکروہ للحدیث الصحیح فی النھی عنہ ولاتعتبر کثرۃ من یفعلہ ممن ینسب الی علم وصلاح۔

وفی الھندیۃ (۳۶۹/۵): الانحناء للسلطان أو لغیرہ مکروہ لانہ یشبہ فعل المجوس۔ویکرہ الانحناء عندالتحیۃ وبہ وردالنھی۔

وفی الشامیۃ (۳۸۳/۶): وفی المحیط انہ یکرہ الانحناء للسلطان وغیرہ۔

(۳۴) کسی کے سامنے سجدہ کرنا

سؤال

کیافرماتے ہیں علمائے کرام ومفتیانِ عظام اس مسئلہ کے بارے میں کہ ایک شخص نے جو ہمارے گھر کے قریب رہتا ہے ایک آنے والے مہمان کو خوش آمدید کہنے کے لئے خوشی سے اس کے سامنے سجدہ کیا کیا یہ شخص کافر ہوگیا یا نہیں؟

الجواب بعون الملک الوھاب

صورت مسئولہ میں اس شخص نے عبادت کے طور پر سجدہ نہیں کیا لہٰذا کافر نہیں ہوا لیکن ایک حرام کام اور گناہ کبیرہ کا مرتکب ہوا جس پر توبہ واستغفار کرنا چاہیئے اور آئندہ کے لئے اس طرح کے فعل سے اجتناب لازم ہے۔

لمافی الھندیۃ (۳۶۸/۵): من سجد للسلطان علی وجہ التحیۃ اوقبل الارض بین یدیہ لایکفر ولکن یأثم لارتکابہ الکبیرۃ ھوالمختار۔

وفی الدرالمختار (۳۸۳/۶): وکذا مایفعلونہ من تقبیل الارض بین یدی العلماء والعظماء فحرام والفاعل والراضی بہ آثمان لانہ یشبہ عبادۃ الوثن وھل یکفر ان علی وجہ العبادۃ والتعظیم کفروان علی وجہ التحیۃ لاوصارآثمامرتکباللکبیرۃ۔

(۳۴) اگر کوئی شخص اپنی بیوی سے کہے "تو مجھے اللہ سے زیادہ پیاری ہے"

سؤال

کیا فرماتے ہیں علماء کرام ومفتیان عظام اس مسئلہ کے بارے میں کہ جو اپنی بیوی سے کہے کہ "تو مجھے اللہ سے زیادہ پیاری ہے" شریعت میں ایسے شخص کا کیا حکم ہے؟

الجواب بعون الملک الوھاب

کسی شخص کا اپنی بیوی سے یہ کہنا کہ "تو مجھے اللہ سے زیادہ پیاری ہے" یہ کلمہ کفر ہے ایسا کہنے والا شخص دائرہ اسلام سے خارج ہوجائے گا۔ البتہ اگر یہ کلمات ناواقفیت اور جہالت کی بناء پر منہ سے نکل گئے ہوں اور کہنے والے کو ان الفاظ سے کفر لازم آنے کا ادراک نہ ہو تو وہ شخص کافر تو نہ ہوگا البتہ اس پر توبہ واستغفار نیز احتیاطاً تجدیدِ ایمان اور نکاح بھی کر لینا چاہیئے نیز آئندہ ایسے کلمات منہ سے نکالنے سے اجتناب کرے۔

لمافی الاشباہ والنظائر (ص۱۹۱): ولایکفران قال امرأتی احب الی من اللہ تعالی ان اراد محبۃ الشھوۃ وان اراد محبۃ الطاعۃ کفر۔

وفی التاتارخانیۃ (۳۶۸/۵): واذا قال لامرأتہ انت احب الی من اللہ تعالی فقد کفر۔

(۳۵) غیبت کو حلال سمجھنا

سؤال

کیا فرماتے ہیں علماء کرام ومفتیان عظام اس مسئلہ کے بارے میں کہ ایک شخص غیبت کو حلال سمجھتا ہے۔ کیا اس وجہ سے وہ کافر ہوجائے گا؟

الجواب بعون الملک الوھاب

غیبت کو حلال سمجھنا اللہ تعالیٰ کی حرام کردہ چیز کو حلال سمجھنا ہے جو موجب کفر ہے لہٰذا یہ شخص کافر ہوگیا۔

لمافی قولہ تعالی (الحجرات:۱۲): يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا اجْتَنِبُوْا كَثِيرًا مِّنَ الظَّنِّ إِنَّ بَعْضَ الظَّنِّ إِثْمٌ وَلَا تَجَسَّسُوْا وَلَا يَغْتَبْ بَّعْضُكُمْ بَعْضًا أَيُحِبُّ أَحَدُكُمْ أَنْ يَّأْكُلَ لَحْمَ أَخِيهِ مَيْتًا فَكَرِهْتُمُوْهُ وَاتَّقُوْا اللهَ إِنَّ اللهَ تَوَّابٌ رَّحِيْمٌ

وفی الفقه الاکبر (ص۱۵۲): ان استحلال المعصیة صغیرة کانت او کبیرة کفر اذا ثبت کونها بدلالة قطعیة۔

وفی الشامیة (۴۰۹/۶): الغیبة علی اربعة اوجه :فی وجه هی کفر بان قیل له لاتغتب فیقول لیس هذا غیبة لانی صادق فیه فقد استحل ماحرم بالادلة القطعیة۔

(۳۶) گناہ کو حلال سمجھ کر کرنا

سؤال

کیافرماتے ہیں علماء کرام ومفتیان عظام اس مسئلہ کے بارے میں کہ ایک آدمی کوئی گناہ کرتا ہے اوراسے حلال سمجھ کر کرتا ہے اور وہ گناہ کبیرہ بھی نہیں بلکہ صغیرہ ہے توکیا یہ شخص کافر ہوجائے گا؟

الجواب بعون الملک الوهاب

اگرکوئی شخص گناہ کوحلال سمجھ کرکرتا ہے اگرچہ وہ گناہ صغیرہ ہوتو یہ شخص کافر ہوجائیگا جبکہ اس گناہ کا گناہ ہونا دلائل قطعیہ سے ثابت ہو۔

لمافی الفقه الاکبر (ص۱۵۲): ان استحلال المعصیة صغیرة کانت او کبیرة کفر اذا ثبت کونها بدلالة قطعیة۔

وفی النبراس (ص۵۶۶): واستحلال المعصیة ای اعتقاد کونها حلالا صغیرة اوکبیرة کفر اذا ثبت کونها معصیة بدلیل قطعی هو الکتاب والسنة المتواترة۔

(۳۷) کیامعراج کامنکر کافر ہے؟

سؤال

کیافرماتے ہیں علماء کرام ومفتیان عظام اس مسئلہ کے بارے میں کہ اگرکوئی شخص معراج کاانکار کرے کہ یہ کیسے ممکن ہے کہ کوئی شخص بغیر آلات کے اس طرح سیر کرتا پھرے تواس انکار پر یہ شخص کافر ہوجائے گا؟

الجواب بعون الملک الوهاب

معراج کے دوحصے ہیں اول مکۃ المکرمہ سے بیت المقدس تک اور دوسرا بیت المقدس سے آسمانوں کا سفر۔ اگرکوئی شخص پہلے

حصے یعنی مکہ سے بیت المقدس تک کا انکار کرے تو وہ کافر ہے اور اگر بیت المقدس سے آسمانوں کی سیر کا انکار کرے تو کافر نہیں لیکن گمراہ وگناہ گار ہوگا۔

لمافی روح المعانی (۱۵/۱۳): الاسراء الی بیت المقدس قطعی ثبت بالکتاب فمن انکر فهو کافر والمعراج لیس کذلك فمن انکره لیس بکافر بل مبتدع۔

وفی شرح الفقه الاکبر (ص۱۱۱): وفی کتاب الخلاصة: من انکر المعراج ینظران انکر الاسراء من مکة الی بیت المقدس فهو کافر، ولو انکر المعراج من بیت المقدس لایکفر۔

(۳۸) جان چھڑانے کے لئے کلمہ کفر کہنا

سؤال

کیا فرماتے ہیں علماء کرام ومفتیان عظام اس مسئلہ کے بارے میں کہ ایک عورت صرف اپنے شوہر سے جان چھڑانے کے لئے کلمہ کفر کہتی ہے جبکہ اس کے دل میں کفر نہیں ہے کیا اس طرح کلمہ کفر کہنے سے وہ مرتدہ ہوجائے گی؟ اور اس کا نکاح ختم ہوجائے گا یا نہیں؟

الجواب بعون الملک الوھاب

صورت مسئولہ میں اس طرح کلمہ کفر کہنے سے عورت مرتدہ ہوجائے گی اور اس کا نکاح بھی ٹوٹ جائے گا البتہ اسے قید میں رکھا جائے یہاں تک کہ وہ ایمان لائے اور جب ایمان لے آئے تو دوبارہ پہلے شوہر کے ساتھ اس کا نکاح کردیا جائے گا تاکہ عورتوں کے لئے اس طرح نکاح ختم کرنے کے لئے کفر کا دروازہ نہ کھل جائے۔

لمافی الهندیة (۲۸۳/۲): رجل کفر بلسانه طائعا وقلبه مطمئن بالایمان یکون کافرا ولایکون عندالله مؤمنا کذافی فتاوی قاضیخان۔

وفی البحرالرائق (۳۷۴/۳): وصحح فی المحیط والخزانة ظاهر الروایة من وقوع الفرقة والجبر علی تجدید النکاح من الاول وعدم تزوجها بغیره بعد اسلامها وقال الولوالجی: وعلیه الفتوی۔

وفی الدرالمختار مع ردالمحتار (۲۲۲/۴): ومن هزل بلفظ کفر ارتد وان لم یعتقد للاستخفاف۔

وفی الشامیة: (من هزل الخ) ای تکلم باختیاره غیر قاصد معناه۔

(۳۹) عمداً بغیر وضو کے نماز پڑھنے کا حکم

سؤال

کیا فرماتے ہیں علماء کرام ومفتیانِ عظام اس مسئلہ کے بارے میں کہ ایک شخص عمداً بغیر وضو کے نماز پڑھتا ہے تو کیا وہ کافر ہوگا یا نہیں؟ شامیہ نے تو اصول بھی تحریر کیا ہے جس کی بنیاد پر علی الاطلاق تکفیر معلوم ہوتی ہے، جبکہ خانیہ (۴/۴۶۶)، تاتارخانیہ (۷/۳۲۲) اور شامیہ میں ایک اور جگہ (۱/۸۱) پر عدمِ تکفیر کا ذکر ہے۔

آپ سے درخواست ہے کہ تفصیلی فتویٰ مرحمت فرمائیں۔ ظاہر الروایہ کیا ہے اور نوادر کی روایت کون سی ہے؟ مفتی بہ کون سی روایت ہے؟ نیز شامیہ کا (۴/۲۲۲) پر بیان اصول درست ہے کہ "لدلا لتها علی الاستخفاف بالدین کالصلوۃ بلا وضوء عمداً" کیا یہ مطلق اصول ہے؟ عین ممکن ہے یہ دونوں قسم کے حوالجات میں تضاد نہ ہو بلکہ محمل مختلف ہو۔ الغرض آپ اس کی مدلل ومنقح تفصیل فرمادیں۔

الجواب بعون الملک الوھاب

کسی بھی فرض کو عمداً ترک کرنے سے بندہ کافر نہیں ہوتا البتہ دین کے ادنیٰ سے ادنیٰ رکن کا بھی استہزاء بندے کو کافر بنا دیتا ہے لہٰذا اگر کوئی شخص استہزاءً بغیر وضو کے نماز پڑھتا ہے تو وہ بالاتفاق کافر ہو جائے گا اور اگر استہزاء نہیں بلکہ لاعلمی کی وجہ سے عمداً بغیر وضو کے نماز پڑھتا ہے یا شرم کی وجہ سے تشبہ بالمصلین کرتا ہے تو ظاہر الروایۃ کے مطابق تو کافر نہیں ہوگا لیکن نوادر کی روایت یہ ہے کہ وہ کافر ہو جائے گا اور مفتی بہ ظاہر الروایۃ ہے جیسا کہ فقہاء ومتکلمین کی عبارات سے معلوم ہوتا ہے لہٰذا مفتی بہ قول کے مطابق بغیر استہزاء کے ایسا کرنے والا کافر نہ ہوگا اور علامہ شامی رحمۃ اللہ علیہ نے جو اصول بیان کیا ہے کہ عمداً بغیر وضو کے نماز پڑھنا استخفاف بالدین پر دلالت کرتا ہے اس لیے یہ کفر ہے یہ اصول مطلق نہیں ہے بلکہ استہزاء کی قید کے ساتھ مقید ہے جو کہ علامہ شامی رحمۃ اللہ علیہ کی ہی عبارت "من المتھتکین" سے معلوم ہو رہی ہے۔ نیز علامہ رحمۃ اللہ علیہ نے خود شامیہ جلد ۱ صفحہ ۸۱ پر وضاحت کے ساتھ مسئلے کی تشریح فرماتے ہوئے صرف استہزاءً بغیر وضو عمداً نماز پڑھنے والے کو کافر قرار دیا ہے۔

لمافی الشامیة (۸۱/۱) کتاب الطهارة: قلت وبه ای بما فی الظهیریة لانه الذی ینتج ما ذکره ظهر ان تعمد الصلاة بلا طهر غیر مکفر اشار به الی الرد علی بعض المشائخ حیث قال المختار انه یکفر بالصلاة بغیر طهارة لا بالصلاة بالثوب النجس والی غیر القبلة لجواز الاخیرتین حالة العذر بخلاف الاولی فانه لا یؤتی بحال فیکفر ...... وبحث فیه فی الحلیة بوجهین احدهما ما اشار الیه الشارح ثانیهما ان الجواز بعذر لا یؤثر فی عدم الاکفار بلا عذر لان الموجب للاکفار فی

هذه المسائل هو الاستهانة فحيث ثبت الاستهانة فى الكل تساوى الكل فى الاكفار وحيث انتفت منها تساوت فى عدمه وذلك لانه ليس حكم الفرض لزوم الكفر بتركه والا كان كل تارك لفرض كافرا وانما حكمه لزوم الكفر بجحده بلا شبهة دارئة ملخصا اى والاستخفاف فى حكم الجحود وهو ظاهر المذهب كمافى الخانيه حيث قال بعد ذكره الخلاف ...... ان الاكفار رواية النوادر وفى ظاهر الرواية لايكون كفرا وانما اختلفوا اذا صلى لا على وجه الاستخفاف بالدين فان كان على وجه الاستخفاف ينبغى ان يكون كفرا عند الكل اقول وهذا مؤيد لما بحثه فى الحلية لكن بعد اعتبار كونه مستخفا و مستهينا بالدين كما علمت من كلام الخانيه وهو بمعنى الاستهزاء والسخرية به اما لو كان بمعنى عد ذلك الفعل خفيفا وهينا من غير استهزاء ولا سخرية بل لمجرد الكسل او الجهل فينبغى ان لا يكون كفرا عند الكل۔

وفيه ايضاً(۲۲۲/۴) باب المرتد: كفر الحنفية بالفاظ كثيرة وافعال تصدر من المتهتكين لدلالتها على الاستخفاف بالدين كالصلاة بلا وضوء عمدا بل بالمواظبة على ترك سنة استخفافا بهابسبب انه فعل النبی ﷺ...(ص۲۲۴)... فعلى هذا فاكثر الفاظ الكفر المذكورة لايفتى بالتكفير ولقد الزمت نفسى ان لا افتى بشئ منها۔

(۴۰) یوں کہنا: میں نماز نہیں پڑھتا میں تو کافر ہوں

سؤال

کیا فرماتے ہیں علماء کرام ومفتیان عظام اس مسئلہ کے بارے میں کہ میرے شوہر نماز پڑھنے جاتے تھے، دو دن سے نماز پڑھنے نہیں جارہے تھے تو میں نے ان سے کہا کہ آپ نماز پڑھنے کیوں نہیں جاتے نماز پڑھنے جائیے، تو انہوں نے کہا کہ میں نماز نہیں پڑھتا میں تو کافر ہوں۔ اب پوچھنا یہ ہے کہ اس طرح کہنے سے ہمارے نکاح پر تو کوئی فرق نہیں پڑا؟ میرے ایک عزیز کا کہنا تھا کہ اس طرح کے کلمات سے نکاح ختم ہوجاتا ہے۔ برائے مہربانی قرآن وسنت کی روشنی میں جواب عنایت فرما کر ہماری اس پریشانی کو دور فرمائیں۔

الجواب بعون الملك الوهاب

اس طرح کے کلمات کہنے سے مسلمان دائرہ اسلام سے خارج ہوجاتا ہے لہذا آپ کے شوہر کو تجدید ایمان اور تجدید نکاح کرنا چاہیئے، اس فعل شنیع پر استغفار کے ساتھ آئندہ اس طرح کے کلمات کہنے سے احتراز کرنا چاہیئے۔

نیز تجدید نکاح کیلئے عام معروف مجلس نکاح کا انعقاد ضروری نہیں بلکہ کوئی سے بھی دو دیندار افراد کے سامنے ایجاب وقبول کر لینا کافی ہے، اور اگر اپنے خاندان کے بڑوں کے سامنے ہو جائے تو زیادہ مناسب ہے۔

لما فی التاتارخانیة (۴۹۵/۵): سئل عن رجل قال لامرأته نمازکن فقالت نمی کنم ،فقال الرجل تومسلمان نیستی فقالت من کافرم قال کافر شده است۔

وفی الهندیة (۲۸۳/۲):رجل کفر بلسانه طائعا وقلبه مطمئن بالایمان یکون کافرا ولا یکون عندالله مومنا

وفی الدرالمختار (۲۲۲/۴): من هزل بلفظ کفر ارتد وان لم یعتقده للاستخفاف۔

وفی الشامیة (من هزل)ای تکلم به باختیاره غیر قاصد معناه۔۔۔

وفی الدرالمختار (۲۴۶/۴): مایکون کفرا اتفاقا یبطل العمل والنکاح واولاده اولاد زنا وما فیه خلاف یؤمر بالاستغفار والتوبة وتجدید النکاح۔

وفی الشامیة (والتوبة)ای تجدید الاسلام۔

(۴۱) یوں کہنا کہ میں نماز نہیں جانتا

سؤال

کیا فرماتے ہیں علماء کرام ومفتیان عظام اس مسئلہ کے بارے میں کہ ایک شخص نے دوسرے شخص سے کہا کہ آؤ نماز پڑھ لیں تو اس نے جواب میں کہا کہ ''میں نماز نہیں جانتا'' کیا ان الفاظ سے یہ شخص کافر ہو جائے گا؟

الجواب بعون الملک الوهاب

صورت مسئولہ میں اگر اس نے یہ الفاظ استخفافاً کہے یا نماز کا انکار کرتے ہوئے کہے یا اس کو فرض نہ سمجھتے ہوئے انکار کیا تو یہ شخص کافر ہو جائے گا۔

لمافی الفقه الاکبر (ص۱۷۰) : من قال لااصلی جحودا أو استخفافا اوعلی انه لم یؤمر اولیس بواجب انتهی فلاشك انه کفر فی الکل ......کفره ظاهر ان اراد به عدم الوجوب بخلاف ماإذا اراد الجواب۔

وفی الهندیة (۲۶۸/۲): وقول الرجل لااصلی یحتمل اربعة اوجه ......والرابع لااصلی اذلیس یجب علی الصلاة ولم أومر بها یکفر ولو اطلق وقال لااصلی لایکفر لاحتمال هذه الوجوه۔

(۴۲) نماز کو گالی دے کر یوں کہنا کہ نماز ضروری ہے یا بچے کو چپ کرانا

سؤال

کیا فرماتے ہیں علماء کرام ومفتیان عظام اس مسئلہ کے بارے میں کہ ایک عورت نماز پڑھ رہی تھی کہ اس دوران اس کا بچہ بہت شدت سے رونے لگا جب نماز ختم کی اور بچہ کو اٹھالیا تو دیور نے پوچھا، پہلے کیا کر رہی تھی؟ اس نے جواب دیا کہ نماز پڑھ رہی تھی تو دیور نے غصہ سے نماز کو فحش گالی دی اور کہا کہ پہلے نماز ضروری ہے یا بچے کو چپ کرانا اور تسلی دینا (العیاذ باللہ)۔اب پوچھنا یہ ہے کہ اس شخص کے بارے میں اس طرح کے کلمات کہنے کی بناء پر شریعت کا کیا حکم ہے؟ کیا ان کا نکاح باقی ہے یا ختم ہوگیا؟ مکمل تفصیل سے جواب عنایت فرمائیں۔

الجواب بعون الملک الوھاب

صورت مسئولہ میں مذکورہ شخص ان کلمات کی وجہ سے دائرہ اسلام سے خارج ہوگیا اور اس کا نکاح بھی ختم ہوگیا اسے تجدید ایمان اور تجدید نکاح کرنا چاہیئے اور آئندہ اس طرح کے بے ہودہ کلمات سے سخت احتراز کرنا چاہیئے مبادا کہ اللہ تعالی کا ایسے شخص پر عذاب نازل ہوجائے اور اسے دوسروں کیلئے عبرت بنادیا جائے۔

لما فی شرح العقائد (ص۱۶۹)(ط۔المصباح): ومن وصف الله تعالى بما لا يليق به او سخر باسم من اسمائه او بامر من اوامره او انكر وعده اووعيده يكفر۔

وفی الهندية (۳۲۹/۱): ارتد احد الزوجين عن الاسلام وقعت الفرقة بغير طلاق فی الحال قبل الدخول وبعده۔

وفی الدرالمختار (۲۲۲/۴): وفی الفتح من هزل بلفظ كفر ارتد وان لم يعتقده للاستخفاف فهو ككفر العناد

وفی الشامية (من هزل بلفظ كفر) ای تكلم به باختياره غير قاصد معناه ...ولاعتبار التعظيم المنافی للاستخفاف كفر الحنفية بالفاظ كثيرة وافعال تصدر من المنهتكين لدلالتها على الاستخفاف بالدين كالصلاة بلا وضوء عمداً بل بالمواظبة على ترك سنة استخفافا...

قلت:ويظهر من هذا ان ما كان دليل الاستخفاف يكفر به وان لم يقصد الاستخفاف لانه لو توقف على قصده لما احتاج الى زيادة عدم الاخلال بما مر لان قصد الاستخفاف مناف للتصديق۔

وفیہ ایضاً(۱۹۳/۳): (وارتداد احدھما) ای الزوجین (فسخ) فلا ینقص عدداً۔

(۴۳) خلیفۂ اوّل کے زمانہ میں مانعین زکوٰۃ کی تفصیل اور منکر زکوٰۃ کا حکم

سوال

کیا فرماتے ہیں علماء کرام ومفتیان عظام اس مسئلہ کے بارے میں کہ میں نے سنا ہے کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے اس دنیا سے رخصت ہونے کے بعد کچھ لوگوں نے زکوۃ کا انکار کر دیا تو حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ نے ان سے قتال کا حکم دیا جب کہ فاروق اعظم رضی اللہ عنہ کو اس میں کچھ شبہات تھے، کیا خلیفہ اول ان لوگوں کو مرتد شمار کرتے تھے؟ اگر ایسا ہی تھا تو فاروق اعظم رضی اللہ عنہ کے شبہات کیسے تھے جب کہ وہ لوگ دین کے ایک اہم رکن کا انکار کر رہے تھے؟ اور اگر انہیں مرتد شمار کیا تھا تو آج کل جو حضرات زکوۃ کا انکار کرتے ہیں انہیں مرتد نہیں سمجھا جاتا، اس کی کیا وجہ ہے؟

الجواب بعون الملک الوھاب

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے اس دنیا سے رخصت ہو جانے کے بعد جن لوگوں سے خلیفہ اول نے قتال کا حکم دیا تھا ان کی تین قسمیں تھیں، پہلی قسم ان لوگوں کی تھی جو دین اسلام سے بالکل منحرف ہو گئے تھے اور مسیلمہ کذاب (جس نے نبوت کا جھوٹا دعوی کیا تھا) کی پیروی کرنے کے ساتھ لوگوں میں اس کا پرچار کرنے لگے تھے۔

دوسری قسم ان لوگوں کی تھی جنہوں نے نماز وروزہ کے ترک کرنے کے ساتھ شریعت کا بھی انکار کر دیا تھا۔

تیسری قسم ان لوگوں کی تھی جو اصل دین پر تو قائم تھے لیکن انہوں نے زکوۃ خلیفہ کو دینے سے انکار کر دیا تھا۔ اب پہلی دو قسم کے لوگ تو حقیقۃً مرتد تھے لہٰذا ان سے قتال میں تو کوئی تردد ہی نہیں البتہ تیسری جماعت اگرچہ مرتد تو نہ تھی کیونکہ انہوں نے زکوۃ کا انکار نہیں کیا تھا بلکہ صرف خلیفہ کو دینے سے انکار کیا تھا چنانچہ اسی شبہ کی وجہ سے فاروق اعظم رضی اللہ عنہ اس بات پر مُصر تھے کہ ان سے کیسے قتال ہوگا جبکہ وہ کلمہ گو ہیں لیکن یہ وہ دور تھا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم ابھی ابھی دنیا سے رخصت ہوئے تھے اگر اس معاملے پر سختی نہ کی جاتی تو خطرہ تھا کہ آگے چل کر لوگ اپنی من مانی سے ایک ایک چیز کا انکار کرنے لگیں گے، یہ انتہائی نازک دور تھا ارتداد کے دروازے کو ہمیشہ کے لئے بند کرنا تھا لہذا خلیفہ اول نے انتہائی ایمانی فراست کا مظاہرہ کرتے ہوئے ان ارتداد وانکار کے فتنوں کا قلع قمع کر دیا۔ یہ اصل واقعہ کی حقیقت تھی۔

اب صورت مسئولہ میں اگر کوئی شخص زکوۃ کی رکنیت کا ہی سرے سے انکار کر دے، جبکہ زکوۃ کا دین کا رکن ہونا معروف ومشہور ہے تو ایسا شخص اسلام سے خارج ہے، ہاں اگر رکن ہونے کا انکار نہ کرے بلکہ حکومت کی زکوۃ وصولی کو نہ مانے یا کوئی اور شبہ ہو تو یہ علیحدہ مسئلہ ہے اس سے اسلام سے خارج نہ ہوگا۔

لما فی القرآن الکریم: وَاَقِیْمُوْا الصَّلٰوۃَ وَاٰتُوا الزَّکٰوۃَ وَارْکَعُوْا مَعَ الرَّاکِعِیْنَ (البقرہ:۴۳)
وایضًا فی مقام اٰخر: خُذْ مِنْ أَمْوَالِهِمْ صَدَقَةً تُطَهِّرُهُمْ وَتُزَكِّيهِم بِهَا وَصَلِّ عَلَيْهِمْ إِنَّ صَلَاتَكَ سَكَنٌ لَّهُمْ وَاللهُ سَمِيعٌ عَلِيمٌ (التوبہ:۱۰۳)

وفی الصحیح لمسلم (۱/۳۸) :عن ابی ھریرۃ رضی اللہ عنہ قال لما توفی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم واستخلف ابوبکر بعدہ وکفر من کفر من العرب...فقال ابوبکر واللہ لاقاتلن من فرق بین الصلوۃ و الزکوۃ فان الزکوۃ حق المال...فقال عمر بن الخطاب فواللہ ما ھو الا ان رأیت اللہ قد شرح صدر ابی بکر للقتال فعرفت انہ حق۔

وفی فتح الباری (۱۲/۲۳۳): (لاقاتلن من فرق بین الصلوۃ والزکاۃ)...والمراد بالفرق من اقر بالصلوۃ وأنکر الزکوۃ جاحداً أومانعاًمع الاعتراف وانما اطلق فی اول القصۃ الکفر لیشمل الصنفین فھو فی حق من جحد حقیقۃ وفی حق الاخرین مجاز تغلیباً...

وفی فتح الملھم(۱/۵۵۰):ان اھل الردۃ کانوا اصنافاً منھم من ارتد عن الملۃ ودعاالی نبوۃ مسیلمۃ وغیرہ ومنھم من ترک الصلوۃ والزکاۃ وانکرالشرائع کلھا ھؤلاء ھم الذین سماھم الصحابۃ کفارا ... فاما مانعواالزکاۃ منھم المقیمون علی اصل الدین فانھم اھل بغی ولم یسموا علی الانفراد منھم کفاراًوان کانت الردۃ قد اضیفت الیھم لمشارکتھم المرتدین فی منع بعض ما منعوہ من حقوق الدین...

وفیہ ایضاً(۱/۵۵۲): أما الیوم وقد شاع دین الاسلام واستفاض فی المسلمین علم وجوب الزکاۃ حتی عرفھا الخاص والعام واشترک فیہ العالم والجاھل فلا یعذر بتأویل یتأولہ فی انکارھا بل یکفر...

وفی التاتارخانیۃ (۵/۴۹۷):ولو قیل لرجل :اد الزکاۃ فقال لا ادری یکفر کذا قیل وفی الخانیۃ قیل ھذا اذاقال علی وجہ الرد والجحود...

وفی الھندیۃ (۲/۲۶۹): اذا قیل لرجل اد الزکوۃ فقال لا اؤدی یکفر قیل مطلقاًوقیل فی الاموال الباطنۃ لایکفر وفی الاموال الظاھرۃ یکفر۔

وفی رد المحتار (۴/۲۲۴): والحاصل ان من تکلم بکلمۃالکفر ھازلااو لاعباًکفر عند الکل ولااعتبار باعتقادہ کما صرح بہ فی الخانیۃ...ومن تکلم بھا عامداًعالماًکفرعندالکل۔

وفیہ ایضاً (۴/۲۲۲): وکذا مخالفۃ او انکار ما اجمع علیہ بعد العلم بہ لان ذلک دلیل علی ان

التصديق مفقود۔

(۴۴) یوں کہنا: میری نماز معاف کر دی گئی ہے

سؤال

کیا فرماتے ہیں علماء کرام ومفتیان عظام اس مسئلہ کے بارے میں کہ ایک بزرگ ہمارے پاس آئے ، اپنے تئیں بڑے بزرگ ہونے کے مدعی تھے لیکن نماز روزہ وغیرہ کی پابندی نہیں کرتے ، ان کا کہنا ہے کہ میری نماز وغیرہ معاف کر دی گئی ہے۔ یہ بھی شریعت وطریقت میں فرق ہے۔ کیا ان کی یہ باتیں صحیح ہیں؟ قرآن وسنت کی روشنی میں جواب عنایت فرمائیں؟

الجواب بعون الملک الوھاب

پہلے یہ سمجھئے کہ بزرگ کسے کہا جاتا ہے کتب عقائد کی معرکۃ الآراء کتاب ''شرح العقائد النسفیۃ'' ص ۱۴۵ (ط: المصباح) میں ولی یا بزرگ کی تعریف ملاحظہ ہو

"والولی هو العارف بالله تعالى وصفاته حسب ما يمكن المواظب على الطاعات المجتنب عن المعاصی المعرض عن الانهماك فی اللذات والشهوات"

(یعنی بزرگ وہ شخص کہلاتا ہے جو اپنی بساط اور مقدور بھر طاقت کے بقدر اللہ تعالی کی ذات اور صفات کا پہچاننے والا ہو، طاعات پر مواظبت کرنے والا ہو اور گناہوں سے بچنے والا ہو، دنیا کی لذات اور شہوات میں زیادہ انہماک سے اعراض کرنے والا ہو)

اسی طرح عقائد کی مشہور ومعروف کتاب فقہ اکبر (جو امام اعظم ابوحنیفہ رحمۃ اللہ علیہ کی طرف منسوب ہے) کی شرح میں ملا علی قاری ''صفحہ ۹۷ میں تقریباً یہی تعریف ذکر کرتے ہیں:

" والولی هو العارف بالله وصفاته بقدر ما يمكن له، المواظب على الطاعات، المجتنب عن السيئات، المعرض عن الانهماك فی اللذات والشهوات والغفلات واللهوات"

حاصل تعریف چار چیزیں ہیں:

اول: اللہ تعالی کی ذات وصفات کی معرفت حاصل ہو.

دوم: اللہ تعالی کی اطاعت پر مواظبت اختیار کرنے والا ہو.

سوم: گناہوں سے اجتناب کرنے والا ہو.

چہارم: ان تمام لذات وخواہشات سے بھی احتراز کرنے والا ہو جو اللہ تعالی کی یاد سے غفلت کا سبب بنیں۔

ان صفات کا حاصل یہ ہے کہ انسان ہر دم ایسے رہے کہ گویا اللہ تعالیٰ اس کے سامنے ہیں، چنانچہ خود نبی کریم ﷺ احسان جو کہ ایک شرعی اصطلاح اور ولایت اور بزرگی کا اعلیٰ درجہ ہے کی تعریف اپنے فرمان عالی میں یہی فرماتے ہیں

"أَنْ تَعْبُدَ اللّٰهَ كَأَنَّكَ تَرَاهُ فَإِنْ لَّمْ تَكُنْ تَرَاهُ فَإِنَّهُ يَرَاكَ" (مشکوۃ المصابیح ص۱۱)

اس دنیا میں سب سے بڑھ کر اللہ تعالیٰ کی معرفت آپ ﷺ کو حاصل تھی، اسی معرفت اور اللہ تعالیٰ سے قرب کا اثر تھا کہ اللہ تعالیٰ کے احکامات کی ادنیٰ سی نافرمانی برداشت کرنے کیلئے تیار نہ تھے، اس طرح کے واقعات آپ کی حیات مبارکہ میں کثرت سے ملیں گے کہ آپ ﷺ نے اللہ تعالیٰ کی نافرمانی کو قطعاً برداشت نہ کیا چنانچہ ایک موقع پر جب ایک صحابی نے اپنی بیوی کو ایک ساتھ تین طلاقیں دے دیں تو چونکہ شریعت مطہرہ نے ایک ساتھ تین طلاقیں دینے سے منع فرمایا ہے تو آپ ﷺ کے چہرہ اقدس کا رنگ متغیر ہو گیا اور آپ غصے کی وجہ سے کھڑے ہو گئے اور فرمایا:

"ایلعب بکتاب اللہ عزوجل وانا بین اظھرکم "(مشکوۃ المصابیح، ص۲۸۴)

(کلام باری اور احکام الٰہی سے کھیلا جا رہا ہے حالانکہ ابھی تو میں بقید حیات اور صفحۂ ہستی پر موجود ہوں)

آپ ﷺ نے اللہ تعالیٰ کے حکم کی نافرمانی کو کھیل اور مذاق سے تعبیر فرمایا۔ آپ کی اسی ناراضگی کو دیکھ کر فاروق اعظم کھڑے ہوئے اور عرض کیا کہ یارسول اللہ کیا میں ایسے شخص کی گردن نہ اڑادوں۔ یہ صرف مثال کے طور پر تھا ورنہ آپ کو بیسیوں ایسی مثالیں ملیں گی۔ آپ کے بعد یہ معرفت آپ کے واسطے سے صحابہ رضوان اللہ علیہم اجمعین کو حاصل ہوئی، چنانچہ صحابہ رضوان اللہ علیہم اجمعین کی زندگی بھر کا معمول دیکھ لیجئے کہیں آپ کو عمداً نافرمانی کی بو بھی محسوس نہیں ہوگی اور اگر اللہ تعالیٰ کی معرفت کے آثار دیکھنے ہوں تو صحابہ رضوان اللہ علیہم اجمعین کی زندگی پر ایک نظر ڈال لیجئے آپ کو خود اندازہ ہو جائے گا کہ معرفت کے بعد انسان کی حالت کیسی ہوتی ہے ان میں کتنے حضرات ایسے ملیں گے جو اذان کی آواز سنتے تو ان کا رنگ اللہ کے خوف سے متغیر ہو جاتا جب ان سے پوچھا جاتا تو فرماتے کہ احکم الحاکمین کے دربار میں حاضری کا وقت آگیا اس خوف سے یہ حالت ہے، ان کی نماز کو دیکھ لیجئے، ان کے زہد کو دیکھ لیجئے، ان کے راتوں کو اپنے مالک کے سامنے کھڑے ہو کر رونے کو دیکھ لیجئے، یہ اپنے دعوے میں سچے لوگ تھے کیونکہ ان کی سچائی کی گواہی خود اللہ تعالیٰ نے دی ہے، نہ صرف سچائی کی گواہی دی ہے بلکہ انہیں سچائی کا معیار بنا دیا اور فرمایا:

" وَالسّٰبِقُوْنَ الْاَوَّلُوْنَ مِنَ الْمُهٰجِرِيْنَ وَالْاَنْصَارِ وَالَّذِيْنَ اتَّبَعُوْهُمْ بِاِحْسَانٍ رَّضِيَ اللّٰهُ عَنْهُمْ وَرَضُوْا عَنْهُ" (التوبۃ:۱۰۰)

جو مہاجرین اور انصار سابق اور مقدم ہیں اور جتنے لوگ اخلاص کے ساتھ ان کے پیرو ہیں اللہ تعالیٰ ان سب سے راضی ہوا اور وہ سب اس سے راضی ہوئے۔

اسی طرح دوسری جگہ پر فرمایا:

"اُولٰٓئِكَ الَّذِيْنَ امْتَحَنَ اللّٰهُ قُلُوْبَهُمْ لِلتَّقْوٰى" (الحجرات:۳)

یعنی یہ وہ لوگ ہیں جن کے قلوب کو اللہ تعالی نے تقوی کیلئے خالص کر دیا ہے۔

اب اس کے بعد ان لوگوں کو جو ولایت کے مدعی ہیں اس معیار پر پرکھ لیجئے ،اس لئے کہ اللہ تعالی نے صرف رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اور آپ کے صحابہ رضوان اللہ علیہم اجمعین کو تو معیار بنایا ہے، دین کے نام پر اپنی تجوریاں بھرنے والوں کو معیار نہیں بنایا اگر ان میں یہ صفات آپ کو مل جائیں تو بہت اچھی بات ہے لیکن اگر یہ صفات ان میں نہ ملیں بلکہ صرف دنیا جمع کرنے کی حرص نے ایسے لبادے میں رکھا ہوا ہے تو جان لیجئے کہ آپ کو دھوکہ دینے کی کوشش کی جارہی ہے اور وہ بھی دین کے نام پر، اگر ان لوگوں کو دھوکہ سے ہی کام چلانا تھا تو دنیا کے اعتبار سے دھوکہ دہی کرتے اگر چہ وہ بھی برا تھا لیکن دین کے نام پر دھوکہ اس سے کہیں بڑھ کر برا ہے۔

کیا آپ کو یہ خیال نہیں آیا کہ اگر اس نماز اور دوسری عبادات کی مشقت سے مبرا کرنے کی مستحق کوئی ہستی ہوسکتی تھی تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی ذات گرامی اس کی زیادہ مستحق تھی لیکن کیا آپ کی حیات مبارکہ سے کوئی ایک واقعہ ایسا ثابت کرسکتے ہیں کہ آپ نے فرمایا ہو کہ اللہ تعالی نے میری مشقت کو دیکھتے ہوئے میری نماز وغیرہ معاف کردی یا عملاً آپ نے کبھی ایسا کیا ہو،چلیں قرآن یا احادیث صحیحہ سے نہ سہی بلکہ ضعیف احادیث سے ہی ثابت کر دیجئے بلکہ اس سے بڑھ کر یہ کہ حدیث کی کتابوں کو چھوڑیں کسی تاریخی حوالے سے ہی کوئی واقعہ ایسا نقل کر دیجئے ،اگر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی حیات مبارکہ سے ثابت نہیں کر سکتے تو صحابہ رضوان اللہ علیہم اجمعین کی زندگی کا ہی کوئی واقعہ ایسا ثابت کر دیجئے۔آپ اور ایسے شیطانی دھوکہ میں گرفتار پیر ساری زندگی ایک حوالہ ایسا نہیں پیش کر سکتے صرف لوگوں کو بیوقوف بناتے ہیں تا کہ کرنا کچھ نہ پڑے اور زندگی آرام سے گزر جائے۔

کیا آپ نے کبھی سوچا ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم باوجود اس بات کے کہ اللہ تعالی کے ہاں سب مخلوقات سے زیادہ محبوب ہیں لیکن اللہ تعالی نے ان کیلئے نہیں فرمایا کہ آپ کی نماز وغیرہ معاف کردی گئی ،عام حالات میں تو دور کی بات ہے لیکن اگر کسی درجے میں معافی ہوسکتی ہوتی تو جب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم یا آپ کے صحابہ رضوان اللہ علیہم اجمعین تکلیف میں تھے اس وقت تو اس معافی کا اعلان ہونا چاہیئے تھا خاص طور پر جب کہ یہ تکالیف بھی دین کی وجہ سے ہوں ،چلیں ہمیشہ کیلئے نہ سہی صرف تکلیف تک کے زمانے کیلئے یہ اعلان کر دیا جاتا کہ آپ کی نماز وغیرہ معاف کر دی گئی ،لیکن آپ کو معلوم ہوگا کہ......احد کے میدان میں جب مسلمانوں کو ظاہری طور پر شکست ہوئی تو اس میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم زخمی ہو گئے آپ کے چہرے پر زخم آئے ،لوہے کی زرہ اندر دھنس گئی ،دندان مبارک شہید ہو گئے (بخاری شریف، ۲/ ۵۸۴)اس وقت آپ کو کتنی تکلیف ہوئی ہوگی ،کیا کہیں ایسا موجود ہے کہ صرف اس موقع کیلئے ہی نمازیں وغیرہ معاف کردی گئی ہوں؟

یہ خندق کا میدان ہے، پیٹ پر پتھر باندھے خندق کھودی جارہی ہے، صحابہ رضوان اللہ علیہم اجمعین اس حالت میں شکایت کرتے ہیں کہ یارسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم بھوک کی وجہ سے پیٹ پر پتھر باندھے ہوئے ہیں، دوجہاں کے سردار اپنے پیٹ سے کپڑا ہٹاتے ہیں اور فرماتے ہیں آپ لوگوں نے ایک ایک پتھر باندھا ہے جبکہ میں نے دو پتھر باندھے ہوئے ہیں، اب دشمن نے آکر مدینہ منورہ کے گرد گھیرا ڈال لیا ہے ہر دم یہ خطرہ ہے کہ دشمن خندق پار کر کے حملہ نہ کر دے تیروں کی بارش ہو رہی ہے، ایسی حالت میں آپ کی چار نمازیں قضاء ہو گئیں جب

ذرا فرصت ملی تو آپ نے فرمایا اللہ تعالی ان کافروں کو تباہ کریں کہ انہوں نے ہمیں نماز پڑھنے کا موقع بھی نہیں دیا (البدایۃ والنہایۃ، ۲/ ۱۱۲) اس کے بعد آپ نے چاروں نمازوں کی ادائیگی فرمائی۔

اور تو اور آپ اس دنیا سے تشریف لے جانے والے ہیں بخار کی شدت اور کمزوری سے چلا بھی نہیں جا رہا، چلنا تو دور کی بات ہے آپ پر غشی کے دورے پڑ رہے ہیں کئی دفعہ وضو کا پانی طلب فرمایا لیکن دوبارہ بے ہوشی طاری ہوگئی جب کافی دیر اس طرح گزر گئی اور صحابہ کرام رضوان اللہ علیہم اجمعین آپ کے انتظار میں بیٹھے ہیں تو آپ نے فرمایا کہ صدیق اکبر رضی اللہ عنہ سے کہو کہ لوگوں کو نماز پڑھا دیں، اس کے بعد آپ دو صحابہ رضوان اللہ علیہم اجمعین کا سہارا لے کر مسجد میں پہنچے، صحابہ رضوان اللہ علیہم اجمعین وہ منظر بیان کرتے ہیں کہ آپ کے پاؤں مبارک زمیں پر جمتے نہ تھے اور گھسٹ رہے تھے (بخاری شریف، ۲/ ۶۳۹) آپ تشریف لائے اور صدیق اکبر رضی اللہ عنہ کے پاس بیٹھ گئے اسی حالت میں نماز کی ادائیگی فرمائی، ''صلی اللہ علیہ وسلم'' یہ وصال کے قریب کا دور ہے، اللہ تعالی اپنے محبوب سے ایسی حالت میں ہی نماز معاف کر دیتے۔

آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے بعد آپ کے خلفاء کا حال بھی ذرا دیکھ لیجئے خلیفہ اول کا دور ہے کچھ لوگوں نے زکوۃ کی ادائیگی سے انکار کر دیا اور بعض نے صرف حکومت کو دینے سے انکار کیا آپ نے ان سب سے قتال کا حکم جاری فرمایا کہ ان سے قتال کیا جائے اگر مان جائیں تو ٹھیک ورنہ انہیں قتل کر دیا جائے چنانچہ اسی موقع پر آپ نے فرمایا

"واللہ لاقاتلن من فرق بین الصلوۃ والزکوۃ" (الصحیح لمسلم، ۱/۳۷)

یعنی اللہ کی قسم میں ہر اس شخص سے قتال کروں گا جس نے نماز اور زکوۃ میں فرق کیا، کہ ایک کی ادائیگی کی اور دوسرے کی ادائیگی نہ کی۔

فاروق اعظم رضی اللہ عنہ کا آخری وقت ہے مجوسی کے خنجر کے وار سے اکثر اوقات بے ہوش رہنے لگے، موت کی علامات ظاہر ہو گئی ہیں، ایسے میں بھی جب نماز کا وقت ہوتا ہے تو آپ کو ہوش میں لایا جاتا ہے اسی حالت میں آپ نماز کی ادائیگی فرماتے ہیں اور کہتے ہیں کہ ''ہاں ہاں اس شخص کا اس دین کے ساتھ کوئی تعلق نہیں جو نماز کی ادائیگی نہیں کرتا''۔ یہ وہ افراد ہیں جو اس امت کے سب سے بڑے بزرگ ہیں، موجودہ بزرگوں کی بزرگی میں شک ہوسکتا ہے لیکن ان کی بزرگی میں رتی برابر شک نہیں کیونکہ ان کی بزرگی کی گواہی قرآن نے دی ہے۔ اسی طرح کی مثالیں اگر بیان کرنی شروع کی جائیں تو ایک ضخیم کتاب تیار ہوسکتی ہے، مقصود صرف نمونہ دکھانا ہے کہ یہ حضرات جن کی ولایت میں کوئی شبہ ہی نہیں عام حالات میں تو درکنار انتہائی مشکل حالات میں ان حضرات نے دعوی نہیں کیا ہمارے لئے شریعت کے احکام ختم کر دیے گئے، ہم نے تو بڑی قربانیاں دی ہیں، ہاں ایک بات جو ان حضرات میں قدر مشترک ملے گی کہ جب ان پر کوئی مشکل وقت آیا ان کے رجوع الی اللہ میں اضافہ ہوگیا، یہی ان کے اللہ تعالیٰ کے مقرب ہونے کی بڑی نشانی تھی جو ان کو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے ملی تھی، چنانچہ حضرت حذیفہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا معمول بیان فرماتے ہیں کہ

"کان النبی ﷺ اذا حزبہ امر صلّی" (مشکوۃ المصابیح، ص۱۱۷)

(یعنی جب رسول اللہ ﷺ کو کسی معاملے میں پریشانی لاحق ہوتی آپ نماز کی طرف متوجہ ہو جاتے)

اب آخر میں مختصراً ایک نظر ان روایات اور وعیدات پر ڈال لیجئے جو ارکان کے ترک پر وارد ہیں، اور اگر کوئی شخص ان ارکان کا منکر ہو تو اس کا حال اس سے بھی بڑھا ہوا ہے۔ سب سے پہلے نماز سے ابتداء کرتے ہیں

عن ابی سفیان قال سمعت جابر رضی اللہ عنہ یقول سمعت النبی ﷺ یقول ان بین الرجل وبین الشرك والكفر ترك الصلوة (الصحیح لمسلم، ۱/۶۱)

حضرت جابر بن عبد اللہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی روایت ہے کہ میں نے رسول اللہ ﷺ سے سنا آپ فرما رہے تھے کہ "نماز اسلام اور شرک وکفر کے درمیان فرق کرنے والی ہے گویا جو شخص نماز کی ادائیگی کرنے والا ہے وہ مسلمان ہے اور جو ادائیگی نہیں کر رہا اس کا دین سے کوئی تعلق نہیں۔

دوسرے نمبر پر روزے کو لے لیجئے

عن ابی هريرة رضی اللہ عنہ قال قال رسول الله ﷺ من افطر يوما من رمضان من غير رخصة ولا مرض لم يقض عنه صوم الدهر كله وان صامه۔ (مشکوۃ المصابیح، ص۱۷۷)

آپ ﷺ نے فرمایا جو شخص رمضان المبارک کا ایک روزہ جان بوجھ کر بلا وجہ قضاء کرتا ہے پھر اگر وہ اس کے بدلہ زندگی بھر روزے رکھ لیے تب بھی یہ اس ایک قضاء کردہ روزہ کی کفایت نہیں کر سکتے۔

زکوۃ کی ادائیگی نہ کرنے والوں کے بارے میں ارشاد باری تعالی ہے

وَالَّذِينَ يَكْنِزُوْنَ الذَّهَبَ وَالْفِضَّةَ وَلَا يُنْفِقُوْنَهَا فِيْ سَبِيْلِ اللهِ فَبَشِّرْهُمْ بِعَذَابٍ أَلِيْمٍ يَوْمَ يُحْمٰى عَلَيْهَا فِيْ نَارِ جَهَنَّمَ فَتُكْوٰى بِهَا جِبَاهُهُمْ وَجُنُوْبُهُمْ وَظُهُوْرُهُمْ هٰذَا مَا كَنَزْتُمْ لِأَنْفُسِكُمْ فَذُوْقُوْا مَا كُنْتُمْ تَكْنِزُوْنَ (التوبۃ: ۳۵،۳۴)

جو لوگ سونا چاندی جمع کر کے رکھتے ہیں اور ان کو اللہ کی راہ میں خرچ نہیں کرتے سو آپ ان کو ایک بڑی دردناک سزا کی خبر سنا دیجئے۔ جو کہ اس روز واقع ہوگی کہ ان کو دوزخ کی آگ میں تپایا جاویگا پھر ان سے ان لوگوں کی پیشانیوں اور ان کی کروٹوں اور ان کی پشتوں کو داغ دیا جاوے گا (اور کہا جائے گا) یہ وہ ہے جس کو تم نے اپنے واسطے جمع کر رکھا تھا سو اب اپنے کرنے کا مزہ چکھو۔

اسی طرح باوجود استطاعت کے حج کی ادائیگی نہ کرنے والوں کے بارے میں آپ ﷺ کا ارشاد گرامی ہے

عن علی رضی اللہ عنہ قال قال رسول الله ﷺ من ملك زادا وراحلة تبلغه الى بيت الله ولم يحج فلا عليه ان يموت يهوديا او نصرانيا۔ (جامع الترمذی، ۱/۱۶۷)

یعنی تم میں جو شخص حج کے زاد راہ اور سواری کی استطاعت رکھتا ہو کہ وہ اسے بیت اللہ تک پہنچا دے اس کے باوجود حج نہ

کرے تو اللہ تعالیٰ کو اس کی کوئی پرواہ نہیں کہ وہ یہودی ہو کر مرے یا عیسائی ہو کر۔

اب ان سب روایات وغیرہ کے ذکر کرنے کے بعد ایسے کھوکھلے دعوے کی حقیقت بالکل آشکارا ہو جاتی ہے اور اس کی اس سے بھی زیادہ صراحت اہل سنت والجماعت کا وہ اتفاقی مسئلہ ہے جو عقائد کی تمام کتابوں میں موجود ہے اور اہل سنت والجماعت کے کسی عالم نے اس پر کسی بھی اعتبار سے کلام نہیں کیا اور وہ یہ کہ

"ان العبد ما دام عاقلا بالغالا يصل الى مقام يسقط عنه الامر والنهى لقوله تعالى "وَاعْبُدْ رَبَّكَ حَتَّى يَأْتِيَكَ الْيَقِين" (شرح فقه اكبر، صـ١٢٢، شرح العقائد النسفية صـ١٦٦)

جب تک کوئی بندہ عاقل بالغ ہے وہ ایسے مقام تک نہیں پہنچ سکتا کہ اس سے اللہ تعالیٰ کے احکامات ومنہیات ساقط ہو جائیں ،اللہ تعالیٰ کے اس قول کی وجہ سے کہ "اپنے رب کی عبادت مرتے دم تک کیجئے۔

اس کے بعد بھی اگر کوئی شخص یہ دعوی کرے کہ اس سے عبادات ساقط کر دی گئیں تو یا تو وہ پاگل ہے یا پھر دین کے نام پر لوگوں کو گمراہ کرنا چاہتا ہے، اور دنیا سے اسلام کی روح کو ختم کرنا چاہتا ہے، ایسا شخص اس دشمن سے کہیں زیادہ خطرناک ہے جو مسلمانوں کو جنگ میں لڑنے کی دعوت دے رہا ہو یا مسلمانوں کو ختم کرنے کی سازش کر رہا ہو کیونکہ اس کی سازش اگر کامیاب بھی ہوگئی تو جو مسلمان بچ جائیں گے کم سے کم انہیں یہ تو معلوم ہوگا کہ اسلام کی حقیقت کیا ہے لیکن اگر اس دھوکے باز کا وار چل گیا جس نے بزرگی کا لبادہ اوڑھ رکھا ہے تو یہ مسلمانوں کو گھر بیٹھے ختم کر دے گا اور انہیں احساس بھی نہیں ہوگا کہ ان کے ساتھ کیا ہوا۔ چنانچہ فقہاء نے ضروریات دین (جس میں ارکان بطریق اولی داخل ہیں) میں سے کسی ایک چیز کے منکر کو کافر قرار دیا ہے اور اگر کوئی شخص سب ہی کا منکر ہو تو اس کے اسلام سے خارج ہونے میں کیا تردد ہو سکتا ہے۔

باقی رہا یہ کہنا کہ شریعت وطریقت میں فرق ہے، جیسا کہ اور بھی ایسے بہت سے حضرات کہتے ہیں، درحقیقت یہ کہنا خود بہت بڑی جہالت کی علامت ہے کہ یہ بات وہی کہہ سکتا ہے جسے طریقت کی ہوا بھی نہ لگی ہو ورنہ شریعت وطریقت کیسے علیحدہ علیحدہ ہو سکتی ہے جبکہ دونوں کی ابتداء وانتہاء ایک ہی ہے، چنانچہ سلطان العارفین حضرت بایزید بسطامی رحمۃ اللہ علیہ انہی جیسے حضرات کا ذکر کرتے ہوئے فرماتے ہیں:

اذا رأيتم الرجل قد اعطى من الكرامات حتى يرتفع فى الهواء فلا تعتروا به حتى تنظروا كيف تجدونه عند الامر والنهى وحفظ الحدود والوقوف عند الشرعية۔ (البداية والنهاية. ٣٨/١١)

اگر تم کسی شخص کو دیکھو کہ اعلی درجہ کی کرامتوں کا مظاہرہ کر کے ہوا میں اڑ رہا ہے، تب بھی اس کے دھوکے میں نہ آؤ جب تک یہ نہ دیکھ لو کہ احکام شریعت اور حفظ حدود کے معاملے میں اس کا کیا حال ہے؟

اسی طرح علامہ ابن عابدین شامی رحمۃ اللہ علیہ جن کی کتاب "ردالمحتار" کو ہمارے زمانے میں فتوی کی بنیادی کتاب کی حیثیت حاصل ہے، اپنی اسی کتاب میں (١/٦٠) میں شریعت وطریقت کے تلازم کو بیان کرتے ہوئے فرماتے ہیں

الطريقة سلوك طريق الشريعة ، والشريعة : أعمال شرعية محدودة ، وهما والحقيقة ثلاثة متلازمة...والمراد من الثلاثة إقامة العبودية على الوجه المراد من العبد۔

طریقت،شریعت کی راہ پر چلنے کو کہتے ہیں جبکہ شریعت محدود شرعی اعمال کا نام ہے۔ یہ دونوں اور حقیقت پھران تینوں کا مجموعہ لازم وملزوم ہیں......اور تینوں سے مراد یہ ہے کہ بندے سے جس طرح بندگی مطلوب ہے اس طرح بندگی قائم کرنا۔

لہٰذا آپ کے ہاں آنے والے صاحب جو بزرگ کے بجائے شیطان کہلانے کے زیادہ مستحق ہیں اگر عباداتؒ کے منکر ہیں تو ان کے اسلام سے خارج ہونے میں کوئی تردد نہیں آپ ان کی صحبت سے دور رہیں یہ اچھا ہے کہ انہوں آپ کے ایمان پہ ڈاکہ نہیں ڈالا ورنہ اس طرح شیطان صفت لوگ دوسروں کا ایمان بھی خراب کرتے ہیں۔اور آئندہ کیلئے ہر اس شخص کو بزرگ نہ سمجھیں جو سنتوں کا تارک ہو چہ جائیکہ فرائض کے تارک کو بزرگ سمجھنا شروع کر دیا جائے ،اللہ تعالی آپ کا حامی وناصر ہو۔

لما فی قوله تعالى: فَسَبِّحْ بِحَمْدِ رَبِّکَ وَكُنْ مِّنَ السّٰجِدِيْنَ ٥ وَاعْبُدْ رَبَّکَ حَتّٰى يَأْتِيَکَ الْيَقِيْنُ ٥ (الحجر:٩٨،٩٩)

وايضاً: وَأْمُرْ اَهلکَ بِالصَّلٰوةِ وَا صْطَبِرْ عَلَيْها ٥ (طه:١٣٢)

وايضاً: اِنَّ الصَّلٰوةَ كَانَتْ عَلَى الْمُؤْمِنِيْنَ كِتَابًا مَّوْقُوْتاً ٥ (النساء:١٠٣)

وايضاً: وَاَوْصَانِیْ بِالصَّلٰوةِ وَالزَّکٰوةِ مَادُمْتُ حَيًّا ٥ (مريم:٣١)

وايضاً: يٰاَيُّها الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا كُتِبَ عَلَيْكُمُ الصِّيَامُ كَمَا كُتِبَ عَلَى الَّذِيْنَ مِنْ قَبْلِكُمْ لَعَلَّكُمْ تَتَّقُوْنَ ٥ (البقره:١٨٣)

وفی الصحيح للبخاری (١/٦): عن ا بن عمر قال قال رسول اللهﷺ بنی الاسلام على خمس شهادة ان لا اله الا الله وان محمدا رسول الله و اقام الصلوة وايتاء الزكوة والحج وصوم رمضان.

وفيه ايضاً(١/٨): عن ا بن عمر ان رسول اللهﷺقال امرت ان اقاتل الناس حتى يشهدوا ان لا اله الا الله وان محمدا رسول الله ويقيموا الصلوة ويوتوا الزكوة فاذا فعلوا ذلك عصموا منی دمائهم واموالهم الا بحق الاسلام وحسابهم على الله۔

وفی الهندية (١/٥٠): الصلوة فريضة محكمة لا يسع تركها ويكفر جاحدها كذا فی الخلاصة ولا يقتل تارك الصلوة عامداً غير منكر وجوبها بل يحبس حتى يحدث توبة ۔

وفی الدرالمختار (١/٣٥٢): (ويكفر جاحدها) لثبوتها بدليل قطعی(وتاركها عمداًمجانة) ای تكاسلا فاسق (يحبس حتى يصلی) لانه يحبس لحق العبد فحق الحق احق وقيل يضرب حتى يسيل منه الدم وعند الشافعی يقتل بصلاة واحدة حداًوقيل كفرا۔

(۴۵) جو شخص شیخین کو کافر لکھے

سؤال

کیا فرماتے ہیں علماء کرام ومفتیان عظام اس مسئلہ کے بارے میں کہ ایک شخص لوگوں کے سامنے کہے کہ میں شیخین رضی اللہ عنہما یعنی ابوبکر وعمر رضی اللہ عنہما کو مانتا ہوں اوران کی عزت کرتا ہوں پھر اپنی کتاب میں لکھے کہ وہ کافر ہیں (العیاذ باللہ) تو ایسے شخص کا ازروئے شریعت کیا حکم ہے؟ ایسے شخص کی اتباع کرنا کیسا ہے؟

الجواب بعون الملک الوھاب

جو شخص شیخین رضی اللہ عنہما کو کافر لکھے (العیاذ باللہ) تو اس سے وہ خود کافر ہوجاتا ہے کیونکہ ان حضرات کا ایمان نصوص قطعیہ سے ثابت ہے ایسے شخص کے قول کا اعتبار نہیں کیا جائے گا اور نہ ہی اس کی اتباع کی جائے گی۔

لمافی الفقہ الاکبر (ص۷۰): فقد اجمعوا علی من انکر صحبۃ ابی بکر الصدیق کفر بخلاف صحبۃ غیرہ لورود النص فی حقہ حیث قال اللہ تعالی الا تنصروہ فقد نصرہ اللہ اذ یقول لصاحبہ۔۔۔۔

وفی خلاصۃ الفتاوی (۳۸۱/۴): الرافضی ان کان یسب الشیخین ویلعنہما فھو کافر۔

وفی رد المحتار (۲۳۶/۴): اوالکافر بسب الشیخین اوبسب احدھما فی البحر عن الجوھرۃ معزیا للشھید من سب الشیخین اوطعن فیھما کفر۔

(۴۶) یوں کہنا کہ ”میں حلال وحرام نہیں جانتا“

سؤال

کیا فرماتے ہیں علماء کرام ومفتیان عظام اس مسئلہ کے بارے میں کہ ایک شخص کسی کام میں مصروف تھا دوسرے نے منع کیا کہ یہ کام حلال نہیں ہے بلکہ حرام ہے تو اس شخص نے کہا کہ میں حلال وحرام نہیں جانتا تو کیا یہ شخص ان الفاظ سے کافر ہوجائے گا یا نہیں؟

الجواب بعون الملک الوھاب

صورت مسئولہ میں اگر یہ الفاظ اس نیت سے کہتا ہے کہ وہ حلال وحرام کو ایک جانتا ہے یا دونوں کے استعمال میں کوئی فرق نہیں سمجھتا تو کافر ہوجائے گا۔

لمافی شرح الفقہ الاکبر (ص۱۷۴): ومن قال لااعرف الحلال والحرام کفر یعنی اذا اراد بہ عدم

الفرق فی الاستعمال اواعتقاد الاستحلال بخلاف الاعتراف بانه من الجهال۔

وفی ردالمحتار (۲۲۳/۴): فی البحر والاصل ان من اعتقد الحرام حلالا فان کان حراما لغیرہ کمال الغیر لایکفر فان کان لعینه فان کان دلیله قطعیا کفر والا فلاوقیل التفصیل فی العالم اما الجاهل فلایفرق بین الحلال والحرام لعینه ولغیرہ وانما الفرق فی حقه ان ماکان قطعیا کفر به والافلا۔

(۴۷) غیر قبلہ کی طرف اور بغیر وضوء نماز پڑھنے والے کا حکم

سؤال

کیا فرماتے ہیں علماء کرام ومفتیان عظام اس مسئلہ کے بارے میں کہ اگر کسی شخص نے غیر قبلہ کی طرف منہ کر کے نماز پڑھ لی تو اس کا کیا حکم ہے جبکہ اس نے جان بوجھ کر ایسا کیا ہو؟ نیز اگر بغیر وضونماز پڑھ لی تو اس کا کیا حکم ہے؟

الجواب بعون الملک الوهاب

اگر کسی شخص نے غیر جہت قبلہ کی طرف جان بوجھ کر نماز پڑھ لی تو یہ شخص سخت گناہ گار ہوگا البتہ اس عمل کی وجہ سے دائرہ اسلام سے خارج نہیں ہوگا۔ اگر کوئی شخص استہزاءً بغیر وضو کے نماز پڑھتا ہے تو وہ بالاتفاق کافر ہو جائے گا اور اگر استہزاء نہیں بلکہ لاعلمی یا کسی اور وجہ سے عمداً بغیر وضو کے نماز پڑھتا ہے تو وہ شخص کافر نہ ہوگا۔

لمافی البحرالرائق (۲۸۶/۱): ومن صلی الی غیر جهة الکعبة متعمدا لایکفر هوالصحیح لان ترك جهة الکعبة جائز فی الجملة بخلاف الصلاة بغیر طهارة لعدم الجواز بغیر طهارة بحال۔

(هکذا فی الطحطاوی علی المراقی : ص۱۹۸)

وفی ردالمحتار (۲۲۲/۴): ولاعتبار التعظیم المنافی للاستخفاف کفرالحنفیة بالفاظ کثیرة وافعال تصدر من المنهتکین لدلالتها علی الاستخفاف بالدین کالصلاة بلاوضوء عمدا......قلت ویظهر من هذا ان ماکان دلیل الاستخفاف یکفر به۔

(۴۸) کیا محمد بن عبدالوہاب النجدی خوارج میں سے تھا؟

سؤال

کیا فرماتے ہیں علمائے کرام ومفتیان عظام اس مسئلہ کے بارے میں کہ محمد بن عبدالوہاب النجدی مسلمانوں کے خون اور

اموال واعراض کے پامال کرنے کو جائز سمجھتا ہے اور خیال کرتا ہے کہ موجودہ دور میں تمام لوگ مشرک ہیں اور وہ سلف کو برا بھلا بھی کہتا ہے آپ حضرات کی ایسے شخص کے بارے میں کیا رائے ہے کیا وہ خوارج میں سے تو نہیں ہے؟

الجواب بعون الملک الوھاب

محمد بن عبدالوہاب نجدی نے شریعت کی حدود سے تجاوز کیا ہے اور سلف اور صلحاء کے راستے کو چھوڑ دیا ہے اور شریعت مطہرہ میں انتہائی غلو سے کام لیا ہے البتہ سوال میں جہاں تک اس بات کا تعلق ہے کہ ان کا شمار خوارج میں ہوتا ہے یا نہیں؟ تو اس بارے میں مشائخ کی کتابوں میں اس بات کی صراحت نہ مل سکی لہٰذا ان کو خوارج میں شمار کرنا مناسب نہیں۔

لمافی المهند علی المفند (ص۲۸): قد [illegible] محمد بن عبدالوهاب النجدی یستحل دماء المسلمین ...... الجواب الحکم عندنا فیهم [illegible] الدرالمختار ... الی ان قال ... کماوقع فی زماننا فی اتباع عبدالوهاب الذین خرجوا من نجد وتغلبوا علی الحرمین وکانوا ینتحلون مذهب الحنابلة لکنهم اعتقدوا انهم هم المسلمون وان من خالف اعتقادهم مشرکون واستباحوا بذلك قتل اهل السنة وقتل علماء هم حتی کسرالله تعا لی شوکتهم ...... ثم اقول لیس هو ولااحد من اتباعه وشیعته من مشائخنا فی سلسلة من سلاسل العلم من الفقه والحدیث والتفسیر والتصوف۔

(۴۹) شراب پیتے وقت بسم اللہ پڑھنا

سؤال

کیا فرماتے ہیں علماء کرام ومفتیان عظام اس مسئلہ کے بارے میں کہ ایک شخص کسی حرام چیز کے استعمال کے وقت بسم اللہ پڑھتا ہے۔ شرعاً اس کا کیا حکم ہے؟

الجواب بعون الملک الوھاب

اگر یہ شخص شراب پیتے وقت بسم اللہ پڑھتا ہے تو اس سے کافر ہو جائے گا۔

لمافی خلاصة الفتاوی (۳۸۹/۴): رجل یشرب الخمر وقال بسم الله اوقال عندالزنایکفر۔

وفی البزازیة علی هامش الهندیة (۲۳۹/۶): شرب الخمر وقال بسم الله اوقال ذلك عندالزنا ....:..کفر۔

وفی الهندیة (۲/ ۲۷۳): من اکل طعاماحراماوقال عندالاکل بسم اللهحکی الامام المعروف

بمشتملی انه یکفر۔

(۵۰) نقلی داڑھی کی خرید وفروخت اور لگانے والے کا حکم

سؤال

کیا فرماتے ہیں علماء کرام ومفتیان عظام اس مسئلہ کے بارے میں کہ بعض لوگ سفید نقلی داڑھی بنا کر بیچتے ہیں۔اس کو مختلف موقع پر لگایا جاتا ہے۔کیا اس سے سنت کی تحقیر نہیں ہوتی ؟ جو شخص خوش طبعی اور مذاق کے طور پر لگاتا ہے تاکہ لوگوں کو ہنسائے تو اس لگانے والے شخص کا اور جو اس پر ہنستے ہیں شریعت کا ان کے بارے میں کیا حکم ہے؟ قرآن وسنت کی روشنی میں جواب عنایت فرمائیں۔

الجواب بعون الملک الوھاب

نقلی داڑھی بنا کر بیچنا اور اسی طرح لوگوں کو ہنسانے کے لئے اس کو لگانے سے شعائر اسلام کی توہین لازم آتی ہے اور شعائر اسلام کی توہین کفر ہے لہٰذا اس سے اجتناب لازم ہے۔

لمافی البحر الرائق (۱۲۱/۵): ویکفر... باستخفافه بسنة من السنن۔

وفی ردالمحتار (۲۲۲/۴):کفر الحنفية بالفاظ کثيرة ، وافعال تصدر من المنتهکين لدلالتها على الاستخفاف بالدين کالصلاة بلاوضوء عمدا......قلت ويظهر من هذا ان ماکان دليل الاستخفاف يکفر به۔

(۵۱) کفریہ الفاظ ادا کرنے والے کا حکم

سؤال

کیا فرماتے ہیں علماء کرام ومفتیان عظام اس مسئلہ کے بارے میں کہ جب کسی انسان سے کفریہ الفاظ صادر ہوجائیں تو کیا وہ اس سے کافر ہوجائے گا ؟ اگر کافر ہوجائے تو اس کے احکامات کیا ہوں گے؟ اور قیامت کے دن اس کے ساتھ کیا معاملہ ہوگا؟ قرآن وسنت کی روشنی میں جواب عنایت فرمائیں۔

الجواب بعون الملک الوھاب

جب کوئی شخص کفریہ الفاظ زبان سے کہہ دے تو وہ ان الفاظ سے دائرہ اسلام سے خارج ہوجائیگا۔ایسے شخص کا نکاح ختم ہوجاتا ہے اور اس کے اعمال ضائع ہوجاتے ہیں۔اگر کسی شبہ کی وجہ سے ارتداد کو اختیار کرے تو اس کے شبہ کو زائل کیا جائے گا اس کے بعد

تین دن کی مہلت دی جائے گی اگر دوبارہ اسلام قبول کر لے تو ٹھیک ورنہ قتل کر دیا جائے گا۔اور اگر بغیر توبہ کے یہ شخص مر گیا تو اس کا حشر کفار کے ساتھ ہوگا (العیاذ باللہ)۔

لمافی التفسیر الکبیر (۶/۹۵): ومن یکفر بالایمان فقد حبط عمله وهو فی الأخرة من الخاسرین ای ومن ینکر شرائع الاسلام وتکالیفه ویجحد اصول الایمان وفروعه فقد ابطل ثواب عمله وخاب فی الدنیا والأخرة، اما فی الدنیا فباعتبارضیاع اعماله وعدم الافادة منها وفی الآخرة بالخسارة والهلاك فی نارجهنم۔

وفی شرح الفقه الاکبر (ص۱۶۵): اعلم ان المرتد یعرض علیه الاسلام علی سبیل الندب دون الوجوب لان الدعوة بلغته ...وتکشف عنه شبهته فان طلب ان یمهل حبس ثلاثة ایام ...فان تاب فیها والاقتل وفی النوادر عن ابی حنیفة وابي یوسف یستحب ان یمهل ثلاثة ایام طلب ذلك اولم یطلب۔

وفی الدر المختار (۴/۲۴۵): واعلم ان کل مسلم ارتد فانه یقتل ان لم یتب۔

رسالة

شفاء الجذام فی تمنی الحلة لما ھو الحرام

حرام شیءکی حلت اور کسی فرض کے فرض نہ ہونے کی تمنا کرنے پر کفر یا عدم کفر کا اصول

(۵۲) حرام کے حلال یا نماز، روزے کے فرض نہ ہونے کی آرزو کرنے کا حکم

سوال

کیا فرماتے ہیں علماء کرام ومفتیانِ عظام اس مسئلہ کے بارے میں کہ ایک شخص حرام شئی کے بارے میں یہ آرزو کرتا ہے کہ کاش وہ حلال ہوتی مثلاً شراب حلال ہوتی یا زنا حلال ہوتا یا کسی فرض کے بارے میں یہ تمنا کرتا ہے کہ کاش یہ نماز، روزہ فرض نہ ہوتا ان صورتوں کا کیا حکم ہے؟ کیا بندہ کافر ہوجاتا ہے؟ ادیانِ سابقہ میں اتفاقاً حرمت کا ہونا تکفیر کیلئے ضروری ہے یا مطلقاً تکفیر ہوگی؟ نیز مسئلہ ہذا میں تمنی حلت یا تمنی حرمت کے وقت تکفیر یا عدم تکفیر میں کیا قاعدہ ہے؟ اصول کیا ہے؟ کتبِ عقائد اور کتب فقہ کی روشنی میں مسئلہ ہذا کی تفصیل فرمادیں۔

الجواب بعون الملک الوھاب

کتب عقائد میں مسئلہ ھذا سے متعلق یہ قاعدہ تحریر کیا گیا ہے:

"ما کان حراما فی شرائع جمیع الانبیاء فتمنی حله کفر وما کان حلالا ثم حرم فتمنی حله لیس بکفر" (نبراس ص۵٦۸)

یعنی جو چیز پچھلی تمام شرائع میں حرام ہو اس کی حلت کی تمنی کرنا کفر ہے اور جو چیز اس طرح نہ ہو یعنی بعض میں حلال ہو پھر حرام کردی گئی ہو تو ایسی چیز کی حلت کی تمنا کفر نہیں۔ مثلاً زنا گزشتہ تمام شرائع میں حرام رہا ہے تو اس کی حلت کی تمنا کفر ہے اور شراب گزشتہ بعض شرائع میں حرام نہ تھی لہٰذا اس کی حلت کی تمنا کفر نہ ہوگی اسی طرح رمضان کے روزوں وغیرہ کا مسئلہ ہے گزشتہ شریعتوں میں رمضان کے تیس روزے فرض نہ تھے لہٰذا یہ تمنا کرنا کہ کاش ہم پر رمضان کے روزے فرض نہ ہوتے یہ کفر نہ ہوگا۔

گویا کہ قاعدے کا خلاصہ جمیع ادیان میں اتفاق کا کفر اور بعض میں اختلاف کا کفر نہ ہونا ہے۔ اسی بات کو بعض حضرات نے

اس انداز میں بھی بیان کیا ہے کہ جو چیز تمام ادیان میں متفقہ طور پر حرام یا فرض ہو گویا وہ حکمتِ الٰہیہ کے مطابق اور مقتضی ہے اور جو بعض میں حلال رہی ہو یا فرض نہ ہو تو اس میں تبدلِ اشخاص اور زمان کے اعتبار سے فرق آتا رہتا ہے لہٰذا پہلے کی حلت کی تمنا خروج عن الحکمۃ الالٰھیۃ ہے اور یہ جہل عظیم اور کفر ہے جبکہ دوسرے کی حلت کی تمنا کرنا مطلقا خروج عن الحکمۃ نہیں بلکہ من وجہٍ خروج ہے اور من وجہٍ یہ زمانے کی تبدیلی اور اشخاص کی تبدیلی کی تمنا ہے یعنی وہ یہ چاہتا ہے کہ کاش میں بھی اس زمانے میں پیدا ہوتا جب شراب حرام نہیں ہوتی تھی یا وہ زمانہ اب ہوتا گویا مکمل خروج نہیں بلکہ تبدل کی تمنا ہے لہٰذا دوسرے کی حلت کی تمنا کفر نہیں۔ چنانچہ شرح العقائد میں ہے:

"(قوله: موافقة للحكمة) خبر ثان وقيل حال يعني ان دوام الحرمة يدل على ان الحكمة الالهية اقتضت الحرمة الابدية مع قطع النظر عن الازمان والاشخاص بخلاف ما حرم بعد الحل كالخمر فان الحكمة اقتضت حرمته بالنظر الى الزمان واشخاصه ففي الاول يكون المطلوب بالتمني تبدل الحكمة وفي الثاني تبدل حال الزمان والاشخاص ولا باس فيه" (شرح العقائد ص ۳۸۴)

"نبراس" میں بھی اس کا ذکر ہے نیز شرح الفقہ الاکبر میں ہے:

"ولو تمنى ان لا يكون الخمر حراما او لا يكون صوم رمضان فرضا لم يشق عليه لا يكفر بخلاف ما اذا تمنى ان لا يحرم الزنا وقتل النفس بغير حق فانه يكفر لان حرمة هذين ثابتة في جميع الاديان موافقة للحكمة ومن اراد الخروج عن الحكمة فقد اراد ان يحكم الله بما ليس بحكمة وهذا جهل منه بربه سبحانه وتوضيحه ما قال بعضهم من ان الضابطة هي ان الحرام الذي كان حلالا في شريعة فتمني حله ليس كفرا والذي لم يكن حلالا في شريعة فتمني حله كفر لان حرمته الابدية انما هي التي اقتضتها الحكمة الازلية مع قطع النظر عن احوال الاشخاص الاولية والاخروية، فان قلت: كون الحرمة موافقة لحكمة الله تعالىٰ هو المدار في التكفير فالامر في حرمة الخمر ايضا كذلك لان تحريمه بالنسبة الى هذه الامة انما هو لاقتضاء الحكمة قلت: لكن هذه الحكمة مقيدة وتلك مطلقة فارادة الخروج من الثانية خروج من الحكمة مطلقا ومن الاولى ليس كذلك بل هي موافقة للحكمة بوجه وان كان مخالفة لها ايضا بوجه آخر فافترقا"۔ (شرح الفقه الاكبر ص ۱۵۲)

یعنی جمیع ادیان میں حرام یا فرض شیٔ کی حلت یا عدمِ فرضیت کی تمنا حکمتِ الٰہیہ سے مکمل خروج، جہل اور کفر ہے اور بعض ادیان میں حلال شیٔ یا بعض میں عدم فرض شیٔ کا اپنی شریعت میں بھی حلال ہونے یا فرض نہ ہونے کی تمنا کرنا کفر نہیں ہے۔ گویا کہ وجہِ فرق اور مدارِ مسئلہ حکمت الٰہیہ سے کلیۃ خروج اور من وجہٍ خروج ہے۔

ان تمام تفصیلات سے متعلق بندہ ناچیز عرض کرتا ہے کہ کتب عقائد میں جو قاعدہ بیان کیا گیا ہے اصحاب کتب خود اس سے مطمئن نظر نہیں آتے بلکہ یہ وجہ فرق تقریباً سب کیلئے غیر اطمینان بخش اور تامل کا سبب بنی ہے۔ مثلاً شرح فقہ اکبر میں اس قاعدہ اور وجہ فرق پر استدراک کرتے ہوئے تحریر ہے:

"وفی هذا الفرق نظر لا یخفی اذلا یطابق ورود السوال ولا یصح جوابا عنه فی الحال فان حرمة الخمر فی هذه الامة ...... لایقال انها موافقة للحکمة من وجه مخالفة لها من وجه وفی کون تمنی امثال ذلك کفرا اشکال لکون الانبیاء علیهم السلام تمنوا انهم لم یخلقوا وقد یتمنی ان آدم علیه السلام لم یأکل من الشجرة حتی لم یقع فی الدنیا المتعبة، وغایة الامر ان خلاف الحکمة وقوعه محال، والتمنی انما یکون محله فی الحال علی ان التمنی لیس له تعرض بالحکمة لانفیا ولا اثباتا لیکون سببا للکفر" (شرح فقه اکبر ص ۱۵۲)

نبراس شرح شرح العقائد میں ہے:

"(ومن اراد الخروج عن الحکمة فقد اراد ان یحکم الله تعالیٰ ما لیس بحکمة وهذا جهل عظیم بربه) والجهل بربه تعالی کفر وعندی فی هذا الدلیل نظر" (نبراس ص ۵۶۸)

منح الروض الازہر میں اس قاعدے پر ان الفاظ میں تحفظات کا اظہار ہے:

"ولعل الفرق ان الاول من المجمع علی حرمته فی جمیع الکتب وعند سائر الرسل بخلاف الاخیرین فانه کان شرب الخمر حلالا وصوم رمضان لم یکن فرضا علی غیر هذه الامة لکن لم یظهر لی نتیجة هذا الفرق فانه لا فرق بین الحکم الالهی اولا بالعموم وآخرا بالخصوص".

(منح الروض ص ۵۰۲)

ان تحفظات اور نظروں کا خلاصہ یہ ہے کہ جمیع ادیان میں متفق حکم کے خلاف تمنی کو ''خروج عن الحکمۃ'' اور بعض کو ''خروج من وجہ'' قرار دینا یہ فرق محل نظر ہے کیونکہ دونوں میں تمنی تو حرام کے حلال ہونے کی کر رہا ہے اب چاہے وہ زنا کے حلال ہونے کی تمنا ہو یا شراب کے حلال ہونے کی دونوں صورتوں میں تمنی تو خلافِ حکمت الٰہیہ فی الحال کی ہے تو فرق کا کوئی معنی نہیں نیز تمنی کا حکمت سے کوئی تعلق نہیں نہ نفیاً اور نہ اثباتاً۔ تمنی تو فقط تمنی ہے اس میں حکمت سے خروج کلیۃً یا جزواً کوئی معنی نہیں رکھتا۔ اس کے علاوہ یہ وجہ فرق یا فرق متفقہ بھی نہیں بلکہ منح میں جواہر کے حوالے سے کفر کا مطلقاً قول نقل ہے:

"وفی الجواهر من قال: لیت الخمر او الزنا او الظلم او قتل الناس کان حلالا کفر"

(منح ص ۵۰۲)

اس سے معلوم ہوا کہ ایک قول شراب، زنا اور قتل وغیرہ میں مطلقاً تمنی حلت سے کفر کا بھی ہے لہٰذا بندہ ناچیز یہاں عرض گذار ہے

کہ اس باب میں قطع نظر فقہاء کی عبارات سے چونکہ مسئلہ عقائد کا ہے اور اصحاب عقائد کو مسئلے کے اس مدار پر تحفظات ہیں اور یہ بات قرینِ عقل بھی ہے کہ فرق نہ کیا جائے کیونکہ خلاف کی تمنی میں دونوں برابر ہیں پھر جمیع ادیان اور بعض کا فرق کرنا مناسب نہیں یہ ایسا ہی ہے جیسے گناہِ کبیرہ اور صغیرہ کا فرق ہمارے اعتبار سے لفظی ہے ورنہ گناہ تو گناہ ہے رب ذوالجلال کی معصیت میں چھوٹی یا بڑی کا فرق کرنا خطرناک امر ہے اسی لیے حضرات اکابر فرماتے ہیں کہ کسی گناہ کو یہ سمجھ کر کرنا کہ یہ تو صغیرہ اور چھوٹا ہے زیادہ خطرناک ہے کیونکہ رب کی معصیت تو بہرحال ہے لہٰذا مسئلے کا مدار کسی اور مسلمہ اور بے غبار اصول پر بنانا زیادہ بہتر ہے۔

مسئلہ ھذا میں اصحابِ عقائد نے ایک اور توجیہ اور قاعدہ بیان فرمایا ہے وہ یہ ہے:

"ولعل وجه كفره أستحلال هذه المعاصی لكن اذا لم يكن على وجه الاستحلال لا يكون كفرا فی الحال"۔ (منح الروض الازهر ص۵۰۲)

منح الروض میں پچھلے قاعدہ پر استدراک کے ساتھ ہی یہ توجیہ پیش کی گئی ہے کہ مسئلے کا مدار خروج عن الحکمۃ کے بجائے استحلال پر رکھ لیا جائے۔ یعنی کوئی بھی حرام ہو اس کی حلت کی تمنا اگر استحلالاً ہو تو کفر قرار دیا جائے اور اگر تکاسلاً سستی وغیرہ کی بنیاد پر ہو تو کفر قرار نہ دیا جائے اس میں زنا، شراب اور قتل وغیرہ کسی بھی حرام میں فرق نہ کیا جائے فقط استحلال کو مدار بنایا جائے مثلاً اگر یوں کہتا ہے کہ " کاش کہ شراب پینا حلال ہوتا" اگر اس نیت سے کہے کہ یہ میرے لئے حلال ہو اور میں اسے حلال بنا کر پیوں تو یہ کفر ہوگا اور اگر استحلال نہ ہو بلکہ تکاسل اور کسی اور بنیاد پر کہا ہو تو کفر نہ ہوگا۔

یہاں ایک توضیح ضروری ہے کہ احکام دو قسم کے ہیں ایک تو حرام حکم ہے اس کی حلت کی تمنا اور ایک فرائض ہیں ان کے فرض نہ ہونے کی تمنا کرنا۔ اب یہ استحلال والا اصول حرام کی حلت کی تمنا میں تو چلے گا لیکن فرض کی عدمِ فرضیت کی تمنا میں استہزاء کا اصول چلے گا یعنی عدم فرضیت کی تمنا اگر استہزاءً واستخفافاً کرتا ہے تو کفر ہوگا ورنہ نہیں مثلاً کہتا ہے " کاش نماز فرض نہ ہوتی " اب اگر استہزاءً اور استخفافاً کہتا ہے تو یہ کفر ہوگا اور اگر سستی اور کاہلی کی بنیاد پر کہتا ہے تو کفر نہ ہوگا گویا کہ تکفیر کا اصول یہ قرار پائے گا کہ

"کسی حرام کی استحلالاً حلت کی تمنا یا کسی فرض کی استہزاءً عدم فرضیت کی تمنا کفر ہوگی اور برعکس صورت میں کفر نہ ہوگا"

یہاں یہ بات بھی ملحوظ رہے کہ یہ مسئلہ صرف تمنا سے متعلق ہے اور اگر الفاظ میں ہی کوئی استہزائیہ لفظ ہو تو پھر مدار نیت پر نہ ہوگا بلکہ فی الفور وہ شخص دائرہ اسلام سے خارج ہو جائے گا۔

الغرض یہ ایک رائے ہے جو کہ منح الروض کے حوالے سے ذکر کی گئی۔ یہ آسان بھی ہے اور عام فہم بھی۔ پچھلے قاعدہ میں اولاً تو یہ مشکل بھی ہے کہ جمیع ادیان میں متفقہ احکام کا پتہ کیسے چلایا جائے گا ثانیاً پھر فرق کی وجہ پر اشکالات وارد ہوتے ہیں جبکہ استحلال اور استہزاء عام موافقِ قواعد امور ہیں ان سے عام مسائل میں تکفیر بھی مسلّم ہے تو اس مسئلے میں بھی ان کو مدار بنا لیا جائے۔ بہرحال مسئلہ چونکہ عقائد سے متعلق ہے لہٰذا اصحاب عقائد کی تصریحات اور خود وارد کردہ تحفظات کی روشنی میں بندے نے یہ تحقیق سپردِ قلم کی ہے۔ امید ہے کہ مسئلے میں یہ تطبیق قبول کی جائے گی۔

لمافی الهندیة (٢/٢٦٩- ٢٧٠): ولو قال لیت صوم رمضان لم یکن فرضا فقد اختلف المشایخ في کفره والصواب ما نقل عن الشیخ الإمام أبي بکر محمد بن الفضل رحمه الله تعالی إن هذا علی نیته إن نوی أنه قال ذلك من أجل أن لا یمکنه أداء حقوقه لا یکفر ولو قال عند مجيء شهر رمضان آمد آن ماه کر إن قال جاء الضیف الثقیل یکفر إذا قال عند دخول رجب بعقابها اندر افتادیم إن قال ذلك تهاونا بالشهور المفضلة یکفر وإن أراد به التعب لنفسه لا یکفر۔

(۵۳) یوں کہنا کہ"اللہ تعالی کا بچہ بھی آجائے تواس سے کام لیں گے"

سؤال

کیا فرماتے ہیں علماء کرام ومفتیان عظام اس مسئلہ کے بارے میں کہ نجی کمپنی کے ایک افسر نے یہ الفاظ کہے: "اگر اللہ تعالی کمپنی کے کام کو خراب کرے تو اس کو بھی پھانسی دے دیں گے" اور "اگر اللہ تعالی کا بچہ بھی آئے تو اس سے بھی کام لیں گے" (العیاذ باللہ) کیا یہ افسر ان الفاظ سے کافر ہو گیا یا نہیں؟

الجواب بعون الملک الوهاب

صورت مسئولہ میں مذکورہ افسر ان الفاظ کی ادائیگی سے مرتد ہو گیا ہے اسے چاہیئے کہ تجدید ایمان کرے اور اللہ تعالی کی بارگاہ میں توبہ واستغفار کرے اور اگر شادی شدہ ہے تو تجدید نکاح بھی کرے۔

لمافی التاتارخانية (۴۶۱/۵): اذاوصف الله بمالايليق به اوسخرباسم من اسماء الله تعالى او بامر من اوامره اوانكر وعده اووعيده يكفر۔

وفي الهندية (۲۵۸/۲): يكفر اذا وصف الله تعالى بمالايليق به ......اوجعل له شريكااو ولدا أوزوجة أونسبه الى الجهل أوالعجز أوالنقص۔

(۵۴) آپ ﷺ کو حاضر وناظر، عالم الغیب اور مختار کل سمجھنا

سؤال

کیا فرماتے ہیں علماء کرام ومفتیان عظام اس مسئلہ کے بارے میں کہ ایک شخص کا عقیدہ ہے کہ آپ علیہ الصلوٰۃ والسلام حاضر وناظر، عالم الغیب اور مختار کل ہیں کیا ایسے شخص کو قربانی میں شریک کرنا صحیح ہے؟ اگر شریک کرلیا تو دیگر شرکاء کی قربانی درست ہوگی یا نہیں۔ قرآن وسنت کی روشنی میں جواب عنایت فرمائیں۔

الجواب بعون الملک الوهاب

صورت مسئولہ میں مذکورہ شخص اگر بغیر کسی تاویل کے ان عقائد کا قائل ہو تو ایسا شخص دائرہ اسلام سے خارج ہو جائے گا اور اس کے ساتھ قربانی جائز نہ ہوگی اور اگر تاویل کے ساتھ (یعنی قرآن وحدیث کے نصوص سے غلط استدلال کر کے) وہ ان عقائد کا قائل ہو تو ایسا شخص کافر نہیں البتہ فاسق وفاجر شمار ہوگا۔

آج کل ان عقائد کے حامل اشخاص چونکہ تاویل کے ساتھ ہی ان عقائد کے قائل ہوتے ہیں اس لیے علماء اہل السنۃ والجماعۃ نے ان کی تکفیر نہیں کی لہٰذا ایسے شخص کے ساتھ قربانی کرنا جائز ہے البتہ تمام شرکاء اگر صحیح العقیدہ ہوں تو یہ زیادہ بہتر اور افضل ہوگا۔

لمافی الدرالمنثور (۶/۵۳۲): واخرج ابن مردویة عن سلمة بن الاکوع رضی اللہ عنہ قال کان رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم فی قبة حمراء اذ جاء رجل علی فرس فقال :من انت ؟قال انارسول اللہ، قال: متی الساعة؟ قال: غیب،ومایعلم الغیب الااللہ، قال :مافی بطن فرسی ؟ قال :غیب ومایعلم الغیب الا اللہ،قال فمتی تمطر؟ قال :غیب ومایعلم الغیب الااللہ۔

وفی مختصر تفسیر ابن کثیر (۱/۵۷۱): وَإِنْ يَمْسَسْكَ اللّٰهُ بِضُرٍّ فَلَا كَاشِفَ لَهُ إِلَّا هُوَ وَإِنْ يَمْسَسْكَ بِخَيْرٍ فَهُوَ عَلَى كُلِّ شَيْءٍ قَدِيرٌ يقول تعالی مخبراً انه مالك الضر والنفع وانه المتصرف فی خلقه بمایشاء لامعقب لحکمه ولارادّ لقضاءہ۔

وفی الصحیح للبخاری (۲/۱۰۹۸): عن عائشة رضی اللہ عنها قالت من حدثك ان محمدا ...ومن حدثك انه یعلم الغیب فقد کذب۔

وفی شرح الفقه الاکبر(ص۱۵۱): ان الانبیاء علیهم الصلوۃ والسلام لم یعلموا المغیبات من الاشیاء الاماعلمهم اللہ تعالی احیانا۔وذکر الحنفیة تصریحا بالتکفیر باعتقاده ان النبی صلی اللہ علیہ وسلم یعلم الغیب لمعارضة قوله تعالی قل لایعلم من فی السمٰوت والارض الغیب الااللہ۔

وفی الهندیة (۵/۳۰۴): ولو کان احد الشرکاء ذمیا کتابیا اوغیر کتابی وهو یرید اللحم اویرید القربة فی دینه لم یجز عندنا لان الکافر لایتحقق منه القربة فلحقه بالعدم ......والمسلم لواراد اللحم لایجوز عندنا۔

(۵۵) غلطی سے کلمات کفر کہہ دینا

سؤال

کیافرماتے ہیں علماء کرام ومفتیان عظام اس مسئلہ کے بارے میں کہ ایک شخص نے بھول کر کہا کہ ''نہ میں کافر ہوں نہ مسلمان بلکہ ایک عام آدمی ہوں'' اس کے فوراً بعد کہا کہ ''افسوس میں نے کیا کہہ دیا''۔ اب ایسے شخص کے بارے میں شرعاً کیا حکم ہے؟ کافر ہوگیا یانہیں؟ اسی طرح اسے تجدید نکاح کی ضرورت ہے یانہیں؟

الجواب بعون الملک الوھاب

ایسے الفاظ کہنے والا اگرچہ دائرہ اسلام سے خارج نہیں ہوتا لیکن اس پر توبہ واستغفار لازم ہے اور احتیاطاً تجدید نکاح بھی کرلے۔

لمافی الهندية (۲/۲۷۴): الخاطئ اذا اجرى على لسانه كلمة الكفر خطأً بان كان يريد ان يتكلم بما ليس بكفر فجرى على لسانه كلمة الكفر خطأً لم يكن ذلك كفر عندالكل۔

وفی ردالمحتار (۴/ ۲۴۷): وماكان خطأمن الالفاظ ولايوجب الكفر فقائله يقر على حاله ولايؤمر بتجديد النكاح ولكن يؤمر بالاستغفار والرجوع عن ذلك وقوله احتياطاای يأمره المفتى بالتجديد ليكون وطؤه حلالا باتفاق۔

(۵۶) ”اگر میں فلاں کام کروں تو کافر ہوجاؤں“ کہنے کا حکم

سؤال

کیا فرماتے ہیں علماء کرام ومفتیانِ عظام اس مسئلہ کے بارے میں کہ ایک شخص یہ قسم اٹھاتا ہے کہ اگر میں فلاں کام کروں تو میں کافر ہوجاؤں، پھر وہ فلاں کام کرتا بھی ہے تو کیا وہ کافر ہوجائے گا۔کام کرنے سے پہلے بھی ایسی قسم کھانا موجب کفر ہے یانہیں کیونکہ بظاہر تو وہ اپنے کافر ہونے پر راضی ہے۔

الجواب بعون الملک الوھاب

صورت مسئولہ میں مذکورہ شخص نے جب قسم اٹھائی کہ اگر میں فلاں کام کروں تو کافر ہوجاؤں اگر حالف کو یہ یقین ہو کہ اس طرح کی قسم اٹھانے سے وہ یمین (قسم) منعقد ہوتی ہے پھر بعد میں محلوف علیہ کو کرلیتا ہے تو صرف کفارہ یمین دینا پڑے گا حانث ہونے کی صورت میں دائرہ اسلام سے خارج نہیں ہوگا۔

لیکن حالف (قسم اٹھانے والے کو) یہ معلوم نہیں ہے کہ اس طرح قسم اٹھانے سے یمین واقع ہوتی ہے اب اگر بعد میں محلوف علیہ کو کرلیتا ہے تو ایسی صورت میں دائرہ اسلام سے خارج ہوجائے گا۔البتہ کام کرنے سے پہلے یہ قسم موجب کفر نہیں۔

لمافی الشامية (۳/۷۱۸) كتاب الايمان: والقسم ايضا بقوله ان فعل كذا فهو كافر...... و اختلف فی كفره والاصح ان الحالف لم يكفر سواءً علقه بماض او آتٍ وهو الصحيح ان كان عنده فی اعتقاده انه يمين وان كان جاهلاً وعنده انه يكفر فی الحلف بالغموس وبمباشرة الشرط فی المستقبل يكفر فيهما لرضاه بالكفر۔

قوله وعنده انه یکفر وعبارة الفتح وان کان فی اعتقاده انه یکفر به یکفر لانه رضی بالکفر حیث اقدم علی الفعل الذی علق علیه کفره وهو یعتقد انه یکفر اذا فعله۔

(۵۷) حرام کی ابتدا وانتہاء پر بسم اللہ والحمد للہ کہنا/ترک صلوٰۃ وقرآۃ پر قسم

سوال

کیا فرماتے ہیں علماء کرام ومفتیان عظام اس مسئلہ کے بارے میں کہ ایک شخص زنا کرتا ہے یا شراب پیتا ہے یا کوئی بھی برا کام کرتا ہے تو اس کی ابتدا میں بسم اللہ اور آخر میں الحمد للہ پڑھتا ہے۔اس کا یہ فعل شرعاً کیسا ہے؟

نیز اگر کوئی شخص یہ قسم کھالے کہ میں قرآن کی تلاوت نہیں کروں گا یا نماز نہیں پڑھوں گا تو اس کا کیا حکم ہے؟

الجواب بعون الملک الوهاب

اگر کوئی شخص شراب، زنا، خنزیر وغیرہ حرام قطعی اشیاء کی ابتداء میں بسم اللہ پڑھتا ہے تو وہ شخص دائرہ اسلام سے خارج ہوجائے گا کیونکہ اس کا یہ عمل اللہ تعالیٰ کے نام کے ساتھ استخفاف ہے اسی طرح آخر میں الحمد للہ کہنے سے بھی کافر ہوجائے گا۔ہاں اگر آخر میں الحمد للہ بطور شکر کے کہتا ہے کہ باوجود فعل حرام کے ارتکاب کے اللہ تعالیٰ نے اسے رسوا نہیں کیا یا باوجود شراب کے حرام ہونے کے شراب اس کے حلق میں رکی نہیں بلکہ حلق سے نیچے اتر گئی تو بعض حضرات کے نزدیک کافر نہیں ہوگا۔

اگر کوئی شخص قسم کھالے کہ قرآن کی تلاوت نہیں کرے گا یا نماز نہیں پڑھے گا تو اس سے کافر نہیں ہوگا البتہ اگر اس کی نماز نہ پڑھنے کی قسم نماز کے انکار پر مبنی ہو تو کافر ہوجائے گا۔

لمافی التاتارخانیة (۴۹۹/۵): من اکل طعاما حراما وقال عندالاکل بسم اللہ حکی الامام المعروف بالمشتملی عن مشائخه انه یکفر لاستخفافه اسم اللہ ولوقال عندالفراغ عن الاکل الحمدللہ فقد قال بعض المشائخ انه لایکفر لانه شکر اللہ تعالی برآنکه رسوانه کردش ولقمه بحلق وی اندر نماند واتفاق است ......بوقت مباشرت زنا یابوقت قمار کعبتین بگیرد وبگوید بسم اللہ کافر گردد بسبب استخفاف به نام خداء عزوجل۔

وفی الهندیة (۲۷۳/۲): من اکل طعاما حراما وقال عندالاکل بسم اللہ حکی الامام المعروف بمشتملی انه یکفر ولوقال عندالفراغ الحمدللہ قال بعض المتأخرین لایکفر واتفاق است اگر قدح ......همچنیں بوقت مباشرت زنایابوقت قمارکعبتین بگیرد وبگوید بسم اللہ کافر شود۔

وفی الاشباہ (ص۱۱۹): ولایکفر بقولہ لااصلی الاجحودا۔

وفی الھندیة (۲/۲۶۸): وقول الرجل لااصلی یحتمل اربعة اوجه ......والرابع لااصلی اذلیس یجب علی الصلاة اولم اؤمر بھایکفر۔ واللہ اعلم بالصواب

(۵۸) کیا نبی علیہ الصلوٰۃ والسلام حاضر و ناظر ہیں؟

سؤال

کیا فرماتے ہیں علماء کرام و مفتیان عظام اس مسئلہ کے بارے میں کہ مسلمانوں کا ایک طبقہ رسول اللہ ﷺ کو حاضر و ناظر سمجھتا ہے اور ان کی دلیل إِنَّا أَرْسَلْنَاكَ شَاهِدًا وَمُبَشِّرًا وَنَذِيرًا (الاحزاب: ۴۵) ہے۔ جس میں شاہد کا ترجمہ حاضر و ناظر سے کرتے ہیں۔ کیا یہ بات صحیح ہے؟ قرآن وسنت کی روشنی میں جواب عنایت فرمائیں۔

الجواب بعون الملک الوھاب

صورت مسئولہ میں شاہد کا معنی حاضر و ناظر کرنا اور دلیل میں یہ بیان کرنا کہ گواہ وہ ہوتا ہے جو دیکھ کر گواہی دے لہٰذا اس کے معنی حاضر و ناظر کے ہوئے قطعاً صحیح نہیں ہے۔ کیونکہ اگر اس کے معنی حاضر و ناظر کے لیے جائیں تو یہ معنی قرآن وسنت کی دوسری نصوص کے معارض ہے۔ کیونکہ خود باری تعالیٰ نے:

۱۔ حضرت موسیٰ علیہ الصلوٰۃ والسلام کا واقعہ بیان فرمایا تو سورہ قصص آیت نمبر ۴۴ میں ہے: ''اور آپ مغربی جانب نہیں تھے جب ہم نے موسیٰ علیہ الصلوٰۃ والسلام کی طرف وحی بھیجی''۔ اور آیت کے آخر میں فرمایا ''وَمَا كُنْتَ مِنَ الشَّاهِدِينَ'' پہلے آپ کے وہاں حاضر ہونے کی نفی کی کہ آپ وہاں نہیں تھے پھر صراحۃً شاہد یعنی بقول ان کے جو شاہد کا ترجمہ حاضر و ناظر سے کرتے ہیں یہاں حاضر و ناظر کی نفی کر دی۔

۲۔ سورۂ یوسف میں حضرت یوسف علیہ الصلوٰۃ والسلام کا واقعہ بیان فرمایا، آخر میں آیت نمبر ۱۰۲ میں فرمایا ''یہ غیب کی خبروں میں سے ہے جو ہم آپ کی طرف وحی کرتے ہیں اور آپ ان کے پاس نہیں تھے جب وہ اپنی بات طے کر رہے تھے''۔ یہاں پہلے آپ کے وہاں حاضر و ناظر ہونے کی نفی اشارۃً کی کیونکہ فرمایا یہ غیب کی خبر ہے اور غیب اس چیز کو کہا جاتا ہے جو ابھی تک دیکھی نہ ہو۔ اگر آپ حاضر و ناظر ہوتے تو پھر ''غیب'' کہاں باقی رہا۔ اس کے بعد صراحۃً نفی کی کہ وَمَا كُنْتَ لَدَيْهِمْ (آپ ان کے پاس نہ تھے) یعنی حاضر و ناظر نہ تھے۔

۳۔ سورۂ ھود آیت نمبر ۱۷: ''جو شخص اللہ تعالیٰ کی طرف سے بینہ پر ہو اور اس کے ساتھ شاہد ہو..........'' یہاں شاہد سے مفسرین نے قرآن، بعض نے اعجاز قرآن اور بعض نے انجیل مراد لی ہے۔ اب اگر شاہد کے معنی حاضر و ناظر کئے جائیں تو پھر قرآن، انجیل یا اعجاز قرآن کے حاضر و ناظر ہونے کے کیا معنی ہوں گے۔

اسی طرح آپ علیہ الصلوٰۃ والسلام کی حیات مبارکہ میں کتنے ہی ایسے واقعات پیش آئے جن سے آپ کے ہر جگہ حاضر وناظر ہونے کی نفی ہوتی ہے :

۱۔صلح حدیبیہ کے موقع پر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کو صلح کے لئے کفار مکہ کے پاس بھیجا تو اس وقت کفار نے مشہور کردیا کہ حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کو شہید کردیا گیا۔اس پر آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کی شہادت کا بدلہ لینے کے لئے صحابہ رضوان اللہ علیہم اجمعین سے جہاد کے لئے بیعت لی اور آپ جہاد کیلئے تیار ہوگئے حالانکہ بعد میں پتہ چلا کہ شہادت عثمان رضی اللہ عنہ کی خبر جھوٹی تھی۔اگر آپ حاضر وناظر ہوتے تو بتلادیتے کہ حضرت عثمان رضی اللہ عنہ شہید نہیں ہوئے ، یہ جھوٹی خبر ہے۔

۲۔منافقین کی طرف سے معرکۃ الآراء بہتان جو حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا پر لگایا گیا اس میں آپ کافی دنوں تک سخت پریشان رہے۔کبھی تو صحابہ رضوان اللہ علیہم اجمعین سے مشورہ کیا جارہا ہے، کبھی حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کے بارے میں ان کی خادمہ سے سوالات کئے جارہے ہیں۔یہاں تک کہ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا اسی غم میں اپنے والد کے یہاں تشریف لے گئیں۔جب تک وحی نازل نہیں ہوئی یہ پریشانی بدستور رہی۔اگر آپ حاضر وناظر ہوتے تو پہلے سے بتلادیتے کہ یہ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا پر بہتان ہے۔

۳۔غزوہ خیبر کے موقع پر آپ کو کھانے میں زہر دیا گیا اور آپ کو پتہ نہ چلا بعد میں اللہ تعالیٰ کی طرف سے جب بتلانے پر سبب ظاہر ہوا تو آپ کو پتہ چلا۔اگر آپ حاضر وناظر ہوتے تو آپ کو پہلے سے پتہ ہوتا۔

ان کے علاوہ کتنے ہی ایسے واقعات ہیں جن سے آپ کے حاضر وناظر ہونے کی نفی ہوتی ہے۔

اور سب سے بڑھ کر یہ کہ ہر جگہ حاضر وناظر یہ اللہ تعالیٰ کی صفات میں سے ہے کیونکہ اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں:

واللهُ عَلٰى كُلِّ شَيْءٍ شَهِيْد، وَاللهُ بَصِيْرٌ بِمَا تَعْمَلُوْن، وَاللهُ عَلٰى كُلِّ شَيْءٍ مُّحِيْط

اور ہمارا عقیدہ ہے کہ لیس کمثلہ شئ (یعنی ذات اور صفات کسی بھی اعتبار سے خالق اور مخلوق کے درمیان مماثلت نہیں ہوسکتی) لہٰذا رب تعالیٰ کی صفات کسی مخلوق میں نہیں ہوسکتیں۔

نیز قرآن کریم کی تشریح وتفسیر نقل کی محتاج ہے۔ہم اپنی طرف سے کوئی تفسیر یا معنی بیان نہیں کرسکتے جب تک کہ اسلاف اور مقتداء امت میں سے کسی نے یہ معنی یا تفسیر مراد نہ لی ہو ورنہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی اس روایت کی وعید کے مصداق بنیں گے کہ آپ فرماتے ہیں:من قال فی القرآن برأیہ فاصاب فقد اخطأ (یعنی اگر کسی نے قرآن کی تفسیر اپنی رائے اور خیال سے کی اور رائے ہونے کے باوجود حقیقت کے مطابق ہوگئی اور مراد وہی تھی وہ پھر بھی غلطی پر ہے)۔اور اسلاف امت میں سے کسی نے اس کے معنی حاضر وناظر کے نہیں کئے من ادعیٰ فلیأت بحجۃ۔

اب رہی یہ بات کہ اگر شاہد سے مراد حاضر وناظر نہیں تو پھر کیا مراد ہے تو اس کی تشریح میں مختلف اقوال ہیں:

اول: آپ کو اس امت اور سابقہ امتوں کے انبیاء کی تبلیغ پر گواہ بنایا گیا اور اس گواہی کی بنیاد آپ کا حاضر وناظر ہونا نہیں بلکہ قرآن کریم کا یہ بیان ہے ”سابقہ امتوں کے انبیاء نے اپنی امتوں تک اللہ کا پیغام پہنچادیا“۔

دوم: اللہ تعالیٰ کی وحدانیت پر گواہ بنا کر بھیجا۔

سوم: شاہ عبدالقادر رحمۃ اللہ علیہ اور امام راغب اصفہانی رحمۃ اللہ علیہ نے شاہد کا معنی معلم سے کیا یعنی اے نبی! ہم نے آپ کو معلم بنا کر بھیجا۔

اور اگر یہ کہا جائے کہ نبی علیہ الصلوٰۃ والسلام اپنے روضہ اطہر سے ہی کائنات کا مشاہدہ کر رہے ہیں تو یہ بات بھی روایات کے خلاف ہے۔ کیونکہ ایک روایت میں ہے کہ حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ:

''رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ اللہ تعالیٰ کے فرشتے زمین میں گھومتے ہیں اور مجھے میری امت کا سلام پہنچاتے ہیں''۔

اسی طرح حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ روایت کرتے ہیں کہ:

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ جو شخص میرے روضہ کے پاس درود پڑھتا ہے میں اس کو خود سنتا ہوں اور جو دور سے پڑھتا ہے وہ میرے پاس پہنچایا جاتا ہے۔

اگر آپ ساری کائنات کا خود مشاہدہ فرماتے ہیں تو پھر جہاں بھی کوئی امتی درود پڑھتا آپ کو معلوم ہو جاتا، حالانکہ جو امتی روضہ اطہر سے دور آپ پر درود پڑھتے ہیں فرشتوں کے ذریعے آپ تک پہنچایا جاتا ہے۔ حاصل یہ ہے کہ شاہد کے معنی حاضر و ناظر سے کرنا نصوص کے خلاف اور بالکل بے اصل ہے جس سے احتراز ضروری ہے۔

لمافی روح المعانی (۲۲/۴۵): يَا أَيُّهَا النَّبِيُّ إِنَّا أَرْسَلْنَاكَ شَاهِدًا۔ علی من بعثت الیھم تراقب احوالھم وتشاھد اعمالھم وتتحمل عنھم الشھادۃ بماصدر عنھم من التصدیق والتکذیب وسائر ماھم علیه من الھدی والضلال ......ثم ان تحمل الشھادۃ علی من عاصرہ واطلع علی عمله امرظاھر واماتحملھا علی من بعدہ باعیانھم فان کان مرادا ایضا ففیه خفاء لان ظاھر الاخبار انه علیه السلام لایعرف اعمال من بعدہ باعیانھم، روی ابوبکر وانس وحذیفة وسمرۃ وابوالدرداء رضی اللہ عنھم لیردن علی ناس من اصحابی الحوض حتی رأیتھم وعرفتھم اختلجوا دونی فاقول یارب اصحابی اصحابی فیقال لی انك لاتدری مااحدثوا بعدك نعم قدیقال انه علیه الصلوۃ والسلام یعلم بطاعات ومعاص تقع بعدہ من امته لکن لایعلم اعیان الطائعین والعاصین ......واما زعم ان التحمل علی من بعدہ الی یوم القیمة لماانھا حی بروحه وجسدہ یسیر حیث شاء فی اقطار الارض والملکوت فمبنی علی ما علمت حاله ......وقیل المراد شاھدابان لااله الااللہ۔

وفی احکام القرآن للقرطبی (۱۴/۲۰۰): قوله تعالی شاھدا قال سعید عن قتادۃ شاھد اعلی امته بالتبلیغ الیھم وعلی سائر الامم بتبلیغ انبیائھم ونحوذلك۔

وفیه ایضا (۱۶/۲۷۶) تحت آیة ''لقد رضی اللہ عن المؤمنین الآیة'': وکان رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم قبل

الصلح قد بعث عثمان بن عفان رضی اللہ عنہ الی مكة رسولا فجاء خبر الی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم بان اهل مكة قتلوه فدعا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم حينئذ الى المبايعة له على الحرب والقتال لاهل مكة فروى انه بايعهم على الموت۔

وفيه ايضا (۱۲/ ۱۹۷): تحت ''آية ان الذين جاؤو بالافك عصبة منكم لاتحسبوه شرالكم بل هو خير لكم لكل امرئ منهم مااكتسب من الاثم . والذى تولى كبره منهم له عذاب اليم'': سبب نزولها مارواه الائمة من حديث الافك الطويل فى قصة عائشة رضوان اللهعليها ، وهو خبر صحيح مشهور أغنى اشتهار ه عن ذكره۔

وفى الصحيح للبخارى (۲/۶۱۰): حدثنا عبداللہبن يوسف ...عن ابي هريرة لمافتحت خيبر اهديت لرسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم شاة فيها سم۔

وفى المشكوة (ص۸۶): عن ابن مسعود رضی اللہ عنہ قال قال رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم: ان للہ ملائكة سياحين فى الارض يبلغونى من امتى السلام۔

وفيه ايضا (ص۸۷): عن ابي هريرة رضی اللہ عنہ قال قال رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم: من صلى عند قبرى سمعته ومن صلى نائيا ابلغته۔

(۵۹) غلام علی، غلام مصطفی اور غلام رسول نام رکھنا

سؤال

کیافرماتے ہیں علماء کرام ومفتیان عظام اس مسئلہ کے بارے میں کہ غلام علی، غلام رسول اور غلام مصطفی نام رکھنا کیسا ہے؟ شریعت کی رو سے جواب عنایت فرمائیں۔

الجواب بعون الملک الوھاب

مذکورہ نام رکھنے میں شرعی اعتبار سے کوئی قباحت نہیں بلکہ جائز ہیں البتہ فرق باطلہ میں سے کسی کے ساتھ تشبہ لازم آئے تو ایسی صورت میں احترازاولی ہے۔

لمافى الصحيح لمسلم (۲/۲۳۸): عن ابي هريرة ان رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم قال لايقولن احدكم عبدى وامتى كلكم عبيداللہ وكل نساءكم اماء اللہ ولكن ليقل غلامى وجاريتى وفتاى وفتاتى۔

وفى المفصل لاحكام المرأة والبيت المسلم (۹/۲۸۳): ويراعى فى تسمية المولود اختيار الاسم الحسن والاسم المستحب شرعااو المباح التسمية به ......وترك الاسماء القبيحة اوالمنهى

عنها اواللتی تکره التسمية بها......روی ابوداؤد فی سننه عن ابی الدرداء قال قال رسول الله ﷺ انکم تدعون یوم القیامة باسمائکم واسماء آباءکم فاحسنوا اسماءکم......دلالة الحدیث واضحة فی اختیار الاسم الحسن للمولود ولانه لاکلفة فی هذا الاختیار علی الوالد ولان من حق الولد علی والده ان یختار له اسما حسنا۔

(۶۰) کسی مسلمان کو کافر یا فاسق کہنا

سؤال

کیا فرماتے ہیں علماء کرام ومفتیان عظام اس مسئلہ کے بارے میں کہ اگر کوئی شخص کسی مسلمان کو کافر یا فاسق کہے تو کہنے والے کا کیا حکم ہے؟

الجواب بعون الملک الوھاب

صورت مسئولہ میں ایسا شخص قابل تعزیر ہے اور کسی مسلمان کی ہتک وتوہین کبائر میں سے ہے لہٰذا ایسے کلام سے احتراز لازم ہے۔

لمافی الصحيح لمسلم (۱/ ۵۷): عن عبدالله بن دينار انه سمع ابن عمر رضی اللہ عنہ يقول قال رسول الله ﷺ: ايما امرئ قال لاخيه كافر فقد باء بها احدهما ان كان كما قال والا رجعت عليه۔

وفی شرح النووی تحت هذا الحديث: فی تاويل الحديث اوجه انه محمول على المستحل لذلك .... الثانی معناه رجعت عليه نقيصه لاخيه ومعصية تكفيره ... الرابع ان ذلك يؤل به الى الكفر۔

وفيه ايضا (۵۸/۱): عن عبدالله بن مسعود رضی اللہ عنہ قال قال رسول الله ﷺ : سباب المسلم فسوق وقتاله كفر۔

وقال النووی تحته : السب فی اللغة الشتم والتكلم فی عرض الانسان بمايعيبه ....معنى الحديث فسب المسلم بغير حق حرام باجماع الامة وفاعله فاسق۔

وفی الدرالمختار (۶۹/۴): وعزرا لشاتم بياكافر......يافاجر يامخنث ياخائن۔

(۶۱) اللھم صل علی محمد نحن عباد محمد لکھنا یا کہنا

سؤال

کیا فرماتے ہیں علماء کرام ومفتیان عظام اس مسئلہ کے بارے میں کہ ''اللھم صل علی محمد نحن عباد محمد'' پمفلٹ پر لکھ کر شائع کرنا کیسا ہے؟ کیا نحن عباد محمد میں عباد کے معنی ''اطاعت گزار اور فرماں بردار ہیں'' کرنا صحیح ہے؟ نیز کسی کا نام عبد محمد بمعنی غلام محمد ہو تو درست ہے یا نہیں؟

الجواب بعون الملک الوھاب

اللھم صل علی محمد نحن عباد محمد پمفلٹ پر لکھ کر شائع کرنا درست نہیں اگرچہ نحن عباد محمد میں عباد کے معنی اطاعت گزار اور فرماں بردار کے لئے جائیں کیونکہ کم سے کم اس میں ایہام شرک ضرور ہے اور جس طرح شرک ممنوع ہے ایہام شرک بھی ممنوع ہے۔

نیز اسی طرح ایہام شرک کی بناء پر عبد محمد نام رکھنا درست نہیں اگرچہ وہ غلام محمد کے معنی میں ہو۔

لما فی المرقاة (۹/۱۰۶): وروی الحاکم فی الکنی والطبرانی عن ابی الزبیر الثقفی مرفوعا اذا سمیتم فعبدوا ای انسبوا عبودیتھم الی اسماء الله فیشمل عبدالرحیم وعبدالملك وغیرھما ولایجوز عبدالحارث ولاعبدالنبی ولاعبرة بماشاع فیما بین الناس۔

وفی شرح الفقه الاکبر (ص۱۹۳): واماماشتھر من التسمیة بعبدالنبی فظاھره کفرالاان اراد بالعبد المملوك۔

وفی حجة الله البالغة (۱/۶۳): وقد ثبت فی احادیث لاتحصی ان النبی ﷺ غیر اسماء اصحابه عبدالعزی وعبدالشمس.ونحوھا الی عبدالله وعبدالرحمن وماشبھما فھذه اشباح وقوالب للشرك نھی الشارع عنھا لکونھا قوالب له۔

(۶۲) داڑھی کی توہین کرنا یا مذاق اڑانا

سؤال

کیا فرماتے ہیں علماء کرام ومفتیان عظام اس مسئلہ کے بارے میں کہ ایک عورت ایک شخص سے جس نے داڑھی رکھی ہوئی تھی

کہنے لگی آپ داڑھی کی وجہ سے بکرا لگتے ہیں اور داڑھی کی وجہ سے آپ کو کوئی رشتہ بھی نہیں مل رہا ہے لہٰذا اسے کاٹ دو یا چھوٹا کر دو۔ ایسی عورت کے بارے میں کیا حکم ہے؟ جبکہ وہ کہتی ہے کہ میں نے یہ بات مذاقاً کہی ہے۔

الجواب بعون الملک الوھاب

شعائر اسلام اور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی سنتوں کا مذاق اڑانا یا ان کی توہین کفر ہے لہٰذا ایسے کلمات سے یہ عورت دائرہ اسلام سے خارج ہوگئی اور اگر شادی شدہ ہے تو نکاح بھی ختم ہوگیا لہٰذا اسے چاہیئے کہ تجدید اسلام اور نکاح کرے اور آئندہ کے لئے ایسے کلام سے اجتناب کرے۔

لمافی البحر الرائق (۱۲۱/۵): ویکفر ...... باستخفافه بسنة من السنن۔

وفی الهندية (۲۶۳/۲): من لم يقر ببعض الانبياء اولم يرض بسنة من سنن المرسلين فقد كفر۔

وفی ردالمحتار (۲۲۲/۴): ولاعتبار التعظيم المنافی للاستخفاف كفر الحنفية بالفاظ كثيرة وافعال تصدر من المنتهكين لدلالتها على الاستخفاف بالدين ...... قلت :ويظهر من هذا ان ماكان دليل الاستخفاف يكفر به۔

(۶۳) یوں کہنا کہ "انا مؤمن انشاء اللہ"

سؤال

کیا فرماتے ہیں علماء کرام ومفتیان عظام اس مسئلہ کے بارے میں کہ اگر کوئی شخص یوں کہے کہ میں مومن ہوں انشاء اللہ تو ایسے شخص کے بارے میں کیا حکم ہے؟

الجواب بعون الملک الوھاب

صورت مسئولہ میں اگر اس شخص کو اپنے بارے میں شک وتردد ہے اس بناء پر یوں کہتا ہے تو کافر ہوجائے گا۔ لیکن اگر محض تبرک کے لئے ایسا کہے یا مستقبل کے اعتبار سے کہے یعنی اس خیال سے بھی کہ ابھی تو میں مومن ہوں لیکن مستقبل کے بارے میں معلوم نہیں کہ مجھے ایمان پر دوام وثبات نصیب ہوگا یا نہیں تو اس میں کوئی حرج نہیں۔

لمافی الهندية (۲۵۷/۲): من شك فی ايمانه وقال انامومن ان شاء الله فهو كافر الااذا أوّل فقال لاادری اخرج من الدنيا مومنا فحينئذ لايكفر۔

وفی ردالمحتار (۴۶/۳): لاتجوز مناكحة من يقول انامومن انشاء الله لانه كافر قال فی البحر انه محمول على من يقوله شكافی ايمانه والشافعية لايقولون بذلك ...... وحقق ذلك فی الفتح

بان الشافعية يريدون به ايمان الموافاة كماصرحوا به وهوالذی يقبض عليه العبد وهواخبار عن نفسه بفعل فی المستقبل اواستصحابه اليه۔

(۶۴) یوں کہنا کہ میں جزاوسزا سے آزاد ہوں

سؤال

کیافرماتے ہیں علماء کرام ومفتیان عظام اس مسئلہ کے بارے میں کہ ایک شخص کہتا ہے کہ ''میں جزاوسزا سے آزاد ہوں، میں نے عبادت کر کے کیا کرنا ہے''۔ایسے شخص کے بارے میں کیا حکم ہے؟

الجواب بعون الملک الوھاب

صورت مسئولہ میں ان کلمات سے یہ شخص دائرہ اسلام سے خارج نہیں ہوگا لیکن یہ کلمات اندیشہ کفر سے خالی بھی نہیں ہیں۔ چنانچہ بعض حضرات نے ایسے کلمات کہنے والے پر کفر کا حکم لگایا ہے لہٰذا ایسے شخص کو چاہیئے کہ احتیاطاً تجدید ایمان ونکاح کرلے اور آئندہ ایسے بے ہودہ کلام سے اجتناب کرے۔

لمافی الروض الازهرشرح فقه الاكبر (ص۵۲۲): ومن قال انا بریٔ من الثواب والعقاب اومن الموت والثواب فقد قيل انه يكفرای بناء علی انكاره الامر المقطوع به من ثبوت الثواب والعقاب ووقوع الموت بلاارتياب والصحيح انه لايكفر لان البراء ة عنها كناية عن عدم الالتفات اليها۔

وفی المحيط البرهانی (۴۳۵/۷): رجل قال :انابریٔ من الثواب والعقاب اوقال بالفارسية: من بيزارم از مزد وثواب فقد قيل انه يكفر۔(وهكذا فی التاتارخانية :۵/۵۴۳ وفی الهندية: ۲/۲۸۱)

(۶۵) انبیاء کرام کی قبور میں ازواج مطہرات کو پیش کئے جانے کا عقیدہ رکھنا

سؤال

کیافرماتے ہیں علماء کرام ومفتیان عظام اس مسئلہ کے بارے میں کہ کیا انبیاء کی قبور میں ازواج مطہرات کو پیش کیا جاتا ہے؟ نیز اس قسم کا عقیدہ رکھنے والے شخص کا کیا حکم ہے؟ براہ کرم قرآن وحدیث کی روشنی میں جواب دیں۔

الجواب بعون الملک الوھاب

یہ بات (کہ انبیاء کی قبور میں ازواج مطہرات پیش کی جاتی ہیں) من گھڑت اور بے بنیاد ہے اس کی قرآن وسنت اور عقائد اہل سنت والجماعت میں کوئی اصل نہیں۔ نیز ایسا عقیدہ رکھنے والا شخص بھی اہل سنت والجماعت میں داخل نہیں۔ (کما صرح به فی الرسالة الاردیة المسماة بمطالعة بریلویت صـ۲۳)۔

لمافی القرآن الکریم(البقره:۱۵٤):وَلَا تَقُولُوْا لِمَنْ يُّقْتَلُ فِي سَبِيْلِ اللهِ أَمْوَاتٌ بَلْ أَحْيَاءٌ وَّلٰكِن لَّا تَشْعُرُونَ

وفی تکملة فتح الملهم(۳۱/۵): واما الشهداء فعلاقة ارواحهم بأجسادهم اقوى بالنسبة لسائر الموتى حتى ان الارض لاتأكل اجسادهم فاطلق القرآن عليهم اسم الاحياء ولو كان المراد حياتهم البرزخية اوالروحية فقط ... وانما الفرق بينهم وبين سائر الموتى ان لأرواحهم تعلقا قويا بالاجساد فحياتهم جسمانية بهذا المعنى... واما الانبياء عليهم السلام فعلاقة ارواحهم باجسادهم۔ الشريفة اقوى العلاقات التى تتصور فى انسان بعد طريان الموت عليه... (صـ۳۰) فيزعم بعض الناس انها عين الحياة الدنيوية التى عاشوا بها قبل وفاتهم سواء بسواء والحق انه لا يقول احد باثبات الحياة للانبياء بعدوفاتهم بهذا المعنى وانما المقصود حياتهم بمعنى ان لارواحهم تعلقا قويا باجسادهم الشريفة المدفونة فى القبور وبهذا التعلق القوى حدثت لاجسادهم الخصائص كثيرة من خصائص الاحياء مثل سماع السلام ورده واشتغالهم بالعبادة و مالى ذلك من خصائص المنصوصة... (صـ۳۱) وان هذه العلاقة القوية قد اثرت على بعض الاحكام الدنيوية ايضا فلا تقسم اموالهم بين ورثتهم ولا يجوز لاحد أن ينكح ازواجهم بعد وفاتهم...(صـ۳۰) ولا يقول احدمن اهل الحق بنسبة جميع الخصائص التى تثبت لهم فى حياتهم السابقه على وفاتهم۔

ويقول العلامة السبكى رحمه الله فى شفاء الاسقام(صـ۱۹۱) ولا يلزم من كونها (اى الحياة) حقيقية ان تكون الابدان معها كما كانت فى الدنيا من الاحتياج الى الطعام والشراب، والامتناع عن النفوذ فى الحجاب الكثيف وغيرذلك من صفات الاجسام التى نشاهدها بل قد يكون لها حكم آخر'' (صـ۳۲) اما الخوض فى كنه احوال البرزخ والسعى فى ادراك حقيقة تعلق الروح بالجسد او المشاحة فى الاصطلاحات فى تسمية هذه العلاقة بالحياة الجسمانية اوبالحياة البرزخية...

فلیس من مهامّ اهل الحق ولا من طریق اهل العلم... (ص۳۰) وبالجملة فان هذه الاحادیث مع حدیث الباب تدل علی کون الانبیاء احیاء بعد وفاتهم وهو من عقائد جمهور اهل السنة والجماعة...

وفی المرقاة (۱۱/۱۴۳): ان الانبیاء لایموتون کسائر الاحیاء بل ینتقلون من دار الفناء الی دار البقاء وقد وردبه الاحادیث والانباء وانهم احیاء فی قبورهم فانهم افضل من الشهداء وهم احیاء عند ربهم۔

(۶۶) آپ علیہ الصلوٰۃ والسلام کی پسندیدہ چیز کو استہزاءً ناپسندیدہ کہنا

سؤال

کیا فرماتے ہیں علماء کرام ومفتیان عظام اس مسئلہ کے بارے میں کہ جس چیز کے بارے میں حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ مجھے فلاں چیز پسند ہے اگر اس پر کوئی شخص یوں کہے کہ جو چیز آپ کو پسند ہے وہ مجھے پسند نہیں اور یہ بات استہزاء کرتے ہوئے کہتا ہے ایسے شخص کے بارے میں کیا حکم ہے؟

الجواب بعون الملک الوھاب

اگر کوئی شخص استہزاء کرتے ہوئے مذکورہ بالا الفاظ کہے تو وہ دائرہ اسلام سے خارج ہوجاتا ہے۔

لمافی البحر الرائق (۵/۱۳۱): ویکفر... بقوله انالااحبه حین قیل له ان النبی ﷺ کان یحب القرع وقیل ان کان علی وجه الاهانة۔

وفی الهندیة (۲/۲۶۵): ولو قال رجل مع غیره کان رسول الله ﷺ یحب کذا بان قال مثلا کان یحب القرع فقال ذلك الغیر انالااحبه فهذا کفر وهکذا روی عن ابی یوسف رحمه الله تعالی ایضا وبعض المتاخرین قالوا اذا قال ذلك علی وجه الاهانة کان کفراوبدونه لایکون کفر۔

(۶۷) یوں کہنا کہ گانا سننے سے سکون ملتا ہے

سؤال

کیا فرماتے ہیں علماء کرام ومفتیان عظام اس مسئلہ کے بارے میں کہ ایک آدمی کہتا ہے کہ چلو یار گانے سنتے ہیں تا کہ دل

کو سکون ہو جائے۔ اسی طرح گانے سن کر مزے لیتا ہے یعنی خوش ہو کر سنتا ہے، ایسے شخص کا کیا حکم ہے؟

الجواب بعون الملک الوھاب

صورت مسئولہ میں ایسا شخص حرام کے ارتکاب کی وجہ سے سخت گناہگار ہے جس سے اجتناب لازم ہے۔

لمافی خلاصة الفتاوی (۴/۳۴۵): استماع صوت الملاهی كالضرب بالقصب وغيره حرام لانه من الملاهی وقال عليه الصلوة والسلام استماع الملاهی معصية والجلوس عليها فسوق والتلذذ بها من الكفر هذا على وجه التهديد۔

وفی الدرالمختار (۶/۳۴۹): استماع صوت الملاهی كضرب قصب ونحوه حرام لقوله عليه السلام استماع الملاهی معصية والجلوس عليها فسق والتلذذ بها كفر ای بالنعمة ......فالواجب كل الواجب ان يجتنب كی لايسمع۔

(۶۸) موسیقی کے ساتھ نعت پڑھنا کیسا ہے؟

سؤال

کیا فرماتے ہیں علماء کرام ومفتیان عظام اس مسئلہ کے بارے میں کہ آج کل چند نعتیں بہت زیادہ رائج ہیں جس میں نعت کے ساتھ موسیقی بھی شامل ہوتی ہے، کیا اس طرح گانوں کی طرز پر موسیقی کے ساتھ نعت پڑھنا جائز ہے؟ احادیث کی روشنی میں جواب عنایت فرمائیں۔

الجواب بعون الملک الوھاب

شریعت مطہرہ نے موسیقی سے منع فرمایا ہے۔ چنانچہ اس کی ممانعت کس قدر سختی سے کی گئی اس کا اندازہ اس واقعہ سے بخوبی ہو سکتا ہے، ایک مرتبہ حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہ کہیں تشریف لے جا رہے تھے کہ راستے میں طبل کی آواز آنا شروع ہوگئی آپ رضی اللہ عنہ نے اپنے کانوں میں انگلیاں ڈال لیں تاکہ یہ آواز غیر اختیاری طور پر بھی آپ کے کانوں میں نہ پڑے، پھر آپ وہاں سے ہٹ گئے اور تین دفعہ ایسا ہی کیا پھر فرمایا کہ نبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے بھی اسی طرح کیا تھا۔ کیا یہ واقعہ اس بات پر دلالت کرنے کیلئے کافی نہیں ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اور ان کے صحابہ رضوان اللہ علیہم اجمعین کو موسیقی سے کس قدر نفرت تھی۔

اس کے علاوہ ایک روایت میں فرمایا کہ جب میری امت پندرہ چیزوں میں مبتلا ہو جائے گی تو ان میں مصائب کا نزول شروع ہو جائے گا ان چیزوں میں سے ایک چیز آپ نے یہ بھی ذکر فرمائی کہ جب ان میں گانے والیاں اور آلات موسیقی عام ہو جائیں گے۔

اب اس کے بعد ہر صاحب بصیرت شخص یہ فیصلہ کر سکتا ہے کہ جس چیز سے آپ کو اس قدر نفرت تھی کہ آپ اس کی آواز سننا پسند نہیں فرماتے

تھے تو اب اگر اسی کے ساتھ آپ کا ذکر مبارک کیا جائے اور اسے ثواب بھی گردانا جائے تو اس سے بڑھ کر اور حماقت کیا ہوگی۔ یہی وجہ ہے کہ ملا علی قاری رحمۃ اللہ علیہ نے اپنی کتاب شرح فقہ اکبر میں احناف کی کتب کے حوالے سے یہ جزئیہ نقل کیا ہے:

من قرأ القرآن علی ضرب الدف والقضیب یکفر (ص ۱۶۷)

(جو شخص کلام مقدس کو دف یا بانسری پر پڑھے وہ کافر ہے)

اس کے بعد اپنا فتوی نقل کرتے ہوئے ملا علی قاری حنفی فرماتے ہیں:

قلت !ویقرب منه ضرب الدف والقضیب مع ذکر الله تعالی ونعت المصطفیﷺ وکذا التصفیق علی الذکر۔

اسی (کفر) کے قریب ہے دف اور بانسری بجانا اللہ کے ذکر اور محمد ﷺ کی نعت کے ساتھ، اور یہی حکم ذکر کے ساتھ تالی بجانے کا ہے۔

یہ بات ذہن میں رہے کہ یہاں دف وغیرہ کا ذکر ہے جس کا بعض مواقع پر جواز بھی ثابت ہے، اور رہی آجکل کی موسیقی اس کے ناجائز ہونے میں تو کسی کا اختلاف بھی نہیں، اس کے بعد بھی اتنی جرأت؟ وہ ذات رؤف وکریم ہے ورنہ ہمارے اس فعل پر نہ معلوم ہمارے اوپر کیا کچھ نازل ہوجاتا اور ہم اسی کے مستحق تھے، کہ اللہ کے نبی ﷺ کا جب ہم نے سرعام مذاق اڑانا شروع کردیا آپ ہی فیصلہ کیجئے کہ یہ مذاق ہے یا نہیں؟ کہ جس چیز سے آپ منع کریں ہم نہ صرف وہی کام کریں بلکہ اسے علی الاعلان کرتے ہوئے اس پر یہ بھی سمجھیں کہ ہمیں اس پر ثواب بھی مل رہا ہے، تعجب ہے مسلمانوں کی سوچ پر کہ نہ معلوم انہیں کیا ہوگیا ہے کہ العیاذ باللہ اپنے نبی ﷺ کی نافرمانی کو انہوں نے فرمانبرداری سمجھ کر اس پر فخر کرنا شروع کردیا۔ اللہ تعالی ہمیں دین کی حقیقی سمجھ عطا فرمائیں۔ آمین

لما فی قوله تعالی :وَمِنَ النَّاسِ مَن يَّشْتَرِيْ لَهوَالْحَدِيْثِ لِيُضِلَّ عَنْ سَبِيْلِ اللهِ بِغَيْرِ عِلْمٍ وَّيَتَّخِذَها هزُوًا اُولٰٓئِكَ لَهمْ عَذَابٌ مُّهِيْنٌ ○ (لقمان:٦)

وفی جامع الترمذی (۲/۴۴): عن علی بن ابي طالب قال قال رسول اللهﷺ :اذا فعلت امتی خمس عشرة خصلة حل بها البلاء... واتخذت القیان والمعازف۔

وفی ابن ماجة (ص۱۳۷):حدثنا محمد بن یحی ...عن مجاهد قال کنت مع ابن عمر فسمع صوت طبل فادخل اصبعیه فی اذنیه ثم تنحی حتی فعل ذلك ثلاث مرات ثم قال هکذا فعل رسول اللهﷺ۔

وفی بدائع الصنائع (۵۱۳/۶):...دلت المسئلة علی ان مجرد الغناء معصیة وکذا الاستماع الیه وکذا ضرب القصب والاستماع الیه الا تری ان اباحنیفة رضی الله عنه سماه ابتلاء۔

وفی الدر المختار (۳۴۸/٦): وفی السراج ودلت المسئلة ان الملاهی کلها حرام ویدخل علیهم

بلاانہم لانکار المنکر قال ابن مسعود صوت اللھو والغناء ینبت النفاق فی القلب کما ینبت الماء النبات۔

(۶۹) کسی ہندو کو کافر کہنا

سؤال

کیافرماتے ہیں علماء کرام ومفتیان عظام اس مسئلہ کے بارے میں کہ زید کے گاؤں میں تین چار ہندو رہتے ہیں اور وہ لوگ زید کے گاؤں والوں سے برابر کے تعلقات رکھتے ہیں۔ان ہندوؤں کو کافر کہنا کیسا ہے؟

الجواب بعون الملک الوھاب

صورت مسئولہ میں اگر یہ ہندو کافر کہنے کو برا اور ہتک آمیز محسوس کرتے ہوں تو ان کو کافر کہہ کر مخاطب کرنا جائز نہیں ہے۔

لمافی الھندیة (۳۴۸/۵): لوقال لیھودی او مجوسی یاکافر یأثم ان شق علیه۔

وھکذا فی الدر المختار (۴/۷۶)

(۷۰) یوں کہنا کہ ان شاء اللہ نہیں جانتا

سؤال

کیافرماتے ہیں علماء کرام ومفتیانِ عظام اس مسئلہ کے بارے میں کہ ایک شخص اپنے ماتحت سے کہتا ہے کہ یہ کام کردینا اور وہ کہتا ہے کہ (OK) ان شاء اللہ یعنی ٹھیک ہے جناب ان شاء اللہ اس پر موصوف غصے میں آجاتا ہے اور کہتا ہے کہ میں ان شاء اللہ نہیں جانتا بس یہ کام ہونا چاہیئے ایسا جملہ ادا کرنے والے کا کیا حکم ہے؟

الجواب بعون الملک الوھاب

صورت مسئولہ میں شریعتِ مطہرہ نے بعض امور اور الفاظ کو اگرچہ نیت کچھ بھی ہو کفر قرار دیا ہے وہ امور جو ضروریاتِ دین میں سے ہیں ان کا انکار یا استہزاء علی الاطلاق کفر ہے چاہے غصے میں کیا جائے یا عام حالات میں۔منح الروض الازہر میں تحریر ہے:

"ثم اعلم انه إذا تكلم بكلمة الكفر عالما بمعناها ولا يعتقد معناها لكن صدرت عنه من غير اكراه بل مع طواعية فی تاديته فانه يحكم عليه بالكفر بناء على القول المختار ......اما اذا تكلم بكلمة ولم يدر انها كلمة كفر ففی فتاوی قاضی خان حكاية خلاف من غير ترجيح حيث

قال: قیل لا یکفر لعذرہ بالجھل وقیل یکفر ولا یعذر بالجھل، اقول والاظھر الاول إلا إذا کان من قبیل ما یعلم من الدین بالضرورۃ فانہ حینئذ یکفر ولا یعذر بالجھل (منح الروض ۴۵۱)

"پھر جان لو کہ اگر کوئی شخص کلمہ کفر بکتا ہے اور وہ اس کا معنی سمجھتا ہو لیکن اس کا اعتقاد بولتے وقت وہ نہ ہو البتہ بولتے وقت اس پر کوئی جبر بھی نہ ہو بلکہ بالکل خوشدلی سے وہ یہ کلمات کہے تو ایسے شخص پر کفر کا فتویٰ لگایا جائے گا مختار قول کے مطابق .... اور جب کوئی شخص کلمہ کفر بکے لیکن اسے معلوم نہ ہو کہ یہ کلمہ کفر ہے تو خانیہ میں اختلاف بغیر ترجیح کے ذکر ہے انہوں نے تحریر فرمایا ہے کہ: ایک قول عدم تکفیر کا ہے کیونکہ وہ معذور ہے اور ایک قول تکفیر کا ہے اور اس کی جہالت کو عذر نہیں گردانا جائے گا۔ میں کہتا ہوں زیادہ ظاہر پہلا قول (عدم تکفیر) کا ہے اِلّا یہ کہ وہ بات ضروریات دین میں سے ہو کیونکہ ضروریاتِ دین میں سے ہونے کی صورت میں تکفیر لامحالہ کی جائے گی اور جہالت کو عذر شمار نہیں کیا جائے گا۔"

لہٰذا صورت مسئولہ میں سیٹھ صاحب کا یوں کہنا "ان شاء اللہ نہیں جانتا" یہ ایک بدیہی چیز کا انکار ہے جو بتصریحِ فقہاء موجبِ کفر ہے لہٰذا ایسا شخص دائرہ اسلام سے خارج ہو گیا اس شخص کو تجدیدِ ایمان اور شادی شدہ ہونے کی صورت میں تجدیدِ نکاح بھی کر لینی چاہیئے۔

لما فی التاتارخانیہ (۴٦٦/۵): ''ولو قال لغیرہ إن شاء اللہ کہ فلاں کار بکنی فقال بی ان شاء اللہ بکنم یکفر'' ھکذا ایضا فی الھندیۃ (۲٦۱/۲)

(۷۱) یوں کہنا: میں اللہ اور قرآن کو نہیں مانتا

سؤال

کیا فرماتے ہیں علماء کرام ومفتیان عظام اس مسئلہ کے بارے میں کہ دو آدمی کسی کے کام کرنے اور نہ کرنے کے بارے میں آپس میں بحث ومباحثہ کر رہے تھے کہ ایک نے اللہ اور قرآن مجید کی قسم کھائی، جبکہ دوسرا شخص کہنے لگا کہ میں اللہ اور قرآن کو نہیں مانتا (العیاذ باللہ) تو کیا ان الفاظ سے اس کے ایمان پر کوئی اثر پڑا یا نہیں؟ قرآن وحدیث کی روشنی میں راہنمائی فرمائیں۔

الجواب بعون الملک الوھاب

اللہ تعالیٰ اور کلام مقدس کا انکار کفر ہے، لہٰذا یہ شخص ان کے انکار سے کافر ہو گیا اسے تجدید ایمان اور تجدید نکاح کرنا چاہیئے اور اپنے اس فعل قبیح پر اللہ تعالیٰ جل شانہ کے حضور استغفار کے ساتھ ساتھ آئندہ اس طرح کے کلام سے احتراز کرنا چاہیئے۔

لما فی البحر الرائق (۱۲۲/۵): ویکفر اذا انکر آیۃ من القرآن او سخر بآیۃ منہ...

وفیہ ایضاً (۱۲۰/۵): فیکفر اذا وصف اللہ بما لا یلیق بہ او سخر باسم من اسمائہٖ او بامر من اوامرہ او انکر وعدہ او وعیدہ او جعل لہ شریکا...

وفی قاضی خان علی ہامش الهندية (٥٧٣/٣): رجل كفر بلسانه طائعا وقلبه على الايمان يكون كافرا ولا يكون عندالله تعالى مؤمنا۔

وفيه ايضاً (٥٨١/٣): اجمع اصحابنا على ان الردة تبطل عصمة النكاح وتقع الفرقة بينهما بنفس الردة ...

وفى الخلاصة (٣٨٣/٤): ومنها ان ردة احد الزوجين يوجب البينونة بينهما فى الحال بدون قضاء القاضی ... اذا وصف الله تعالى بما لايليق به اوسخر باسم الله او بامر من اوامره او انكر وعده اووعيده۔

وفى الهندية (٢٥٨/٢): يكفر اذا وصف الله تعالى بما لايليق به اوسخر باسم من اسمائه او بامر من اوامره اوانكر وعده ووعيده...

وفيه ايضاً(٢٦٦/٢): اذا انكر الرجل آية من القرآن او تسخر بآية من القرآن وفى الخزانة اوعاب كفر...

وفيه ايضاً(٢٨٣/٢): رجل كفر بلسانه طائعا وقلبه مطمئن بالايمان يكون كافرا ولا يكون عندالله مؤمنا۔

وفى الدرالمختار (١٩٣/٣): (وارتداد احدهما) اى الزوجين (فسخ) فلا ينقص عدداً (عاجل) بلا قضاء۔

وفيه ايضاً (٢٤٦/٤): مايكون كفرا اتفاقا يبطل العمل والنكاح واولاده اولاد زنا ومافيه خلاف يومر بالاستغفار والتوبة وتجديد النكاح۔

(٧٢) مذاقاً سوال کرنا کہ کیا تمہارے نبی نے شراب پی؟

سؤال

کیا فرماتے ہیں علماء کرام ومفتیان عظام اس مسئلہ کے بارے میں کہ ایک شخص نے مذاق میں سوال کیا کہ ”کیا تمہارے نبی نے شراب پی ہے؟“ (العیاذ باللہ) بعد میں سب کے زور دینے پر کلمہ پڑھ لیا۔ ایسے شخص کے بارے میں کیا حکم ہے؟

الجواب بعون الملک الوھاب

صورت مسئولہ میں مذکورہ شخص مذاق واستخفاف کی وجہ سے دائرہ اسلام سے خارج ہوگیا۔ بعد میں اگر تجدید ایمان کرلیا ہے تو

صحیح ہے اور اگر شادی شدہ ہو تو تجدید نکاح بھی ضروری ہے۔

لمافی الهندية (۲/۲۶۳): سئل عمن ینسب الی الانبیاء الفواحش کعزمهم علی الزنا ونحوه .... یکفر لانه شتم لهم واستخفاف بهم ......وقال مع ذلك ان الانبیاء علیهم السلام عصوا فکافر لانه شاتم۔

وفی ردالمحتار (۴/۲۲۴): ایمارجل مسلم سب رسول الله اوکذبه او عابه او تنقصه فقد کفر بالله تعالی وبانت منه امرأته۔

(۷۳)"اگر میں نے یہ کام کیا تو میں امت محمدیہ میں سے نہیں" کہنے کا حکم

سؤال

کیا فرماتے ہیں علمائے کرام ومفتیان عظام اس مسئلہ کے بارے میں کہ ایک شخص نے کہا کہ اگر میں نے یہ کام کیا تو میں امت محمدیہ میں سے نہیں پھر اس نے وہ کام کر بھی لیا۔ اب آپ یہ بتائیں کہ یہ قسم ہے کہ وہ حانث ہو چکا ہے، اس کام کے کرنے کی بناء پر یا یہ الفاظ کفر ہیں کہ اس کام کے کرنے کی بناء پر اس کا ایمان ختم ہو گیا ہے؟

الجواب بعون الملک الوھاب

صورت مسئولہ میں مذکورہ شخص نے جب قسم اٹھائی کہ اگر میں فلاں کام کروں تو میں امت محمدیہ میں سے نہیں اگر حالف کو یہ یقین ہو کہ اس طرح کی قسم اٹھانے سے وہ یمین (قسم) منعقد ہوتی ہے پھر بعد میں محلوف علیہ کو کر لیتا ہے تو صرف کفارہ یمین دینا پڑے گا حانث ہونے کی صورت میں دائرہ اسلام سے خارج نہیں ہوگا۔

لیکن حالف (قسم اٹھانے والے کو) یہ معلوم نہیں ہے کہ اس طرح قسم اٹھانے سے یمین واقع ہوتی ہے اب اگر بعد میں محلوف علیہ کو کر لیتا ہے تو ایسی صورت میں دائرہ اسلام سے خارج ہو جائے گا۔ البتہ کام کرنے سے پہلے یہ قسم موجب کفر نہیں۔

لمافی الشامية (۶/۷۱۸) کتاب الایمان: والقسم ایضا بقوله ان فعل کذا فهو کافر...... و اختلف فی کفره والاصح ان الحالف لم یکفر سواءً علقه بماض او آتٍ وهو الصحیح ان کان عنده فی اعتقاده انه یمین وان کان جاهلاً وعنده انه یکفر فی الحلف بالغموس وبمباشرة الشرط فی المستقبل یکفر فیهما لرضاه بالکفر۔

قوله وعنده انه یکفر وعبارة الفتح وان کان فی اعتقاده انه یکفر به یکفر لانه رضی بالکفر حیث اقدم علی الفعل الذی علق علیه کفره وهو یعتقد انه یکفر اذا فعله۔

(۷۴) چند شرکیہ اشعار

سؤال

کیافرماتے ہیں علماء کرام ومفتیان عظام اس مسئلہ کے بارے میں کہ ایک شخص جو کہ اپنے آپ کوصوفی اور فنافی اللہ کہتا ہے نے یوں کہا کہ ؂

قطرہ دریا میں گر کر فنا ہوگیا   بندہ وجد میں جاکر خدا ہوگیا

''خداتعالی ازل سے وحدہ لاشریک تھالیکن بعد میں اس نے اپنے روبروآئینہ دیکھا پھر خدا جیسا کہ ایک دوسرا ہوگیا (العیاذ باللہ) ایسے شخص کا کیا حکم ہے؟

الجواب بعون الملک الوهاب

صورت مسئولہ میں مذکورہ کلمات شرکیہ ہیں اور ایسا اعتقاد رکھنا کفر اور ان کلمات کا پڑھنا حرام ہے۔

لمافی قوله تعالی: هوَاللهُ الَّذِیْ لَآاِلٰهَ اِلَّاهوَ ج (الحشر:٢٣) قُلْ هوَ اللهُ اَحَدٌ (الاخلاص:١) اِنَّ اللهَ لَايَغْفِرُ اَنْ يُّشْرَكَ بِهٖ وَيَغْفِرُ مَادُوْنَ ذٰلِكَ لِمَنْ يَّشَآءُ ج (النساء :٤٨)

(۷۵) انامؤمن حقا اور انامؤمن انشاء اللہ کہنا

سؤال

کیافرماتے ہیں علماء کرام ومفتیان عظام اس مسئلہ کے بارے میں کہ اگر کوئی شخص یوں کہے کہ انا مؤمن حقا اور انا مؤمن انشاء اللہ۔ یہ دونوں قول کہنا صحیح ہے یا صحیح نہیں ہے؟ اور کس مذہب کے مطابق صحیح ہے؟

الجواب بعون الملک الوهاب

صورت مسئولہ میں اگر کوئی شخص انا مؤمن حقا کہے تو عندالاحناف اس طرح کہنا درست ہے جبکہ شوافع کے نزدیک درست نہیں۔ اور انا مؤمن انشاء اللہ کہا تو اگر ایمان میں شک کی وجہ سے کہے تو دائرہ اسلام سے خارج ہوجائے گا لیکن اگر اس وجہ سے کہے کہ معلوم نہیں دنیا سے جاتے وقت میرا کیا حال ہوگا، یا کسی اور ایسی ہی تاویل کی بنیاد پر کہے تو اس میں کوئی حرج نہیں۔

لمافی التاتارخانية (٥٣٣/٥): فاما الاستثناء فی الایمان هل هو شك ام لا قال بعض الفقهاء: ان هذا شك فی الایمان وقال بعضهم لیس بشك وصورة الاستثناء ان یقول انا مومن

انشاء الله وهذا هوالمذهب عند الشافعی وقال ابوحنیفة ینبغی ان یقول انامؤمن حقا وهذا هوالاصح۔ وقال بعضهم لاخلاف فی المسألة لان الشافعی قال انا مؤمن انشاء الله علی وجه الخوف وقال ابوحنیفة انا مومن حقا علی وجه حسن الظن بالله تعالی۔

وفی خلاصة الفتاوی (۳۸۶/۴): رجل قال انا مؤمن انشاء الله یکفر ان قال من غیرتاویل ولوقال لاادری اخرج من الدنیا مؤمنااولالایکفر۔ (وهکذافی الهندیة (۲۵۷/۲)

(۷۶) ''فلاں کاچہرہ ملک الموت کے چہرے کی طرح ہے'' کہنے کاحکم

سؤال

کیافرماتے ہیں علمائے کرام ومفتیان عظام اس مسئلہ کے بارے میں کہ زیداور عمردونوں میں آپس میں دشمنی ہےایک روززید نے یوں کہاکہ عمر کے چہرےکوتو میں ملک الموت (موت کےفرشتے) کے چہرے کی طرح سمجھتاہوں۔آیااس طرح کہنے سے زید کافرہوگایانہیں؟

الجواب بعون الملک الوھاب

صورت مسئولہ میں اگرزید نے یہ جملہ بوجہ موت کی ناگواری کے کہاہےتواس صورت میں وہ کافرنہیں ہوگا۔اوراگرملک الموت (موت کےفرشتے) کی اہانت کےطور پرکہاہےتوکافرہوجائے گا۔

لمافی التاتارخانیة (۴۸۹/۵): اذا قال لغیره رؤیتی ایاك کرؤیة ملك الموت هذا خطأعظیم وهل یکفر هذا لقائل ؟ فیه اختلاف ...... وقال بعضهم : ان قال ذلك لعداوة ملك الموت یصیر کافراوان قال لکراهة الموت لایصیر کافرا۔

وهکذا فی الهندیة (۲۶۶/۲)

(۷۷) اللہ تعالیٰ کیلئے کسی جگہ یامکان میں ہونے کے اعتقادکاحکم

سؤال

کیافرماتے ہیں علمائے کرام ومفتیان عظام اس مسئلہ کے بارے میں کہ ایک شخص اللہ رب العزت کیلئے مکان کوثابت کرتاہے اور کہتاہےکہ اللہ تعالیٰ آسمان میں عرش پرہیں یااس پربیٹھے ہوئے ہیں ایسے شخص کے بارے میں کیاحکم ہے؟

الجواب بعون الملک الوھاب

اگرکوئی شخص اللہ رب العزت کیلئے مخصوص مکان کوثابت کرےاوراس کااعتقادرکھےتووہ کافرہےاوردائرہ اسلام سےخارج

ہے چاہے یہ اعتقاد رکھے کہ اللہ تعالیٰ عرش پر ہیں یا آسمانوں پر ہیں یا اس کے علاوہ کسی اور جگہ۔

لمافی التاتارخانية (۵/۴۶۴): اذا قال الله تعالى فی السماء عالم ان اراد به المكان كفر وان اراد به الحكاية عماجاء فی ظاهر الاخبار لايكفر وان لم تكن له نية يكفر عنداكثرهم۔ وفی التخيير وهوالاصح وعليه الفتوى۔ وهكذا فی الهندية (۲/۲۵۹)

(۷۸) ”اسلامی معاشی نظام، معاشی ترقی سے روکتا ہے“ یہ کہنے والے کا حکم

سؤال

کیا فرماتے ہیں علمائے کرام ومفتیان عظام اس مسئلہ کے بارے میں کہ بعض مسلمان کہتے ہیں کہ ڈیموکریسی کا نظام انسانوں کی اقتصادی ضروریات کو متضمن ہے اور اس میں انسان ترقی کے اعلیٰ مرتبہ پر فائز ہوجاتا ہے اور اسلامی نظام ترقی سے روکتا ہے معیشت میں کیونکہ شریعت نے بہت سارے تصرفات سے منع کیا ہے شریعت کا کیا حکم ہے اس شخص کے بارے میں؟

الجواب بعون الملک الوهاب

صورت مسئولہ میں مذکورہ شخص کا قول اگر ظاہر پر مبنی ہو بایں معنی کہ ظاہری طور پر ڈیموکریسی کے نظام کو دیکھ کر یہ بات کہہ رہا ہوں تو ایسا شخص فاسق وفاجر شمار ہوگا اور اگر وہ اعتقاد کے اعتبار سے ایسا کہہ رہا ہو بایں معنی کہ اسلامی نظام انسان کی معاشی ضروریات کو پورا نہیں کرتا ہے اور یہ ایک ناقص نظام ہے تو ایسا شخص کافر ہوجائے گا اور دائرہ اسلام سے خارج ہوگا۔

لمافی قوله تعالى (آل عمران :۸۵): وَمَن يَبْتَغِ غَيْرَ الإِسْلاَمِ دِينًا فَلَن يُقْبَلَ مِنْهُ وَهُوَ فِي الآخِرَةِ مِنَ الْخَسِرِيْنَ

(آل عمران:۱۹): إِنَّ الدِّينَ عِندَ اللهِ الإِسْلاَمُ

(المائده : ۳):الْيَوْمَ أَكْمَلْتُ لَكُمْ دِينَكُمْ وَأَتْمَمْتُ عَلَيْكُمْ نِعْمَتِي وَرَضِيتُ لَكُمُ الإِسْلاَمَ دِينًا فَمَنِ اضْطُرَّ فِي مَخْمَصَةٍ غَيْرَ مُتَجَانِفٍ لِّإِثْمٍ فَإِنَّ اللهَ غَفُورٌ رَّحِيمٌ

(۷۹) توہین رسالت کا ارتکاب کرنے والا

سؤال

کیا فرماتے ہیں علماء کرام ومفتیان عظام اس مسئلہ کے بارے میں کہ اگر کوئی شخص توہین رسالت کا مرتکب ہو تو ایسے شخص کا کیا حکم ہے؟

الجواب بعون الملک الوھاب

توہین رسالت کا مرتکب دائرہ اسلام سے خارج ہو جاتا ہے لہٰذا اگر ایسا شخص توبہ کر لے اور تجدید ایمان کر لے تو ٹھیک ورنہ ایسا شخص واجب القتل ہے۔

لمافی التاتارخانية (۴۷۷/۵): من لم يقر ببعض الانبياء عليهم السلام اوعاب نبيا بشئ اولم يرض بسنة من سنن المرسلين عليهم السلام فقد كفر۔

وفى الهندية (۲۶۳/۲): من لم يقر ببعض الانبياء عليهم السلام اولم يرض بسنة من سنن المرسلين فقد كفر . . . قال ابوحفص الكبير كل من ارادبقلبه بغض نبى كفر۔

(۸۰) یوں کہنا کہ اگر اللہ خود بھی منع کرے تو ہم نہیں مانیں گے

سؤال

کیا فرماتے ہیں علماء کرام اس مسئلہ کے بارے میں کہ ایک مجمع مسجد کے قریب بیٹھا ٹی وی دیکھ رہا تھا ایک عالم وہاں سے گزرے تو انہوں نے ان لوگوں کو منع کیا اور کہا کہ کم از کم نماز کے اوقات میں ٹی وی بند کر دیا کرو لیکن وہاں سے ایک شخص کھڑا ہوا اور کہنے لگا کہ مولوی صاحب رہنے دو اگر اللہ خود بھی منع کرے تو ہم بند نہیں کریں گے (العیاذ باللہ) ایسے شخص کا کیا حکم ہے؟

الجواب بعون الملک الوھاب

صورت مسئولہ میں ایسا شخص دائرہ اسلام سے خارج ہو گیا۔ اسے تجدید ایمان اور شادی شدہ ہونے کی صورت میں تجدید نکاح کرنا ضروری ہے۔

لمافی التاتارخانية (۴۸۵/۵): اذا قال لوامرنى الله تعالى بكذا لم افعل اوقال لوصارت القبلة الى هذه الجهة ماصليت فقد كفر۔ وفى الهندية هكذا (۲۵۸/۲)

(۸۱) شرعی قانون وراثت کا انکار کرنا

سؤال

کیا فرماتے ہیں علماء کرام ومفتیان عظام اس مسئلہ کے بارے میں کہ ہمارے علاقے میں ایک پورا خاندان مسلمان ہوا اور اب وہ تمام احکام شریعت کو تسلیم کرتا ہے لیکن شرعی قانون وراثت کو تسلیم نہیں کرتا بلکہ ان کا کہنا یہ ہے کہ ہم اپنے آباء واجداد کے قانون

وراثت کونہیں چھوڑ سکتے تو ایسی جماعت کے بارے میں شریعت کا کیا حکم ہے؟

الجواب بعون الملک الوھاب

صورت مسئولہ میں یہ نومسلم جماعت ایک ایسے حکم کا انکار کررہی ہے جس کا حکم قرآن وسنت میں صراحۃً موجود ہے اور ہر خاص وعام جانتا ہے کہ شریعت کا اپنا قانون وراثت ہے گویا شرعی قانون وراثت کا انکار ماعلم من الدین ضرورۃً کا انکار ہے لہٰذا ایسی جماعت کو ابتداء سمجھایا جائے، اگر تسلیم کرلیں تو ٹھیک ورنہ یہ جماعت دائرہ اسلام سے خارج سمجھی جائے گی۔

لمافی الھندیة (٢/٢٦٦): اذا أنکر الرجل آیة من القرآن تسخر بآیة من القرآن وفی الخزانة اوعاب کفر کذا فی التاتارخانیة۔

وفی الدرالمختار مع ردالمحتار (٤/٢٢٣): والکفر لغة ستر وشرعا تکذیبه ﷺ فی شئ مما جاء به من الدین ضرورة۔

وفی الشامیة تحته: المراد بالتکذیب عدم التصدیق الذی مرأی عدم الاذعان والقبول لماعلم مجیئه بها ضرورةً ای علما ضروریا لایتوقف علی نظر واستدلال ......واما اذلم یبلغ حد الضرورة کاستحقاق بنت الابن السدس مع البنت باجماع المسلمین فظاهر کلام الحنفیة الاکفار بجحده۔

(٨٢) کافر کو کافر کہنا

سؤال

کیافرماتے ہیں علماء کرام ومفتیان عظام اس مسئلہ کے بارے میں کہ کافر کو کافر کہنا ازروئے شرع کیسا ہے۔ جائز ہے یا نہیں؟

الجواب بعون الملک الوھاب

اگر کافر کو کافر کہنا ناگوار گزرتا ہو تو جائز نہیں۔

لمافی الھندیة (٥/٣٤٨): لوقال لیهودی اومجوسی یاکافر یأثم ان شق علیه۔

وفی الدرالمختار (٤/٧٦): وفی القنیة قال لیهودی او مجوسی یاکافر یأثم ان شق علیه۔

(۸۳) یارسول اللہ مدد، یاعلی مدد اور یاعلی مشکل کشا کہنا

سؤال

کیافرماتے ہیں علماء کرام ومفتیان عظام اس مسئلہ کے بارے میں کہ اگر کوئی شخص یارسول اللہ مدد کہے یاعلی مدد کہے اسی طرح علی مشکل کشا کے نعرے لگائے تو ایسے شخص کا کیا حکم ہے؟ نیز اگر ماتحت الاسباب ایسے الفاظ سے پکارے تو اس کا کیا حکم ہوگا؟ مدلل جواب عنایت فرمائیں۔

الجواب بعون الملک الوهاب

جواب سے پہلے ضروری تمہید کے طور پر عرض ہے کہ کفریہ وشرکیہ الفاظ کی دوقسمیں ہیں: ایک قسم یہ ہے کہ ان میں کسی قسم کی تاویل ممکن ہو، دوسرے یہ کہ ان میں کسی قسم کی تاویل ممکن نہ ہو۔ اگر قائل کا قول ایسا صریح ہے کہ اس میں کسی طرح تاویل کی گنجائش نہیں تو اس صورت میں کسی طرح کی تاویل اس کو کفر سے نہیں بچاسکے گی۔ اس لئے کہ ضروریات دین میں تاویل سے کفر سے نہیں بچا جاسکتا۔ اور اگر وہ قول ایسا ہے کہ اس میں تاویل ممکن ہے اور متکلم سے جب اس کی مراد معلوم کی جاتی ہے تو وہ کفر صریح کے بجائے کسی بدعقیدگی یا جاہلانہ عقیدے پر دلالت کرتی ہے تو ایسے شخص کے بارے میں کفر کا قول نہیں کیا جائے گا بلکہ اس کے قول میں تاویل کرلی جائے گی۔

اب مذکورہ سوال کا جواب یہ ہے کہ اگر کوئی شخص یارسول اللہ مدد، یاعلی مدد اور اس طرح کے دوسرے الفاظ غیر اللہ سے مدد مانگنے کے جواز کے عقیدے کے ساتھ کہے کہ اللہ تعالی کی طرح غیر اللہ سے بھی اسی طرح کی مدد ممکن ہے تو یہ کفر صریح ہوگا اور مذکورہ شخص دائرہ اسلام سے خارج ہوگا۔

اور اگر قائل کی مراد یہ ہے کہ ان کے واسطے سے اللہ تعالی سے مدد طلب کی جاتی ہے تو گناہ کبیرہ کا مرتکب ہوگا کیونکہ واسطہ کی صورت میں بھی خطاب اللہ تعالی کو ہی ہونا چاہیئے کیونکہ وہی ذات عالم الغیب اور عالم ماکان ومایکون ہے لیکن یہ شخص کافر نہیں سمجھا جائے گا۔

نیز جہاں تک ماتحت الاسباب اس طرح پکارنے کا تعلق ہے تو یہ صرف انکی زندگی میں ممکن تھا۔ اب ان کی حیات کے بعد ماتحت الاسباب بھی اس طرح پکارنا صحیح نہیں ہے۔

لمافی قولہ تعالی (یونس: ۱۰۶): وَلَا تَدْعُ مِنْ دُوْنِ اللّٰهِ مَالَایَنْفَعُکَ وَلَایَضُرُّکَ ۚ فَاِنْ فَعَلْتَ فَاِنَّکَ اِذاً مِّنَ الظّٰلِمِیْنَ○

(الرعد:۱۴) : لَہٗ دَعْوَۃُ الْحَقِّ ؕ وَالَّذِیْنَ یَدْعُوْنَ مِنْ دُوْنِہٖ لَایَسْتَجِیْبُوْنَ لَھُمْ بِشَیْئٍ اِلَّا کَبَاسِطِ کَفَّیْہِ اِلَی الْمَاءِ لِیَبْلُغَ فَاہُ وَمَاھُوَ بِبَالِغِہٖ ؕ

(النساء :٤٨):إِنَّ اللهَ لَا يَغْفِرُ أَنْ يُّشْرَكَ بِهٖ وَيَغْفِرُ مَادُوْنَ ذٰلِكَ لِمَنْ يَّشَآءُ ج

وفی مجموعة الفتاوی علی هامش الخلاصة (۳۳۳/۴): استفتاء سوال: گفتن یارسول الله ویاولی جائز است یانه؟ ......و گفتن یارسول الله ویاولی الله که عادت هندیان است که در نشست وبرخاست میگویند نزد فقهاء حنفیان ناجائز است۔

وفی فتاوی اللجنة الدائمة (۹۷/۱): نداء الانسان رسول اللهﷺ اوغیره کعبدالقادر الجیلانی اواحمد التیجانی عندالقیام أوالقعود والاستعانة بهم فی ذلك اونحوه لجلب نفع اودفع ضر نوع من انواع الشرك الاکبر۔

(۸۴) عامل یا نجومی سے چور متعین کروانا

سؤال

کیافرماتے ہیں علماء کرام ومفتیان عظام اس مسئلہ کے بارے میں کہ اگر کسی شخص کا کوئی نقصان مثلاً چوری وغیرہ ہوجائے تو وہ شخص کسی عامل یا نجومی وغیرہ کے پاس جاتا ہے اور پھر نجومی یا عامل جس شخص کے بارے میں اپنے شک کا اظہار کرتا ہے تو یہ شخص اس کے کہنے کی بناء پر اس شخص سے اپنا نقصان وصول کرنے کا تقاضا کرتا ہے۔تو آیا اس شخص کا اس نجومی یا عامل کی خبر پر اعتماد کرنا اور متعین کئے گئے شخص سے وصولی کا تقاضا کرنا صحیح ہے یانہیں؟

الجواب بعون الملک الوھاب

صورت مسئولہ میں عامل یا نجومی کے قول پر اعتماد کر کے وصولی کا تقاضا قطعاً صحیح نہیں ہے بلکہ اس کی بات کی تصدیق کرنا کفر ہے جس سے اجتناب واجب ہے۔

لمافی المشکوة (ص۳۹۳):عن حفصة رضی الله عنها قالت قال رسول اللهﷺ : من اتی عرافا فسأله عن شئ لم یقبل له صلوة اربعین لیلة۔...... وعن ابی هریرة رضی الله عنه قال قال رسول اللهﷺ : من اتی عرافا اوکاهنا فصدقه بمایقول فقد برئ مماانزل علی محمد۔

وفی ردالمحتار (۲۴۲/۴): والحاصل ان الکاهن من یدعی معرفة الغیب باسباب وهی مختلفة ......والکل مذموم شرعامحکوم علیهم وعلی مصدقهم بالکفر.........وفی التاتارخانیة : یکفر بقوله انا اعلم المسروقات اوانااخبر عن اخبار الجن ایای۔

(۸۵) کیا آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم حاضر وناظر اور عالم الغیب تھے؟

سؤال

کیا فرماتے ہیں علماء کرام ومفتیان عظام اس مسئلہ کے بارے میں کہ ہمارے ہاں بریلوی حضرات کا عقیدہ ہے کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم حاضر وناظر اور غیب کے جاننے والے ہیں جبکہ میں نے سنا ہے کہ ان عقائد سے انسان کافر ہوجاتا ہے اور اسلام سے خارج ہوجاتا ہے۔آپ فیصلہ فرمائیں کہ کیا یہ بات صحیح ہے؟

الجواب بعون الملک الوھاب

غیب کا علم اور حاضر ناظر ہونا یہ اللہ تعالیٰ کی صفت ہے کوئی بھی شخص اگر ان صفات کا بغیر کسی تاویل یا شبہ کے کسی انسان یا مخلوق کیلئے اثبات کرتا ہے تو ایسا شخص دائرہ اسلام سے خارج ہوجائے گا اور اگر وہ کسی تاویل یا شبہ کی وجہ سے اس عقیدے کا قائل ہو تو وہ کافر تو نہ ہوگا البتہ ضال ومضل ہونے میں کوئی شبہ نہیں۔

صورت مسئولہ میں بریلوی حضرات بھی چونکہ تاویل اور نصوص کو غلط معنی دیکر ان صفات کا اثبات غیر اللہ کیلئے کرتے ہیں اس لیے علماء حق ان کی تکفیر نہیں کرتے البتہ اگر کوئی شخص بلا کسی تاویل کے اللہ تعالیٰ کی طرح کسی غیر کے عالم الغیب اور حاضر ناظر ہونے کا قائل ہو تو وہ دائرہ اسلام سے خارج ہے۔

دلائل المسئلۃ مرت سابقا فی رقم السؤال :۵۴ ، ۵۸

(۸۶) جنات کی طرف آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی بعثت کا انکار کرنا

سؤال

کیا فرماتے ہیں علمائے کرام ومفتیان عظام اس مسئلہ کے بارے میں کہ جو شخص انکار کرے اس بات کا کہ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم جنات کی طرف بھی مبعوث کیے گئے تھے آیا وہ کافر ہوگا یا نہیں؟

الجواب بعون الملک الوھاب

جو شخص جنات کی طرف آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی بعثت کا انکار کرے تو وہ کافر ہوجائے گا کیونکہ جنات کی طرف آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی بعثت کا انکار کرنا کئی آیات کے انکار کو مستلزم ہے جو کہ کفر ہے۔

لما فی قولہ تعالی (الفرقان:۱): تَبٰرَکَ الَّذِیْ نَزَّلَ الْفُرْقَانَ عَلٰی عَبْدِہٖ لِیَکُوْنَ لِلْعٰلَمِیْنَ نَذِیْراً

وفی روح المعانی (۲۳۱/۱۸) تحت هذه الآیة: والمراد بالعالمین جمع من العالمین الانس والجن ممن عاصره الی یوم القیمة ویؤیده قرأة ابن الزبیر للعالمین للجن والانس وارساله ﷺ الیهم معلوم من الدین بالضرورة فیکفر منکره۔

وفی لقط المرجان فی احکام الجان (ص۷۷): لم یخالف احد من طوائف المسلمین فی ان الله تعالی ارسل محمد ﷺ الی الانس والجن۔ وبه فسر حدیث الصحیحین بعثت الی الاحمر والاسود ...... وقال امام الحرمین فی الارشاد: قد علمنا ضرورة انه ﷺ ادعی کونه مبعوثا الی الثقلین۔

(۸۷) حالت حیض میں بیوی سے ہمبستری کرنے کو حلال سمجھنے والے کا حکم

سؤال

کیا فرماتے ہیں علمائے کرام ومفتیان عظام اس مسئلہ کے بارے میں کہ اگر کوئی شخص بیوی سے حالت حیض میں ہمبستری کرنے کو حلال سمجھے تو ایسے شخص کا کیا حکم ہے؟

الجواب بعون الملک الوهاب

جو شخص اپنی بیوی سے حالت حیض میں ہمبستری کرے اور اس بات کا اعتقاد رکھے کہ یہ حلال اور جائز ہے تو وہ کافر نہیں ہوا لیکن اس طرح کرنا مکروہ تحریمی ہے جس سے اجتناب کرنا ضروری ہے۔

لمافی الهندیة (۲۷۳/۲): لو استحل وطء امرأته الحائض یکفر وکذا لواستحل اللواطة من امرأته وفی النوادر عن محمد رحمه الله لایکفر فی المسئلتین هوالصحیح۔

وفی الدرالمختار مع ردالمحتار (۲۹۷/۱): ووطؤها یکفر مستحله کماجزم به غیر واحد ...... وقیل لایکفر فی المسئلتین وهوالصحیح وعلیه المعول لانه حرام لغیره۔ ولمایجئ فی المرتد انه لایفتی بتکفیر مسلم کان فی کفره خلاف ولو روایة ضعیفة۔

وفی الشامیة: (قوله ووطؤها) ای الحائض۔

(لانه حرام لغیره) ای حرمته لالعینه ......من اعتقد الحرام حلالا اوعلی القلب یکفر اذا کان حراما لعینه وتثبت حرمته بدلیل قطعی۔ اما اذاکان حراما لغیره بدلیل قطعی اوحراما لعینه باخبار الآحاد لایکفر اذا اعتقده حلالا۔

(۸۸) کلمات کفر کا صدور

سؤال

کیا فرماتے ہیں علماء کرام ومفتیان عظام اس مسئلہ کے بارے میں کہ اگر کوئی شخص کلمات کفر کہے مثلا اللہ تعالی نہ رزق دیتا ہے اور نہ شفاء (العیاذ باللہ) بلکہ رزق آدمی محنت سے حاصل کرتا ہے اور شفاء دوا سے ملتی ہے۔ تو ایسے شخص کا کیا حکم ہے؟

الجواب بعون الملک الوهاب

اگر کوئی شخص ایسے کلمات کفر کہے جن میں کسی طرح کی کوئی تاویل ممکن نہ ہو جیسا کہ مذکورہ بالا سوال میں ہیں تو ایسا شخص دائرہ اسلام سے خارج ہو جاتا ہے، اس پر توبہ اور تجدید اسلام ونکاح ضروری ہے۔

لمافی قوله تعالى (الذاريات:٥٨): إِنَّ اللهَ هُوَ الرَّزَّاقُ ذُو الْقُوَّةِ الْمَتِيْنُ ○

(هود:٦): وَمَا مِنْ دَابَّةٍ فِي الأَرْضِ إِلَّا عَلَى اللهِ رِزْقُهَا وَيَعْلَمُ مُسْتَقَرَّهَا وَمُسْتَوْدَعَهَا

(الشعراء:٨٠): وَإِذَا مَرِضْتُ فَهُوَ يَشْفِيْنِ ○

وفي الهندية (٢٥٧/٢): يكفر اذا وصف الله تعالى بما لا يليق به ...... او جعل له شريكا۔

(۸۹) کیا سجدہ تعظیمی کفر ہے؟

سؤال

کیا فرماتے ہیں علماء کرام ومفتیان عظام اس مسئلہ کے بارے میں کہ ہمارے بہنوئی بدعتی اور مشرک عقیدہ کے مالک ہیں، قبر پر سجدہ بھی کر لیتے ہیں، اور کہتے ہیں کہ میں سجدہ کی نیت نہیں کرتا بلکہ تعظیما جھکتا ہوں، ہماری بہن چار سال سے لڑائی جھگڑے کے بعد سے ہمارے پاس ہے اس کے دو بچے ہیں لڑکا باپ کے پاس ہے لڑکی ہمارے پاس ہے، بہنوئی نے بہن کو دو طلاقیں دینے کے بعد رجوع کر لیا تھا لیکن اس کے بعد بھی جھگڑے ہوتے رہے، اب چار سال سے بہن ہمارے پاس ہے، اب وہ بہت عاجزی سے کہہ رہے ہیں کہ بچوں کی خاطر بھیج دو جو آپ کہو گے میں ویسا کروں گا۔ معلوم یہ کرنا ہے کہ اس خراب عقیدہ کے انسان کے پاس بہن کو بھیجنا شرعا جائز ہے یا نہیں؟ اور اگر بہن کو بھیجنا ہی پڑے تو کن شرائط کے تحت بھیجیں تا کہ ہم گناہ گار نہ ہوں۔

الجواب بعون الملک الوهاب

سجدہ تعظیمی قطعی حرام ہے اس کا ارتکاب کرنے والا گناہ کبیرہ کا مرتکب ہے، رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ایسے افراد پر لعنت بھیجی ہے

جو قبروں پر سجدے کرتے ہیں، البتہ آپ کا بہنوئی اس سجدے سے کافر نہیں ہوا اس لئے اس کے ساتھ آپ کی بہن کا نکاح برقرار ہے، لہٰذا اگر وہ اپنے ان افعال قبیحہ سے توبہ واستغفار کر لیتا ہے اور اس کے خاندان کے بڑے اس کی ضمانت لیتے ہوں تو آپ اپنی بہن کو اس کے پاس بھیج دیں۔

لما فی الصحیح للبخاری (۱/۱۷۷): عن عائشة رضی الله عنها عن النبی ﷺ قال فی مرضه الذی مات فیه لعن الله الیهود والنصاریٰ اتخذوا قبور انبیائهم مساجد۔

وفی التاتارخانیة (۳/ص۵): رجل زوج ابنته من رجل ثم زعم انه تکلم بکفر وان ابنته حرمت علیه والزوج ینکر فالقول قول الزوج لانه ینکر الفرقة ولا یحل للمرأة ان تمنع نفسها منه اذا لم تکن سمعت منه کلمة الکفر فان فعلت کانت عاصیة ناشزة۔

وفی الهندیة (۵/۳۶۸): التواضع لغیر الله حرام کذا فی الملتقط من سجد للسلطان علی وجه التحیة او قبل الارض بین یدیه لا یکفر ولکن یاثم لارتکابه الکبیرة هو المختار۔

وفیه ایضاً (۲/۲۷۹): اذا سجد لانسان سجدة تحیة لا یکفر کذا فی السراجیة۔

وفی الدر المختار (۶/۳۸۳): وکذا ما یفعلونه من تقبیل الارض بین یدی العلماء والعظماء فحرام والفاعل والراضی به آثمان لانه یشبه عبادة الوثن وهل یکفر ان علی وجه العبادة والتعظیم کفر وان علی وجه التحیة لا وصار آثما مرتکبا للکبیرة. وفی الملتقط التواضع لغیر الله حرام۔

(۹۰) مسواک کا مذاق اڑانا

سؤال

کیا فرماتے ہیں علماء کرام ومفتیان عظام اس مسئلہ کے بارے میں کہ ایک شخص مسواک کر رہا تھا کہ دوسرے نے کہا یہ لکڑی کیسی ہے یا اس نے کہا کہ یہ کیا ہے۔ کیا یہ شخص اس طرح کہنے سے گناہ گار ہوگا؟

الجواب بعون الملک الوهاب

صورت مسئولہ میں اگر اس شخص کا مقصود یہ معلوم کرنا ہے کہ یہ مسواک کون سے درخت کی ہے تو اس میں کوئی حرج نہیں لیکن اگر اس طرح کے سوال سے مقصود سنت کا مذاق ہے تو اس سے یہ شخص دائرہ اسلام سے خارج ہو جائیگا۔

لما فی التاتارخانیة (۵/۴۷۷): من لم یقر ببعض الانبیاء ...... اولم یرض بسنة من سنن المرسلین

علیهم السلام فقد کفر۔

وهکذا فی الهندیة (۲/۲۶۳)

وفیه ایضا (۵/۴۸۲): قیل هذا استخفاف بسنة رسول اللهﷺ وانه کفر ...... وکذالك فی سائر السنن خصوصا فی سنة هی معروفة وثبوتها بالتواتر کالسواك وغیره۔

(۹۱) طلاق ثلاث کے منکر اور اجماعِ سکوتی کا حکم

سؤال

کیا فرماتے ہیں علماء کرام ومفتیانِ عظام اس مسئلہ کے بارے میں کہ تین طلاق کو ایک کہنے والے کا کیا حکم ہے؟ مفتی صاحب ہم نے تو سنا تھا یہ امت مسلمہ کا اجماعی مسئلہ تھا بجز چند افراد کے کسی نے اختلاف نہیں کیا تو مفتی صاحب یہ چند (خصوصاً غیر مقلدین) ان کا کیا حکم ہوگا صرف ایسے اجماعی مسائل کے انکار والے کا حکم لکھ دیں۔

الجواب بعون الملک الوھاب

جس بات پر اور جس شرعی مسئلے پر تمام صحابہ کرام رضوان اللہ علیہم اجمعین کا نصاً اجماع ہوا ہو (اس طور پر کہ تمام صحابہ کرام رضوان اللہ علیہم اجمعین نے کہہ دیا ہو کہ اس بات سے یا اس مسئلے میں ہم متفق ہیں) اور قطعی ہو تو اس کا حکم نص قرآنی کی طرح ہے اور اس کا منکر کافر ہے۔ جیسے کہ حضرت صدیق اکبر رضی اللہ عنہ کی خلافت، اور مانعین زکوۃ کے خلاف جہاد۔ اس کے علاوہ اجماع کے جتنے بھی مراتب ہیں ان کا منکر کافر تو نہیں البتہ فاسق فاجر اور گمراہ ضرور ہے۔

نیز ایک ہی مجلس میں تین طلاقوں کے تین ہونے پر اجماع نصاً نہیں بلکہ اجماع سکوتی ہے اور اجماع سکوتی کا منکر کافر اور دائرہ اسلام سے خارج تو نہیں البتہ فاسق فاجر و گمراہ اور سخت گناہ گار ہے اور اہل سنت والجماعت سے خارج ہے۔

لمافی التقریر و التحبیر، لابن امیر الحاج (۳/۱۵۱۔ ۱۵۲): مسألة انکار الاجماع القطعی، (ط دار الفکر): مسألة انکار حکم الاجماع القطعی کاجماع الصحابة بصریح القول او الفعل المنقول بالتواتر (یکفر) متعاطیه (عند الحنفیة وطائفة لان انکاره یتضمن انکار سند قاطع وهو یتضمن انکار صدق الرسول ﷺ وهو کفر ...... (وفخر الاسلام بالقطعی من اجماع الصحابة نصا کعلی خلافة ابی بکر، وقتال مانعی الزکوة ومع سکوت بعضهم، ولفظ فخر الاسلام فصار الاجماع کانه من الکتاب، وحدیث متواتر فی وجوب العمل والعلم به یکفر جاحده ...... (واما) منکر اجماع (من بعدهم) ای الصحابة (بلا سبق خلاف فیضلل) ویخطأ من غیر اکفار۔

وفی الشامية (۲۲۳/۴) کتاب الجهاد، باب المرتد، مطلب منکر الاجماع (ط سعید): ثم نقل فی نور العین عن رسالة الفاضل الشهیر حسام جلبی من عظماء علماء السلطان سلیم بن بایذ خان مانصه اذا لم یکن الاجماع اجماع الجمیع او کان ولم یکن اجماع الصحابة او کان ولم یکن اجماع جمیع الصحابة او کان اجماع جمیع الصحابة ولم یکن قطعیا بان لم یثبت بطریق التواتر او کان قطعیا لکن کان اجماعا سکوتیا ففی کل من هذه الصور لا یکون الجحود کفراً ... الخ۔

(۹۲) خلافت ابوبکر وعمر رضی اللہ عنہما کا انکار کرنا

سؤال

کیافرماتے ہیں علماء کرام ومفتیان عظام اس مسئلہ کے بارے میں کہ اگر کوئی شخص حضرت ابوبکر وعمر رضی اللہ عنہما کی خلافت کا منکر ہوتو ایسے شخص کا کیا حکم ہے؟

الجواب بعون الملک الوهاب

صورت مسئولہ میں اگر کسی شبہ یا تاویل کی وجہ سے خلافت کا منکر ہوتو کافر نہیں بلکہ فاسق ہے جس سے اجتناب کی ضرورت ہے۔اوراگر بغیر شبہ یا کسی تاویل کے انکار کرے تو ایسا شخص دائرہ اسلام سے خارج ہے۔

لمافی التاتارخانية (۴۸۵/۵): من انکر خلافة ابی بکر فهو کافر علی قول بعضهم وقال بعضهم: هو مبتدع لیس بکافر والصحیح انه کافر وکذا من انکر خلافة عمر رضی الله عنه فی اصح الاقوال۔

وهکذا فی الهندية (۲۶۴/۲)

وفی ردالمحتار (۲۶۳/۴): قال فی شرح منیة المصلی :ان ساب الشیخین ومنکر خلافتهما ممن بناه علی شبهة له لایکفر۔

(۹۳) نماز کو ورزشی عمل کہنے کا حکم

سؤال

کیافرماتے ہیں علماء کرام ومفتیانِ عظام اس مسئلہ کے بارے میں کہ ہمارے گھر کی طرف ایک صاحب رہتے ہیں وہ کہتے ہیں

نماز ایک ورزشی عمل ہے اصلاح بدن کیلئے لہٰذا جس کی صحت خراب ہوا سے زیادہ نمازیں پڑھنی چاہیئے اور ہماری صحت تو ٹھیک ہے لہٰذا ہم کو زیادہ نماز پڑھنے کی ضرورت نہیں ہمارا دل چاہے گا تو نماز پڑھیں گے ورنہ نہیں۔اس شخص کے بارے میں شریعت کا کیا حکم ہے؟

الجواب بعون الملک الوهاب

دین کے کسی ادنیٰ جزء کا مذاق اڑانا کفر ہے جیسا کہ فقہاء کرام کی عبارات سے یہ بات مصرح ہے پھر خاص کر نماز کے بارے میں جس کی فرضیت قرآن وحدیث اجماع امت اور قیاس سے ثابت ہے، بے ہودہ اور استہزائیہ جملے زبان پر لانے سے آدمی بلاشبہ دائرہ اسلام سے خارج ہو جاتا ہے۔

لہٰذا صورت مسئولہ میں مذکورہ شخص کا یہ کہنا کہ "نماز ایک ورزشی عمل ہے بیمار لوگوں کو زیادہ نمازیں پڑھنی چاہیئے اور ہم چونکہ صحت مند ہیں لہٰذا ہمیں نماز پڑھنے کی ضرورت نہیں" یہ کلمہ کفر ہے اور اپنے مذکورہ قول کی بناء پر یہ شخص دائرہ اسلام سے خارج ہو چکا ہے اور اگر شادی شدہ ہے تو اس کی بیوی اس پر حرام ہو چکی ہے۔نماز کو ضمناً ورزش بھی قرار دینا غلط نہیں بلکہ اگر کوئی یوں کہے کہ نماز عبادت کے ساتھ ساتھ ورزش بھی ہے اور جسمانی صحت کیلئے مفید ہے تو اس میں کوئی حرج نہیں لیکن اس کے بعد "جس کی صحت خراب ہو الخ" کے الفاظ استہزاء اور تخفیف پر مبنی ہیں لہٰذا ان کلمات کی بناء پر یہ شخص دائرہ اسلام سے خارج ہو گیا۔لہٰذا مذکورہ قول کے قائل کیلئے تجدید ایمان کے ساتھ ساتھ تجدید نکاح بھی ضروری ہے، اور مذکورہ شخص کو اپنے اس قول پر خوب توبہ واستغفار کرنا چاہیئے اور آئندہ اس قسم کے بے ہودہ جملے زبان پر لانے سے گریز کرنا چاہیئے۔

لمافي الهندية (۱/۵۰) كتاب الصلوة (ط:حقانيه): الصلوة فريضة محكمة لايسع تركها ويكفر جاحدها۔

وفيه ايضاً(۲/۲۷۶): الهازل او المستهزى اذا تكلم بكفر استخفافا واستهزاء ومزاحا كفر عند الكل وان كان اعتقاده خلاف ذالك

وفي الشامية (۴/۲۲۲) كتاب الجهاد ، باب المرتد (ط سعيد): (قوله من هزل بلفظ كفر) أى تكلم به باختياره غير قاصد معناه ...... لان الشارع جعل بعض المعاصي امارة على عدم وجوده كالهزل المذكور ...... فان فعل ذالك استخفافا واستهانة بالدين فهوا مارة عدم التصديق۔

(۹۴) یوں کہنا کہ حضرت آدم علیہ الصلوٰۃ والسلام گندم نہ کھاتے تو......

سوال

کیا فرماتے ہیں علماء کرام ومفتیان عظام اس مسئلہ کے بارے میں کہ اگر ایک شخص یہ کہے کہ حضرت آدم علیہ الصلوٰۃ والسلام جنت میں

گندم کا دانہ نہ کھاتے تو ہم جنت میں ہوتے۔ آیا اس طرح کا قول صحیح ہے؟ آیا اس سے وہ گناہ گار ہوگا یا نہیں؟

الجواب بعون الملک الوھاب

اگر مذکورہ شخص حضرت آدم علیہ الصلوٰۃ والسلام کی حقارت کے طور پر کہے یا مطلب یہ ہو کہ حضرت آدم علیہ الصلوٰۃ والسلام گندم نہ کھاتے ہم اس طرح بدبخت نہ ہوتے تو ایسا شخص دائرہ اسلام سے خارج ہو جائے گا۔

اور اگر اس کا مطلب یہ ہو کہ اگر حضرت آدم علیہ الصلوٰۃ والسلام گندم نہ کھاتے تو ہم ان مصائب اور آلام میں نہ پڑتے تو بلاشبہ سخت گناہ گار ہوگا البتہ دائرہ اسلام سے خارج نہ ہوگا۔ اور اگر ویسے ہی کہتا ہے کہ اگر حضرت آدم علیہ الصلوٰۃ والسلام گندم نہ کھاتے تو آپ کو جنت سے نہ اتارا جاتا اور ہم ان کی اولاد میں سے ہیں اولاد بھی جنت میں ہی ہوتی تو اس طرح کہنے میں کوئی حرج نہیں۔

لمافی التاتارخانیة (۴۸۰/۵): اذا قال لولم یأکل آدم الحنطة لماوقعنا فی هذه البلایا ففی کفره اختلاف المشائخ وفی الفتاوی الخلاصة :ولوقال لولم یأکل آدم الحنطة ماصرناأشقیاء یکفر۔

وفی البزازیة علی هامش الهندیة (۳۲۷/۶): لولم یأکل آدم الحنطة ماصرنااشقیاء یکفرولوقال ماوقعنا فی هذالایکفر عند بعضهم۔ واللہ اعلم بالصواب

(۹۵) کیا ہر حرام کا منکر کافر ہے؟

سؤال

کیا فرماتے ہیں علماء کرام ومفتیان عظام اس مسئلہ کے بارے میں کہ غیر مقلدین تین طلاقوں کو ایک مانتے ہیں اور اسے حلال سمجھتے ہیں کیا ایسا حرام جس میں تھوڑا بہت اختلاف ہوا سے حلال سمجھنے سے آدمی کافر ہوجاتا ہے یا نہیں؟ نیز غیر مقلدین کا حکم کیا ہوگا؟

الجواب بعون الملک الوھاب

جس چیز کی حرمت دلیل قطعی سے ثابت ہو اس کا انکار کفر ہے اور جب حرمت دلیل ظنی سے ثابت ہو اور اس کا منکر اگر تاویل سے انکار کرے تو ایسا شخص کافر نہیں بلکہ اس پر فسق کا حکم بھی نہیں لگایا جائے گا اور اگر تاویل کے بغیر انکار کرے تو فاسق وفاجر ہے۔

تین طلاق کا تین واقع ہونا یہ اجماع سکوتی سے ثابت ہے اور اجماع سکوتی ایسی دلیل قطعی نہیں جس کے منکر کو کافر کہا جا سکے البتہ یہ ایک ایسی چیز کا انکار ہے جس پر صحابہ رضوان اللہ علیہم اجمعین اور بعد میں چاروں ائمہ کا اتفاق ہے لہٰذا جو شخص تین طلاقوں کو ایک مجلس میں تین نہیں بلکہ ایک شمار کرے وہ ضال ومضل ہے۔

لمافی احکام القرآن للقرطبی(۱۲۹/۳): تحت آیة ''الطلاق مرتان فامساك بمعروف او تسریح باحسان ''قال علماء نا : واتفق ائمة الفتوی علی لزوم ایقاع الطلاق الثلاث فی کلمة

واحدة وھو قول جمھور السلف۔

وفی اعلاء السنن (۱۱/۱۷۳): والحق ھو ماقال جماھیر اھل الاسلام من الصحابة وغیرھم ان الثلاث واقعة مجتمعة ومفرقة فی المدخول بھا وفی غیر المدخول بھا تقع مجتمعة ولاتقع مفرقة۔

وفی ردالمحتار (۳/۲۳۳): واماامضاء عمرالثلاث علیھم مع عدم مخالفة الصحابة له وعلمه بانھا كانت واحدة فلایمكن الاوقد اطلعوافی الزمان المتاخر علی وجود ناسخ اولعلمھم بانتھاء الحكم لذلك لعلمھم باناطته بمعان علموا انتفاء ھا فی الزمن المتاخر۔

وفی نورالانوار (ص۲۲۲): فالاقوی اجماع الصحابة نصا ...... ثم الذی نص البعض وسكت الباقون من الصحابة وھوالمسمی بالاجماع السكوتی ولایكفر جاحده وان كان من الادلة القطعیة۔

وفی الشامیة (۳/۲۳۳): توفی رسول اللهﷺ عن مائة الف عین رأته فھل صح لكم عنھم وعن عشر عشر عشرھم القول بوقوع الثلاث باطل؟ اما اولا فاجماعھم ظاھر لانه لم ینقل عن احد منھم انه خالف عمر حین امضی الثلاث ولا یلزم فی نقل الحكم الاجماعی عن مائة الف تسمیة كل فی مجلد كبیر لحكم واحد علی انه اجماع سكوتی......... وقد ثبت النقل عن اكثرھم صریحا بایقاع الثلاث ولم یظھر لھم مخالف۔

(۹۶) ہاتھ کی لکیروں سے قسمت کا حال معلوم کرنا

سوال

کیافرماتے ہیں علماء کرام ومفتیان عظام اس مسئلہ کے بارے میں کہ ہاتھ کی لکیروں پر یقین رکھنا کیسا ہے؟

الجواب بعون الملک الوھاب

ہاتھ کی لکیروں پر یقین غیب کے عقیدے اور مؤثر حقیقی سمجھے بغیر صرف علامت کے طور پر ہوتو گناہ کبیرہ ہے اور اگر مؤثر حقیقی یا غیب کے علم کے طور پر ہوتو کفر ہے۔

۔لمافی المشكوة (ص۳۹۳): عن ابی ھریرة قال قال رسول الله من اتی عرافا اوكاھنا فصدقه بمایقول ...... فقد برئ مما انزل علی محمد۔

وفی شرح الفقه الاکبر (ص۱۵۱): ذکر فی الفتاوی ان قول القائل عند رؤیة ہالة القمر ای دائرته یکون مطر مدعیا علم الغیب لا بعلامة کفر۔

وفی الدر المختار (۴/۲۴۰): والکافر بسبب اعتقاد السحر توبة له ولو امرأة فی الاصح ...... یکفر الساحر بتعلمه وفعله اعتقد تحریمه اولا ویقتل انتہی لکن فی حظر الخانیة لو استعمله للتجربة والامتحان ولا یعتقده لایکفر۔

وفی الشامیة تحته: فی الفتح :السحر حرام بلاخلاف بین اہل العلم واعتقاد اباحته کفر ... ... وحاصله انه اختار انه لایکفر الااذا اعتقد مکفرا وبه جزم فی النہر ...... وعلم به وبمانقلناه عن الخانیة انه لایکفر بمجرد عمل السحر مالم یکن فیه اعتقاد اوعمل ماہو مکفر ولذا نقل فی تبیین المحارم عن الامام ابی المنصوران القول بانه کفر علی الاطلاق خطأویجب البحث عن حقیقته فان کان فی ذلك رد مالزم فی شرط الایمان فہوکفر والافلا اہ۔

(۹۷) سنت کا مذاق اڑانا

سؤال

کیا فرماتے ہیں علماء کرام ومفتیان عظام اس مسئلہ کے بارے میں کہ ایک آدمی داڑھی کاٹتا ہے پھر آئینہ کے سامنے کھڑے ہوکر کہتا ہے کہ میں خوبصورت ہوگیا یعنی سنت کا مذاق اڑاتا ہے تو کیا یہ شخص ان الفاظ کے کہنے سے سنت کا مذاق اڑانے والا نہیں سمجھا جائے گا؟ ایسے شخص کا کیا حکم ہے؟

الجواب بعون الملك الوھاب

صورت مسئولہ میں اگر اس شخص نے مسنون داڑھی کٹوا کر یہ الفاظ کہے تو استخفاف کی وجہ سے دائرہ اسلام سے خارج ہوجائے گا لیکن اگر کوئی شخص روزانہ داڑھی کاٹتا ہے تو ایسا شخص ان الفاظ سے کافر نہیں ہوگا البتہ سخت گناہ گار ہوگا جس سے اجتناب از حد ضروری ہے۔

لمافی البحر الرائق (۵/۱۲۱): ویکفر ...... باستخفافه بسنة من السنن۔

وفی الدر المختار (۴/۲۲۲): من ہزل بلفظ کفر ارتد وان لم یعتقده للاستخفاف۔

وفی الشامیة: ولاعتبار التعظیم المنافی للاستخفاف کفر الحنفیة بالفاظ کثیرة وافعال تصدر من المتہتکین لدلالتہا علی الاستخفاف بالدین کالصلاة بلاوضوء عمدا بل بالمواظبة علی ترك سنة

استخفافا بها بسبب انه فعلها النبی ﷺ...قلت ویظھر من ھذا ان ماکان دلیل الاستخفاف یکفر بہ۔

(۹۸) داڑھی والے شخص کو بکرا کہنا

سوال

کیا فرماتے ہیں علماء کرام ومفتیان عظام اس مسئلہ کے بارے میں کہ ایک شخص نے ایک داڑھی والے شخص کو بکرا کہا۔ ہماری مسجد کے مولانا صاحب نے جمعہ کے بیان میں فرمایا کہ ایسا شخص کافر ہوجائے گا۔ کیا یہ بات صحیح ہے؟

الجواب بعون الملک الوھاب

صورت مسئولہ میں اگر اس نے داڑھی کی حقارت اور استخفاف کی وجہ سے یہ الفاظ کہے تو یہ شخص کافر ہوجائے گا۔

دلائل المسئلة مرت تحت السؤال السابق۔

(۹۹) یوں کہنا کہ مجھے داڑھی اچھی نہیں لگتی

سوال

کیا فرماتے ہیں علماء کرام ومفتیان عظام اس مسئلہ کے بارے میں کہ زید نے عمرو سے کہا کہ تم داڑھی کیوں نہیں رکھتے تو اس نے کہا کہ مجھے اچھی نہیں لگتی۔ آیا اس طرح کا کلمہ کہنا صحیح ہے؟ ایسے شخص کے بارے میں کیا حکم ہے؟

الجواب بعون الملک الوھاب

صورت مسئولہ میں یہ کلمات کہنے والا اگر سنت کے استہزاء یا حقارت کے طور پر کہے یہ شخص دائرہ اسلام سے خارج ہوجائے گا لیکن اگر ویسے ہی کہہ دے سنت کی توہین مقصود نہ ہو تو کافر نہیں ہوگا البتہ گناہ گار ضرور ہوگا اور اس طرح کے کلمات سے احتراز کرنا چاہیئے۔

دلائل المسئلة مرت سابقا فی رقم السؤال :۹۷

(۱۰۰) ستارہ ملنے اور نہ ملنے کی حقیقت

سوال

کیا فرماتے ہیں علماء کرام ومفتیان عظام اس مسئلہ کے بارے میں کہ ایک لڑکی کے رشتے کی بات چل رہی تھی ،لڑکے کے

متعلق ساری معلومات کر لی گئیں بعد میں لڑکی کے والد نے کہا کہ میں کل جواب دوں گا۔ دوسرے دن اس نے یہ کہہ کر انکار کر دیا کہ میں نے وظیفہ کیا ہے، لڑکی اور لڑکے کا آپس میں ستارہ نہیں مل رہا۔ آپ سے یہ پوچھنا ہے کہ ستارہ نہ ملنے کی شرعی حیثیت کیا ہے؟ اور ایسے شخص کا کیا حکم ہے؟

الجواب بعون الملک الوھاب

صورت مسئولہ میں شرعاً اس طرح کرنا ناجائز ہے اور قریب ہے کہ اس طرح کہنا آدمی کو کفر تک پہنچا دے لہٰذا اس طرح کی لغویات سے احتراز کرنا چاہیئے ایسے معاملات میں سب سے بہتر صورت استخارہ کی ہے کہ استخارہ کرلیا جائے، اللہ تعالیٰ کی طرف سے اسی میں خیر ہوگی۔

لمافی المشکوۃ (ص۳۹۳): عن حفصة قالت قال رسول اللهﷺ: من اتی عرافا فسأله عن شئ لم یقبل له صلاۃ اربعین لیلة۔۔۔۔وعن ابی هریرۃ رضی اللہ عنہ قال قال رسول اللهﷺ: من اتی عرافا کاهنا فصدقه بمایقول:......فقد برئ بما انزل علی محمد۔

وفی ردالمحتار (۲۴۳/۴): واماعلم النجوم فهو فی نفسه حسن غیر مذموم اذهو قسمان...... ولولم یعتقد بقضاء الله تعالی اوادعی علم الغیب بنفسه یکفر۔

(۱۰۱) شیخ عبدالقادر جیلانی رحمۃ اللہ علیہ کے نام پر سوال کرنا

سؤال

کیا فرماتے ہیں علماء کرام ومفتیان عظام اس مسئلہ کے بارے میں کہ اگر کوئی شخص سید عبدالقادر جیلانی رحمۃ اللہ علیہ یا کسی دوسرے بزرگ کے نام پر سوال کرے تو اس کا یہ عمل جائز ہے یا نہیں؟ اگر جائز نہ ہو تو ایسے سائل کو دینا جائز ہے یا نہیں؟

الجواب بعون الملک الوھاب

کسی بزرگ کے نام پر لوگوں سے سوال کرنا جائز نہیں بلکہ حرام ہے اور ایسے شخص کو کچھ دینا بھی جائز نہیں۔

لمافی قوله تعالی(النحل : ۱۱۵):حُرِّمَتْ عَلَيْكُمُ الْمَيْتَةُ وَالدَّمُ وَلَحْمُ الْخِنْزِيْرِ وَمَا أُهِلَّ لِغَيْرِ اللهِ بِهِ

(المائده : ۲): وَتَعَاوَنُوْا عَلَى الْبِرِّ وَالتَّقْوٰى وَلَا تَعَاوَنُوْا عَلَى الْإِثْمِ وَالْعُدْوَانِ

وفی المشکوۃ (ص۴۵۱): عن ابی کبشة الانصاری رضی اللہ عنہ انه سمع رسول الله ﷺ یقول ثلث اقسم علیهن واحدثکم حدیثا فاحفظوه فاماالذی اقسم علیهن فانه مانقص مال عبدمن صدقة

......ولافتح عبدباب مسئلة الافتح الله علیه باب فقر......۔

(۱۰۲) یا محی الدین وغیرہ کے الفاظ پکارنا

سؤال

کیافرماتے ہیں علماء کرام ومفتیان عظام اس مسئلہ کے بارے میں کہ بعض لوگ ''یا شیخ محی الدین، یا ابوبکر، یا عثمان'' اسی طرح دوسرے اولیاء کو پکارتے ہیں۔ جبکہ میں نے بعض علماء سے سنا ہے کہ اس طرح پکارنا شرک ہے حالانکہ یہ لوگ اس کو شرک نہیں گردانتے اور دلیل یہ پیش کرتے ہیں کہ التحیات میں آج بھی ایہا النبی کے الفاظ موجود ہیں حالانکہ اسے کوئی بھی شرک نہیں کہتا۔

نیز بعض جگہوں پر ''محی الدین شیئاً للہ'' وغیرہ کے الفاظ سے بھی پکارا جاتا ہے اوران لوگوں کا عقیدہ ہے کہ شیخ محی الدین ہماری مجالس میں حاضر ہوتے ہیں اور پکار کا جواب دیتے ہیں، یہ کئی دفعہ تجربہ سے ثابت ہو چکا ہے۔ آپ فیصلہ فرمائیں کہ اس طرح پکارنا اوراس طرح کے عقائد رکھنا شرعاً کیسا ہے؟

الجواب بعون الملک الوهاب

اگر کوئی شخص اللہ تعالیٰ کے علاوہ کسی اور کو مذکورہ طریقوں سے پکارتا ہے، خصوصاً جبکہ اس عقیدے کے ساتھ پکارے کہ ہماری پکار کو یہ سنتے ہیں اور ہماری حاجات پوری کرتے ہیں تو ایسا شخص دائرہ اسلام سے خارج ہے۔

باقی رہا معاملہ التحیات میں ایہا النبی کے الفاظ موجود ہیں تو اس کی وجہ یہ ہے کہ وہاں ہم اسی چیز کی اتباع کرتے ہیں جو نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنے صحابہ رضوان اللہ علیہم اجمعین کو سکھلائی اور آپ نے صحابہ رضوان اللہ علیہم اجمعین کو اسی طرح سکھایا تھا لہٰذا اس سے استدلال کرنا صحیح نہیں ہے۔ یہی وجہ ہے کہ بعض صحابہ رضوان اللہ علیہم اجمعین نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے اس دنیا سے تشریف لے جانے کے بعد بجائے ایہا النبی کے السلام علی النبی کے الفاظ سے التحیات پڑھا کرتے تھے جیسا کہ عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ کی روایت میں اس کی صراحت موجود ہے۔

نیز جو لوگ ''محی الدین شیئاً للہ'' کے الفاظ سے پکارتے ہیں اگر ان کا عقیدہ یہ ہو کہ اس طرح سے شیخ محی الدین مجالس میں حاضر ہو جاتے ہیں اور حاجت روائی کرتے ہیں تو ایسے لوگ شرک میں مبتلا ہیں جس سے توبہ اور اجتناب کی ضرورت ہے۔

دلائل المسئلة مرت سابقا فی رقم السؤال : ۸۳

(۱۰۳) سگریٹ پیتے وقت بسم اللہ پڑھنا

سؤال

کیافرماتے ہیں علماء کرام ومفتیان عظام اس مسئلہ کے بارے میں کہ ایک شخص سگریٹ پیتے وقت بسم اللہ پڑھتا ہے، کیا اس کا یہ فعل شرعاً درست ہے؟

الجواب بعون الملک الوهاب

سگریٹ پیتے وقت بسم اللہ پڑھنا جائز نہیں۔

لمافی الطحطاوی علی مراقی الفلاح (۱/۵): واماالمکروہ فکما فی اکل الشبهات قیل ومنه الاتیان بهافی شرب الدخان عندالجمهور۔

وفی ردالمحتار (۱/۹): وتکره عند کشف العورة اومحل النجاسات...وقیل عندشرب الدخان أی ونحوه من کل ذی رائحة کریهة کاکل ثوم وبصل۔

(۱۰۴)فرائض وواجبات کی تعداد کو اللہ تعالیٰ کا فون نمبر کہنا

سؤال

کیافرماتے ہیں علماء کرام ومفتیان عظام اس مسئلہ کے بارے میں کہ ایک شخص نے اپنے کسی مرحوم کے ایصال ثواب کے لئے ایک کارڈ چھاپا جس میں پانچوں نمازوں کے فرائض وواجبات کی تعداد کو اللہ تعالیٰ کا ٹیلیفون نمبر لکھا اور آگے مزید لکھا کہ روزانہ پابندی وقت سے ڈائلنگ کرتے رہیں۔ایمرجنسی کی صورت میں ڈائریکٹ"٦"نمبر تہجد میں رابطہ کیجئے اوراپنی پریشانی کوفوراً حل کیجئے۔آیا ایسے الفاظ استعمال کرنا شعائر اللہ کی تعظیم کے خلاف نہیں ہے؟ کیاشرعاً ایسے کارڈ چھاپنا جائز ہے؟ مسئلہ کی وضاحت فرماکر مطمئن فرمائیں۔

الجواب بعون الملک الوهاب

صورت مسئولہ میں ایسا کہنا فی نفسہ جائز ہے گویا انسان اس طرح کی ادائیگی سے اپنے رب سے مناجات کرتا ہے لیکن عرف عام میں اس طرح کے جملوں کو بے ادبی سمجھا جاتا ہے لہٰذا اس طرح کے کارڈ چھاپنے سے احتراز کرنا چاہیئے۔

لمافی الصحیح للبخاری (۱/ ۷٦): حدثنامسلم بن ابراهیم......عن انس قال قال النبی ﷺ ان احدکم اذاصلی یناجی ربه فلایتفلن عن یمینه ولکن تحت قدمه الیسری۔

وفی عمدة القاری (۵/۱۸) تحت هذه الروایة: هذاباب یذکر فیه المصلی یناجی ربه من ناجاه یناجیه فهو مناج وهوالمخاطب لغیره۔

(۱۰۵)کسی کو بلانے کے لئے زور سے کلمہ پڑھنا

سؤال

کیافرماتے ہیں علماء کرام ومفتیان عظام اس مسئلہ کے بارے میں کہ کسی کو بلانے کے لئے زور سے کلمہ پڑھنا جائز ہے یا

نہیں؟ یعنی یہ طریقہ اختیار کرنا بجائے دستک دینے کے شرعاً کیسا ہے؟

الجواب بعون الملک الوھاب

کسی کو بلانے کیلئے دستک کے بجائے کلمہ طیبہ پڑھنا جائز نہیں اور ایسا کرنے والا گناہ گار ہوگا۔

لمافی الهندية (۵/ ۳۱۵): وان سبح القفاعی اوصلی علی النبی ﷺ عند فتح قفاعه علی قصد ترویجه وتحسینه اوالقصاص اذاقصد بها اثم وعن هذا یمنع اذا قدم واحد من العظماء الی مجلس فسبح اوصلی علی النبی ﷺ واصحابه اعلاما بقدومه حتی ینفرج له الناس اویقوموا له یأثم۔

وفی الدرالمختار (۴۳۱/۶): وقد کرهوا والله اعلم ونحوه لاعلام ختم الدرس حین یقرر۔

وفی الشامیة: (لاعلام ختم الدرس) امااذا لم یکن اعلامابانتهائه لایکره لانه ذکر وتفویض بخلاف الاول فانه استعمله للاعلام ......واذا قال الحارس لااله الاالله ونحوه لیعلم باستقاظه فلم یکن المقصود الذکر۔

(۱۰۶) داڑھی کاٹ دو ورنہ رشتہ نہیں ملے گا

سؤال

کیا فرماتے ہیں علماء کرام ومفتیان عظام اس مسئلہ کے بارے میں کہ ایک عورت نے ایک شخص جس نے داڑھی رکھی ہوئی تھی اس سے کہنے لگی کہ آپ داڑھی کے ساتھ بکرا لگتے ہیں اور ساتھ یہ بھی کہنے لگی کہ اس داڑھی کی وجہ سے آپ کو کوئی رشتہ نہیں دے گا۔ اسے کاٹ دو یا چھوٹا کردو۔ ایسی عورت کا کیا حکم ہے؟ جبکہ وہ کہتی ہے کہ میں نے یہ الفاظ مذاق کے طور پر کہے ہیں۔

الجواب بعون الملک الوھاب

صورت مسئولہ میں یہ الفاظ کہنے سے وہ عورت دائرہ اسلام سے خارج ہوگئی اسے تجدید ایمان ونکاح کرنا چاہیئے کیونکہ داڑھی نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی سنت اور شعائر اسلام میں سے ہے جن کی توہین موجب کفر ہے۔ دلائل المسئلة مرت سابقا فی رقم السؤال: ۹۷

(۱۰۷) دست شناسی کی حیثیت

سؤال

کیا فرماتے ہیں علماء کرام ومفتیان عظام اس مسئلہ کے بارے میں کہ اسلام میں دست شناسی کی حیثیت کیا ہے؟ اس فن کا سیکھنا

یا اس پر یقین کرنا کیسا ہے؟ "

الجواب بعون الملک الوھاب

دست شناسی کا سیکھنا اور اس پر یقین کرنا اگر غیب کے عقیدے اور مؤثر سمجھے بغیر صرف علامت کے طور پر ہو تو گناہ کبیرہ ہے اور اگر مؤثر حقیقی اور غیب کے عقیدے کے ساتھ ہو تو کفر ہے۔ واللہ اعلم بالصواب

دلائل المسئلة مرت سابقا فی رقم السؤال : ۹۶

(۱۰۸) حجر اسود کے بوسہ کے وقت گھن آنا

سؤال

کیا فرماتے ہیں علماء کرام ومفتیان عظام اس مسئلہ کے بارے میں کہ ایک سرمایہ دار خاتون حج کے لئے گئی۔ واپس آ کر اس نے بتایا کہ دوران حج جب وہ حجر اسود کو بوسہ دینے گئی تو وہاں مختلف لوگوں کو بوسہ دیتے ہوئے دیکھ کر مجھے گھن آئی تو میں نے بوسہ نہیں دیا۔ اب آپ سے یہ دریافت کرنا ہے کہ ایسی عورت کے بارے میں کیا حکم ہے؟

الجواب بعون الملک الوھاب

صورت مسئولہ میں اگر مذکورہ عورت نے ایسا فعل شعائر اسلام کے استہزاء یا تحقیر کے طور پر کیا تو وہ دائرہ اسلام سے خارج ہوگئی اور اگر استہزاء یا تحقیر مقصود نہیں بلکہ طبعی کراہت کی وجہ سے ایسا کیا تو اس سے وہ دائرہ اسلام سے خارج نہ ہوگی۔

لمافی خلاصة الفتاوی (۳۸۹/۴): ولوقال لرمضان آمد این ماہ گراں اوبعتیہا اندر افتادم ان قال تھاونا برمضان او بالموسم یکفر وان اراد به التعب لنفسه لایکفر۔

وفی الدرالمختار مع ردالمحتار (۲۲۹/۴): اعلم انه لایفتی بکفر مسلم امکن حمل کلامه علی محمل حسن اوکان فی کفرہ خلاف۔

وفی الشامیة: مقتضی کلامھم ایضا انه لایکفر بشتم دین مسلم ای لایحکم بکفرہ لامکان التاویل۔

(۱۰۹) حرام کھانے پر بسم اللہ پڑھنا

سؤال

کیا فرماتے ہیں علماء کرام ومفتیان عظام اس مسئلہ کے بارے میں کہ اگر کوئی شخص کسی کا کھانا چوری کرے پھر کھانا کھاتے

وقت بسم اللہ پڑھے تو اس کا یہ عمل کیسا ہے؟ کیونکہ کھانا حرام کا ہے۔

الجواب بعون الملک الوھاب

اگر کوئی شخص حرامِ قطعی مثلاً زنا، شراب وغیرہ کی ابتداء میں بسم اللہ پڑھتا ہے تو وہ شخص دائرہ اسلام سے خارج ہوجائے گا کیونکہ یہ عمل بسم اللہ کی توہین اور استخفاف پر مبنی ہے۔ البتہ حرام کھانے پر بسم اللہ اگر بنیت تحقیر پڑھی تو کافر ہوگا اور اگر بطورِ عادت (یعنی ہر کھانے پر بسم اللہ پڑھنے کی عادت ہو) پڑھی تو کافر تو نہ ہوگا البتہ سخت گناہ کا مرتکب ہے توبہ واستغفار کرے۔

لمافی روح المعانی (١/ ٦٧): التسمية على الحرام والمكروه ممالاينبغي بل هي حرام في الحرام لاكفر على الصحيح مكروهة في المكروه وقيل مكروهة فيهما ان لم يقصد استخفافاوان قصده والعياذ بالله تعالى كفر مطلقا۔

وفی الهندية (٢/٢٧٣): من اكل طعاما حراماوقال عندالاكل بسم الله حكى الامام المعروف بالمشتملي انه يكفر۔

وفی ردالمحتار (١/٩): فی البزازية وغيرها يكفر من بسمل عندمباشرة كل حرام قطعي الحرمة۔

(١١٠) گناہ صغیرہ کو حلال سمجھ کر کرنا

سؤال

کیافرماتے ہیں علماء کرام ومفتیان عظام اس مسئلہ کے بارے میں کہ اگر کوئی شخص کسی گناہ کا ارتکاب کررہاہے اور اسے حلال سمجھتاہے اور وہ گناہ صغیرہ ہے کبیرہ نہیں تو ایسے شخص کے بارے میں کیاحکم ہے۔

الجواب بعون الملک الوھاب

گناہ کو حلال سمجھنے والا شخص دائرہ اسلام سے خارج ہے چاہے گناہ صغیرہ ہو یا کبیرہ جبکہ وہ دلیل قطعی سے ثابت ہو۔

لمافی شرح الفقه الاكبر (ص١٥٢): ان استحلال المعصية صغيرة كانت اوكبيرة كفر. اذا ثبت كونها معصية بدلالة قطعية۔

وفی التاتارخانية (٥/٥٠٥): وسألت اذا اعتقده حلالا وهو حرام قال ينظر ان كان حرامالغيره كمال الغير لايكفر اذا اعتقده حلالا، وان كان محرم العين بأن كانت حرمته ثابتة بدليل مقطوع به يكفر ...... هذا التفصيل في العالم امافي الجاهل لايتفاوت بينهما اذا كان حرامابعينه او لغيره لانه لايعرف الفرق. بعد ذلك ان تثبت حرمته بد..

مقطوع به يكفر والا فلا۔

(۱۱۱) یوں کہنا کہ مجھے شریعت سے کوئی سروکار نہیں

سؤال

کیا فرماتے ہیں علماء کرام ومفتیان عظام اس مسئلہ کے بارے میں کہ ایک شخص نے یوں کہا کہ مجھے شریعت سے کیا تعلق ہے ،شریعت کیا ہے، مجھے شریعت سے کوئی سروکار نہیں۔ایسے شخص کے بارے میں کیا حکم ہے؟

الجواب بعون الملک الوھاب

صورت مسئولہ میں یہ کلمات کہنے والا شخص دائرہ اسلام سے خارج ہوگیا۔

لما في التاتارخانية (۴۶۸/۵): وفي الينابيع ولوقال لرجل حكم خدائ تعالى چنيں است فقال من چكنم حكم خداى چه دانم فهذا استخفاف بالله فيكفر . وفي الفتاوى العتابية اگر خداى راياشريعت پيغامبر رانه پسنديد چنان كه كسى گويد ش خدا چهار زن حلال كرده است ،گويد من اين حكم رانمى پسندم فهذا كفر۔

وفي الهندية (۲۶۱/۲): وفي العتابية اگر حكم خداى راياشريعت پيغمبر رانه پسندم......الخ۔

(۱۱۲) انبیاء علیہم السلام وشیخین رضی اللہ عنہما کو گالی دینا، قرآنی آیات میں تاویل اور زکوۃ کو ٹیکس قرار دینا

سؤال

کیا فرماتے ہیں علماء کرام ومفتیان عظام اس مسئلہ کے بارے میں کہ اگر کوئی شخص آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم ،سابقہ انبیاء اور شیخین رضی اللہ عنہما کو گالی دے اور قرآنی آیات میں تاویل کرے ،زکوۃ کو ٹیکس قرار دے اور دوسرے شخص کے جھوٹ پر اسے داد دیتے ہوئے بارک اللہ فی کذبک کہے تو ایسے شخص کے بارے میں کیا حکم ہے؟

الجواب بعون الملک الوھاب

صورِ مسئولہ کی پہلی صورت میں جبکہ کوئی شخص رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم ،سابقہ انبیاء یا شیخین رضی اللہ عنہما پر سب وشتم کرے تو وہ دائرہ اسلام سے خارج ہوجائے گا۔دوسری صورت میں اگر وہ شخص قرآنی آیات کی ایسی تاویل کرتا ہے جو صراحۃ قرآن وسنت کی نصوص کے خلاف ہے تو ایسا شخص کافر ہوجائے گا اور اگر ایسی تاویل نہیں کرتا تو ضال ومضل اور گمراہ ہوگا۔تیسری صورت میں زکوۃ کو تاوان یا ٹیکس

تصور کرنا یہ قیامت کی علامات میں سے ایک علامت ہے جو مسلمانوں کی انتہائی پستی پر دلالت کرتی ہے۔ چوتھی صورت میں جب یہ شخص جھوٹ پر برکت کی دعا دے تو یہ معصیت کا استحلال ہے (گناہ کو حلال سمجھنا) یا وہ نصوص جن میں جھوٹ پر لعنت وارد ہوئی ہے ان کا استہزاء (مذاق) ہے اور یہ دونوں چیزیں موجب کفر ہیں۔

لمافی قوله تعالی (آل عمران :٦١): فَنَجْعَل لَّعْنَةَ اللهِ عَلَى الْكٰذِبِينَ○

وفی الجامع للترمذی (۲/۴۴): عن علی بن ابی طالب قال قال رسول اللهﷺ اذافعلت امتی خمس عشرة خصلة حل بها البلاء قیل وماهی یارسول الله قال إذا کان المغنم دولا والامانة مغنما والزکوة مغرما ...الی آخر الحدیث۔

وفی شرح الفقه الاکبر (ص۱۵۲): ان استحلال المعصیة صغیرة اوکبیرة کفر اذا ثبت کونها معصیة بدلالة قطعیة وکذا الاستهانة بها کفر۔

وفی الروض الازهر (ص۴۵۹): ومن دعی الی جماعة فقال اصلی مؤحدا ای منفردا فان الله تعالی قال ان الصلوة تنهیٰ کفر یعنی استدل بقوله تعالی تنهیٰ انه بمعنی تنها بلغة العجم وقدقال علیه الصلوة والسلام من فسر القرآن برأیه فقد کفر مع انه بدل وحرف وغیر۔

وفی الهندیة (۲/۲۶۴): الرافضی اذا کان یسب الشیخین ویلعنهما والعیاذبالله فهو کافر۔

وفی ردالمحتار (۴/ ۲۳۵): اذا شتم احدامن الانبیاء او الملائکة کفر ....فان تاب فبها والاقتل۔

(۱۱۳) یوں کہنا کہ تجھ پر اور تیری مسلمانی پر لعنت ہے

سؤال

کیافرماتے ہیں علماء کرام ومفتیان عظام اس مسئلہ کے بارے میں کہ اگر کسی نے یوں کہا کہ میں مسلمان ہوں دوسرا شخص جواب میں کہتا ہے تیرے اور تیری مسلمانی پر لعنت ہے۔ ایسے شخص کے بارے میں شریعت کا حکم کیا ہے؟ اسی طرح ایک شخص دوسرے کو ماررہا تھا اس نے کہا کہ اللہ سے نہیں ڈرتے تو اس نے کہا نہیں تو ایسے شخص کے بارے میں کیا حکم ہے؟

الجواب بعون الملک الوهاب

صورت مسئولہ کی پہلی صورت میں یہ شخص ایسے الفاظ کہنے سے دائرہ اسلام سے خارج ہوجائے گا۔ اور دوسری صورت میں یہ شخص دائرہ اسلام سے خارج تو نہیں ہوگا لیکن گناہ گار ہوگا جس پر توبہ واستغفار کرنا چاہیئے اور آئندہ ایسے کلام سے اجتناب کرنا چاہیئے۔

لما فی الهندية (۲/ ۲۵۷): رجل قال للآخر مسلمانم فقال له لعنت بر تو وبر مسلمانی تو یکفر۔

وفيه ايضا (۲/۲۶۱): رجل اراد ان يضرب غيره فقال له ذلك الرجل ألا تخاف الله تعالى فقال لا۔ روى عن محمد رحمه الله انه سئل عن هذا فقال لايكفر لان له ان يقول التقوى فيما افعل۔

(۱۱۴) یوں کہنا کہ اللہ ورسول کو گواہ بناتا ہوں

سؤال

کیا فرماتے ہیں علماء کرام ومفتیان عظام اس مسئلہ کے بارے میں اگر کوئی شخص یوں کہے کہ میں اس معاملے میں اللہ اوراس کے رسول کو گواہ بناتا ہوں تو کیا اس طرح کے الفاظ کہنا صحیح ہے یا نہیں؟

الجواب بعون الملک الوھاب

صورت مسئولہ میں اختلاف فقہاء کی بناء پر اس طرح کے الفاظ سے کافر تو نہیں ہوگا لیکن احتیاطا تجدید ایمان ونکاح کر لینا چاہیئے اوراس طرح کے کلام سے اجتناب کرنا چاہیئے۔

لما فی الدر المختار (۳/ ۲۷): تزوج بشهادة الله ورسوله لم يجز بل قيل يكفر والله اعلم۔

وفى الشامية تحته: (قيل يكفر) لانه اعتقد ان رسول الله ﷺ عالم الغيب۔قال فى التاتارخانية وفى الحجة ذكر فى الملتقط انه لايكفر لان الاشياء تعرض على روح النبى ﷺ وان الرسل يعرفون بعض الغيب۔

وفيه ايضا (۴/۲۲۹): واعلم انه لايفتى بكفر مسلم امكن حمل كلامه على محمل حسن اوكان فى كفره خلاف ولوكان ذلك رواية ضعيفة۔

وفى الشامية: ان مايكون كفر اتفاقا يبطل العمل والنكاح ومافيه خلاف يؤمر بالاستغفار والتوبة وتجديد النكاح اهـ

(۱۱۵) جادوگر کی شرعی حیثیت

سؤال

کیا فرماتے ہیں علماء کرام ومفتیان عظام اس مسئلہ کے بارے میں کہ جادوگر کے متعلق شریعت کا کیا حکم ہے، کیا یہ کافر ہیں

یا مسلمان؟

الجواب بعون الملک الوھاب

اگر جادوگر کفریہ اعمال یا کفریہ عقائد میں مبتلا ہوتو کافر ہوجائے گا اور اس ارتداد کی وجہ سے اسے قتل کرنا جائز ہے۔ اور اگر کفریہ اعمال وعقائد سے وابستہ نہیں تو کافر نہیں ہوگا البتہ اگر اس کی وجہ سے فساد کا خطرہ ہوتو اس صورت میں فساد کو ختم کرنے کے لئے اسے قتل کرنا جائز ہے لیکن قتل کرنا حاکم یا اس کے نائب کی ذمہ داری ہے۔

لمافی شرح الفقه الاكبر (ص١٤٥): قال الشيخ ابومنصور الماتريدى القول بان السحر كفر على الاطلاق خطأ بل يجب البحث عنه فان كان ذلك رد مالزمه فى شرط الايمان فهو كفر والا فلا۔ فلوفعل مافيه هلاك انسان اومرضه اوتفريق بينه وبين امرأته وهو غير منكر بشئ من شرائط الايمان لايكفر لكنه يكون فاسقا ساعيا فى الارض بالفساد فيقتل الساحر والساحرة لان علة القتل السعى فى الارض بالفساد۔

وفى ردالمحتار (٢٤٠/٤): السحر حرام بلاخلاف بين اهل العلم واعتقاد اباحته كفر ...... وحاصله انه اختار انه لايكفر الااذا اعتقد مكفرا، وبه جزم فى النهر وتبعه الشارح وانه يقتل مطلقا ان عرف تعاطيه له۔

(۱۱۶) یوں کہنا کہ شریعت غلط ہے/ میں خدا کو نہیں مانوں گا/سودی قرض لے کر تبلیغ پر جانا

سوال

کیا فرماتے ہیں علماء کرام ومفتیان عظام اس مسئلہ کے بارے میں کہ ایک شخص نے غصے کی حالت میں یہ الفاظ کہے کہ (العیاذ باللہ) نبی علیہ الصلوٰۃ والسلام کی بیان کردہ شریعت غلط ہے اس وجہ سے کہ بہن اگر بھاگ بھی جائے (یعنی ولی کی اجازت کے بغیر نکاح کرلے) تو بھی شریعت کی رو سے اسے ترکہ میں سے حصہ دینا پڑتا ہے۔ ایک بہن بھی گئی، دوسرے زمین بھی دو۔ ایسے شخص کے لئے شریعت میں کیا حکم ہے؟

۲۔ اسی طرح ایک شخص نے غصہ کی حالت میں دوسرے کو یوں بددعا دی کہ میں تہجد پڑھ کر تیرے لئے بددعا کروں گا کہ خدا تجھے غرق کرے اور اس وقت تک بددعا کرتا رہوں گا جب تک کہ تو غرق نہ ہوجائے۔ اگر خدا نے تجھے غرق نہ کیا تو میں خدا کو خدا نہیں مانوں گا (العیاذ باللہ)۔ ایسے شخص کا کیا حکم ہے جبکہ وہ پانچ وقت کی نماز پابندی سے پڑھتا ہے؟

۲۔ غیر مسلم سے سودی قرض لے کر تبلیغ کے لئے جانا جائز ہے یا نہیں؟

الجواب بعون الملک الوھاب

مسئولہ صورتوں کی پہلی صورت میں شریعت مطہرہ کو غلط کہنے والا شخص دائرہ اسلام سے خارج ہوگیا اسے تجدید ایمان ونکاح اور اپنے ان کفریہ کلمات پر کثرت سے توبہ واستغفار کرنا چاہیئے۔

دوسری صورت میں اپنی خواہشات کی تکمیل پر ایمان کو موقوف کرنا بڑی بدبختی اور موجب کفر ہے۔ یہ الفاظ کہنے والے پر بھی تجدید ایمان ونکاح لازم ہے اور آئندہ کے لئے ایسے بے ہودہ کلام سے اجتناب کرنا چاہیئے۔

تیسری صورت میں سودی قرضہ لے کر تبلیغ میں جانا جائز نہیں کیونکہ سود سے بچنا ہر حال میں واجب ہے اور تبلیغ کے لئے یہ ضروری نہیں کہ دور دراز مقام کے سفر کئے جائیں، رقم موجود نہ ہونے کی صورت میں اپنے مقام پر رہتے ہوئے بھی یہ کام کیا جاسکتا ہے۔

لمافی شرح الفقه الاکبر (صـ١٧٤): قال ماذا الشرع هذا کفر ...... من اهان الشریعة اوالمسائل التی لابد منها کفر۔

وفیه ایضا (صـ١٦٢): ولایکفی ان المراد بقول علمائنا لانجوز تکفیر أهل القبلة بذنب لیس مجرد التوجه الی القبلة . فان الغلاة من الروافض الذین یدعون ان جبرائیل علیه السلام غلط فی الوحی فان الله تعالی ارسله الی علی رضی الله عنه وبعضهم قالوا:انه اله وان صلوا الی القبلة لیسوابمؤمنین وهذا هو المراد بقوله ﷺ من صلی صلا تنا واستقبل قبلتنا ......قال القونوی ولوتلفظ بکلمة الکفر طائعا غیر معتقد له یکفر لانه راض بمباشرته وان لم یرض بحکمه۔

وفی الاشباه والنظائر (صـ٩٠): درء المفاسد اولی من جلب المصالح فاذا تعارضت مفسدة ومصلحة قدم دفع المفاسد غالبا لان اعتناء الشرع بالمنهیات اشد من اعتنائه بالمامورات ولذا قال علیه السلام (اذا أمرتکم بشئ فاتوا منه مااستطعتم واذانهیتکم عن شئ فاجتنبوه) وروی فی الکشف حدیثا (لترك ذرة مما نهی الله عنه افضل من عبادة الثقلین)۔

(١١٧) استاد، امام یا والدین کی گستاخی کرنا

سؤال

کیا فرماتے ہیں علماء کرام اگر کوئی شخص اپنے والدین، امام یا استاد کی توہین کرے تو کیا قاضی یا عالم ایسے شخص کو تجدید ایمان اور تجدید نکاح کا حکم دے گا یا نہیں؟

الجواب بعون الملک الوھاب

امام، استاد یا والدین کی توہین گناہ کبیرہ ہے جس سے اجتناب واجب ہے البتہ یہ کفر نہیں لہٰذا اگر کسی نے ایسا کرلیا تو اس کی وجہ سے تجدید ایمان ونکاح کا حکم نہیں لگایا جائے گا۔

لمافی قولہ تعالی (الاسراء :۲۳): وَقَضٰى رَبُّكَ أَلَّا تَعْبُدُوْا إِلَّا إِيَّاهُ وَبِالْوَالِدَيْنِ إِحْسَانًا إِمَّا يَبْلُغَنَّ عِنْدَكَ الْكِبَرَ أَحَدُهُمَا أَوْ كِلَاهُمَا فَلَا تَقُلْ لَهُمَا أُفٍّ وَّلَا تَنْهَرْهُمَا وَقُلْ لَهُمَا قَوْلًا كَرِيْمًا○

وفی احکام القرآن للجصاص (۳/ ۳۹۷): إِنَّ الَّذِيْنَ يُنَادُوْنَكَ مِنْ وَّرَاءِ الْحُجُرَاتِ أَكْثَرُهُمْ لَا يَعْقِلُوْنَ ... وھذه الآیات وان کانت نازلة فی تعظیم النبی علیه السلام وایجاب الفرق بینه وبین الامة فیه فانه تادیب لنا فیمن یلزمنا تعظیمه من والد وعالم۔

وفی خلاصة الفتاوی (۳۲۶/۴): حق العالم علی الجاھل والاستاذ علی التلمیذ قال کلاھما واحد وھوان لایفتح الکلام قبله ولایجلس مکانه ان غاب عنه ولایرد علیه کلامه ولایتقدم علیه فی مشیته۔

(۱۱۸) یوں کہنا کہ میں نہیں جانتا کہ کافر جنتی ہے یا جہنمی

سؤال

کیا فرماتے ہیں علماء کرام ومفتیان عظام اس مسئلہ کے بارے میں کہ ایک آدمی کہتا ہے کہ ”مجھے پتہ نہیں کہ کافر جنت میں جائیں گے یا جہنم میں“ ایسے شخص کے بارے میں کیا حکم ہے؟

الجواب بعون الملک الوھاب

ایسا کہنے والا دائرہ اسلام سے خارج ہے۔

لمافی قولہ تعالی (زمر: ۷۱):وَسِيْقَ الَّذِيْنَ كَفَرُوْا إِلٰى جَهَنَّمَ زُمَرًاط

(ھود : ۱۰۶):فَأَمَّا الَّذِيْنَ شَقُوْا فَفِي النَّارِ لَهُمْ فِيهَا زَفِيرٌ وَّشَهِيْقٌ

وفی التاتارخانیة (۵/ ۴۸۷): رجل قال لاادری الکافر فی الجنة اوفی النار فانه کافر لانه جاحد لکتاب الله تعالی وقال ابومطیع سألت اباحنیفة عمن یقول لاادری این یصیر الکافر قال ھو جاحد لکتاب الله فھو کافر۔

(۱۱۹) یوں کہنا ''مجھے داڑھی اچھی نہیں لگتی'' اس کا حکم

سؤال

کیا فرماتے ہیں علماء کرام ومفتیان عظام اس مسئلہ کے بارے میں کہ میں نے اپنے ایک دوست سے کہا کہ بھائی تم داڑھی کیوں نہیں رکھتے؟ تو اس نے جواباً کہا کہ مجھے داڑھی اچھی نہیں لگتی، اس پر میں نے اسے خوب برا بھلا کہا جس کی وجہ سے وہ مجھ سے ناراض ہوگیا، اب سوال یہ ہے کہ کیا اس طرح کہنے سے میرا دوست اسلام سے خارج تو نہیں ہوگیا؟ اور کیا میرا اسے برا بھلا کہنا درست تھا؟ نیز یہ بتادیں کہ آئندہ ایسے شخص سے تعلقات رکھوں یا نہیں؟

الجواب بعون الملک الوھاب

اس طرح کے کلمات کہنے والا سنت کے استہزاء (مذاق اڑانا) یا سنت کی حقارت کی وجہ سے ایسے کلمات کہے تو ایسا شخص دائرہ اسلام سے خارج ہے، اور اگر یہ مقصود نہ ہو بلکہ ویسے ہی کہہ دے تو ایسی صورت میں سخت گناہ گار ہوگا جس پر استغفار کرنا ضروری ہے۔

۲۔ آپ کا ایسے شخص کو ملامت کرنا درست تھا۔

۳۔ ایسے شخص سے تعلقات ختم کردینے چاہیئے جب تک کہ وہ اس فعل شنیع سے توبہ تائب نہ ہوجائے۔

لما فی القرآن الکریم: فَلَا تَقْعُدْ بَعْدَ الذِّكْرٰى مَعَ الْقَوْمِ الظّٰلِمِينَ۝ (الانعام: ٦٨)

وفی الجامع لاحکام القرآن للقرطبی (۱۳/۴): قال ابن العربي وهذا دليل على ان مجالسة اهل الكبائر لا تحل۔

وفی البحر الرائق (۱۲۱/۵) (ط: ماجدية): ويكفر... باستخفافه بسنة من السنن۔

وفی البزازية على هامش الهندية (۳۲۸/۶): والحاصل انه اذا استخف بسنة او حديث من احاديثه عليه السلام كفر۔

وفی الهندية (۲۶۳/۲): من لم يقر ببعض الانبياء عليهم الصلاة و السلام او لم يرض بسنة من سنن المرسلين فقد كفر۔

وفی الدر المختار (۲۲۲/۴): وفي الفتح من هزل بلفظ كفر ارتد وان لم يعتقده للاستخفاف فهو ككفر العناد

وفی الشامية (من هزل بلفظ كفر) اى تكلم به باختياره غير قاصد معناه ... ولاعتبار التعظيم المنافي للاستخفاف كفر الحنفية بالفاظ كثيرة وافعال تصدر من المنهتكين لدلالتها على

الاستخفاف بالدين كالصلاة بلا وضوء عمداً بل بالمواظبة على ترك سنة استخفافا...

قلت:ويظهر من هذا ان ما كان دليل الاستخفاف يكفر به وان لم يقصد الاستخفاف لانه لو توقف على قصده لما احتاج الى زيادة عدم الاخلال بما مر لان قصد الاستخفاف مناف للتصديق۔

(۱۲۰) داڑھی کی وجہ سے حقارت سے دیکھنا

سؤال

کیا فرماتے ہیں علماء کرام ومفتیان عظام اس مسئلہ کے بارے میں کہ اگر کسی نے داڑھی والے شخص کو صرف اس لئے حقارت سے دیکھا کہ اس نے داڑھی رکھی ہوئی ہے تو شریعت میں ایسے شخص کے بارے میں کیا حکم ہے؟

الجواب بعون الملک الوھاب

اگر کسی شخص کی صرف اس بناء پر تحقیر کی جائے کہ اس نے داڑھی رکھی ہوئی ہے تو یہ سنت کی تحقیر ہے لہٰذا تحقیر کرنے والا یہ شخص دائرہ اسلام سے خارج ہو جائے گا۔ واللہ اعلم بالصواب۔ دلائل المسئلة مرت سابقا فی رقم السؤال:۹۷

(۱۲۱) قراءت سبعہ عشر کے انکار کا حکم

سؤال

کیا فرماتے ہیں علماء کرام ومفتیانِ عظام اس مسئلہ کے بارے میں کہ ہم ایک محفل میں شریک تھے وہاں قاری صاحب نے عام قراءتِ عاصم کے بجائے دوسری قراءت پر تلاوتِ کلام پاک شروع کردی بعض دوست ہمارے ساتھ تھے انہوں نے کہا یہ کیا پڑھ رہا ہے؟ میں نے بتایا کہ یہ قرآن پاک ہی ہے اور متواتر قراءت ہے انہوں نے کہا میں اسے نہیں مانتا یہ قرآن نہیں۔ کئی بار انکار کیا گھر آ کر میں نے اسے آرام سے سمجھایا تو وہ بہت نادم ہوا اور ان متواتر قراءات کو مان لیا لیکن اب ہم پریشان ہیں کہ کیا اولاً انکار باعثِ کفر ہوگا یا نہیں؟ تجدید ایمان ونکاح ضروری ہے یا نہیں؟ نیز کوئی عالم اگر جانتے ہوئے کہ یہ قراءت بھی ہیں ان کے متواتر ہونے کا منکر ہو تو کیا وہ کافر ہو جائے گا؟ ازراہِ کرم تفصیل فرمادیں۔

الجواب بعون الملک الوھاب

قراءت سبعہ عشر ان دس قراءتوں کا نام ہے جو متواتر ہیں۔ ان کے تواتر کو جانتے ہوئے ان کا انکار کفر اور دائرہ اسلام سے

خروج ہے۔البتہ اگر کوئی شخص ناواقفیت کی بناء پر انکار کردے تو اسے کافر نہیں قرار دیا جائے گا لہٰذا صورت مسئولہ میں آپ کے دوست اس انکار کی وجہ سے کافر نہ ہوگا البتہ اسے توبہ واستغفار کرنا چاہیئے نیز آئندہ ایسے امور میں احتیاط سے کام لینا چاہیئے اور اگر کوئی عالم ان قراءات کا تواتر جانتے ہوئے ان کے متواتر ہونے کا انکار کرے تو وہ دائرہ اسلام سے خارج ہوجائے گا۔

لمافی منح الروض الازھر (ص۴۵۱): اما اذا تکلم بکلمة ولم یدرانھا کلمة کفر ففی فتاوی قاضیخان حکایة خلاف من غیر ترجیح حیث قال قیل لا یکفر لعذره بالجھل وقیل یکفر ولا یعذر بالجھل اقول والاظھر الاول الا اذا کان من قبیل ما یعلم من الدین بالضرورة فانه حینئذ یکفر ولا یعذر بالجھل۔

وفی احکام القرآن للقرطبی (۴۶/۱): وھذه القراء ات المشھورة ھی اختیارات اولئك الائمة القراء ......وکل واحد من ھولاء السبعة روی عنه اختیار ان أو اکثر وکل صحیح۔ وقد اجمع المسلمون فی ھذه الاعصار علی الاعتماد علی ماصح عن ھولاء الائمة ماروووه ورأوه من القرائات وکتبوافی ذلك مصنفات فاستمر الاجماع علی الصواب ....قال ابن عطیة :ومضت الاعصار والامصار علی قرأة السبعة وبھایصلی لانھا ثبتت بالاجماع۔

وفی الاتقان للسیوطی (۸۲/۱): القراء ات السبع التی اقتصر علیھا الشاطبی والثلاث التی ھی قرأة ابی جعفر ویعقوب وخلف متواترة معلومة من الدین بالضرورة وکل حرف انفرد به واحد من العشرة معلوم من الدین بالضرورة انه منزل علی رسول الله لایکابر فی شئ من ذلك الاجاھل۔

وفی الشامیة (۲۳۰/۴): سیذکر الشارح ان ما یکون کفرا اتفاقا یبطل العمل والنکاح وما فیه خلاف یؤمر بالاستغفار والتوبة وتجدید النکاح اھ۔ وظاھرأنه امر احتیاط۔

(۱۲۲) کسی کو بے ایمان کہنے سے کفر لازم آتا ہے؟

سؤال

کیافرماتے ہیں علماء کرام ومفتیان عظام اس مسئلہ کے بارے میں کہ کوئی شخص کسی کو بے ایمان کہے۔اس طرح کہنے سے کہنے والا کافر ہوجائے گا یانہیں؟

الجواب بعون الملک الوھاب

صورت مسئولہ میں اس طرح کہنے سے کفر لازم نہیں آتا ہے البتہ ایسا کہنے والا سزا کا مستحق ہے۔

لمافی الهندية (۲/۱۶۸): من قذف مسلما بيافاسق وهو ليس بفاسق ...ياخبيث ...ياخائن ... يازنديق ... عزر۔

وفی الدرالمختار مع ردالمحتار (۴/۶۹): وعزر الشاتم بيا كافر ياخبيث ياسارق يافاجر۔

وفی الشامية: (بياكافر)لم يقيد بكون المشتوم بذلك مسلما لمايذكره بعد۔

(۱۲۳)اللہ تعالیٰ کی شان میں گستاخی کرنا

سؤال

کیافرماتے ہیں علماء کرام ومفتیان عظام اس مسئلہ کے بارے میں کہ ایک شخص نے اپنی زوجہ کوکسی بات پر تین طلاقیں دے دیں،شوہر کو بعد میں لوگوں نے کہا کہ آپ تو نماز بھی نہیں پڑھتے بڑے شرم کی بات ہے،تمہاری بیوی،ساس،سسر سب تو نمازی تھے۔اس پراس شخص نے کہا کہ''نمازکس کی پڑھوں،خداتو مرگیاہے''(نعوذباللہ)۔کیایہ الفاظ کہنے سے یہ شخص کافرہوگیا؟

الجواب بعون الملک الوهاب

صورت مسئولہ میں ان کلمات کے کہنے سے یہ شخص دائرہ اسلام سے خارج ہوگیا۔

لمافی التاتارخانية (۵/۴۶۳): ولوقال لله تعالى شريك أوولد اوزوجة اوهو جاهل اوعاجز اونقص بذاته اوصفاته كفر۔

وفی الهندية (۲/۲۵۸): يكفر اذا وصف الله تعالى بمالايليق به اوسخر باسم من اسمائه .... اونسبه الى الجهل اوالعجز او النقص يكفر۔

(۱۲۴)ماں سے نکاح کوحلال سمجھنا

سؤال

کیافرماتے ہیں علماء کرام ومفتیان عظام اس مسئلہ کے بارے میں کہ ہمارے گھر کے قریب ایک شخص رہتا ہےاوروہ بظاہر مسلمان لگتا ہےلیکن وہ اپنی ماں سے نکاح کوحلال سمجھتا ہےتوایسے شخص کے بارے میں کیاحکم ہے؟

الجواب بعون الملک الوهاب

صورت مسئولہ میں ایساشخص شریعت مطہرہ کے ایک قطعی حکم سےانکار کی وجہ سے دائرہ اسلام سے خارج ہے۔

لقولہ تعالی(النساء :٢٣): حُرِّمَتْ عَلَيْكُمْ أُمَّهَاتُكُمْ وَبَنَاتُكُمْ وَأَخَوَاتُكُمْ - الخ

وفی التاتارخانیة (٥/٥٠٥): سألت اذا اعتقده حلالا وهوحرام؟ قال ینظر ان کان حراما لغیره ... ... وان کان محرم العین بأن کانت حرمته ثابتة بدلیل مقطوع به یکفر ......ان تثبت حرمته بدلیل مقطوع به یکفر۔

وفی الهندیة (٢/٢٧٢): اذا کان حراما لعینه انما یکفر اذا کانت الحرمة ثابتة بدلیل مقطوع به۔

(١٢٥) کلام مقدس کی بے حرمتی کرنا

سؤال

کیا فرماتے ہیں علماء کرام ومفتیان عظام اس مسئلہ کے بارے میں کہ اگرکوئی شخص کلام مقدس پر پاؤں رکھ دے یا کھڑا ہوجائے تو اس سے وہ کافر ہوجائے گا یانہیں؟

الجواب بعون الملک الوھاب

جب کوئی شخص استخفافاً کلام مقدس پر پاؤں رکھ دے، یااس پر کھڑا ہوجائے تو ایسا شخص دائرۂ اسلام سے خارج ہوجاتا ہے۔

لمافی التاتارخانیة (٥/٤٩١): سئل الحسن بن علی رضی اللہ عنہ عمن وضع رجله علی المصحف حالفا هل یکفر فقال نعم ان کان علی وجه الاستخفاف۔

وفی الهندیة (٢/٢٦٦): اذا انکر الرجل آیة من القرآن اوتسخر بآیة من القرآن وفی الخزانة اوعاب کفر۔

(١٢٦) اولیاء سے مدد مانگنا/ اذان سے پہلے صلوۃ وسلام پڑھنا

سؤال

کیافرماتے ہیں علماء کرام ومفتیان عظام اس مسئلہ کے بارے میں کہ انبیاء واولیاء سے مدد مانگنا جائز ہے یانہیں؟

٢۔ اذان سے پہلے درود وسلام پڑھنا کیسا ہے؟ قرآن وحدیث کی روشنی میں وضاحت فرمائیں۔

الجواب بعون الملک الوھاب

انبیاء واولیاء سے مدد مانگنا ناجائز اور شرک میں داخل ہے۔

۲۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم، صحابہ رضوان اللہ علیہم اجمعین یا تابعین سے یا ان کے ادوار میں کہیں سے مروجہ درود وسلام ثابت نہیں ہے بلکہ اس کی ابتدا سلطان ناصر صلاح الدین کے زمانہ میں ۷۸۱ھ میں ہوئی لہٰذا اس کا التزام واہتمام بدعت ہے جس سے اجتناب واجب ہے۔

لما فی روح المعانی (۱۶۶/۱۴): ثُمَّ إِذَا كَشَفَ الضُّرَّ عَنْكُمْ إِذَا فَرِيْقٌ مِنْكُمْ بِرَبِّهِمْ يُشْرِكُوْنَ ... وفی الآیة مایدل علی ان صنیع اکثر العوام الیوم من الجوار الی غیره تعالی ممن لایملك لهم بل ولالنفسه نفعا ولاضر اعنداصابة الضر لهم واعراضهم عن دعائه تعالی عند ذلك بالکلیة سفه عظیم وضلال جدید لکنه اشد من الضلال القدیم۔

وفی المرقاة (۵۳/۱۰): عن ابن عباس رضی اللہ عنہ قال کنت خلف رسول الله صلی اللہ علیہ وسلم یوما فقال یاغلام احفظ الله یحفظك احفظ الله تجده تجاهك واذا سألت فاسأل الله واذا استعنت فاستعن بالله واعلم ان الامة لواجتمعت علی ان ینفعوك بشئ لم ینفعوك الابشئ قد کتبه الله لك ولو اجتمعوا علی ان یضروك بشئ لم یضروك الابشئ قد کتبه الله علیك رفعت الاقلام وجفت الصحف۔

وفی المرقاة تحت هذا الحدیث: واذا سألت فاسئل الله ....فاسئل الله وحده فان خزائن العطایا عنده ومفاتیح المواهب والمزایا بیده وکل نعمة اونقمة دنیویة اواخرویة فانها تصل الی العبد اوتندفع عنه برحمته من غیر شائبة غرض ولا ضمیمة علة لانه الجواد المطلق والغنی الذی لایقتصر ... واذا استعنت ای اردت الاستعانة فی الطاعة وغیرها من امور الدنیا والاخرة۔

وفی البحرالرائق (۲۶۱/۱): والزیادة فی الاذان مکروهة۔

وفی الدرالمختار مع ردالمحتار (۳۹۰/۱): التسلیم بعدالاذان حدث فی ربیع الاخر سنة سبعمائة واحدی وثمانین فی عشاء لیلة الاثنین ثم یوم الجمعة۔

وفی الشامیة: (قوله سنة ۷۸۱) کذافی النهر عن حسن المحاضرة للسیوطی ثم نقل عن القول البدیع للسخاوی انه فی سنة ۷۹۱ وان ابتداء ه کان فی ایام السلطان الناصر صلاح الدین بامره۔

(۱۲۷) کتب فقہ کی توہین کرنا

سوال

کیا فرماتے ہیں علماء کرام ومفتیان عظام اس مسئلہ کے بارے میں کہ ایک شخص کتب فقہ کی توہین کرتا ہے اور کبھی یوں بھی

کہتا ہے کہ "چھوڑ و یار فقہ شقہ کیا ہے"۔ایسے شخص کے بارے میں کیا حکم ہے؟

الجواب بعون الملک الوھاب

صورت مسئولہ میں کتب فقہ سے اگر اہل حق کی مشہور ومعتبر کتب مراد ہیں جن میں دین کے ضروری مسائل بیان کئے گئے ہیں اور یہ شخص ان کتب سے نفرت کی بناء پر ایسا کہتا ہے تو اس کے دائرہ اسلام سے خارج ہونے میں کوئی تردد نہیں ہے۔اور اگر فقہ سے مراد مسائل اجتہادیہ،مختلف فیہا ہیں تو اس سے کافر تو نہیں ہوگا البتہ اس کے گمراہ ہونے میں کوئی شبہ نہیں ہے۔

لما فی الروض الازھر (ص۲۷۳): وفی التتمة من اهان الشريعة اوالمسائل التی لابد منها كفر۔

وفی التاتارخانية (۵/۵۰۹): اذا جاءاحدالخصمين الى صاحبه بفتوى الائمة فقال صاحبه ليس كماافتوا، اوقال لايعمل بهذاكان عليه التعزير وفی اليتيمة : سئل والذی عن قائل يقول لااقول بفتوى الائمة ولااعمل بفتواهم ماحاله ؟قال يلزمه التوبة والاستغفار وسئل عن هذا بعضهم فقال : اذا كان ذا رأى واجتهاد وعنى انه يجتهد رأى نفسه دون رأيهم فهو معذور وان لم يكن يخشى عليه الكفر۔

وهكذا بتغيير يسير فی الهندية (۲/۲۷۲)

(۱۲۸) یوں کہنا کہ غلام احمد نبی ہوتا تب بھی میں اسے نہ مانتا

سؤال

کیا فرماتے ہیں علماء کرام ومفتیان عظام اس مسئلہ کے بارے میں کہ ایک شخص کہتا ہے کہ غلام احمد قادیانی اگر نبی ہوتا تب بھی میں اسے نہ مانتا اور اس سے مراد اس کی یہ ہے کہ نبی تو عیوب سے پاک ہوتا ہے اور یہ کانا مجسم عیب ہے۔اب ایسے شخص کا کیا حکم ہے؟ نیز جو شخص قادیانی کو کذاب سمجھنے کے باوجود کافر نہ کہے تو ایسے شخص کا کیا حکم ہے؟

الجواب بعون الملک الوھاب

صورت مسئولہ میں چونکہ یہ شخص غلام احمد پر تنقید کر رہا ہے اس لئے اس قول سے وہ کافر نہ ہوگا لیکن اگر تنقید مقصود نہیں بلکہ صرف یوں کہے کہ "فلاں شخص اگر نبی ہوتا تب بھی اسے نہ مانتا" ایسے کلمات کہنے والا دائرہ اسلام سے خارج ہو جائے گا کیونکہ اس کے معنی یہ ہوں گے کہ "اگر اللہ تعالی اسے نبی بنا دیتے تو بھی میں اسے نبی نہ مانتا" گویا اللہ تعالی کے حکم کا انکار کر رہا ہے۔

غلام احمد قادیانی باجماع اہل حق کافر ہے اس لئے اس کے عقیدے کا علم ہوتے ہوئے بھی اگر کوئی شخص اسے کافر نہ سمجھے تو وہ خود کافر ہے۔

لما في التاتارخانية (۴۷۸/۵): لوقال لو كان فلان نبيا لم اؤمن به فقدكفر۔ وفي الصغرى : لو قال بالفارسية: اگر فلان پيغامبری بودی من باو نگرديدمی فان اراد به :لوكان فلان رسول الله لم اؤمن به فقدكفر۔

وفي الهندية (۲۶۳/۲): ولوقال لوكان فلان نبيا لم اؤمن به فقد كفركذا في المحيط۔

(۱۲۹)"کافر کو کافر کہنا مکروہ ہے"اور"جو کافر کو کافر نہ کہے خود کافر ہے"میں تعارض کا دفعیہ

سؤال

کیا فرماتے ہیں علماء کرام ومفتیان عظام اس مسئلہ کے بارے میں کہ حضرت مولانا پالن پوری حقانی صاحب اپنی کتاب "شریعت وجہالت" کے صفحہ نمبر ۱۰۵ پر لکھتے ہیں کہ کسی کافر کو کافر کہنا مکروہ ہے۔حالانکہ دیوبندی جماعت کے مشہور مناظر مولانا مرتضی حسن چاندپوری اپنی کتاب "اشدالعذاب" شائع شدہ دارالعلوم دیوبند کے صفحہ ۱۴ میں تحریر فرماتے ہیں کہ جو کافر کو کافر نہ کہے وہ خود کافر ہے۔بظاہر دونوں اقوال میں تعارض معلوم ہوتا ہے۔اس تعارض کا تسلی بخش جواب عنایت فرمائیں۔

الجواب بعون الملك الوهاب

صورت مسئولہ میں دونوں حضرات کے اقوال میں فرق ہے۔پہلی صورت سے مراد یہ ہے کہ کسی کی تذلیل کے لئے اسے کافر کہہ کر مخاطب کیا جائے۔چونکہ شریعت نے بلاوجہ کسی کی تذلیل کی اجازت نہیں دی لہٰذا اسے مکروہ کہا گیا جبکہ دوسری صورت کا مطلب یہ ہے کہ کوئی شخص کفریہ عقائد کے باوجود اس کے کفر کا قائل نہ اور اسے کافر نہ سمجھے تو وہ خود کافر ہے۔

لقوله تعالى (الاسراء :۷۰): وَلَقَدْ كَرَّمْنَا بَنِيْٓ اٰدَمَ وَحَمَلْنٰهُمْ فِي الْبَرِّ وَالْبَحْرِ الخ

وفي الهندية (۳۴۸/۵): لوقال ليهودي اومجوسي ياكافر يأثم ان شق عليه كذافي القنية۔

وفي الدرالمختار (۷۶/۴): وفي القنية قال ليهودي اومجوسي ياكافر يأثم ان شق عليه۔

(۱۳۰)سبقت لسانی سے کلمہ کفر کہہ دینا/غلطی سے آیت غلط پڑھ دینا

سؤال

کیا فرماتے ہیں علماء کرام ومفتیان عظام اس مسئلہ کے بارے میں کہ ایک شخص کی زبان سے سبقت لسانی سے اللہ تعالیٰ کی نسبت اشرف المخلوقات نکل گیا حالانکہ وہ اشرف الحاکمین کہنا چاہتا تھا۔اس پر دوسرے شخص نے فوراً حکم لگا دیا کہ یہ شخص کافر ہو گیا اسے

تجدید ایمان ونکاح کرنا چاہیئے۔کیا یہ بات صحیح ہے؟

۲۔ ایک شخص نے إِنَّمَا الْمُشْرِكُونَ نَجَسٌ کے بجائے انما الکافرون نجس پڑھ لیا، کیا اس طرح پڑھنے سے ایمان پر کوئی اثر پڑتا ہے یا نہیں؟

الجواب بعون الملک الوھاب

صورت مسئولہ میں غلطی سے اللہ تعالی کو ''اشرف المخلوقات'' کہنے والا کافر نہیں ہوا۔اور دوسرے شخص کا بلا علم کفر کا حکم لگا دینا شریعت کے اصولوں کے خلاف اور لاعلمی وجہالت کا نتیجہ ہے جس سے از حد احتیاط واجتناب کی ضرورت ہے۔

۲۔ آیت غلطی سے پڑھنے کی وجہ سے ایمان پر کوئی اثر نہیں پڑا البتہ جب معلوم ہو جائے تو دوبارہ صحیح طریقے سے پڑھنا چاہیئے۔

لمافی الهندية (۲۷۶/۲): الخاطئ اذاء جرى على لسانه كلمة الكفر خطأ بان كان يريد ان يتكلم بما ليس بكفر فجرى على لسانه كلمة الكفر خطأ لم يكن ذالك كفرا عندالكل۔

وفي ردالمحتار (۶۳۰/۶۳۱و): ان الخطأ امافي الاعراب ....اوفي الحروف بوضع حرف مكان آخر ....اوتقديمه اوتاخيره ....والقاعدة عندالمتقدمين ماغيرالمعنى تغييرا يكون اعتقاده كفرا۔

وفيه ايضا (۲۶۹/۴): ولايفتى بكفر مسلم امكن حمل كلامه على محمل حسن اذا اراد ان يتكلم بكلمة مباحة فجرى على لسانه كلمة الكفر خطأ بلاقصد لايصدقه القاضي وان كان لايكفر فيمابينه وبين ربه تعالى۔

(۱۳۱) دعوی مجددیت ومہدیت

سؤال

کیا فرماتے ہیں علماء کرام ومفتیان عظام اس مسئلہ کے بارے میں کہ نبی کے لئے جیسے دعویٰ نبوت ضروری ہوتا ہے اسی طرح مجدد اور مہدی کے لئے دعویٰ مجددیت اور مہدیت ضروری ہے یا نہیں؟ آج کل کئی لوگوں نے مہدی ہونے کا دعوی کیا ہے۔ان کے بارے میں شرعا کیا حکم ہے؟

الجواب بعون الملک الوھاب

روایات میں صرف اس بات کا بیان ہے کہ اللہ تعالی ہر صدی کے آخر میں ایک مجدد کو پیدا کرتے ہیں اس کی خاص علامات وغیرہ روایات میں مذکور نہیں لہٰذا کسی خاص شخص کے بارے میں متعین طور پر یہ کہنا کہ یہ مجدد ہے، بہت مشکل ہے اسی طرح اگر کوئی شخص خود

بھی دعوی کرے تو وہ نا قابل قبول ہوگا۔

مہدی علیہ الصلوۃ والسلام کی علامات روایات میں موجود ہیں۔ان علامات کو دیکھ کر اس وقت کے لوگ پہچان لیں گے کہ یہی مہدی علیہ الصلوۃ والسلام ہیں اور یہ قیامت کے قریب ہوگا۔آج کل جو حضرات مہدی ہونے کا دعوی کرتے ہیں یہ محض جھوٹ ہے اور ایسا جھوٹا دعوی کرنے والے شخص کا مسلمانوں سے کوئی تعلق نہیں ہے۔

لمافی سنن ابي داؤد (۲/۲۳۳): عن ابي هريرةؓ فيما اعلم عن رسول اللهﷺ قال ان الله يبعث لهذه الامة على راس كل مائة سنة من يجدد لها دينها۔

وفی المشكوة (۲/۴۷۱): عن ام سلمة عن النبي ﷺ قال يكون اختلاف عند موت خليفة ... ... وذكر الحديث وفيه فاذا رأى الناس ذلك اتاه ابدال الشام وعصائب اهل العراق فيبايعونه ... ... عن ثوبان قال قالی رسول الله ﷺ اذا رأيتم الرايات السود قد جاء ت من قبل خراسان فاتوهافان فيها خليفة الله المهدى۔

وفی الفتاوی الحديثية (ص۳۷): وسئلت عن طائفة يعتقدون فی رجل مات من منذ اربعين سنة انه المهدى الموعود بظهوره آخرالزمان وان من انكر كونه المهدى المذكور فقد كفر فمايترتب عليه؟ فاجبت بان هذا اعتقاد باطل وضلالة قبيحة وجهالة شنيعة :اما الاول فلمخالفته لصريح الاحاديث التي كادت تتواتر بخلافه ......واما الثانی فلانه يترتب عليه تكفير الائمة المصرحين فی كتبهم بمايكذب هؤلاء فی زعمهم وان هذا الميت ليس المهدى المذكور ومن كفر مسلما لدينه فهوكافر مرتد يضرب عنقه ان لم يتب وايضا فهولاء منكرون للمهدى الموعود به آخرالزمان، وقد ورد فی حديث عند ابی بكر الاسكافی انها قالا من كذب بالدجال فقد كفر ومن كذب بالمهدى فقد كفر وهولاء مكذبون به صريحا فيخشى عليهم الكفر۔

(۱۳۲) یارسول اللہ کہنا اور مصافحہ کے وقت انگوٹھا دیکھنا کیسا ہے؟

سؤال

کیا فرماتے ہیں علماء کرام ومفتیان عظام اس مسئلہ کے بارے میں کہ بعض حضرات ''صلوۃ وسلام'' ہمیشہ یاء کے ساتھ پڑھتے ہیں۔کیا شرعا اس طرح پڑھنا جائز ہے؟

نیز مصافحہ کے وقت ہاتھ دبانا اور انگوٹھا دیکھنا اس خیال سے کہ شاید یہ خضر علیہ الصلوٰۃ والسلام ہوں شرعاً کیسا ہے؟

الجواب بعون الملک الوھاب

روضہ مبارک کے علاوہ بطور ندا ''یارسول اللہ'' کیساتھ صلوۃ وسلام پڑھنا اگر اس عقیدے سے ہو کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم ہر جگہ خود موجود ہیں اور سنتے ہیں یہ عقیدہ خود آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے ارشادات کے خلاف ہے اور شرعاً ناجائز ہے۔ اس لئے کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد ہے ''جو شخص میرے روضہ پر درود پڑھتا ہے اسے میں خود سنتا ہوں اور جو دور سے پڑھے فرشتے مجھ تک پہنچاتے ہیں''۔

مصافحہ کے وقت ہاتھ دبانا یا انگوٹھا دیکھنا اس خیال سے کہ کہیں یہ خضر علیہ الصلوٰۃ والسلام تو نہیں بالکل بے اصل ہے، شرعاً اس کی کوئی حقیقت نہیں ہے۔

لمافی المشکوۃ (۸۶/۱): عن ابن مسعود رضی اللہ عنہ قال قال رسول اللہ ﷺ ان للہ ملائکۃ سیاحین فی الارض یبلغونی من امتی السلام۔

وفیه ایضا (ص۸۷): عن ابی ھریرۃ رضی اللہ عنہ قال قال رسول اللہ ﷺ من صلی علی عند قبری سمعته ومن صلی علی نائیا ابلغته۔

وفی المرقات (۳۴۱/۲) تحت الروایة الاولی: (من امتی علیه السلام) اذا سلموا علی قلیلا اوکثیرا وھذامخصوص بمن بعد عن حضرۃ مرقدہ المنور ومضجعه المطھر۔

(۱۳۳) کافر کو سلام کرنا یا جواب دینا

سؤال

کیا فرماتے ہیں علماء کرام ومفتیان عظام اس مسئلہ کے بارے میں کہ کافر کو سلام کرنا کیسا ہے، جائز ہے یا نہیں؟ نیز کافر کے سلام کا جواب دینا کیسا ہے؟

الجواب بعون الملک الوھاب

صورت مسئولہ میں کافر کو اگر تعظیماً سلام کیا جائے تو یہ موجب کفر ہے اور اگر تعظیم مقصود نہ ہو بلکہ صرف ملاقات کے وقت محض تحیہ کے طور پر کرے تو بھی ناجائز ہے البتہ اپنی کسی حاجت وضرورت کے لئے کرے تو جائز ہے۔ اور سلام کا طریقہ یہ ہے کہ ان الفاظ سے سلام کرے ''السلام علی من اتبع الھدی'' اور جواب میں صرف ''وعلیک'' کہے۔

لمافی الھندیة (۳۴۸/۵): وقال مجاھد اذاکتبت الی الیھودی اوالنصرانی فی الحاجة فاکتب السلام علی من اتبع الھدی۔

(۱۳۷) بغیر تحقیق کفر کا فتویٰ

سؤال

کیا فرماتے ہیں علماء کرام ومفتیان عظام اس مسئلہ کے بارے میں کہ اگر کوئی عالم بغیر تحقیق کسی پر کفر کا فتویٰ لگائے تو یہ فتویٰ دینا کیسا ہے؟ کیا شریعت کی رو سے جائز ہے؟

الجواب بعون الملک الوھاب

کسی عالم یا مفتی کے لئے بغیر تحقیق کسی پر کفر کا فتویٰ دینا جائز نہیں ہے بلکہ اگر اس کے قول یا فعل کی کوئی اچھی تاویل ممکن ہو تو اس پر محمول کرنا چاہیئے۔

لمافی الهندية (٢/٢٨٣): اذاكان فی المسئلة وجوه توجب الكفر ووجه واحد يمنع فعلى المفتى ان يميل الى ذلك الوجه۔

وفی الدرالمختار مع ردالمحتار (٤/٢٢٣): قال فی البحر وقد الزمت نفسی ان لاافتی بشئ منها۔

وفی الشامية: روى الطحاوی عن اصحابنا لايخرج الرجل من الايمان الاجحود مادخله فيه ثم ماتيقن انه ردة يحكم بها ومايشك انه ردة لايحكم بها اذا الاسلام الثابت لايزول بالشك مع ان الاسلام يعلو وينبغی للعالم اذا رفع اليه هذا ان لايبادر بتكفير اهل الاسلام مع انه يقضی بصحة اسلام المكره ......وفی الفتاوى الصغرى : الكفر شئ عظيم لااجعل المؤمن كافرا متى وجدت رواية انه لايكفر۔

(۱۳۸) علم غیب اور فالنامہ

سؤال

کیا فرماتے ہیں علماء کرام ومفتیان عظام اس مسئلہ کے بارے میں کہ جنات کے ذریعے غیب کی باتیں بتانا کیسا ہے؟ جو شخص ہاتھ کی لکیروں یا پرندوں کے ذریعے سے فال نکالتا ہے جو کہ لکھ کر لفافے میں بند کی ہوتی ہے پھر پرندہ اس لفافے کو نکال لاتا ہے تو کیا ایسا شخص کافر ہے یا فاسق؟ وضاحت فرمائیں۔

نیز رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے علم غیب کی نفی مع الادلة واضح فرمائیں۔

الجواب بعون الملک الوھاب

جنات کے ذریعے غیب کی باتیں بتانا جائز نہیں ہے کیونکہ جنات کو خود علم غیب حاصل نہیں ہے لہٰذا ان کی باتوں میں ایک آدھ بات سچی اور باقی سب جھوٹ ہوتا ہے اور جنات کے ذریعے لوگوں کو غیب کی خبریں بتانے سے لوگوں کے اذہان میں اوہام پیدا ہوتے ہیں جس سے لوگوں کے عقائد خراب ہوتے ہیں لہٰذا یہ ناجائز ہے۔

۲۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم سے علم غیب کی نفی نصوص قطعیۃ سے ثابت ہے کیونکہ غیب کا علم اللہ تعالیٰ کی خاصیت ہے۔اسی لئے اللہ تعالیٰ کی صفات علیم، عالم، علام، اعلم، علیم بذات الصدور، عالم الغیب والشھادۃ، علام الغیوب اور اللہ اعلم بمایکتمون ہیں۔

۳۔ جو شخص فال نکالتا ہے اور اس کا عقیدہ یہ ہو کہ میں علم غیب سے واقف ہوں تو ایسا شخص کافر ہے اور اگر اس کا عقیدہ یہ نہیں ہے بلکہ صرف کاروبار کیلئے ایسا کرتا ہے تو یہ شخص فاسق و گناہگار ہے کیونکہ اس سے لوگوں کے عقائد پر برا اثر پڑتا ہے۔

لقولہ تعالی(البقرہ:۳۳): إِنِّي أَعْلَمُ غَيْبَ السَّمٰوَاتِ وَالْأَرْضِ وَأَعْلَمُ مَا تُبْدُوْنَ وَمَا كُنْتُمْ تَكْتُمُوْنَ

(الانعام:۵۹): وَعِنْدَه مَفَاتِحُ الْغَيْبِ لَا يَعْلَمُهَا إِلَّا هُوَط

(هود:۱۲۳): وَلِلّٰهِ غَيْبُ السَّمٰوَاتِ وَالْأَرْضِ وَإِلَيْهِ يُرْجَعُ الْأَمْرُ كُلُّه فَاعْبُدْهُ وَتَوَكَّلْ عَلَيْهِ وَمَا رَبُّكَ بِغَافِلٍ عَمَّا تَعْمَلُونَ

(كهف :۲۶): قُلِ اللّٰهُ أَعْلَمُ بِمَا لَبِثُوْا لَه غَيْبُ السَّمٰوَاتِ وَالْأَرْضِ أَبْصِرْ بِه وَأَسْمِعْ مَا لَهُمْ مِنْ دُونِه مِن وَّلِيٍّ وَّلَا يُشْرِكُ فِيْ حُكْمِه أَحَدًا

(النحل: ۷۷): وَلِلّٰهِ غَيْبُ السَّمٰوَاتِ وَالْأَرْضِ وَمَا أَمْرُ السَّاعَةِ إِلَّا كَلَمْحِ الْبَصَرِ أَوْ هُوَ أَقْرَبُ إِنَّ اللّٰهَ عَلٰى كُلِّ شَيْءٍ قَدِيْرٌ

(الانعام :۵۰): قُل لَّا أَقُوْلُ لَكُمْ عِنْدِيْ خَزَائِنُ اللّٰهِ وَلَا أَعْلَمُ الْغَيْبَ وَلَا أَقُوْلُ لَكُمْ إِنِّيْ مَلَكٌ إِنْ أَتَّبِعُ إِلَّا مَا يُوْحٰى الخ

(الاعراف ۱۸۸): قُلْ لَا أَمْلِكُ لِنَفْسِيْ نَفْعًاوَّلَا ضَرًّا إِلَّا مَا شَاءَ اللّٰهُ وَلَوْ كُنْتُ أَعْلَمُ الْغَيْبَ لَاسْتَكْثَرْتُ مِنَ الْخَيْرِ

(لقمان :۳٤):إِنَّ اللّٰهَ عِنْدَه عِلْمُ السَّاعَةِ وَيُنَزِّلُ الْغَيْثَ وَيَعْلَمُ مَا فِي الْأَرْحَامِ وَمَا تَدْرِي نَفْسٌ مَّاذَا تَكْسِبُ غَدًا وَمَا تَدْرِي نَفْسٌ بِأَيِّ أَرْضٍ تَمُوْتُ إِنَّ اللّٰهَ عَلِيْمٌ خَبِيْرٌ

وفی المشکوۃ (صـ۳۹۲): وعن عائشة رضی الله عنها قالت سأل اناس رسول اللهﷺ عن الکهان

وفی الدرالمختار مع ردالمحتار (۶/۴۱۲): ویسلم المسلم علی اھل الذمة لوله حاجة والاکرہ ھوالصحیح .... ولو سلم علی الذمی تبجیلا یکفر لان تبجیل الکافر کفر۔

وفی الشامیة: (لوله حاجة) ... قال فی التاتارخانیة لان النھی عن السلام لتوقیره ولاتوقیر اذا کان السلام لحاجة۔

(۱۳۴) کیا مولانا کہنا شرک ہے؟

سؤال

کیافرماتے ہیں علماء کرام ومفتیان عظام اس مسئلہ کے بارے میں کہ زید کی عادت ہے کہ ہر عالم دین کوادب کے ساتھ مولانا کے لفظ سے مخاطب ہوتا ہے جبکہ عمرو اسے کہتا ہے کہ مولانا کا لفظ عام مخلوق کے لئے استعمال کرنا صحیح نہیں اس لئے کہ ہمارے مولی توصرف اللہ تعالی ہیں۔آیا یہ بات صحیح ہے؟

الجواب بعون الملک الوھاب

صورت مسئولہ میں زید کا کسی بھی عالم کے ادب کے لئے مولانا کا لفظ استعمال کرنا صحیح ہے اور عمرو کا قول صحیح نہیں کیونکہ یہ لفظ (مولی) جب مخلوق کے لئے استعمال ہوتو اس سے وہ معنی مراد نہیں ہوتے جو خالق کے لئے استعمال کے وقت مراد ہوتے ہیں۔

لمافی جامع المسانید والسنن (۱۹/۲۱۵): .... رسول اللہ ﷺ یقول لعلی رضی اللہ عنہ یوم غدیر خم: ألیس اللہ اولی بالمؤمنین قالوا بلی ، قال : اللھم من کنت مولاہ فعلی مولاہ۔

وفی المشکوۃ (ص۵۶۴): عن زید بن ارقم رضی اللہ عنہ ان النبی ﷺ قال من کنت مولاہ فعلی مولاہ۔

وفی الھندیة (۵/۳۷۸): ولوقال لاستاذہ مولانا لابأس به وقد قال علی رضی اللہ عنہ لابنه الحسن قم بین یدی مولاك عنی استاذہ وکذا لابأس به اذا قال لمن ھو أفضل منه۔

(۱۳۵) کافر سے جھاڑ پھونک کرانا

سؤال

کیافرماتے ہیں علماء کرام ومفتیان عظام اس مسئلہ کے بارے میں کہ مریض پر کافر سے جھاڑ پھونک کرانا جائز ہے یانہیں؟ میرے ایک دوست کا کہنا کہ اس میں کوئی حرج نہیں ہے جبکہ میرا دل اسے تسلیم نہیں کرتا اور مجھے یہ شرک معلوم ہوتا ہے۔آپ قرآن

وسنت کی روشنی میں فیصلہ صادر فرمائیں کہ کس کی بات صحیح ہے؟

الجواب بعون الملک الوھاب

ایسی جھاڑ پھونک جس میں شرکیہ الفاظ ہوں یا جس کے معنی معلوم نہ ہوں جائز نہیں ہے اور کفار کی جھاڑ پھونک عام طور پر ایسی ہی ہوتی ہے لہٰذا اجتناب کرنا چاہیئے۔

لمافی الصحیح لمسلم (۲/۲۲۴): عن عوف بن مالك الاشجعی قال کنا نرقی فی الجاهلية فقلنا یارسول الله کیف تری فی ذلك فقال اعرضوا علی رقاکم لا بأس بالرقی مالم یکن فیه شرك۔

وفی شرح الفقه الاکبر (ص۱۵۰): واتفقوا کلهم ایضا علی ان کل رقية وتعزيم اوقسم فيه شرك بالله فانه لایجوز التکلم۔ وکذا الکلام الذی لایعرف معناه لایتکلم به لامکان ان یکون فيه شرك لایعرف۔

(۱۳۶) ارکان اسلام کا انکار

سوال

کیا فرماتے ہیں علماء کرام ومفتیان عظام اس مسئلہ کے بارے میں کہ ایک شخص کا کہنا یہ ہے کہ اگر زکوۃ ڈھائی فیصد سے زیادہ ہوتی اور روزے ایک مہینے سے زیادہ ہوتے تو میں نہ تو زکاۃ ادا کرتا اور نہ ہی روزے رکھتا۔ ایسے شخص کے بارے میں کیا حکم ہے؟

الجواب بعون الملک الوھاب

صورت مسئولہ میں اگر اس شخص کی مراد یہ ہے کہ میرے اندر اس سے زیادہ کی طاقت نہیں لہٰذا میں حکم کی بجا آوری نہیں کر سکتا تو اس میں کوئی حرج نہیں۔ اور اگر مقصود اللہ تعالی کے حکم کا انکار ہے تو اس سے یہ شخص کافر ہو جائے گا۔ البتہ بہر صورت اس طرح کے کلمات سے اجتناب کرنا چاہیئے۔

لمافی التاتارخانية (۵/۴۸۶): لوقال لوامرنی الله بالزکاة اکثر من خمسة دراهم او الصوم اکثر من شهر لاافعل فانه کفر۔

وفی الهندية (۲/۲۷۰): ولو قال هذه الطاعات جعلها الله عذابا علينا ان تأول ذلك لا یکفر۔

وفی الهندية (۲/۲۵۸): اذاقال لوامرنی الله بکذا لم افعل فقد کفر کذافی الکافی۔

فقال لهم رسول اللهﷺ انهم لیسوا بشئ قالوا یارسول الله فانهم یحدثون احیانا بالشئ یکون حقافقال رسول اللهﷺ تلك الکلمة من الحق یخطفها الجنی فیقرها فی اذن ولیه قر الدجاجة فیخلطون فیها اکثر من مائة کذبة متفق علیه۔

وفیه أیضا (صـ۳۹۳): عن ابی هریرة قال قال رسول اللهﷺ من اتی کاهنا فصدقه بمایقول .... فقد برئ مما انزل علی محمد۔

قال الملاعلی القاری تحته فی المرقات (۹/ ۱۷): (فقد برئ مما انزل الله) ای کفر وهو محمول علی الاستحلال اوعلی التهدید والوعید۔

وفی النبراس (صـ۵۷۵): خامسها خبر الکاهن لانه ممایخبره الجن عن مشاهدة اوسماع عن الملائکة الذین عرفوا الکوائن المستقبلة بالوحی ثم نقول قد نطق کثیر من الاحادیث واقوال السلف بکفر المنجم والکاهن ومن یصدقهماوذکر غیر واحد من المحققین ان التکفیر خاص بمن یدعی علم الغیب اویزعم النجوم مدبرة بالاستقلال اویزعم الجن عالم بالغیب ......قلت ومع هذا لیس الاشتغال بالنجوم والکهانة وتصدیقهما من فعل الصالحین ولاشك ان فیها اخلالا بعقائد ضعفاء المسلمین لزعمهم ان المخبرعالم بالغیب۔

وفی شرح الفقه الاکبر (صـ۱۵۱): وبالجملة العلم بالغیب امر تفرد به اللهتعالی لاسبیل الیه للعباد الاباعلام منه۔

وفیه ایضا (صـ۱۴۹): ومنها ان تصدیق الکاهن بمایخبر من الغیب کفر لقوله تعالی قل لایعلم من فی السماوات والارض الغیب الاالله ولقوله علیه السلام من اتی کاهنا فصدقه بمایقول فقد کفر بماانزل علی محمد ......ثم الکاهن هو الذی یخبر عن الکوائن فی مستقبل الزمان ویدعی معرفة الاسرار فی المکان۔

وفی التفسیر المنیر (۲۲/۱۶۰): لیس لاحد من الملائکة والجن والانبیاء والناس ادعاء علم الغیب وانماذلك مختص باللهتعالی۔

وفی الدرالمختار مع ردالمحتار (۴/۲۴۲): والکاهن لمافی مختصر النهایة للسیوطی من یتعاطی الخبر عن الکائنات فی المستقبل ویدعی معرفة الاسرار......والحاصل ان الکاهن من یدعی معرفة الغیب باسباب وهی مختلفة فلذا انقسم الی انواع متعددة کالعراف والرمال والمنجم وهوالذی یخبر عن المستقبل بطلوع النجم وغروبه والذی یضرب بالحصی والذی یدعی ان له صاحباه من

الجن یخبر عما سیکون والکل مذموم شرعا محکوما علیهم وعلی مصدقهم بالکفر وفی البزازیة یکفر بادعاء الغیب وباتیان الکاهن وتصدیقه۔

(۱۳۹) عالم دین کے ساتھ بغض رکھنا

سؤال

کیا فرماتے ہیں علماء کرام ومفتیان عظام اس مسئلہ کے بارے میں کہ ایک صاحب علم کی فضیلت پر بیان کررہے تھے، بیان کرتے ہوئے انہوں نے ایک بات یہ بیان کی کہ اگر کوئی شخص عالم دین کے ساتھ بغض رکھے تو وہ اس کی وجہ سے کافر ہوجاتا ہے۔کیا یہ بات صحیح ہے؟

الجواب بعون الملک الوھاب

صورت مسئولہ میں مذکورہ شخص کا یہ کہنا اس اعتبار سے صحیح ہے کہ اگر کوئی شخص کسی عالم دین سے اس کے عالم ہونے کی بناء پر بغض رکھے تو اس کے دائرہ اسلام سے خارج ہونے میں کوئی تردد نہیں ہے۔البتہ اگر علم کے علاوہ کسی اور وجہ سے ایسا کرتا ہے تو پھر وہ کافر نہ ہوگا تاہم کسی مسلمان خصوصاً عالم دین سے بغض رکھنا درست نہیں۔لقولہ علیہ السلام ولا تباغضوا ولا تحاسدوا الخ

لمافی شرح الفقه الاکبر (ص۱۷۳): وفی الخلاصة من ابغض عالما من غیر سبب ظاهر خیف علیه الکفر۔قلت: الظاهر انه یکفر لانه اذا ابغض العالم من غیر سبب دنیوی اواخروی فیکون بغضه لعلم الشریعة ولاشك فی کفر من انکره فضلا عمن ابغضه۔

وفی ردالمحتار (۴/۷۲): ذکر فی شرحه علی الملتقی ایضا انه علی وجه المزاح یعزر فلو بطریق الحقارة کفر لان اهانة اهل العلم کفر علی المختار۔

(۱۴۰) عالم کی تضحیک کا حکم

سؤال

کیا فرماتے ہیں علماء کرام ومفتیان عظام اس مسئلہ کے بارے میں کہ کسی عالم دین کی تضحیک کرنا اور اسے مذاق کا نشانہ بنانا، اس کے لئے ایسے الفاظ کا استعمال کرنا جو عرف میں برے سمجھے جاتے ہیں مثلاً عالم کو ''رانگڑ'' یا ''رانگڑ اول'' کہنا جبکہ عرف میں رانگڑ جاہل اور بدتہذیب لوگوں کو کہا جاتا ہے، کیا حکم رکھتا ہے؟

الجواب بعون الملک الوھاب

صورت مسئولہ میں ایسے شخص کے بارے میں کفر کا اندیشہ ہے لہٰذا ایسے کلام سے اجتناب کرنا چاہیئے۔

لمافی التاتارخانیة (۵/۵۰۸): وفی الذخیرة ومن شتم عالما اوفقیھا من غیر سبب خیف علیه الکفر۔

وفی الھندیة (۲/۲۷۰): ویخاف علیه الکفر اذا شتم عالما اوفقیھا من غیر سبب۔

(۱۴۱) عالم دین کو مسجد کا میراثی کہنے کا حکم

سؤال

کیا فرماتے ہیں علماء کرام ومفتیان عظام اس مسئلہ کے بارے میں کہ ایک صاحب نے ایک عالم کے بارے میں یوں کہا کہ ''میرے اور ان کے درمیان یہ فرق ہے کہ میں میدان کا میراثی ہوں اور وہ مسجد کا'' ایسے بے ہودہ کلمات کہنے والے شخص کا شریعت میں کیا حکم ہے؟

الجواب بعون الملک الوھاب

صورت مسئولہ سے پہلے یہ سمجھئے کہ عام ضابطہ یہ ہے کہ انسان کا جس سے تعلق ہوتا ہے اس کے تمام متعلقین سے بھی وہ روابط رکھتا ہے اور ان میں سے کسی کے بارے میں ہر ایسی بات کہنے سے گریز کرتا ہے جس کی وجہ سے اس کے تعلقات پر برا اثر پڑے چاہے اسے کسی موقع پر تھوڑا بہت نقصان ہی کیوں نہ برداشت کرنا پڑے، اب یہ دیکھ لیجئے کہ علماء کون ہیں؟ ان کے بارے میں صادق ومصدوق رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے یہ الفاظ فرمائے ہیں ''العلماء ورثة الانبیاء'' الحدیث (مشکوۃ المصابیح ۳۴) یعنی علماء انبیاء کے وارث ہیں۔ اب ہر شخص بخوبی جانتا ہے کہ جب کسی شخص کا کسی خاندان کے بڑے سے تعلق ہو اور وہ اس کے خاندان کے دوسرے افراد پر لعن طعن کرے چاہے وہ ورثاء کیسے ہی کیوں نہ ہوں تو اس خاندان کا بڑا کبھی بھی اسے برداشت نہیں کرے گا خاص طور پر جب وہ خاندان کا سربراہ فخریہ طور پر اپنے خاندان والوں کے بارے میں کہے کہ یہ میرے اپنے ہیں، پھر کیا خیال ہے آپ کا ان علماء کے بارے میں جن کے بارے میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم خود یہ فرمارہے ہیں کہ یہ میرے اپنے ہیں اور ان کا صرف میرے ساتھ تعلق نہیں بلکہ تمام انبیاء کے ساتھ ہے، اس کے بعد وہ شخص جسے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی محبت کا دعوی ہو، زبانی دعوے میں وہ عشق نبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو اپنی زندگی کا بہترین سرمایہ شمار کرتا ہو، وہ آپ کی اطاعت کو اپنی کامیابی کا ذریعہ گردانتا ہو، اس کے باوجود جنہیں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اپنا کہیں ان پر اعتراضات کرے ان کے بارے میں نازیبا الفاظ استعمال کرے تو کیا یہ شخص اپنے دعوے میں سچا سمجھا جائے گا؟؟؟

باقی رہا یہ معاملہ کہ علماء میں اگر آپ کو کوئی خامی نظر آتی ہے تو یہ بات ذہن میں رہے کہ اگر وہی غلطی آپ کی اولاد کرے یا آپ کا کوئی عزیز کرے تو آپ کا اس پہ ردعمل کیا ہوگا؟ کیا آپ وہاں یہ دلیل نہیں دیں گے کہ انسان خطاء کا پتلا ہے اس سے خطاء کا سرزد ہونا کو

ئی بعید نہیں پھر کیا وجہ ہے کہ آپ کو علماء پر نکتہ چینی کرتے وقت بھولے سے بھی یہ بات یاد نہیں آتی کیا آپ انہیں فرشتے سمجھتے ہیں؟ کہ ان سے غلطی کا صدور نہیں ہونا چاہیئے۔

دوسری بات یہ کہ یہ آپ کا معیار ہے کہ آپ انہیں قابل ملامت ٹھہرا رہے ہیں آپ کو کیا معلوم کہ جس وجہ سے ان پر ملامت کر رہے ہیں اس کی حقیقت تک آپ پہنچے ہیں یا نہیں ورنہ اگر یہ لوگ ایسے ہی ہوتے جیسا کہ آپ کا خیال ہے تو اللہ تعالیٰ کو تو معلوم تھا ناں، کہ یہ ایسے ہوں گے پھر اپنے نبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے یہ اعلان کیوں کروایا ("العلماء ورثة الانبياء" الحديث) کیوں کہ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم تو ایک بات بھی اپنی طرف سے بیان نہیں فرماتے جب تک اللہ تعالیٰ انہیں اس کا حکم نہ دیں وَمَا يَنْطِقُ عَنِ الْهَوٰى اِنْ هُوَ اِلَّا وَحْيٌ يُّوْحٰى (النجم:٤،٣) آخر کوئی بات تو تھی کہ اللہ تعالیٰ نے یہ اعلان کروایا، چنانچہ یہی وجہ ہے کہ فقہاء نے اپنی کتابوں میں اس بات کی صراحت کی ہے کہ اگر کوئی شخص علماء پہ بلا وجہ لعن طعن کرے تو سخت گناہ گار ہے اور اگر علماء کو برا بھلا کہنے سے مقصود دین اسلام کی اہانت واستخفاف ہو تو ایسے شخص کے اسلام سے خارج ہونے میں کوئی تردد نہیں۔

اب اس کے بعد وہ حضرات ذرا اپنی زندگی کا جائزہ لے لیں جن کا مشغلہ ہی یہ ہے کہ جہاں کسی عالم کا تذکرہ ہوا انہوں نے فوراً علماء کی مخالفت میں دلائل دینا شروع کر دیے، کیا یہ حضرات اپنے تئیں اسے دانشمندی گردانتے ہیں، یہ کیسی دانشمندی ہے جو دین کو کمزور کرنے کے مترادف ہے کیونکہ لوگ اس طرح کی باتوں کی وجہ سے دین سے متنفر ہوں گے، یہ ہمارا اپنا نقصان ہے اس طرح کی باتوں سے ہم کسی کا کیا بگاڑ رہے ہیں۔ اس مشغلہ میں وہ لوگ بھی برابر کے شریک ہیں جو کسی داڑھی والے شخص یا کسی مدرسے سے وابستہ شخص کی برائی کو علماء کی برائی قرار دے کر اسے کئی دنوں تک اخبارات کی زینت بناتے ہیں اور اتنا معلوم کرنے کی زحمت بھی گوارا نہیں کرتے کہ وہ کون تھا واقعی عالم تھا یا مدرسے کا باورچی، اور ستم بالا ستم یہ کہ اپنی غلطی ماننے کو تیار بھی نہیں ہوتے۔

آخری گزارش! اگر واقعی ایسا ہے کہ کسی جگہ کوئی ایسا شخص ہے جس نے علماء کا لبادہ اوڑھ رکھا ہے اور اس کے کام علماء کے طریقے کے خلاف ہیں تو آپ بتائیں آپ اس کی اصلاح چاہتے ہیں؟ یا اسے مزید بربادی کی طرف دھکیلنا چاہتے ہیں؟ اگر اصلاح مقصود ہو تو جگہ جگہ مجالس میں بیٹھ کر کسی کی برائی بیان کرنا یہ اصلاح کا طریقہ نہیں اگر اس طرح کی کوئی مثال موجود ہو کہ اس روش پر کسی کی اصلاح ہوئی ہو تو آپ بتادیں بلکہ اصلاح کا طریقہ یہ ہے کہ آپ جس کی اصلاح چاہتے ہیں اسے نرمی سے علیحدگی میں سمجھا دیں خود نہیں سمجھا سکتے تو اس کیلئے کسی ایسے شخص کا انتخاب کریں جو یہ کام احسن طریقے سے پورا کر سکے، اور اگر آپ سے یہ کام نہیں ہو سکتا تو بلا وجہ غیبت کر کے اپنی نیکیاں برباد نہ کریں بلکہ آپ اس معاملے کو چھوڑ دیں جیسا کہ آپ بہت سے معاملات پر اس لئے خاموش رہتے ہیں کہ آپ کے اظہار خیال کا کوئی فائدہ نہیں ہے ایسے ہی اسے بھی سمجھ لیجئے کہ آپ کے بولنے کا کوئی فائدہ نہیں کیونکہ اگر آپ سے اچھا کام نہیں ہو سکتا تو برائی نہ پھیلائیں، یہی آپ کے اور آپ کے مسلمان بھائیوں کے حق میں بہتر ہے اور اگر خاموش بھی نہیں رہ سکتے تو کم سے کم اتنا ضرور کیجئے کہ اس فرد واحد کی برائی کریں نہ کہ اس برائی میں تمام علماء کو شامل کریں جیسا کسی ادارے میں اگر کوئی ایک شخص خراب ہو تو آپ اسے ہی برا شمار کرتے ہیں اور اگر کوئی دوسرا بھی اس ادارے کی برائی کرے تو آپ اسے سمجھانے کی کوشش کرتے ہیں کہ سارا ادارہ ایسا نہیں بلکہ یہ سارا

کیا دھرا فلاں شخص کا ہے اگر یہ یہاں سے فارغ ہو جائے تو یہ ادارہ بالکل صحیح ہے تو یہی معاملہ یہاں بھی کیجئے حالانکہ ہو سکتا ہے کہ کسی ادارے کا دفاع کرنے سے آپ کو کوئی فائدہ نہ ہو جب کہ اس معاملے میں اگر آپ نے دین کی نصرت کی نیت کر لی تو یہ آپ کے ہمیشہ کام آنے والی چیز کا سودا ہے کہ اللہ تعالیٰ آپ کو اس پر اجر جزیل عطاء فرمائیں گے۔ اللہ تعالیٰ آپ کا حامی و ناصر ہو۔

لما فی الاشباہ والنظائر (صـ۱۹۱): الاستهزاء بالعلم والعلماء كفر۔

وفی المحيط البرهانی (۴۲۰/۷): واذا خاصم فقيها فی حادثة وبين الفقيه له وجها شرعيا فقال ذلك المخاصم اين دانشمندی بود او قال دانشمندی مکن که پيش نرود يخاف عليه الكفر واذا قال لفقيه ای دانشمندك او قال لعلوی ای علويك لا يكفر ان لم يكن قصد الاستخفاف بالدين۔

وفی خلاصة الفتاوی (۳۸۸/۴): ومن ابغض عالما بغير سبب ظاهر خيف عليه الكفر ...نقل عن الامام الفضلی ان فقيها شكیٰ اليه وقال !قال رجل: دمزه اينجاماندی ورفتی لكتاب تركه فامر الفضلی بقتله۔

وفی البزازية علی هامش الهندية (۳۳۷/۶): قال الفقيه دانشمندك او لعلوی علويك يكفر ان قصد به الاستخفاف بالدين وان لم يرد به الاستخفاف بالدين لا يكفر ويجئی التصغير للتعظيم ايضا وشتم العالم او العلوی لامرغير صالح فی ذاته وعداوته لخلافه الشرع لا يكون كفراً ولا خطأً۔

وفی الدرالمختار (۷۱/۴): لا يعزر بيا حمار يا خنزير، يا كلب. يا تيس، يا قرد، يا ثور: يا بقر. ياحية لظهور كذبه واستحسن فی الهداية التعزير...

وفی الشامية (واستحسن فی الهداية)...وقيل ان كان المسبوب من الاشراف كالفقهاء والعلوية يعزر لانه يلحقهم الوحشة بذلك وان كان من العامة لا يعزر وهذا احسن ...(صـ۷۲۔ تنبيه) ذكر فی شرحه علی الملتقی ايضا انه لو علی وجه المزاح يعزر فلو بطريق الحقارة كفر لان اهانة اهل العلم كفر...

(۱۴۲) علماء کرام کو سب وشتم کرنے والے کا حکم

سوال

کیا فرماتے ہیں علماء کرام ومفتیان عظام اس مسئلہ کے بارے میں کہ جو یوں کہتا ہو کہ موجودہ زمانے کے علماء کرام یہودی اور

نصرانی ہیں ان میں کوئی بھی ایسا عالم نہیں جو شریعت کے راستے پر چلتا ہو اور وہ علماء کرام کو سب وشتم بھی کرتا ہو تو ایسے شخص کا کیا حکم ہے؟

الجواب بعون الملک الوھاب

مذکورہ شخص اگر علماء کرام کو حقیر سمجھتے ہوئے اور ان کی اہانت کرتے ہوئے ایسے الفاظ کہتا ہے تو وہ کافر ہے اس طرح اگر بغیر کسی سبب کے ایسا کہے تب بھی کافر ہو جائے گا۔

دلائل المسئلة مرت سابقافی رقم السؤال : ۱۳۹ ، ۱۴۰

(۱۴۳) مشائخ پر لعن طعن کرنے والے سے تعلقات رکھنا

سؤال

کیا فرماتے ہیں علماء کرام ومفتیان عظام اس مسئلہ کے بارے میں کہ غیر مقلدین جو فقہ کے منکر ہیں اور بڑے بڑے مشائخ کو گالیاں دیتے ہیں خاص طور پر احناف سے حد درجہ بغض وعناد رکھتے ہیں اور خصوصا صاحب ہدایہ وغیرہ کو گالیاں دیتے ہیں۔ وجہ صرف یہ ہے کہ انہوں نے مذہب حنفی کو قرآن وسنت کے دلائل سے ثابت کیا ہے۔ یہ حضرات اس بات کو تسلیم نہیں کرتے اور سب وشتم پر اتر آتے ہیں۔ آیا ایسے منکرین فقہ اور گستاخ مشائخ لوگوں کے ساتھ تعلقات رکھنا جائز ہے یا نہیں؟ اگر یہ امام بنیں تو ان کی اقتدا میں نماز پڑھنا صحیح ہے یا نہیں؟

الجواب بعون الملک الوھاب

ایسے اشخاص فاسق ہیں۔ مشائخ اور فقہاء کرام کو گالیاں دینے سے کفر کا اندیشہ ہے لہٰذا ان سے تعلقات قائم کرنا اور ان کی اقتداء میں نماز پڑھنا مکروہ ہے۔

لمافی احکام القرآن للقرطبی (۱۳/۱۷): فَلَا تَقْعُدْ بَعْدَ الذِّكْرَى مَعَ الْقَوْمِ الظّٰلِمِين ...... قال ابن العربي وهذا دليل على مجالسة اهل الكبائر لاتحل۔

وفی الهندية (۱/۸۵): وتجوز امامة الاعرابي ...... والفاسق ... الاانها تكره۔

وفيه ايضا (۲/۲۷۰): من ابغض عالما من غير سبب ظاهر خيف عليه الكفر۔

وفی ردالمحتار (۴/۲۳۷): وترد شهادة من يظهر سب السلف لانه يكون ظاهر الفسق ... وقال الزيلعي اويظهر سب السلف يعني الصالحين منهم وهم الصحابة والتابعون لان هذه الاشياء تدل على قصور عقله وقلة مروء ته۔

(۱۴۴) بے نمازی اور اس کے ساتھ تعلق رکھنے کا حکم

سؤال

کیا فرماتے ہیں علمائے کرام ومفتیانِ عظام اس مسئلہ کے بارے میں کہ بے نمازی کو کامل مسلمان کہنے اور اس کے گھر کا کھانا کھانے اور اس کے ساتھ تعلقات رکھنے کا شرعاً حکم کیا ہے؟

الجواب بعون الملک الوهاب

جان بوجھ کر محض اپنی سستی کی وجہ سے نماز نہ پڑھنا بہت بڑا گناہ ہے۔ قرآن وحدیث میں ایسے شخص کے متعلق بہت سخت وعیدیں آئی ہیں تاہم ایسا شخص ایمان سے نہیں نکلتا بلکہ مؤمن ہوتا ہے گو کامل ایمان نہ ہو لہٰذا یہ گناہوں کی سزا بھگتنے کے بعد ضرور جنت میں جائے گا اور چونکہ یہ مومن ہے اس لئے دوسرے مسلمانوں پر اس کے حقوق (عیادت، جنازہ وغیرہ) ادا کرنا بھی لازم ہے اور عام حالات میں اس کے ساتھ تعلقات رکھنا، اس کے گھر کا کھانا کھانا جب کہ اس میں کوئی دینی نقصان نہ ہو جائز ہے، البتہ تادیباً اس امید سے اس سے قطع تعلقی کرنا کہ شاید اس طرح وہ نماز اور دین کا پابند ہو جائے جائز ہے بلکہ اگر اس طریقہ سے اس کے نماز اور دین کے پابند ہونے کا غالب گمان ہو تو اس وقت یہ قطع تعلقی ضروری ہوگی۔ اسی طرح اگر اس سے تعلقات رکھنے میں غالب گمان یہ ہو کہ اس طرح یہ نماز اور دین کا پابند ہو جائے گا تو پھر تعلقات رکھنا مناسب ہے۔

لمافی تکملة فتح الملهم (٣٥٦/٥): وحاصل ذلك ان الهجران انما يحرم اذا كان من جهة غضب نفسانی اما اذا كان على وجه التغليظ على المعصية والفسق اوعلى وجه التاديب كما وقع مع كعب بن مالك وصاحبيه اوكما وقع لرسول اللهﷺ مع ازواجه او لعائشة مع ابن الزبير رضى الله عنهم فانه ليس من الهجران الممنوع۔

وفي الهندية (٥٠/١): ولا يقتل تارك الصلوة عامدا غير منكر وجوبها بل يحبس حتى يحدث توبة۔

وفي الشامية (٣٨٨/٦): (قوله وجاز عيادة فاسق) وهذا غير حكم المخالطة ذكر صاحب الملتقط يكره للمشهور المقتدى به الاختلاط برجل من اهل الباطل والشر الا بقدر الضرورة لانه يعظم امره بين الناس ولو كان رجل لايعرف يداريه ليدفع الظلم عن نفسه من غير اثم فلا بأس به۔

وفي الشامية (٣٣٨/٦): والمراد بها سنن الهدى كالجماعة والاذان والاقامة فان تاركها مضلل ملوم كمافی التحرير والمراد الترك على وجه الاصرار بلاعذر۔

(۱۴۵) توہین رسالت کے مرتکب کا حکم

سؤال

کیا فرماتے ہیں علماء کرام اس شخص کے بارے میں جو آپ ﷺ کو سب وشتم کرتا ہو اور توہین رسالت کا مرتکب ہو اور کہتا ہو کہ آپ ﷺ نے پوری شریعت بیان نہیں کی (العیاذ باللہ) کیا ایسا شخص مسلمان ہے یا نہیں؟

الجواب بعون الملک الوھاب

جو شخص توہین رسالت کا مرتکب ہو اور العیاذ باللہ آپ ﷺ کو سب وشتم کرتا ہو تو ایسا شخص مرتد ہے اور ایسے شخص کو وہی سزا دی جائے گی جو کہ مرتد کو دیجاتی ہے۔

لمافی الهندية (۲/۲۶۳): سئل عمن ينسب الى الانبياء الفواحش كعزمهم على الزنى ونحوه الذى يقوله الحشوية فى يوسف عليه السلام قال يكفر لانه شتم لهم واستخفاف بهم قال ابوذر من قال ان كل معصية كفر وقال مع ذلك ان الانبياء عليهم السلام عصوا فكافر لانه شاتم۔

وفى الد رالمختار مع ردالمحتار (۲۲۱،۲۲۳/۴): والكافر بسب نبى من الانبياء فانه يقتل حدا ولاتقبل توبته مطلقا ...لكن صرح فى آخر الشفاء بان حكمه كالمرتد ومفاده قبول التوبة كمالايخفى۔

وفى الشامية: ان المشهور عن مالك واحمد انه لايستتاب ولايسقط القتل عنه وهوقول الليث بن سعد وذكر القاضى عياض انه المشهور من قول السلف وجمهور العلماء وهواحد الوجهين لاصحاب الشافعى۔وحكى عن مالك واحمد انه تقبل توبته وهوقول ابى حنيفة واصحابه ...... فهذا صريح كلام القاضى عياض فى الشفاء والسبكى وابن تيمية وائمة مذهبه على ان مذهب الحنفية قبول التوبة بلاحكاية قول اخرعنهم۔

(۱۴۶) نداء غیر اللہ کے جواز کی ایک صورت

سؤال

کیا فرماتے ہیں علماء کرام ومفتیان عظام اس مسئلہ کے بارے میں کہ نداء غیر اللہ سے متعلق بعض حضرات کا کہنا ہے کہ اگر

پکارنے والا تصفیہ باطن سے منادیٰ کا مشاہدہ کررہا ہوتو جائز ہے۔اس سے معلوم ہوا کہ تصفیہ باطن کے بعد اولیاء اللہ کو پکارا جاسکتا ہے۔اس کی وضاحت فرماکر ممنون فرمائیں۔

الجواب بعون الملک الوهاب

قابل غور امر یہ ہے کہ تصفیہ باطن کے بعد نداء غیر اللہ سے کیا مراد ہے؟ تو اس کی حقیقت یہ ہے کہ جب کوئی شخص معرفت الٰہیہ میں ترقی کرتے کرتے اس حد تک پہنچ جاتا ہے کہ بعض غیر منکشف احوال اللہ تعالی اس پر منکشف فرمادیں۔اس انکشاف کو کرامت یا کشف سے تعبیر کیا جاتا ہے اور یہ کرامات وکشف صحابہ کرام رضوان اللہ علیہم اجمعین سے لیکر اولیاء اللہ تک ثابت ہیں جیسا کہ ایک لشکر حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے روانہ فرمایا، ایک موقع پر اس لشکر کو شکست ہونے لگی اور حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے عین دوران خطبہ جمعہ آواز لگائی ''یاساریة الجبل'' اور یہ آواز مدینہ سے ہزاروں میل دور لشکر نے سنی،اس پر عمل کیا اور شکست سے بچ گئے۔

اب یہاں ندائے غیر اللہ تو پائی جارہی ہے لیکن اس ندا سے مراد وہ ندا نہیں جو ہمارے یہاں معروف ہے کہ کسی ولی کو مدد کے لئے پکارا جائے تاکہ وہ اسے نفع پہنچائے یا نقصان سے بچائے کیونکہ ایسی ندا نصوص کے خلاف اور شرک ہے کیونکہ اس ندا میں اس ''ولی اللہ'' کو موثر خیال کیا جاتا ہے اور یہی شرک ہے۔باقی جو ندا اس واقعہ میں ثابت ہے اس میں شرک کا شائبہ تک نہیں کیونکہ یہ مدد کے حصول کے لئے نہیں بلکہ ایک دینی مصلحت کے تحت ہے اس طرح کی ندا کسی ولی سے بھی ظاہر ہوجائے ممنوع نہیں بلکہ یہ اس ولی کی کرامت سمجھی جائے گی۔

لمافی البداية والنهاية (۱۳۴/۷): ذكر سيف عن مشائخه ان سارية بن زنيم قصد فسا ودار ابجرد ...... فرأى عمر فى تلك الليلة فيمايرى النائم معركتهم وعددهم فى وقت من النهار ...... فخطب الناس واخبرهم بصفة مارأى ثم قال ياسارية الجبل الجبل ثم اقبل عليهم وقال :ان لله جنودا ولعل بعضها ان يبلغهم ......وذكر سيف فى رواية اخرى عن شيوخه ان عمر بينما هو يخطب يوم الجمعة اذقال: ياسارية بن زنيم الجبل الجبل۔ فلجأ المسلمون الى جبل هناك فلم يقدر العدو عليهم الامن جهة واحدة فاظفرهم الله بهم۔

وهكذا فى اسدالغابة (۱۷۴/۴)

فصل فی السنة و البدعة

(سنت اور بدعت کے بیان میں)

رسالة

دفع الظلام عن معنی البدعة أنها النية أم الالتزام

بدعت کی حقیقت، التزام یا نیت ثواب میں سے کیا چیز بدعت کے تحقق کیلئے ضروری ہے؟

بدعت کے معنی اور مصداق سے متعلق شافی وکافی بحث

(۱۴۷) بدعت کیا ہے؟

سؤال

کیا فرماتے ہیں علماء کرام ومفتیانِ عظام اس مسئلہ کے بارے میں کہ بدعت کیا ہے؟ نیز کسی بھی عمل کا التزام بدعت ہے یا اس میں دین یا ثواب کی نیت بھی ضروری ہے یا بدعت کی اقسام ہیں؟ از راہِ کرم التزام یا نیت ثواب میں سے کیا چیز وجودِ بدعت کیلئے ضروری ہے تفصیل فرمادیں۔

التزام ودوام میں فرق تحریر فرمادیں کیا دوام بھی بدعت ہوتا ہے؟ اور دوام التزام کب بنتا ہے؟

الجواب بعون الملک الوھاب

لغت کے اعتبار سے بدعت ہر نئی چیز کو کہتے ہیں خواہ وہ عادات سے متعلق ہو یا عبادات سے اور اصطلاحِ شریعت میں ہر ایسے

نو ایجاد طریقے کو بدعت کہا جاتا ہے جو ثواب کے حصول کیلئے، آپ ﷺ اور خلفاء راشدین کے بعد اختیار کیا گیا ہو اور آنحضرت ﷺ کے دور میں اس کا داعیہ اور سبب موجود ہو لیکن اس کے باوجود نہ وہ قولاً ثابت ہو اور نہ فعلاً، نہ صراحۃً اور نہ اشارۃً۔

ثابت بالنص امور میں بدعت کا تحقق نہیں ہوتا۔ بدعت کا تحقق غیر ثابت اشیاء میں ہوتا ہے۔ دوام اور التزام میں فرق نہیں کسی شی کو ہمیشگی کے ساتھ لازم سمجھتے ہوئے کرنا دوام والتزام ہے۔ ثابت بالنص امور میں دوام والتزام اسے بدعت نہیں بنائے گا بلکہ ثابت امور میں تو دوام والتزام مطلوب ہے یہی مطلب ہے اس حدیث "احب الاعمال الی اللہ ادومہا وان قل" (رواہ الشیخان) کا۔ یعنی دوام کے ساتھ نیک اعمال کا کرنا اللہ کو محبوب ہے اگرچہ کم کرے لہٰذا تہجد کی نماز، جمعرات کا ثابت روزہ، عصر سے قبل کی سنن غیر مؤکدہ یا ایسے تمام امور جو ثابت ہوں اگر کوئی انہیں التزام کے ساتھ ہمیشہ انجام دے تو وہ قطعاً بدعت نہیں کہلائیں گے بلکہ مستحسن ہونگے لہٰذا ادنیٰ سے ادنیٰ استحباب پر بھی دوام والتزام مطلوب ہے۔ باقی یہ مسئلہ علمِ کلام سے متعلق ہے کہ سنت کو واجب سمجھے یا واجب کو فرض تو اس میں اس شخص پر کیا حکم لگے گا؟ کفر ہوگا یا فسق، اس کا بدعت سے تعلق نہیں یہ علمِ کلام کی بحث ہے۔

غیر ثابت بالنص امور میں بدعت کا تحقق ہوتا ہے وہ امور جو دورِ نبوی میں ثابت نہیں اور ان کا داعیہ وسبب موجود تھا ایسے نو ایجاد طریقے بدعت ہیں اسے بنیت ثواب کیا جائے یا فقط التزام ہو دونوں بدعت ہیں اصل وجہ تو نیت ثواب ہے لیکن التزام بھی نیت ثواب کا قائمقام ہو جائے گا اور اگر کوئی بدعت کا التزام کرے اور کہے کہ میری ثواب کی نیت نہیں تب بھی یہ بدعت ہوگا۔ مثلاً تیجہ، چالیسواں، حضور ﷺ کا یوم ولادت منانا، چہلم، وغیرہ بدعات ہیں بنیتِ ثواب کرے یا ان دنوں کا فقط التزام کرے دونوں بدعت ہیں۔ اسی طرح بدھ کا روزہ سنت سمجھ کر رکھے تو یہ بدعت ہے غیر ثابت کو مسنون قرار دے رہا ہے یہ بدعت ہے البتہ ویسے ہی کبھی بدھ کا روزہ رکھ لے تو بدعت نہیں۔

الغرض ثابت بالنص امور میں بدعت کا تحقق نہیں ہوتا چاہے کتنا ہی دوام والتزام ہو بلکہ اس کا دوام یک گونہ مطلوب ہے غیر ثابت امور کو بنیت ثواب کرنا یا فقط التزام ودوام ہی اسے بدعت بنا دیتا ہے۔

لہٰذا یہاں یہ اشکال بھی وارد نہ ہوگا کہ بعض صحابہ رضوان اللہ علیہم اجمعین سے مستحبات پر دوام والتزام ثابت ہے تہجد اور روزے دواماً رکھتے تھے اور بعض حضرات سے تکبیر اولیٰ کا ایسا التزام ثابت ہے کہ چھوٹ جانے پر زار وقطار روتے تھے کیونکہ یہ سب امور ثابت ہیں اگر ان کا التزام ہو تو یہ بدعت نہیں۔ بدعت غیر ثابت امور کا التزام ہے۔ اور التزام عام ہے مکان کا ہو، ہیئت کا ہو، زمان کا ہو یا کسی بھی شئی کا التزام ہو اور وہ شئی غیر ثابت ہو تو یہ بدعت ہوگی۔

لمافی مرقاۃ المفاتیح (۲۱۶/۱) (باب الاعتصام): قال النووی: البدعة كل شئی عمل علی غیر مثال سبق وفی الشرع احداث مالم یکن فی عهد رسول الله وقوله كل بدعة ضلالة عام مخصوص۔

وفی كتاب الاعتصام (۲۲/۱) فی تعریف البدع: والثانی: ... ان یطلب تركه وینهی عنه لكونه مخالفة لظاهر التشریع فالبدعة اذن عبارة عن طریقة مخترعة تضاهی الشرعیة یقصد

بالسلوك عليها المبالغة فی التعبد لله سبحانه وهذا علی رأی من لا يدخل العادات فی معنی البدعة وانما يخصها بالعبادات واما علی رای من ادخل الاعمال العادية فی معنی البدعة فيقول البدعة طريقة فی الدين مخترعة تضاهی الشرعية يقصد بالسلوك عليها مايقصد بالطريقة الشرعية۔

وفی الشامية (١/٥٦٠): فقد تكون (ای البدعة) واجبة كنصب الادلة علی اهل الفرق الضالة وتعلم النحو المفهم للكتاب والسنة ومندوبة كاحداث نحو رباط ومدرسة وكل احسان لم يكن فی الصدر الاول ومكروهة كزخرفة المساجد ومباحة كالتوسع بلذيذ الماكل والمشارب والثياب كما فی شرح الجامع الصغير للمناوی عن تهذيب النووی ومثله فی الطريقة المحمدية للبركلی

وفی القاموس الفقهی (البدع): البدعة شرعا تطلق فی مقابل السنة ولذلك فهی فی عرف الشرع مذمومة۔البدعة شرعا: عند الحنفيه هی اعتقاد خلاف المعروف عن الرسول لا بمعاندة بل بنوع شبهة۔

(۱۴۸) قبروں پر چادریں چڑھانا اور اس کی چوری کا حکم

سؤال

کیا فرماتے ہیں علماء کرام ومفتیان عظام اس مسئلہ کے بارے میں کہ ہمارے علاقے بلکہ پورے پاکستان میں یہ رواج ہے کہ لوگ بزرگوں یا عام مردوں کی قبروں پر چادر ڈالتے ہیں۔آیا قبر پر چادر ڈالنا جائز ہے یا نہیں؟ نیز اگر کوئی اس کو چوری کرلے تو اس پر شرعی سزا کے طور پر اس کا ہاتھ کاٹا جائے گا یا نہیں؟

الجواب بعون الملک الوھاب

قبروں پر چادریں ڈالنا چاہے وہ بزرگوں کی ہوں یا عام لوگوں کی ہر صورت میں ناجائز ہے۔اور اگر ان چادروں کو کوئی چوری کرلے تو اس کے ہاتھ نہیں کاٹے جائیں گے کیونکہ یہ غیر محفوظ مال ہے۔

لمافی الھندیة (۱۷۰/۲): وھی فی الشرع اخذ العاقل البالغ نصابا محرزا اوماقیمة نصاب ملکا للغیر لاشبھة له فیه علی وجه الخفیة۔

وفی الشامیة (۲۳۸/۲): تکرہ الستور علی القبور۔

(۱۴۹) بارش کے لئے مزارات پر جانور ذبح کرنا/مصیبت کے وقت اذان دینا

سؤال

کیا فرماتے ہیں علماء کرام ومفتیانِ عظام اس مسئلہ کے بارے میں کہ ہمارے علاقے میں یہ رواج ہے کہ جب قحط سالی ہونے لگے اور بارشیں بند ہو جائیں تو بارش کے لئے مزارات پر جانور ذبح کئے جاتے ہیں۔کیا شرعا ایسا کرنا صحیح ہے؟ نیز مصیبت کے وقت اذان دینا صحیح ہے یا نہیں؟

الجواب بعون الملک الوھاب

صورت مسئولہ میں جانور اگر تقرب لغیر اللہ (غیر اللہ کی رضا وخوشنودی) کے لئے ذبح کیا تو وہ جانور حرام ہوگا۔اور اگر تقرب الی اللہ مقصود ہو اور جانور ذبح کرتے وقت بھی اللہ تعالی کا ہی نام لیا ہو تو جانور حلال ہوگا لیکن دونوں صورتوں میں مزارات پر جانور ذبح کرنا ناجائز اور بدعت ہے جس کا کوئی ثبوت خیر القرون سے نہیں پایا جاتا اس لئے اس سے احتراز لازم ہے۔

نیز مصیبت کے وقت اذان دینا مسنون ہے۔

لمافی احکام القرآن للقرطبی (۲/۲۲۳): ''وما اهل به لغیرالله'' ای ذکر علیه غیر اسم الله تعالی ... وجرت عادة العرب بالصیاح باسم المقصود بالذبیحة وغلب ذلك فی استعمالهم حتی عبر به عن النیة التی هی علة التحریم۔

وفی روح المعانی (۲/۴۲): (وما اهل لغیرا لله) ای ماوقع متلبسا به ای بذبحه الصوت لغیرا لله تعالی ... والمراد بغیر الله تعالی الصنم وغیره کماهو الظاهر۔

وفی الدرالمختار (۲/ ۳۸۵): وفی حاشیة البحر للخیر الرملی رأیت فی کتب الشافعیة انه قد یسن الاذان لغیر الصلوة کما فی اذان المولود والمهموم والمصروع۔

(۱۵۰)وعظ ونصیحت کے لئے دن متعین کرنا

سؤال

کیا فرماتے ہیں علماء کرام ومفتیان عظام اس مسئلہ کے بارے میں کہ میرے بڑے بھائی ہر جمعرات کوتبلیغی مرکز جاتے ہیں میں نے ان سے کہا کہ یہ بھی بدعت ہے لیکن وہ نہیں مانے بلکہ مجھے دلائل دینے شروع کر دیئے۔کیا اس طرح جانا درست ہے؟

الجواب بعون الملک الوھاب

وعظ ونصیحت کے لئے کسی دن کومقرر کرلینا درست اور خیر القرون سے ثابت ہے۔

لمافی الصحیح للبخاری (۱/۱۶): عن ابی وائل قال کان عبدالله یذکر الناس فی کل خمیس فقال له رجل یا اباعبدالله لوددت انك لو ذکرتنا کل یوم قال اما انه یمنعنی من ذلك انی اکره ان املکم وانی اتخولکم بالموعظة کما کان النبی ﷺ یتخولنا بها مخافة السامة علینا۔

وفی فیض الباری تحت هذا(۱/۱۷۰): ان هذه التعینات لاتعد بدعة والبدعة عندی مالاتکون مستندة الی الشرع وتکون ملتبسة بالدین۔

(۱۵۱)عاشورہ کے دن سرمہ لگانا

سؤال

کیا فرماتے ہیں علماء کرام ومفتیان عظام اس مسئلہ کے بارے میں کہ عاشورہ کے دن سرمہ لگانے کی شرعی حیثیت کیا ہے؟

کیونکہ میری والدہ مجھے عاشورہ کے دن سرمہ لگانے کی بہت زیادہ تاکید کرتی ہیں آپ شریعت کی رُو سے اس کا حل بتلائیں۔

الجواب بعون الملک الوهاب

سرمہ لگانا حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی سنت مبارکہ ہے، اور سرمہ لگانے کا کوئی خاص دن متعین نہیں ہے جب چاہیں لگا سکتے ہیں۔ لہٰذا صورت مسئولہ میں اگر کوئی شخص ہر روز سرمہ لگاتا ہو اور وہ عاشورہ کے دن بھی لگائے تو اس میں کوئی حرج نہیں۔ لیکن اگر کوئی شخص خاص یوم عاشورہ ہی کے دن سرمہ لگائے، اور اس کو ضروری یا سنت سمجھے، اور نہ لگانے والے پر طعن و تشنیع کرے تو یہ درست نہیں۔ اس سے اجتناب بہرحال لازم ہے۔

لما فی البحر الرائق (۳۷۶/۸): الاکتحال فی یوم عاشوراء لا بأس به۔

وفی المقاصد الحسنة (۴۰۱/۱): من اکتحل بالاثمد یوم عاشوراء لم ترمد عینه ابدا، الحاکم والبیهقی فی الثالث والعشرین من الشعب، والدیلمی من حدیث جویبر عن الضحاك عن ابن عباس به مرفوعا، وقال الحاکم انه منکر، قلت: بل موضوع أورده ابن الجوزی فی الموضوعات من هذا الوجه ومن حدیث ابی هریرة بسند لین فیه احمد بن منصور الشونیزی فکانه ادخل علیه وهو اسناد مختلف لهذا المتن قطعا قال الحاکم: والاکتحال یوم عاشوراء لم یرد عن النبی صلی الله علیه وسلم فیه أثر وهو بدعة ابتدعها قتلة الحسین رضی اللہ عنہ۔

وفی الشامیة (۴۱۸/۲): ''(قوله وحدیث التوسعة) وهو من وسع علی عیاله یوم عاشوراء وسع الله علیه السنة کلها'' قال جابر: جربته أربعین عاما فلم یتخلف ط وحدیث الاکتحال هو ما رواه البیهقی وضعفه ''من اکتحل بالاثمد یوم عاشوراء لم یررمدا أبدا'' ورواه ابن الجوزی فی الموضوعات، ''من اکتحل یوم عاشوراء لم ترمد عینه تلك السنة۔''

قلت: ومناسبة ذکر هذا هنا أن صاحب الهدایة استدل علی عدم کراهة الاکتحال للصائم بأنه علیه السلام قد ندب إلیه یوم عاشوراء والی الصوم فیه۔

وانما الروافض لما ابتدعوا إقامة المأتم واظهار الحزن یوم عاشوراء لکون الحسین قتل فیه ابتدع جهلة اهل السنة اظهار السرور واتخاذ الحبوب والاطعمة والاکتحال، ورووا احادیث موضوعة فی الاکتحال وفی التوسعة فیه علی العیال۔ وهو مردود بأن احادیث الاکتحال فیه ضعیفة لا موضوعة کیف وقد خرجها فی الفتح ثم قال: فهذه عدة طرق ان لم یحتج بواحد منها، فالمجموع یحتج به لتعدد الطرق۔

وفی الموضوعات الکبری (ص۳۴۱): قال: واما احادیث الاکتحال والادهان والتطیب فمن وضع الکذابین. وقابلهم آخرون فاتخذوه یوم تألم وحزن. والطائفتان مبتدعتان خارجتان عن السنة۔ واهل السنة یفعلون ما امربه النبیﷺ من الصوم، ویجتنبون ما امربه الشیطان من البدع قلت: فینبغی لمن یکتحل یوم عاشوراء ان یکون تبعا للحدیث، لا لا ظهار الفرح والحزن، کما هو طریق الخوارج المضادة للروافض. وقد اشتهر عن الرافضة فی بلاد العجم من خراسان والعراق بل فی بلاد ماوراء النهر منکرات عظیمة من لبس السواد والدواران فی البلاد، وجرح رؤوسهم وابدانهم بأنواع من الجراحة. ویدعون انهم محبوأهل البیت وهم بریئون منهم۔

(۱۵۲) مزاروں پر چادریں چڑھانا اور وہاں کا نمک چاٹنا

سؤال

کیا فرماتے ہیں علماء کرام اس مسئلہ کے بارے میں کہ ہمارے ہاں گھر کے قریب ایک مزار ہے جس پر لوگ چادریں چڑھاتے ہیں اور وہاں نمک رکھا ہوتا ہے وہ چاٹتے ہیں۔ اب میرے گھر والے بھی چادر چڑھانے کا مطالبہ کر رہے ہیں، آپ بتائیں کہ شرعاً ایسا کرنا جائز ہے یا نہیں؟

الجواب بعون الملک الوهاب

اولیاء اللہ کے مزارات پر چادریں چڑھانا بالکل بے اصل اور بدعت ہے، حضورصلی اللہ علیہ وسلم اور صحابہ کرام رضوان اللہ علیہم اجمعین سے ثابت نہیں ورنہ اس وقت اولیاء اللہ بھی تھے، لوگوں کو ان سے محبت بھی تھی اور چادریں بھی دستیاب تھیں۔ اگر اس فعل میں شرعا کوئی خوبی ہوتی تو صحابہ کرام رضوان اللہ علیہم اجمعین ضرور اس کام کو کرتے لیکن ان سے جب یہ فعل ثابت نہیں تو معلوم ہوا کہ اس فعل میں کوئی خوبی نہیں بلکہ یہ بدعت ہے۔ اور وہاں کا نمک چاٹنا بھی درست نہیں۔

لمافی مختصر تفسیر ابن کثیر (۲/۳۵۰): وَلَا تَقُوْلُوا لِمَا تَصِفُ أَلْسِنَتُكُمُ الْكَذِبَ هٰذَا حَلَالٌ وَّهٰذَا حَرَامٌ۔ الآیة (النحل۱۱۶)۔ ویدخل فی هذا کل من ابتدع بدعة لیس له فیها مستند شرعی۔

وفی المشکوة (ص۲۷): عن عائشة رضی الله عنها قالت : قال رسول الله صلی الله علیه وسلم : " من أحدث في أمرنا هذا ما ليس منه فهو رد "۔

قال الملا علی القاری فی المرقاة تحته (۱/۲۱۵): قال القاضی المعنی من احدث فی الاسلام رأیا لم

يكن له من الكتاب والسنة سند ظاهر اوخفی ملفوظ او مستند فهو مردود علیه ... وفی روایة مسلم من عمل عملا ای من اتی بشی من الطاعات او بشئ من الاعمال الدنیویة والاخرویة سواء کان محدثا او سابقا علی الامر لیس علیه امرنا ای وکان من صفته انه لیس علیه اذننا بل اتی به علی حسب هواه فهو رد ای مردود غیر مقبول۔

(۱۵۳) وضوء میں اور حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے نام پر انگوٹھے چومنا

سؤال

کیا فرماتے ہیں علماء کرام اس مسئلہ کے بارے میں کہ وضو میں انگوٹھوں کا چومنا اور محمد صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے نام مبارک پر انگوٹھوں کا چومنا اور اللہ تعالیٰ کے نام پر نہ چومنا جائز ہے یا نہیں۔ میرے ذہن میں یہ بات آتی ہے کہ اگر آپ علیہ الصلوٰۃ والسلام کے نام نامی پر یہ حکم ہے تو اللہ کے نام پر بھی ایسا ہی ہونا چاہیئے۔ آپ وضاحت فرمادیں۔

الجواب بعون الملک الوهاب

وضو میں اور حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے نام مبارک پر انگوٹھے چومنے کی شرعاً کوئی حقیقت نہیں بلکہ یہ خود ساختہ عمل ہے جو شریعت میں قابل قبول نہیں۔ نیز حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے نام پر انگوٹھے چومنے سے متعلق جو احادیث پیش کی جاتی ہیں ان میں کوئی حدیث بھی صحیح نہیں ہے۔

لمافی المشکوٰة (ص۲۷): عن عائشة رضی الله عنها قالت : قال رسول الله صلی الله علیه وسلم : " من أحدث في أمرنا هذا ما ليس منه فهو رد "۔

وفی المقاصد الحسنه (ص۳۸۳): حدیث مسح العینین بباطن انملتی السبابتین بعد تقبیلهما عند سماع المؤذن اشهد ان محمدا رسول الله مع قوله اشهد ان محمد عبده ورسوله رضیت بالله ربا ... ذکره الدیلمی فی الفردوس...... بسند فیه مجاهیل مع انقطاعه عن الخضر علیه السلام...... قال فی آخر البحث: ولا یصح فی المرفوع من کل هذا شئ۔

وفی الموضوعات الکبیر (ص۱۰۸): مسح العینین بباطن انملتی السبابتین بعد تقبیلهما عند سماع المؤذن ...... وکل مایروی فی هذا فلایصح رفعه البتة۔

رسالة

منع الطلبة

عن اخذ الاجرة على تلاوة الكتاب للبركة

برکت کیلئے قرآن خوانی اوراس پر اجرت لینا نیز مسئلہ ھذا میں پائے جانے والے بعض تعارضات کا دفیعہ

(۱۵۴) برکت کیلئے قرآن خوانی اوراس پر اجرت کا حکم

سؤال

کیا فرماتے ہیں علماء کرام ومفتیانِ عظام اس مسئلہ کے بارے میں کہ برکت کیلئے قرآن خوانی کرنا اوراس پر اجرت لینا جائز ہے یا نہیں؟ نجم الفتاویٰ (۲۲۶/۱) پر لکھا ہوا ہے "نیز قراءت قرآن پر کسی بھی صورت میں اجرت لینا ناجائز ہے" حالانکہ فاروقیہ اور بنوری ٹاؤن والوں نے برکت کیلئے قرآن خوانی کرنا اوراس پر اجرت لینا جائز قرار دیا ہے اور خود علامہ بنوری رحمۃ اللہ علیہ نے لکھا ہے "و اما اخذ الاجرة على ختم القرآن وصحيح البخاری لامر من امور الدنيا فذلك جائز واما لامر الآخرة من ايصال الثواب الى الميت وغيره فكلا ثم كلا الخ۔ "معارف السنن (۲۴۳/۲)"

اب دوبارہ گزارش ہے کہ اس بارے میں ہمارے تردد کو دور فرما کر ثواب دارین حاصل کریں۔

الجواب بعون الملک الوھاب

مناسب معلوم ہوتا ہے کہ مسئلہ سے متعلق قرآن وحدیث کے نصوص اور متقدمین فقہاء حنفیہ کی تصریحات ذکر کردی جائیں اس کے بعد مسئلے کی تنقیح کی جائے۔

اللہ تبارک وتعالیٰ کا ارشاد مبارک ہے:

"وَلاَ تَشْتَرُوْا بِآيَاتِيْ ثَمَناً قَلِيْلاً "(البقرہ:۴۱)

نیز آپ علیہ الصلوٰۃ والسلام کا مبارک ارشاد ہے:

۱۔عَنْ عِمْرَانَ بْنِ حصيْنٍ أَنَّه مَرَّ عَلٰی قَارِءٍ يَقْرَأُ ثُمَّ سَأَلَ فَاسْتَرْجَعَ ثُمَّ قَالَ سَمِعْتُ رَسُولَ اللهِ -صلى الله عليه وسلم- يَقُوْلُ مَنْ قَرَأَ الْقُرْآنَ فَلْيَسْأَلِ اللهَ بِه فَإِنَّه سَيَجِيءُ أَقْوَامٌ يَقْرَءُوْنَ الْقُرْآنَ يَسْأَلُوْنَ بِهِ النَّاسَ۔ (سنن الترمذی ۱۱۹/۲، ابواب فضائل القرآن)

۲۔عَنْ زَاذَانَ، قَالَ: مَنْ قَرَأَ الْقُرْآنَ لِيَتَأَكَّلَ بِهِ النَّاسَ لَقِيَ اللهَ وَلَيْسَ عَلٰى وَجْهِه مُزْعَةُ لَحْمٍ.
(الكتاب المصنف ۱۲۵/۶، باب من کره ان یتاکل بالقرآن)

۳۔عَنِ الْحَسَنِ، قَالَ عُمَرُ رضی الله عنه: اقْرَؤُوا الْقُرْآنَ وَسَلُوا اللهَ بِه قَبْلَ أَنْ يَقْرَأَه قَوْمٌ يَسْأَلُونَ النَّاسَ بِه.
(الكتاب المصنف ۱۲۵/۶)

۴۔ عَنْ عَبْدِ الرَّحْمٰنِ بْنِ شِبْلٍ، أَنَّ النَّبِيَّ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ: " اقْرَؤُوا الْقُرْآنَ، وَلَا تَغْلُوْا فِيْهِ، وَلَا تَجْفُوْا عَنْهُ، وَلَا تَأْكُلُوْا بِه، وَلَا تَسْتَكْثِرُوْا بِه." (مسند احمد ۴۲۸/۳)

۵۔"والدليل على انه لا يجوز الاستيجار على تعليم القرآن حديث عبدالرحمن بن شبل الانصاری ان النبی ﷺ قال اقرؤا القرآن ولا تاكلوا به وقال النبی ﷺ لمدرس العلم اياك والخبز الرقاق والشرط على كتاب الله تعالىٰ ولما اقرأ ابى بن كعب رجلا سورة من القرآن اعطاه على ذلك قوسا فقال رسول الله ﷺ اتحب ان يقوسك الله بقوس من نار فقال لاقال رد عليه قوسه ولان من يعلم غيره القرآن فهو خليفة رسول الله ﷺ فيما يعمل فانه بعث معلما وهو ما كان يطمع فی اجر على التعليم فكذلك من يخلفه۔" (مبسوط ۳۷/۱۶)

یہ اور اس جیسے صریح نصوص اس پر دال ہیں کہ قرآن کریم اور طاعات پر اجرت لینا اور اسے مکسب (کمائی کا ذریعہ) بنانا جائز نہیں۔اسی بناء پر متقدمین حنفیہ کا مذہب یہ ہے کہ طاعات پر اجرت لینا جائز نہیں۔

"ولا يجوز اخذ اجرة عسب التيس.....ولا الاستيجار على الاذان والحج وكذا الامامة وتعليم القرآن والفقه والاصل ان كل طاعة يختص بها المسلم لا يجوز الاستيجار عليه عندنا۔"(هدايه ۳۰۵/۳)

"فان المتقدمين طردوا المنع مطلقا والمتاخرون اجازوا واما اجازوه للضرورة كما صرحوا به......"(شفاء العليل ص۱۹۰)

"فقداتفقت النقول عن ائمتنا الثلثة ابی حنيفة وابی يوسف ومحمد ان الاستيجار على الطاعات باطل" (شرح العقود ص۶)

مذکورہ بالا عبارات سے واضح ہے کہ متقدمین کا مذہب طاعات پر اجرت سے منع کا ہے اور اس میں کوئی تخصیص نہیں طاعات کو

مکسب بنانا عندالحنفیہ جائزنہیں اور یہ علت (مکسب بنا کر اجرت لینے کا عدم جواز) ان ذکر کردہ نصوص کی بناء پر ہی ہے۔جیسا کہ علامہ سرخسی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں:

"والدليل على انه لا يجوز الاستيجار على تعليم القرآن حديث عبدالرحمن بن شبل الانصارى ان النبى ﷺ قال اقرؤا القرآن ولا تأكلوا به وقال ﷺ لمدرس العلم اياك والخبز الرقاق......الخ" (مبسوط ۱۶/۳۷)

نیز علامہ ابن عابدین رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں:

"(قوله: ولا لا جل الطاعات) الاصل ان كل طاعة يختص بها المسلم لايجوز الاستيجار عليها عندنا لقوله اقرؤا القرآن ولا تأكلوا به" (شامیه ۶/۵۵)

ان حوالہ جات کی بناء پر متقدمین کا مذہب اور مذہب کا اصل مدار واضح ہوتا ہے اور وہ یہ کہ قرآن کریم اور دیگر طاعات کو کمائی کا ذریعہ نہ بنایا جائے بلکہ اخلاص سے بغیر اجرت کے پڑھا اور پڑھایا جائے یہی احادیث کے نصوص سے بھی واضح ہے۔ہم نے جو نصوص ذکر کئے اور علت یعنی طاعات کو مکسب نہ بنانا یہ سب عام ہیں ان میں دینی، دنیاوی، ثواب، برکت، رقیہ وغیرہ کسی قسم کا فرق نہیں۔فقط تلاوتِ قرآن کریم مجردہ اور طاعات وغیرہ پر اجرت کو صراحۃً حرام قرار دیا جارہا ہے تاکہ قرآن پاک اور جمیع طاعات سبب کسب بن کر نہ رہ جائیں اور ان کی تعلیم یا تلاوت وقراءت چند روپوں کے عوض نہ کی جائے۔متقدمین حنفیہ کا مذہب اس سلسلے میں اتنا واضح ہے کہ کسی تفصیل وتشریح کا محتاج نہیں لیکن بعض حضرات کو مسئلہ میں اشتباہ واقع ہوا ہے لہٰذا اس کی توضیح ضروری تھی۔

یہاں یہ بات تو واضح رہے کہ طاعات مثلاً حج، روزہ وغیرہ کیلئے اجرت لینا تو قطعاً جائز نہیں اور نہ ضرورت ہے۔مسئلہ قرآن پاک اور اس سے متعلق چیزوں پر اجرت لینے کا ہے اس میں تعلیم قرآن وغیرہ امور آتے ہیں۔متاخرین حنفیہ نے ضرورت کی بناء پر اس عمومی حکم سے بعض صورتوں کا استثناء کیا ہے ضرورت سے مراد ضیاعِ دین کا اندیشہ ہے یعنی اگر ان صورتوں میں اجرت کو جائز نہ قرار دیا گیا تو دین کا ضیاع لازم آسکتا ہے جن میں تعلیم قرآن، اذان، اقامت اور وعظ وغیرہ شامل ہیں یعنی ہر وہ امر جو دین کی بقاء کیلئے ضروری ہو لیکن اس پر اجرت نہ ملنے کی بناء پر لوگ اس عمل سے اعراض کررہے ہوں تو اس پر ضرورۃً اجرت کو جائز قرار دیا جائے گا اور ظاہر ہے تعلیم قرآن، اذان اور وعظ وغیرہ ایسے امور ہیں اگر ان پر اجرت نہ ملے تو لوگ ان کی طرف رغبت نہ کریں گے کیونکہ ان میں اپنے وقت کو وقف کر کے ان کے معاش کا مسئلہ ہوگا متقدمین کے زمانے میں تو عطیات اور روزینے ملتے تھے لیکن متأخرین کے زمانے میں ایسا نہیں تھا لہٰذا متأخرین نے ان امور پر اجرت کا جواز نقل کیا ہے تاکہ ان اہم امور کا انقطاع ضیاع دین کا سبب نہ بنے۔

"تحرير مهم فى عدم جواز الاستئجار على التلاوة والتهليل ونحوه مما لا ضرورة إليه قوله (ويفتى اليوم بصحتها لتعليم القرآن الخ) قال فى الهداية وبعض مشايخنا رحمهم الله تعالى استحسنوا الاستئجار على تعليم القرآن اليوم لظهور التوانى فى الأمور الدينية ففى

الامتناع تضييع حفظ القرآن وعليه الفتوى الخ وقد اقتصر على استثناء تعليم القرآن أيضا فى متن الكنز و مواهب الرحمن و كثير من الكتب وزاد فى مختصر الوقاية و متن الإصلاح تعليم الفقه وزاد فى متن المجمع الإمامة ومثله فى متن الملتقى و درر البحار وزاد بعضهم الأذان والإقامة والوعظ وذكر المصنف معظمها ولكن الذى فى أكثر الكتب الاقتصار على ما فى الهداية فهذا مجموع ما أفتى به المتأخرون من مشايخنا وهم البلخيون على خلاف فى بعضه مخالفين لما ذهب إليه الإمام وصاحباه وقد اتفقت كلمتهم جميعا فى الشروح والفتاوى على التعليل بالضرورة وهى خشية ضياع القرآن كما فى الهداية". (ردالمحتار ۵۵/۶)

"(قوله: ويفتى اليوم بصحتها) اى فى هذا الزمان لظهور التوانى فى الامور الدينية و هذا مذهب المتأخرين من مشائخ بلخ استحسنوا ذلك وقالوا بنى اصحابنا المتقدمون الجواب على ماشاهدوا من قلة الحفاظ ورغبة الناس فيهم وكان لهم عطيات ...... واما اليوم فذهب ذلك كله واشتغل الحفاظ بمعاشهم وقل من يعمل حسبة ولا يتفرغون له ايضا فان حاجتهم تمنعهم من ذلك فلولم يفتح لهم باب التعليم بالاجر لذهب القرآن فافتوا بجوازه لذلك ورأوه حسنا وقالوا الاحكام تختلف باختلاف الزمان وهذا ظاهر فى تعليم القرآن قال السمرقندى وخصه بالذكر للاشارة الى انه لا يجوز لسائر الطاعات المذكورة"

(حاشية الطحطاوى ۳۰/۴)

ان حوالہ جات سے واضح ہوگیا کہ متقدمین حنفیہ کا مذہب تو مطلقاً تعلیم قرآن پر اجرت کے عدم جواز کا تھا متاخرین نے ضیاعِ دین کے اندیشہ کی بناء پر بعض ضروری امور میں اجرت کو جائز قرار دیا اور جہاں ضرورت نہ ہو وہ صورتیں اپنی اصل کے مطابق ناجائز رہیں گی۔ یہاں یہ واضح کردینا ضروری ہے کہ متقدمین کے مذہب کی علت ایصالِ ثواب نہیں یا دینی اور دنیاوی اغراض کا فرق اصل مذہب میں موجود نہیں بلکہ متقدمین کے مذہب کا مدار قرآنِ کریم کو مکسب نہ بنانے پر ہے چاہے ثواب ملے یا نہیں برکت ہو یا نہیں یہ سب محتمل اشیاء ہیں اور بعض حضرات نے ایصالِ ثواب کی قرآن خوانی کے ناجائز ہونے پر تائیداً یہ بھی ذکر کردیا کہ جب اجرت لے کر پڑھنے والے کو خود ثواب نہ ملے گا تو وہ ایصالِ ثواب کیا کرے گا۔ بعض فقہاء کی اس بات کو لے کر یہ کہہ دینا کہ ثواب اور اخروی امور میں تو قرآن کریم پر اجرت لینا جائز نہیں لیکن دنیاوی امور مثلاً برکت کیلئے قرآن خوانی پر اجرت لینا جائز ہو یہ محلِ نظر معلوم ہوتا ہے بلکہ فقہاء متقدمین کے مذہب کو اگر غور سے دیکھا جائے تو وہ مطلقاً قرآنِ کریم کی تلاوتِ مجردہ اور تعلیم اور طاعات پر اجرت کی حرمت کا ہے صراحۃً فقہاء تلاوتِ مجردہ پر اجرت کو حرام قرار دیتے ہیں پھر تلاوت للایصال اور تلاوت للامور الدنیاویۃ میں اجرت میں فرق کرنا محلِ نظر معلوم ہوتا ہے۔

فان المتقدمین طردوا المنع مطلقا والمتاخرون انما اجاز واما اجازو للضرورۃ کما صرحوا به والضرورۃ تتقدر بقدرها ولا ضرورۃ للاستیجار علی مجرد التلاوۃ فلا یجوز کما لایجوز اکل المیتۃ فی غیر حال الضرورۃ" (شفاء العلیل ص۱۹۰)

وقد اتفقت کلمتهم جمیعا علی التصریح بأصل المذهب من عدم الجواز ثم استثنوا بعده ما علمته فهذا دلیل قاطع وبرهان ساطع علی أن المفتی به لیس هو جواز الاستئجار علی کل طاعة بل علی ما ذکروه فقط مما فیه ضرورۃ ظاهرۃ تبیح الخروج عن أصل المذهب من طرد المنع۔ (ردالمحتار ۶/۵۵)

مسئلہ زیر بحث یعنی برکت کیلئے کی گئی قرآن خوانی میں ایسی کوئی ضرورت نہیں کہ اس کے نہ کرنے سے دین کا ضیاع ہوجائے لہٰذا یہ اصل مذہب کے اعتبار سے ناجائز رہے گی بلکہ اس کو جائز قرار دینے میں دین کا ضیاع ہے کیونکہ قرآن کریم یہاں مکسب اور کمائی کا ذریعہ بن جائے گا جو کہ احادیث اور مذہب متقدمین سے متصادم ہے۔ چنانچہ علامہ ابن عابدینؒ نہایت عمدہ انداز میں اس بات کو بیان فرماتے ہیں:

"وقد اطبقت المتون والشروح والفتاوی علی نقلهم بطلان الاستیجار علی الطاعات الافیما ذکر وعللوا ذلك بالضرورۃ وهی خوف ضیاع الدین وصرحوا بذلك التعلیل فکیف یصح ان یقال ان مذهب المتاخرین صحة الاستیجار علی التلاوۃ المجردۃ مع عدم الضرورۃ المذکورۃ فانه لو مضی الدهر ولم یستاجر احد احدا علی ذلك لم یحصل به ضرر بل الضرر فی الاستیجار علیه حیث صار القرآن مکسبا وحرفة یتجر بها وصار القاری منهم لا یقرأ شیئا لوجه الله تعالیٰ خالصا بل لا یقرأ الا للأجرۃ (شرح عقود رسم المفتی ص۶)

نیز رقیہ پر اجرت کے جواز سے بھی اس پر استدلال نہیں کیا جاسکتا۔ رقیہ میں اجرت کا جواز صریح حدیث سے ثابت ہوتا ہے یعنی قرآن پاک کے ذریعے دم اور تعویذ کرکے اجرت لینا جائز معلوم ہوتا ہے۔

باب الشرط فی الرقیة بقطیع من الغنم (بخاری ۲/۸۵۴)

عن ابن عباس: أن نفرا من أصحاب النبی صلی الله علیه وسلم مروا بماء، فیهم لدیغ أو سلیم، فعرض لهم رجل من أهل الماء، فقال: هل فیکم من راق، إن فی الماء رجلا لدیغا أو سلیما، فانطلق رجل منهم، فقرأ بفاتحة الکتاب علی شاء، فبرأ، فجاء بالشاء إلی أصحابه، فکرهوا ذلك وقالوا: أخذت علی کتاب الله أجرا، حتی قدموا المدینة، فقالوا: یا رسول الله، أخذ علی کتاب الله أجرا، فقال رسول الله صلی الله علیه وسلم: إن أحق ما أخذتم علیه أجرا کتاب الله۔

اس حدیث سے بظاہر کتاب اللہ کے ذریعے رقیہ پر اجرت لینے کا مطلقاً جواز معلوم ہوتا ہے لیکن اس حدیث کے مختلف جوابات ہیں ایک جواب تو الزامی ہے کہ اس حدیث کا تعلیم قرآن پر اجرت وغیرہ مسئلے سے تعلق ہی نہیں بلکہ یہ عمل بطور ضیافت تھا اور اس زمانے میں اگر مہمان ضیافت نہ کرے تو اس سے جبراً مال لینا بھی جائز تھا لہٰذا یہ بکریاں تو بطور ضیافت تھیں اور اس حدیث کے دو جواب اور ہیں ایک یہ کہ رقیہ علاج ہے تعلیم و تعلم اور قراءتِ محضہ نہیں اور علاج پر اجرت لینا جائز ہے دوسرا جواب یہ کہ قیاس کا تقاضہ تو رقیہ میں بھی ناجائز ہونا ہے لیکن فقہاء نے رقیہ کو خلافِ قیاس اس نص کی بنیاد پر جائز قرار دیا ہے۔

"وخالف الحنفية فمنعوه في التعليم واجازوه في الرقى كالدواء قالوا لأن تعليم القرآن عبادة والاجر فيه على الله وهو القياس في الرقى الا انهم اجازوه فيها بهذا الخبر" (فتح الباري ۳۵۸/۴)

معلوم ہوا کہ تلاوت قرآن بغرضِ رقیہ میں بھی اصل قیاس یہی تھا کہ اس پر اجرت ناجائز ہو لیکن خلافِ قیاس اس نص کی بنیاد پر رقیہ میں اجرت کو جائز قرار دیا گیا اور جو حکم خلافِ قیاس نص سے ثابت ہو وہ اپنے مورد پر خاص رہتا ہے تلاوت قرآن پر اجرت کی دیگر صورتوں کو اس پر قیاس کرنا درست نہیں یہ بالکل واضح بات ہے۔ رقیہ والی حدیث کا ایک الزامی جواب اور بھی ہے کہ اگر اس سے استدلال کر کے جواز ثابت کرنا ہی ہے تو مطلقاً ہر قرآن خوانی اور قرآن پاک پر ہر اجرت کو جائز قرار دیا جائے کیونکہ اس حدیث کے الفاظ تو مطلق ہیں:

"فقال رسول الله صلى الله عليه وسلم: إن أحق ما أخذتم عليه أجرا كتاب الله."

''آپ علیہ الصلوٰۃ والسلام نے فرمایا "سب سے زیادہ حقدار ان چیزوں میں جن پر تم اجرت لیتے ہو قرآن پاک ہے۔"

لہٰذا ایصال ثواب ہو یا برکت ہر قسم کی تلاوتِ قرآن پر اجرت کا جواز اس حدیث سے صراحۃً معلوم ہوتا ہے اور متقدمین کا مذہب نیز دیگر احادیث بالکلیہ ترک کر کے اس حدیث پر عمل کر لیا جائے جیسا کہ بعض لوگوں نے تمام صورتوں کو ہی جائز قرار دیدیا اور اصل مذہب کو بالکلیہ ترک کر دیا لیکن بندہ عرض کرتا ہے کہ یہ حدیث رقیہ کے ساتھ خاص ہے اس سے مطلقاً استدلال کرنا درست معلوم نہیں ہوتا۔ متقدمین فقہاء حنفیہ نے دیگر احادیث کے صریح نصوص کی بنا پر تلاوتِ قرآن اور طاعات پر اجرت لینے کے حرام ہونے کا قول کیا ہے البتہ رقیہ اس نص کی بنیاد پر مستثنیٰ ہے اور دیگر بعض ضروری امور ضیاعِ دین کے اندیشے کی بنا پر مستثنیٰ کیے گئے ہیں۔ تلاوتِ مجردہ بغرض قرآن خوانی چاہے ایصال ثواب مقصد ہو یا حصولِ برکت ناجائز ہیں اور ہر وہ صورت جس میں طاعات پر اجرت لی جائے اور فقہاء نے بنا بر ضرورت (ضیاعِ دین) کے اسے مستثنیٰ نہ کیا ہو وہ اجرت ناجائز اور حرام ہو گی قرآن کریم اور طاعات کو مکسب اور معاش بنانا جائز نہیں۔ یہ مسئلہ واضح اور اس کے دلائل مبرھن ہیں۔ جن حضرات نے مطلقاً قرآن خوانی پر اجرت کو جائز قرار دیا ہے انہوں نے مذہبِ حنفی کو اس مسئلے میں ترک کر دیا ہے اور جنہوں نے برکت اور دنیوی امور پر اجرت لینا جائز قرار دیا ہے وہ بظاہر ان حضرات کا تفرد معلوم ہوتا ہے۔

(۱۵۵) کیا متقدمین کے زمانے کے ہدایا اجرت تھے

سؤال

کیا فرماتے ہیں علماء کرام ومفتیانِ عظام اس مسئلہ کے بارے میں کہ تعلیم قرآن پر اجرت سے متعلق مسئلہ دریافت کرنا ہے مسئلہ صرف یہ پوچھنا ہے کہ متقدمین حنفیہ کے نزدیک مطلقاً تعلیم قرآن پر اجرت جائز نہیں متاخرین نے ضرورات کا استثناء کیا ہے مثلاً تعلیم قرآن، اذان وغیرہ پر اجرت جائز ہے مفتی صاحب متاخرین یہ اعتراف کرتے ہیں کہ پہلے اجرت بیت المال سے ملتی تھی جسے عطایا سے تعبیر کرتے ہیں لہٰذا متقدمین کے نزدیک جواز نہ تھا۔ اس رقم کو عطیہ کہیں یا ہدیہ یا وظیفہ یا روزینہ کوئی بھی نام رکھ لیں لیکن تھی تو وہ اجرت ہی لہٰذا پھر اجرت مطلقاً کیسے ممنوع اور حرام ہے بیت المال سے دی گئی اجرت بھی تو قرآن پاک کو مکسب بناتی ہے لہٰذا آپ سے اس تردد کا ازالہ مطلوب ہے کہ عام اوقات میں جو اجرت لینا حرام تھی وہ بیت المال سے کیسے لی جاتی تھی؟

الجواب بعون الملک الوھاب

صورت مسئولہ میں حضرات فقہاء متقدمین کے زمانہ میں بیت المال سے ملنے والے عطایا کو اجرت نہیں کہا جا سکتا وہ عطایا ہی تھے جو کہ بیت المال سے بغیر کسی شرط کے بطور ہدایا دیئے جاتے تھے، جبکہ اجرت کا متعین اور مشروط ہونا ضروری ہوتا ہے نیز اجرت میں اجیر کا عمل کیلئے مقید ہونا بھی ضروری ہوتا ہے اور حضرات متقدمین کے زمانہ میں معلمین تعلیم قرآن پر اجرت کیلئے مقید نہیں ہوتے تھے۔

حضرات متاخرین کے تعلیم قرآن پر اجرت کے جواز کا مطلب یہ ہے کہ اب معلم تعلیم قرآن کیلئے مقید ہوگا اور مشروط و متعین اجرت کا مستحق ہوگا جسے بزور عدالت بھی وصول کر سکتا ہے، جبکہ اس زمانہ میں عطایا کو بزور عدالت اجرت ہونے کے اعتبار سے وصول نہیں کیا جا سکتا تھا۔

لمافی المحیط البرهانی کتاب الاجارة نوع آخر فی الاستیجار علی الطاعات (۳۴۳/۱۱) ادارة: اما الیوم لیس لهم عطیات من بیت المال، والتعلیم یشغلهم عن اکتساب مالابد لهم من امر المعاش، وانقطع رغبة المعلمین فی الاحتساب، ومجازاة المتعلمین من غیر شرط فتجوز الاجارة، ویجبر المستاجر علی دفع الاجرة ویحبس لها وبه یفتی۔

وفی التاتارخانیة ، کتاب الاجارة، نوع منه فی الاستیجار علی الطاعات (۱۲۶/۱۵) فاروقیه: اما الیوم لیست لهم عطیات من بیت المال والتعلیم یشغلهم من اکتساب مالا بدلهم من امر المعاش وانقطع رغبة المتعلمین فی الاحسان فتجوز الاجارة ویجبر المستاجر علی دفع الاجرة ویحبس

لها وبه يفتى۔

وفى حاشية الطحطاوى على الدر كتاب الاجارة باب الاجارة الفاسدة (۳۰/۴) رشيديه: (قوله ويفتى اليوم بصحتها) اى فى هذا الزمان ... وكان لهم عطيات من بيت المال وافتقار المتعلمين فى مجازات الاحسان بالاحسان من غير شرط مروءة يعينوهم على معاشهم ومعادهم۔

(۱۵۶) سبز پگڑی کا اہتمام کرنا

سؤال

کیا فرماتے ہیں علماء کرام ومفتیان عظام اس مسئلہ کے بارے میں کہ آجکل ہری پگڑی اتنی عام ہوگئی ہے کہ ہر جگہ یہی نظر آنے لگی ہے کیا یہ سنت سے ثابت ہے؟ اگر ثابت نہیں تو اس کو سنت بتلانا اور اس پر اتنا سخت اہتمام کرنا کیسا ہے؟ براہ کرم مفصل انداز میں جواب دیں۔

الجواب بعون الملک الوھاب

آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے کالے، سفید اور سبز عمامہ کا استعمال ثابت ہے لیکن اکثر آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے سفید عمامہ کا استعمال کیا ہے اور خلفائے راشدین اور اکثر صحابہ کرام رضوان اللہ علیہم اجمعین کا بھی سفید عمامہ پر معمول تھا پس سفید عمامہ باندھنا افضل ہے اور سیاہ عمامہ باندھنے میں بھی کوئی حرج نہیں۔ سبز عمامہ کا استعمال آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے ثابت تو ہے لیکن آج کے دور میں چونکہ یہ اہل بدعت کا شعار بن چکا ہے اور وہ اس کو تمام دوسرے عماموں پر ترجیح دیتے ہیں اور جب کوئی کام اہل فسق وبدعت کا شعار بن جائے تو اس کا ترک کر دینا بہتر ہوتا ہے۔

لمافى القرآن الكريم (الحشر:۷): وَمَا آتٰكُمُ الرَّسُوْلُ فَخُذُوْهُ وَمَا نَهٰكُمْ عَنْهُ فَانْتَهُوْا

(الأحزاب:۲۱): لَقَدْ كَانَ لَكُمْ فِي رَسُولِ اللهِ أُسْوَةٌ حَسَنَةٌ لِّمَنْ كَانَ يَرْجُو اللهَ وَالْيَوْمَ الْآخِرَ وَذَكَرَ اللهَ كَثِيْرًا

وفى التفسير المظهرى (۱۳۳/۲): وقال على وابن عباس رضى الله عنهم كانت عليهم عمائم بيض قد ارسلوها بين اكتافهم...اهـ

وفى الجامع للترمذى (۳۰۴/۱): عن جابر قال: دخل النبى صلى الله عليه وسلم مكة يوم الفتح وعليه عمامة سوداء ... قال وفى الباب عن على وعمرو بن حريث وابن عباس و ركانة حديث جابر حديث حسن صحيح۔

وفی مصنف لابن ابی شیبة (۱۲/۵۴۵): حدثنا سلیمان بن حرب قال حدثنا جریر بن حازم عن یعلی بن حکیم عن سلیمان بن ابی عبدالله قال ادرکت المهاجرین الاولین یعتمون بعمائم کرابیس سود و بیض وحمر وخضر وصفر... (رقم: ۲۵۴)

وفی خلاصة الفتاویٰ (۳/۱۵۳): مسئله در بستن دستار سنت آنست که سفید باشد بی آمیزش رنگ دیگر ودستار مبارك آنحضرت صلی الله علیه وسلم اکثر اوقات سفید بود وگاہی دستار سیاه واحیانا سبز بعضے گفته اند در وقت جنگ وغزا برسر مبارك صلی الله علیه وسلم دستار سیاه بود......... ودر بعض کتب معتبره نوشته اند شخصی که خودرا اکثر اوقات بلباس سیاه وسبز مشهور بگرداند مکروه وممنوع است۔

وفی المستدرك علیٰ الصحیحین (۴/۵۸۳): کتاب الفتن والملاحم: حدثنا علی بن حمشاد العدل ...... عن عطاء بن ابی رباح قال: کنت مع عبدالله بن عمر فاتاه فتی یساله عن اسدال العمامة (الحدیث)... ثم أمر عبدالرحمن بن عوف یتجهز لسریة بعثه علیها واصبح عبد الرحمن قد اعتم بعمامة من کرابیس سوداء فأدناه النبی صلی الله علیه وسلم ثم نقضه وعممه بعمامة بیضاء وأرسل من خلفه اربع اصابع او نحو ذلك وقال ''ھکذا یا ابن عوف اعتم فانه اعرب واحسن'' الحدیث۔

وفی مرقاة المفاتیح (۴/۱۴۶) وفیه اشارة إلی أن کل سنة تکون شعار أهل البدعة ترکها اولیٰ۔

وفی احیاء علوم الدین (۲/۳۶۵): وبهذه العلة نقول بترك السنة مهما صارت شعارا لأهل البدعة خوفاً من التشبه بهم۔

(۱۵۷) قبروں کا طواف کرنا اور منگھو پیر کے چشمے سے غسل کرنا

سؤال

کیا فرماتے ہیں علماء کرام ومفتیان عظام اس مسئلہ کے بارے میں کہ مجھے ایک دفعہ میرے دوست ایک مزار پر لے گئے اگر چہ عام حالات میں میں مزاروں پر نہیں جاتا۔ جب میں وہاں پہنچا تو کچھ لوگ مزار کے گرد چکر لگا رہے تھے گویا طواف کر رہے تھے۔ تو دریافت طلب امر یہ ہے کہ کیا قبروں کا طواف کرنا شرعاً صحیح ہے؟

نیز منگھو پیر کے چشمے میں غسل کرنے سے صحت یاب ہونے کو بابا کی کرامت سمجھنا اور یہاں غسل کرنا کیسا ہے؟ واضح جواب

دیگر میرے خلجان کو دور فرمائیں۔

الجواب بعون الملک الوھاب

انبیاء وصلحاء کی قبور کا طواف خالص بدعت اور حرام ہے کیونکہ طواف عبادت ہے اور حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے اس بات سے منع فرمایا کہ انبیاء وصلحاء کی قبور کو عبادت گاہ بنایا جائے اور شریعت میں طواف جیسی عبادت صرف بیت اللہ کے ساتھ خاص ہے لہٰذا اس سے قطعا اجتناب ضروری ہے۔

نیز منگھوپیر کے چشمے میں اگر طبی اعتبار سے ایسے اجزاء ہوں جو کسی مرض سے شفاء کا سبب بنتے ہوں جیسا کہ مشہور ہے تو اس اعتبار سے غسل درست ہے لیکن صاحب قبر بزرگ کو متصرف سمجھ کر شفاء کے لئے غسل کرنا شرعا درست نہیں کیونکہ شفا صرف اللہ تعالی سے ملتی ہے۔

۱...... لقوله تعالى (الحج: ۲۹): وَلْيَطَّوَّفُوْا بِالْبَيْتِ الْعَتِيْقِ ○

وفى المشكوة (ص٦٩): عن عائشة ان رسول الله ﷺ قال فى مرضه الذى لم يقم منه لعن الله اليهود والنصارى اتخذوا قبور انبياء هم مساجد۔ ...... وعن جندب قال سمعت النبى ﷺ يقول الا وان من كان قبلكم كانوايتخذون قبور انبياء هم وصالحيهم مساجد الافلا تتخذوا القبور مساجد انى انهاكم عن ذلك۔

وفى المرقاة (۲/۲۰۲) تحت هاتين الروايتين: سبب لعنهم اما لانهم كانوا يسجدون لقبور انبيا ء هم تعظيما لهم وذلك هو الشرك الجلى ... والتوجه الى قبورهم حالة الصلاة نظرا منهم بذلك الى عبادة الله۔

۲ قال الله تعالى (الشعراء :۸۰) : وَإِذَا مَرِضْتُ فَهُوَ يَشْفِيْنِ ○

وفى احكام القرآن للقرطبى (۱۱۰/۱۳) تحت هذه الآية: فالمرض والشفاء من الله عزوجل۔

(۱۵۸) چالیس روز تک قبر پر تلاوت اور خیرات کرنا

سؤال

کیا فرماتے ہیں علماء کرام ومفتیان عظام اس مسئلہ کے بارے میں کہ ہمارے ہاں یہ رائج ہے کہ کسی کے انتقال کے بعد چالیس روز تک اس کی قبر پر تلاوت کی جاتی ہے۔ کیا شرعاً ایسا کرنا جائز ہے؟ اسی طرح یہ لوگ چار جمع یا سات جمع کرتے ہیں اور اس کے ساتھ قرآن مجید کا ختم کرتے ہیں۔ اور ایک یا دو پارے پڑھنے پر پڑھنے والوں کو دس یا بیس روپے دیتے ہیں۔ نیز سال ختم ہونے پر

بھی ایسا ہی کرتے ہیں اور ساتھ میں خیرات بھی کرتے ہیں۔اب اس صورت حال مین کچھ لوگ غریب بھی ہوتے ہیں جن میں اتنا کچھ کرنے کی سکت نہیں ہوتی لیکن رواج کی وجہ سے مجبوراً ایسا کرتے ہیں۔شرعاً ان تمام امور کا کیا حکم ہے؟

الجواب بعون الملک الوھاب

میت کے ایصال ثواب کے لئے قرآن مجید کی تلاوت گھر یا قبر پر دونوں صورتوں میں جائز ہے اور موجب ثواب ہے۔اسی طرح صدقہ وخیرات کا ثواب بھی میت کو پہنچتا ہے لیکن سوال میں مروجہ طریقے میں تین خرابیاں پائی جاتی ہیں جن کی وجہ سے یہ امور ناجائز ہوں گے:

اول: یہ لوگ چالیس روز تک تلاوت، چار جمعے، سات جمعے اور سال کے بعد خیرات کرتے ہیں۔اس طرح کی تعیین قرون اولی سے ثابت نہیں ہے لہٰذا یہ بدعت ہے۔

دوم: ختم قرآن پر کھانا کھلاتے ہیں جبکہ یہ صورت درست نہیں۔

سوم: ایک یا دو پارے پڑھنے والے کو دس یا بیس روپے دیئے جاتے ہیں۔یہ صورت بھی ناجائز ہے۔اس صورت میں نہ تو میت کو ثواب پہنچتا ہے اور نہ تلاوت کرنے والے کو بلکہ پڑھنے والا اور پیسے دینے والا دونوں گناہ گار ہوتے ہیں۔علاوہ ازیں ان چار جمعوں، سات جمعوں اور سال بعد خیرات کرنے میں نام ونمود، ریا، دکھلاوا اور رسم ورواج کا کرشمہ کارفرما ہوتا ہے جیسا کہ سائل کے سوال سے بھی معلوم ہوتا ہے۔ان امور میں رضاء الٰہی مقصود نہیں ہوتی لہٰذا ان امور سے احتراز کرنا چاہیئے اور مروجہ قرآن خوانی اور دنوں کی تعیین کئے بغیر میت کے ایصال ثواب کے لئے تلاوت وخیرات کرنا چاہیئے۔

لمافی الهندية (۱/۱۶۶): قرأة القرآن عندالقبور عندمحمد لايكره ومشائخنا اخذوا بقوله وهل ينتفع المختار انه ينتفع۔

وفی الشامية (۶/۵۷): ولو زار قبر صديق اوقريب له وقرأ عنده شيئا من القرآن فهو حسن۔

وفيه ايضا (۲/۲۴۳): من صام اوصلى اوتصدق وجعل ثوابها لغيره من الاموات والاحياء جاز ويصل ثوابها اليهم عند اهل السنة والجماعة۔

وفی الطحطاوی علی المراقی (ص۳۳۹): ويكره اتخاذ الطعام فی اليوم الاول والثالث وبعد الاسبوع ... واتخاذ الدعوة لقرأة القرآن۔

وفی الشامية (۶/۵۷): ولايصح الاستئجار على القرأة واهدائها الى الميت ... وقد قال العلماء ان القارى اذا قرأ لاجل المال فلاثواب له فاى شئ يهديه الى الميت۔

وفی الشامية (۶/۵۶): ان القرآن بالاجرة لايستحق الثواب لاللميت ولاللقارى وقال العينى

فی شرح الهداية ويمنع القارى للدنيا والآخذ والمعطى آثمان ......والحاصل ان ماشاع فی زماننا من قرأة الاجزاء بالاجر لايجوز۔

وفی الشامية (۲/۲۴۰): ويكره اتخاذ الطعام فی اليوم الاول والثالث وبعد الاسبوع واتخاذ الدعوة بالقرأة ... وقال هذه الافعال كلها للسمعة والرياء فيحترز عنها لانهم لايريدون به وجه الله تعالى۔

(۱۵۹) جنازہ سے پہلے قرآن لے جانا اور حیلہ اسقاط کرنا

سؤال

کیا فرماتے ہیں علماء کرام ومفتیان عظام اس مسئلہ کے بارے میں کہ جنازہ سے پہلے قرآن لے جانا جائز ہے یانہیں؟ اسی طرح ہمارے یہاں جنازے کے گرد چند افراد مولوی صاحب کے ساتھ بیٹھ جاتے ہیں اور قرآن مجید کے نیچے کچھ رقم رکھتے ہیں پھر اس کو گھمایا جاتا ہے۔ بعدازاں اس رقم کو وہ لوگ آپس میں تقسیم کر لیتے ہیں۔ اس عمل کو حیلہ اسقاط کے نام سے موسوم کیا جاتا ہے۔ کیا شرعاً ایسا کرنا جائز ہے؟

الجواب بعون الملک الوھاب

یہ بات تو مسلم ہے کہ قرآن مجید ایک مبارک کتاب ہے اس کا اپنے پاس رکھنا موجب برکت وثواب ہے اور شریعت مطہرہ میں مسلمان ہر معاملے میں قرآن وسنت کا پابند ہے۔ کسی بھی معاملے میں اپنی طرف سے بنایا ہوا بے اصل فعل شریعت میں قابل قبول نہیں اور نہ ہی شریعت ایسے کاموں کی حوصلہ افزائی کرتی ہے بلکہ شریعت نے ایسے کاموں کو ضلالت اور گمراہی سے تعبیر کیا ہے۔

اب صورت مسئولہ میں ذکر کردہ دونوں صورتیں قرآن مجید جنازے کے ساتھ لے جانا اور حیلہ اسقاط کا مروجہ طریقہ نہ تو حضور صلی اللہ علیہ وسلم سے ثابت ہے اور نہ صحابہ کرام رضوان اللہ علیہم اجمعین سے اور نہ ہی سلف صالحین میں سے کسی سے حالانکہ صحابہ کرام رضوان اللہ علیہم اجمعین اور سلف صالحین دین اور خیر کے معاملے میں بڑے ہی حریص تھے اگر ان کاموں میں ذرا بھی خیر کا پہلو ہوتا تو یہ حضرات ضرور ان کاموں کو کرتے لہٰذا یہ طریقہ من گھڑت اور بدعت ہے جس سے اجتناب ضروری ہے۔

لمافی قوله تعالى (النحل :۱۱۶):وَلَا تَقُوْلُوْا لِمَا تَصِفُ اَلْسِنَتُکُمُ الْکَذِبَ هٰذَا حَلٰلٌ وَّهٰذَا حَرَامٌ لِّتَفْتَرُوْا عَلَى اللهِ الْکَذِبَ اِنَّ الَّذِیْنَ یَفْتَرُوْنَ عَلَى اللهِ الْکَذِبَ لَا یُفْلِحُوْنَ

وفی مختصر تفسير ابن كثير (۲/۳۵۰) تحت هذه الآية: ويدخل فی هذا كل من ابتدع بدعة ليس له فيها مستند شرعی۔

وفي المشكوة (ص۲۷): عن عائشة رضي الله عنها قالت : قال رسول الله صلى الله عليه وسلم : " من أحدث في أمرنا هذا ما ليس منه فهو رد "۔

وفي المرقاة تحته (۱/ ۲۱۵): قال القاضي المعنى من احدث فی الاسلام رأيا لم يكن له من الكتاب والسنة سند ظاهر وخفي ملفوظ اومستنبط فهو مردود عليه ... ... وفي رواية لمسلم من عمل عملا ای من اتی بشئ من الطاعات او بشئ من الاعمال الدنيوية والاخروية سواء كان محدثا اوسابقا على الامر ليس عليه امرنا ای وكان من صفته انه ليس عليه اذننا بل اتی به علی حسب هواه فهو رد ای مردود غير مقبول۔

(۱۶۰) حیلہ اسقاط کا مروجہ طریقہ

سؤال

کیا فرماتے ہیں علماء کرام ومفتیان عظام اس مسئلہ کے بارے میں کہ حیلہ اسقاط کا مروجہ طریقہ درست ہے یا نہیں؟ ہمارے علاقے میں اس طرح ہوتا ہے کہ نماز جنازہ ادا کرنے کے بعد بعض لوگ گول دائرہ بنا کر بیٹھ جاتے ہیں۔اہل میت قرآن مجید، صابن اور کچھ پیسے لیکر آتے ہیں اور یہ لوگ آپس میں اس کی بخشش کرتے ہیں اور ساتھ ساتھ میت کی نمازوں اور روزوں اور دیگر اعمال کے کفارہ ادا کرنے کا ذکر کرتے ہیں ایسا کرنے کے بعد دو تین آدمی اٹھ کر ان چیزوں کو آپس میں تقسیم کر لیتے ہیں۔

اب سوال یہ ہے کہ ایسا کرنا شرعا جائز ہے یا نہیں جبکہ یہ لوگ اس کے جواز کے لئے کچھ کتب کا حوالہ بھی پیش کرتے ہیں۔ براہ کرم آپ ہماری راہنمائی فرمائیں۔

الجواب بعون الملک الوهاب

صورت مسئولہ میں مروجہ حیلہ ناجائز ہے۔رہا معاملہ کتب کے حوالہ جات کا تو متقدمین کی کتب میں تو اس کا ثبوت بھی نہیں ملتا البتہ متاخرین نے ضرورت کی بناء پر اس کے جواز کا فتوی دیا ہے اور متاخرین نے جس حیلے کے جواز کا قول کیا ہے مروجہ حیلہ اس سے قطعا مختلف ہے۔کیونکہ متاخرین کی عام کتب میں جو حیلہ درج ہے وہ یہ ہے اگر کوئی شخص مرجائے اور اس کے ذمے کچھ نمازیں اور روزے ہوں اور اس کے ترکہ کے ثلث مال سے ان نمازوں اور روزوں کا فدیہ ادا نہ ہوسکتا ہو یا پھر میت نے وصیت نہیں کی اور ولی بطور تبرع کے ایسا کرنا چاہے تو اس وقت اس حیلہ کی گنجائش ہے جس کا طریقہ یہ ہے کہ ولی میت کسی فقیر کو نقدی یا گندم کا مالک بنائے وہ فقیر اپنی مرضی سے مالک کو وہ جنس واپس ہدیہ دے دے یا کسی تیسرے شخص کو دے دے اور وہ تیسرا شخص ولی میت کو ہدیہ کردے۔اگر فقیر یا تیسرا شخص واپس نہ کرنا چاہے تو اسے مجبور نہ کیا جائے اسی طرح متعدد بار کیا جائے یہانتک کہ میت کے روزوں اور نمازوں کے بقدر ہوجائے تو امید

ہے کہ اللہ تعالیٰ اس کو قبول فرما کر اس بندے کے حق میں درگزر کا معاملہ فرمائیں گے۔اب اس کے مقابلے میں مروجہ حیلہ قطعاً اس سے مختلف ہے کیونکہ..........

۱۔ مروجہ حیلہ میں وصیت اور عدم وصیت کا اعتبار نہیں کیا جاتا۔

۲۔ یہ حیلہ میت کی غربت کی وجہ سے نہیں کیا جاتا کہ میت غریب تھا اور اس کے ترکہ کا ثلث مال فدیہ کے لئے کافی نہیں بلکہ امیر وغریب ہر شخص کا کیا جاتا ہے یہانتک کہ میت کے ذمے نماز یا روزوں کی قضا لازم ہو یا نہ ہو ہر صورت میں کیا جاتا ہے۔

۳۔ یہ حیلہ فدیہ کی مقدار کے مطابق نہیں بلکہ امیر وغریب کے اعتبار سے کیا جاتا ہے کہ امیر کے مرنے پر رقم زیادہ ورنہ کم ہوتی ہے۔

۴۔ حیلے کے وقت حیلے کے لئے بیٹھنے والے فقیر اور صدقے کے مستحق نہیں ہوتے بلکہ ہر شخص کو بیٹھنے کی اجازت ہوتی ہے۔

۵۔ اگر بالفرض حیلے کے لئے بیٹھنے والے سب کے سب فقیر بھی ہوں تو یہاں کسی شخص کو مالک نہیں بنایا جاتا بلکہ صرف ملکیت کا ایک ڈھونگ رچایا جاتا ہے۔

۶۔اگر بالفرض تملیک کو تسلیم بھی کرلیا جائے تو مالک بنایا جانے والا اصل مالک کو واپس نہیں کرتا اور نہ ہی تیسرا شخص واپس کرتا ہے بلکہ اسے صرف آگے چلایا جاتا ہے۔

۷۔ اگر بالفرض اس کو حیلہ تسلیم بھی کرلیں تو فدیہ کی مقدار کے بقدر نہیں ہوتا بلکہ ایک یا دو دفعہ گھمانے کے بعد تقسیم کرلیا جاتا ہے۔

۸۔ اس میں قرآن مجید لانے اور گھمانے کی قطعاً ضرورت نہیں بلکہ صابن اور دوسری چیزوں کے ساتھ ملا کر کلام مقدس کو اس طرح گھمانا بے ادبی ہے جس سے اجتناب کی ضرورت ہے۔

۹۔ اگر واقعتاً کسی شخص کے حیلے کی ضرورت ہی پڑ گئی تو کیا ضروری ہے کہ جنازے کے فوراً بعد سارے لوگوں کے سامنے اس حیلہ کو کیا جائے تاکہ سب لوگ دیکھیں کہ زندگی میں اس نے نمازیں نہیں پڑھیں اور روزے نہیں رکھے حالانکہ یہ گناہ کا اظہار ہے جس سے شریعت نے منع کیا ہے۔

۱۰۔ اور سب سے بڑھ کر یہ سستی مغفرت (حیلہ) لوگوں میں غفلت اور سستی پیدا کرنے کے مترادف ہے کیونکہ اس کو دیکھ کر عام تاثر یہی ہوتا ہے کہ زندگی میں احکام شریعت کے اتباع کی ضرورت نہیں ہے بس مرنے کے بعد کچھ رقم حیلے میں لگادیں گے اور ہماری بھی بخشش ہوجائے گی۔

ان وجوہ کی بناء پر مروجہ حیلہ کتب شرعیہ میں موجود حیلے سے قطعاً مختلف اور ناجائز ہے جس سے اجتناب ضروری ہے۔

لمافی الهندیة (۱/۱۲۵): اذا مات الرجل وعلیه صلوات فائتة فاوصی بان تعطی کفارة صلواته یعطی لکل صلاة نصف صاع من بر وللوتر نصف صاع وبصوم یوم نصف صاع من ثلث ماله وان لم یترك مالا یستقرض ورثته نصف صاع ویدفع الی مسکین ثم یتصدق المسکین علی بعض ورثته ثم یتصدق ثم وثم حتی یتم لکل صلاته۔

وفی الدرالمختار مع ردالمحتار (۲/۷۳): ولومات وعليه صلوات فائتة واوصى بالكفارة يعطى لكل صلاة نصف صاع من بر كالفطرة وكذا حكم الوتر والصوم وانمايعطى من ثلث ماله ولولم يترك مالايستقرض وارثه نصف صاع مثلا ويدفعه لفقير ثم يدفعه الفقيرللوارث ثم وثم حتى يتم۔

وفی الشامية: ''ولولم يترك مالا'' ای اصلا اوكان ماوصى لايفئ وزاد فی الامداد اولم يوص بشئ واراد الولی التبرع واشار بالتبرع الی ان ذلك ليس بواجب علی الولی۔(قوله ويستقرض نصف صاع مثلاالخ) ای اوقيمة ذلك ......فيستقرضها قيمتها ويدفعها للفقير ثم يستوهبها منه ويتسلمها منه لتتم الهبة ثم يدفعها لذلك الفقير اولفقير آخر۔

(۱۶۱) بارہ ربیع الاوّل کے دن پکے ہوئے کھانے کو کھانا

سؤال

کیا فرماتے ہیں علماء کرام ومفتیان عظام اس مسئلہ کے بارے میں کہ کیا ایسا کھانا کھانا جائز ہے جو کہ بارہ ربیع الاوّل کے دن پکایا جائے؟ ایسے کھانے کو نذر میں شمار کیا جائے گا یا بدعت میں جس سے آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے منع فرمایا ہے؟

الجواب بعون الملک الوھاب

وہ کھانا جو کہ بارہ ربیع الاوّل کے دن بنایا جاتا ہے اگر غیر اللہ کے نام پر پکایا گیا ہو تو وہ قطعی طور پر حرام ہے اس کا کھانا جائز نہیں کیونکہ یہ غیر اللہ کی نذر ماننا ہے اور غیر اللہ کی نذر ماننا حرام اور گناہ کبیرہ ہے اور یہ اللہ رب العزت کے اس ارشاد وما اھل بہ لغیر اللہ کے تحت آتا ہے اور اگر اس کھانے کو اللہ کے نام پر پکایا گیا اور اس کا ثواب کسی معین شخص کو بھیجا جائے جیسے شیخ عبدالقادر جیلانی یا غیر معین شخص کو ثواب پہنچائے تو یہ حلال ہے اور ایسا کھانا کھانا جائز ہے لیکن یہ سب چیزیں کسی دن کو مخصوص کر کے کرنا بدعت ہے اور آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے اس فرمان کے تحت داخل ہے کہ جس نے ہمارے دین میں ایسی چیز ایجاد کی جو دین کا حصہ نہیں تو وہ مردود ہے۔لہذا اس کو کھانے سے اجتناب کریں۔اسے فقیر یا نوکرانی وغیرہ کو دیدیا جائے۔

لمافی قوله تعالى(المائدہ :۳):حُرِّمَتْ عَلَيْكُمُ الْمَيْتَةُ وَالدَّمُ وَلَحْمُ الْخِنْزِيْرِ وَمَا أُهِلَّ لِغَيْرِ اللهِ بِهِ

وفی روح المعانی (۲/۴۲): وماأهل به لغير الله ای ماوقع متلبسا به ای بذبحه الصوت لغيرالله تعالى ......ثم قيل لرفع الصوت وان كان بغيره والمراد بغيرالله تعالى الصنم وغيره كما هو

الظاھر۔

وفی المشکوۃ (ص۲۷): عَنْ عَائِشَةَ رَضِيَ اللهُ عَنْهَا قَالَتْ قَالَ رَسُولُ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ: مَنْ أَحْدَثَ فِي أَمْرِنَا هٰذَا مَا لَيْسَ مِنْهُ فَهُوَ رَدٌّ۔ .... وعن جابر رضی اللہ عنہ قال قال رسول اللہ ﷺ امابعد فان خیر الھدی ھدی محمد وشر الامور محدثاتھا وکل بدعة ضلالة۔

وفی الشامیة (۴۳۹/۲): واعلم ان النذر الذی یقع للاموات من اکثر العوام ومایؤخذ من الدراھم والشمع والزیت ونحوھا الی ضرائح الاولیاء الکرام تقربا الیھم فھو بالاجماع باطل وحرام۔

(۱۶۲) قبروں کو بوسہ دینا

سؤال

کیا فرماتے ہیں علماء کرام ومفتیان عظام اس مسئلہ کے بارے میں کہ قبروں کو بوسہ دینا جائز ہے یا نہیں؟ میں اپنے دوست کے ساتھ اس کے والد کی قبر پر فاتحہ کے لئے گیا وہاں اس نے پہلے جھک کر والد کی قبر کو بوسہ دیا پھر فاتحہ پڑھی۔ کیا شرعا اس طرح بوسہ دینا جائز ہے؟

الجواب بعون الملک الوھاب

قبر کو بوسہ دینا جائز نہیں ہے۔

لمافی الطحطاوی علی المراقی (ص۵۱۳): والمستحب فی زیارة القبور ان یقف مستقبلا وجه المیت، وان یسلم ولا یمسح القبر ولا یقبله ولا یمسه فان ذلک من عادة النصاری۔

وفی الھندیة (۳۵۱/۵): ولا یمسح القبر ولا یقبله فان ذلک من عادة النصاری۔

(۱۶۳) قبر پر قرآن خوانی کرنا

سؤال

کیا فرماتے ہیں علماء کرام ومفتیان عظام اس مسئلہ کے بارے میں کہ ایک آدمی مر گیا، تجہیز وتکفین کے بعد اس کے بیٹے اور ورثاء قبر پر جمع ہو کر تلاوت کرنے لگے۔ کیا شرعا ایسا کرنا جائز ہے؟

الجواب بعون الملک الوھاب

صورت مسئولہ میں اگر میت کے بیٹے اور دوسرے ورثاء اتفاقاً قبر پر جمع ہوجائیں اور بغیر اجرت کے محض اللہ تعالیٰ کی رضا اور ایصال ثواب کے لئے تلاوت کریں تو یہ جائز ہے اور اگر انہیں جمع کرنے کا اہتمام کیا گیا ہو یا اس کے بعد کھانے وغیرہ کا انتظام والتزام کیا جاتا ہو تو یہ عمل ناجائز ہوگا۔

لمافی الهندية (۳۵۰/۵): ولومات رجل واجلس وارثه على قبره من يقرأ الاصح انه لايكره وهو قول محمد رحمه الله۔

وفی الدرالمختار (۲۴۵/۲): لايكره الدفن ليلا ولااجلاس القارئين عندالقبر وهو المختار۔

وفی الشامية تحته : (ولااجلاس الخ) عبارة نور الايضاح وشرحه ولايكره الجلوس للقرأة فی المختار لتأدية القرأة على الوجه المطلوب بالسكينة والتدبر والاتعاظ۔

(۱۶۴) مصافحے کے وقت اپنے ہاتھوں کو چومنا

سؤال

کیا فرماتے ہیں علماء کرام ومفتیان عظام اس مسئلہ کے بارے میں کہ بعض لوگ مصافحہ کرتے وقت اپنے ہاتھوں کو چومتے ہیں۔کیا شرعاً ایسا کرنا جائز ہے؟

الجواب بعون الملک الوھاب

مصافحہ کے وقت اپنے ہاتھوں کو چومنا مکروہ ہے۔

لمافی الهندية (۳۶۹/۵): ومايفعله الجهال من تقبيل يدنفسه بلقاء صاحبه فذالك مكروه بالاجماع كذافی خزانة الفتاوى۔

وفی الدرالمختار مع ردالمحتار (۳۸۳/۶): وكذامايفعله الجهال من تقبيل يدنفسه اذالقی غيره مكروه فلارخصة فيه۔

وفی الشامية: (مكروه) ای تحريما ويدل عليه قوله بعد فلارخصة فيه۔

(۱۶۵) ختم قرآن کے موقع پر عزیز واقارب اور بچوں کو مدعو کرنا

سؤال

کیا فرماتے ہیں علماء کرام ومفتیان عظام اس مسئلہ کے بارے میں کہ ایک شخص قرآن کے ختم پر اپنے عزیز واقارب کو مدعو کرتا ہے، اسی طرح بچوں کو بھی جمع کرتا ہے تاکہ دعا میں سب شریک ہوسکیں۔ کیا ایسا کرنا شرعاً جائز ہے؟

الجواب بعون الملک الوھاب

عزیز واقارب وغیرہ کو ختم قرآن کے موقع پر دعا میں شریک کرنے کیلئے جمع کرنا نہ صرف جائز بلکہ مستحسن عمل ہے۔

لمافی المصنف ابن ابی شیبۃ (۱۲۹/۶): حدثنا وکیع عن مسعر عن قتادۃ عن انس رضی اللہ عنہ انہ کان اذا ختم جمع اھلہ۔

وفی القرطبی (۴۰/۱): عن نافع عن ابن عمر رضی اللہ عنہ قال تعلم عمر البقرۃ فی اثنتی عشرۃ سنۃ فلما ختمھا نحر جزورا ...... ان عمر بن الخطاب حفظ البقرۃ فی بضع عشرۃ سنۃ فلما حفظھا نحر جزورا شکر اللہ۔

لمافی الھندیۃ (۳۱۷/۵): ویستحب لہ ان یجمع اھلہ وولدہ عند الختم ویدعوا لھم کذافی الینابیع۔

(۱۶۶) بدعتی کی عزت واکرام کرنا

سؤال

کیا فرماتے ہیں علماء کرام ومفتیان عظام ایسے شخص کے بارے میں جو بدعتی شخص سے عقیدت ومحبت رکھتا ہو اور اس کا اعزاز واکرام کرتا ہو یہ بات جانتے ہوئے کہ وہ اپنے غلط عقیدے اور عمل میں متشدد ہے کیا اس کیلئے ایسا کرنا جائز ہے یا نہیں؟

الجواب بعون الملک الوھاب

کسی بھی شخص کیلئے یہ بات جائز نہیں ہے کہ وہ بدعتی لوگوں کا اعزاز واکرام کرے الآیۃ کہ کوئی بہت ہی زیادہ ضرورت ہے کیونکہ بدعتی کی عزت وتوقیر کرنے پر وعید نازل ہوئی ہے اور محبت وعقیدت یہ تو اس کے آگے درجہ ہے لہٰذا کسی بھی حال میں بدعتی سے محبت وعقیدت رکھنا جائز نہیں ہوگا۔

لمافی المشکوۃ (ص۳۱): عن ابراھیم بن میسرۃ قال قال رسول اللہ ﷺ من وقر صاحب بدعۃ فقد

اعان علی ھدم الاسلام۔

وفی المرقاۃ (۱/ ۲۵۷) تحت ھذہ الروایۃ: (من وقر صاحب بدعۃ) سواء کان داعیا لھا ام لا قال ابن حجر کأن قام وصدرہ فی مجلس اوخدمۃ من غیر عذر یلجئہ الی ذلک۔

(۱۶۷) کلمہ اور قرآنی آیات والی چادر میت پر ڈالنا

سؤال

کیا فرماتے ہیں علماء کرام ومفتیان عظام اس مسئلہ کے بارے میں کہ بعض علاقوں میں یہ رسم رائج ہے کہ لوگ میت پر ایسی چادر ڈالتے ہیں جس پر کلمہ طیبہ اور قرآن شریف کی آیات لکھی ہوتی ہیں اور یہ چادر پاؤں تک ہوتی ہے۔کیا شرعا ایسا کرنا جائز ہے؟

الجواب بعون الملک الوھاب

جس چادر پر کلمہ طیبہ اور قرآن شریف کی آیات لکھی ہوں اسے میت پر ڈالنا جائز نہیں ہے لہٰذا اس سے اجتناب لازم ہے۔

لمافی الھندیۃ (۵/۳۲۳): کتابۃ القرآن علی مایفترش ویبسط مکروھۃ ......بساط اومصلی کتب علیہ الملک للہ یکرہ بسطہ والقعود علیہ واستعمالہ۔

وفی ردالمحتار (۲/۲۴۶): تکرہ کتابۃ القرآن واسماء اللہ تعالی علی الدراھم والمحاریب والجدران ومایفرش وماذاک الا لاحترامہ وخشیۃ وطئہ ونحوہ ممافیہ اھانۃ فالمنع اولی۔

(۱۶۸) نماز کے بعد اجتماعی طور پر درود پڑھنا

سؤال

کیا فرماتے ہیں علماء کرام ومفتیان عظام اس مسئلہ کے بارے میں کہ ہماری مسجد میں یہ طریقہ رائج ہے کہ امام نماز کے بعد بلند آواز سے آیت إِنَّ اللهَ وَمَلَائِكَتَه يُصَلُّوْنَ عَلَى النَّبِيِّ يَا أَيُّهَا الَّذِيْنَ آمَنُوْا صَلُّوْا عَلَيْهِ وَسَلِّمُوْا تَسْلِيْمًا کی تلاوت کرتا ہے پھر سارے مقتدی ملکر اجتماعی صورت میں درود شریف پڑھتے ہیں۔کیا اس طریقے پر درود وسلام پڑھنا قرآن وسنت سے ثابت ہے؟ تفصیل سے جواب عنایت فرمائیں۔

الجواب بعون الملک الوھاب

اس طرح درود پڑھنا صحابہ رضوان اللہ علیہم اجمعین سے لیکر اکابر اسلاف تک کسی سے ثابت نہیں ہے لہٰذا اس کا التزام بدعت اور قابل

ترک ہے۔

لمافی المشکوۃ (ص۲۷): عن عائشة رضی الله عنها قالت : قال رسول الله صلی الله علیه وسلم : " من أحدث في أمرنا هذا ما ليس منه فهو رد "۔

وفی الدرالمختار مع ردالمحتار (۱۱۹/۲): وسجدة الشکر مستحبة به یفتی لکنها تکره بعد الصلاة لان الجهلة یعتقدونها سنة او واجبة وکل مباح یؤدی الیه فمکروه۔

وفی الشامية : (فمکروه) الظاهر انها تحریمیة لانه یدخل فی الدین مالیس منه۔

وفيه ايضا (۲۳۵/۲): وقد صرح بعض علمائنا وغیرهم بکراهة المصافحة المعتادة عقب الصلاة مع ان المصافحة سنة وماذاك الالکونها لم تؤثر فی خصوص هذا الموضع فالمواظبة علیها فیه توهم العوام بانهاسنة فیه ولذا منعواعن الاجتماع لصلاة الرغائب التی احدثها بعض المبتدعین لانها لم تؤثر علی هذه الکیفیة فی تلك اللیالی المخصوصة وان کانت الصلاة خیر موضوع۔

(۱۶۹) کیا عید کے دن مصافحہ کرنا شیعوں کا شعار ہے؟

سؤال

کیافرماتے ہیں علماء کرام اس مسئلہ کے بارے میں کہ بعض لوگوں سے سنا ہے کہ عید کی نماز کے بعد مصافحہ کرنا شیعوں کا شعار ہے۔کیا یہ بات صحیح ہے اور شیعوں کی کن کتب سے ثابت ہے؟

الجواب بعون الملک الوھاب

مصافحہ شریعت میں انس ومحبت کے پیدا کرنے کا ذریعہ ہے۔اپنے مسلمان بھائی کے ساتھ ملاقات کرنے پر مصافحہ کرنا سنت ہے لیکن اپنی طرف سے مصافحہ کو بعض مواقع کے ساتھ خاص کرلینا اوران مواقع پر اہتمام والتزام کے ساتھ مصافحہ کرنا صحیح نہیں ہے بلکہ اس کا ترک لازم ہے جیسا کہ نماز کے بعد مصافحہ کرنا۔علامہ شامی رحمۃ اللہ علیہ نے اس کو شیعوں کا شعار قرار دیا ہے۔

لمافی سنن ابی داؤد(۳۵۲/۲): عن ایوب بن بشیر ...عن رجل من عنزة انه قال لابی ذر حیث سیر من الشام انی ارید ان اسألك عن حدیث رسول الله ﷺ ....کان رسول الله ﷺ یصافحکم اذا لقیتموه قال مالقیته قط الاصافحنی۔

وفی ردالمحتار (۳۸۱/۶): فی تبیین المحارم عن الملتقط انه تکره المصافحة بعد اداء الصلاة بکل حال لان الصحابة رضی الله عنهم ماصافحوا بعد اداء الصلاة ولانها من سنن الروافض۔

(۱۷۰) بچوں کے ختم قرآن پر دعوت کرنا

سؤال

کیا فرماتے ہیں علماء کرام ومفتیان عظام اس مسئلہ کے بارے میں کہ بچوں کے قرآن کریم ختم ہونے پر دعوت کرنا اور مٹھائی تقسیم کرنا صحیح ہے یا نہیں؟ اس کا قرون اولی سے ثبوت ملتا ہے یا نہیں؟

الجواب بعون الملک الوھاب

بچوں کے قرآن کریم ختم ہونے پر دعوت کرنا اور مٹھائی تقسیم کرنا صحیح ہے اور قرون اولی میں اس کا ثبوت ملتا ہے۔

لمافی المصنف ابن ابی شیبة (۱۲۹/٦): حدثنا وکیع عن مسعر عن قتادة عن انس انه کان اذا ختم جمع اهله۔

وفی القرطبی (۴۰/۱): عن نافع عن ابن عمر قال تعلم عمر البقرة فی اثنتی عشرة سنة فلما ختمها نحر جزورا ...... ان عمر بن الخطاب حفظ البقرة فی بضع عشرة سنة فلما حفظها نحر جزورا شکر ﷲ۔

وفی الطحطاوی علی الدر المختار (۱۰/۴): وانواع الولائم احدعشر نظمها بعض الفضلاء فی قوله

ان الولائم عشرة مع واحد — من عدها قدعز فی اقرانه
فالخرس عند نفاسها وعقیقة — للطفل والاعذار عند ختانه
ولحفظ قرآن وآداب لقد — قالوا الحذاق لحذقه وبیانه

(۱۷۱) رمضان میں خاص سورتوں کا التزام کرنا

سؤال

کیا فرماتے ہیں علماء کرام ومفتیان عظام اس مسئلہ کے بارے میں کہ ہمارے علاقے میں رمضان کے مہینے میں ۲۳ ویں رات کو سارے محلے والے مسجد میں جمع ہوتے ہیں اور اپنے ساتھ چینی بھی لاتے ہیں۔ تراویح کے بعد امام مسجد سورۃ العنکبوت، سورۃ الروم اور بعض دوسری سورتیں پڑھ کر چینی پر دم کرتا ہے۔ اس کے بعد یہ چینی لوگ گھروں میں لے جاتے ہیں اور اس کو کھایا جاتا ہے اور اس دن سے امام صاحب کے لئے رقم جمع کرنا شروع کر دیتے ہیں۔ اور یہ جمع شدہ رقم امام صاحب کو دے دیتے ہیں۔ ہر سال اس دن لازمی طور

پر یہ عمل کیا جاتا ہے۔آیا شرعاً ایسا کرنا جائز ہے یا نہیں؟ قرآن وحدیث کی روشنی میں جواب عنایت فرمائیں۔

الجواب بعون الملک الوھاب

قرآن مجید کا پڑھنا، پڑھانا، سننا، سنانا باعث ثواب بلکہ عین مامور بہ ہے۔خاص طور پر رمضان المبارک میں لیکن اس میں وہی طریقہ قابل اعتبار ہوگا جو قرآن وسنت اور خیر القرون سے ثابت ہو ورنہ بجائے ثواب کے گناہ کا سبب ہوگا اور جس چیز کو شریعت نے متعین نہیں کیا اس کی اپنی طرف سے تعیین، التزام اور اہتمام صحیح نہیں ہے لہٰذا مذکورہ مروجہ طریقہ درست نہیں۔

لمافی المشکوة (ص۲۷): عن عائشة رضی الله عنها قالت : قال رسول الله صلى الله عليه وسلم : " من أحدث في أمرنا هذا ما ليس منه فهو رد "۔

وفی المرقاة (۲۱۵/۱): وفى رواية لمسلم من عمل عملا اى من اتى بشئ من الطاعات او بشئ من الاعمال الدنيوية والاخروية سواء كان محدثا اوسابقا على الامر ليس عليه امرنا اى وكان من صفته انه ليس عليه اذننا بل اتى به على حسب هواه فهو رد اى مردود غير مقبول۔

(۱۷۲) فجر وعصر کے بعد مصافحہ کرنا

سؤال

کیا فرماتے ہیں علماء کرام ومفتیان عظام اس مسئلہ کے بارے میں کہ ہمارے علاقوں میں صبح اور عصر کی نماز کے بعد جب امام صاحب سلام پھیرتے ہیں تو دعا کے بعد کئی آدمی آپس میں مصافحہ کرتے ہیں ان میں سے کئی ایک اس کو مسنون سمجھتے ہیں جبکہ بعض مسنون تو نہیں سمجھتے لیکن نہ کرنے والوں کو بھی اچھا نہیں سمجھتے۔اب دریافت طلب امر یہ ہے کہ نماز کے بعد اس طرح مصافحہ کرنا اور اسے مسنون یا مستحب سمجھنا کیسا ہے؟

الجواب بعون الملک الوھاب

بوقت ملاقات مصافحہ کرنا امر مستحسن بلکہ مسنون ہے لیکن اوقات کی تخصیص کرنا جیسا کہ سوال میں مذکور ہے اور اسے مسنون سمجھنا یا نہ کرنے والوں کو اچھا نہ سمجھنا قطعاً صحیح نہیں ہے جو لوگ اس کا ارتکاب کر رہے ہیں وہ ایک بدعت کے مرتکب ہو رہے ہیں انہیں چاہیئے کہ اس پر توبہ کر کے آئندہ کے لئے اس سے اجتناب کریں۔

لمافی المرقاة (۷۴/۹): قال العلامة ملاعلى القارى بعد البحث ...... ان عمل الناس فى الوقتين المذكورين ليس على وجه الاستحباب المشروع فان محل المصافحة المشروعة اول الملاقاة وقد يكون جماعة يتلاقون من غير مصافحة ...... ثم اذا صلوا يتصافحون فاين هذا من

السنة المشروعة ولهذا صرح بعض علمائنا بانها مكروهة حينئذ وانها من البدع المذمومة۔

وفي ردالمحتار (۲/۲۳۵): وقد صرح بعض علمائنا وغيرهم بكراهة المصافحة المعتادة عقب الصلوات مع ان المصافحة سنة وماذاك الالكونها لم تؤثر في خصوص هذا الموضع فالمواظبة عليها فيه توهم العوام بانها سنة فيه۔

(۱۷۳) فرض نمازوں کے بعد سر پر ہاتھ رکھنا

سؤال

کیا فرماتے ہیں علماء کرام ومفتیان عظام اس مسئلہ کے بارے میں کہ فرض نمازوں کے بعد لوگ پیشانیوں پر ہاتھ رکھتے ہیں اس کا ثبوت ہے یا نہیں؟ اگر ثابت ہے تو اس میں کیا پڑھا جاتا ہے؟

الجواب بعون الملك الوهاب

فرض نمازوں کے بعد سر پر ہاتھ رکھ کر دعائیں پڑھنا احادیث سے ثابت ہے اور مشائخ کا معمول بھی رہا جس میں مختلف اوراد پڑھے جاتے ہیں۔ مثلاً

بِسْمِ اللهِ الَّذِیْ لَا اِلٰهَ اِلَّا هُوَ الرَّحْمٰنُ الرَّحِیْمُ اَللّٰهُمَّ اَذْهِبْ عَنِّیَ الْهَمَّ وَالْحُزْنَ۔

لما في كنز العمال (۷/۵۳): [۱۷۹۱۵] كان اذا صلى مسح بيده اليمنى على رأسه ويقول بسم الله الذى لااله غيره الرحمن الرحيم، اللهم اذهب عنى الهم والحزن (خط عن انس رضي الله عنه)۔

(۱۷۴) میت کے گھر سے ہر جمعرات یا چالیس روز تک کھانا بھیجنا

سؤال

کیا فرماتے ہیں علماء کرام ومفتیان عظام اس مسئلہ کے بارے میں کہ جب کوئی آدمی مرجاتا ہے تو اس کے ورثاء چالیس دن تک مسجد میں کھانا بھیجتے ہیں کیا مؤذن وخادم کیلئے یہ کھانا کھانا جائز ہے؟ اسی طرح جمعرات کو بھی بھیجتے ہیں تفصیل سے بیان فرمائیں۔

الجواب بعون الملك الوهاب

اہل میت کا میت کیلئے ایصال ثواب کا بہترین طریقہ یہ ہے کہ دنوں کی تعیین کئے بغیر کوئی کار خیر کرکے (مثلاً کھانا کھلانا فقراء مساکین کو یا ان کو صدقہ وخیرات دینا) اللہ تعالیٰ سے دعا کی جائے کہ اس عمل کا ثواب میت کی روح کو پہنچا دیا جائے۔ اپنی طرف سے

چالیس دن اور ہر جمعرات کی تعیین کو ثواب اور اس میں کھانا پکا کر مؤذن وخادم کو ہی بھیجنا لازم سمجھتے ہوئے اس کا شریعت میں کوئی ثبوت نہیں لہٰذا یہ بدعت ہے اس سے اجتناب ضروری ہے اور مؤذن وخادم کو ایسے کھانے سے اجتناب کرنا چاہیئے۔

لمافی القرآن الكريم(الحشر:۷): وَمَا آتٰكُمُ الرَّسُوْلُ فَخُذُوْهُ وَمَا نَهٰكُمْ عَنْهُ فَانْتَهُوْا (الأحزاب:۲۱):لَقَدْ كَانَ لَكُمْ فِي رَسُوْلِ اللهِ أُسْوَةٌ حَسَنَةٌ لِّمَنْ كَانَ يَرْجُو اللهَ الخ

وفی صحيح البخاری(۲/۱۰۸۰): حدثنا آدم بن ابی ایاس...... قال عبدالله بن مسعود ان احسن الحديث كتاب الله واحسن الهدى هدى محمد ﷺوشرالامور محدثاتها وان ماتوعدون لآت وما انتم بمعجزين۔

وفی المصنف لابن ابی شيبة(۲۴۰/۷): حدثنا وكيع عن مالك بن مغول عن طلحة قال: قدم جرير على عمر رضی اللہ عنہ فقال: هل يناح قبلكم على الميت قال لا قال فهل تجتمع النساء عندكم على الميت ويطعم الطعام؟ قال: نعم قال تلك النياحة۔

وفی سنن ابن ماجة(ص۱۱۶): حدثنا محمد بن يحيى ... عن جرير بن عبدالله قال كنا نرى الاجتماع الى اهل الميت وصنعة الطعام من النياحة۔

وفی الحاشية واما صنعة الطعام من اهل الميت اذا كان للفقراء فلا بأس به لان النبیﷺ قبل دعوة المرأة التی مات زوجها كمافی سنن ابی داؤد واما اذا كان للاغنياء والاضياف فممنوع ومكروه ... ای نعدوزره كوزر النوح۔

وفی الشامية (۲/۲۴۰): وقال ايضا: ويكره اتخاذ الضيافة من الطعام من اهل البيت لانه شرع فی السرور لافی الشرور وهی بدعة مستقبحة وروى الامام احمد وابن ماجة باسناد صحيح عن جرير بن عبدالله قال ''كنا نعد الاجتماع الى اهل الميت وصنعهم الطعام من النياحة''۔ وفی البزازية: ويكره اتخاذ الطعام فی اليوم الاول وفيه نظر والثالث وبعد الاسبوع ونقل الطعام الى القبر فی المواسم، واتخاذ الدعوة لقراء ة القرآن وجمع الصلحاء والقراء للختم او لقراء ة سورة الانعام او الاخلاص... وقال: وهذه الافعال كلها للسمعة والرياء فيحترز عنها لانهم لايريدون بها وجه الله تعالىٰ۔

وفی مالا بدمنه (ص۱۶۱): جناب قاضی محمد ثناء الله صاحب قدس سره وصيت كرده است: وبعد مردن من رسوم دنيوى مثل دهم وبستم وچهلم وششماہی وبرسینی ہیچ نكند كه رسول اللهﷺ زياده ازسه روز ماتم كردن جائز نداشة اند۔

(١٧٥) آیت کریمہ کا ختم

سؤال

کیا فرماتے ہیں علماء کرام ومفتیان عظام اس مسئلہ کے بارے میں کہ بعض علاقوں میں رواج ہے کہ جب کسی پر مصیبت نازل ہوتو سوالاکھ مرتبہ آیت کریمہ لَآ اِلٰهَ اِلَّآ اَنْتَ سُبْحَانَكَ اِنِّیْ كُنْتُ مِنَ الظّٰلِمِیْنَ کا ورد کیا جاتا ہے۔ اس کی شرعی حیثیت کیا ہے؟

الجواب بعون الملك الوهاب

یہ آیت کریمہ یقیناً مبارک اور دفع بلایا ومصائب کے لئے مجرب ہے البتہ یہ طریقہ اور مخصوص تعداد شریعت مطہرہ سے ثابت نہیں ہے صرف بزرگوں کا مجرب عمل ہے۔

لقوله تعالى (الانبياء :٨٧): فَنَادٰى فِي الظُّلُمٰتِ أن لَّا إِلٰهَ إِلَّا أَنْتَ سُبْحَانَكَ إِنِّيْ كُنْتُ مِنَ الظّٰلِمِيْنَ فَاسْتَجَبْنَا لَه وَنَجَّيْنَاهُ مِنَ الْغَمِّ وَكَذٰلِكَ نُنْجِي الْمُؤْمِنِيْنَ

وفى تفسير ابن كثير (٣/١٨٣): وكذلك ننجي المؤمنين اى اذاكانوا فى الشدائد ودعونا منيبين الينا ولاسيما اذا دعوا بهذا الدعا فى حال البلاء فقد جاء الترغيب فى الدعاء به عن سيد الانبياء ......عن سعد قال قال رسول الله ﷺ من دعا بدعاء يونس استجيب له ......سعد بن أبي وقاص يقول سمعت رسول الله ﷺ اسم الله الذى اذادعى به اجاب واذا سئل به اعطى دعوة يونس بن متى قال قلت يا رسول الله هى ليونس خاصة ام لجماعة المسلمين قال هى ليونس بن متى خاصة ولجماعة المؤمنين عامة اذادعوابها۔

(١٧٦) آپ علیہ السلام کی ولادت باسعادت اور مروجہ میلاد

سؤال

کیا فرماتے ہیں علماء کرام ومفتیان عظام اس مسئلہ کے بارے میں کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی ولادت کس ماہ میں ہوئی اور کس تاریخ کو ہوئی اور آج کل میلادالنبی کا منانا جائز ہے یا نہیں؟ اگر جائز نہیں تو میلاد منانے والوں کا کیا حکم ہے؟

الجواب بعون الملك الوهاب

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی ولادت باسعادت ماہ ربیع الاول میں ہوئی البتہ تاریخ میں اختلاف کی بناء پر مختلف اقوال نقل کیے گئے

جن میں زیادہ راجح آٹھ (۸) ربیع الاول ہے۔

نیز مروجہ میلاد کا خیر القرون سے کوئی ثبوت نہیں ملتا لہٰذا یہ بدعت قبیحہ ہے جس کا ترک لازم ہے اور جانتے بوجھتے بدعت کا ارتکاب کرنے والا فاسق ضرور ہے۔

لمافی المشکوۃ (ص۲۷): عن عائشۃ رضی اللہ عنہا قالت : قال رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم : "من أحدث في أمرنا هذا ما ليس منه فهو رد"۔

وفی فیض الباری (۳۱۹/۲): واعلم ان القیام عند ذکر میلاد النبی ﷺ لا اصل لہ فی الشرع واحدثہ ملک الاربل کمافی تاریخ ابن خلکان انہ کان یعقد لہ مجالس ویصرف علیہا اموالا۔

وعلی ہامشہ یقول العلامۃ محمد بدرعالم المیرٹھی : یقول العبد الضعیف: ولا ینبغی ان یشک ان المیلاد المروج بین اظہرنا حرام قطعا فانہ یشتمل علی المحرمات الکثیرۃ والمعاصی الظاہرۃ والباطنۃ من اضاعۃ المال وقرأۃ الروایات الموضوعۃ التی لا اصل لہا فی الدین ...... فتلک المجالس کلہا مجالس البدع فاحذروہا وعلیکم بسنۃ نبیکم فانہا العروۃ الوثقی لا انفصام لہا۔

وفی السیرۃ النبویۃ لابن کثیر (۱۹۸/۱): ولد صلوات اللہ علیہم وسلامہ یوم الاثنین ......ثم الجمہور علی ان ذلک کان فی شہر ربیع الاول فقیل للیلتین خلتا منہ قالہ ابن عبدالبر فی الاستیعاب ورواہ الواقدی عن ابی معشر نجیح بن عبد الرحمن المدنی وقیل لثمان خلون منہ حکاہ الحمیدی عن ابن حزم ورواہ مالک وعقیل ویونس بن یزید وغیرہم عن الزہری عن محمد بن جبیر بن مطعم۔ ونقل ابن عبد البر عن اصحاب التاریخ انہم صححوہ وقطع بہ الحافظ الکبیر محمد بن موسیٰ الخوارزمی ورجحہ ابوالخطاب بن دحیۃ ...وقیل لعشر خلون منہ نقلہ ابن دحیۃ ...... وقیل لثنتی عشر خلت منہ نص علیہ ابن اسحاق......وہذا ہو المشہور عند الجمہور۔وہکذا فی البدایۃ والنہایۃ (۲۴۲/۲)

(۱۷۷) دس محرم کے مروجہ افعال

سوال

کیا فرماتے ہیں علماء کرام ومفتیان عظام اس مسئلہ کے بارے میں کہ زید کہتا ہے کہ دس محرم کو کھچڑہ پکانا، سرمہ لگانا، نیا کپڑا پہننا

یہ سب سنت ہے۔کیا یہ بات صحیح ہے؟ کھچڑہ اس وجہ سے سنت ہے کہ حضرت نوح علیہ الصلوٰۃ والسلام کی کشتی جودی پہاڑ پر دس محرم کو پہنچی تھی اور آپ نے اتر کر کھچڑہ پکایا تھا۔کیا یہ بات صحیح ہے؟

الجواب بعون الملک الوھاب

یہ تمام افعال فی نفسہ جائز ہیں لیکن انہیں دس محرم کے ساتھ خاص کرنا اور سنت سمجھ کر کرنا عدم ثبوت کی بناء پر جائز نہیں۔روایات سے دس محرم کا روزہ تو ثابت ہے لیکن یہ افعال ثابت نہیں لہٰذا ان سے اجتناب کرنا چاہیئے۔

نیز یہ کہنا کہ نوح علیہ الصلوٰۃ والسلام نے جودی پہاڑ پر پہنچنے کے بعد دس محرم کو کھچڑہ پکایا تھا اس کی کوئی اصل موجود نہیں بلکہ روایات سے یہی معلوم ہوتا ہے کہ حضرت نوح اور ان کے متبعین نے شکرانے کے طور پر اس دن روزہ رکھا تھا۔

لمافی احکام القرآن للقرطبی (۴۱/۹): واستوت علی الجودی وقیل بعداللقوم الظالمین ای ھلاکا لھم الجودی جبل بقرب الموصل۔ استوت علیه فی العاشر من المحرم یوم عاشوراء فصامه نوح وامر جمیع من معه من الناس والوحش والطیر والدواب وغیرھا فصاموہ شکراً لله تعالی۔

وفی المشکوۃ (ص۱۷۸): وعن ابن عباس قال حین صام رسول الله ﷺ عاشوراء وامر بصیامه قالوا یارسول الله انه یوم یعظمه الیھود والنصاریٰ فقال رسول الله ﷺ لئن بقیت الی قابل لاصومن التاسع۔

وفی شمائل الترمذی ص۴: عن ابن عباس رضی الله عنه ان النبی ﷺ قال اکتحلوا بالاثمد فانه یجلو البصر وینبت الشعر وزعم ان النبی ﷺ کانت له مکحلة یکتحل منھا کل لیلة۔

(۱۷۸) قبروں پر چادریں چڑھانا اور قبروں کی مٹی کھانا

سؤال

کیا فرماتے ہیں علماء کرام ومفتیان عظام اس مسئلہ کے بارے میں کہ بعض لوگ پیروں کی قبروں پر چادریں اور پھول چڑھاتے ہیں، قبر کی مٹی خود کھاتے ہیں اور دوسروں کو بھی کھلاتے ہیں تاکہ بیماریوں سے شفا حاصل ہو۔نیز دس محرم کو خصوصی طور پر شربت پیتے اور پلاتے ہیں۔شرعاً ان سب امور کا کیا حکم ہے؟

الجواب بعون الملک الوھاب

صورت مسئولہ میں پیروں کی قبروں پر یا کسی اور قبر پر چادریں یا پھول وغیرہ چڑھانا جائز نہیں اسی طرح قبر کی مٹی اس نیت سے کھانا کہ اس میں اس صاحب قبر کی وجہ سے شفا ملے جائز نہیں بلکہ شرک ہے جو گناہوں میں سب سے بڑا گناہ ہے۔ نیز دس محرم کو شربت

پلانا اور پینا غیر اللہ کی نذر کے طور پر ہوتا ہے یا پھر تشبہ بالروافض کے طور پر ہوتا ہے۔دونوں صورتوں میں یہ عمل ناجائز ہے۔

لمافی قولہ تعالی (الشعراء : ۸۰): وَإِذَا مَرِضْتُ فَهُوَ يَشْفِيْنِ ○

وفی تفسیر روح البیان (۲۸۴/٦): وَإِذَا مَرِضْتُ فَهُوَ يَشْفِيْنِ يبرئنى من المرض ويعطى الشفاء لاالاطباء وذلك انهم كانوا يقولون المرض من الزمان ومن الاغذية والشفاء من الاطباء والادوية فاعلم ابراهيم ان الذى امرض هوالذى يشفى وهوالله تعالى۔

وقوله تعالى (المائده: ۳): حُرِّمَتْ عَلَيْكُمُ الْمَيْتَةُ وَالدَّمُ وَلَحْمُ الْخِنْزِيْرِ وَمَا أُهِلَّ لِغَيْرِ اللهِ بِهِ

وفى عمدة القارى (۱۲۱/۳): وكذلك مايفعله اكثرالناس من وضع مافيه رطوبة من الرياحين والبقول ونحوهما على القبور ليس بشئ۔

وفى المرقاة (۳۵۱/۱): وقد انكرالخطابى مايفعله الناس على القبور من الاخواص ونحوها بهذا الحديث وقال لااصل له۔

وفى الهندية (۳۴۱/۵): الطين الذى يحمل من مكة ويسمى طين حمزة هل الكراهة فيه كالكراهة فى اكل الطين على ماجاء فى الحديث ...... الكراهة فى الجميع متحدة۔

(۱۷۹) ختم بخاری شریف اور مروجہ عرس میں فرق

سؤال

کیا فرماتے ہیں علماء کرام ومفتیان عظام اس مسئلہ کے بارے میں کہ تقریب ختم بخاری شریف کی شرعی حیثیت کیا ہے۔جائز ہے یا نہیں؟ اگر یہ جائز ہے تو کیا وجہ ہے کہ عرس ناجائز ہے؟ دونوں میں کیا فرق ہے جس کی وجہ سے ایک کو جائز اور دوسرے کو ناجائز کہا جاتا ہے؟

الجواب بعون الملک الوهاب

ختم بخاری شریف علماء کے ہاں نہ تو واجب ہے اور نہ ہی فرض بلکہ لزوم کے اعتقاد کے بغیر بخاری شریف کی آخری حدیث کے موقع پر اجتماع منعقد کیا جاتا ہے جس میں علماء وطلباء کے علاوہ عوام بھی شرکت کرتے ہیں۔مشائخ بیانات کرتے ہیں اور آخر میں دعا سے یہ اجتماع ختم ہوجاتا ہے اور اس اجتماع کی بڑی وجہ یہ بھی ہے کہ تجربہ شاہد ہے کہ ختم بخاری پر دعائیں قبول ہوتی ہیں۔لہٰذا ہر ایک کی خواہش ہوتی ہے کہ اس تقریب سعید میں شامل ہوجائے۔

اس کے برخلاف عرس میں منکرات وفواحش کا ایک ہجوم برپا ہوتا ہے کیونکہ عموما عرسوں میں مردوزن کا بے جا اختلاط پایا جاتا ہے بلکہ بعض دفعہ نوبت بدکاری تک پہنچ جاتی ہے۔ گانا بجانا اور موسیقی عرس کا جزولازم سمجھی جاتی ہے۔ اس کے علاوہ قبور کے ساتھ عقیدت کی وجہ سے جو کام کئے جاتے ہیں وہ ان کے علاوہ ہیں۔ لہٰذا ان تمام وجوہات کی بناء پر عرس اور ختم بخاری شریف کی تقریب میں فرق ہے کہ ختم بخاری شریف جائز اور مروجہ عرس ناجائز ہے۔ واللہ اعلم بالصواب

(۱۸۰) عرس میں شرکت کے لئے نئے پہننے والے کپڑے کو احرام کہنا

سؤال

کیا فرماتے ہیں علماء کرام ومفتیان عظام اس مسئلہ کے بارے میں کہ بعض لوگ بزرگوں کے عرس میں شرکت کرنے کے لئے خاص قسم کا جوڑا پہن کر جاتے ہیں اور اس جوڑے کو احرام کہتے ہیں۔ ایسا سمجھنا اور کہنا صحیح ہے؟

الجواب بعون الملک الوھاب

صورت مسئولہ میں اس طرح کرنا اور کہنا صحیح نہیں ہے بلکہ بدعت ہے اور لفظ احرام جو بیت اللہ کی زیارت کے لئے جاتے وقت پہننے والے کپڑوں پر بولا جاتا ہے اسے ایسی جگہ جاتے وقت پہننے والے کپڑوں پر بولنا جہاں دنیا بھر کی خرافات ہوتی ہیں قطعا صحیح نہیں ہے۔

لمافی المشکوۃ (ص۲۷): عن عائشة رضی الله عنها قالت : قال رسول الله صلى الله عليه وسلم : " من أحدث في أمرنا هذا ما ليس منه فهو رد "۔

وفی المرقات (۱/۲۱۵) تحت هذه الرواية : قال القاضی المعنی من احدث فی الاسلام رأيا لم يكن له من الكتاب والسنة سند ظاهر اوخفی ملفوظ اومستنبط فهو مردود عليه۔

(۱۸۱) عاشورہ کی رسومات اور بدعات

سؤال

کیا فرماتے ہیں علماء کرام اس مسئلہ کے بارے میں کہ محرم الحرام کے پہلے عشرے میں وعظ ونصیحت کی مجالس کا انعقاد ختم قرآن اور حضرت حسین کا ذکرِ شہادت بنیت ثواب اور ان کو ثواب پہنچانا کیا شریعت مطہرہ سے یہ چیزیں ثابت ہیں یا نہیں؟ مفصل جواب عنایت فرمائیں۔

الجواب بعون الملک الوھاب

مذکورہ چیزوں کا شریعت مطہرہ میں کوئی ثبوت نہیں بلکہ یہ ساری چیزیں روافض کی گھڑی ہوئی ہیں کیونکہ دس محرم کا اور ایک دن پہلے یا ایک دن بعد کا روزہ رکھنا مشروع ہے۔پس روزے کے ماسوا دس محرم میں دیگر چیزیں ممنوع اور بدعت کے زمرے میں شامل ہیں۔نیز یہ روافض کے ساتھ تشبہ کی بنا پر بھی ناجائز ہیں۔

لمافی المشکوۃ (ص۲۷): عن عائشة رضی الله عنها قالت : قال رسول الله صلی الله علیه وسلم : "من أحدث في أمرنا هذا ما ليس منه فهو رد"۔

وفیه ایضا (ص۱۷۸): عن ابن عباس رضی الله عنه قال مارأیت النبی ﷺ یتحری صیام یوم فضله علی غیره الاهذا الیوم یوم عاشوراء وهذا الشهر ......وعنه قال حین صام رسول الله ﷺ عاشوراء وامر بصیامه قالوا یارسول الله انه یوم یعظمه الیهود والنصاری فقال رسول الله ﷺ لئن بقیت الی قابل لاصومن التاسع۔

وفی ردالمحتار (۴۱۸/۲): وتعقبه ابن العز بانه لم یصح عنها فی یوم عاشوراء غیر صومه وانما الروافض لماابتدعوا اقامة المأتم واظهار الحزن یوم عاشوراء......ابتدع جهلة اهل السنة اظهار السرور واتخاذ الحبوب۔

(۱۸۲) "الصلوۃ والسلام علیك یارسول الله" کہنے کا حکم

سؤال

کیا فرماتے ہیں علماء کرام ومفتیانِ عظام اس مسئلہ کے بارے میں کہ الصلوۃ والسلام علیک یارسول اللہ کہنا ازروئے شرع جائز ہے یا نہیں؟

الجواب بعون الملک الوھاب

صورت مسئولہ میں اگر مذکورہ کلمات حاضر وناظر کے عقیدے کے بغیر کہے جائیں تو اس میں کچھ حرج نہیں البتہ آج کل مروجہ طریقہ التزام کی وجہ سے ناجائز اور بدعت میں شامل ہوگا۔اور اگر حاضر وناظر کے عقیدے کے ساتھ کہے جائیں تو شرک ہے۔

لمافی الصحیح للبخاری (۹۲۶/۲): حدثنا ابونعیم ...ابن مسعود یقول علمنی النبی ﷺ وکفی بین کفیه التشهد ...التحیات لله والصلوات والطیبات السلام علیك ایها النبی ورحمة الله .... فلما قبض قلنا السلام یعنی النبی ﷺ۔

وفی عمدة القاری (۱۱۱/٦): فان قلت ما الحکمة فی العدول عن الغیبة الی الخطاب فی قوله علیك ایها النبی مع ان لفظ الغیبة هو الذی یقتضیه السیاق ... قلت اجاب الطیبی بما محصله نحن نتبع لفظ الرسول بعینه الذی علمه للصحابة ویحتمل ان یقال علی طریقة اهل العرفان ان المصلین لما استفتحوا باب الملکوت بالتحیات اذن لهم بالدخول فی حریم الحی الذی لایموت فقرت اعینهم بالمناجات فنبهوا علی ان ذلك بواسطة نبی الرحمة وبرکة متابعة فاذا التفتوافاذا الحبیب فی حرم الحبیب حاضر فاقبلوا علیه قائلین السلام علیك ایها النبی ورحمة الله وبرکاته۔

وفی المشکوة (ص۸٦): عن ابی هریرة رضی الله عنه قال سمعت رسول الله ﷺ یقول لاتجعلوا بیوتکم قبورا ...... وصلوا علی فان صلاتکم تبلغنی حیث کنتم۔

وعن ابن مسعود قال قال رسول الله ﷺ ان لله ملائکة سیاحین فی الارض یبلغونی من امتی السلام۔

وفیه ایضا (ص۸۷): عن ابی هریرة قال سمعت رسول الله ﷺ یقول :من صلی علی عند قبری سمعته ومن صلی علی نائیا ابلغته۔

(۱۸۳) محفل میلاد کامروجہ طریقہ اوراس کی شرعی حیثیت

سؤال

کیافرماتے ہیں علماء کرام ومفتیان عظام اس مسئلہ کے بارے میں کہ محفل میلاد منعقد کرنا اوراس میں شرکت کرنا جائز ہے یا نہیں؟ کیاحضور صلی اللہ علیہ وسلم محفل میلاد میں تشریف لاتے ہیں؟

الجواب بعون الملک الوھاب

مروجہ میلاد کاانعقاد، اس میں شرکت کرنا یہ بدعات کے پرچار کے مترادف ہے کیونکہ یہ طریقہ سلف صالحین سے ثابت نہیں ہے۔ نیز حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے بارے میں یہ عقیدہ رکھنا کہ آپ محفل میلاد میں حاضر ہوتے ہیں شرک ہے جس سے توبہ اور آئندہ ایسے کلمات سے اجتناب ازحد ضروری ہے۔

دلائل المسئلة مرت سابقا فی رقم السؤال : ۱۷٦

(۱۸۴) جنازہ کے آگے قرآن مجید لیکر چلنا

سؤال

کیا فرماتے ہیں علماء کرام ومفتیان عظام اس مسئلہ کے بارے میں کہ ہمارے ہاں ایک رسم یہ ہے کہ جنازہ سے آگے آگے قرآن مجید لیکر جاتے ہیں۔کیا شریعت کی رو سے ایسا کرنا جائز ہے؟

الجواب بعون الملک الوهاب

صورت مسئولہ میں جنازے سے آگے قرآن مجید لیکر جانا خیر القرون سے کہیں بھی ثابت نہیں اور کسی غیر ثابت کام پر التزام کرنا ہی بدعت کہلاتا ہے لہٰذا یہ کام بھی بدعت میں شامل سمجھا جائے گا جس سے اجتناب کی ضرورت ہے۔

لمافی المشکوۃ (ص۲۷): عن عائشة رضی الله عنها قالت : قال رسول الله صلی الله علیه وسلم : " من أحدث في أمرنا هذا ما ليس منه فهو رد "۔...وعن جابر رضی اللہ عنہ قال قال رسول اللهﷺ امابعد فان خیر الحدیث کتاب الله وخیر الهدی هدی محمد ﷺ وشرالامور محدثاتها وکل بدعة ضلالة۔

وفیه ایضا(ص۲۸):عن ابی هریرة رضی اللہ عنہ قال قال رسول اللهﷺ یکون فی آخر الزمان دجالون کذابون یأتونکم من الاحادیث بما لم تسمعوا انتم ولاآباء کم فایاکم وایاهم لایضلونکم ولایفتنونکم۔

(۱۸۵) قرآنی آیات اور حضور ﷺ کے ناموں کے کتبوں کو چومنا

سؤال

کیا فرماتے ہیں علماء کرام ومفتیان عظام اس مسئلہ کے بارے میں کہ مساجد میں قرآنی آیات اور نبی کریم ﷺ کے ناموں کے کتبے لگے ہوتے ہیں بعض لوگ ان پر ہاتھ لگا کر چومتے ہیں کیا ایسا کرنا شرعا جائز ہے؟

الجواب بعون الملک الوهاب

صورت مسئولہ میں اس طرح کے کتبوں کو تعظیم کی بنا پر چومنا نہ صرف جائز بلکہ امر مستحسن ہے البتہ التزام سے پرہیز کریں کہ کہیں اس سے فتنہ کا دروازہ نہ کھل جائے۔

لمافی الدرالمختار (۳۸۴/۶): وفی القنیة فی باب مایتعلق بالمقابر تقبیل المصحف قیل بدعة لکن روی عن عمر ﷺ انه کان یأخذ المصحف کل غداة ویقبله ویقول: عهد ربي ومنشور ربي عزوجل وکان عثمان ﷺ یقبل المصحف ویمسحه علی وجهه۔

(۱۸۶) ایصال ثواب کا مروجہ طریقہ

سؤال

کیا فرماتے ہیں علماء کرام ومفتیان عظام اس مسئلہ کے بارے میں کہ ہمارے ہاں یہ رائج ہے کہ جب کسی کا انتقال ہوجائے تو اس کے رشتہ دار طلباء کو بلا کر لاتے ہیں جو قرآن ختم کرتے ہیں پھر انہیں پیسے یا کپڑے وغیرہ دیئے جاتے ہیں۔ اگر کوئی نہ دے تو پھر ختم کے لئے کوئی تیار نہیں ہوتا۔ تو کیا اس طرح کرنا شرعاً جائز ہے اور اس طرح مردے کو ثواب پہنچتا ہے؟

الجواب بعون الملک الوھاب

صورت مسئولہ میں اس طرح کی تقریبات میں شامل ہونے کی نیت عموماً کھانے اور پیسوں کی ہوتی ہے جس کا قرینہ یہ ہے کہ اگر پہلے سے معلوم ہوجائے کہ کھانے کو کچھ نہ ملے گا تو کوئی وہاں جانے کے لئے تیار نہیں ہوتا جیسا کہ خود سائل نے بھی ذکر کیا ہے۔ ایسی نیت کے ساتھ پڑھنے والے کو ہی ثواب نہیں ملتا چہ جائیکہ وہ مردے کے لئے ایصال ثواب کرے اس کے علاوہ بھی اس طرح کے اجتماعات میں کئی قباحتیں پائی جاتی ہیں جن کی وجہ سے ان سے احتراز لازم ہے۔

ایصال ثواب کا صحیح طریقہ یہ ہے کہ ہر ایک اپنی مرضی سے خود ہی پڑھ کر مردے کو ایصال ثواب کردے اور قرآن ختم کرنا ضروری نہیں۔ سنت کے مطابق تھوڑا سا بھی عمل زیادہ پسندیدہ ہے بہ نسبت اس کے کہ بہت زیادہ عمل کیا جائے لیکن وہ خلاف سنت ہو بلکہ ایسا عمل مزید وبال کا سبب بنتا ہے۔

لمافی ردالمحتار (۲۴۰/۲): واتخاذ الدعوة لقراءة القرآن وجمع الصلحاء والقراء للختم اولقراءة سورة الانعام او الاخلاص ...... ان اتخاذ الطعام عند قرأة القرآن لاجل الاکل یکره۔

وفیه ایضا (۵۶/۶): فالحاصل ان ماشاع فی زماننا من قراءة الاجزاء بالاجرة لایجوز لان فیه الامر بالقراءة واعطاء الثواب للآمر والقرأة لاجل المال فاذا لم یکن للقاری ثواب لعدم النیة الصحیحة فاین یصل الثواب الی المستاجر ولولاالاجرة ماقرأ احد لاحد فی هذا الزمان بل جعلوا القرآن العظیم مکسبا ووسیلة الی جمع الدنیا انالله وانا الیه راجعون۔

(۱۸۷) آتش بازی کو ثواب سمجھ کر کرنا

سؤال

کیا فرماتے ہیں علماء کرام ومفتیان عظام اس مسئلہ کے بارے میں کہ آج کل لوگ شب برأت میں آتش بازی کرتے ہیں اور اسے ذریعہ ثواب سمجھا جاتا ہے۔آپ قرآن وسنت کی روشنی میں فیصلہ فرمائیں کہ اسے ثواب سمجھنا صحیح ہے؟

الجواب بعون الملک الوھاب

صورت مسئولہ میں اس طرح کی آتش بازی اسراف میں داخل ہے جو کہ ناجائز ہے اور اسے ثواب سمجھنا بدعت ہے۔

لمافی قولہ تعالی (الاسراء :۲۷): إِنَّ الْمُبَذِّرِيْنَ كَانُوْا إِخْوَانَ الشَّيٰطِيْنِ

وفی البحرالرائق (۲۱۵/۵): وفی القنیۃ واسراج السرج الکثیرۃ فی السکک والاسواق لیلۃ البراءۃ بدعۃ۔

(۱۸۸) ۲۲ویں رجب کے کونڈوں کی حیثیت

سؤال

کیا فرماتے ہیں علماء کرام ومفتیان عظام اس مسئلہ کے بارے میں کہ ۲۲ویں رجب کے کونڈوں کا آج کل عام رواج ہے اور اس میں طرح طرح کی رسومات اور خرافات ہوتی ہیں۔کیا شرعا یہ رسم کرنا جائز ہے یا نہیں؟ کیا سلف سے یہ ثابت ہے؟

الجواب بعون الملک الوھاب

۲۲ویں رجب کے کونڈے اور اس طرح کی دوسری خرافات شرعا عدم ثبوت کی وجہ سے ناجائز ہیں۔دراصل یہ صحابہ رضوان اللہ علیہم اجمعین کے ساتھ بغض کی علامت ہے کہ ابتداء میں روافض نے اسے ایجاد کیا کیونکہ اس دن امیر معاویہ رضی اللہ عنہ اس دنیا سے تشریف لے گئے۔اس خوشی میں رافضیوں نے کونڈوں کو ایجاد کیا اور ان کی دیکھا دیکھی مسلمانوں میں یہ رائج ہوگئے لہٰذا ان سے ازحد اجتناب کی ضرورت ہے۔

لمافی المشکوۃ (ص۲۷): عن عائشۃ رضی اللہ عنہا قالت : قال رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم : " من أحدث في أمرنا هذا ما ليس منه فهو رد "۔......وعن جابر رضی اللہ عنہ قال قال رسول اللہ ﷺ امابعد فان خیر الحدیث کتاب اللہ وخیر الھدی ھدی محمد وشرالامور محدثاتھا وکل بدعۃ ضلالۃ۔

وفی البداية والنهاية (۸/ ۱۴۵): بعد ذکر احوال معاوية ......ولاخلاف انه توفی بدمشق فی رجب سنة ستين فقال جماعة: ليلة الخميس للنصف من رجب سنة ستين وقيل ليلة الخميس لثمان بقين من رجب سنة ستين۔

(۱۸۹) رمضان میں ختم قرآن پر دعا کرنا

سؤال

کیا فرماتے ہیں علماء کرام ومفتیان عظام اس مسئلہ کے بارے میں کہ رمضان المبارک میں ختم قرآن کے بعد اجتماعی یا انفرادی طور پر دعا کرنا کیسا ہے؟ براہِ کرم تفصیل سے جواب دیں۔

الجواب بعون الملک الوھاب

ختم قرآن کے بعد اجتماعی اور انفرادی دعا کرنا مستحسن عمل ہے اور رمضان المبارک چونکہ نزول رحمت کا مہینہ ہے جبکہ ختم قرآن کا موقع بھی نزول رحمت وبرکت کا ہے لہٰذا اس موقع پر بلا نیت التزام اجتماعی یا انفرادی دعا کرنا نہ صرف جائز بلکہ مستحسن عمل ہے۔

لمافی القرآن الكريم(المؤمن:٦٠):وَقَالَ رَبُّكُمُ ادْعُوْنِي أَسْتَجِبْ لَكُمْ

وفی المصنف لابن ابي شيبة(۱۵/۴۷۱): عن انس انه كان اذا ختم جمع اهله۔

وفيه ايضاً: عن عبدالرحمن بن الاسود قال يذكر انه يصلی عليه اذا ختم۔

وفيه ايضاً: عن الحكم قال كان مجاهد وعبدة بن ابي لبابة وناس يعرضون المصاحف فلما كان اليوم الذی ارادوا ان يختموا ارسلو الیّ وإلی سلمة بن كهيل فقالوا انا كنا نعرض المصاحف فاردنا ان نختم اليوم فأحببنا ان تشهدونا انه كان يقال: اذا ختم القرآن نزلت رحمة عند خاتمته او: حضرت الرحمة عند خاتمته۔

وفيه ايضاً(صـ۴۷۲): عن الحكم عن مجاهد قال: الرحمة تنزل عند ختم القرآن۔

وفی الهندية (۵/۳۱۸):الدعاء عند ختم القرآن فی شهر رمضان مكروه لكن هذا شئ لا يفتی به يكره الدعاء عند ختم القرآن بجماعة لان هذا لم ينقل عن النبی صلی الله عليه وسلم ... وينبغی أن يدعو فی صلوته بدعاء محفوظ واما فی غير حالة الصلوة ينبغی ان يدعو بما يحضره ولا يستظهر الدعاء لان حفظ الدعاء يذهب برقة القلب... وفی (صـ۳۱۷) ولا بأس باجتماعهم

علی قرائة الاخلاص جهرا عند ختم القرآن... ویستحب له أن یجمع اهله وولده عند الختم ویدعو لهم... کذا فی الینابیع۔

وفی الدرالمختار(۱۷۵/۲):وینبغی ان تکون خطبة الکسوف وختم القران کذلک و لم اره الخ...

وفی تقریرات الرافعی(۱۱۵/۲،۱۱۴):(قول الشارح لم اره) قال الشیخ الرحمتی لم ارذکر خطبة ختم القرآن ولا حکمها ولا کیفیتها... الی قوله ان عمر بن عبدالعزیز استخسن قرائة قل هو الله احد ثلاثا عند ختم القرآن ولم یستحسنه بعض المشایخ وقال الفقیه ابو اللیث هذا شئ استحسنه بعض اهل العراق وأئمة الامصار فلا باس به لان ماراه المومنون حسنا فهو عند الله حسن الا ان یکون ختم القرآن فی الصلوة المکتوبة فلا یزید علی مرّة ویکره الدعاء عند ختم القرآن فی شهر رمضان وعند ختم القرآن بجماعة لان هذا لم ینقل عن النبی صلی الله علیه وسلم ولا عن أصحابه رضی الله عنهم ولذا قال ابو القاسم الصفار لولا اهل البلدة یقولون یمنعنا من الدعاء لمنعتهم ولکن هذا شئ لا یفتی به لانه لا ینبغی أن یقال للعامة مالا یفهمون ومثله فی التجنیس وفی الخانیة وتکلموا فی الدعاءعند ختم القرآن فی رمضان وعند ختمه بجماعة واستحسنه المتأخرون فلا یمنعون من ذلك اهـ

رسالۃ

ازالۃ الدرن فی حکم الدعاء بعد السنن

نماز کے بعد اجتماعی دعا کا حکم

(۱۹۰) سنن کے بعد کی اجتماعی دعا کی شرعی حیثیت

سؤال

کیا فرماتے ہیں علماء کرام ومفتیان عظام اس مسئلہ کے بارے میں کہ فرض نماز اور اسی طرح سنتوں کے بعد اجتماعی دعا کا حکم کیا ہے؟ یہ بھی وضاحت فرمادیں کہ فرض یا سنتوں کی دعا میں تین دفعہ ہاتھ اٹھانا کیسا ہے؟

فرض اور سنت کے بعد اگر اجتماعی دعا ثابت نہیں تو نور الایضاح کی اس عبارت کا کیا مطلب ہے:

"ویستحب للامام بعد سلامه ان یتحول الی یساره لتطوع بعد الفرض وان یستقبل بعده (ای بعد التطوع مراقی الفلاح) الناس ویستغفرون ... ثم یدعون لانفسهم وللمسلمین رافعی ایدیهم ثم یمسحون بها وجوههم..."

(فصل فی الاذکار الواردة بعد الفرض، ص۸۰)

نیز التزام اور دوام میں فرق بیان کرنے کے بعد یہ بتائیں کہ جو لوگ سنتوں کے بعد اجتماعی دعا کا التزام کرتے ہیں اور دعا نہ کرنے والوں کو برا بھلا کہتے ہیں ان کا کیا حکم ہے؟ تفصیل سے جواب عنایت فرمائیں۔

الجواب بعون الملک الوھاب

صورت مسئولہ میں تمام سوالات کے جوابات بالترتیب ملاحظہ ہوں۔

۱۔ فرائض کے بعد اجتماعی دعا کا حکم

فرائض کے بعد مسنون طریقہ یہ ہے کہ باجماعت نماز سے فارغ ہونے کے بعد سب مل کر دعا کریں۔ یہی طریقہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم اور آپ کے صحابہ رضوان اللہ علیہم اجمعین سے ثابت ہے کہ فرض نماز باجماعت ادا کرنے کے بعد سب مل کر دعا کیا کرتے تھے، جیسا کہ آپ کا ارشاد گرامی

ہے۔

مامن عبد مؤمن یبسط کفیه فی دبر کل صلاة ثم یقول اللهم الهی و اله ابراهیم واسحاق ویعقوب...الا کان حقا علی الله ان لا یرد یدیه خائبتین۔ (کنز العمال، ۲/۱۳۴)

(یعنی جو بندہ نماز کے بعد ہاتھ اٹھا کر اللہ تعالیٰ سے دعا کرتا ہے، اور کہتا ہے کہ اے میرے معبود، اے ابراہیم واسحاق اور یعقوب کے معبود......اللہ تعالیٰ اس کی دعا کو ضرور قبول فرماتے ہیں اسے خالی ہاتھ واپس نہیں لوٹاتے)

اسی طرح تفسیر ابن کثیر (۱/ ۴۸۲) میں حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے منقول ہے۔

ان رسول الله ﷺ رفع یده بعد ما سلم وهو مستقبل القبلة فقال: اللهم خلص الولید بن الولید...الحدیث

معارف السنن (۳/ ۱۲۵) میں بھی "مصنف ابن ابی شیبة" کے حوالے سے روایت مروی ہے۔

منها ما اخرجه ابن ابی شیبة فی مصنفه من حدیث الاسود العامری عن ابیه قال صلیت مع رسول الله ﷺ الفجر فلما سلم انحرف ورفع یدیه ودعا۔

(یعنی آپ علیہ الصلاۃ والسلام فجر کی نماز کی ادائیگی کے بعد پلٹے اور ہاتھ اٹھا کر دعا فرمائی)

کنز العمال کی مذکورہ روایت "مامن عبد" چونکہ محدثین کے ہاں ضعیف ہے اس لئے اس کی تائید میں اسود عامری کی حدیث پیش کرنے کے بعد علامہ ظفر احمد عثمانی رحمۃ اللہ علیہ اعلاء السنن (۳/ ۲۰۱) میں فرماتے ہیں۔

قلت: دلالته علی رفع الیدین فی الدعاء بعد الصلوة المفروضة ظاهرة والحدیث وان کان ضعیفاً فله شاهد من روایة الاسود عند ابن ابی شیبة وبه یحصل للضعیف قوة علی ان الاستحباب یثبت بالضعیف غیر الموضوع صرح به ابن الهمام فی کتاب الجنائز من الفتح۔

اس کے بعد علامہ ظفر احمد عثمانی رحمۃ اللہ علیہ تعالیٰ آگے چل کر (۳/ ۲۰۵) فرائض کے بعد اجتماعی دعا کے متعلق فرماتے ہیں کہ ہمارے ہاں رائج دعا مستحب ہے۔

فثبت ان الدعاء مستحب بعد کل صلاة مکتوبة متصلا بها برفع الیدین کما هو شائع فی دیارنا ودیار المسلمین قاطبة۔

اسی طرح علامہ بنوری رحمۃ اللہ علیہ معارف السنن (۳/ ۱۲۵) میں روایات کے ذکر کرنے کے بعد فرماتے ہیں۔

فهذه وما شاکلها من الروایات فی الباب تکاد تکفی حجة لما اعتاده الناس فی البلاد من الدعوات الاجتماعیة دبر الصلوات...

یعنی نماز کے بعد اجتماعی دعا کیلئے بطور حجت یہی روایات کافی ہیں۔

اسی طرح علامہ شامی رحمۃ اللہ علیہ نے رد المحتار (۱/۳۹۹) میں بھی صراحت فرمائی ہے۔

فدل ان الامر للاستحباب والندب کامرہ بالدعاء فی ادبار الصلوات ونحوہ۔

۲۔سنتوں کے بعد اجتماعی دعا کا حکم:

حضور اقدس صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم، صحابہ کرام رضوان اللہ علیہم اجمعین اور سلف صالحین کا طریقہ یہ رہا کہ فرض نماز با جماعت ادا کرنے کے بعد سنتیں اور نوافل الگ الگ پڑھتے اور ان کے بعد دعا بھی الگ ہی کرتے بلکہ شریعت مطہرہ نے سنت ونوافل گھر میں پڑھنے کو افضل قرار دیا ہے، چنانچہ حدیث شریف میں آتا ہے

عن کعب بن عجرۃ رضی اللہ عنہ قال ان النبی ﷺ اتی مسجد بنی عبد الاشھل فصلی فیہ المغرب فلما قضوا صلوتھم رأھم یسبحون بعدھا فقال ھذہ صلوۃ البیوت۔ (مشکوۃ المصابیح، ص۱۰۵)

یعنی نبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم ایک دفعہ بنو اشہل کی مسجد میں تشریف لائے اور وہیں مغرب کی نماز ادا فرمائی نماز (فرض) کے بعد آپ نے دیکھا کہ لوگ سنتیں اور نوافل ادا کر رہے ہیں تو آپ نے فرمایا یہ نمازیں گھر میں پڑھنے کی ہیں۔

اس روایت سے معلوم ہوا کہ سنتیں گھر میں پڑھنا افضل ہے۔ اسی پر تمام حضرات اکابر کا عمل بھی رہا، لہذا جب سنتیں مسجد میں ادا نہ ہوں گی تو سنن کے بعد کی دعا کیسے ثابت ہوگی کیونکہ سنتیں گھر میں پڑھنے کے بعد دعا کیلئے دوبارہ جمع ہونا بھی ثابت نہیں، بلکہ اگر کسی مصلحت یا مجبوری سے مسجد میں سنتیں ادا بھی کرنی پڑیں تو آپ نے مقتدیوں کے ساتھ دعا نہیں فرمائی، چنانچہ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما آپ کا طریقہ نقل کرتے ہوئے فرماتے ہیں۔

کان رسول اللہ ﷺ یطیل القراءۃ فی الرکعتین بعد المغرب حتی یتفرق اھل المسجد

(مشکوۃ المصابیح، ص۱۰۵)

یعنی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم مغرب کی سنتوں میں اس قدر طویل قرات فرماتے ہیں کہ نمازی مسجد سے چلے جاتے۔

اسی طرح شرح معانی الآثار (۱/۳۳۹) میں حضرت عباس رضی اللہ عنہ کا ایک واقعہ مروی ہے۔

عن ابن عباس رضی اللہ عنہ قال قال لی العباس: بتُّ اللیلۃ بآل رسول اللہ ﷺ قال فصلی رسول اللہ العشاء ثم صلی بعدھا حتی لم یبق فی المسجد غیرہ۔

یعنی وہ خود فرماتے ہیں کہ میں ایک رات حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی خدمت میں حاضر رہا، آپ نے عشاء کی نماز پڑھی پھر نماز میں مشغول ہو گئے یہاں تک کہ مسجد میں آپ کے سوا کوئی نہ رہا۔

اس روایت سے بھی ثابت ہوا کہ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا معمول سنن کے بعد اجتماعی دعا کا نہ تھا۔ جب یہ ثابت ہو گیا کہ شروع سے ہی سنتوں کے بعد اجتماعی دعا کا معمول نہ تھا اب اسے ضروری اور لازم سمجھ کر کرنا اور نہ کرنے والوں پر طعن وتشنیع کرنا کیسے جائز ہو سکتا ہے۔ خصوصاً ایک ایسا کام جو بدعت کے زمرے میں داخل ہو حالانکہ ہمیں صرف رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی اطاعت کا حکم دیا گیا ہے اور آپ

نے اپنے صحابہ رضوان اللہ علیہم اجمعین کی اتباع کا حکم دیا ہے چنانچہ ایک روایت میں آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا:

فانه من یعش منکم بعدی فسیری اختلافاً کثیرا فعلیکم بسنتی وسنة الخلفاء الراشدین المهدیین تمسکوا بها وعضوا علیها بالنواجذوایاکم ومحدثات الامور فان کل محدثة بدعة وکل بدعة ضلالة۔ (مشکوة المصابیح، ص۳۰)

یعنی تم میں سے جو میرے بعد رہے گا تو وہ بہت زیادہ اختلاف دیکھے گا، (پس ایسے اختلاف کے وقت) تمہارے لئے میری سنت اور میرے خلفاء راشدین کی سنت لازم ہے، اسی پر مضبوطی سے قائم رہو اور دین میں نئی نئی باتوں سے بچتے رہو کیونکہ ہر نئی چیز بدعت ہے اور ہر بدعت گمراہی ہے۔

یہی وجہ ہے کہ صحابہ کرام رضوان اللہ علیہم اجمعین اس معاملے میں بہت زیادہ احتیاط کرتے تھے، چنانچہ حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہما کے متعلق منقول ہے۔

عن مجاهد قال دخلت مع عبدالله بن عمر رضی الله عنه مسجدا وقد اذن فیه ونحن نرید ان نصلی فیه فثوب المؤذن فخرج عبدالله بن عمر رضی الله عنهما من المسجد وقال اخرج بنا من عند هذا المبتدع ولم یصل فیه۔ (جامع الترمذی، ۵۰/۱)

حضرت مجاہد سے روایت ہے کہ میں حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہ کے ساتھ ایک مسجد میں گیا، وہاں اذان ہو چکی تھی، ہمارا ارادہ وہاں نماز پڑھنے کا تھا، مؤذن نے لوگوں کو دوبارہ جمع کرنے کیلئے آواز دی (جب حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما نے یہ الفاظ سنے) تو وہاں سے نکلنے کیلئے کھڑے ہو گئے اور اپنے ساتھیوں سے فرمانے لگے کہ مجھے اس بدعتی کے پاس سے نکالو۔ گویا آپ نے اس قدر بھی پسند نہ فرمایا کہ اذان کے بعد لوگوں کو صرف جماعت کے وقت میں جمع کرنے کیلئے کوئی کلمات ادا کئے جائیں اور کس قدر ناراضگی کا اظہار فرمایا کہ وہاں نماز بھی ادا کرنا گوارا نہ کیا۔

اس طرح ایک دوسرے موقع پر آپ نے لوگوں کو دیکھا کہ مسجد میں جا کر چاشت کی نماز ادا کر رہے ہیں تو چونکہ اس قدر اہتمام سے مسجد میں آ کر ادا کرنا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے ثابت نہیں تھا لہذا آپ نے اسے بدعت قرار دیا۔

عن مجاهد قال دخلت انا وعروة بن الزبیر المسجد فاذا عبدالله بن عمر جالس الی حجرة عائشة واذا اناس یصلون فی المسجد صلاة الضحی قال فسألناه عن صلاتهم فقال بدعة۔

(صحیح البخاری، ۲۳۸/۱)

چنانچہ فتح الباری میں اس نکیر کی علت بیان کرتے ہوئے علامہ ابن حجر فرماتے ہیں:

قال عیاض وغیره انما انکر ابن عمر ملازمتها واظهارها فی المساجد وصلاتها جماعة لا انها مخالفة للسنة۔ (۴۱/۳)

اسی طرح صحابہ کرام رضوان اللہ علیہم اجمعین کے نقش قدم پر چلنے والے اسلاف نے بھی ایسے امور کو قطعا برداشت نہیں کیا جو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے ثابت نہ ہوں، خواہ ظاہری اعتبار سے وہ فعل کتنا ہی معمولی کیوں نہ معلوم ہوتا ہو، چنانچہ علامہ شاطبی نے اپنی کتاب میں امام مالک رحمۃ اللہ علیہ کا قول نقل کیا ہے

قال ابن الماجشون :سمعت مالکا یقول من ابتدع فی الاسلام بدعۃ یراھا حسنۃ فقد زعم ان محمدا ﷺ خان الرسالۃ لان اللہ یقول "الیوم اکملت لکم دینکم" فما لم یکن یومئذ دینا فلا یکون الیوم دینا۔ (الاعتصام ص۳۰)

یعنی امام مالک رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ جس نے دین میں نئی بات ایجاد کی اور اسے بہتر بھی سمجھا تو اس نے یہ گمان کیا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے احکام خداوندی کی تبلیغ میں (العیاذ باللہ) خیانت کی ہے، اس لئے کہ اللہ تعالی فرماتے ہیں کہ آج میں نے دین کو مکمل کر دیا تو جو کام آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے زمانے میں دین میں داخل نہ تھا وہ آج بھی دین میں شامل نہیں ہو سکتا۔

چنانچہ علامہ رازی "لِيَبْلُوَكُمْ أَيُّكُمْ أَحْسَنُ عَمَلاً" کی تفسیر میں فرماتے ہیں۔

لان العمل اذا کان خالصا غیر صواب لم یقبل و کذالک اذا کان صوابا غیر خالص، فالخالص ان یکون لوجہ اللہ والصواب ان یکون علی السنۃ۔ (التفسیر الکبیر، ج۱۵/ جزء۲۹/ ص۵۶)

یعنی جو عمل خالص ہو لیکن صواب (درست) نہ ہو تو قبول نہیں اسی طرح جو صواب ہو لیکن خالص نہ ہو وہ بھی قبول نہیں اور خالص یہ ہے کہ اللہ کی رضا کیلئے ہو جبکہ صواب یہ ہے کہ سنت کے مطابق ہو۔

حاصل یہ ہوا کہ عمل کی قبولیت کیلئے جیسے نیت کا خالص اللہ کیلئے ہونا ضروری ہے ایسے ہی اس عمل کا سنت کے مطابق ہونا بھی ضروری ہے۔

حضرت احمد بن الحواری فرماتے ہیں:

من عمل عملا بلا اتباع سنۃ فباطل عملہ۔ (الاعتصام، ص۶۴)

یعنی جو عمل سنت کی اتباع کے بغیر کیا جائے گا وہ باطل ہے۔

بلا ثبوت کسی کام کو کرنا تو دور کی بات ہے بلکہ ہر وہ کام جس کی شریعت نے صرف اجازت دی ہے اور اسے کار ثواب بتلایا، اگر اس کام کیلئے شریعت نے کوئی خاص وقت متعین نہیں کیا، یا مکان کی تعیین نہیں کی، اب اگر ایسے کام کیلئے اوقات یا مکان کی تعیین کر دی جائے تو فقہاء نے اسے بھی بدعت میں شامل کیا ہے۔ اس کی سب سے واضح دلیل حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہ کا وہ اثر ہے جو پیچھے نقل ہو چکا کہ آپ نے چاشت کی نماز مسجد میں با جماعت ادا کرنے کو بدعت فرمایا حالانکہ یہ نماز فی نفسہ ثابت ہے لیکن جس طرح ثابت ہے جب اس طریقے سے ہٹ گئی تو اسے بدعت میں شامل فرمایا۔ اسی طرح علامہ شاطبی رحمۃ اللہ علیہ نے اپنی کتاب میں صراحت فرمائی ہے۔

ومنھا التزام العبادات المعینۃ فی اوقات معینۃ لم یوجد لھا ذلک التعیین فی الشریعۃ۔

(۱/۲۳)

یعنی بدعات میں سے ایک یہ ہے کہ عبادات معینہ کی اوقات معینہ میں ادائیگی کا ایسا التزام جس کا شریعت نے پابند نہیں کیا۔

آج کل یہی معاملہ دعا جیسی عظیم الشان عبادت کے ساتھ کیا جا رہا ہے، شریعت نے اس عبادت کو کسی خاص کیفیت وغیرہ کے ساتھ خاص نہیں کیا بلکہ عام رکھا ہے تاکہ ہر ایک کسی وقت بھی اپنے رب سے مناجات کرنا چاہے تو کر لے، لیکن آج کل اس عبادت کو خاص عمل (سنتوں کے بعد) کے ساتھ لازم کیا جا رہا ہے، اور جو ایسا نہ کرے اس پر نکیر بھی کی جاتی ہے، ظاہر ہے شریعت مطہرہ میں اس کا ثبوت کہیں بھی نہیں ہے، اسی وجہ سے علامہ عثمانی رحمۃ اللہ علیہ اس کو بدعت قرار دیتے ہوئے فرماتے ہیں۔

ورحم الله طائفة من المبتدعة فی بعض اقطار الهند حیث واظبوا علی ان الامام ومن معه یقومون بعد المکتوبة بعد قراءتهم اللهم انت السلام ومنك السلام الخ ثم اذا فرغوا من فعل السنن والنوافل یدعو الامام عقب الفاتحة جهرا بدعاء مرة ثانیة والمقتدون یؤمنون علی ذلك وقد جری العمل منهم بذلك علی سبیل الالتزام والدوام حتی ان بعض العوام اعتقدوا ان الدعاء بعد السنن والنوافل باجتماع الامام والمامومین ضروری واجب ...ومن لم یرض بذلك یعزلونه عن الامامة ویطعنونه ولا یصلون خلف من لا یصنع بمثل صنیعهم وایم الله ان هذا امر محدث فی الدین۔ (اعلاء السنن، ۳/۲۰۵)

ترجمہ:۔ اللہ تعالیٰ سرزمین ہندوستان کے بعض بدعتی دھڑوں پر رحم فرمائیں جہاں پیش امام اور مقتدی حضرات فرائض کے بعد مسنون دعا ''اللھم انت السلام'' پڑھنے کے بعد سنن ونوافل ادا کرنے کیلئے کھڑے ہو جاتے ہیں۔ سنتوں سے فارغ ہونے کے بعد امام سورۃ فاتحہ پڑھ کر باآواز بلند دوسری مرتبہ دعا مانگتا ہے اور مقتدی آمین کہتے ہیں اور یہ عمل ان میں دوام اور التزام کے طور پر رائج ہے حتیٰ کہ لوگ سنتوں کے بعد اجتماعی طور پر دعا مانگنے کو ضروری اور واجب گردانتے ہیں۔ جو امام بے چارہ ان کی اس خودساختہ روش پر عمل پیرا نہ ہو اس کو منصب امامت سے معزول کر کے طعن وتشنیع کا نشانہ بنایا جاتا ہے۔ اور جو ان کے اس طرز دعا کے قائل نہیں ان کی اقتداء میں نماز تک نہیں پڑھتے۔ رب کعبہ کی قسم یہ دین میں نیا اضافہ ہے۔

اسی طرح علامہ بنوری رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں۔

ثم ان ما راج فی کثیر من بلاد الهند الجنوبیة الدعاء بکیفیة مخصوصة بعد الرواتب ... ففی مثل هذه یقال انه بدعة تضمنت بدعات کثیرة۔ (معارف السنن ۳/۱۲۶)

سرزمین ہندوستان کے بعض جنوبی علاقوں میں فرائض کے بعد جو مخصوص کیفیت اور طریقہ سے دعا جاری اور رائج ہے...... اسی کے بارے میں کہا جاتا ہے کہ یہ ایک بدعت بدعات کثیرہ کو شامل اور متضمن ہے۔

ان دونوں عبارتوں کا حاصل یہ ہے آج کل جو طریقہ رائج ہے کہ سنتوں کے بعد دوبارہ اجتماعی دعا کی جاتی ہے یہ دین میں اپنی طرف

سے زیادتی ہے۔

دعا کیلئے تین بار ہاتھ اٹھانا

ماقبل تفصیل سے یہ معلوم ہوگیا کہ سنتوں کے بعد اجتماعی دعا ہی ثابت نہیں ہے، البتہ جہاں فرائض کے بعد ثبوت ہے تو وہاں بھی یہ تصریح نہیں ہے کہ دعا کیلئے تین مرتبہ ہاتھ اٹھائے گئے ہوں، لہٰذا جب سنتوں کے بعد اجتماعی دعا ثابت ہی نہیں تو تین مرتبہ ہاتھ اٹھانا کیسے ثابت ہوسکتا ہے۔ نیز عدم ثبوت کی ایک واضح اور روشن دلیل یہ بھی ہے کہ دعا کا معاملہ عمر بھر میں کوئی ایک دو مرتبہ نہیں بلکہ روزانہ کئی مرتبہ کا ہے اگر اس کا کوئی ثبوت ہوتا تو صحابہ رضوان اللہ علیہم اجمعین ضرور نقل کرتے، جب صحابہ رضوان اللہ علیہم اجمعین اسے نقل نہیں کرتے تو اس کے علاوہ کیا کہا جاسکتا ہے کہ یہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کا طریقہ ہی نہیں چنانچہ یہی وجہ ہے کہ حضرت علامہ بنوری رحمۃ اللہ علیہ اس پر بحث کے بعد آخر میں فرماتے ہیں۔

غیر انه یظهر بعد البحث والتحقیق انه وان وقع ذلك احیانا عند حاجات خاصة لم تكن سنة مستمرة له ﷺ ولا للصحابة رضی الله عنهم والا لكان ان ینقل متواتراً البتة۔ (معارف السنن ۱۲۶/۳)

نورالایضاح کی عبارت کا جواب

علامہ ظفر احمد عثمانی رحمۃ اللہ علیہ نے اعلاء السنن میں یہ عبارت نقل کرنے کے بعد اس کا جواب دیا ہے چنانچہ وہ فرماتے ہیں کہ

فانه لا دلالة فیه علی قراءة كل ذلك والدعاء بعدها مجتمعین وان یفعل ذلك كله فی المسجد فان صیغة الجمع لا تستدعی الاجتماع والاصطحاب اصلا نص علی ذلك الاصولیون فمعنی كلامه ان المسلمین ینبغی لهم قراءة الاوراد الماثورة بعد المكتوبات بان یأتی كل احد بها علی حدة ویدعو كل احد بعدها لنفسه وللمسلمین لان الشرنبلالی نفسه قد نص قبل ذلك علی ان الافضل بالسنن اداؤها فیما هو ابعد من الریاء واجمع للخلوص سواء البیت او غیره۔ فلما كان الافضل بالسنن عنده البیت ونحوه فكیف یمكن حمل كلامه ویستغفرون الله ویحمدونه الخ علی فعل ذلك فی المسجد بالاجتماع۔ (۲۰۸/۳)

یعنی مذکورہ عبارت سنتوں کے بعد اجتماعی دعا پر دلالت نہیں کر رہی، اگرچہ اس عبارت میں جمع کے صیغے استعمال ہوئے ہیں لیکن یہ اس امر کا تقاضا نہیں کرتے کہ وہ سب مل کر ایک ساتھ دعا کریں، بلکہ مطلب یہ ہوگا کہ ہر ایک علیحدہ علیحدہ سنتوں کے بعد اپنے لئے اور سب مسلمانوں کیلئے دعا کرے، اور اس کی وجہ یہ ہے کہ علامہ شرنبلالی رحمۃ اللہ علیہ نے خود اس بات کی صراحت کی ہے کہ افضل نماز وہ ہے جس میں خلوص ہو چاہے گھر میں پڑھ لے یا کسی اور جگہ، لہٰذا جب ماتن کے نزدیک سنتیں گھر وغیرہ میں پڑھنا افضل ہے تو یہ کس طرح ممکن ہے کہ اس عبارت کو مسجد میں سنتوں کے بعد اجتماعی دعا پر محمول کیا جائے۔ واللہ اعلم

الغرض کوئی بھی کام انفرادی یا اجتماعی جس طرح آپ ﷺ نے کیا اسی طرح کرنا اطاعت ہے، اس سے ہٹ کر کرنا دنیا وآخرت دونوں کے اعتبار سے خسارے کا سبب ہے، لہٰذا دینی غیرت کا تقاضا ہے کہ ہم یہ دیکھیں کہ رسول اللہ ﷺ نے کون سا کام کس طریقے سے کیا ہے نہ کہ ایسا ہو کہ یہ کام ہمیں اچھا لگتا ہے لہذا ہم تو ایسے ہی کریں گے، اور اس کیلئے ثبوت تلاش کیا جائے، من گھڑت قصے سنائے جائیں اور آیات واحادیث کو توڑ موڑ کر پیش کیا جائے، اس سے ہماری علیحدہ پہچان تو ہوسکتی ہے، لوگوں میں ہمارا تذکرہ تو ہوسکتا ہے لیکن اللہ کے ہاں تو وہی عمل مقبول ہے جو رسول اللہ ﷺ کے طریقے کے مطابق ہے، چاہے ہمیں وہ اچھا لگے یا نہ لگے کیونکہ ہماری پسند کوئی معیار نہیں، معیار تو صرف آپ ﷺ کے طریقے ہیں۔ لہذا ضد وہٹ دھرمی، عناد اور اندھی تقلید کو بالائے طاق رکھتے ہوئے فیصلہ کیجئے کہ آپ کو کون سا طریقہ پسند ہے، جس سے اللہ اور اس کا رسول خوش ہو یا جس سے آپ کی علیحدہ پہچان ہو، اور ساتھ میں یہ بات بھی ذہن میں رہے کہ جب حق بات سامنے آجائے اور کوئی حق کو سمجھنے اور قبول کرنے کے بجائے ضد پر ہی ڈٹ جائے تو اللہ تعالی اس کی فہم کی استعداد ختم کر دیتے ہیں اس کے بعد حق بات اسے سمجھ میں ہی نہیں آتی، چنانچہ ایسے ہی حضرات کا اللہ تعالی نے خود ذکر فرمایا۔

مَثَلُھُمْ كَمَثَلِ الَّذِی اسْتَوْقَدَ نَارًا فَلَمَّا اَضَاءَتْ مَاحَوْلَہٗ ذَھَبَ اللّٰہُ بِنُوْرِھِمْ وَتَرَكَھُمْ فِیْ ظُلُمٰتٍ لَّایُبْصِرُوْنَ (البقرہ:۱۷)

التزام اور دوام میں فرق:

التزام اور دوام میں بنیادی فرق یہ ہے کہ التزام میں اعتقاد کا دخل ہوتا ہے جبکہ دوام میں اعتقاد کا دخل نہیں ہوتا۔ جس کی تفصیل یہ ہے کہ التزام اور دوام اصطلاحی اعتبار سے ہم معنی ہیں، البتہ التزام میں کسی کام پر دوام کے ساتھ اسے اپنے اوپر لازم سمجھا جاتا ہے۔ شرعی اعتبار سے دونوں میں یہ فرق ہے کہ شریعت نے بعض امور کے کرنے اور نہ کرنے دونوں کا اختیار دیا ہے، اب اس اختیار کے باوجود کوئی ان امور کو تسلسل اور دوام کے ساتھ کرتا ہے، مثلاً اوابین یا تہجد کے نوافل، ان کو ہمیشہ ادا کرنا صحیح ہے جیسا کہ سلف صالحین کا یہی طریقہ رہا البتہ اگر کوئی اس دوام کے ساتھ ان کو لازم سمجھے بایں طور کہ ان کو چھوڑنا گناہ سمجھے اور نہ کرنے والے کو قابل ملامت گردانے تو یہ التزام ہے، اور یہ گناہ کا سبب ہے کیونکہ اس صورت میں شریعت نے جو مرتبہ ان امور کو دیا ہے اس سے ہٹا دینا لازم آتا ہے جو کہ ناجائز ہے۔ چنانچہ حافظ ابن حجر رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں:

قال ابن المنیر فیہ ان المندوبات قد تنقلب مکروھات اذا رفعت عن رتبتھا لان التیامن مستحب فی کل شیء ای من امور العبادۃ لکن لما خشی ابن مسعود رضی اللہ عنہ ان یعتقدوا وجوبہ اشار الی کراھتہ۔ (فتح الباری، ۲/۲۷۰)

ابن منیر رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ جب مندوبات اور مستحبات کو شریعت کی جانب سے طے شدہ مرتبہ اور رتبے سے ہٹایا جائے تو وہ مکروہات کا روپ دھار لیتے ہیں۔ دیکھیں عبادت میں ہر چیز کا آغاز دائیں جانب سے کرنا مستحسن اور پسندیدہ ہے لیکن جب حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو یہ اندیشہ ہوا کہ لوگ اس کو واجب نہ سمجھ لیں تو آپ نے کراہت کی طرف اشارہ فرمایا۔

اسی طرح ملا علی قاری رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں:

قال الطيبي وفيه ان من اصر على امر مندوب وجعله عزماً ولم يعمل بالرخصة فقد اصاب منه الشيطان من الاضلال فكيف من اصر على بدعة اومنكر وجاء في حديث ابن مسعود رضي الله عنه ان الله عزوجل يحب ان تؤتى رخصه كما يحب ان تؤتى عزائمه۔

(مرقاۃ المفاتیح، ۲/۳۵۳۵۲/۲)

ترجمہ: علامہ طیبی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ اس میں اس طرف اشارہ ہے کہ جو شخص کسی امر مستحب اور عمل مندوب پر ایسا التزام اور اصرار کرے کہ اس کو عزیمت بنائے اور رخصت پر عمل پیرا ہونے کا قائل ہی نہ ہو تو یقیناً شیطان اس کو گمراہ کرنے میں کامیاب ہوگیا ہے جب ایک مستحب عمل پر مذکورہ طرز سے التزام شیطانی مشن کی تکمیل ہے تو ایک ناجائز اور امر بدعت پر التزام اور اصرار کے وبال کا خود فیصلہ کیجئے۔ حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ تعالیٰ عنہ فرماتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ اس بات کو پسند کرتے ہیں کہ ان کی رخصتوں پر عمل کیا جائے جس طرح کہ عزیمتوں پر عمل کرنا اس کو پسند ہے۔

اللہ تعالیٰ سے دعا ہے کہ ہمیں اپنے حبیب صلی اللہ علیہ وسلم کے وسیلے سے اچھی سمجھ، سنت سے حقیقی محبت اور بدعت سے حقیقی نفرت عطاء فرمائے۔ آمین

(۱۹۱) نماز تراویح کے دوران الصلوٰة بر محمد کا نعرہ لگانا

سؤال

کیا فرماتے ہیں علماء کرام ومفتیان عظام اس مسئلہ کے بارے میں کہ ہمارے علاقے میں نماز تراویح کے دوران ہر چار رکعات کے بعد زور سے الصلاة بر محمد کا نعرہ لگایا جاتا ہے اور اکثر نمازی انتہائی بلند آواز سے یہ نعرہ لگاتے ہیں۔ تو اب دریافت طلب امر یہ ہے کہ اس قسم کے کلمات کا نماز تراویح کے درمیان کہنا کیسا ہے؟ کیا یہ کہیں سے ثابت ہے؟

الجواب بعون الملک الوھاب

صورت مسئولہ میں نماز تراویح میں چار رکعات کے بعد الصلاة بر محمد کا نعرہ لگانا کہیں سے ثابت نہیں ہے البتہ چار رکعات کے بعد تسبیح وتہلیل اور دعا ثابت ہے لہٰذا اس بدعت سے اجتناب ضروری ہے۔ نیز زور سے نعرہ لگانے میں مسجد کی بھی بے ادبی ہے۔

لمافی المشکوة (ص۲۷): عَنْ عَائِشَةَ رَضِيَ اللّٰهُ عَنْهَا قَالَتْ قَالَ رَسُولُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ: مَنْ أَحْدَثَ فِي أَمْرِنَا هٰذَا مَا لَيْسَ مِنْهُ فَهُوَ رَدٌّ۔

وفی المرقاة (۱/۲۱۵): وفی روایة لمسلم من عمل عملا ای من اتی بشیٔ من الطاعات او بشیٔ من الاعمال الدنیویة والاخرویة سواء کان محدثا اوسابقا علی الامر لیس علیه امرنا ای وکان من صفته انه لیس علیه اذننا بل اتی به علی حسب هواه فهو رد ای مردود غیر مقبول فهذه الروایة اعم۔

وفی الدرالمختار مع ردالمحتار (۲/۴۶): یجلس بین کل اربعة بقدرها وکذا الخامسة والوتر ویخیرون بین تسبیح وقرأة وسکوت۔

وفی الشامیة: (بین تسبیح) قال القهستانی فیقال ثلث مرات ''سبحان ذی الملك والملکوت۔

(۱۹۲) بزرگی کا معیار اور کافر کی تعظیم

سؤال

کیا فرماتے ہیں علماء کرام ومفتیان عظام اس مسئلہ کے بارے میں کہ کیا کوئی شخص نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے طریقہ زندگی پر زندگی نہ گزار کر بزرگی کے مرتبہ کو پہنچ سکتا ہے یا نہیں؟ اور ایسے شخص کو بزرگ کہنا چاہیے یا نہیں؟

۲۔عام طور پر مشہور ہے کہ کافر کی تعظیم بھی کفر ہے۔اب سوال یہ ہے کہ آج کل ہمارے حکمران غیر مسلم ممالک کے دورے پر جاتے ہیں یا کافر ممالک کے غیر مسلم حکمران ہمارے یہاں آتے ہیں تو مسلمان حکمران ان غیر مسلموں کا استقبال وتعظیم کرتے ہیں۔آیا یہ فعل کفر شمار ہوگا یا نہیں؟ وضاحت فرمائیں۔

الجواب بعون الملک الوھاب

نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی حیات مبارکہ بزرگی کا معیار ہے کہ جو شخص جس قدر آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے طریقے پر عمل پیرا ہوگا وہ اسی قدر بڑے پائے کا بزرگ ہے۔اب کوئی شخص آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے طریقے کو چھوڑ کر کیسے بزرگ ہوسکتا ہے۔ایسا شخص جھوٹا اور دھوکے باز تو ہوسکتا ہے، بزرگ نہیں ہوسکتا۔لہٰذا ایسے شخص کو بزرگ کہنا بھی صحیح نہیں ہے۔

۲۔اگر کوئی مسلمان کفار کی اپنے افعال یا اقوال سے تعظیم کرے تو اگر یہ تعظیم ان کے کفر کی بناء پر ہو تو یہ مسلمان دائرہ اسلام سے خارج ہوجائے گا لیکن اگر یہ تعظیم کفر کی بناء پر نہ ہو بلکہ کسی اور وجہ سے ہو تو اس سے کافر تو نہیں ہوگا البتہ اس قدر تعظیم سے بھی احتراز کرنا چاہیئے کیونکہ کافر کی تعظیم فی الجملۃ کفر کی تائید ہے۔

لمافی شرح العقائد (ص۲۲۳): ولن یکون ولیا الا وان یکون محقا فی دیانتہ ودیانتہ الاقرار بالقلب واللسان برسالۃ رسولہ مع الطاعۃ لہ فی اوامرہ ونواھیہ حتی لو ادعیٰ ھذا الولی الاستقلال بنفسہ وعدم المتابعۃ لم یکن ولیا۔

وفیہ ایضاً (ص۲۲۳): ولایصل العبد مادام عاقلا بالغا الی حیث یسقط عنہ الامر والنھی لعموم الخطابات الواردۃ فی التکالیف واجماع المجتہدین علی ذلک۔

وفی التاتارخانیۃ (۵۲۲/۵): واتفق مشائخنا ان من رأی امر الکفار حسنا فھو کافر۔

وفی الدرالمختار (۴۱۳/۶): ولوسلم علی الذمی تبجیلا یکفر لان تبجیل الکافر کفر۔

وفی الشامیۃ تحتہ: (قولہ تبجیلا) قال فی المنح قید بہ لانہ لولم یکن کذلک بل کان لغرض من الاغراض فلابأس بہ ولا کفر۔

(۱۹۳) شب جمعہ کے اجتماع میں جانے کی شرعی حیثیت

سؤال

کیا فرماتے ہیں علماء کرام ومفتیان عظام اس مسئلہ کے بارے میں کہ ہر جمعرات کو شب جمعہ کے لئے تبلیغی مرکز جانا اور اجتماع کرنا جائز ہے یا نہیں اور اس کی کوئی نظیر موجود ہے یا نہیں؟

الجواب بعون الملك الوهاب

وعظ ونصیحت کے لئے کسی دن کو مقرر کرلینا درست ہے اور یہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم اور دوسرے اکابرین صحابہ رضوان اللہ علیہم اجمعین سے ثابت ہے لہٰذا اس میں کوئی حرج نہیں۔

لما فی الصحیح للبخاری (۱/۲۰): عن ابی سعید الخدری رضی اللہ عنہ قال قالت النساء للنبی ﷺ غلبنا علینا الرجال فاجعل لنا یوما عن نفسك فوعدهن یوما لقیهن فیه فوعظهن وامرهن۔

وفیه ایضا (۱/۱۶): حدثنا عثمان بن ابی شیبة عن ابی وائل قال کان عبدالله یذکر الناس فی کل خمیس فقال له رجل یااباعبدالرحمن لوددت انك ذکرتنا کل یوم قال اما انه لم یمنعنی من ذلك انی اکره ان املکم۔

وفی فیض الباری (۱/۱۷۰): ان مثل هذه التعینات لاتعد بدعة والبدعة عندی مالاتکون مستندة الی الشرع وتکون متلبسة بالدین۔

(۱۹۴) رمضان کی ستائیسویں شب کے التزامات

سؤال

کیا فرماتے ہیں علماء کرام ومفتیان عظام اس مسئلہ کے بارے میں کہ کیا شب قدر رمضان کی ستائیسویں رات کو ہے؟ اگر اس کا جواب نفی میں ہو جیسا کہ میں نے اکثر سنا ہے تو اس میں جو اتنا زیادہ انتظام واہتمام کیا جاتا ہے اس کی کیا حیثیت ہے؟ نیز اس رات قبرستان جانا کیسا ہے؟ احادیث کی روشنی میں جواب عنایت فرمائیں۔

الجواب بعون الملك الوهاب

شب قدر کے بارے اختلاف ہے کہ یہ کون سی رات ہے، اکثر حضرات کا رجحان اس طرف ہے کہ رمضان کی آخری طاق راتوں میں ہے البتہ یہ اختلاف پھر بھی باقی ہے کہ کون سی رات ہے، اللہ تعالی نے اس فضیلت والی رات کو مخفی رکھا ہے، اس میں اللہ تعالی کی حکمتیں ہیں جنہیں وہ خود ہی بہتر جانتے ہیں، ہر چیز کا معلوم ہونا ہمارے لئے ضروری نہیں ہمارا کام صرف تعمیل ارشاد خداوندی ہے نہ کہ احکام کی علتوں کا معلوم کرنا، لہٰذا یہ دعوی کرنا کہ فلاں شب شب قدر ہے بہت مشکل ہے، کیونکہ اول اس کے بارے میں معلوم نہیں، چنانچہ خود حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کی روایت بخاری شریف (۱/۲۷۰) میں موجود ہے:

"ان رسول الله ﷺ قال تحروا اللیلة القدر فی الوتر من العشر الاواخر من رمضان"

یعنی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ شب قدر کو رمضان کے اخیر عشرہ کی طاق راتوں میں تلاش کرو دوم قرائن وعلامات سے

معلوم ہو بھی جائے کہ اس رمضان میں فلاں رات تھی تو آئندہ سال اسی رات میں دوبارہ شب قدر کا ہونا کوئی یقینی نہیں ہے بلکہ کسی دوسری رات میں بھی ہوسکتی ہے چنانچہ یہی وجہ ہے کہ ہمارے امام ابوحنیفہ رحمۃ اللہ علیہ کا مسلک یہ تھا کہ اس کا رمضان میں ہونا بھی کوئی ضروری نہیں ہے بلکہ یہ سال بھر کی راتوں میں گھومتی رہتی ہے لہٰذا رمضان کے علاوہ میں بھی ہوسکتی ہے۔ جب یہ بات معلوم ہوگئی تو یہ خود بخود واضح ہوگیا کہ ستائیسویں شب یقینی طور پر شب قدر نہیں ہوسکتی۔ اگرچہ بعض آثار سے ستائیسویں شب کا شب قدر ہونا معلوم ہوتا ہے، لیکن اس پر کلی اعتماد نہیں ہوسکتا کیونکہ اولاً فقہاء ہم سے زیادہ ان آثار سے واقف تھے وہ ضرور صراحت کرتے کہ شب قدر ستائیسویں شب میں ہے حالانکہ ایسا نہیں ہے جیسا کہ ابھی معلوم ہوا۔ ثانیاً جس طرح ستائیسویں شب کے بارے میں روایات ہیں اسی طرح دوسری راتوں کے بارے میں بھی روایات موجود ہیں۔ ثالثاً ان حضرات کا بیان ان کی اپنی حیات سے متعلق تھا کہ ان کی حیات میں یہ شب کس رات میں تھی۔ حاصل بحث یہ ہے کہ اس رات کو ہی شب قدر کہنا صحیح نہیں ہے بلکہ دوسری رات بھی شب قدر ہوسکتی ہے۔

البتہ ہمارے ہاں کچھ حضرات ایسے ہیں کہ انہیں چہل پہل، کھانے اور پینے سے خاصی رغبت ہے اگرچہ یہ فی نفسہ مرغوب چیزیں ہیں اس میں کوئی قباحت نہیں بشرطیکہ اپنی حدود میں رہیں، کوئی چیز اپنی ذات کے اعتبار سے کتنی ہی اچھی کیوں نہ ہو لیکن جب اپنی حدود سے آگے بڑھ جاتی ہے تو اس میں فساد پیدا ہوجاتا ہے، چنانچہ یہی معاملہ یہاں پر بھی ہوا کہ یہ حضرات اس شوق میں یہ بھول گئے کہ دین کے معاملات میں ہر وہ عمل قابل اتباع اور قابل ستائش ہے، جو آقا صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی حیات مبارکہ میں موجود ہو اگر عبادت سے متعلق کوئی چیز ایسی ہو کہ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی حیات مبارکہ میں وہ خاص وقت آنے کے باوجود، اور ایک بار نہیں بار بار آنے کے باوجود اگر اس پر ویسا عمل نہیں کیا گیا، جیسا کہ آج کل ہو رہا ہے تو یہ کام کے صحیح نہ ہونے کی علامت کیلئے کافی ہے اس کیلئے مزید کسی دلیل کی ضرورت نہیں اس لئے کہ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے زیادہ اس دین سے محبت کرنے والا کون ہوسکتا ہے جب آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے اپنی حیات مبارکہ میں وہ کام نہیں کروایا تو اس کے علاوہ کیا کہا جاسکتا ہے کہ اس کا حکم ہی نہ تھا اس کے بعد صحابہ رضوان اللہ علیہم اجمعین سے زیادہ سچا عاشق کوئی نہیں ہوسکتا اگر کسی کام کو وہ بھی نہیں کر رہے تو اس کا مطلب یہ ہے کہ یہ کام مشروع نہیں ہے۔ اب ایک نظر ان کاموں کا جائزہ لیتے ہیں جو ہمارے ہاں رائج ہیں

ختم قرآن: بعض فقہاء نے آثار کی وجہ سے اس رات میں ختم قرآن کو مستحب قرار دیا ہے لہٰذا اس میں کوئی حرج نہیں، چنانچہ علامہ عالم بن علاء انصاری اندلسی اپنے فتاویٰ ''تاتارخانیۃ'' (۱/۶٦٠) میں اس کی صراحت فرماتے ہیں......

وینبغی للامام اذا اراد الختم ان یختم فی اللیلة السابعة والعشرین لکثرة ماجاء من الاخبار انها لیلة القدر۔

لیکن اس کا اس طور پر اہتمام کرنا کہ گویا اس رات کے علاوہ میں ختم قرآن ہو نہیں سکتا یہ صحیح نہیں ہے۔

شبینہ: اسی طرح اس رات میں شبینہ کا اہتمام کیا جاتا ہے جس میں درج ذیل مفاسد ہیں۔

۱۔ شبینہ کی نماز نوافل میں سے شمار ہوتی ہے، جبکہ احناف کے ہاں راجح مذہب کے اعتبار سے نوافل کی جماعت مکروہ ہے، حالانکہ یہاں جماعت کا اہتمام کیا جاتا ہے۔

۲۔ کلام مقدس کو جلدی جلدی پڑھ کر ختم کرنے کی کوشش کی جاتی ہے جس میں بعض اوقات انتہائی فحش غلطیاں ہوجاتی ہیں۔

۳۔ سننے اور سنانے والے قرآن پاک کو اس کی عظمت کا خیال کر کے نہیں سنتے یا سناتے کیونکہ ہر ایک کے دل میں یہی خیال ہوتا ہے کہ اتنا زیادہ کون سنے گا لہذا جنہوں نے بعد میں سنانا ہے وہ بڑے مزے سے پیچھے بیٹھ کر گپ شپ لگاتے ہیں تاکہ تھوڑا آرام ہوجائے اور سننے والے بھی انتظار کرتے ہیں کہ جب رکوع کے قریب پہنچ جائیں تو نماز میں شامل ہوں گے۔ یہ مالک الملک کی عبادت کی عظمت کے خلاف ہے۔

۴۔ عام طور پر اس موقع پر لاؤڈ اسپیکر کا اہتمام کیا جاتا ہے، اس مسجد کے قریب میں کوئی مریض ہو یا کوئی آرام کرنا چاہتا ہو تو اسے سخت تکلیف ہوتی ہے، حالانکہ اپنی عبادت کیلئے دوسروں کو تکلیف میں مبتلا کرنا کونسی عبادت ہے، خاص طور پر اس وقت جب کہ مسجد میں موجود اشخاص تو رکوع کے انتظار میں بیٹھے ہوئے ہوں اور لوگوں کو پریشان کر کے اسے ثواب سمجھا جارہا ہو اس سے بڑی حماقت اور کیا ہوگی۔

۵۔ عام طور پر تلاوت کے بعد تلاوت کرنے والوں کو کچھ دینے کا رواج بھی ہے، حالانکہ تلاوت قرآن پر اجرت وغیرہ جائز نہیں، چاہے پہلے طے کر کے ہو یا معروف ہو، اور آپ اسے ہدیہ کا نام دیں یا کچھ اور، کیونکہ اگر یہ ہدیہ ہوتا تو کتنے حفاظ ان کے علاوہ بھی ہیں کیا آپ انہیں بھی ایسے ہی ہدایا دیتے ہیں حالانکہ ایسا نہیں ہوتا اور اگر بالفرض مان بھی لیں کہ آپ سب کو دیتے ہیں تو اس خاص موقع پر دینا کیا ضروری ہے، جبکہ اس سے شریعت کے خلاف ہونے کا کم سے کم شبہ ضرور موجود ہے۔

۶۔ لاؤڈ اسپیکر کا استعمال، کھانے پینے کی اشیاء کی فروانی، تلاوت کے بعد قیمتی تحائف یہ سب ریاکاری پر دلالت کرتے ہیں جس کا کوئی فائدہ پہنچنا تو درکنار الٹا اللہ تعالی کی ناراضگی کا سبب ہے۔

۷۔ شبینہ کے بعد حفاظ کے درمیان موازنہ جو بعض اوقات دوسروں کی غیبت تک لے جاتا ہے، ورنہ کم سے کم ہتک عزت تو ہے ہی۔

۸۔ شبینہ میں جاگنے والوں میں سے بعض سے صبح کی نماز کا قضاء ہوجانا حالانکہ رات بھر کی نوافل سے صبح کی باجماعت نماز زیادہ ضروری ہے۔

۹۔ عام طور پر اس میں مسجد کی کمیٹی رقم خرچ کرتی ہے اور ان کے پاس مسجد کے چندے کی رقم ہوتی ہے، اسی میں سے اس موقع پر خرچ کردی جاتی ہے، حالانکہ وہ چندہ شبینے کے لیے جمع نہیں کیا گیا ہوتا اس میں وہ افراد جو مسجد کی کمیٹی میں شامل ہیں اللہ کے ہاں مجرم ہیں جنہوں نے مسجد کی رقم دوسرے کام میں لگادی۔

۱۰۔ اور اگر اس کے لئے علیحدہ سے چندہ کیا بھی جائے تو اس کا طریقہ یہ ہوتا ہے، تمام افراد کے لئے ایک متعینہ رقم خاص کردی جاتی ہے کہ ہر شخص اتنی رقم ضرور ادا کرے گا اس سے زیادہ چاہے تو ادا کرسکتا ہے، اب اس میں بعض افراد نہیں دینا چاہتے لیکن اپنی عزت بچانے کیلئے مجبورا دینا پڑتی ہے اور اگر یہ طریقہ نہ اختیار کیا جائے تو دوسری صورت یہ ہوتی ہے کہ سب کے سامنے اعلان کردیا جاتا ہے اس

میں بعض افراد باتوں کا نشانہ بننے سے بچنے کیلئے دیتے ہیں حالانکہ نبی کریم ﷺ کی حدیث مبارکہ ہے "لا یحل مال امرئ الابطیب نفس" (مشکوٰۃ المصابیح، صفحہ ۲۵۵)

یعنی آپ کیلئے کسی دوسرے مسلمان بھائی کا مال اس وقت تک حلال نہیں جب تک وہ اپنی دلی چاہت سے نہ دے۔

الحاصل ان تمام مفاسد کی وجہ سے شبینہ کا اہتمام صحیح نہیں ہے۔

چراغاں کرنا: اس رات کیلئے مساجد میں چراغاں کیا جاتا ہے اور یہ سارا خرچ مسجد کا شمار ہوتا ہے، حالانکہ فقہاء اس سے منع فرماتے ہوئے لکھتے ہیں کہ یہ مسجد کا خرچ نہیں لہذا اگر کمیٹی کے صدر نے ایسا کیا تو یہ خرچ اپنی جیب سے بھرے گا۔ چنانچہ علامہ ابن نجیم حنفی (۹۷۰ھ) اپنی کتاب البحر الرائق میں فرماتے ہیں

"ولا یجوز ان یزاد علی سراج المسجد لان ذلك اسراف سواء کان فی رمضان او غیرہ ولا یزین المسجد بهذه الوصية ...ویضمن القیم و کذا یضمن اذا اسرف فی السرج فی رمضان او فی لیلة القدر" (۲۱۵/۵)

یعنی مسجد کی عام معمول سے زیادہ روشنی کا انتظام کرنا جائز نہیں ہے بلکہ یہ اسراف ہے، اگر مسجد کے متولی (کمیٹی کے صدر) نے ایسا کیا تو یہ خرچ اس کی جیب سے وصول کیا جائے گا۔

قبرستان جانا: جب عرب کے لوگ نئے نئے مسلمان ہوئے تو آپ ﷺ کو خطرہ تھا کہ کہیں ایسا نہ ہو کہ قبرستان جاتے وقت انہیں شیطان دوبارہ پھسلا دے اور یہ دوبارہ جاہلیت والے کاموں میں لگ جائیں لہذا آپ نے انہیں قبرستان جانے سے منع کر دیا جب وہ اس معاملے میں راسخ ہو گئے تو آپ نے انہیں اجازت مرحمت فرما دی اور یوں فرمایا:

" کنت نهيتكم عن زيارة القبور الافزوروها فانها تزهد فی الدنیا وتذکر الآخرة"

(کنز العمال، ۱۵/۶۴۶)

ترجمہ: میں تم کو زیارت قبور اور قبرستان جانے سے منع کرتا رہا ہاں اب تم قبرستان جایا کرو کیونکہ اس سے دنیا کی بے رغبتی اور آخرت کی یاد میں مدد ملتی ہے۔

اب شریعت مطہرہ نے زیارت قبور کیلئے کسی وقت کو خاص نہیں کیا بلکہ جس وقت جانا چاہیں اسی وقت جا سکتے ہیں البتہ شریعت کے غیر متعین امر کی اپنی طرف سے تعیین صحیح نہیں بلکہ شریعت کی رخصت کو تنگی میں تبدیل کرنا ہے اور اگر ایسا نہ بھی ہو تو بھی آج کل جانا صحیح نہیں کیونکہ مردوزن کا اختلاط، قوالی اور دوسرے مفاسد ثواب سے زیادہ گناہ کا موجب بنتے ہیں اور خاص طور پر عورتوں کو تو عام حالات میں قبرستان جانے کی اجازت نہیں خاص اس موقع پر جب مردوں کا ہجوم ہوتا ہے بے پردگی کا صرف وہم نہیں بلکہ یقین ہوتا ہے ایسی صورت میں عورتوں کیلئے جانا کیسے جائز ہوگا۔

لما فی تفسیر روح المعانی (۲۴۴/۱۰): واخرج احمد والبخاری ومسلم والترمذی عن عائشة قالت

قال رسول اللهﷺ تحروا ليلة القدر فى الوتر من العشر الاواخر من شهر رمضان وفى حديث اخرجه احمد وجماعة عن عبادة بن صامت مرفوعا وحديثين اخرجهما ابن جرير وغيره عن جابر بن سمرة وعن عبدالله بن جابر كذلك مايدل على ماذكر ايضا بل الاخبار الصحيحة الدالة عليه كثيرة وبالجملة الاقوال فيها مختلفة جدا الا ان الاكثرين على انها فى العشر الاواخر لكثرة الاحاديث الصحيحة فى ذلك واكثرهم على انها فى اوتارها لذلك ايضا وكثير منهم ذهب الى انها الليلة السابعة من تلك الاوتار وصح من رواية الامام احمد ومسلم وابي داؤد والترمذى والنسائى وابن حبان وغيرهم ان ذر بن حبيش سأل ابي كعب عنها فخلق لا يستثنى انها ليلة سبع وعشرين فقال له بم تقول ذلك ياابالمنذر فقال بالآية والعلامة التى قال رسول اللهﷺ انها تصبح من ذلك اليوم تطلع الشمس ليس لها شعاع وبعض الاخبار عن ابن عباس ظاهرة فى ذلك...

وفى المشكوة (صـ۲۷): عن عائشة رضى الله عنها قالت : قال رسول الله صلى الله عليه وسلم : " من أحدث في أمرنا هذا ما ليس منه فهو رد "۔

وفى الصحيح لمسلم (۲۵۹/۱): ان عبدالله بن مسعود يقول من قام السنة اصاب ليلة القدر فقال ابي والله الذى لا اله الا هو انها لفى رمضان يحلف ما يستثنى ووالله انى لاعلم اى ليلة هى هى الليلة التى امرنا بها رسول اللهﷺ بقيامها هى ليلة صبيحة سبع وعشرين وامارتها ان تطلع الشمس فى صبيحة يومها بيضاء لا شعاع لها۔

وفى شرح مسلم للنووى رحمه الله تحت هذا :وهذا احد المذاهب فيها واكثر العلماء على انها ليلة مبهمة من العشر الاواخر من رمضان وارجاها اوتارها وارجاها ليلة سبع وعشرين وثلاث وعشرين واحدى وعشرين...

وفى الهندية (۸۳/۱): التطوع بالجماعة اذاكان على سبيل التداعى يكره۔

وفى الدرالمختار (۴۸/۲): (التطوع بجماعة خارج رمضان) اى يكره ذلك على سبيل التداعى بان يقتدى اربعة بواحد كما فى الدرر...وفى الاشباه عن البزازية :يكره الاقتداء فى صلاة رغائب وبراءة وقدر...

وفى الشامية (على سبيل التداعى)هو ان يدعوا بعضهم بعضا كما فى المغرب وفسره الوانى بالكثرة وهو لازم معناه...(وقدر)الظاهران المرادبهاليلةالسابع والعشرين من

رمضان۔

وفی ردالمحتار (۲/۲۴۲):(بزیارۃ القبور)ای لابأس بھا بل تندب کما فی البحر عن المجتبی فکان ینبغی التصریح بہ للامر بھا فی الحدیث المذکور کما فی الامداد وتزار فی کل أسبوع کما فی مختارات النوازل، قال فی شرح لباب المناسک الا ان الافضل یوم الجمعة والسبت والاثنین والخمیس فقد قال محمد بن واسع الموتی یعلمون بزوارھم یوم الجمعة ویوما قبلہ ویوما بعدہ، فتحصل ان یوم الجمعة افضل۔

(۱۹۵) ۲۷ رجب میں عبادت کا اہتمام اور مساجد کا چراغاں کرنا

سؤال

کیا فرماتے ہیں علماء کرام ومفتیان عظام اس مسئلہ کے بارے میں کہ آج کل ۲۷ رجب کو شب معراج بڑے دھوم دھام سے منائی جاتی ہے، کیا ۲۷ رجب کو جاگنا، اس رات میں عبادت کرنا، مساجد کا چراغاں کرنا ان تمام چیزوں کا ثبوت قرآن وسنت سے ہے یا نہیں؟ نیز میں نے سنا ہے کہ شب معراج کا ثبوت ۲۷ رجب میں نہیں کیا یہ بات صحیح ہے؟

الجواب بعون الملک الوھاب

صورت مسئولہ میں قرآن وسنت سے شب معراج ثابت تو ہے اور اس پر بھی اتفاق ہے کہ معراج کا واقعہ ہجرت سے ایک یا ڈیڑھ سال پہلے ہوا لیکن یہ معراج کون سے مہینے اور تاریخ کو ہوئی اس میں مختلف اقوال ہیں، مثلاً سترہ ربیع الاول، ربیع الثانی، ستائیس رجب، رمضان اور شوال وغیرہ۔ بعض حضرات نے سترہ ربیع الاول اور بعض نے ستائیس رجب کو ترجیح دی ہے۔ حاصل یہ کہ ان اختلافات کے ہوتے ہوئے کسی ایک شب کو تعیین کے ساتھ شب معراج کہنا مشکل ہے۔

فضیلت کے اعتبار سے یہ شب قدر سے کم نہیں ہے لیکن دونوں میں فرق یہ ہے کہ شب قدر میں عبادت وریاضت کا ثبوت ملتا ہے جبکہ اس رات میں عبادت کا ثبوت نہیں ملتا، ویسے تو ہر رات کو عبادت کرنا اللہ کے ہاں قربت کا ذریعہ ہے لیکن خاص اہتمام سے لوگوں کو جمع کرنا اور مساجد میں جمع ہو کر عبادت کرنا بغیر ثبوت کے مشکل ہے، اسی طرح چراغاں کرنا چند وجوہ سے صحیح نہیں۔

۱۔ ضرورت سے زائد روشنی اسراف ہے جو جائز نہیں، اللہ تعالی فرماتے ہیں ''ان اللّٰہ لا یحب المسرفین'' یعنی اللہ تعالی اسراف کرنے والوں کو پسند نہیں فرماتے، اب یہ کام عبادت کے موقع پر ہو رہا ہے اور کام ایسا ہے جو اللہ کے ہاں ناپسند ہے تو بجائے فائدے کے نقصان کا کام ہوا۔

۲۔ روشنی کا یہ انتظام یا تو مسجد کے چندے سے ہوگا یا لوگوں سے چندہ کر کے، اگر مسجد کے چندے سے ہو تو جائز نہیں، کیونکہ یہ

مسجد کی ضروریات سے زائد ہے چنانچہ یہی وجہ ہے کہ فقہ حنفی کے مشہور فقیہ علامہ ابن نجیم اپنی کتاب البحر الرائق میں فرماتے ہیں:

"ولا یجوز ان یزاد علی سراج المسجد لان ذلك اسراف سواء کان فی رمضان او غیرہ ولا یزین المسجد بهذه الوصية ...ویضمن القیم و کذا یضمن اذا اسرف فی السرج فی رمضان او فی لیلة القدر" (۲۱۵/۵)

یعنی مسجد کی عام معمول سے زیادہ روشنی کا انتظام کرنا جائز نہیں ہے بلکہ یہ اسراف ہے، اگر مسجد کے متولی (کمیٹی کے صدر) نے ایسا کیا تو یہ خرچ اس کی جیب سے وصول کیا جائے گا اور اگر یہ خرچ چندے سے کیا جائے تو سارے خرچ کے اعتبار سے عام افراد سے متعین کر کے وصول کیا جاتا ہے، جس میں بعض افراد مجبوراً دیتے ہیں اور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم فرماتے ہیں کہ:

"لا یحل مال امرئ الا بطیب نفس" (کسی کا مال اس کی دلی چاہت کے بغیر کھانا، استعمال کرنا جائز اور حلال نہیں ہے)۔

لہٰذا یہ بھی ناجائز ہوا۔ حاصل یہ کہ یہ سارے کام ثابت نہیں پھر ان کا التزام واہتمام بدعت تک پہنچا دیتا ہے۔ اسی طرح عدم ثبوت کے علاوہ بھی اس میں دوسرے مفاسد ہیں لہٰذا اس سے احتراز کرنا چاہیئے۔

لمافی القرآن الکریم: سُبْحٰنَ الَّذِیْ أَسْرٰی بِعَبْدِه لَیْلاً مِّنَ الْمَسْجِدِ الْحَرَامِ إِلَی الْمَسْجِدِ الْأَقْصَی الَّذِیْ بٰرَکْنَا حَوْلَه لِنُرِیَه مِنْ اٰیَاتِنَا إِنَّه هُوَالسَّمِیْعُ الْبَصِیْرُ٥ (الاسراء:۱)

وفی روح المعانی (۵/ص۶): وکذا اختلف فی شهره ولیلته فقال النووی فی الفتاوی: کان فی شهر ربیع الاول وقال فی شرح مسلم تبعا للقاضی عیاض انه فی شهر ربیع الاخر وجزم فی الروضة بانه فی رجب وقیل فی شهر رمضان وقیل فی شوال وکان علی ماقیل اللیلة السابعة والعشرین من الشهر۔ وهی علی مانقله السفیری افضل اللیالی حتی لیلة القدر مطلقا وقیل هی افضل بالنسبة الی النبی صلی اللہ علیہ وسلم ولیلة القدر افضل بالنسبة الی امته صلی اللہ علیہ وسلم وزد بان ماکان افضل بالنسبة الیه افضل بالنسبة الی امته صلی اللہ علیہ وسلم مطلقا نعم لم یشرع التعبد فیها والتعبد فی لیلة القدر مشروع الی یوم القیمة۔

وفی الصحیح للبخاری (۶۸۴/۲): عن جابر بن عبدالله قال سمعت النبی صلی اللہ علیہ وسلم یقول لما کذبنی قریش قمت فی الحجر فجلی الله لی بیت المقدس فطفقت أخبرهم عن اياته وانا انظر اليه۔

وفی الصحیح لمسلم (۷۷/۲): عن عائشة رضی الله عنها قالت قال رسول الله صلی اللہ علیہ وسلم من احدث فی امرنا هذا مالیس منه فهو رد۔

وفیه ایضاً (۷۶/۱): ... سمعت رسول الله صلی اللہ علیہ وسلم یقول ان الله کره لکم ثلاثا قیل وقال واضاعة المال وکثرة السؤال۔

وفی طبقات ابن سعد (۱/۱۴۵): اسری برسول اللہﷺ لیلة سبع عشرة من شهر ربیع الاول۔

وفی السیرة النبویة لابن کثیر (۲/۹۳): اسری برسول اللہﷺ قبل خروجه الی المدینة بسنة ... ان الاسراء کان لیلة السابع والعشرین من رجب۔

وفی سیر اعلام النبلاء (۱/۱۶۴): اسری برسول اللہﷺ الی بیت المقدس قبل الهجرة بسنة۔

وفی مختصر سیرة الرسول (ص۱۹۶): کان الاسراء قبل الهجرة بسنة... وقال ابن عبدالبر وغیره کان بین الاسراء والهجرة سنة وشهران ... وذکر النووی فی فتاواه انه کان فی ثالث عشر ربیع الاخر وقال فی شرح مسلم فی ربیع الاول وقیل کان لیلة السابع والعشرین من رجب واختاره الحافظ عبدالغنی بن سرور المقدسی۔

وعلی هامش اللجنة الدائمة (۳/۶۵): وهذه اللیلة التی حصل فیها الاسراء والمعراج لم یأت فی الاحادیث الصحیحة تعیینها وکل ماورد فی تعیینها فهو غیر ثابت عن النبیﷺ عند اهل العلم بالحدیث ... ولوثبت تعیینها لم یجز للمسلمین ان یخصوها بشئ من العبادات فلم یجز لهم ان یحتفلوا بها ولوکان الاحتفال بها امراً مشروعا لبینه الرسولﷺ للامة اما بالقول او الفعل... ولنقله الصحابة الینا ... فعلم ان الاحتفال بهاوتعظیمها لیسا من الاسلام فی شئ۔

(۱۹۶) ماہِ صفر میں چھولے بانٹنا

سؤال

کیافرماتے ہیں علماء کرام ومفتیان عظام اس مسئلہ کے بارے میں کہ بعض لوگ صفرالمظفر میں چھولے بانٹتے ہیں آیااس کی کوئی شرعی حیثیت ہے یانہیں؟ کیااس کی کوئی فضیلت وارد ہوئی ہے؟

الجواب بعون الملک الوهاب

ماہِ صفر میں چھولے بانٹنے کی کوئی فضیلت واردنہیں ہوئی اور نہ ہی یہ طریقہ صحابہ رضوان اللہ علیہم اجمعین وتابعین اورسلف صالحین رحمہ اللہ علیہم سے ثابت ہے۔اس لئے اس کاالتزام بدعت ہے لہٰذا چھولے بانٹنے اوراس کولے کرکھانے سے پرہیز کرنا چاہیئے۔

لمافی المشکوة (ص۲۷): عن عائشة رضی الله عنها قالت : قال رسول الله صلی الله علیه وسلم : " من أحدث في أمرنا هذا ما لیس منه فهو رد "۔

وفی المرقاة (۱/۲۱۵): وفی روایة لمسلم من عمل عملا ای من ای بشئ من الطاعات او بشئ من

الاعمال الدنیویة والاخرویة سواء کان محدثا اوسابقا علی الامر لیس علیه امرنا ای وکان من صفته انه لیس علیه اذننا بل اتی به علی حسب هواه فهو ردای مردود غیر مقبول۔

(۱۹۷) محرم میں بنائی جانے والی حلیم کا حکم

سؤال

ماشاء اللہ میرا تعلق اہل السنّت والجماعت سے ہے اور میرا مسئلہ محرم میں بنائی جانے والی حلیم سے متعلق ہے۔

۱)۔محرم میں جو حلیم بنائی جاتی ہے اگر امام حسین یا کسی بھی غیر اللہ کے نام پر بنائی جائے تو کیا اس کا کھانا ویسے ہی حرام ہے جیسے غیر اللہ کے نام پر ذبح شدہ جانور کو کھانا حرام ہے یا اس میں کچھ تخفیف ہے۔

۲)۔اگر حلیم اللہ کے نام پر بنائی جائے اور سنّی بنائیں تو کیا اس کا کھانا حلال ہے یا تشبہ بالروافض کی وجہ سے حرام ہے؟ تفصیلاً بتائیں کہ یہ حلیم حرام ہے یا مکروہ ہے یا حلال ہے؟ یا اس کا کیا حکم ہے نیز ۱۲/ ربیع الاول اور رجب میں تقسیم ہونے والی چیزیں ان کا کھانا کیسا ہے؟

۳)۔تیسری بات ہمیں یہ ضرور بتائیں کہ اگر ہمارے گھر حلیم یا محرم کا شربت وغیرہ آئے تو اسے لیں یا نہیں ہمارے دوستوں کی اس بارے میں تین رائے ہیں۔(۱) لے لیا جائے اور ضائع کر دیا جائے۔(۲) نہ لیا جائے دروازے سے واپس کر دیا جائے۔(۳) لے لیا جائے اور گھر کے اندر کھا بھی لیا جائے کیونکہ یہ حلال ہے۔آپ ہمیں بتائیں کس کی بات صحیح ہے کیوں اور کیسے صحیح ہے؟ دلائل سے جواب دیں اللہ آپ کو جزاء خیر دے۔

۴)۔اگر تشبہ کی وجہ سے روافض کی یہ حلیم کھانا حرام ہے تو پھر آجکل تو تشبہ نہیں رہا بلکہ تمام سنّی (یا اکثر) تو بہر حال محرم میں حلیم اور شربت بناتے ہیں لہذا تشبہ ختم ہو گیا اس لیے یہاں کچھ تخفیف ہو گی یا ہونی چاہیئے؟

۵)۔نیز اگر ان اشیاء کو لے کر ضائع کر دیا جائے تو رزق کو ضائع کرنے کا وبال تو نہیں ہو گا؟ یا اسے غریب کو دیا جائے تو غیر کو حرام مال کھلانے کا وبال اور وعیدیں تو لازم نہیں آئیں گی؟

الجواب بعون الملک الوھاب

علامہ شامی رحمۃ اللہ علیہ نے ”ردالمحتار“ میں لکھا ہے کہ جب روافض نے عاشورہ کے دن حضرت سیدنا حسین رضی اللہ عنہ کی شہادت کی وجہ سے غم کے اظہار اور ماتم وغیرہ کی بدعت کو اختیار کیا تو جاہل سنی عوام نے ان کی دیکھا دیکھی مخصوص قسم کے کھانے حلیم، شربت وغیرہ بنانے کی بدعت کو گھڑ لیا۔اس سے ثابت ہوا کہ مذکورہ بدعت، بدعت شنیعہ ہے جس سے اجتناب ضروری ہے۔اگر محرم الحرام کے مخصوص ایام میں پکائی جانے والی حلیم اور شربت کی سبیل غیر اللہ کے نام پر ہو تو نص قرآنی ”وما اھل به لغیر الله“ کے تحت اس کا کھانا حرام

ہے اور اس کی حرمت اور غیر اللہ کے نام پر ذبح شدہ جانور کی حرمت میں کوئی فرق نہیں۔ اگر یہ حلیم وشربت وغیرہ اللہ تعالیٰ کے نام پر بنائی جائے اور سنّی بنائیں تو یہ فی نفسہٖ تو حلال ہے لیکن اس کے لئے کسی دن کی تخصیص (مثلاً یوم عاشورہ، ۱۲ ربیع الاول اور ماہِ رجب وغیرہ کی) کرنا اور التزام وغیرہ ایسے امور ہیں جو سراسر بدعت اور گمراہی ہیں لہٰذا اس سے احتراز لازم ہے۔

ان خاص ایام میں کہیں سے حلیم وغیرہ گھر میں بھیجی جائے تو اسے نہ لینا چاہیئے تاکہ اس سے بدعت کی تائید اور اشاعت میں معاونت نہ ہو کیونکہ قرآن مجید میں اللہ تعالیٰ نے فرمایا "وَلَا تَعَاوَنُوْا عَلَى الْاِثْمِ وَالْعُدْوَانِ" (گناہ اور ظلم پر ایک دوسرے کی معاونت نہ کرو)۔ لیکن اگر واپس کرنے میں فتنہ وفساد کا اندیشہ ہو تو لے کر فقراء اور محتاجوں کو دے دیں، اس پر کوئی وبال نہ ہوگا۔ اکثر سنّی عوام کا ان خاص ایام میں روافض کی دیکھا دیکھی حلیم وشربت وغیرہ بنانا اس سے اس حکم میں کچھ تخفیف نہ ہوگی کیونکہ مذکورہ امر تشبہ بالروافض کے ساتھ بدعت قبیحہ بھی ہے جس سے اجتناب لازم اور ضروری ہے۔

لمافی القرآن الكريم (البقرہ: ۱۷۳):إِنَّمَا حَرَّمَ عَلَيْكُمُ الْمَيْتَةَ وَالدَّمَ وَلَحْمَ الْخِنزِيْرِ وَمَا أُهِلَّ بِهِ لِغَيْرِ اللهِ فَمَنِ اضْطُرَّ غَيْرَ بَاغٍ وَّلَا عَادٍ فَلَا إِثْمَ عَلَيْهِ

وفی تفسیر روح المعانی (۴۲/۱) : والمراد بغير الله تعالیٰ فی الصنم وغیرہ کماھو الظاهر۔

وفی التفسير الكبير (۲۳/۳) ط دارالفكر: والحجة فيه انهم اذا ذبحوا على اسم المسيح فقد اهلو به لغير الله فواجب ان يحرم وروى عن على بن ابى طالب رضى الله عنه قال اذا سمعتم اليهود والنصارى يهلون لغير الله فلا تاكلوا اھ۔

وفی الشامية (۵۶۰/۱) ط سعید کمپنی: بانها ما احدث على خلاف الحق المتلقى عن رسول الله ﷺ من علم او عمل او حال بنوع شبهة واستحسان وجعل دينا قيما وصراطاً مستقيما اھ۔

وفی الشامية (۴۱۸/۲): مطلب فى حديث التوسعة على العيال والاكتحال يوم عاشوراء، ط سعید کمپنی: قال فى النهر: وتعقبه ابن العز بانه لم يصح عنه ﷺ فى يوم عاشوراء غير صومه وانما الروافض لما ابتدعوا اقامة الماتم واظهار الحزن يوم عاشوراء لكون الحسين قتل فيه ابتدع جهل اهل السنة اظهار السرور واتخاذ الحبوب والاطعمة والاكتحال اھ۔

(۱۹۸) قبر پر اذان دینا / نجومی کو ہاتھ دکھانا

سوال

کیا فرماتے ہیں علماء کرام ومفتیان عظام اس مسئلہ کے بارے میں کہ بعض علاقوں میں مردے کو دفن کرنے کے بعد قبر پر اذان

دی جاتی ہے اور دلیل یہ پیش کی جاتی ہے کہ اس سے شیطان بھاگ جاتا ہے اور فرشتے جب سوال کرنے آتے ہیں تو مردہ صحیح جواب دیتا ہے۔ کیا شرعاً ایسا کرنا جائز ہے؟

نیز پنجاب بلکہ غالباً پورے ملک ہی میں لوگ نجومی کو ہاتھ دکھاتے ہیں اور وہ ہاتھ دیکھ کر حالات بتاتا ہے۔ اور کبھی اس کے بتائے ہوئے حالات بالکل درست ثابت ہوتے ہیں۔ اب سوال یہ ہے کہ ایسا کرنا جائز ہے یا نہیں؟ قرآن وحدیث کی روشنی میں جواب عنایت فرمائیں۔

الجواب بعون الملک الوهاب

صورت مسئولہ میں میت کے دفن کے وقت یا دفن کرنے کے بعد قبر پر اذان دینا کسی شرعی دلیل سے ثابت نہیں ہے بلکہ یہ بدعت ہے جس سے اجتناب واجب ہے۔

نجومی کے پاس جانا اور اسے ہاتھ دکھا کر احوال معلوم کرنا شرعاً ناجائز ہے جو نجومی علم غیب کا دعوی کرے اور اس غیب پر جو شخص اس کی تصدیق کرے دونوں دائرہ اسلام سے خارج ہیں۔

لمافی المشکوۃ (ص۳۹۳): عن ابی هریرة رضی اللہ عنہ قال قال رسول اللهﷺ من اتی کاهنا فصدقه بمایقول ...... فقد برئ مما انزل علی محمد۔

وفی ردالمحتار (۲/۲۳۵): لایسن الاذان عند ادخال المیت فی قبره کماهو معتاد الآن۔ وقدصرح ابن حجر فی فتاویه بانه بدعة وقال ومن ظن انه سنة قیاساعلی ندبها للمولودالحاقا لخاتمة الامر بابتدائه فلم یصب۔

وفیه ایضا (۴/۲۴۲): والحاصل ان الکاهن من یدعی معرفة الغیب باسباب وهی مختلفة فلذا انقسم الی انواع متعددة کالعراف والرمال والمنجم ... والکل مذموم شرعا محکوم علیهم وعلی مصدقهم بالکفر۔

(۱۹۹) قبر پر پھول چڑھانا

سوال

کیا فرماتے ہیں علماء کرام ومفتیان عظام اس مسئلہ کے بارے میں کہ بعض علاقوں میں لوگ قبروں پر سبز پتے، پھول یا خوشبو وغیرہ ڈالتے ہیں۔ آیا ایسا کرنا شرعاً جائز ہے یا نہیں؟ جواب مدلل اور واضح بیان فرمائیں۔

الجواب بعون الملک الوهاب

قبروں پر پھول یا خوشبو ڈالنا شرعاً بے اصل ہے۔ اس کا کوئی ثبوت نہیں ہے اور آج کل اس کو کار ثواب سمجھ کر کیا جاتا ہے جو کہ

بدعت ہے اوراس کا ترک واجب ہے۔

لمافی الصحیح للبخاری (١/١٨٢،١٨٣): عن ابن عباس رضی الله عنهما قال: مر النبي صلى الله عليه وسلم بحائط من حيطان المدينة، أو مكة، فسمع صوت إنسانين يعذبان في قبورهما، فقال النبي صلى الله عليه وسلم: يعذبان، وما يعذبان في كبير ثم قال: بلى، كان أحدهما لا يستتر من بوله، وكان الآخر يمشي بالنميمة . ثم دعا بجريدة، فكسرها كسرتين، فوضع على كل قبر منهما كسرة، فقيل له: يا رسول الله، لم فعلت هذا؟ قال: لعله أن يخفف عنهما ما لم تيبسا أو: إلى أن ييبسا۔

وفی عمدة القاری (١٢١/٣): وكذلك مايفعله اكثر الناس من وضع مافيه رطوبة من الرياحين والبقول ونحوهما على القبور ليس بشئ۔

وفی فيض البارى (٤٨٩/٢): وقال العينى رحمه الله ان القاء الرياحين ليس بشئ ولم يمنع عن انبات الشجرة وفى العالمكيرية ان القاء الرياحين ايضا مفيد قلت :والاعتماد على ماذكره العينى۔

وفی معارف السنن (٢٣٦/١) تحت هذه الرواية: وقد استنكر الخطابي ومن تبعه وضع الناس الجريد ونحوه فى القبر عملا بهذا الحديث۔وقال الطرطوشى لان ذلك خاصة ببركة يده وقال القاضى عياض لانه علل غرزهما على القبر بامر مغيب وهو قوله ليعذبان ......قال الراقم :اتفق الخطابى والطرطوشى والقاضى عياض على المنع وقولهم اولى بالاتباع حيث اصبح مثل تلك المسامحات والتعللات مثارا للبدع المنكرة والفتن السائرة۔

(٢٠٠) نماز جنازہ کے بعد فاتحہ خوانی کی شرعی حیثیت

سوال

کیا فرماتے ہیں علماء کرام ومفتیان عظام اس مسئلہ کے بارے میں کہ نماز جنازہ کے بعد فاتحہ خوانی کا کیا حکم ہے؟ اسی طرح اگر اتفاق سے نماز جنازہ کے وقت میت کو الٹا رکھا گیا اور اسی طرح نماز پڑھ لی تو یہ نماز ہو جائے گی یا دوبارہ پڑھنی پڑے گی؟ قرآن وسنت کی روشنی میں جواب عنایت فرمائیں۔

الجواب بعون الملک الوهاب

احادیث مبارکہ میں میت کو جلد از جلد دفن کرنے کی تاکید آئی ہے، چنانچہ انہی روایات کی بناء پر فقہاء کرام نے کفن ودفن کا جو طریقہ بیان کیا ہے اس میں یہ صراحت کی ہے کہ جنازہ سے فراغت کے بعد فوراً میت دفنانے کیلئے لے جانا چاہیئے، جنازہ کے بعد دعا یا

تلاوت قرآن کے لئے نہ روکنا چاہیئے، لہذا نماز جنازہ کے بعد فاتحہ خوانی درست نہیں، خاص طور پر جبکہ نماز جنازہ میت کے حق میں خود دعا ہے اور جنازہ میں اس طرح فاتحہ خوانی ثابت بھی نہیں کیونکہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی حیات مبارکہ میں کتنے لوگوں کی آپ نے نماز جنازہ پڑھائی اسی طرح صحابہ رضوان اللہ علیہم اجمعین نے اپنی زندگیوں میں کتنے لوگوں کی نمازیں پڑھائیں لیکن کہیں جنازے کے بعد فاتحہ کا ثبوت نہیں ملتا لہذا جنازہ کے بعد فاتحہ خوانی کرنا بدعت ہے۔

۲۔ نماز جنازہ کے وقت اگر میت کو الٹا رکھ دیا گیا تو بھی نماز درست ہوگی اعادے کی ضرورت نہیں چاہے یہ الٹا رکھنا غلطی سے ہو یا جان بوجھ کر البتہ یہ طریقہ خلاف سنت ہے اور عمداً کرنے سے گناہ ہوگا۔

لما فی الصحیح للبخاری (۱/۱۷۶): عن ابی هریرة رضی اللہ عنہ عن النبی صلی اللہ علیہ وسلم قال اسرعوا بالجنازة فان تلك صالحة فخير تقدمونها وان تلك سوى ذلك فشر تضعونه عن رقابكم۔

وفی البحر الرائق (۲/۱۸۳): لا يدعو بعد التسليم كما فی الخلاصة۔

وفی خلاصة الفتاوى (۱/۲۲۵): لا يقوم بالدعاء بعد صلوة الجنازة ...ولا يقوم بالدعاء فی قرائة القرآن لاجل الميت بعد صلوة الجنازة وقبلها والله اعلم۔

وفی التاتارخانية (۲/۱۷۷): واذا اخطئوا بالراس وقت الصلاة فجعلوه فی موضع الرجلين فصلوا عليها جازت الصلوة فان فعلوا ذلك عمداً جازت صلاتهم وقد اساؤا وفی شرح الطحاوی لا تعاد۔

وفيه ايضاً (۲/۱۸۰): ولا يقوم الرجل بالدعاء بعد صلوة الجنازة۔

وفی الشامية (۲/۲۰۹): ...ان السنة وضع رأسه مما يلی يمين الامام كما هو المعروف الان ولهذا علل فی البدائع للاساءة بقوله لتغييرهم السنة المتوارثة۔

(۲۰۱) اہل میت کی طرف سے کھانے کا انتظام کرنا/تعزیت کے ساتھ مالی امداد کرنا

سؤال

کیا فرماتے ہیں علماء کرام ومفتیان عظام اس مسئلہ کے بارے میں کہ ہمارے ہاں جب کسی کا انتقال ہوجاتا ہے تو اس کے ورثاء میت کے کفن دفن کے ساتھ کھانے کا انتظام بھی کرتے ہیں اور جنازے کی ادائیگی کے بعد لوگوں کو کھانا کھلایا جاتا ہے اس پر بعض لوگ اعتراض کرتے ہیں کہ ایسا کرنا صحیح نہیں۔ آپ بتائیں کہ کون سی بات صحیح ہے؟

نیز ہمارے ہاں جب کسی کی تعزیت کے لئے جاتے ہیں تو وہاں سے واپس آنے سے پہلے وہاں بچھی ہوئی دریوں کے نیچے

سو، پانچ سو یا ہزار روپے رکھ کر آتے ہیں۔اس سے مقصود ورثاء میت کی امداد ہوتی ہے۔چاہے ورثاء امیر ہوں یا غریب۔پھر ورثاء اس رقم کو جمع کر کے آنے والے لوگوں کے لئے حقہ، چائے اور کھانے کا انتظام کرتے ہیں۔اگر کوئی شخص پیسے دیئے بغیر چلا جائے تو اسے حقارت کی نظر سے دیکھا جاتا ہے۔شرعاً اس طرح کرنا جائز ہے یا نہیں؟ قرآن وحدیث کی روشنی میں جواب دے کر ہماری اصلاح فرمائیں۔

الجواب بعون الملک الوھاب

ورثاء میت کی طرف سے کھانے کا انتظام کرنا جائز نہیں ہے۔یہ انتہائی قبیح بدعت ہے جس سے اجتناب واجب ہے نیز تعزیت کے لئے جانے والوں کا اس طرح پیسے دینا، اس کو ضروری سمجھنا اور نہ دینے والوں کو حقارت کی نظر سے دیکھنا شرعاً ناجائز اور بدعت کے زمرے میں آتا ہے لہٰذا اس سے اجتناب کرنا چاہیئے۔

لمافی المشکوۃ (ص۲۷): عن عائشة رضی الله عنها قالت : قال رسول الله صلی الله علیه وسلم : " من أحدث في أمرنا هذا ما ليس منه فهو رد "۔

و فی الهندية (۱/ ۱۶۷): ولابأس بأن يتخذ لاهل الميت طعام كذا فى التبيين ولايباح اتخاذ الضيافة عند ثلاثة ايام۔

وفی ردالمحتار (۲/۲۴۰): ويكره اتخاذ الضيافة من الطعام من اهل الميت لانه شرع فى السرور لافى الشرور وهى بدعة مستقبحة وروى الامام احمد وابن ماجة باسناد صحيح عن جرير بن عبدالله قال كنا نعد الاجتماع الى اهل الميت وصنعهم الطعام من النياحة۔

وفی ردالمحتار (۲/۲۴۰): وتستحب التعزية للرجال والنساء اللاتى لايفتن ...... والتعزية ان يقول : اعظم الله اجرك ، واحسن عزاءك وغفر لميتك ...ويكره اتخاذ الطعام من اهل الميت لانه شرع فى السرور لافى الشرور وهى بدعة مستقبحة وروى الامام احمد وابن ماجة باسناد صحيح عن جرير بن عبدالله قال كنا نعد الاجتماع الى اهل الميت وصنعهم الطعام من النياحة۔

(۲۰۲) حیلہ اسقاط کا شرعی طریقہ

سؤال

کیا فرماتے ہیں علماء کرام ومفتیان عظام اس مسئلہ کے بارے میں کہ آج کل بعض علاقوں میں حیلہ اسقاط مروج ہے جس پر بعض علماء یہ اعتراض کرتے ہیں کہ یہ جائز نہیں جب کہ حیلہ کرنے والے کتب فقہ کے حوالے سے اس کے جواز کو ثابت کرتے ہیں۔ان میں سے کون سی بات صحیح ہے؟ اور جو حیلہ کتب فقہ میں درج ہے اس کا طریقہ کار اور شرائط بھی بیان فرمائیں تا کہ ہماری اصلاح

ہوسکے۔اللہ تعالی آپ کو جزائے خیر عطا فرمائے۔

الجواب بعون الملک الوھاب

صورت مسئولہ میں مروجہ حیلہ اسقاط ناجائز ہے۔رہا معاملہ کتب کے حوالہ جات کا تو متاخرین کی کتب میں اس کا ثبوت ملتا ہے لیکن جس حیلے کو متاخرین نے جائز قرار دیا ہے وہ حیلہ مروجہ حیلہ سے قطعا مختلف ہے۔کیونکہ جو حیلہ کتب میں درج ہے اس کی صورت یہ ہے کہ کسی ایسے شخص کا انتقال ہوا کہ اس کے ذمے کچھ نمازیں یا روزے باقی تھے اور اس کے ترکہ کا ثلث مال اس فدیے کے لئے کافی نہ تھا تو ایسی صورت میں اس بات کی گنجائش ہے کہ ولی میت کسی فقیر کو نقدی یا گندم وغیرہ کا مالک بنائے اور وہ فقیر اپنی مرضی سے مالک کو نقدی یا وہ جنس واپس ہدیہ کردے یا کسی تیسرے شخص کو دے دے۔اور وہ تیسرا شخص ولی میت کو ہدیہ کردے۔اور اگر فقیر یا تیسرا شخص واپس نہ کرنا چاہے تو اسے مجبور نہ کیا جائے یعنی واقعی فقیر کو مالک بنایا جائے صرف ملکیت کا ڈھونگ نہ رچایا جائے۔اس طرح متعدد بار کیا جائے ،اس طرح جتنی مقدار بن جائے تو اس قدر تک اللہ تعالی سے امید ہے کہ بطور فدیہ کے قبول فرمالیں۔

یہ ہے کتب میں درج حیلہ۔اور ہمارے یہاں کیا ہوتا ہے وہ ہر کس و ناکس پر واضح ہے جسے بیان کرنے کی ضرورت نہیں۔

مزید تفصیل سوال:۱۶۰ کے ذیل میں ملاحظہ فرمائیں۔

(۲۰۳) تعزیت کے لئے ورثاء میت کے پاس جانا

سؤال

کیا فرماتے ہیں علماء کرام ومفتیان عظام اس مسئلہ کے بارے میں کہ ہمارے علاقے میں یہ رواج ہے کہ میت کے دفن کرنے کے بعد قبر سے واپسی پر میت کے ورثاء کی تسلی وتشفی اور اس کو صبر کی تلقین کرتے ہیں۔بعض لوگوں کا کہنا ہے کہ اس طرح تعزیت کے لئے جمع نہیں ہونا چاہیئے، یہ بدعت ہے۔کیا یہ بات صحیح ہے؟

الجواب بعون الملک الوھاب

صورت مسئولہ میں جو لوگ نماز جنازہ اور دفن میں شریک ہوئے ان کے ذمے سے میت کا حق ادا ہوگیا۔اب دفن کے بعد ورثاء کے پاس رسماً جانا مکروہ اور بدعت ہے البتہ اگر صبر کی تلقین کے لئے اپنے تعلق کی وجہ سے ورثاء میت کے ہاں جائیں تو اس کی گنجائش ہے۔

لمافی البحر الرائق (۱۹۲/۲): والتعزیة للمصاب سنة للحدیث من عزی مصابا فله مثل اجره قال البقالی فلابأس بالجلوس للعزاء ثلا ثة ایام فی بیت اومسجد وقد جلس رسول اللهﷺ لماقتل جعفر وزید بن حارثة والناس یأتون ویعزونه والتعزیة فی الیوم الاول افضل والجلوس فی المسجد ثلاثة ایام للتعزیة مکروه وفی غیره جاء ت الرخصة ثلاثة ایام للرجال وترکه احسن

ویکرہ للمعزی ان یعزی ثانیا۔

وفی الهندیة (۱/ ۱۶۷): التعزیة لصاحب المصیبة حسن وروی الحسن بن زیاد اذا عزی اهل المیت مرة فلاینبغی ان یعزیه مرة اخری ......ووقتها من حین یموت الی ثلاثة ایام۔

وفی الدر المختار مع ردالمحتار (۲۳۹/۲): ولا بأس بنقله ......وبتعزیة اهله وترغیبهم فی الصبر ......وبالجلوس لها فی غیر مسجد ثلاثة ایام واولها افضل وتکرہ بعدها الالغائب وتکرہ التعزیة ثانیا وعندالقبر۔

وفی الشامیة: وقال کثیر من متاخری ائمتنا یکرہ الاجتماع عندصاحب البیت ویکرہ له الجلوس فی بیته حتی یأتی الیه من یعزی بل اذا فرغ ورجع الناس من الدفن فلیتفرقوا ویشتغل الناس بأمورهم وصاحب البیت بامرہ اھ۔

(۲۰۴) میت یا کفن میت پر کلمہ لکھنا/ قبر پر اذان دینا/ میت کو چھتری سے ڈھانک کر لے جانا

سؤال

کیا فرماتے ہیں علماء کرام ومفتیان عظام اس مسئلہ کے بارے میں کہ غسل کے بعد میت کی پیشانی اور سینے پر کسی خوشبودار چیز سے کلمہ اور بسم اللہ لکھنا جائز ہے یا نہیں؟

۲۔ اسی طرح کفن میت پر کلمہ شہادت وغیرہ لکھنا کیسا ہے؟

۳۔ میت کو چھتری سے ڈھانپ کر جنازہ گاہ یا قبر تک لے جانا کیسا ہے؟

۴۔ بعد دفن میت کی قبر سے چالیس قدم ہٹ کر اذان دینا کیسا ہے؟

تمام سوالات کے جوابات عنایت فرمائیں۔

الجواب بعون الملک الوهاب

صورت مسئولہ میں چاروں چیزیں بے اصل ہیں، ان کا شریعت وسنت میں کوئی ثبوت نہیں ہے لہٰذا ان سے اجتناب کرنا چاہیئے۔

لما فی المشکوۃ (ص۲۷): عن عائشة رضی الله عنها قالت: قال رسول الله صلی الله علیه وسلم: "من أحدث في أمرنا هذا ما لیس منه فهو رد"۔

وفی ردالمحتار (۲۴۶/۲): وقد افتی ابن الصلاح بانه لایجوز ان یکتب علی الکفن یٰس والکهف

ونحوهما خوفا من صديد الميت ......فالاسماء المعظمة باقية على حالها فلايجوز تعريضها للنجاسة والقول بانه يطلب فعله مردود لان مثل ذلك لايحتج به الااذاصح عن النبی ﷺ طلب ذلك وليس كذلك اھ۔

وفيه ايضا (۲/۲۳۵): لايسن الاذان عند ادخال الميت فی قبره كماهو المعتاد الآن۔ وقدصرح ابن حجر فی فتاويه بانه بدعة وقال ومن ظن انه سنة قياساعلى ندبها للمولود الحاقالخاتمة الامر بابتدائه فلم يصب۔

(۲۰۵) بچوں کے ختم قرآن پر دعوت اور فاروق اعظم رضی اللہ عنہ کا عمل

سؤال

کیا فرماتے ہیں علماء کرام ومفتیان عظام اس مسئلہ کے بارے میں کہ بچوں کے ختم قرآن کے موقع پر دعوت کرنا یا مٹھائی تقسیم کرنا شرعا جائز ہے یا نہیں؟ کیا یہ درست ہے کہ حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ نے سورۃ بقرۃ بارہ سال میں ختم کی اور اس کے ختم پر ایک اونٹ ذبح کیا؟

الجواب بعون الملک الوھاب

صورت مسئولہ میں بچوں کے ختم قرآن پر دعوت کرنا یا مٹھائی تقسیم کرنا شرعا جائز ہے البتہ اسے ضروری نہ سمجھا جائے۔ نیز یہ بات درست ہے کہ فاروق اعظم رضی اللہ عنہ نے سورۃ بقرۃ بارہ سال میں ختم کی اور اس کے ختم پر ایک اونٹ ذبح کیا تھا۔

دلائل المسئلة مرت سابقا فی رقم السؤال : ۱۷۰

(۲۰۶) مبتدع (بدعتی) کی تعریف

سؤال

بدعتی یا مبتدع کی تعریف کیا ہے؟ قرآن وسنت کی روشنی میں بیان فرمائیں۔

الجواب بعون الملک الوھاب

بدعتی یا مبتدع ایسے شخص کو کہتے ہیں جو دین میں کوئی نیا طریقہ ایجاد کرے جس کا ثبوت قرآن وحدیث وصحابہ رضوان اللہ علیہم اجمعین کے آثار سے نہ ملتا ہو اور یہ طریقہ احکام دین کے مشابہ ہو اگرچہ اس سے (اس کا) مقصود اللہ کی بندگی میں کثرت اور مبالغہ ہو، اور اسے

دین سمجھ کر کرے۔

لمافی صحیح البخاری(۱/۳۷۱): عن عائشة رضی الله عنها قالت قال النبیﷺ من احدث فی امرنا هذا ما لیس منه فهو رَدٌّ۔ اھ

وفی مرقاة المفاتیح(۱/۲۱۶): قال النووی البدعة کل شئ عمل علی غیر مثال سبق وفی الشرع احداث مالم یکن فی عهد رسول اللهﷺ اھ۔......

قال الشافعی رحمه الله أحدث مما یخالف الکتاب أو السنة أو الاثر أو الاجماع فهو ضلالة وما أحدث من الخیر مما لا یخالف شیئا من ذلك فلیس بمذموم...اھ۔

وفی کتاب الاعتصام (۱/۲۱): وأصل مادة بدع للاختراع علی غیر مثال سابق، ومنه قول الله تعالیٰ (بدیع السموات والارض) أی مخترعهما من غیر مثال سابق متقدم......... یقال ابتدع فلان بدعة یعنی ابتدأ طریقة لم یسبقه إلیها سابق۔

وفی (صـ۲۲)... وهذا هو الابتداء والبدعة ویسمی فاعله مبتدعاً. فالبدعة إذن عبارة عن (طریقة فی الدین مخترعة تضاهی الشرعیة یقصد بالسلوك علیها المبالغة فی التعبد لله سبحانه) وهذا علی رأی من لایدخل العادات فی معنی البدعة وانما یخصها بالعبادات وأما علی رأی من أدخل الاعمال العادیة فی معنی البدعة فیقول۔

(البدعة طریقة فی الدین مخترعة تضاهی الشرعیة یقصد بالسلوك علیها مایقصد بالطریقة الشرعیة)۔

(۲۰۷) غیر اللہ کی نذر کے بغیر مزار پر کھانا لے جانا

سؤال

کیا فرماتے ہیں علماء کرام ومفتیان عظام اس مسئلہ کے بارے میں کہ اگر کوئی شخص کسی بزرگ کے مزار پر کوئی چیز اس لئے رکھ دے کہ یہاں فقراء ومساکین بکثرت آتے ہیں یہ لوگ اس سے فائدہ اٹھائیں گے تو کیا ایسا کرنا جائز ہے؟

الجواب بعون الملک الوھاب

صورت مسئولہ میں ایسا کرنا درست نہیں ہے کیونکہ اولا بدعقیدگی کا خطرہ ہے کیونکہ شیطان اسی طرح آہستہ آہستہ بہکاتا ہے اور دوسری بات یہ کہ کم سے کم دوسرے لوگوں کی بدعقیدگی کا سبب ضرور ہے کیونکہ دوسرے لوگ یہی سمجھیں گے کہ غیر اللہ کے نام پر یہ اشیاء

یہاں رکھی جارہی ہیں خاص طور پر ہمارے زمانے میں جبکہ مزارات شرک وبدعات کے اڈے بنے ہوئے ہیں اور اگر مقصود صرف فقراء کو ہی کھلانا ہے تو اس کے لئے کئی دوسرے انتظامات کئے جاسکتے ہیں، مزارات پر لانا کیا ضروری ہے؟

لمافی المشکوٰة (۱/۲۴۱): وعن النعمان بن بشیر رضی اللہ عنہ قال قال رسول اللہ ﷺ الحلال بین والحرام بین وبینهما مشتبهات لایعلمهن کثیر من الناس فمن اتقی الشبهات استبرأ لدینه وعرضه ومن وقع فی الشبهات وقع فی الحرام کالراعی یرعی حول الحمی یوشك ان یرتع فیه الاوان لکل ملك حمی الاوان حمی اللہ محارمه الی آخر الحدیث۔

(۲۰۸) رقم جمع کر کے اہل میت کے ہاں کھانا پکانا

سؤال

کیا فرماتے ہیں علماء کرام ومفتیان عظام اس مسئلہ کے بارے میں کہ ہمارے ہاں یہ رواج ہے کہ جب میت کو دفن کر دیا جاتا ہے تو دفن میں شریک ہونے والے لوگ آپس میں رقم جمع کر کے میت کے گھر کھانا پکاتے ہیں جس میں سے جنازہ میں شامل ہونے والے اور دوسرے لوگوں سب کو کھلایا جاتا ہے۔ کیا ایسا کرنا شرعاً جائز ہے؟

الجواب بعون الملک الوھاب

صورت مسئولہ میں بہتر طریقہ یہ ہے کہ انفرادی طور پر کھانا تیار کر کے اہل میت کے ہاں بھیج دیا جائے۔ دفن میں شریک ہونے والوں سے اس طرح رقم جمع کر کے اہل میت کے ہاں کھانا پکانا جائز نہیں ہے کیونکہ ان میں سے کئی ایسے افراد بھی ہوں گے جو پیسے نہیں دینا چاہتے لیکن دوسروں کے سامنے شرمندگی سے بچنے کے لئے مجبوراً دیتے ہیں۔ اسی طرح روایات میں میت کے ورثاء کے ہاں کھانا بھیجنے کا ذکر ہے وہاں جا کر کھانے کا نہیں لہٰذا اس طرح انتظام واجتماع اور کھانا کھلانا جائز نہیں۔

لمافی الجامع للترمذی (۱/۱۹۵): عن عبداللہ بن جعفر قال لما نعی جعفر قال النبی ﷺ اصنعوا لاهل جعفر طعاما فانه قدجاء هم مایشغلهم قال ابوعیسی ...... وقد کان بعض اهل العلم یستحب ان یوجه الی اهل المیت شئ لشغلهم بالمصیبة۔

وفی سنن ابن ماجة (ص۱۱٦): عن جریر بن عبداللہ البجلی قال کنا نری الاجتماع الی اهل المیت وصنعة الطعام من النیاحة۔

وفی کنزالعمال (۱/۹۲): [۳۹۷] لایحل مال امرئ مسلم الابطیب نفس منه (د عن حذیفة الرقاشی)

وفی ردالمحتار (۲/۲۴۰): قال فی الفتح :ویستحب لجیران اهل المیت والاقرباء الاباعد تهیئة

طعام لهم يشبعهم يومهم وليلتهم لقوله عليه السلام اصنعوا لآل جعفر طعاما الى آخر الحديث ......ويكره اتخاذ الضيافة من الطعام من اهل الميت لانه شرع فى السرور لا فى الشرور۔

(۲۰۹) تیجہ چالیسواں اور برسی منانا کیسا ہے

سؤال

کیا فرماتے ہیں علماء کرام ومفتیان عظام اس مسئلہ کے بارے میں کہ جب کوئی مرجاتا ہے تو تیجہ، چالیسواں اور برسی منائی جاتی ہے، اور پھر وہ لوگ جو اپنے آپ کو دیندار کہتے ہیں اس کھانے کو یہ کہہ کر کھالیتے ہیں کہ قل ہی تو پڑھی ہے کھالو۔ کیا تیجہ چالیسواں اور برسی منانا اور ان کا کھانا کھانا جائز ہے؟ قرآن وحدیث کی روشنی میں جواب مطلوب ہے۔

الجواب بعون الملک الوھاب

صورت مسئولہ میں میت کے تیجے، چالیسویں اور برسی کی شرعاً کوئی اصل نہیں ہے، یہ رسوم ورواج شریعت مطہرہ پر اپنی طرف سے اضافہ کرنے کے ساتھ دوسری کئی خرافات کے مجموعے ہیں لہذا ناجائز ہیں۔

ان کا کھانا اگر چہ فی نفسہ ناجائز نہ بھی ہو تو ایک ناجائز کام کی حوصلہ افزائی ضرور ہے، جبکہ شریعت نے اس سے بھی منع کیا ہے لہذا کھانا کھانے سے احتراز کرنا چاہیئے۔

لما فى جامع الترمذى (۱/۱۹۵): عن عبدالله بن جعفر رضي الله عنه قال لما جاء نعى جعفر قال النبى صلى الله عليه وسلم اصنعوا لاهل جعفر طعاما فانه قد جاء هم مايشغلهم۔

وفى السنن لابن ماجة (ص۱۱۶): عن جرير بن عبدالله البجلى رضي الله عنه قال كنا نرى الاجتماع الى اهل الميت وصنعة الطعام من النياحة۔

وفى الشامية (۲/۲۴۰): ويكره اتخاذالضيافة من الطعام من اهل الميت لانه شرع فى السرور لا فى الشرور وہى بدعة مستقبحة۔

(۲۱۰) سوئم کی شرعی حیثیت/ دفن کے بعد دعا کرنا

سؤال

کیا فرماتے ہیں علماء کرام ومفتیان عظام اس مسئلہ کے بارے میں کہ میت کے سوئم میں یعنی تیسرے دن گٹھلیوں پر کلمہ طیبہ پڑھا جاتا ہے اس کی شرعی حیثیت کیا ہے؟ اسی طرح اس دن آنے والوں کے لئے کھانے کا انتظام کرنا کیسا ہے اور اس کام کے لئے تیسرا

ہی دن متعین کرنا کیسا ہے؟

نیز دفنانے کے بعد ہاتھ اٹھا کر دعا کرنا صحیح ہے یا نہیں اور سر اور پاؤں کی طرف شہادت کی انگلی قبر کی مٹی کے اندر کر کے آیات کی تلاوت کرنا کیسا ہے؟ ان سب کے تفصیلی جوابات عنایت فرما کر ممنون فرمائیں۔

الجواب بعون الملک الوھاب

صورت مسئولہ میں تیسرے دن اہتمام والتزام سے کلمہ طیبہ کا اجتماعی طور پر ورد کرنا اور سوئم کے دوسرے لوازمات بدعات میں سے ہیں جن سے اجتناب ضروری ہے۔ میت کو دفن کرنے کے بعد اس کے لئے دعا کرنا ثابت ہے چاہے ہاتھ اٹھا کر ہو یا بغیر ہاتھ اٹھائے اسی طرح دفن کے بعد میت کے سر کی طرف سورہ بقرۃ کی ابتدائی آیات اور پاؤں کی طرف آخری آیات پڑھنا مستحب ہے۔ لیکن سوال میں ذکر کردہ مخصوص طریقہ یعنی شہادت کی انگلی کو قبر کی مٹی میں داخل کرنا ثابت نہیں ہے۔

لمافی السنن للنسائی (۲۲۲/۱): اخبرنا یوسف بن سعید ...... سمعت عائشۃ رضی اللہ عنہا تحدث قالت الا احدثکم عنی وعن النبی ﷺ قلنا بلی قالت ...... وذکر الحدیث حتی جاء البقیع فرفع یدیہ ثلث مرات فاطال ثم انحرف الی آخر الحدیث

وفی المشکوۃ (ص۲۶): وعن عثمان قال کان النبی ﷺ اذا فرغ من دفن المیت وقف علیہ فقال استغفروا لاخیکم ثم سلوا لہ بالتثبیت فانہ الآن یسأل۔

وفی ردالمحتار (۲۴۰/۲): وفی البزازیۃ ویکرہ اتخاذ الطعام فی الیوم الاول والثالث وبعد الاسبوع ونقل الطعام الی القبر فی المواسم واتخاذ الدعوۃ لقرأۃ القرآن وجمع الصلحاء والقراء للختم اولقرأۃ سورۃ الانعام اوالاخلاص۔

وفیہ ایضا (۲/ ۲۳۷): وکان ابن عمر رضی اللہ عنہ یستحب ان یقرأ علی القبر بعدالدفن اول سورۃ البقرۃ وخاتمتہا۔

وفی مجموعۃ الفتاوی (۱۹۵/۱): سوال: روز سوم یا پنجم مردم طلب یا بلا طلب جمع میشوند وچند ختمے کلام مجید می خوانند بعضے آہستہ وبعضے بآواز بلند در پیالہ خوشبو گل می اندازند ودیگر خصوصیات ورسوم اول می آرند چہ حکم دارد؟ جواب: مقرر کردن روز سوم وغیرہ بالتخصص...... واین مجموع بدعت است ومکروہ نعم تعزیت اہل میت وتسلیہ وصبر فرمودن سنت ومستحب است اما این اجتماع مخصوص روز سوم وارتکاب تکلفات دیگر وصرف اموال بی وصیت از حق یتامی بدعت است وحرام است انتہی۔

(۲۱۱) دفن کے بعد تین دفعہ دعا کرنا

سؤال

کیا فرماتے ہیں علماء کرام ومفتیان عظام اس مسئلہ کے بارے میں کہ ہمارے علاقے میں بعض ائمہ مساجد میت کو دفن کرنے کے بعد تین دفعہ ہاتھ اٹھا کر اجتماعی دعا مانگتے ہیں۔ کیا شریعت مطہرہ میں اس کا کوئی ثبوت موجود ہے؟

الجواب بعون الملک الوھاب

صورت مسئولہ میں دفن کے بعد ایک دفعہ دعا کرنا تو صحیح ہے البتہ تین دفعہ التزام واہتمام سے دعا کرنا کہیں سے ثابت نہیں ہے بلکہ بدعت ہے۔ کیونکہ دفن کے بعد کا معاملہ بارہا حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی حیات مبارکہ میں پیش آیا۔ اگر کہیں آپ نے تین دفعہ دعا کی ہوتی تو کوئی نہ کوئی صحابی ضرور اس کو نقل کرتا لیکن کسی بھی روایت سے اس کا ثبوت نہیں ملتا۔

لمافی المشکوة (ص۲٦): عن عثمان رضی اللہ عنہ قال کان النبی ﷺ اذا فرغ من دفن المیت وقف علیه فقال استغفروا لاخیکم ثم سلوا له بالتثبیت فانه الآن یسأل۔

(۲۱۲) جنازہ اٹھا کر دس قدم ناپ کر چلنا

سؤال

کیا فرماتے ہیں علماء کرام ومفتیان عظام اس مسئلہ کے بارے میں کہ صوبہ پنجاب کے بعض علاقوں میں رائج ہے کہ جب جنازہ کی چارپائی اٹھائی جاتی ہے تو امام صاحب دس قدم آگے، دس پیچھے اسی طرح دائیں اور بائیں ناپ کر چلتے ہیں۔ اس وقت تک جن لوگوں نے میت کو اٹھایا ہوتا ہے وہ آہستہ آہستہ چلتے ہیں اس کے بعد جب امام کے چالیس قدم پورے ہوجاتے ہیں تو تیز تیز چلنا شروع کر دیتے ہیں۔ آیا شرعاً اس کا کوئی ثبوت ہے یا نہیں؟

الجواب بعون الملک الوھاب

صورت مسئولہ میں جو چیز شرعاً ثابت ہے وہ صرف اس قدر ہے کہ میت کی چارپائی کے چاروں پائے اٹھا کر دس دس قدم چلا جائے جس میں امام اور غیر امام سب برابر ہیں لہٰذا مروجہ طریقہ جس میں امام چارپائی اٹھائے بغیر دس دس قدم چلتا ہے اس کے بعد چارپائی اٹھانے والے تیز چلنا شروع کر دیتے ہیں شرعاً ثابت نہیں ہے لہٰذا امام مذکور کا یہ فعل ناجائز ہے۔

لمافی الهندیة (۱/۱٦۳): ثم ان حمل الجنازة شیئین نفس السنة وکمالها امانفس السنة فهی ان

تاخذ بقوائمها الاربع على طريق التعاقب ......واما كمال السنة فلايتحقق الافى واحد وهو ان يبدأ الحامل بحمل يمين مقدم الجنازة ......فيحمله على عاتقه الايمن ثم المؤخر الايمن على عاتقه الايمن ثم المقدم الايسر على عاتقه الايسر ثم المؤخر الايسر على عاتقه الايسر۔

وفى الدر المختار (۲۳۹/۲): واذاحمل الجنازة وضع مقدمها على يمينه ثم مؤخرها على يمينه كذلك ثم مقدمها على يساره ثم مؤخرها كذلك۔

(۲۱۳) تین دن تک تعزیت اور تعزیت کا طریقہ

سؤال

کیافرماتے ہیں علماء کرام ومفتیان عظام اس مسئلہ کے بارے میں کہ جب کسی شخص کا انتقال ہوجاتا ہے تو اس کے عزیز واقارب تین دن تک تعزیت کے لئے جمع ہوتے ہیں۔آیا اس طرح تعزیت کے لئے تین دن تک جمع ہونا جائز ہے یانہیں؟

نیز جب کوئی شخص تعزیت کے لئے آتا ہے تو کہتا ہے کہ ہاتھ اٹھاؤ اور دعا کرو چنانچہ سب لوگ اس کے ساتھ ہاتھ اٹھا کر دعا کرتے ہیں۔اسی طرح جاتے وقت بھی کہتا ہے کہ ہاتھ اٹھاؤ اور دعا کرو حتی کہ وہاں موجود لوگوں کو اس دوران بار بار ہاتھ اٹھا کر دعا کرنی پڑتی ہے۔کیاایسا کرنا صحیح ہے یانہیں؟

الجواب بعون الملک الوھاب

صورت مسئولہ میں تین دن تک تعزیت کے لئے بیٹھنے کی گنجائش ہے البتہ اسے لازم سمجھنا صحیح نہیں ہے۔

بار بار ہاتھ اٹھانا کہیں سے ثابت نہیں ہے بلکہ تعزیت کا صحیح طریقہ یہ ہے کہ میت کے ورثاء کو صبر کی تلقین کی جائے اور میت کے لئے دعاء مغفرت کی جائے۔

لما فى الهندية (۱۶۷/۱): التعزية لصاحب المصيبة حسن ......ووقتها من حين يموت الى ثلاثة ايام ويكره بعدها ......ويستحب ان يقال لصاحب التعزية غفرالله تعالى لميتك وتجاوز عنه وتغمده برحمته ورزقك الصبر على مصيبته واجرك على موته ......ولا بأس لاهل المصيبة ان يجلسوا فى البيت اوفى المسجد ثلاثة ايام والناس يأتونهم ويعزونهم۔

وفى الدرالمختار مع ردالمحتار (۲۳۹/۲): وبتعزية اهله وترغيبهم فى الصبر ......وبالجلوس لها فى غير مسجد ثلا ثة ايام واولها افضل وتكره بعدها ......ويقول اعظم الله اجرك واحسن عزاءك وغفر لميتك۔

وفی الشامية : (وبالجلوس لها)ای للتعزية واستعمال لابأس هنا على حقيقته لانه خلاف الاولى ...وفی الاحكام عن خزانة الفتاوى الجلوس فی المصيبة ثلاثة ايام جاءت الرخصة فيه۔

(۲۱۴) میت کی چارپائی کے نیچے گندم وغیرہ رکھنا

سوال

کیافرماتے ہیں علماء کرام ومفتیان عظام اس مسئلہ کے بارے میں کہ ہمارے ہاں یہ رائج ہے کہ جب کسی کے گھر میت ہوتی ہے تو ایک یا دومن گندم میت کی چارپائی کے نیچے رکھ دیتے ہیں جب غسل دینے والا میت کو غسل دیتا ہے تو میت کے دفن سے پہلے پہلے وہ غلہ غسل دینے والے کو دے دیا جاتا ہے کیا یہ طرزِ عمل شرعاً درست ہے؟

الجواب بعون الملک الوھاب

صورتِ مسئولہ میں آپ کے علاقہ میں یہ جو رسم ہے کہ میت کی چارپائی کے نیچے ایک یا دومن گندم رکھ دیتے ہیں اور پھر یہی گندم میت کو غسل دینے والے کو دیدیتے ہیں۔تو یہ عمل بالکل جاہلانہ رسم ہے۔جس کا ثبوت نہ تو قرآن وسنت سے ہے اور نہ ہی صحابہ کرام رضوان اللہ علیہم اجمعین وتابعین رحمۃ اللہ علیہم سے ہے۔لہٰذا مسلمانوں کو اس سے گریز کرنا چاہیئے اور اسے ترک کرنا واجب ہے۔

لمافی القرآن الكريم(الاحزاب:۲۱): لَقَدْ كَانَ لَكُمْ فِيْ رَسُوْلِ اللّٰهِ أُسْوَةٌ حَسَنَةٌ لِّمَنْ كَانَ يَرْجُو اللّٰهَ وَالْيَوْمَ الْآخِرَ وَذَكَرَ اللّٰهَ كَثِيْرًا

(الحشر:۷) :وَمَا آتٰكُمُ الرَّسُوْلُ فَخُذُوْهُ وَمَا نَهٰكُمْ عَنْهُ فَانْتَهُوْا وَاتَّقُوا اللّٰهَ إِنَّ اللّٰهَ شَدِيْدُ الْعِقَابِ

وفی صحيح البخاری(۱/۳۷۱): عن عائشة قالت قال النبیﷺ من احدث فی امرنا هذا ماليس منه فهو ردّ۔ وفی رواية لمسلم (۲/۷۷): من عمل عملا ليس عليه امرنا فهو ردّ۔

وفی مشكوة المصابيح(۱/۲۷): عن جابر رضی الله عنه قال قال رسول اللهﷺ اما بعد فان خير الحديث كتاب الله وخير الهدى هدى محمدﷺ وشر الامور محدثاتها وكل بدعة ضلالة۔

وفی فتح الملهم(۵/۴۴۷): قال النووی: البدعة كل شئ عمل على غير مثال سبق وفی الشرع احداث مالم يكن فی عهد رسول اللهﷺ ...... وتحصل للعبد الضعيف من كلمات شيوخنا وافاداتهم أن الأصل فی البدعة الشرعية انما هو قول النبیﷺ من احدث فی أمرنا هذا ما ليس منه فهو ردّ والمراد بالأمر الدين كما صرّحوا به فلا يطلق الا على الأمور المحدثة فی الدين لاعلى كل امر

محدث وبهذا يخرج امثال التوسع فی المطاعم وغيرها من الأمور المباحة بل بعض الرسم التی يفعل فاعلوها لاعلی وجه التقرب والاحتساب ايضا عن حد البدعة الشرعية وإن كانت داخلة فی حد البدعة اللغوية فان هذه الافعال لايباشرها من باشرها ظانا وناويا انها من الدين فليست هی من الاحداث فی الدين فی شئ وكذا قوله عليه السلام ماليس منه يدل علی أن الأمور التی لها أصل من الكتاب أو من سنته ﷺ أو من سنة الخلفاء الراشدين المهدين أو تعامل عامة السلف رضی الله عنهم والاجتهاد المعتبر بشروطه المستند إلی النصوص لاتسمی محدثة ولا بدعة شرعية فان هذه الأصول كلها من الدين تنصيصا أو تعليلاً كما تقرر فی محله۔

(۲۱۵) قضائے عمری کی شرعی حیثیت

سؤال

کیافرماتے ہیں علماء کرام ومفتیان عظام اس مسئلہ کے بارے میں کہ ہمارے علاقے میں بعض لوگ ۱۵ شعبان کوظہر کے بعد اسی طرح جمعۃ الوداع کے دن قضاء عمری کے نام سے نمازیں پڑھتے ہیں کیااس طرح کرنا جائز ہے یانہیں اوراس نماز سے پوری عمر کی نمازیں معاف ہوجاتی ہیں یانہیں؟

الجواب بعون الملک الوھاب

صورت مسئولہ میں مروجہ قضائے عمری کہیں سے ثابت نہیں ہے بلکہ یہ اسلام دشمنوں کی طرف سے ایجاد کردہ قبیح بدعت ہے تاکہ مسلمان سال بھرنماز پڑھنے کے بجائے سال میں ۲ یا ۴ رکعت پڑھ کراپنے آپ کو بریٔ الذمہ سمجھنےلگیں۔ چنانچہ ان کی یہ سازش کچھ اپنوں کی وجہ سے کامیاب ہوگئی جنہیں اپنے ہاں کچھ چہل پہل اوررونق چاہیئے تھی۔ انہوں نے ان مواقع پر باقاعدہ اہتمام سے اس پرعمل کرنے کی لوگوں کوترغیب دی جیسے یہ دین کاانتہائی اہم شعبہ ہو۔ حالانکہ یہ عمل کہیں سے بھی ثابت نہیں ہے بلکہ کتب احادیث اورتمام فقہاء کی کتب میں یہ صراحت موجود ہے کہ جب کسی شخص کی نماز قضا ہوجائے تو بعد میں اس کی قضا پڑھنا ضروری ہے اوراگر متعدد نمازیں فوت ہوجائیں توسب کی قضاء بھی اسی طرح پڑھی جائے گی۔ قضاء عمری کامذکورہ طریقہ جائزنہیں ہے۔

لمافی جامع الترمذی (۴۳/۱): عن قتادة رضی الله عنه قال ذكروا للنبی ﷺ نومهم عن الصلوة فقال انه ليس فی النوم تفريط انما التفريط فی اليقظة فاذا نسی احدكم صلاة اونام عنها فليصلها اذا ذكرها .... عن ابی عبيدة بن عبدالله بن مسعود قال قال عبدالله ان المشركين شغلوا رسول الله ﷺ عن اربع صلوات يوم الخندق حتی ذهب من الليل ماشاء الله فامر بلالا فاذن ثم

اقام فصلى الظهر ثم اقام فصلى العصر ثم اقام فصلى المغرب ثم اقام فصلى العشاء۔

وفى الهندية (١٢١/١): كل صلاة فائت عن الوقت بعد وجوبها فيه يلزم قضاء ها سواء ترك عمدا اوسهوا أوبسبب نوم وسواء كانت الفوائت كثيرة اوقليلة۔

(٢١٦) تین مرتبہ سورہ اخلاص پڑھنا

سؤال

کیا فرماتے ہیں علماء کرام ومفتیان عظام اس مسئلہ کے بارے میں کہ بعض لوگ ختم قرآن اور دوسرے وظائف کے آخر میں تین بار سورۃ اخلاص پڑھتے ہیں۔کیا ایسا کرنا درست ہے یا یہ ہمارے دور کی ایجاد ہے؟

الجواب بعون الملک الوھاب

صورت مسئولہ میں ختم قرآن یا دوسرے وظائف کے بعد تین بار سورۃ اخلاص پڑھنا جائز ہے بشرطیکہ اس کو لازم نہ سمجھا جائے البتہ فرض نماز میں ایسا نہیں کرنا چاہیئے۔

لمافى التاتارخانية (٥٠٣/١): قرأة قل هو الله احد ثلاث مرات عند ختم القرآن لم يستحسنها بعض المشائخ۔وقال الفقيه ابوالليث: هذا شئ استحسنه اهل القرآن وائمة الامصار فلابأس به وفى النوازل: قال الفقيه :وبه نأخذ لان مارآه المسلمون حسنا فهو عندالله حسن الاان يكون ختم القرآن فى الصلاة۔وفى الخانية :فى المكتوبة فلايزيد على مرة واحدة۔

وفى الهندية (٣١٧/٥): قرأة قل هوالله احد ثلاث مرات عقيب الختم لم يستحسنها بعض المشائخ واستحسنها اكثرالمشائخ لجبر نقصان دخل فى قرأة البعض الاان يكون ختم القرآن فى الصلاة المكتوبة فلايزيد على مرة واحدة۔

(٢١٧) نعمت کے شکرانے کے طور پر عید میلاد النبی منانا

سؤال

کیا فرماتے ہیں علماء کرام ومفتیان عظام اس مسئلہ کے بارے میں کہ ایک شخص نے دوران بیان یہ کہا کہ حضور ﷺ کائنات کی تمام نعمتوں سے بڑھ کر نعمت ہیں اور قرآن میں ہے رَبَّنَا أَنْزِلْ عَلَيْنَا مَائِدَةً مِّنَ السَّمَاءِ تَكُوْنُ لَنَا عِيْدًا لِّأَوَّلِنَا

وَآخِرِنَا وَآيَةً مِّنْكَ وَارْزُقْنَا وَأَنْتَ خَيْرُ الرَّازِقِينَ یہاں مائدۃ کے نعمت کی وجہ سے عید منائی جارہی ہے تو اگر مائدہ کی وجہ سے عید منائی جاسکتی ہے تو حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم جو تمام نعمتوں سے بڑھ کر نعمت ہیں آپ کا اس دنیا میں تشریف لانا بھی نعمت ہے لہٰذا اس دن بطریق اولی عید منانا جائز ہوگا۔

اب سوال یہ ہے کہ اس آیت سے عید میلاد النبی پر استدلال کرنا صحیح ہے یا نہیں؟ اگر صحیح نہیں تو اس کا جواب کیا ہوگا؟

الجواب بعون الملک الوھاب

نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا وجود اطہر ومبارک بلاشک وشبہ کائنات کی تمام نعمتوں سے بڑھ کر نعمت ہے۔ آپ کی ولادت شریفہ کا ذکر بلکہ آپ کی خاک پا اور آپ کی سواری تک کا ذکر انتہائی مبارک ہے۔ حاصل یہ ہے کہ ہر وہ چیز جس کا آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے ذرا بھی تعلق ہے اس کا ذکر نہایت پسندیدہ اور اعلیٰ درجے کا مستحب عمل ہے۔

لیکن سوال یہ ہے کہ اس کے لئے ۱۲ ربیع الاول کی تاریخ مقرر کرنے کی کیا ضرورت ہے کہ اسی دن کو مقرر کر کے عید میلاد النبی منانا، محفل میلاد منعقد کرنا، جلوس نکالنا یا اسی دن کو مخصوص کر کے فقراء ومساکین کو کھانا کھلانا اور دلیل میں یہ آیت مبارکہ پیش کرنا کہ مائدہ خداوند کریم کی طرف سے نعمت ہے اور نعمت خداوندی کی وجہ سے بنی اسرائیل نے کہا کہ تکون عیدا لاولنا الآیۃ۔ اس آیت سے عید میلاد النبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم ثابت کرنا محض سینہ زوری ہے ورنہ کہاں یہ آیت کریمہ اور کہاں اس سے استدلال ......؟؟

اس لئے کہ وہاں پر نبی کی مبارک ومقدس زبان سے اسے عید کہا جارہا ہے جبکہ یہاں ۱۲ ربیع الاول کو عید منانے کا ثبوت حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے ۲۳ سالہ دور نبوت میں نہیں ملتا اس کے بعد ۳۰ سالہ خلافت راشدہ کا دور گزرا اس میں بھی کہیں اس کا ثبوت نہیں ملتا۔ حالانکہ جن حضرات نے بلاواسطہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے قرآن اور دوسری تعلیمات سیکھیں وہ صحابہ رضوان اللہ علیہم اجمعین ایسے عاشق صادق تھے کہ آپ کے وضو کا پانی اپنے بدن پر ملا کرتے تھے، آپ کے لعاب مبارک کو کبھی زمین پر گرنے نہیں دیا اور آپ کے خون کو بھی باعث برکت سمجھ کر پی لیا۔ اگر اس طرح کے افعال میں کوئی بھلائی ہوتی تو کیا وہ لوگ اس کام کو سب سے پہلے نہ کرتے حالانکہ حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے بعد ایک سو سال تک صحابہ رضوان اللہ علیہم اجمعین کا وجود پاک اس دنیا پر رہا، کیا کسی صحابی سے ایک دفعہ بھی ایسا کرنا ثابت ہے؟

اس کے بعد تابعین کا دور بھی تقریبا ایک صدی پر محیط ہے جنہیں نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی زبان مبارک سے خیر القرون کا لقب ملا، ان کے اس دور میں بھی کہیں سے عید میلاد النبی کا ثبوت نہیں ملتا۔ پھر تبع تابعین سے بھی اس کا ثبوت نہیں ملتا۔

ان مبارک ادوار میں اگر کوئی چیز موجود نہیں تھی تو پھر بعد میں آپ اور میں زبردستی اسے دین میں داخل کرنا چاہیں اور یہ چاہیں کہ ہمیں اپنی مرضی سے کام کرنے کے باوجود اللہ تعالیٰ کی طرف سے ثواب بھی ملے گا اور اسے دین کی خدمت بھی سمجھا جائے تو ہمارے یہ افعال مردودہ ہمارے منہ پر مار دیئے جائیں گے اور بجائے ثواب کے اس پر مواخذہ ہوگا۔ یہی حال عید میلاد النبی اور اس دن مروجہ رسوم کا ہے کہ ان پر ثواب کے بجائے مواخذہ کے امکانات زیادہ ہیں۔

ضد وعناد کی وجہ سے اپنا دینی واخروی نقصان کرنا کونسی عقل مندی ہے لہٰذا جب حق سامنے آجائے تو اسے قبول کر لینا چاہیئے اور حق یہی ہے کہ عید میلاد النبی اور اس میں مروجہ افعال کا دین سے کوئی تعلق نہیں لہٰذا ان سے احتراز کرتے ہوئے نبی علیہ الصلوٰۃ والسلام کی تعلیمات پر عمل پیرا ہونا چاہیئے۔ دلائل المسئلۃ مرت سابقا فی رقم السؤال : ۱۷۶

(۲۱۸) تبرکات کی زیارت کے لئے تعیین وقت

سؤال

بزرگان دین اور سلف صالحین کے کپڑوں یا دوسرے تبرکات کی زیارت کرنا کیسا ہے؟ نیز اس کے لئے وقت اور دن متعین کرنا کیسا ہے؟

الجواب بعون الملک الوھاب

بزرگان دین کے تبرکات اپنے پاس رکھنا، دوسرں کو زیارت کرانا اور ان کی زیارت کرنا سب صورتیں جائز ہیں البتہ دن اور وقت کی تعیین کہیں سے ثابت نہیں لہٰذا اس سے احتراز کرنا چاہیئے۔

لمافی الصحیح للبخاری (۱/۳۱): قال ابوموسی دعاالنبی ﷺ بقدح فیه ماء فغسل یدیه ووجهه فیه ومج فیه ثم قال لهما اشربا منه وافرغا علی وجوهکما ونحورکما۔

وفیه ایضا (۱/۳۸): قال عروۃ عن المسور ومروان خرج رسول الله ﷺ زمن الحدیبیة فذکر الحدیث ...... وماتنخم النبی ﷺ نخامة الا وقعت فی کف رجل منهم فدلك بهاوجهه وجلده۔

وفی سنن ابی داؤد (۲/۸۵): عن اسامة بن زید ......فلما مات اتاه ابنه فقال یانبی الله ان عبدالله ابی قدمات فاعطنی قمیصك اکفنه فیه فنزع رسول الله ﷺ قمیصه فاعطاه ایاه۔

وفی ردالمحتار (۲/۲۳۵): وقد صرح بعض علمائنا وغیرهم بکراهة المصافحة المعتادۃ عقب الصلوات مع ان المصافحة سنة وماذاك الالکونها لم تؤثر فی خصوص هذا الموضع فالمواظبة علیها فیه توهم العوام بانها سنة فیه۔

(۲۱۹) بیت اللہ اور روضہ مبارک کی شبیہ بنانا

سؤال

کیا فرماتے ہیں علماء کرام ومفتیان عظام اس مسئلہ کے بارے میں کہ کعبہ اور روضہ رسول کے مشابہہ کعبہ اور روضہ کا نمونہ (ماڈل) بنانا کیسا ہے؟ اگر کوئی شخص ثواب کی نیت سے ان کی زیارت کرے تو ازروئے شرع کیا حکم ہے؟

الجواب بعون الملک الوھاب

صورت مسئولہ میں کعبہ اور روضہ رسول کے مشابہہ کعبہ اور روضہ رسول بنانا جیسا کہ آج کل مبتدعین ربیع الاول میں بناتے ہیں کئی وجوہ سے ناجائز ہے:

اول: اس میں بیت اللہ اور روضہ مبارکہ کی توہین ہے جو کہ ناجائز ہے۔

ثانی: اسراف مال ہے جو عوام سے ہزار دھوکے کر کے لیا جاتا ہے اور انہیں حصول ثواب کی امید دلائی جاتی ہے جو عدم ثبوت کی وجہ سے جھوٹ ہے۔ اور یہ دونوں یعنی اسراف مال اور جھوٹ کبائر میں سے ہیں۔

ثالث: اس کے ذریعے سے عوام میں غلط عقائد پھیلتے ہیں کہ مصنوعی چیز کی بنیت ثواب زیارت کرنے لگتے ہیں جیسا کہ اہل بدعت کے ہاں یہی کچھ ہو رہا ہے اور ہر وہ چیز جو بدعقیدگی کا باعث بنے ناجائز ہے۔

رابع: عورتوں اور مردوں کا اختلاط پایا جاتا ہے۔ اس کے علاوہ بھی اس میں کئی قباحتیں پائی جاتی ہیں لہٰذا یہ جائز نہیں۔

ان خرافات اور غیر مشروع اشیاء کی زیارت بنیت ثواب یہ بجائے ثواب کے گناہ ہے لہٰذا اس سے اجتناب کرنا چاہیئے اور بلا نیت ثواب زیارت سے بھی احتراز کرنا چاہیئے کیونکہ اس سے کم از کم بنانے والوں کی حوصلہ افزائی ہوتی ہے اور غیر مشروع چیز کی حوصلہ افزائی بھی شریعت کی نظر میں صحیح نہیں ہے۔

لقولہ تعالی (الانعام : ١٤١): وَلَا تُسْرِفُوْا إِنَّه لَا يُحِبُّ الْمُسْرِفِيْنَ ۝لا

(الحج :٣٠): وَاجْتَنِبُوْا قَوْلَ الزُّوْرِ۝لا

وفی المشکوۃ (ص٢٧): عن عائشۃ رضی اللہ عنھا قالت : قال رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم : " من أحدث في أمرنا هذا ما ليس منه فهو رد "۔

(۲۲۰) شادی کے وقت چھوہاروں کی تقسیم

سؤال

کیا فرماتے ہیں علماء کرام ومفتیان عظام اس مسئلہ کے بارے میں کہ شادی کے وقت چھوہارے تقسیم کرنا کیسا ہے؟ میرے ایک دوست نے اپنی شادی کے موقع پر چھوہارے تقسیم کئے، میں نے وجہ پوچھی تو انہوں نے یہ وجہ بتلائی کہ یہ سنت ہے جبکہ میرے دیگر دوستوں کا کہنا ہے کہ یہ بدعت ہے کہیں سے ان کا ثبوت نہیں ملتا۔ براہ کرم آپ وضاحت فرمائیں کہ یہ سنت ہے یا بدعت؟

الجواب بعون الملک الوھاب

صورت مسئولہ میں چھوہارے تقسیم کرنا مسنون ہے، انہیں بدعت کہنا صحیح نہیں البتہ یہ ایسی چیز نہیں کہ جس پر زیادہ اصرار

کیا جائے لہٰذا اگر کوئی چیز تقسیم ہی نہ کی جائے یا تقسیم کی جائے لیکن چھوہاروں کے علاوہ کوئی چیز ہو تو بھی کوئی حرج نہیں ہے۔

لمافی اعلاء السنن (۱۱/۱۲): قالت ام حبيبة زوج البنی ﷺ ۔۔۔۔فقال اجلسوا فان سنة الانبياء عليهم الصلاة والسلام اذاتزوجوا ان يؤكل الطعام على التزويج فدعا بطعام فاكلوا ثم تفرقوا ۔

قلت: وليس ذلك بوليمة بل هو طعام التزويج ويلتحق به ماتعارفه المسلمون من نثر التمر ونحوه فى مجلس النكاح۔فقد روى البيهقي عن معاذ بن جبل بسند فيه ضعف وانقطاع: ان النبى ﷺ حضر فى املاك (اى نكاح) فاتى بطباق عليها جوز ولوز وتمر . فنثرت فقبضنا ايدينا . فقال :مابالكم لاتأخذون فقالوا:لانك نهيت عن النهبى فقال :مانهيتكم عن نهبى العساكر خذوا على اسم الله فجاذبنا وجاذبناه۔

(۲۲۱) یوم صدیق اکبر رضی اللہ عنہ پر چھٹی کا مطالبہ

سوال

کیا فرماتے ہیں علماء کرام ومفتیان عظام اس مسئلہ کے بارے میں کہ صحابہ کرام رضوان اللہ علیہم اجمعین کے یوم پیدائش اور یوم وفات وغیرہ منانے کا کیا حکم ہے؟ اور اسی طرح یہ مطالبہ کرنا کہ یوم صدیق اکبر سرکاری طور پر مناتے ہوئے عام تعطیل کی جائے۔شریعت مطہرہ میں اس مطالبہ کی شرعی حیثیت کیا ہے؟

الجواب بعون الملک الوھاب

صورت مسئولہ میں اگر صحابہ کرام رضوان اللہ علیہم اجمعین کے ایام کو اس طرح منایا جائے کہ ان کی دینی خدمات اور سیرت کو بیان کیا جائے تاکہ ان کے حالات زندگی اور دوسرے معمولات لوگوں کے سامنے آئیں جس سے لوگوں میں دین کی رغبت اور شوق پیدا ہو تو یہ عمل جائز و مستحسن ہے۔البتہ اس کو دین کا حصہ نہ سمجھا جائے اور اس کا التزام واہتمام بھی نہ کیا جائے۔نیز اس دن چھٹی کرنا اور جلوس نکالنا عدم ثبوت کی بناء پر جائز نہیں،اس سے احتراز کرنا چاہیئے۔

لمافی المشكوة (ص۲۷):عن عائشة رضی الله عنها قالت : قال رسول الله صلى الله عليه وسلم : " من أحدث في أمرنا هذا ما ليس منه فهو رد " ۔

وفی شرعة البهية (۱/۱۶۵): ان عمل المولد بدعة لم يقل به ولم يفعله رسول الله ﷺ والخلفاء والائمة . . .وقد اتفق علماء المذاهب الاربعة بذم هذا العمل۔(بحواله راه سنت)

(۲۲۲) اجتماعی طور پر سورہ یٰسین کا اہتمام کرنا

سؤال

کیا فرماتے ہیں علماء کرام ومفتیان عظام اس مسئلہ کے بارے میں کہ اکثر مدارس میں فجر کے بعد اجتماعی طور پر سورۃ یٰسین تلاوت کی جاتی ہے۔ دریافت طلب امر یہ ہے کہ ایسا کرنا صحیح ہے یا نہیں؟ کیا اس کا شمار بدعت میں تو نہیں ہوگا۔

الجواب بعون الملک الوھاب

صورت مسئولہ میں سورۃ یٰسین پڑھنا باعث خیر و برکت ہے جیسا کہ مختلف احادیث میں اس کی فضیلت وارد ہوئی ہے۔ اور اجتماعی طور پر پڑھنے میں کوئی قباحت نہیں ہے البتہ اگر اسے لازم سمجھا جائے اور نہ پڑھنے والوں کو طعن و تشنیع کا نشانہ بنایا جائے تو یہ بدعت میں داخل ہو جائے گی۔ لیکن اگر طعن و تشنیع ترک یٰسین پر نہ ہو بلکہ مدرسہ کے اصول وضوابط کی خلاف ورزی پر ہو تو اس کی گنجائش معلوم ہوتی ہے۔

لمافی المشکوۃ (ص۱۸۹): عن عطاء بن ابی رباح قال بلغنی ان رسول اللہ ﷺ قال من قرأ یس فی صدرالنہار قضیت حوائجہ۔ عن انس بن مالک رضی اللہ عنہ قال قال رسول اللہ ﷺ ان لکل شئ قلبا وقلب القرآن یس ومن قرأیس کتب اللہ لہ لقرأتھا قرأۃ القرآن عشر مرات۔

وفی اعلاء السنن (۳/۱۸۳): عن ابن مسعود رضی اللہ عنہ قال لایجعلن احدکم للشیطان من نفسہ جزء لایری الاان حقاعلیہ ان لاینصرف الاعن یمینہ اکثر مارأیت رسول اللہ ﷺ ینصرف عن شمالہ۔ قال الامام النووی فی شرح مسلم ......اما الکراھۃ التی اقتضاھا کلام ابن مسعود رضی اللہ عنہ فلیست بسبب اصل الانصراف عن الیمین اوالشمال وانما ھی فی حق من یری ان حقاعلیہ فانماذم من راٰہ حقا علیہ۔

(۲۲۳) ہر جمعرات یٰسین کا ختم کروانا

سؤال

کیا فرماتے ہیں علماء کرام ومفتیان عظام اس مسئلہ کے بارے میں کہ ہمارے محلے کی مسجد میں ہر جمعرات کو یٰسین شریف کا ختم ہوتا ہے اور ختم کے بعد اجتماعی دعا بھی کی جاتی ہے۔ غیر مقلدین حضرات کا کہنا ہے کہ یہ بدعت ہے، لہذا اس میں شرکت نہ کرو۔ آپ اس

سلسلے میں ہماری راہنمائی فرمائیں کہ کیا اس ختم میں شرکت کرنا جائز ہے یا نہیں؟ قرآن وحدیث کی رو سے جواب عنایت فرمائیں۔

الجواب بعون الملک الوھاب

پہلے یہ سمجھئے کہ ایک دوام ہے اور ایک التزام، دونوں میں اصطلاحی اعتبار سے تو کوئی فرق نہیں البتہ شرعی اعتبار سے دونوں میں فرق ہے، اور وہ اس طرح کہ شریعت نے بعض امور کے کرنے اور نہ کرنے کا اختیار دیا ہے اب اگر کوئی ان اختیارات کے باوجود ان امور کو تسلسل اور دوام کے ساتھ کرتا ہے مثلاً اوابین یا تہجد کی نماز کہ سلف صالحین نے اس کو ہمیشہ ادا کیا ہے، تو ان امور کا یہ تسلسل نہ صرف جائز بلکہ مستحسن ہے البتہ اگر کوئی اس تسلسل کے ساتھ اسے لازم بھی سمجھتا ہے اور ایسا نہ کرنے والوں کو برا سمجھتا ہے تو یہی التزام ہے جو کہ ناجائز ہے۔ اب آپ کے ہاں یٰسین کے ختم کا صرف دوام ہے تو یہ جائز ہے لیکن اگر دوام کے ساتھ التزام بھی پایا جاتا ہے کہ اس میں شرکت نہ کرنے والوں کو برا سمجھا جاتا ہے تو پھر اس میں شرکت جائز نہیں۔

لما فی الصحیح لمسلم (۳۶۱/۱): عن ابی هريرة رضی الله عنه عن النبیﷺ قال لا تختصوا ليلة الجمعة بقيام من بين الليالی ولا تخصوا يوم الجمعة بصيام من بين الايام الا ان يكون فی صوم يصوم احدكم۔

قال النووی تحت هذه :وفی هذا الحديث النهی الصريح عن تخصيص ليلة الجمعة بصلوة من بين الليالی ويومها بصوم كما تقدم وهذا متفق علی كواهته واحتج به العلماء علی كراهة هذه الصلوة المبتدعة التی تسمی الرغائب قاتل الله واضعها ومخترعها فانه بدعة منكرة من البدع التی هی ضلالة وجهالة وفيها منكرات ظاهرة۔

وفی فتح الباری (۲۷۰/۲): قال ابن المنير فيه ان المندوبات قد تنقلب مكروهات اذا رفعت عن رتبتها لان التيامن مستحب فی كل شیء ای من امور العبادة لكن لما خشی ابن مسعود ان يعتقدوا وجوبه اشار الی كراهته۔

وفی مرقاة المفاتيح (۳۵۳/۲): قال الطيبی وفيه ان من اصر علی امرمندوب وجعله عزما ولم يعمله بالرخصه فقد اصاب منه الشيطان من الاضلال۔

وفی الهداية (۱۲۱/۱): (ويكره ان يوقت بشیء من القرآن لشیء من الصلوات) لما فيه من هجرالباقی وايهام التفضيل۔

وفی فتح القدير (۳۳۷/۱): قال الطخاوی والاسبيجابی هذا اذا راه حتما يكره غيره اما لو قرأ للتيسير عليه او تبركا بقراتهﷺ فلا كراهة لكن بشرط ان يقرأ غيرهما احيانا لئلا يظن

الجاهل ان غيرهما لا يجوز۔

وفی الدرالمختار (۵۴۰/۱):(ومبتدع) ای صاحب بدعة وهی اعتقاد خلاف المعروف عن الرسول صلی اللہ علیہ وسلم۔

وفی الشامية ... ما احدث علی خلاف الحق المتلقی عن رسول صلی اللہ علیہ وسلم من عمل او علم او حال بنوع شبهة واستحسان ،وجعل دينا قويما وصراطا مستقيما۔

(۲۲۴)نماز عید کے بعد مصافحہ کرنا

سؤال

کیافرماتے ہیں علماء کرام ومفتیان عظام اس مسئلہ کے بارے میں کہ کئی علماء کافتوی یہ ہے کہ عیدین کے بعد مصافحہ بدعت ہے۔اس سلسلے میں مندرجہ ذیل باتوں سے متعلق جوابات مطلوب ہیں:

(۱)عام رواج کے مطابق عید کے بعد مصافحہ ومعانقہ پر گرفت کرنے پر لوگ جواب دیتے ہیں کہ یہ عندالملاقات ہے حالانکہ نیت عید کے بعد مصافحے کی ہوتی ہے۔کیاان کا یہ کہنا صحیح ہے؟

(۲)کس حدتک التزام کے بعد یہ بدعت بن جاتا ہے؟

(۳)مصافحہ ومعانقہ کابدعت ہوناعیدگاہ کی حدتک ہے یاعیدگاہ کے باہر بھی بدعت ہے؟

الجواب بعون الملک الوھاب

صورت مسئولہ میں مصافحہ ومعانقہ کرنے میں کوئی قباحت نہیں ہے کیونکہ بوقت ملاقات مصافحہ ومعانقہ مسنون ہے اور عیدین اورنماز پنجگانہ کے بعد علی الدوام یاسنت سمجھ کرنہ ہو یارواج دینا مقصود نہ ہو بلکہ بلانیت یا اتفاقا ہوجائے تو درست ہے اس میں کوئی حرج نہیں۔لہٰذااس معاملے میں زیادہ تشدد نہ ہوناچاہیئے البتہ اگر کوئی سنت سمجھے یاعلی الدوام کرے تومکروہ وبدعت ہے۔

دلائل المسئلة مرت سابقا فی رقم السؤال : ۱۶۹

(۲۲۵)دعابعدالفرائض کاالتزام بدعت ہے؟

سؤال

کیافرماتے ہیں علماء کرام ومفتیان عظام اس مسئلہ کے بارے میں کہ فرائض کے بعد ہمارے ہاں جودعامروج ہے اس کی

شرعی حیثیت کیا ہے؟ اگر کہا جائے کہ مستحب ہے اور عام قاعدہ ہے کہ امر مستحب پر ایسا التزام جیسا فرائض وواجبات کا ہوتا ہے بدعت ہے تو کیا اس التزام کو بدعت نہیں کہا جائے گا؟

الجواب بعون الملک الوھاب

فرائض کے بعد دعا خود حضور صلی اللہ علیہ وسلم سے ثابت ہے اور اسی طرح صحابہ کرام رضوان اللہ علیہم اجمعین سے لہٰذا یہ مسنون ہے اور اس پر التزام بدعت نہیں ہے اور کسی مستحب پر دوام اس وقت بدعت ہوتا ہے جب اس پر التزام کا عقیدہ بھی ہو۔ اگر صرف عملی اعتبار سے دوام ہے اور عقیدہ التزام کا نہ ہو تو بدعت نہیں کہا جاسکتا ہے خاص طور پر جبکہ وہ حکم خود خیر القرون سے ثابت ہو۔

لمافی المشکوۃ (ص۸۸): عن معاذ بن جبل رضی اللہ عنہ قال اخذبیدی رسول اللہ ﷺ فقال انی لاحبك یامعاذ قلت وانا احبك یارسول اللہ قال فلاتدع ان تقول فی دبر کل صلاۃ رب اعنی علی ذکرك وشکرك وحسن عبادتك۔

عن ثوبان رضی اللہ عنہ قال کان رسول اللہ ﷺ اذا انصرف من صلوته استغفرثلثا وقال اللھم انت السلام ومنك السلام تبارکت یاذاالجلال والاکرام۔

وفیه ایضا (ص۷۷): عن الفضل بن عباس رضی اللہ عنہ قال قال رسول اللہ ﷺ الصلوۃ مثنی مثنی تشھد فی کل رکعتین وتخشع وتضرع وتمسکن ثم تقنع یدیك یقول ترفعھما الی ربك مستقبلا ببطونھما وجھك وتقول یارب یارب ومن لم یفعل ذلك فھوکذا کذا وفی روایة فھو خداج۔

وفی المرقاۃ (۲/۲۶۸) تحت ھذہ الروایة: (ثم تقنع یدیك) من اقناع الیدین رفعھما فی الدعاء ......ای اذا فرغت منھا فسلم ثم ارفع یدیك سائلاحاجتك۔

وفی فیض الباری (۲/۳۱۴): باب الذکر بعد الصلوۃ ......تحت ھذا الباب ...واعلم ان الادعیة علی نحوین نحوثبت دبرالصلوۃ قبیل السنة ونحوآخرثبت فی الاوقات المنتشرۃ۔

(۲۲۶) مبتدعین کی مساجد ومدارس پر قبضہ کرنے کی شرعی حیثیت

سؤال

کیا فرماتے ہیں علماء کرام ومفتیان عظام اس مسئلہ کے بارے میں کہ جن مساجد ومدارس میں بدعات کا پرچار ہوتا ہو ایسی مساجد کے متولیوں کو ہٹا کر ان مساجد ومدارس پر قبضہ کرنا جائز ہے یا نہیں؟ اس نیت سے کہ بدعات کو ختم کیا جاسکے؟

الجواب بعون الملک الوهاب

اگر کسی مسجد یا مدرسہ کے متولی یا امام یا کوئی ذمہ دار اہل بدعت (یا فاسق، خائن غرض شریعت کے خلاف کام کرنے والا) ہو اگر ان کو بغیر فساد وانتشار کے معزول کرنا (ہٹانا) ممکن ہو تو ان کو ہٹا کر اہل حق، عالم بالسنة متولی اور امام کو مقرر کرنا واجب ہے البتہ اگر بغیر فتنہ وفساد کے امکان نہ ہو تو ان کو ہٹانے کی کوشش کرنے کے ساتھ ساتھ اللہ تعالیٰ سے نصرت ونجات طلب کرتے رہیں۔

لمافی صحیح البخاری(۱/۱۴): عن ابی ھریرةؓ قال بینما النبی صلی الله علیه وسلم... فاذا ضیعت الامانة فانتظر الساعة فقال کیف اضاعتها قال اذا وسد الامر الی غیر اھله فانتظر الساعة۔

وفی مشکوٰة المصابیح (۱/۳۱): عن حسان قال ما ابتدع قوم بدعة فی دینهم الانزع الله من سنتهم مثلها ثم لا یعیدها الیهم یوم الی یوم القیٰمة۔

وفیه ایضاً: عن ابراهیم بن میسرة قال قال رسول اللهﷺ من وقر صاحب بدعة فقد اعان علی هدم الاسلام

وفی الهامش ای اسلامه او کمال اسلامه او علی هدم اهل اسلام۔

وفی الهندیة (۱/۸۴): تجوز الصلاة خلف صاحب هوی وبدعة... حاصله ان کان هوی لا یکفر به صاحبه تجوز الصلاة خلفه مع الکراهة... ولو صلی خلف مبتدع او فاسق فهو محرز ثواب الجماعة لکن لاینال مثل ما ینال خلف تقی...الخ۔

وفی الدرالمختار(۱/۵۶۰): ویکره امامة... ومبتدع ای صاحب بدعة وهی اعتقاد خلاف المعروف عن الرسولﷺ۔الخ۔

وفی الشامیة (۴/۳۸۰): "وینزع وجوبا" مقتضاه اثم القاضی بترکه والاثم بتولیة الخائن ولا شك فیه ... لو کان المتولی هو الواقف... واستفید منه ان للقاضی عزل المتولی الخائن غیر الواقف بالاولیٰ...

وفی البخاری(۱/۹۶): عن عبید الله ابن عدی بن الخیار انه دخل علی عثمان بن عفان وهو محصور فقال انك امام عامة ونزل بك ماتری ویصلی لنا امام فتنة ونتحرج فقال الصلوة احسن ما یعمل الناس فاذا احسن الناس فاحسن معهم واذا اساؤا فاجتنب اساء تهم۔

وفی اعلاء السنن (۴/۲۳۲): کره الناس الصلوة خلف الذین حصروا عثمان" اهـ ولکن

عثمان رضی اللہ عنہ انما حضهم على الصلاة خلفهم لما علم من عجز القوم عن عزلهم وبذالك تزول الكراهة عمن يقتدى به۔

وفى الشامية (۵۶۰/۱): واما الفاسق فقد عللوا كراهة تقديمه بانه لا يهتم لامر دينه، وبان فى تقديمه للامامة تعظيمه وقدوجب عليهم اهانته شرعاً ولا يخفى انه اذا كان اعلم من غيره لا تزول العلة فانه لا يؤمن ان يصلى بهم بغير طهارة فهو كالمبتدع تكره امامته بكل حال بل مشى فى شرح المنية على ان كراهة تقديمه كراهة تحريم لما ذكرنا قال: ولذا لم تجز الصلاة خلفه اصلا عند مالك ورواية عن احمد فلذا حاول الشارح فى عبارة المصنف وحمل الاستثناء على غير الفاسق۔

(۲۲۷) رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی تاریخ ولادت کی تعیین اور نعت خوانی کی شرعی حیثیت

سوال

کیا فرماتے ہیں علماء کرام ومفتیان عظام اس مسئلہ کے بارے میں کہ حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی تاریخ ولادت ۱۲ ربیع الاول کہیں سے ثابت ہے یا نہیں؟ نیز نعت خوانی کی شرعی حیثیت کیا ہے؟ قرآن وسنت کی روشنی میں جواب عنایت فرمائیں۔

الجواب بعون الملک الوھاب

اہل سیر اور مؤرخین کا اس بارے میں اختلاف رہا ہے کہ آپ علیہ الصلوٰۃ والسلام کی تاریخ پیدائش کیا ہے؟ اس میں آٹھویں ،نویں اور بارہویں ربیع الاول کے اقوال ذکر کئے گئے ہیں۔ البتہ راجح قول آٹھ (۸) ربیع الاول کا ہے۔

نعت خوانی جب شریعت کی حدود میں ہو تو جائز ہے بایں طور کہ اس میں حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی تعریف بیان کی جائے، کفریہ وشرکیہ الفاظ نہ ہوں، کوئی ایسا جملہ نہ ہو جس سے آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی شان میں گستاخی کا شائبہ بھی ہو اور مروجہ زائد رسوم خاص طور پر مرد وزن کے اختلاط سے پاک اور دوسروں کی ایذا رسانی کا باعث نہ ہو تو جائز ہے ورنہ نہیں۔

لقوله تعالى (الشعراء :۲۲۴ الى ۲۲۶): وَالشُّعَرَاءُ يَتَّبِعُهُمُ الْغَاوُونَ ۝ أَلَمْ تَرَ أَنَّهُمْ فِيْ كُلِّ وَادٍ يَّهِيْمُوْنَ ۝ وَأَنَّهُمْ يَقُوْلُوْنَ مَا لَا يَفْعَلُوْنَ ۝ إِلَّا الَّذِيْنَ آمَنُوْا وَعَمِلُوا الصّٰلِحٰتِ وَذَكَرُوا اللّٰهَ كَثِيْرًا وَّانْتَصَرُوْا مِنْ بَعْدِ مَا ظُلِمُوْا وَسَيَعْلَمُ الَّذِيْنَ ظَلَمُوْا أَيَّ مُنْقَلَبٍ يَّنْقَلِبُوْنَ

وفى روح المعانى (۱۴۷/۱۹): ان الشعر باب من الكلام حسنه حسن وقبيحه قبيح وفى الحديث ان من الشعر لحكمة وقد سمع رسول الله ﷺ الشعر واجاز عليه وقال عليه الصلوة والسلام لحسان

رضی الله عنه اهجهم یعنی المشرکین فان روح القدس سیعینك وفی روایة اهجهم وجبرائیل معك۔

وفی المشكوة (صـ۴۰۹): عن عمرو بن الشرید عن ابیه قال ردفت رسول الله ﷺ یوما فقال هل معك من شعر امیة بن الصلت شئ قلت نعم قال هیه فانشدته بیتا فقال هیه ثم انشدته بیتا فقال هیه حتی انشدته مائة بیت۔

وفی السیرة النبویة لابن كثیر (۱/۱۹۸): ولد صلوات الله علیهم وسلامه یوم الاثنین ....ثم الجمهور علی ان ذلك كان فی شهر ربیع الاول فقیل للیلتین خلتا منه قاله ابن عبدالبر فی الاستیعاب ورواه الواقدی عن ابی معشر نجیح بن عبد الرحمن المدنی وقیل لثمان خلون منه حكاه الحمیدی عن ابن حزم ورواه مالك وعقیل ویونس بن یزید وغیرهم عن الزهری عن محمد بن جبیر بن مطعم۔ ونقل ابن عبد البر عن اصحاب التاریخ انهم صححوه وقطع به الحافظ الكبیر محمد بن موسیٰ الخوارزمی ورجحه ابوالخطاب بن دحیة ....وقیل لعشرخلون منه نقله ابن دحیة ....وقیل لثنتی عشرخلت منه نص علیه ابن اسحاق......وهذا هو المشهور عند الجمهور۔ وهكذا فی البدایة والنهایة (۲/۲۴۲)

(۲۲۸) قبر پر قرآن مجید کی تلاوت

سؤال

کیا فرماتے ہیں علماء کرام ومفتیان عظام اس مسئلہ کے بارے میں کہ قبر پر قرآن مجید پڑھ کر میت کو ثواب بخشنا جائز ہے یا نہیں؟

الجواب بعون الملك الوهاب

قبر پر جا کر قرآن مجید پڑھنا اور مُردوں کو ثواب پہنچانا جائز ہے البتہ اجرت لیکر پڑھنا جائز نہیں۔

لمافی الطحطاوی علی المراقی (صـ۵۱۳): ویستحب للزائر قرأة سورة یس ......واخذ من ذلك جواز القرأة علی القبر والمسألة ذات خلاف قال الامام تكره لان اهلها جیفة ولم یصح فیها شئ عنده عنها وقال محمد تستحب لورود الآثار وهوالمذهب المختاركماصرحوا فی كتاب الاستحسان۔

وفی الھندیة (۳۵۰/۵): ان قراءۃ القرآن عند القبور ان نوی بذلك ان یونسه صوت القرآن فانه یقرأ وان لم یقصد ذلك فالله تعالی یسمع قراءۃ القرآن حیث كانت۔

(۲۲۹) کلمہ طیبہ یا کوئی آیت کفن پر روشنائی سے لکھنا

سوال

کیا فرماتے ہیں علماء کرام ومفتیان عظام اس مسئلہ کے بارے میں کہ کفن پر کلمہ طیبہ یا قرآن کریم کی کوئی آیت وغیرہ روشنائی سے لکھنا جائز ہے یا نہیں؟

الجواب بعون الملک الوھاب

کفن میت پر روشنائی سے کلمہ طیبہ یا دوسری آیات وغیرہ لکھنا جائز نہیں کیونکہ یہ بات یقینی ہے کہ کچھ دنوں کے بعد انسانی جسم گلنا سڑنا شروع ہوجاتا ہے لہٰذا کسی کفن پر آیت یا کلمہ لکھنا ایسا ہے جیسا کہ کسی کپڑے پر آیات وغیرہ لکھ کر اسے نجاست میں پھینک دینا۔لہٰذا ہر حال میں اس سے اجتناب ضروری ہے البتہ اگر بغیر روشنائی استعمال کئے صرف انگلی سے میت کی پیشانی یا سینے پر کچھ لکھ دیا جائے یعنی الفاظ نظر نہ آئیں اور صرف انگلی چلائی جائے تو اس کی گنجائش معلوم ہوتی ہے۔

لمافی ردالمحتار (۲۴۶/۲): وفی فتاوی المحقق ابن حجر المكی الشافعی سئل عن كتابة العهد علی الكفن وهولااله الاالله واللهاكبر ......هل یجوز ولذلك اصل فاجاب بقوله :نقل بعضهم عن نوادر الاصول للترمذی مایقتضی ان هذا الدعاء له اصل ، وان الفقیه ابن عجیل كان یأمر به ثم افتی بجوازكتابته قیاسا علی كتابة الله فی ابل الزكاة۔واقره بعضهم،وفیه نظر۔ وقد افتی ابن الصلاح بانه لایجوز ان یكتب علی الكفن یٰس والكهف ونحوهما خوفامن صدید المیت والقیاس المذكور ممنوع لان القصد ثم التمییز وهنا التبرك ، فالاسماء المعظمة باقیة علی حالها فلایجوز تعریضها للنجاسة۔والقول بانه یطلب فعله مردود ، لان مثل ذلك لایحتج به الااذا صح عن النبیﷺ طلب ذلك ولیس كذلك اهـ ......نقل بعض المحشین عن فوائد الشرجی ان مما یكتب علی جبهة المیت بغیر مداد بالاصبع المسبحة بسم الله الرحمن الرحیم وعلی الصدر لااله الا الله محمد رسول الله وذلك بعد الغسل قبل التكفین۔

(۲۳۰) قبروں پر چادریں چڑھانا

سؤال

کیافرماتے ہیں علماء کرام ومفتیان عظام اس مسئلہ کے بارے میں کہ قبروں پرایسی چادریں چڑھانا جن پر سورۃ اخلاص یاکوئی اورسورت لکھی ہوئی ہوجائز ہے یانہیں؟ جبکہ آج کل یہ فعل مزارات پر کثرت سے ہوتا ہے۔

الجواب بعون الملک الوھاب

قبروں پر چادریں چڑھانا جائزنہیں خاص طور پر جبکہ ان پرقرآنی آیات بھی لکھی ہوں کیونکہ آیات وغیرہ کی بے ادبی کا خطرہ ہے لہٰذا اس صورت میں اس کی قباحت اورزیادہ بڑھ جائے گی چاہے وہ عام قبریں ہوں یا بزرگوں کے مزارات ہوں۔

لمافی ردالمحتار (۲/۲۳۸): فی الاحکام عن الحجة : تکرہ الستور علی القبور۔

وفیه ایضا (۶/۳۶۳): کرہ بعض الفقھاء وضع الستور والعمائم والثیاب علی قبور الصالحین والاولیاء قال فی فتاوی الحجة وتکرہ الستور علی القبور۔

(۲۳۱) تعزیت کا طریقہ اورمیت کے لئے دعا

سؤال

کیافرماتے ہیں علماءکرام ومفتیان عظام اس مسئلہ کے بارے میں کہ بعض علاقوں میں یہ رواج ہے کہ جب باہر کے لوگ کسی کی تعزیت کے لئے جاتے ہیں تو جاتے ہی ایک اجتماعی دعابرائے مغفرت کی جاتی ہے اورآخر میں رخصت ہونے کے لئے اٹھتے ہیں تو پھر ایک دفعہ اجتماعی دعا کرتے ہیں۔اب پوچھنا یہ ہے کہ آیا اس طرح کرنے میں کوئی قباحت ہے یانہیں؟ نیز حضور صلی اللہ علیہ وسلم سے تعزیت کے لئے کون سے الفاظ منقول ہیں؟

الجواب بعون الملک الوھاب

میت کے ورثاء کے پاس تعزیت کے لئے جانا صحیح ہے اورمیت کے لئے دعائے مغفرت کرنا بھی جائز ہے چاہے اجتماعی ہو یا انفرادی۔البتہ اس کا التزام واہتمام درست نہیں کہ ہرشخص آتے وقت ایک دفعہ دعا کرے اورجاتے وقت دوبارہ دعا کرے۔

اورحضور صلی اللہ علیہ وسلم سے تعزیت کے جوالفاظ منقول ہیں وہ یہ ہیں: اعظم اللہ اجرك واحسن عزاءك وغفر لمیتك۔

اس کے علاوہ دوسرے مواقع پر دوسرے الفاظ بھی منقول ہیں۔

دلائل المسئلة مرت سابقا فی رقم السؤال : ۲۰۱

(۲۳۲) سنتوں کے بعد والی دعا کو استسقاء پر قیاس کرنا

سؤال

کیا فرماتے ہیں علماء کرام ومفتیان عظام اس مسئلہ کے بارے میں کہ ہمارے علاقے میں سنتوں کے بعد تین دفعہ ہاتھ اٹھا کر دعا کی جاتی ہے۔اور دلیل یہ پیش کی جاتی ہے کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے جب بارش کے لئے دعا فرمائی تو تین دفعہ دعا فرمائی تھی۔کیا یہ دلیل بیان کرنا صحیح ہے؟ نیز کیا سنتوں کے بعد دعا کا ثبوت ہے یا نہیں؟

الجواب بعون الملک الوهاب

سنتوں کے بعد اجتماعی طور پر تین دفعہ دعا کرنا تو درکنار ایک دفعہ بھی اس طرح کرنا ثابت نہیں ہے اور قائلین دعا کا یہ کہنا کہ بارش کے لئے آپ نے نماز استسقاء کے بعد تین دفعہ دعا فرمائی یہ روایت بھی کتب احادیث میں تتبع کے بعد نہیں ملی۔لہٰذا اس طرح دعا کا التزام بدعت ہے جس سے اجتناب ضروری ہے۔

اگر تسلیم کرلیا جائے کہ کسی موقع پر آپ سے تین دفعہ دعا کرنا ثابت ہے تو اس پر سنتوں کے بعد دعا کو قیاس کرنا صحیح نہیں ہے کیونکہ قیاس وہاں کیا جاتا ہے جہاں کسی عمل کی صراحت موجود نہ ہو اور سنتوں کے لئے آپ کا معمول ثابت ہے کہ گھر جا کر ادا فرماتے اور کبھی بھی آپ نے اجتماعی طور پر سنتوں کے بعد دعا نہیں فرمائی۔

لما فی المشکوٰة (ص۲۷): عن عائشة رضی الله عنها قالت : قال رسول الله صلی الله علیه وسلم : " من أحدث في أمرنا هذا ما ليس منه فهو رد "۔

وفی الترغیب والترهیب (۱/۱۷۱): عن زید بن ثابت رضی الله عنه ان النبی ﷺ قال صلوا ایها الناس فی بیوتکم فان افضل صلاة المرء فی بیته الا الصلوٰة المکتوبة۔

وفی معارف السنن (۳/۱۲۶): ان ماراج فی کثیر من بلاد الهند الجنوبیة الدعاء بکیفیة مخصوصة بعد الرواتب۔یستقبل الامام المقتدین ویدعون رافعی ایدیهم ......ففی مثل هذا یقال انه بدعة تضمنت بدعات کثیرة لا اریٰ لمثل هذا وجهه من السنة۔

وفی اعلاء السنن (۳/۲۰۵): ورحم الله طائفة من المبتدعة فی بعض اقطار الهند حیث واظبوا علی ان الامام ......ثم اذا فرغوا من فعل السنن والنوافل یدعوا الامام عقب الفاتحة جهرا بدعاء مرة ثانیة والمقتدون یؤمنون علی ذلك وقد جری العمل منهم بذلك علی سبیل

الالتزام والدوام ...... وايم الله ان هذا امر محدث فی الدين۔

(۲۳۳) کیا محفل قرأت ونعت کا اہتمام بدعت ہے؟

سؤال

کیا فرماتے ہیں علماء کرام ومفتیان عظام اس مسئلہ کے بارے میں کہ محافل قرأت اور نعت کا انعقاد کرنا کیسا ہے؟ کیا خیر القرون سے اس طرح انعقاد کا ثبوت ملتا ہے؟ اگر ثبوت نہ ملے تو یہ بھی بدعت کے زمرے میں داخل ہوئیں۔ تسلی بخش جواب عنایت فرمائیں۔

الجواب بعون الملک الوهاب

اگر محفل قرأت منعقد کرانے سے نیت یہ ہو کہ لوگوں میں قرأت کا شوق پیدا ہو اور نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی محبت میں نعت پڑھی جارہی ہو تو ایسی محافل کا انعقاد نہ صرف جائز بلکہ مستحسن ہے۔

نیز ہمارے لیے شریعت کا حکم یہ ہے کہ مسلمان سے حسن ظن رکھیں خواہ مخواہ بدگمانی جائز نہیں لہٰذا جو لوگ ان مجالس کا اہتمام کرواتے ہیں ان کا مقصود یہی ہوگا۔

دلائل المسئلة مرت سابقافی رقم السؤال:۲۲۷

(۲۳۴) تین دن تک امام ومقتدیوں کا قبرستان جانا

سؤال

کیا فرماتے ہیں علماء کرام ومفتیان عظام اس مسئلہ کے بارے میں کہ ہمارے علاقے میں یہ رواج ہے کہ جب کسی شخص کا انتقال ہو جاتا ہے تو امام صاحب اور مقتدی حضرات تین دن تک صبح نماز کے بعد قبرستان جاتے ہیں وہاں قرآن مجید کی تلاوت کرتے ہیں یہ جانا امام ومقتدیوں کے لئے ضروری سمجھا جاتا ہے اگر کوئی نہ جائے تو اسے برا سمجھا جاتا ہے۔ کیا شریعت کی رو سے ایسا کرنا جائز ہے؟

الجواب بعون الملک الوهاب

صورت مسئولہ میں آپ کے ہاں مروجہ طریقہ شریعت کی تعلیمات کے منافی اور ناجائز ہے کیونکہ قبرستان جانا اور میت کے لئے ایصال ثواب کرنا مستحب ہے اور مستحب میں اپنی طرف سے اوقات کی تعیین یا التزام اس کو بدعت میں داخل کردیتا ہے لہٰذا آپ کے

علاقے کا مروجہ عمل قابل ترک واجتناب ہے۔

لما فی المشکوة (ص۲۷): عن عائشة رضی الله عنها قالت : قال رسول الله صلی الله علیه وسلم : " من أحدث في أمرنا هذا ما ليس منه فهو رد "۔

(۲۳۵) گیارہویں اور شب برأت کا کھانا

سؤال

کیا فرماتے ہیں علماء کرام ومفتیان عظام اس مسئلہ کے بارے میں کہ بعض علاقوں میں گیارہویں کے موقع پر کھانا پکایا جاتا ہے اسی طرح شب برأت میں کھانا پکایا جاتا ہے اور پڑوس میں تقسیم کیا جاتا ہے۔کیا اس کھانے کو خود کھا سکتے ہیں یا کسی غریب یا فقیر کو دے دیا جائے؟

الجواب بعون الملک الوھاب

صورت مسئولہ میں یہ کھانا اگر غیر اللہ کے نام پر نہ ہو اور حلال مال سے پکایا گیا ہو تو فی نفسہ اس میں کوئی کراہت نہیں ہے البتہ دن کی تعیین کی وجہ سے اس میں کراہت آ گئی ہے لہٰذا ایسے کھانے سے احتراز بہتر ہے۔

لقوله تعالى (المائد :۳): حُرِّمَتْ عَلَيْكُمُ الْمَيْتَةُ وَالدَّمُ وَلَحْمُ الْخِنْزِيرِ وَمَا أُهِلَّ لِغَيْرِ اللهِ بِهِ

وفی الجامع للترمذی (۲۲۹/۱): عن النعمان بن بشیر رضی الله عنه قال سمعت رسول الله ﷺ یقول الحلال بین والحرام بین وبین ذلك امور مشتبهات لایدری کثیر من الناس أمن الحلال هی أم من الحرام فمن ترکها استبرأ لدینه وعرضه فقد سلم ومن واقع شیئا منها یوشك ان یواقع الحرام کما انه من یرعیٰ حول الحمیٰ یوشك ان یواقعه الاوان لکل ملك حمی الاوان حمی الله محارمه۔

(۲۳۶) مصیبت کے وقت کالا بکرا ذبح کرنا

سؤال

کیا فرماتے ہیں علماء کرام ومفتیان عظام اس مسئلہ کے بارے میں کہ اگر کوئی شخص یہ اعتقاد رکھے کہ جب بھی کوئی بیماری آجائے یا اس کے علاوہ کوئی مصیبت آجائے تو کالا بکرا ذبح کرنے سے یہ مصیبت یا بیماری ٹل جاتی ہے۔کیا ایسا عقیدہ رکھنا درست ہے؟

کیا بیماری کے وقت بکرا ہی ذبح کرنا چاہیئے اور بکرے کے رنگ کی بھی کوئی خصوصیت ہے یا نہیں؟

الجواب بعون الملک الوھاب

اگر کوئی بیماری یا مصیبت آجائے تو اسے اللہ تعالی ہی دور کرنے والے ہیں اور صدقہ کرنے کا مقصد اللہ تعالی کی رضا حاصل کرنا ہے کہ اللہ تعالی اس صدقے کی برکت سے اس مصیبت یا بیماری کو دور کردیں لیکن اس میں بکرے کی تخصیص کرنا یا کالے بکرے کی تخصیص کرنا صحیح نہیں ہے بلکہ جس قدر ہو سکے اور جیسے ہو سکے اپنی استطاعت کے مطابق صدقہ کرنا چاہیئے اس لئے کہ روایات سے صرف یہی بات ثابت ہے کہ ''صدقات مصیبتوں اور بلاؤں کو دفع کرتے ہیں''۔ اب اس میں اپنی طرف سے اس قسم کی تخصیص کرنا جس کی شریعت میں کوئی اصل نہیں ہے خود اپنے آپ کو تنگی میں مبتلا کرنے کے سوا کچھ نہیں ہے۔

لمافی المشکوۃ (ص۱۶۴): عن أسماء رضی اللہ عنھا قالت قال رسول اللہ ﷺ انفقی ولاتحصی فیحصی اللہ علیك ولاتوعی فیوعی اللہ علیك ارضحی مااستطعت۔

وفیه ایضا (ص۱۶۸): عن انس رضی اللہ عنہ قال قال رسول اللہ ﷺ ان الصدقة لتطفئ غضب الرب وتدفع میتة السوء۔

(۲۳۷) اجتماعی قرآن خوانی کی شرعی حیثیت

سؤال

کیا فرماتے ہیں علماء کرام و مفتیان عظام اس مسئلہ کے بارے میں کہ اجتماعی قرآن خوانی ثابت ہے یا نہیں؟ اگر ثابت اور جائز ہو تو اس پر اجرت لینا جائز ہے یا نہیں؟ اور اگر قرآن خوانی گھر میں برکت کے لئے کی جائے تو اس وقت اجرت لینے کا کیا حکم ہے؟ تفصیل سے جواب عنایت فرمائیں۔

الجواب بعون الملک الوھاب

اہل ایمان کے حق میں قرآن کریم سراپا رحمت و برکت ہے۔ اسلاف امت کی سوانح دیکھنے سے بخوبی اندازہ ہوتا ہے کہ وہ حضرات تلاوت قرآن کریم کو اپنے لئے حرز جان بنا کر دنیا سے رخصت ہوئے مگر یہ بھی مسلم ہے کہ شریعت کے ہر عمل کا ایک دائرہ کار ہوتا ہے۔ اس دائرے اور حد شرعی سے تجاوز اس عمل مشروع میں بگاڑ پیدا کر دیتا ہے بلکہ بسا اوقات افراط کا یہ عمل اس حد تک پہنچ جاتا ہے کہ وہ کام بجائے عمل مشروع رہنے کے شریعت کے بالکل متصادم ایک بدعت کی صورت اختیار کر لیتا ہے۔

اس اعتبار سے صورت مسئولہ میں حق بات یہ ہے کہ تداعی، التزام، پر تکلف دعوت، اختلاط مرد و زن اور مروجہ دوسرے مفاسد سے بچتے ہوئے صرف اپنے اہل و احباب تک محدود رکھتے ہوئے اجتماعی صورت میں بھی قرآن خوانی کی گنجائش ہے البتہ مروجہ رسمی قرآن

خوانی کا شریعت میں کوئی ثبوت نہیں بلکہ یہ بہت سارے مفاسد سے مرکب بدعت ہے جس سے احتراز ضروری ہے۔ نیز قرأۃ قرآن پر کسی بھی صورت میں اجرت لینا ناجائز ہے۔

لمافی مسند احمد بن حنبل (۴۴۶/۳): عن عبدالرحمن بن شبل قال قال رسول الله ﷺ اقرؤا القرآن ولاتأکلوا به الی آخر الحدیث۔

وفی البزازیة علی هامش الهندیة (۸۱/۴): واتخاذ الدعوة بقرأة القرآن وجمع الصلحاء والقراء للختم اولقرأة سورة الانعام اوالاخلاص فالحاصل ان اتخاذ الطعام عند قرأة القرآن لاجل الاکل یکره۔

وفی ردالمحتار (۵۶/۶): فالحاصل ان ماشاء فی زماننا قرأة الاجزاء بالاجرة لایجوز لان فیه الامر بالقرأة واعطاء الثواب للآمر والقرأة لأجل المال فاذا لم یکن للقارئ ثواب لعدم النیة الصحیحة فاین یصل الثواب الی المستاجر۔

(۲۳۸) چالیس روز تک قبرستان جانا

سؤال

کیافرماتے ہیں علماء کرام ومفتیان عظام اس مسئلہ کے بارے میں کہ ہمارے ہاں جب کوئی مرجاتا ہے تو اس کے قریبی عزیزوں میں سے کوئی نہ کوئی چالیس روز تک قبر پر جاکر تلاوت کرتا ہے۔ کیا ایسا کرنا جائز ہے؟

الجواب بعون الملک الوھاب

میت کے ایصال ثواب کے لئے گھر میں یا قبر پر تلاوت کرنے سے میت کو ثواب پہنچتا ہے اور قبر کی تنگی وغیرہ سے راحت ملتی ہے لیکن اس جائز کام یعنی تلاوت کے لئے اپنی طرف سے تعیین یا تخصیص جائز نہیں ہے کہ چالیس روز تک ہی جانے کو لازم سمجھے یا ہر جمعرات کو جانا لازم سمجھے۔ اگر اس طرح کا التزام پایا گیا تو یہ بدعت کے زمرے میں آئے گا البتہ بلاتعیین وتخصیص تلاوت جائز اور موجب ثواب ہے۔

لمافی الهندیة (۱۶۶/۱): قرأة القرآن عند القبور عند محمد رحمه الله تعالی لاتکره ومشایخنا اخذوا بقوله وهل ینتفع المختار انه ینتفع۔

وفی ردالمحتار (۵۷/۶): ولوزارقبرصدیق اوقریب له وقرأ عنده شیئا من القرآن فهوحسن۔

باب الانبیاء

(انبیاء کرام علیہم الصلوۃ والسلام سے متعلق سوالات)

(۲۳۹) کیا حضرت آدم علیہ السلام کی توبہ حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے واسطہ سے قبول ہوئی؟

سؤال

کیا فرماتے ہیں علماء کرام ومفتیان عظام اس مسئلہ کے بارے میں کہ عام طور پر خطباء وغیرہ یہ بیان کرتے ہیں کہ حضرت آدم علیہ الصلوۃ والسلام کی توبہ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے واسطے سے قبول ہوئی۔ اب سوال یہ ہے کہ یہ روایت صحیح ہے یا نہیں؟

الجواب بعون الملک الوھاب

کتب تفسیر میں اصحاب تفسیر نے اس روایت کو بیان کیا ہے کہ حضرت آدم علیہ الصلوۃ والسلام کی دعا حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے واسطے سے قبول ہوئی۔

لما فی روح المعانی (۲۳۷/۱): فتلقی آدم من ربه کلمات . . . وعن ابن مسعود رضی اللہ عنہ انها: سبحانك اللهم وبحمدك وتبارك اسمك . . . وقیل: رأیٰ مکتوبا علی ساق العرش محمد رسول الله فتشفع به۔

وفی روح البیان (۱۱۳/۱): وعن النبی ﷺ ان آدم قال بحق محمد ان تغفرلی قال وکیف عرفت محمدا قال لماخلقتنی ونفخت فی الروح فتحت عینی فرأیت علی ساق العرش لااله الاالله محمد رسول الله فعلمت انه اکرم الخلق علیك حتی قرنت اسمه باسمك فقال نعم وغفرله بشفاعته۔

(۲۴۰) حضرت آدم علیہ الصلوۃ والسلام کا دنیا میں بھیجنا خلافت کے طور پر تھا؟

سؤال

کیا فرماتے ہیں علماء کرام ومفتیان عظام اس مسئلہ کے بارے میں کہ حضرت آدم علیہ الصلوۃ والسلام کو دنیا میں سزا کے طور پر بھیجا گیا

تھا یا خلافت کے طور پر؟ آپ کی توبہ زمین پر نازل ہونے سے پہلے تام ہو چکی تھی یا اترنے کے بعد تام ہوئی؟ قرآن واحادیث کی روشنی میں جواب مرحمت فرمائیں۔

الجواب بعون الملک الوھاب

حضرت آدم علیہ الصلوٰۃ والسلام کا دنیا میں تشریف لانا خلافت کے طور پر تھا کیونکہ اللہ تعالی نے ان کی پیدائش سے پہلے فرمایا کہ "وَإِذْ قَالَ رَبُّكَ لِلْمَلَائِكَةِ إِنِّي جَاعِلٌ فِي الْأَرْضِ خَلِيفَةً" الآية (البقرة:۳۰)

اور حضرت آدم علیہ الصلوٰۃ والسلام کی توبہ زمین پر اترنے سے پہلے تام ہو چکی تھی زمین پر اترنا رب تعالی کی مشیت کے طور پر تھا جو پہلے سے طے تھا۔

لما فی احکام القران للقرطبی (۳۲۱/۱): لم یکن اخراج الله تعالی اٰدم من الجنة واهباطه منها عقوبة له لانه اهبطه بعد ان تاب علیه وقبل توبته ،وانما اهبطه اما تادیباً واما تغلیظاً للمحنة والصحیح فی اهباطه وسکناه فی الارض ماقد ظهر من الحکمة الازلیة فی ذلك...

وفی البحرالمحیط (۲۶۴/۱): وامره بالهبوط الی الارض بعد ان تاب علیه...

وفی التفسیر المنیر (۱۴۶/۱): ...فعاتب الله اٰدم علی مخالفة امره والاکل من الشجرة فندم واستغفر الله وتاب فقبل توبته ولکنه امره وحواء بالخروج من الجنة والاستقرار فی الارض...

(۲۴۱) حضرت ابراہیم علیہ السلام کے بارے میں من گھڑت قصہ

سؤال

کیا فرماتے ہیں علماء کرام ومفتیان عظام اس مسئلہ کے بارے میں کہ عام طور پر ہمارے ہاں مشہور ہے کہ حضرت ابراہیم علیہ الصلوٰۃ والسلام کی دو بیویاں تھیں ایک بیوی نے ایک دن حضرت ابراہیم علیہ الصلوٰۃ والسلام کو قسم دی کہ اگر آپ اپنے بیٹے کو محبت سے دیکھیں تو دوسری بیوی اور اس کے بیٹے کا گوشت کہیں سے کاٹیں۔ چنانچہ حضرت ابراہیم علیہ الصلوٰۃ والسلام نے اس قسم کو پورا کرنے کے لئے حضرت ہاجرہ کے ناک اور کان چھیدے اور حضرت اسماعیل علیہ الصلوٰۃ والسلام کا ختنہ کرایا۔ کیا یہ قصہ صحیح ہے؟ اگر صحیح ہے تو کس حد تک صحیح ہے؟

الجواب بعون الملک الوھاب

صورت مسئولہ میں مذکورہ واقعہ کا کہیں سے ثبوت نہیں ملا البتہ یہ ملتا ہے کہ حضرت ابراہیم علیہ الصلوٰۃ والسلام نے اپنا ختنہ خود کیا تھا جس کے بعد سے ختنہ مسنون ومشروع ہو گیا۔ اور ناک وکان چھدوانا عورتوں میں بطور زینت کے رائج ہے، قسم پوری کرنے کا اس سے کوئی تعلق نہیں ہے۔

لمافی احکام القرآن للقرطبی (۹۸/۲): اجمع العلماء علی ان ابراهیم علیه السلام اول من اختتن واختلف فی السن التی اختتن فیها ففی الموطا عن ابی هریرة موقوفا وهو ابن مائة وعشرین سنة وعاش بعد ذلك ثمانین سنة ومثل هذا لایکون رأیا۔

وفی روح البیان (۲۲۲/۱): واماالختان ...... جمهور العلماء علی ان ذلك من مؤکدات السنن ومن فطرة الاسلام التی لایسع ترکها فی الرجال الاان یولد الصبی مختونا وقد ولد الانبیاء کلهم مختونین مسرورین ......کرامة لهم الاابراهیم خلیل الله فانه ختن نفسه۔

(۲۴۲) حضرت اسماعیل علیہ الصلوٰۃ والسلام کی والدہ کون تھیں؟

سؤال

کیا فرماتے ہیں علماء کرام ومفتیان عظام اس مسئلہ کے بارے میں کہ حضرت اسماعیل علیہ الصلوٰۃ والسلام حضرت ہاجرہ کے بیٹے تھے ؟اور حضرت ہاجرہ شہزادی تھیں یا باندی؟ عام طور پر کہا جاتا ہے کہ حضرت ہاجرہ باندی تھیں اس سے یہ شبہ ہوتا ہے کہ حضرت اسماعیل علیہ الصلوٰۃ والسلام ایک باندی کے بطن سے پیدا ہوئے کیا یوں کہنا انبیاء کے حق میں ان کی تعظیم کے منافی نہیں ہے؟ جیسا کہ باندی کا بچہ کہنا خلاف مروت بلکہ انتہائی معیوب سمجھا جاتا ہے، امید ہے کہ اس سلسلے میں آپ تسلی بخش جواب عنایت فرمائیں گے۔

الجواب بعون الملک الوھاب

صورت مسئولہ میں حضرت اسماعیل علیہ الصلوٰۃ والسلام کی والدہ حضرت ہاجرہ ہی تھیں جو ایک ظالم بادشاہ کی باندی تھیں، اس نے حضرت سارہ کو ہدیہ کے طور پر دیا اور حضرت سارہ نے حضرت ابراہیم علیہ الصلوٰۃ والسلام کو ہدیہ کردیا، انہی کے بطن سے حضرت اسماعیل علیہ الصلوٰۃ والسلام پیدا ہوئے۔ البتہ حضرت اسماعیل علیہ الصلوٰۃ والسلام کا حضرت ہاجرہ کے بطن سے پیدا ہونے میں کوئی مضائقہ نہیں کیونکہ اللہ تعالیٰ نے عظمت وعزت کا معیار تقویٰ اور اخلاص کو بنایا ہے، جس بندے کے دل میں جس قدر اللہ تعالیٰ کا خوف ہوگا وہ اسی قدر زیادہ عظمت وعزت والا ہوگا اور یہ بات طے شدہ ہے کہ اپنے زمانے کے اعتبار سے انبیاء سے بڑھ کر کوئی متقی نہیں ہوسکتا لہٰذا انبیاء ہی سب سے عظیم اور شرافت والے ہونگے، حاصل یہ کہ یہ کوئی منافی عظمت بات نہیں ہے۔

لما فی القرآن الکریم (الحجرات:۱۳): یٰٓاَیُّهاالنَّاسُ اِنَّا خَلَقْنٰکُمْ مِّنْ ذَکَرٍ وَّاُنْثٰی وَجَعَلْنٰکُمْ شُعُوْباً وَّقَبَآئِلَ لِتَعَارَفُوْا اِنَّ اَکْرَمَکُمْ عِنْدَاللهِ اَتْقٰکُمْ۔

وفی البدایة والنهایة (۱۴۴/۱): قالت سارة لابراهیم علیه السلام ان الرب قد احرمنی الولد فادخل علی امتی هذه لعل اللهیرزقنی منها ولدا فلما وهبتها له دخل بها ابراهیم علیه السلام

فحين دخل بها حملت منه۔

وفی المنتظم (۱/۱۵۴): قال ابن اسحاق وکانت هاجر جارية ذات هيئة فوهبتها سارة لابراهيم وقالت انی اراها وضيئة فخذها لعل الله ان يرزقك منها ولدا وکانت سارة قد منعت الولد فوقع عليها فولدت له اسماعيل۔

(۲۴۳) حضرت ایوب علیہ السلام کی آزمائش کی ایک صورت

سؤال

کیا فرماتے ہیں علماء کرام ومفتیان عظام اس مسئلہ کے بارے میں کہ جب حضرت ایوب علیہ الصلوٰۃ والسلام بیمار ہوئے تھے تو بعض لوگوں سے سنا ہے کہ ان کو اس حد تک خارش ہوگئی تھی کہ جسم مبارک میں کیڑے پیدا ہو گئے اور جسم کا گوشت گلنا شروع ہو گیا تھا۔ کیا یہ بات صحیح ہے اور کتب معتبرہ سے ثابت ہے؟

الجواب بعون الملک الوھاب

صورت مسئولہ میں انبیاء پر اللہ تعالیٰ کی طرف سے آزمائش کے طور پر مختلف حالات آتے رہتے ہیں البتہ کوئی حالت ایسی نہیں ہوتی کہ جس کی وجہ سے لوگ انبیاء سے متنفر ہو جائیں۔ حضرت ایوب علیہ الصلوٰۃ والسلام کی آزمائش بھی مال اور اولاد کے ختم کرنے اور کسی درجے میں بیماری کے ساتھ ہوئی۔ اس کے علاوہ طرح طرح کی بیماریاں آپ کی طرف منسوب کرنا صحیح نہیں ہے بلکہ انبیاء کی شان میں گستاخی ہے جس سے اجتناب واجب ہے۔

لما فی روح المعانی (۲۳/۲۰۶): قال العلامة الآلوسی بعد ذکر اقوال عديدة ...... وکل هذه الاقوال عندی متضمنة مالايليق بمنصب الانبياء عليهم السلام۔ وذهب جمع الی ان النصب والعذاب ليسا ماکان له من المرض والالم اوالمرض وذهاب الاهل والمال بل امران عرضاله وهو مريض فاقد الاهل والمال۔

وفی احکام القرآن للقرطبی (۱۵/۲۱۰): قال القرطبی بعد ذکر اقوال کثيرة متعلقة بمرض ايوب علیہ السلام .... قال ابن العربي القاضی ابوبکر رضي الله عنه۔ ولم يصح عن ايوب فی امره الا ما اخبرنا الله عنه فی کتابه آيتين :الاولی قوله تعالی وايوب اذنادی ربه انی مسنی الضر والثانية فی ص انی مسنی الشيطن بنصب وعذاب۔ واما النبی ﷺ فلم يصح عنه انه ذکره بحرف واحد الا قوله :بينا ايوب يغتسل اذخرّعليه رجل من جراد ذهب الحديث۔ واذلم يصح عنه فيه قرآن

ولاسنة الاماذكرنا فمن الذى يوصل السامع الى ايوب خبره ، ام على اى لسان سمعه ؟والاسرائيليات مرفوضة عندالعلماء على البتات۔فاعرض عن سطورها بصرك،واصمم عن سماعها اذنيك ، فانها لاتعطى فكرك الاخيالا،ولاتزيد فؤادك الاخبالا۔

(۲۴۴) حضرت خضر، الیاس اور یونس علیہم السلام

سؤال

کیافرماتے ہیں علماء کرام ومفتیان عظام اس مسئلہ کے بارے میں کہ حضرت خضر علیہ الصلوۃ والسلام نبی تھے یا ولی؟انہیں انسانوں سے پیدا کیا گیا یا فرشتوں سے؟اگر زندہ ہیں تو ان کے ٹھہرنے کی جگہ کہاں ہے؟اسی طرح حضرت یونس علیہ الصلوۃ والسلام اور حضرت الیاس علیہ الصلوۃ والسلام کے بارے میں بھی کچھ تحریر فرمائیں۔

الجواب بعون الملک الوھاب

حضرت خضر علیہ الصلوۃ والسلام راجح قول کے مطابق نبی تھے اور انہیں انسانوں میں سے ہی پیدا کیا گیا۔محققین محدثین اور اکثر مفسرین کے نزدیک ان کا انتقال ہوگیا ہے جبکہ صوفیاء کے نزدیک وہ زندہ ہیں۔

حضرت الیاس علیہ الصلوۃ والسلام اللہ تعالی کے نبی تھے جنہیں بعلبک نامی بستی کی طرف مبعوث کیا گیا۔اہل شہر بعل نامی بت کی پوجا کرتے تھے۔آپ نے انہیں ایک اللہ کی طرف بلایا تو قوم ان کی مخالفت پر اتر آئی اور بادشاہ وقت نے آپ کے قتل کا حکم دے دیا۔آپ آبادی سے نکل کر ایک غار میں چلے گئے ،بعد میں اس بادشاہ کا انتقال ہوگیا۔آپ دس سال کے بعد تشریف لائے ،دوسرے بادشاہ کو دعوت دی تو وہ اور قوم مسلمان ہوگئی۔

اور حضرت یونس علیہ الصلوۃ والسلام بھی اللہ تعالی کے نبی تھے جنہیں موصل کی بستی نینویٰ کی طرف بھیجا گیا آپ نے ان کو اللہ تعالی کی طرف دعوت دی لیکن یہ لوگ اپنے کفر پر ڈٹے رہے۔آپ ان سے عذاب الہی کا وعدہ کر کے تشریف لے گئے ،بعد میں جب قوم پر عذاب کی علامات ظاہر ہونے لگیں تو انہوں نے اللہ تعالی کی بارگاہ میں سچی توبہ کی ،اللہ تعالی نے ان کی توبہ کو قبول کرلیا۔

لمافى احكام القرآن للقرطبى (۱۶/۱۱): تحت آية فوجدا عبدا من عبادنا الآية ......والخضر نبى عند الجمهور وقيل هو عبدصالح غير نبى والآية تشهد بنبوته لان بواطن افعاله لاتكون الابوحى وايضا فان الانسان لايتعلم ولايتبع الامن فوقه وليس يجوز ان يكون فوق النبى ليس بنبى۔وقيل كان ملكا امر الله......والاول صحيح۔

وفى تفسير ابن كثير (۹۴/۳): وذكر ابن قتيبة فى المعارف ان اسم الخضربليا بن ملكان ......

قالوا :وكان يكنى اباالعباس ويلقب بالخضر وكان من ابناء الملوك ذكره النووی فی تهذيب الاسماء وحكى هو وغيره فی كونه باقيا الى الآن ثم الى يوم القيمة قولين ومال هو وابن الصلاح الى بقائه وذكروا فی ذلك حكايات وآثارا عن السلف وغيرهم وجاء ذكره فی بعض الروايات ولايصح شئ من ذلك واشهرها حديث التعزية واسناده ضعيف ورجح آخرون من المحدثين وغيرهم خلاف ذلك واحتجوا بقوله تعالى وماجعلنا لبشر من قبلك الخلد وبقول النبی ﷺ يوم بدر اللهم ان تهلك هذه العصابة لاتعبد فی الارض وبانه لم ينقل انه جاء رسول الله ﷺ ولاحضر عنده ولاقاتل معه ولوكان حيا لكان من اتباع النبی ﷺ واصحابه لانه عليه السلام كان مبعوثا الى جميع الثقلين۔

وفی البداية والنهاية (۲۱۷/۱): قال اهل التفسير بعث اللهيونس عليه السلام الى اهل نينوىٰ من ارض الموصل فدعاهم الى الله عزوجل فكذبوه وتمردوا على كفرهم وعنادهم فلماطال ذلك عليه من امرهم خرج من بين اظهرهم ووعدهم حلول العذاب بهم بعد ثلاث ......قال ابن مسعود ومجاهد وسعيد بن جبير وقتادة وغير واحد من السلف والخلف فلماخرج من بين ظهرانيهم وتحققوا نزول العذاب بهم قذف الله فی قلوبهم التوبة والانابة وندموا على ماكان منهم الى نبيهم۔

وفيه ايضا (۳۱۳/۱):الياس بن العاذر بن العيزار بن هارون بن عمران قالوا وكان ارساله الى اهل بعلبك غربی دمشق فدعاهم الى الله عزوجل ان يتركوا عبادة صنم لهم كانوا يسمونه بعلا وقيل كانت امرأة اسمها بعل والاول اصح ......فكذبوه وخالفوه وارادوا قتله فيقال انه هرب منهم واختفى عنهم ......عن كعب الاحبار انه قال ان الياس اختفى من ملك قومه فی الغار الذی تحت الدم عشر سنين حتى اهلك الله الملك وولی غيره فاتاه الياس فعرض عليه الاسلام فاسلم واسلم من قومه خلق عظيم غير عشرة آلاف منهم فامر بهم فقتلوا عن آخرهم۔

(۲۴۵) کیا حضرت یوسف علیہ السلام کا خوبصورت ہونا ثابت ہے؟

سؤال

کیافرماتے ہیں علماءکرام ومفتیان عظام اس مسئلہ کے بارے میں کہ ایک مولوی صاحب درس دے رہے تھے۔دوران درس

انہوں نے کہا کہ کہیں قرآن وحدیث سے یہ ثابت نہیں ہوتا کہ حضرت یوسف علیہ الصلوٰۃ والسلام خوبصورت تھے۔کیا یہ بات درست ہے؟ اگر یہ بات درست ہے تو آج تک ہم نے جو حسن کے چرچے سنے تھے ان کی کیا حیثیت ہے اور وہ کہاں سے ثابت ہیں؟

الجواب بعون الملک الوھاب

حضرت یوسف علیہ الصلوٰۃ والسلام کا خوبصورت ہونا نصوص صریحہ سے ثابت ہے اور جو شخص یوں کہے کہ آپ کا خوبصورت ہونا ثابت نہیں یہ جملہ اس کی لاعلمی پر دلالت کرتا ہے۔

لقوله تعالى (يوسف : ٣١):فَلَمَّا رَأَيْنَه أَكْبَرْنَه وَقَطَّعْنَ أَيْدِيَهُنَّ وَقُلْنَ حَاشَ لِلّٰهِ مَا هٰذَا بَشَرًا إِنْ هٰذَا إِلَّا مَلَكٌ كَرِيْمٌ

وفی تفسير ابن عباس (ص٢٥٠): وقطعن ايديهن بالسكين من الدهشة والتحيرمما رأين من حسن يوسف۔

وفی روح المعانی (١٢/٢٢٩): فلما رأينه اكبرنه اى اعظمنه ودهشن برؤية جماله الفائق الرائع الرائق فان فضل جماله على جمال كل جميل كان كفضل القمر ليلة البدر على سائر الكواكب ......

واخرج ابن جرير وغيره عن ابى سعيد الخدرى عن النبى ﷺ انه قال رأيت يوسف ليلة المعراج كالقمر ليلة البدر۔

وفی المشكوة (ص٥٢٨): عن انس رضی اللہ عنہ ان رسول الله ﷺ قال اتيت البراق وذكر قصة المعراج وفيه فاذا انا بيوسف اذا هو قد اعطى شطر الحسن۔

(۲۴۶) حضرت یوسف علیہ السلام کا زلیخا سے نکاح اور آپ کی اولاد

سؤال

کیا فرماتے ہیں علماء کرام ومفتیان وعظام اس مسئلہ کے بارے میں کہ حضرت یوسف علیہ الصلوٰۃ والسلام کا زلیخا سے نکاح ہوا تھا اور آپ کی زلیخا سے اولاد بھی پیدا ہوئی تھی یا نہیں؟ تفصیل سے بیان کریں۔

الجواب بعون الملک الوھاب

کتب تفسیر وتاریخ سے معلوم ہوتا ہے کہ زلیخا کے شوہر کے انتقال کے بعد زلیخا کا نکاح حضرت یوسف علیہ الصلوٰۃ والسلام سے ہوا تھا اور اللہ تعالیٰ نے آپ کو زلیخا سے دو بیٹے بھی عنایت فرمائے۔

لمافی البحر المحيط (٦/٢٩١): وفوض الملك اليه امره وعزل قطفير ثم مات بعد فزوجه الملك

امرأته فلما دخل عليها قال اليس هذا خيرا مماطلبت ؟ فوجد ها عذراء لان العزيز كان لايطأفولدت له ولدين : افرائيم ومنشا۔

وفى احكام القرآن للقرطبى (۲۱۳/۹): قال ابن زيد كان لفرعون ملك مصر خزائن كثيرة غيرالطعام ،فسلم سلطانه كله اليه وهلك قطفير تلك الليالى فزوج الملك يوسف راعيل امرأة العزيز فلما دخل عليها قال اليس هذا خير مماكنت تريدين ؟

وفى البداية والنهاية (۱۹۶/۱): وحكى الثعلبى انه عزل قطفير عن وظيفته وولاها يوسف۔ وقيل انه لمامات زوجه امرأته زليخا فوجدها عذراء ......فولدت ليوسف عليه السلام رجلين وهما افرائيم ومنشا۔

(۲۴۷) کیا حضرت خضر علیہ الصلوۃ والسلام نبی ہیں؟ کیا حضرت خضر اور الیاس علیہما السلام حیات ہیں؟

سؤال

کیا فرماتے ہیں علماء کرام ومفتیان عظام اس مسئلہ کے بارے میں کہ حضرت خضر علیہ الصلوۃ والسلام نبی ہیں یا نہیں؟ نیز یہ بھی بتائیں کہ وہ زندہ ہیں یا نہیں؟ اسی طرح حضرت الیاس علیہ الصلوۃ والسلام زندہ ہیں یا نہیں؟

الجواب بعون الملك الوهاب

معتمد قول کے مطابق حضرت خضر علیہ الصلوۃ والسلام نبی ہیں اور صوفیہ کے نزدیک زندہ ہیں اسی طرح حضرت الیاس علیہ الصلوۃ والسلام بھی زندہ ہیں۔

لمافى تفسير القرطبى (۱۶/۱۱): والخضر نبى عند الجمهور وقيل هو عبد صالح غير نبى والآية تشهد بنبوته ،لان بواطن افعاله لا تكون الابوحى وايضا فان الانسان لايتعلم ولايتبع الا من فوقه وليس يجوز ان يكون فوق النبى من ليس بنبى وقيل كان ملكا امرالله موسى ان ياخذعنه مما حمله من علم الباطن والاول الصحيح والله اعلم۔

وفى تفسير روح المعانى (۳۲۸/۱۵): ابقى الله تعالى بعد وفاته عليه السلام من الرسل الاحياء باجسادهم فى هذه الدار اربعة ادريس والياس وعيسى والخضر عليهم السلام والثلاثة الاول متفق عليهم والاخير مختلف فيه عند غيرنا لاعندنا۔

وفى مرقاة المفا تيح (۱۸/۱۱): قال النووى جمهور العلماء على انه حى موجود بين اظهرنا سيما عند

الصوفية ...قال الحميری المفسر وابو عمرو هو نبی...اذلا يصح لاحد من الاولياء ان يقتل نفسا زاكية بغير نفس اعتماد ا على الوحی الالهامی بانه طبع كافرا ... وفی الجامع الصغير روی الحارث عن انس الخضر فی البحر والياس فی البر يجتمعان كل ليلة عند الروم الذی بناه ذوالقرنين ...وفی الفتاوی الحديثية رواه ابن عدی فی الكامل ان الياس والخضر عليهما الصلوة والسلام يلتقيان فی كل عام بالموسم۔

(۲۴۸) قبض روح کے وقت حضرت موسیٰ علیہ السلام کا تھپڑ مارنا

سوال

کیا فرماتے ہیں علماء کرام اس مسئلہ کے بارے میں کہ عام طور پر یہ واقعہ بیان کیا جاتا ہے کہ جب حضرت عزرائیل علیہ الصلوٰۃ والسلام روح قبض کرنے کے لئے تشریف لائے تو حضرت موسیٰ علیہ الصلوٰۃ والسلام نے ان کو پتھر مارا جس سے ان کی آنکھ ضائع ہوگئی۔کیا یہ واقعہ درست ہے؟ بعض لوگ اس پر اعتراضات کرتے ہیں، کیا یہ واقعہ کسی صحیح حدیث سے ثابت ہے؟

الجواب بعون الملک الوھاب

صورت مسئولہ میں قبض روح کے لئے آنے والے فرشتے کو حضرت موسیٰ علیہ الصلوٰۃ والسلام کا تھپڑ مارنا احادیث سے ثابت ہے جو بالکل صحیح ہیں لہٰذا اس پر عقلی اعتبار سے اعتراضات کرنا صحیح نہیں ہے البتہ پتھر مارنا ثابت نہیں ہے جیسا کہ سوال میں ذکر کیا گیا ہے۔

لما فی الصحيح للبخاری (۱/۴۸۴):عن أبي هريرة رضي الله عنه، قال: " أرسل ملك الموت إلى موسى عليه السلام، فلما جاءه صكه، فرجع إلى ربه، فقال: أرسلتني إلى عبد لا يريد الموت، فرد الله عليه عينه وقال: ارجع، فقل له: يضع يده على متن ثور فله بكل ما غطت به يده بكل شعرة سنة، قال: أي رب، ثم ماذا؟ قال: ثم الموت، قال: فالآن، فسأل الله أن يدنيه من الأرض المقدسة رمية بحجر" ، قال: قال رسول الله صلى الله عليه وسلم: فلو كنت ثم لأريتكم قبره، إلى جانب الطريق، عند الكثيب الأحمر۔

(۲۴۹) حضرت موسیٰ وعیسیٰ علیہما السلام کے درمیان پیغمبروں کی تعداد

سوال

کیا فرماتے ہیں علماء کرام مسئلہ ذیل کے بارے میں کہ حضرت موسیٰ اور عیسیٰ علیہما السلام کے درمیان کتنے پیغمبر گزرے ہیں؟

الجواب بعون الملک الوهاب

حضرت موسی علیہ الصلوٰۃ والسلام اور حضرت عیسیٰ علیہ الصلوٰۃ والسلام کے درمیان چار ہزار (۴۰۰۰) پیغمبر گزرے ہیں جبکہ بعض حضرات کے نزدیک ستر ہزار گزرے ہیں۔

لمافی تفسیر روح المعانی (۳۱۶/۱): 'ولقدآتینا موسی الکتاب' شروع فی بیان بعض آخر ... ''ثم ارسلنا رسلنا تتری '' وکانوا الی زمن عیسی علیه السلام اربعة آلاف وقیل سبعین الفا وکلهم علی شریعته علیه السلام۔

وفی روح البیان (۱۷۷/۱): وما بین موسی وعیسی اربعة آلاف نبی وقیل سبعون الف نبی۔

وفی حاشیة الصاوی علی الجلالین (۴۳/۱): وعدة الانبیاء والرسل الذی بین موسی وعیسی سبعون الفا وقیل اربعة آلاف۔

(۲۵۰) حضرت عیسیٰ علیہ السلام کو ان کے پیروکار نے شہید کر دیا تھا یا زندہ آسمان پر اٹھائے گئے؟

سؤال

کیا فرماتے ہیں علماء کرام ومفتیان عظام اس مسئلہ کے بارے میں کہ حضرت عیسیٰ علیہ الصلوٰۃ والسلام کے بارے میں یہ عقیدہ رکھنا کہ انہیں ان کے متبعین نے شہید کر دیا تھا کیسا ہے؟ اور وہ شہید ہونے کی بناء پر زندہ ہیں؟ قرآن وسنت کی روشنی میں جواب عنایت فرمائیں۔

الجواب بعون الملک الوهاب

صورت مسئولہ میں یہ عقیدہ رکھنا کہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام کو ان کے متبعین نے شہید کیا ہے اور وہ شہید ہونے کی بناء پر زندہ ہیں، سراسر غلط اور قرآن وسنت کی صراحت کے خلاف ہے، بلکہ حضرت عیسیٰ علیہ الصلوٰۃ والسلام کو روح مع الجسد آسمانوں پر زندہ اٹھایا گیا ان کا دوبارہ نزول قرب قیامت کے وقت ہوگا اس کے بعد ان کو موت آئے گی۔

لما فی القرآن الکریم: وَمَا قَتَلُوْهُ وَمَاصَلَبُوْهُ وَلٰـكِنْ شُبِّهَ لَهُمْ (النساء:۱۵۷)
وفیه ایضاً(آل عمران:۵۵) :إِذْ قَالَ اللّٰهُ يٰعِيْسىٰ إِنِّىْ مُتَوَفِّيْكَ وَرَافِعُكَ إِلَيَّ وَمُطَهِّرُكَ مِنَ الَّذِيْنَ كَفَرُوْا۔

وفی التفسیرالمنیر (۲۴۰/۳): وللمفسرین رأیان فی تأویل هذه الآیة ،ان فی الآیة تقدیما وتاخیرا والتقدیر انی رافعك الی ومطهرك من الذین کفروا ومتوفیك بعد ان تنزل من السماء ای انه رفعه الی السماء حیا بجسمه وروحه وسینزل فی آخر الزمان فیحکم بشریعة

الاسلام ثم يميته الله وهذا ما دلت عليه الاحاديث النبوية الصحيحة ...

وفی الجامع لاحكام القرآن للقرطبی (٢/١٠٠): والصحيح ان الله تعالى رفعه الى السماء من غير وفاة ولا نوم كما قال الحسن وابن زيد وهو اختيار الطبرى وهو الصحيح عن ابن عباس وقاله الضحاك ...

وفی الصحيح لمسلم (١/٨٧): عن ابی هريرة رضی الله عنه انه قال قال رسول الله ﷺ والله لينزلن ابن مريم حكما عادلا فليكسرن الصليب وليقتلن الخنزير وليضعن الجزية وليتركن القلاص ... الحديث

وفی فتح الملهم (٢/٢٨٥): وقال الحافظ ابن حجر فی الفتح قال العلماء الحكمة فی نزول عيسىٰ عليه السلام دون غيره من الانبياء الرد على اليهود فی زعمهم انهم قتلوه ،فبين الله تعالى كذبهم وانه الذی يقتلهم او نزوله لدنو اجله ليدفن فی الارض ...

(۲۵۱) حضرت عیسیٰ علیہ السلام کو آسمان پر اٹھانے کی وجہ

سؤال

کیافرماتے ہیں علماء کرام ومفتیان عظام اس مسئلہ کے بارے میں کہ مرزائی الزاماً یہ سوال کرتے ہیں کہ حضرت عیسیٰ علیہ الصلوٰۃ والسلام کو آسمان پر کیوں اٹھایا گیا؟ وہ وہاں کیا کررہے ہیں ،کیا کھاتے ہیں؟ وغیرہ وغیرہ۔آپ ان سوالات کے تسلی بخش جوابات عنایت فرمائیں۔

الجواب بعون الملک الوھاب

حضرت عیسیٰ علیہ الصلوٰۃ والسلام کو آسمان پر اٹھانے کی حکمت کو اللہ تعالیٰ نے بیان کرتے ہوئے فرمایا {بَلْ رَّفَعَهُ اللّٰهُ اِلَيْهِ وَكَانَ اللّٰهُ عَزِيْزًا حَكِيْمًاo} کہ اللہ تعالیٰ نے انہیں آسمان پر اٹھالیا اوراس کی حکمتیں وہ خود بہتر طور پر جانتے ہیں۔اس لئے ہمیں اس بحث میں پڑنے کی ضرورت نہیں کہ اللہ تعالیٰ نے حضرت عیسیٰ علیہ الصلوٰۃ والسلام کو کیوں اٹھایا۔وہ قادر مطلق ہیں اوراپنے کاموں کو بہتر طریقے سے جانتے ہیں۔نیز حضرت عیسیٰ علیہ الصلوٰۃ والسلام انسانوں کی طرح کھاتے پیتے نہیں ہیں۔

لما فی روح المعانی (٦/١٢): قال قتادة :رفع الله تعالى عيسى عليه السلام اليه فكساه الريش والبسه النور وقطع عنه لذة المطعم والمشرب فطار مع الملائكة فهو معهم حول العرش فصار انسيا ملكيا سماويا ارضيا۔

وفی روح البیان (۴۲/۳): (انی متوفیك) عن الصفات النفسانية والاوصاف الحيوانية (ورافعك الی) بجذبات العناية فمن لم يصر فانيا عماسوی الله تعالى لايكون له وصول الی مقام معرفة الله فعيسى لمارفع الی السماء صارت له حالة كحالة الملائكة فی زوال الشهوات والغضب والاخلاق الذميمة۔

(۲۵۲) حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے متعلق ایک سوال کا جواب

سوال

کیا فرماتے ہیں علماء کرام ومفتیان عظام اس مسئلہ کے بارے میں کہ حضرت عیسیٰ علیہ الصلوٰۃ والسلام کے بارے میں قرآن میں مذکور ہے {وَاَوْصَانِیْ بِالصَّلاۃِ وَالزَّکَاۃِ۔۔۔الآیۃ} اور یہ بات نص قطعی سے ثابت ہے کہ حضرت عیسیٰ علیہ الصلوٰۃ والسلام زندہ حالت میں موجود ہیں۔اب وہ زکاۃ کس طرح ادا کرتے ہیں؟ قرآن وحدیث کی روشنی میں جواب عنایت فرمائیں۔

الجواب بعون الملک الوھاب

سب سے پہلی بات تو یہ ہے کہ حضرات انبیاء علیہم السلام کے متعلق سوال کرنے سے پہلے اس بات کا خیال رکھنا چاہیئے کہ سوال میں کسی بھی طرح سے کوئی ایسی بات نہ ہو جو انبیاء کی شان کے خلاف ہو۔

سوال کا جواب یہ ہے کہ صرف زندہ رہنا وجوب زکوۃ کی شرط نہیں ہے بلکہ اس کے لئے دوسری شرائط بھی ہیں جن کا پایا جانا ضروری ہے مثلاً نصاب کا مالک ہونا، حولان حول (سال کا گزرنا) پایا جانا اور سب سے بڑھ کر مکلف ہونا۔اب نصوص قطعیہ سے آپ کا آسمان پر اٹھایا جانا ثابت ہے اور کہیں آپ کے مال ومتاع کو ساتھ اٹھانے کا ذکر نہیں ملتا اور جس عالم میں آپ زندہ ہیں وہ دار العمل یا دار التکلیف نہیں ہے۔اس لئے حضرت عیسیٰ علیہ الصلوٰۃ والسلام سے متعلق یہ سوال بالکل لغو اور بے محل ہے۔

لمافی قوله تعالى (النساء :۱۵۷): وَقَوْلِهِمْ إِنَّا قَتَلْنَا الْمَسِيحَ عِيسَى ابْنَ مَرْيَمَ رَسُوْلَ اللهِ وَمَا قَتَلُوْهُ وَمَا صَلَبُوْهُ وَلٰكِنْ شُبِّهَ لَهُمْ وَإِنَّ الَّذِيْنَ اخْتَلَفُوْا فِيْهِ لَفِيْ شَكٍّ مِّنْهُ مَا لَهُمْ بِهِ مِنْ عِلْمٍ إِلَّا اتِّبَاعَ الظَّنِّ وَمَا قَتَلُوْهُ يَقِيْنًابَل رَّفَعَهُ اللهُ إِلَيْهِ وَكَانَ اللهُ عَزِيْزًا حَكِيْمًا

وفی قوله تعالى (مريم: ۳۱): وَأَوْصَانِيْ بِالصَّلَاةِ وَالزَّكَاةِ مَا دُمْتُ حَيًّا ۝

وفی روح المعانی (۸۰/۱۶): وانت تعلم ان الظاهر المتبادر من المدة المذكورة مدة كونه عليه السلام حيا فی الدنيا على ماهو المتعارف وذلك لايشمل مدة كونه عليه السلام فی السماء۔

وفی احكام القرآن للقرطبی (۱۰۳/۱۱): قال العلامة القرطبی تحت آية " وَأَوْصَانِيْ بِالصَّلَاةِ

وَالزَّكَاةِ مَا دُمْتُ حَيًّا "......ای لاؤدیهما اذا ادرکت التکلیف وامکننی اداء هما علی القول الاخیر الصحیح۔

(۲۵۳) کتنے انبیاء زندہ ہیں؟

سؤال

مفتی صاحب یہ بتادیں کہ حضرت عیسیٰ علیہ الصلوٰۃ والسلام کے علاوہ کون کون سے انبیاء کرام زندہ ہیں؟

الجواب بعون الملک الوهاب

حضرت عیسیٰ علیہ الصلوٰۃ والسلام کی حیات تو نصوص قطعیہ سے ثابت ہے اس کے علاوہ حضرت الیاس، ادریس علیہما السلام زندہ ہیں۔جبکہ حضرت خضر علیہ الصلوٰۃ والسلام کے بارے میں شدید اختلاف پایا جاتا ہے کہ وہ زندہ ہیں یا نہیں؟ اس موضوع پر کافی کلام کیا گیا ہے لہٰذا بہتر معلوم ہوتا ہے کہ حیات اور ممات کے بارے میں سکوت اختیار کیا جائے اور اپنی طرف سے کسی نبی کی طرف حیات وممات کو منسوب نہ کیا جائے۔

لمافی قوله تعالی (النساء :۱۵۷): وَقَوْلِهِمْ إِنَّا قَتَلْنَا الْمَسِيحَ عِيسَى ابْنَ مَرْيَمَ رَسُوْلَ اللهِ وَمَا قَتَلُوْهُ وَمَا صَلَبُوْهُ وَلٰكِنْ شُبِّهَ لَهُمْ وَإِنَّ الَّذِيْنَ اخْتَلَفُوْا فِيْهِ لَفِيْ شَكٍّ مِّنْهُ الخ

وفی احکام القرآن للقرطبی (۱۱۵/۱۵): قال بعضهم :کان قدمرض واحس الموت فبکی ...... یاالیاس وعزتی لاؤخرنك الی وقت لایذکرنی فیه ذاکر یعنی یوم القیامة وقال عبدالعزیز بن ابی رواد ان الیاس والخضر علیهما السلام یصومان شهر رمضان فی کل عام ببیت المقدس یلاقیان الموسم فی کل عام۔

وفی تفسیر روح المعانی (۳۲۸/۱۵): أبقی الله تعالی بعد وفاته علیه السلام من الرسل الاحیاء باجساد هم فی هذه الدار اربعة ادریس والیاس وعیسی والخضر علیهم السلام والثلاثة الاول متفق علیهم والأخیر مختلف فیه عند غیرنا لاعندنا۔

(۲۵۴) تحقیق عصمت انبیاء

سؤال

کیافرماتے ہیں علماء کرام ومفتیان عظام اس مسئلہ کے بارے میں کہ عام طور پر کہا جاتا ہے کہ انبیاء گناہوں سے معصوم ہوتے

ہیں اس سے کیا مراد ہے؟ کیا صغیرہ اور کبیرہ دونوں قسم کے گناہوں سے معصوم ہوتے ہیں؟ اور یہ عصمت نبوت ملنے سے پہلے بھی ہوتی ہے یا نبوت کے بعد؟ نیز حضرت آدم علیہ الصلوٰۃ والسلام کے جسم میں روح ڈالتے ہی نبوت مل گئی تھی یا پھر زمین پر آنے کے بعد ملی تھی اگر جسم میں روح ڈالتے ہی مل گئی تھی تو جنت میں جس درخت سے منع کیا گیا اس کا کھانا گناہ کبیرہ تھا یا صغیرہ؟ نیز بعض لوگ حضرت آدم علیہ الصلوٰۃ والسلام کے بارے میں کہتے ہیں کہ وہ نبی نہیں تھے کیا یہ بات صحیح ہے؟ اگر صحیح نہیں تو پھر اس بات کے کہنے والوں کا کیا حکم ہے؟ براہ کرم مفصل انداز میں جواب دیں۔

الجواب بعون الملک الوھاب

انبیاء کرام راجح قول کے مطابق نبوت ملنے سے پہلے اور نبوت ملنے کے بعد صغائر اور کبائر دونوں سے معصوم ہوتے ہیں۔ حضرت آدم علیہ الصلاۃ والسلام کو نبوت زمین پر آنے کے بعد ملی ہے آپ کی نبوت کا انکار کرنے والا کافر ہے۔ رہی یہ بات کہ حضرت آدم علیہ الصلاۃ والسلام نے اس درخت سے تناول فرمایا جس سے منع کیا گیا تھا۔ تو درحقیقت یہ نہ ہی صغیرہ گناہ ہے اور نہ کبیرہ بلکہ یہ محض لغزش تھی، جو نسیان یا غلط فہمی کی بنیاد پر صادر ہوئی تھی اور "حسنات الابرار سیأت المقربین" (نیکوکار کی نیکیاں مقربین کے گناہوں کے برابر ہیں) کے قاعدے پر سرزنش کی گئی۔

لما فی فیض الباری(۱۱/۲): وقد علمت سابقا ان الاشاعرة جوزوالصغائر قبل البعثة ونفاها الماتریدیة وقالوا بالعصمة قبلها وبعدها۔

وفی النبراس(ص۴۵۴): المذکور فی کلام الشارح هو مذهب عامة المتکلمین وخالفهم جمهور جمع من العلماء فذهبوا الی العصمة عن الصغائر والکبائر قبل الوحی وبعده وهو مختار ابي المنتهی شارح الفقه الاکبر والشیخ عبدالحق المحدث الدهلوی ... وقال الإمام الشیخ ابو منصور الماتریدی الانبیاء احق بالعصمة من الملائکة لان الامم مامورون بالاتباع للانبیاء لا الملائکة واختار القاضی عیاض عصمتهم بعد الوحی عن کل صغیرة وکبیرة ونسبه الی طائفة من المحققین وقال وقد اختلف فی عصمتهم قبل النبوة والصحیح انشاء الله تعالیٰ تنزیههم من کل عیب .... (ص۴۵۷) وما کان بطریق التواتر فمصروف عن الظاهر کقول ابراهیم علیه السلام مشیرا الی الکواکب هذا ربي وتاویله ان همزة الاستفهام محذوفة والمعنی اهذا ربي بزعمکم...... "ان امکن" الصرف عن الظاهر "والا" ای وان لم یکن "فمحمول علی ترك الاولی" نحو عصی آدم ربه فغوی ... وقال غیر واحد من الائمه سمی الله ترك الاولی منهم عصیانا لعظم منزلتهم کماقیل حسنات الابرار سیأت المقربین واستغفار الانبیاء من ترك

الاولی هضما لنفوسهم والافلیس من الذنب ولاعقاب علیه اوکونه قبل البعثة کما قیل فی اکل آدم علیه السلام الشجرة وکما قیل فی اخوة یوسف علیه السلام علی تقدیر انهم انبیاء لکن بعض العلماء صحح انهم لیسوا بانبیاء۔

وفی شرح الفقه الاکبر(ص۵۶): والانبیاء علیهم الصلاة والسلام کلهم ای جمیعهم الشامل لرسلهم ومشاهیرهم وغیرهم اولهم آدم علیه الصلاة والسلام علی ما ثبت بالکتاب والسنة واجماع الامة فما نقل عن بعض من انکار نبوته یکون کفرا... منزهون ان معصومون عن الصغائر والکبائر ای من جمیع المعاصی والکفر خص لانه اکبر الکبائر...(ص۵۷) ثم هذه العصمة ثابتة للانبیاء قبل النبوة وبعدها علی الاصح ...... وقد کانت منهم ای من بعض الانبیاء قبل ظهور مراتب النبوة او بعد ثبوت مناقب الرسالة زلات ای تقصیرات وخطیئات ای عثرات بالنسبة الی مالهم من علی المقامات وسیٔ الحالات کما وقع لآدم علیه الصلوة والسلام فی اکله من الشجرة علی وجه النسیان اوترك العزیمة واختیار الرخصة ظناً منه ان المراد بالشجرة المنهیة المشار الیه بقوله تعالیٰ ولا تقربا هذه الشجرة هی الشخصیة لا الجنسیة فاکل من الجنس لامن الشخص بناء علی الحکمة الالهیة لیظهر ضعف قدرة البشریة وقوة اقتضاء مغفرة الربوبیة۔

(۲۵۵) مہاتما بدھ اور گرونانک انبیاء میں سے تھے؟

سؤال

کیا فرماتے ہیں علماء کرام ومفتیان عظام اس مسئلہ کے بارے میں کہ بعض حضرات ”لِكُلِّ قَوْمٍ هَادٍ“ الآیۃ سے استدلال کرتے ہوئے مہاتما بدھ اور گرونانک کو نبی سمجھتے ہیں، کیا یہ بات صحیح ہے؟ قرآن وحدیث میں اس کا کوئی ثبوت موجود ہے کہ یا نہیں اگر ہو تفصیلاً ذکر کردیں اللہ تعالیٰ آپ کو جزائے خیر عطا فرمائیں۔

الجواب بعون الملک الوھاب

مذکورہ آیت کریمہ کی تفسیر میں مفسرین کرام کی دو رائیں ہیں ایک یہ ”ھاد“ سے مراد خود باری تعالیٰ کی ذات گرامی ہے اگر یہ تفسیر مراد ہو تو پھر یہ سوال سرے سے ختم ہو جاتا ہے اور اس صورت میں آیت کے معنی یہ ہوں گے کہ ”آپ ڈرانے والے ہیں کہ قوم کو اللہ تعالیٰ کے عذاب سے ڈراتے ہیں اور اللہ تعالیٰ جس کو چاہتے ہیں ہدایت سے سرفراز فرماتے ہیں“ اور دوسری رائے یہ ہے کہ یہاں ”ھاد“ سے مراد صرف انبیاء کرام کی ذات گرامی ہی نہیں بلکہ انبیاء کے ساتھ ساتھ ان کے قاصدین بھی شامل ہیں۔اس سے معلوم ہوا کہ

کوئی خطہ اللہ کی دعوت دینے والوں سے خالی نہیں رہا اس سے مراد صرف انبیاء نہیں بلکہ انبیاء کی طرف سے ان کے متبعین بھی ہو سکتے ہیں جو انبیاء کی دعوت کو لے کر دور دراز علاقوں تک پھیل گئے، لہذا اس آیت سے یہ استدلال کرنا کہ ہندوستان میں کوئی نہ کوئی نبی ضرور پیدا ہوا ہوگا اور جب کسی اور کے آثار نہیں ملتے تو مہاتما بدھ اور گرونانک ہی کے بارے میں کہہ دیا جاتا ہے کہ یہی اللہ تعالی کی طرف سے نبی تھے البتہ ان کے متبعین بعد میں گمراہی میں مبتلا ہو گئے اس وجہ سے ان کی اتباع کرنے والے بت پرست یا دوسرے شرکیہ کاموں میں مبتلا ہو گئے، بلا دلیل ہے، خاص طور پر مذہب کی کتابوں میں ان کے نام انبیاء کی فہرست میں موجود نہیں ہیں لہٰذا ہم ان کے بارے میں یقینی طور کچھ نہیں کہہ سکتے کہ یہ انبیاء میں سے تھے یا نہیں، اور مزید یہ کہ ہمیں اس فیصلے کی ضرورت نہیں ہے کیونکہ جن انبیاء کا اللہ تعالی نے خود ذکر کیا ان پر ایمان لانا ضروری ہے اور جن کا نام نہیں لیا اس میں ہم صرف اس کے مکلف ہیں کہ اجمالی ایمان لائیں کہ اس کے علاوہ جتنے بھی انبیاء تھے ہم ان سب پر ایمان لاتے ہیں اس میں مہاتما بدھ یا گرونانک کی صراحت کی ضرورت ہی نہیں۔

لما فی قولہ تعالیٰ:وَيَقُوْلُ الَّذِيْنَ كَفَرُوْا لَوْلَا أُنْزِلَ عَلَيْهِ آيَةٌ مِنْ رَبِّه إِنَّمَا أَنْتَ مُنْذِرٌ وَّلِكُلِّ قَوْمٍ هَاد (الرعد:٧)

وفی التفسیر الوسیط (٦/٣): ولکل قوم هاد ای نبی وداع الی الله یدعوهم بما یعطی من الآیات لا بما یریدون ویتحکمون وهذا قول ابن عباس ومجاهد وقتادة وقال سعید بن جبیر وعطیة والضحاك الهادی هو الله عزوجل والمعنی انت منذر تنذر والله هادی کل قوم یهدی من یشاء۔

وفی التفسیر القرطبی (٢٨٥/٥): (انما انت منذر)ای معلم (ولکل قوم هاد)ای نبی یدعوهم الی الله وقیل الهادی الله ای علیك الانذار والله هادی کل قوم ان اراد هدایتهم۔

وفی التفسیر المنیر (١١٥/١٣): لکل قوم هاد ای نبی یدعوهم الی الله وقیل الهادی الله ای علیك الانذار والله هادی کل قوم ان اراد هدایتهم۔

(٢٥٦) امتیوں کا نبی کریم ﷺ کیلئے دعا مانگنا عصمت رسول ﷺ کے منافی نہیں

سؤال

کیا فرماتے ہیں علماء کرام ومفتیان عظام اس مسئلہ کے بارے میں کہ میرے ساتھ ایک عیسائی لڑکا پڑھتا ہے گزشتہ دنوں اس نے مجھ سے سوال کیا کہ مسلمانوں کا عقیدہ ہے کہ ہمارے پیغمبر ﷺ تمام گناہوں سے معصوم اور تمام مخلوقات سے افضل و برتر ہیں اگر یہی بات ہے تو آپ سارے مسلمان ہر نماز میں اور ہر دعا میں ان کے لئے دعا کیوں مانگتے ہو؟ میرے پاس اس سوال کا کوئی جواب نہ تھا، براہ کرم آپ اس سوال کا ایسا جواب لکھ دیں کہ میں خود بھی مطمئن ہو جاؤں اور اسے بھی مطمئن کر سکوں؟ اللہ تعالی آپ حضرات کو

جزائے خیر عطا فرمائیں۔

الجواب بعون الملک الوھاب

مسلمانوں کا یہ عقیدہ ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم تمام گناہوں سے پاک اور تمام مخلوقات سے افضل ہیں باقی رہا یہ معاملہ کہ پھر آپ کیلئے اتنا زیادہ دعا کا اہتمام کیوں کیا جاتا ہے، تو یہ دعا کا اہتمام آپ کی عظمت کے منافی نہیں کیونکہ

اول: یہ دعا آپ کے درجات کی بلندی کے لئے کی جاتی ہے گناہوں سے معافی کے لئے نہیں کی جاتی۔

دوم: امت کو تعلیم دینا مقصود ہے کہ بندہ کتنا ہی زیادہ اللہ تعالی کا مقرب کیوں نہ ہو پھر بھی اللہ تعالی کے ہاں تضرع اور اپنی عاجزی وانکساری کا اظہار ضروری ہے کیونکہ قاعدہ یہ ہے کہ ''تعرف الاشیاء باضدادھا ''یعنی اشیاء اپنی اضداد سے پہچانی جاتی ہیں تو رب کے انتہائی مقربین کا بھی اس کے سامنے عاجزی وانکساری کا اظہار یہ رب کی قدرت کاملہ اور اس کی عظمت کی غمازی کرتا ہے، اور مقربین کو عموما اور مذنبین کو خصوصا اللہ تعالی کی طرف رجوع پر آمادہ کرتا ہے۔

سوم: رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے حق میں دعا درحقیقت اپنے حق میں دعا ہے کہ جب دعا میں آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو شامل کرلیا جائے تو اللہ تعالی ضرور قبول فرماتے ہیں اس کے ساتھ بندے کی اپنی دعا بھی قبول ہوجائے گی۔

لما فی قوله تعالی : لِيَغْفِرَلَکَ اللهُ مَا تَقَدَّمَ مِنْ ذَنْبِکَ وَمَا تَأَخَّرَ (الفتح :۱)

وفی روح البیان (۹/۸):قوله تعالی ''ماتقدم من ذنبك وما تأخر''...قال اهل الکلام ان الانبیاء معصومون من الکفر قبل الوحی وبعده باجماع العلماء ومن سائر الکبائر عمداً بعد الوحی واما سهوا فجوزه الاکثرون واما الصغائر فتجوز عمدا عندالجمهور وسهوا بالاتفاق۔

وفی الفتوحات الربانیة للنووی (۲۱۸/۶): روینا فی کتابی ابن ماجة وابن سنی عن حذیفة رضی الله عنه قال شکوت الی رسول الله صلی الله علیه وسلم ...انی لأستغفر الله عزوجل کل یوم مائة مرة۔

قوله ''انی لأستغفر الله عزوجل فی الیوم مائة مرة '' ای لامتی او لتقصیری فی عبادتی اولغفلتی عن حقیقتی او لقناعتی بمرتبتی فی الحال وعدم الاستزاده فی العلم وقرب المتعال۔

... وفی الفتح للحافظ أجوبة ...ومحصل جوابه ان الاستغفار من التقصیر من اداء الحق الذی یجب لله تعالی...ومنها ان استغفاره تشریع لامته وقال الغزالی رحمه الله کان صلی الله علیه وسلم دائم الترق فاذا ارتقی الی حال رأی ما قبلها ذنباً فاستغفر من الحال السابقة ... الحث والحض لانه اذا کان المصطفی صلی الله علیه وسلم مع تنزهه عن کل وصف دنی وتحلیه بکل نعت سنی یکثر من الاستغفار لعظم ثمرته وشرف نتیجته فمن ابتلی بالنقص اولی بملازمته کالصابون لدرنه۔

وفی روح البیان (۲۲۴/۷):وأیضاً فیها مزید القربات وذلك لان بالصلوات تزید مرتبة النبی ﷺ فتزید مرتبة الامة لان مرتبة التابع تابعة بمرتبة المتبوع ...وأیضاً فیها اثبات المحبة ومن احب شیئاً اکثر ذکرہ۔

(۲۵۷)انبیاء علیہم السلام کے خون اور فضلات کی طہارت

سؤال

انبیاء علیہم السلام کا خون اور فضلات وغیرہ بھی پاک ہوتے ہیں؟ میں نے سنا ہے ایک صاحب سے کیا یہ بات صحیح ہے؟ براہ کرم قرآن وسنت کی روشنی میں جواب دیں۔

الجواب بعون الملک الوھاب

جناب نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم اور باقی تمام انبیاء کرام علیہم السلام کا خون اور فضلات وغیرہ پاک ہیں آپ نے جو سنا وہ صحیح ہے۔

لمافی المستدرك للحاکم(۶۳۸/۳):عامر بن عبداللہ بن الزبیر یحدث ان اباہ حدثہ انہ اتی النبی صلی اللہ علیہ وسلم وھو یحتجم فلما فرغ قال: ''یا عبداللہ اذھب بھذا الدم فاھرقہ حیث لا یراك احد'' فلما برزت عن رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم عمدت الی الدم فحسوت. فلما رجعت الی النبی صلی اللہ علیہ وسلم قال: ''ما صنعت یا عبداللہ'' قال جعلتہ فی مکان ظننت انہ خاف علی الناس. قال: ''لعلك شربتہ''؟ قلت:نعم. قال: ومن امرك ان تشرب الدم ویل لك من الناس ویل للناس منك۔

وفی عمدة القاری (۳۵/۳): وقال بعض شراح البخاری فی بولہ ودمہ وجھان الالیق الطھارة... وقد وردت احادیث کثیرة ان جماعة شربوادم النبی علیہ الصلاة والسلام رواہ البزاز والطبرانی والحاکم والبیھقی وابو نعیم فی الحلیة ویروی عن علی. رضی اللہ تعالیٰ عنہ انہ شرب دم النبی علیہ الصلاة والسلام وروی ایضا ان ام ایمن شربت بول النبی صلی اللہ علیہ وسلم رواہ الحاکم والدار قطنی والطبرانی... قال بعضھم الحق ان حکم النبی علیہ الصلاة والسلام کحکم جمیع المکلفین فی الاحکام التکلیفیة الافیما یخص بدلیل قلت یلزم من ھذا ان یکون الناس مساویین للنبی علیہ الصلاة والسلام لایقول بذالك الا جاھل غنی واین مرتبتہ من مراتب الناس ...وانا اعتقد انہ لا یقاس علیہ غیرہ وان قالو غیر ذالك فاذنی عنہ صماء۔

وفی مرقاة المفاتیح(۲/۱۶۰): ثم اختار کثیرون من اصحابنا طھارة فضلاته علیه الصلاة والسلام۔

وفی الشامیة (۱/۳۱۸): صحح بعض ائمة الشافعیة طھارة بوله صلی الله علیه وسلم وسائر فضلاته وبه قال ابو حنیفة کما نقله فی المواھب اللدنیة عن شرح البخاری للعینی وصرح به البیری فی شرح الاشباہ وقال الحافظ ابن حجر: تظافرت الادلة علی ذالك، وعد الائمة ذالك من خصائصه صلی الله علیه وسلم ونقل بعضھم عن شرح المشکوۃ لملا علی القاری انه اختارہ کثیر من اصحابنا واطال فی تحقیقه فی شرحه علی الشمائل فی باب ماجاء فی تعطرہ علیه الصلاة والسلام اھ۔

(۲۵۸) آپ ﷺ کے فضلات (بول و براز) بطور دوا استعمال کرنے کا حکم

سؤال

کیا فرماتے ہیں علماء کرام ومفتیان عظام اس مسئلہ کے بارے میں کہ آپ ﷺ کے فضلات یعنی بول و براز کے بارے میں کیا اس کا استعمال کرنا قصداً شفاء کیلئے جائز ہے یا نہیں؟

الجواب بعون الملک الوھاب

آپ ﷺ کی وفات کے بعد اس سوال کی کوئی ضرورت نہیں باوجود اس بات کے کہ آپ ﷺ کے فضلات اکثر کے نزدیک پاک ہیں اور جو شخص ان کو شفاء، دواء اور تبرک کیلئے استعمال کرے تو وہ ایک اچھا کام کرے گا کیونکہ ناپاک چیز کا استعمال ضرورت کی وجہ سے جائز ہے تو پاک چیز کا استعمال دواء وغیرہ کیلئے بطریق اولیٰ جائز ہوگا ناجائز ہونے کی کوئی وجہ نہیں۔

دلائل المسئلة مرت سابقا تحت السؤال السابق۔

رسالة

الکتاب المقبول

لبیان مذهب الحنفیة فی الذمی شاتم الرسول

ذمی شاتم رسول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے متعلق ائمہ اربعہ کے مذاہب اور بالخصوص حنفیہ کے مذہب کی تحقیق

نیز شتم سے عہد ذمہ ساقط ہوگا یا نہیں اور ذمی شاتم رسول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم واجب القتل ہے یا نہیں؟

ان تمام ابحاث سے متعلق تفصیلی اور مدلل فتویٰ

(۲۵۹) ذمی شاتم رسول سے متعلق حنفیہ کے مذہب کی تحقیق

سؤال

کیا فرماتے ہیں علماء کرام ومفتیانِ عظام اس مسئلہ کے بارے میں کہ ایک شخص کہتا ہے کہ توہین رسالت کی جو سزا ہے وہ مسلمان کے ساتھ خاص ہے ذمی کیلئے نہیں یعنی اگر مسلمان نعوذ باللہ شان رسالت میں گستاخی کرے تو اسے یہ سزا دی جائے گی کیونکہ یہ مرتد ہوجائے گا لیکن اگر ذمی یہ نازیبا حرکت کرے تو اسے سزا نہیں دی جائے گی کیونکہ وہ تو پہلے ہی سے کافر ہے اور وہ کہتا ہے کہ یہ احناف کا مسلک ہے تو کیا واقعی احناف کا مسلک یہ ہے کہ مسلمان کو سزا دی جائے ذمی کو نہیں؟ برائے مہربانی ہمارے احناف اور دیگر ائمہ کرام کا مسلک مدلل ومفصل عنایت فرما کر عند اللہ ماجور ہوں۔

الجواب بعون الملک الوھاب

ائمہ اربعہ رحمۃ اللہ علیہم کے نزدیک تمام انبیاء کرام علی نبینا وعلیہم الصلوٰۃ والسلام خصوصاً امام الانبیاء حضرت محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی شان میں سب وشتم اور گستاخی تمام تر کفریات کا سرچشمہ اور تمام تر گمراہیوں کا منبع ہے جیسا کہ انبیاء علیہم الصلوٰۃ والسلام پر ایمان وتصدیق

دین کی تمام تر شاخوں کی جڑ و بنیاد اور تمام تر وسائل ہدایت کا منبع ہے پس جو شخص چاہے کافر ہو یا مسلم سید الاولین والآخرین رحمۃ للعالمین امام الانبیاء حضرت محمد صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی ذات گرامی پر ہنسی اڑاتا ہے یا جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی سیرت مبارک کے کسی گوشے کے بارے میں استہزائیہ انداز اختیار کرتا ہے یا جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی شان مبارکہ کے بارے میں گستاخی کرتا ہے یا جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے بارے میں سب وشتم کرتا ہے یا امام الانبیاء صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی طرف بری باتوں کو منسوب کرتا ہے، تو ایسا شخص سراسر کافر، مرتد، زندیق اور ملحد ہے البتہ اگر یہ شخص توبہ کر کے اسلام لے آتا ہے تو ہمارے نزدیک اس شخص کو قتل نہیں کیا جائے گا لیکن توبہ سے قبل ایسا شخص کسی مسلمان ملک کے اندر موجود ہو تو مسلمان حکومت پر ایسے شخص کا قتل کرنا واجب ہے اس پر امت کا اجماع ہے۔

جیسا کہ علامہ ابن تیمیہ نے اپنی کتاب الصارم المسلول علی شاتم الرسول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم (صفحہ ۹) پر ابو بکر فارسی کے حوالے سے مسلمانوں کا اجماع نقل کیا ہے کہ

وقد حکی ابو بکر الفارسی من اصحاب الشافعی اجماع المسلمین علی ان حد من یسب النبی ﷺ القتل کما ان حد من سب غیرہ الجلد۔ (الصارم المسلول علی شاتم الرسول ﷺ ص۹)

ترجمہ: ”شوافع میں سے ابو بکر فارسی نے اس بات پر مسلمانوں کا اجماع نقل کیا ہے کہ جو بھی جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو سب وشتم کرے گا تو اس کو حداً قتل کر دیا جائے گا جیسا کہ جو نبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے علاوہ کو سب وشتم کرتا ہے اس کو حداً کوڑے لگائے جاتے ہیں۔“

اسی طرح علامہ خطابیؒ کے حوالے سے بھی شاتم رسول کے قتل پر اجماع نقل کیا ہے۔

وقال الخطابی: لا اعلم احدا من المسلمین اختلف فی وجوب قتلہ (الصارم المسلول علی شاتم الرسول ﷺ ص۹)

ترجمہ: ”میں مسلمانوں میں سے کسی ایک کے بارے میں بھی نہیں جانتا جس نے شاتم رسول کے قتل کے بارے میں اختلاف کیا ہو (یعنی قتل پر سب کا اتفاق ہے)۔“

آگے محمد بن سحنونؒ کا قول نقل کیا:

اجمع العلماء علی ان شاتم النبی ﷺ المتنقص لہ کافر و الوعید جار علیہ بعذاب اللہ لہ وحکمہ عند الامۃ القتل ومن شك فی کفرہ وعذابہ کفر۔ (الصارم المسلول علی شاتم الرسول ص۹)

ترجمہ: ”علماء کا اس بات پر اجماع ہے کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو سب وشتم کرنے والا اور جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی تنقیص کرنے والا کافر ہے۔ اس کے بارے میں اللہ کے عذاب کی وعید آئی ہے اور تمام امت کے ہاں اس کا حکم (صرف) قتل ہے اور جو شخص شاتم رسول کے کفر اور عذاب کے بارے میں شک کرے گا وہ بھی کافر ہوگا۔“

چنانچہ مذاہب اربعہ کے اکابر علماء رحمہ اللہ علیہم نے ذمی شاتم رسول کے قتل کی تصریح کی ہے۔

ذمی شاتم رسول کی سزا کے بارے میں مالکی مذہب:

واما مذہب مالك رضی اللہ تعالیٰ عنہ فقال مالك فی روایة ابن القاسم ومطرف ومن سب النبی ﷺ قتل ولم یستتب قال ابن القاسم: من سبه او شتمه او عابه او تنقصه فانه یقتل کالزندیق۔ (الصارم المسلول علی شاتم الرسول ص ۲۱۴)

ترجمہ: "امام مالک رحمۃ اللہ علیہ نے فرمایا کہ جو شخص نبی کریم ﷺ کو سب وشتم کرے اس کو قتل کیا جائے گا اور اس کو توبہ کی مہلت نہیں دی جائے گی۔ ابن القاسم نے فرمایا کہ جو شخص بھی نبی کریم ﷺ کو سب وشتم کرے یا جناب رسول اللہ ﷺ کو کوئی عیب لگائے یا جناب رسول اللہ ﷺ کی تنقیص کرے تو اس کو زندیق کی طرح قتل کر دیا جائے گا۔"

ذمی شاتم رسول کی سزا کے بارے میں حنبلی مذہب:

قال الامام احمد فی روایة: کل من شتم النبی ﷺ وتنقصه مسلما کان او کافراً فعلیه القتل واری ان یقتل لا یستتاب وقال: کل من نقض العهد واحدث فی الاسلام حدثا مثل هذا رأیت علیه القتل لیس علی هذا اعطوا العهد والذمة۔ (الصارم المسلول علی شاتم الرسول ص ۲۰۷)

ترجمہ: "امام احمد بن حنبل نے فرمایا کہ جو شخص جناب رسول اللہ ﷺ کو سب وشتم کرے گا چاہے مسلمان ہو یا کافر ہو اسے قتل کیا جائے گا اور اس کو توبہ کی مہلت نہیں دی جائے گی اور فرمایا کہ جو ذمی عہد ذمہ کو توڑے گا اور اسلام میں سب وشتم جیسا عمل کرے گا تو اس کو قتل کر دیا جائے گا اس لیے کہ ہم نے ان سے عہد ذمہ (سب وشتم) پر تو نہیں کیا (کہ وہ مسلمانوں کے سامنے سب وشتم کرتے پھریں)۔"

ذمی شاتم رسول کی سزا کے بارے میں شافعی مذہب:

وقال الشافعی رحمه اللہ تعالیٰ: یقتل الذمی اذا سب النبی ﷺ وتبرأ منه الذمة۔ (الصارم المسلول علی شاتم الرسول ص ۲۱۶)

ترجمہ: "امام شافعی رحمۃ اللہ علیہ نے فرمایا کہ جب ذمی حضرت اقدس ﷺ کو سب وشتم کرے گا تو اس کا عہد ذمہ ختم ہو جائے گا اور اس کو قتل کر دیا جائے گا۔"

ذمی شاتم رسول کی سزا کے بارے میں حنفی مذہب:

احناف میں سے امام محمد بن حسن الشیبانی رحمۃ اللہ علیہ نے السیر الکبیر میں ذمی شاتم رسول کی سزا قتل کی تصریح کرتے ہوئے فرمایا:

قال محمد فی السیر الکبیر: و کذلك ان کانت تعلن بشتم رسول الله ﷺ فلا باس بقتلها۔ (اعلاء السنن، باب یقتل الذمی رجلاً کان او امرأة اذا اعلن بسب الله والرسول بما لا یدینه و کذا اذا طعن فی دین الاسلام بنحوه، ۵۳۹/۱۲)

ترجمہ: "امام محمد رحمۃ اللہ علیہ نے سیر کبیر میں فرمایا اور اسی طرح اگر عورت جناب رسول اللہ ﷺ پر سب وشتم کرے تو اس کو قتل کرنے میں کوئی حرج نہیں۔"

اسی طرح علامہ ابن عابدین رحمۃ اللہ علیہ نے محقق علامہ ابن ہمام رحمۃ اللہ علیہ کے حوالے سے ذمی کے قتل کی صراحت نقل کی ہے۔

قال والذی عندی ان سبه علیه الصلاة والسلام او نسبة مالا ینبغی الی الله تعالیٰ ان کان مما لا یعتقدونه کنسبة الولد الی الله تعالیٰ وتقدس عن ذلك اذا اظهره یقتل به وینتقض عهده۔ (مجموعه رسائل ابن عابدین کتاب تنبیه الولاة والحکام علی احکام شاتم خیر الانام او احد اصحابه الکرام علیه وعلیهم الصلاة والسلام، ۳۲۵/۱)

ترجمہ: "ابن ہمام رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ میرے نزدیک اس ذمی کو قتل کر دیا جائے گا جو نبی کریم ﷺ کو سب وشتم کرے یا اللہ تعالیٰ کی طرف ایسی باتوں کو منسوب کرے جن کا وہ خود بھی اعتقاد نہیں رکھتا جیسا کہ اللہ تعالیٰ کی طرف اولاد کی نسبت کرنا۔ اس صورت میں (اس ذمی کو) قتل کیا جائے گا اور عہد ذمہ بھی ختم ہو جائے گا۔"

آگے علامہ ابن عابدین رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں:

وهذا معنی قول ابن همام اذا اظهره یقتل به فلم یکن کلامه مخالفاً للمذهب بل صرح به محرر المذهب الامام محمد (کتاب الجهاد فصل فی الجزیة حکم سب الذمی النبی صلی الله علیه وسلم، ۲۱۵/۴)

ترجمہ: "ابن ہمام رحمۃ اللہ علیہ کے قول کا معنی یہی ہے کہ جب ذمی جناب رسول اللہ ﷺ کی ذات گرامی کو سب وشتم کرے گا اور اس کا اظہار کرے گا (یعنی لوگوں کو اس کے فعل بد کا علم ہو جائے) تو اس کو قتل کر دیا جائے گا۔ پس ابن ہمام رحمۃ اللہ علیہ کا کلام مذہب حنفیہ کے مخالف نہیں بلکہ اسی کی تصریح (یعنی ذمی شاتم رسول کے قتل کی) امام محمد رحمۃ اللہ علیہ نے بھی کی ہے۔ (ماقبل میں تصریح موجود ہے)"

اسی طرح علامہ ابن عابدین رحمۃ اللہ علیہ نے "مطلب فی حکم سب الذمی النبی ﷺ" کا عنوان قائم کر کے ذمی شاتم رسول ﷺ کا حکم بیان کرتے ہوئے فرمایا:

(قوله: وسب النبی ﷺ) ای اذا لم یعلن، فلوأعلن بشتمه او اعتاده قتل ولو امرأة وبه یفتی الیوم درمنتقی وهذا حاصل ما سیذکره الشارح هنا وقیده الخیر الرملی بقید آخر حیث قال اقول هذا ان لم یشترط انتقاضه به واما اذا شرط انتقض به کما هو ظاهر۔

(شامیة، فصل فی الجزیة مطلب فی حکم سب الذمی النبی، ۲۱۳/۴)

ترجمہ: "پس اگر ذمی اعلانیہ طور پر سب وشتم کرے گا (یعنی لوگوں کو اس کے سب وشتم کا علم ہو جائے) یا اس کی عادت ہو سب و شتم کی (اور لوگوں کو علم ہو جائے) تو اس کو قتل کر دیا جائے گا اگرچہ عورت ہی کیوں نہ ہو اور موجودہ زمانے میں اسی پر فتویٰ ہے۔ "در منتقی" یہ شارح (علامہ حصکفی رحمۃ اللہ علیہ) کے کلام کا خلاصہ ہے۔ علامہ خیر الدین رملی رحمۃ اللہ علیہ نے ایک قید کا اضافہ کیا ہے اور فرمایا ہے کہ یہ (یعنی ذمی شاتم رسول کو قتل کیا جائے گا) جب بوجہ سب کے نقض عہد کی شرط نہ لگائی گئی ہو اور اگر بوجہ سب کے نقض عہد کی شرط لگائی گئی ہو تو اس صورت میں اس کا عہد ذمہ ختم ہو جائے گا جیسا کہ ظاہر ہے (اور قتل کر دیا جائے گا)"۔

اسی طرح علماء احناف میں سے قاضی شمس الدین احمد بن سلیمان بن کمال پاشا نے احادیث اربعینیہ میں (اعلاء السنن، باب یقتل الذمی رجلاً کان او امرأۃ الخ، ۵۴۹/۱۲)، ابن نجیم عمر بن ابراہیم نے شرح کنز الدقائق میں (کتاب الجہاد باب المرتدین ۲۵۳/۳)، علامہ حصکفی نے الدر المنتقی (کتاب السیر والجہاد فصل فی الجزیۃ، ۴۸۲/۲) اور الدر المختار میں (کتاب الجہاد باب المرتد، ۲۳۱/۴) سید احمد الطحطاوی الحنفی نے طحطاوی علی الدر میں (کتاب الجہاد، فصل فی الجزیۃ، ۴۷۲/۲)، مفتی روم مفتی ابو السعود نے معروضات میں (شامیۃ حکم سب الذمی النبی، ۲۱۵/۴)، ابراہیم بن محمد بن ابراہیم الحلبی نے مجمع الانہر میں (کتاب الجہاد فصل فی الجزیۃ، ۴۸۲/۲)، مفتی بغداد العلامۃ ابی الفضل شہاب الدین السید محمود الآلوسی البغدادی نے اپنی تفسیر میں (تفسیر روح المعانی، ۵۸۴/۴) ذمی شاتم رسول کی سزا قتل کی تصریح کی ہے۔ نیز مولانا ظفر احمد عثمانی نے اعلاء السنن میں مذہب حنفیہ کی ترجمانی کرتے ہوئے فرمایا:

"وبالجملة فلا خلاف بین العلماء فی قتل الذمی او الذمیة اذا اعلن بشتم الرسول ﷺ او طعن فی دین الاسلام طعناً ظاهراً او نسب الی الله تعالیٰ مالا یعتقده ولا یتدین به وانما الخلاف فی انتقاض العهد به۔" (اعلاء السنن، باب یقتل الذمی رجلاً کان او امراةً، ۵۳۹/۱۲)

ترجمہ: "خلاصہ کلام یہ ہے کہ علماء کے درمیان اس بات میں کوئی اختلاف نہیں کہ ذمی شاتم رسول کو قتل کیا جائے گا مرد ہو یا عورت جو اعلانیہ طور پر (یعنی لوگوں کو سب وشتم کا علم ہو جائے) جناب رسول اللہ ﷺ کو سب وشتم کرے یا دین اسلام کے بارے میں کھلم کھلا طعن وتشنیع کرے یا اللہ تعالیٰ کی طرف ایسی باتوں کو منسوب کرے جن کا وہ خود اعتقاد نہیں رکھتا اور نہ ہی وہ اس کے دین کا حصہ ہیں (علماء کا ایسے شخص کے بارے میں متفقہ فیصلہ قتل کا ہے) اختلاف صرف عہد ذمہ ختم ہونے اور نہ

ہونے میں ہے(یعنی احناف کے نزدیک عہد ذمہ ختم نہیں ہوتا)۔"

لیکن اس سے یہ ہرگز نہیں سمجھنا چاہیئے کہ جب سب وشتم کی وجہ سے عہد ذمہ ختم نہیں ہوتا تو اس ذمی شاتم رسول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو قتل بھی نہیں کیا جائے گا جیسا کہ بعض لوگ سمجھ بیٹھے ہیں کہ امام صاحب رحمۃ اللہ علیہ کے نزدیک ذمی شاتم رسول کا عہد ذمہ ختم نہیں ہوتا اور نہ ہی اس کو قتل کیا جائے گا یہ امام صاحب رحمۃ اللہ علیہ پر کذب ہے اس لیے کہ امام صاحب رحمۃ اللہ علیہ نے یہ فرمایا ہے کہ اس ذمی کا عہد ذمہ ختم نہیں ہوگا اس سے یہ بات تو ہرگز لازم نہیں آتی کہ اس کو قتل بھی نہیں کیا جائے گا۔ جیسا کہ اس کی تصریح کرتے ہوئے خیر الدین رملی رحمۃ اللہ علیہ نے فرمایا:"وقال الخير الرملي: لايلزم من عدم النقض عدم القتل"

ترجمہ:"اور عہد ذمہ ختم نہ ہونے سے یہ لازم نہیں آتا کہ اس کو قتل بھی نہ کیا جائے۔"

اسی طرح ابن سبکی نے بھی اس کی تصریح کی ہے۔

لا ينبغي ان يفهم من عدم الانتقاض انه لا يقتل فان ذلك لايلزم وقد حقق ذلك الوالد في كتابه السيف المسلول وصحيح انه يقتل وان قلنابعدم انتقاض العهد.(منحة الخالق على البحر الرائق كتاب السير فصل في الجزية، ۱۹۵/۵)

ترجمہ:"عہد ذمہ کے ختم نہ ہونے سے یہ نہیں سمجھنا چاہیئے کہ اس کو قتل بھی نہیں کیا جائے گا کیونکہ اس سے یہ لازم نہیں آتا (یعنی عہد ذمہ ختم نہ ہونے سے عدم قتل لازم نہیں آتا) اور اس کو والد نے اپنی کتاب السیف المسلول میں ثابت کیا ہے اور صحیح بات یہی ہے کہ اس کو قتل کیا جائے گا اگرچہ ہمارا قول عہد ذمہ کے ختم نہ ہونے کا ہے۔"

پس مذاہب اربعہ کے معتمد اکابر علماء کی عبارات اور اجماع امت سے یہ بات روزِ روشن کی طرح واضح ہوگئی کہ جو بھی ذمی کافر ازلی بدبخت، سید الاولین والاخرین رحمت للعالمین امام الانبیاء حضرت محمد صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے بارے میں سب وشتم کرے گا شریعت مقدسہ میں اس کی سزا صرف اور صرف قتل ہے اور آخرت میں اس کے لیے دردناک عذاب ہے ایسے ملعون کو زندہ رہنے کا کوئی حق نہیں۔ جیسا کہ اللہ جل شانہ کا ارشاد ہے:

مَلْعُوْنِيْنَ أَيْنَمَا ثُقِفُوْا أُخِذُوْا وَقُتِّلُوْا تَقْتِيْلاً(الاحزاب:۶۱)

ترجمہ:"(وہ) ملعون ہیں جہاں پائے گئے پکڑے گئے جان سے مارے گئے۔"

إِنَّ الَّذِيْنَ يُؤْذُوْنَ اللهَ وَرَسُوْلَه لَعَنَهُمُ اللهُ فِي الدُّنْيَا وَالْآخِرَةِ وَأَعَدَّ لَهُمْ عَذَابًا مُّهِيْنًا

(سورة الاحزاب:۵۷)

ترجمہ:"بیشک جو لوگ اللہ اور اس کے رسول کو تکلیف پہنچاتے ہیں ان پر اللہ تعالیٰ دنیا اور آخرت میں لعنت کرتا ہے، اور ان کے لیے اللہ تعالیٰ نے ذلیل کرنے والا عذاب تیار کر رکھا ہے۔"

لہٰذا تمام اسلامی حکومتوں کیلئے ضروری ہے کہ اگر ایسا کوئی ازلی بدبخت ان کی حکومت کے ماتحت ہے تو اس کو فوری طور پر قتل

کر کے جہنم رسید کریں کسی کیلئے یہ قطعاً جائز نہیں کہ وہ اللہ اور اس کے رسول کے دشمن کی پشت پناہی کرے یا اس کے لیے ہمدردی کے جذبات رکھے۔ جیسا کہ اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے:

يَا أَيُّهَا الَّذِيْنَ آمَنُوْا لَا تَتَّخِذُوْا عَدُوِّيْ وَعَدُوَّكُمْ أَوْلِيَاءَ تُلْقُوْنَ إِلَيْهِمْ بِالْمَوَدَّةِ الخ (الممتحنہ :۱)

ترجمہ: "اے ایمان والو! تم میرے دشمنوں اور اپنے دشمنوں کو دوست مت بناؤ کہ ان سے دوستی کا اظہار کرنے لگو۔"

نیز یہ بات بھی واضح رہے کہ ذمی شاتم رسول صلی اللہ علیہ وسلم کو قتل کرنے کا قانون ائمہ اربعہ رحمہ اللہ علیہم کا بنایا ہوا قانون نہیں بلکہ یہ وہی قانون ہے جس کی بنیاد بحکم الٰہی امام الانبیاء نے کعب بن اشرف یہودی کے قتل کے حکم کے ساتھ رکھی اور یہ وہی قانون ہے جس پر سب سے پہلے عمل کرنے والی صحابہ کرام رضوان اللہ علیہم اجمعین کی جماعت ہے لہٰذا مسلمانوں کے ہاں یہ قانون تا قیامت باقی رہے گا۔

رسالۃ

تنبیہ ذوی العقول

ببیان مذہب الحنفیۃ فی قبول التوبۃ لشاتم الرسول

شاتم رسول صلی اللہ علیہ وسلم کی توبہ قبول ہونے یا نہ ہونے سے متعلق مذہبِ حنفی کی مدلل وضاحت

مسئلہ ھذا میں شامیہ وغیرہ کے کلام کی مدلل تنقیح

(۲۶۰) شاتم رسول کی توبہ کا حکم

سؤال

کیا فرماتے ہیں علماء کرام ومفتیانِ عظام اس مسئلہ کے بارے میں کہ فقہ حنفی میں شاتم رسول کی توبہ قبول ہے یا نہیں؟ بحر وغیرہ میں قبولیت کا قول تحریر ہے اور غالباً یہی مذہب حنفیہ ہے جبکہ عند الجمہور قتل معین ہے توبہ قبول نہیں۔ جبکہ مختلف دارالافتاء سے جاری فتاوی میں مذہبِ حنفیہ بھی مع الجمہور قتل کا تحریر کیا جاتا ہے حوالہ فتاوی بزازیہ سے نقل کیا جاتا ہے کیا بزازیہ کے اس قول پر عمل اور فتویٰ درست ہے؟

الجواب بعون الملک الوھاب

شاتم رسول کی توبہ کی قبولیت یا عدمِ قبولیت سے متعلق فقہاء کا اختلاف ہے یعنی شاتم رسول توبہ کر کے دوبارہ اسلام لے آئے تو اسے قتل کیا جائے گا یا نہیں؟ مالکیہ کے راجح قول اور حنابلہ کے مذہب کے مطابق شاتم رسول کی توبہ قبول نہیں اور اسے شتم کے بدلے حداً قتل کیا جائے گا البتہ آخرت کے عذاب سے متعلق ان حضرات کے نزدیک بھی توبہ قبول ہے۔ شوافع کی طرف منسوب قول اور حنفیہ کے مذہب کے مطابق شاتمِ رسول کی توبہ قبول کی جائے گی یعنی شاتم رسول اگر توبہ کر کے دوبارہ اسلام لے آتا ہے اور اپنے ارتداد کو ترک کر دیتا ہے تو اسے قتل نہیں کیا جائے گا بلکہ دنیاوی قتل کے حق میں بھی اس کی توبہ مقبول ہوگی اور قتل ساقط ہو جائے گا۔

حنفیہ کی کتب میں اس سلسلے میں کچھ تضاد ہے بزازیہ، خلاصۃ الفتاوی، فتح القدیر، البحر الرائق اور دیگر معتبرات میں ہمارا مذہب شاتم رسول کی توبہ کی عدمِ قبولیت کا نقل ہے جبکہ النتف فی الفتاوی، طحطاوی علی الدر اور تنبیہ الولاۃ والحکام میں اس کے برخلاف قبولیت توبہ کے قول کو ترجیح دی گئی ہے، علامہ شامی رحمۃ اللہ علیہ نے شامیہ میں بھی تصریح فرمائی ہے کہ امام ابو یوسف رحمۃ اللہ علیہ کی کتاب الخراج میں بھی شاتم رسول کی توبہ کی قبولیت کا ذکر ہے۔

علامہ طحطاوی اور علامہ شامی رحمۃ اللہ علیہما نے شاتم رسول کی توبہ قبول ہونے کے قول کو راجح اور صحیح مذہب قرار دیا ہے جبکہ درمختار میں دونوں قول ذکر کر کے تطبیق دینے کی کوشش کی گئی ہے البتہ تنویر الابصار (جو کہ درمختار کا متن ہے اس) میں مطلقاً عدم قبول توبہ کا قول ذکر ہے بلکہ تنویر الابصار میں تو شیخین ابو بکر وعمر رضی اللہ عنہما کے ساب کے بھی مطلقاً قتل اور عدم قبولیت توبہ کا قول ذکر ہے۔ تنویر اور درمختار دونوں پر علامہ طحطاوی رحمۃ اللہ علیہ اور علامہ شامی رحمۃ اللہ علیہ نے سخت ردّ فرمایا ہے ہم اگلے صفحات میں تفصیل سے ان کا کلام نقل کریں گے یہاں اولاً ہم فقہاء میں اختلاف کی وجہ ذکر کریں گے سب سے پہلے صاحب فتاوی بزازیہ کو اس معاملے میں اشتباہ ہوا اور انہوں نے شفاء لقاضی عیاض وغیرہ کتب کی بعض مبہم عبارات سے یہ نتیجہ اخذ کر لیا کہ حنفیہ کے نزدیک شاتم رسول کی توبہ قبول نہیں اور وہ بہر صورت قتل ہوگا جبکہ شفاء کی وہ عبارت بھی مبہم تھی اور شفاء میں ہی دوسرے مقام پر حنفیہ کے مذہب کا قبولیتِ توبہ کا ہونا صراحۃً ذکر ہے۔ لہٰذا اولاً صاحب بزازیہ سے تسامح ہوا اس کی مکمل وضاحت شامیہ اور تنبیہ الولاۃ والحکام میں دیکھی جا سکتی ہے اس کے بعد آنے والوں نے بزازیہ کو اصل بنا لیا اور عدمِ قبولیت توبہ کا قول نقل کرتے آئے جبکہ یہاں حنفیہ کی کوئی تصریح عدمِ قبولیت توبہ سے متعلق نہیں فقط بزازیہ نے نقل کیا اور بعد والے بزازیہ سے نقل کرتے آئے۔ تنویر الابصار میں بھی عدمِ قبولیت توبہ کا ذکر ہے بلکہ شیخین رضی اللہ عنہما کے شاتم سے متعلق بھی عدمِ قبولیتِ توبہ کا قول ذکر ہے نیز درمختار کا رجحان بھی اسی طرف معلوم ہوتا ہے درمختار مع تنویر الابصار کی عبارت یہ ہے:

(وكل مسلم ارتد فتوبته مقبولة إلا) جماعة من تكررت ردته على ما مر و (الكافر بسب نبي) من الأنبياء فإنه يقتل حدا ولا تقبل توبته مطلقا ..وقد سمعت من مفتي الحنفية بمصر شيخ الإسلام ابن عبد العال أن الكمال وغيره تبعوا البزازي والبزازي تبع صاحب السيف المسلول عزاه إليه ولم يعزه لأحد من علماء الحنفية وقد صرح في النتف ومعين الحكام وشرح الطحاوي و حاوي الزاهدي وغيرها بأن حكمه كالمرتد ولفظ النتف من سب رسول الله صلى الله عليه وسلم فإنه مرتد وحكمه حكم المرتد ويفعل به ما يفعل بالمرتد انتهى وهو ظاهر في قبول توبته كما مر عن الشفاء فليحفظ ....فبعد أخذه لا تقبل توبته اتفاقا فيقتل وقبله اختلف في قبول توبته فعند أبي حنيفة تقبل فلا يقتل وعند بقية الأئمة لا تقبل ويقتل حدا ..وليكن التوفيق.(أو) الكافر بسب (الشيخين أو) بسب (أحدهما) في البحر عن (الجوهرة) معزيا للشهيد من سب الشيخين أو طعن فيهما كفر ولا تقبل توبته وبه أخذ

الدبوسی وأبو اللیث وهو المختار للفتوی انتهی وجزم به فی الأشباه وأقره المصنف قائلا وهذا یقوی القول بعدم قبول توبة ساب الرسول صلی الله علیه وسلم وهو الذی ینبغی التعویل علیه فی الإفتاء والقضاء رعایة لجانب حضرة المصطفی صلی الله علیه وسلم. لکن فی النهر وهذا لا وجود له فی أصل الجوهرة وإنما وجد علی هامش بعض النسخ فألحق بالأصل مع أنه لا ارتباط له بما قبله انتهی۔

(الدر المختار المطبوع مع الشامیة ۲۳۲/۴)

درمختار میں شاتم رسول کی توبہ کی قبولیت یا عدم قبولیت کے دونوں اقوال میں یہ تطبیق دی گئی ہے کہ اگر پکڑے جانے سے قبل شاتم رسول توبہ کر لے تو قبول ہوگی اور نتف والا قول لے لیا جائے اور اگر پکڑے جانے کے بعد توبہ کرتا ہے تو بزازیہ والے قول کو لے کر توبہ کو قبول نہ کیا جائے۔ صاحب درمختار نے ساب الشیخین رضی اللہ عنہما میں بھی تنویر پر کوئی خاص رد نہیں کیا لیکن درمختار کی اس عبارت کے تحت طحطاوی میں سخت استدراک ہے۔ درمختار میں چونکہ تنویر الابصار کے ساب الشیخین رضی اللہ عنہما کی بھی عدم قبولیت توبہ سے بزازیہ کے قول (ساب الرسول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی توبہ کی عدمِ قبولیت) کی ترجیح نقل ہے اس پر طحطاوی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں:

(قوله: وهذا یقوی القول بعدم قبول توبة ساب الخ) قد علمت انه مخالف لنصوص المذهب (قوله: وهو الذی ینبغی التعویل علیه) قلت الذی یجب التعویل علیه ما نصه اهل المذهب فان اتباعنا للمذهب واجب ولیس المصنف من ارباب الترجیح فیه (قوله: رعایة لجانب المصطفی الخ) ﷺ هو بالمؤمنین رؤوف رحیم فالمؤمل فی حضرته العلیة الصفح عنه اذا رجع (قوله: لکن فی النهر) قال السید الحموی فی حاشیة الاشباه حکی عمر ابن نجیم ان اخاه افتی بذلك فطلب منه النقل فلم یوجد الا علی طرة الجوهرة وذلك بعد حرق الرجل. واقول علی فرض ثبوت ذلك فی عامة نسخ الجوهرة لا وجه له یظهر ولما قدمناه من قبول توبة من سب الانبیاء عندنا خلافا للمالکیة والحنابلة واذا کان کذلك فلا وجه للقول بعدم قبول توبة من سب الشیخین بل لم یثبت ذلك عن احد من الائمة فیما علم. ونقله عنه ابو السعود فی حاشیتها. (طحطاوی علی الدر ۴۸۲/۲)

نیز علامہ شامی رحمۃ اللہ علیہ درمختار کی اس عبارت کے تحت فرماتے ہیں:

قوله (والبزازی تبع صاحب السیف المسلول) الذی قاله البزازی إنه یقتل حدا ولا توبة له أصلا سواء بعد القدرة علیه والشهادة أو جاء تائبا من قبل نفسه کالزندیق لأنه حد وجب فلا یسقط بالتوبة ولا یتصور فیه خلاف لأحد لأنه تعلق به حق العبد إلی أن قال ودلائل المسألة

تعرف فی کتاب الصارم المسلول علی شاتم الرسول ۔ وهذا کلام یقتضی منه غایة العجب کیف یقول لا یتصور فیه خلاف لأحد بعد ما وقع فیه اختلاف الأئمة المجتهدین مع صدق الناقلین عنهم کما أسمعناك وعزوه المسألة إلی کتاب الصارم المسلول وهو لابن تیمیة الحنبلی یدل علی أنه لم یتصفح ما نقلناه عنه من التصریح بأن مذهب الحنفیة والشافعیة قبول التوبة فی مواضع متعددة وکذلك صرح به السبکی فی السیف المسلول والقاضی عیاض فی الشفاء کما سمعته مع أن عبارة البزازی بطولها أکثرها مأخوذ من الشفاء ۔

فقد علم أن البزازی قد تساهل غایة التساهل فی نقل هذه المسألة ولیته حیث لم ینقلها عن أحد من أهل مذهبنا بل استند إلی ما فی الشفاء والصارم أمعن النظر فی المراجعة حتی یری ما هو صریح فی خلاف ما فهمه ممن نقل المسألة عنهم ولا حول ولا قوة إلا بالله العلی العظیم ۔ فلقد صار هذا التساهل سببا لوقوع المتأخرین عنه فی الخطإ حیث اعتمدوا علی نقله وقلدوه فی ذلك ولم ینقل أحد منهم المسألة عن کتاب من کتب الحنفیة بل المنقول قبل حدوث هذا القول من البزازی فی کتبنا وکتب غیرنا خلافه ۔ قوله (وقد صرح فی النتف الخ) أقول ورأیت فی کتاب الخراج لأبی یوسف ما نصه وأیما رجل مسلم سب رسول الله أو کذبه أو عابه أو تنقصه فقد کفر بالله تعالی وبانت منه امرأته فإن تاب وإلا قتل وکذلك المرأة إلا أن أبا حنیفة قال لا تقتل المرأة وتجبر علی الإسلام ... رأیت بخط شیخ مشایخنا السائحانی فی هذا المحل والعجب کل العجب حیث سمع المصنف کلام شیخ الإسلام یعنی ابن عبد العال ورأی هذه النقول کیف لا یشطب متنه عن ذلك ۔ (شامیة ۴/۲۳۴)

درمختار کی تطبیق بین القولین سے متعلق علامہ شامی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں:

قوله (ولیکن التوفیق) أی یحمل ما مر عن النتف وغیره من أنه یفعل به ما یفعل بالمرتد علی ما إذا تاب قبل أخذه وحمل ما فی البزازیة علی ما بعد أخذه وأنت خبیر بأن هذا التوفیق غیر ممکن لتصریح علمائنا بأن حکمه حکم المرتد ولا شك أن حکم المرتد غیر حکم الزندیق ولم یفصل أحد منهم هذا التفصیل ولأن البزازی ومن تابعه قالوا إنه لا توبة له أصلا سواء بعد القدرة علیه والشهادة أو جاء تائبا من قبل نفسه کما هو مذهب المالکیة والحنابلة فعلم أنهما قولان مختلفان بل مذهبان متباینان علی أن الزندیق الذی لا تقبل توبته بعد الأخذ هو المعروف بالزندقة الداعی إلی زندقته کما یأتی ومن صدرت منه کلمة الشتم مرة

عن غيظ أو نحوه لا يصير زنديقا بهذا المعنى۔ (شامية ۴/۲۳۶)

درمختار میں یہ تطبیق "معروضات مفتی ابوالسعود" سے ایک سوال جواب نقل کر کے دی گئی ہے طالب علم نے ابوالسعو د رحمۃ اللہ علیہ سے سوال کیا: أكل أحاديث النبي صلى الله عليه وسلم صدق يعمل بها؟" اس کے جواب میں ابوالسعو د رحمۃ اللہ علیہ نے فرمایا:

"فأجاب بأنه يكفر أولا بسبب استفهامه الإنكاري وثانيا بإلحاقه الشين للنبي صلى الله عليه وسلم ففي كفره الأول عن اعتقاده يؤمر بتجديد الإيمان فلا يقتل والثاني يفيد الزندقة فبعد أخذه لا تقبل توبته اتفاقا فيقتل وقبله اختلف في قبول توبته فعند أبي حنيفة تقبل فلا يقتل وعند بقية الأئمة لا تقبل ويقتل حدا الخ"(در مختار ۴/۲۳۵)

اس سوال وجواب کی بنیاد پر شاتم رسول پر زندیق کا حکم لگانا اور قبل الاخذ اور بعد الاخذ قبول توبہ کا فرق کر کے تطبیق دینا محل نظر ہے علامہ شامی رحمۃ اللہ علیہ نے رسائل ابن عابدین اور فتاویٰ شامیہ میں تفصیل سے اس پر استدراک فرمایا ہے بلکہ علامہ سائحانی رحمۃ اللہ علیہ کے حوالے سے نقل کیا ہے کہ:

"قال السائحاني اقول هذا لا يصدر عن ابي السعود لان كلام القائل يحتمل ان كل الاحاديث الموجودة ليست صدقا لان فيها الموضوع وهذا الاحتمال اقرب من غيره الخ"(شامية ۴/۲۳۵)

شیخین رضی اللہ عنہما پر سبّ کرنے والے کی عدم قبولیت توبہ اور تنویر الابصار کی اس بات کو درمختار کا شاتم رسول کے بارے میں بھی عدمِ قبولیت توبہ پر بدرجہ اولیٰ پیش کرنے پر استدراک کرتے ہوئے علامہ شامی رحمۃ اللہ علیہ تحریر فرماتے ہیں:

قوله (وهو الذي ينبغي التعويل عليه) قلت الذي ينبغي التعويل عليه ما نص عليه أهل المذهب فإن اتباعنا له واجب ط۔ قوله (رعاية لجانب حضرة المصطفى) أقول رعاية جانبه في اتباع ما ثبت عنه عند المجتهد..... مطلب مهم في حكم سب الشيخين: وأقول على فرض ثبوت ذلك في عامة نسخ الجوهرة لا وجه له يظهر لما قدمناه من قبول توبة من سب الأنبياء عندنا خلافا للمالكية والحنابلة وإذا كان كذلك فلا وجه للقول بعدم قبول توبة من سب الشيخين بل لم يثبت ذلك عن أحد من الأئمة فيما أعلم.....وبهذا تعلم قطعا أن ما عزى إلى الجوهرة من الكفر مع عدم قبول التوبة على فرض وجوده في الجوهرة باطل لا أصل له ولا يجوز العمل به وقد مر أنه اذا كان في المسألة خلاف ولو رواية ضعيفة فعلى المفتي أن يميل إلى عدم التكفير فكيف يميل هنا إلى التكفير المخالف للإجماع فضلا عن ميله إلى قتله وإن تاب وقد مر أيضا أن المذهب قبول توبة ساب الرسول فكيف ساب الشيخين. والعجب من صاحب

البحر حيث تساهل غاية التساهل فى الإفتاء بقتله مع قوله وقد ألزمت نفسى أن لا أفتى بشيء من ألفاظ التكفير المذكورة فى كتاب الفتاوى الخ۔ (شامية ۴/۲۳۷)

الغرض مسئلہ طویل الذیل ہے خلاصہ یہی ہے کہ حنفیہ کا مذہب جو کہ امام ابو یوسف رحمۃ اللہ علیہ سے کتاب الخراج میں صراحۃً، امام ابو بکر الجصاص سے شرح الطحاوی میں، النتف، طحطاوی اور شامیہ میں ذکر ہے کہ شاتم رسول کی توبہ اور اسلام قبول ہے توبہ کے بعد اسے قتل نہیں کیا جائے گا یہی راجح ہے شفاء، الصارم المسلول اور السیف المسلول میں بھی حنفیہ کا مذہب یہی نقل ہے کہ توبہ قبول ہوگی شوافع اور مالکیہ کے مرجوح قول کے مطابق بھی شاتم رسول کی توبہ قبول ہوگی۔ بزازیہ اور اس کے بعد کے شراح و مصنفین کو السیف المسلول اور شفاء وغیرہ کی بعض مبہم عبارات سے اشتباہ ہوگیا ہے شفاء وغیرہ کی "وبمثله قال ابو حنيفة الخ" اور "لا اعلم احدا من المسلمين اختلف فى وجوب قتله الخ" جیسی عبارات سے یہ نتیجہ اخذ کر لیا گیا کہ حنفیہ کا مذہب بھی توبہ قبول نہ ہونے کا ہے جبکہ انہی کتب میں واضح طور پر ہمارا مذہب قبولیت توبہ کا تحریر ہے "وبمثله" سے مراد صرف قتل کرنے میں تشبیہ دینا ہے نہ کہ عدم قبولیت توبہ میں اور "لا اعلم الخ" سے مراد مالکیہ میں اختلاف نہ ہونا ہے نہ کہ جمیع مسلمین کا اتفاق۔۔۔۔ جیسا کہ شفاء لقاضی عیاض کے شہرہ آفاق محشی ملا علی قاری رحمۃ اللہ علیہ نے شرح الشفاء میں وضاحت فرمائی ہے اور شفاء کے مبہم مقامات پر واضح تشریحات کی ہیں [بما لا مزید علیہ] البتہ اگر اس سے بھی زیادہ تفصیل مطلوب ہو تو علامہ شامی رحمۃ اللہ علیہ کی کتاب "تنبيه الولاة والحكام على احكام شاتم خير الانام او احد اصحابه الكرام" میں ملاحظہ کی جا سکتی ہے علامہ رحمۃ اللہ علیہ نے اس میں تمام باتیں اور شکوک مدلل انداز میں ردّ کیے ہیں۔ هذا خلاصة ماحررناه فى كتابنا تنبيه الولاة والحكام وان اردت الزيادة فارجع اليه واعتمد عليه ففيه الكفايه لذوى الدراية (شامية ۴/۲۳۷)

لکن يقول الراقم: قد تسامح العلامة ابن عابدين الشامى ايضا فى هذا المقام وذكر العلامة فى الشامية وتنبيه الولاة والحكام بأن القول بعدم قبول توبة الساب لا اصل له فى الكتب ولا يوجد قبل البزازية فى كتاب من كتب الحنفية حيث قال العلامة فى الفتاوى الشامية:

"فقد علم ان البزازى قد تساهل فيه غاية التساهل فى نقل هذه المسالة ...... فلقد صار هذا التساهل سببا لوقوع عامة المتأخرين عنه فى الخطاء حيث اعتمدوا على نقله وقلدوه فى ذلك ولم ينقل احد منهم المسئلة عن كتاب من كتب الحنفية بل المنقول قبل حدوث هذا القول من البزازى فى كتبنا و كتب غيرنا خلافه. انتهى كلام الشامية (۴/ ۲۳۴)۔

وحيث قال العلامة فى تنبيه الولاة والحكام:

حيث تابع البزازى ومن بعده على شئى لا اصل له فى كتب المذهب ولا نقله احد ممن قبلهم وانما المنقول والمحكى عن ائمتنا خلافه بلا حكاية خلاف

(تنبیه الولاة والحكام المطبوع فی رسائل ابن عابدين ص ۳۳۲)

اقول: وبالله التوفيق: فيه نظر۔ انا نسلم بأن المتاخرين قد اعتمدوا على البزازی فی نقل القول بعدم قبول التوبة لكن هناك كتب اخرى قبل البزازية قد ذكرفيه القول بعدم قبول التوبة۔ منها خلاصة الفتاوى ونصه مايليه:

"وفي المحيط: من شتم النبی ﷺ واهانه او عابه ...... صادرا عنه عمدا او سهوا او غفلة او جدا او هزلا فقد كفر خلودا بحيث ان تاب لم تقبل توبته ابدا لا عند الله ولا عند الناس وحكمه فی الشريعة المطهرة عند متاخرين المجتهدين اجماعا وعند المتقدمين القتل قطعا ولا يداهن السلطان ونائبه فی حكم قتله وفی شرح الطحاوی كل من سبّ رسول الله ﷺ او ينقصه كان فيه ردّة وفی الروضة ان الاخبار لاجل اثبات حق النبی فيشترط فيه الدعوى وطلب الحق بطريق النيابة عن رسول الله ﷺ لان كل من اقام من المسلمين بطلب حق رسول الله ﷺ كان نائبا عنه والفرق بين سب النبی وبين سبّ الله تعالىٰ انه يقبل توبة من سب الله ولا يقبل توبة من سبّ رسول الله صلى الله عليه وسلم" (خلاصة الفتاوى ۳۸۶/۴ كتاب الفاظ الكفر)

كان وفاة صاحب خلاصة الفتاوى ۵۴۲ھ (كشف الظنون ۵۵۱/۱)وهو مما يعتمد عليه فی المذهب الحنفية ومعلوم بالضرورة أن صاحب الفتاوى البزازية قد توفى فی ۸۲۷ھ (كشف الظنون ۲۳۵/۱)۔ نقل صاحب خلاصة الفتاوی القول بعدم قبول التوبة عن المحيط والروضة (ولعل المراد بالمحيط محيط السرخسی لمحمد بن احمد السرخسی المتوفى ۴۳۸ھ والمعروف بالرضوی ايضالأنی لم أجد هذا فی المحيط البرهانی والمحيط محيطان المحيط البرهانی و محيط السرخسی ولعل المراد بالروضة هو الروضة فی فروع الحنفية للناطفی المتوفى ۴۴۶ھ)و كفى بهولاء قدوة ومستندالأنهم من مشاهير الفقهاء الحنفية۔۔واستدل صاحب الخلاصة ايضا من كلام الجصاص المتوفى ۳۷۰ھ فی شرح الطحاوی "كان فيه ردة" على عدم قبول توبة الساب فهولاء الاعلام صاحب الخلاصة والمحيط والروضة والجصاص قد ذكروا القول بعدم قبول التوبة فكيف يصح ان يقال "ولا نقله احد ممن قبلهم الخ"۔

فاقول صاحب خلاصة الفتاوى والمحيط والروضة قد اختار واقبل البزازية القول بعدم قبول توبة السابّ۔ وثبت ان العلامة ابن عابدين قد تسامح فی هذا المقام وأخطأ فی القول بأن مذهب الحنفية بعدم قبول توبة الساب لا يوجد قبل البزازية فی كتب الاعلام۔

لكن اريد ان اوضح فی هذا المقام بأنی آخذ بما قاله العلامة الشامی والطحاوی وهو راجح فی الجملة وان

اخطا فی ادعاءه بعدم وجدان هذا القول قبل البزازية لکن کما ذکر العلامة ابن عابدين أن الامام ابا یوسف فی کتاب الخراج وصاحب النتف وغيرهما من الاعلام الحنفية قد اختاروا القول بقبول توبة الساب و کما ذکرتُ بأنّ علی القاری ﷺ قد أوضح فی شرح الشفاء بان المذهب المعتمد عندنا هو قبول التوبة (شرح الشفاء ٢/٤٧١) و صاحب الشفاء والسيف المسلول قد ذکرا بأن مذهب الحنفية هو قبول التوبة. (شفاء ٢/ ٣٩٢ و ٤٧٠) (السيف المسلول ١٣٨)فهو جدير بان یوخذ ويفتی به خصوصا فی زماننا لما کثر الطعن علی احکام الاسلام لسوء الافهام وزلة الاقدام فلا ينبغی لنا ان نتوفر لاعداء الاسلام موقعالان يطعنواعلی احکامناوشريعتناوان کان ذلك لطغيانهم. فلو نقول بقتل الساب ولو تاب واسلم فيشکل الامر ويتعذر العمل به فلا جل هذا نقول بان مذهب الحنفية المعتمد والراجح حسب تحقیق الطحطاوی والشامی هو القول بقبول توبة الساب ماخوذ فی هذا الباب. انتهی کلام الراقم.

یعنی فتاوی بزازیہ پر متاخرین کے اعتماد کا دعویٰ کرنا صحیح تو ہے لیکن علامہ شامی رحمۃ اللہ علیہ کا یہ دعویٰ محل نظر ہے کہ بزازیہ سے قبل کسی نے عدم قبولیت توبہ کا قول ذکر نہیں کیا۔ صاحب خلاصۃ الفتاویٰ ۵۴۲ھ نے محیط اور روضہ وغیرہ کے حوالے سے واضح الفاظ میں عدم قبولیت توبہ کا قول ذکر کیا ہے۔محیط سے مراد بظاہر محیط سرخسی ہے، کیونکہ محیط برہانی میں ہمیں یہ مسئلہ باوجود تتبع کے نہ ملا۔ محیط سرخسی کے مصنف محمد بن احمد السرخسی ہیں اور ان کی محیط کو محیط رضوی بھی کہا جاتا ہے۔ یہ کتاب اگرچہ مطبوع نہیں لیکن فقہ حنفی کے معتمدات میں اس کا شمار ہوتا ہے۔ روضہ سے مراد بظاہر روضہ للناطفی رحمۃ اللہ علیہ ہے۔ ناطفی رحمۃ اللہ علیہ کا شمار بھی کبار فقہاء احناف میں ہوتا ہے۔ الفوائد البہیۃ فی تراجم الحنفیۃ میں ہے:

> احمد بن محمد بن عمرو ابو العباس الناطفی الطبری نسبته الی عمل الناطف أو بيعه قال امير کاتب فی فصل الغسل من غاية البيان هو من کبار علمائنا العراقيين تلميذ ابی عبد الله الجرجانی .... وفی الجواهر المضية هو احد الفقهاء الکبار وأحد اصحاب الواقعات والنوازل ومن تصانيفه الاجناس والفروق والواقعات وله الهداية مات بالری سنة ست واربعين واربعمائة.

(الفوائد البهية ٣٦ ـ احمد بن محمد)

کشف الظنون میں ہے۔

> الروضة فی فروع الحنفية للناطفی المتوفی : سنة ٤٤٦، ست وأربعين وأربعمائة وهی صغيرة الحجم کثيرة الفائدة وفيها فروع غريبة.

(کشف الظنون ١/٩٣٦)

اور علامہ زرکلی رحمۃ اللہ علیہ کی اعلام میں ہے:

أحمد بن محمد بن عمر أبو العباس الناطفي: فقيه حنفي، من أهل الري. نسبته إلى عمل الناطف. من كتبه (الاجناس - خ) في أوقاف بغداد. و (الفروق) و (الروضة - خ) في البلدية (ن۱۲۰۸ب) و (الواقعات)۔ (اعلام للزر کلی ۲۱۳/۱ ط: دار العلم)

خلاصۃ الفتاوی کے مصنف بزازیہ سے تین صدی قبل کے ہیں لہٰذا یہ دعویٰ کہ بزازیہ سے قبل کسی حنفی فقیہ نے یہ مذہب ذکر ہی نہیں کیا محل نظر ہے۔ تاہم مکمل تحقیق وتفحص کے بعد علامہ شامی رحمۃ اللہ علیہ اور علامہ طحطاوی رحمۃ اللہ علیہ کی تحقیق ہی صائب معلوم ہوتی ہے بندہ ناچیز اسی کو راجح سمجھتا ہے مسئلہ ہذا میں متاخرین کا مدار فتاویٰ بزازیہ پر ہی ہے اور بزازیہ کا مکمل اعتماد شفاء، سیف اور الصارم پر ہے اور شفاء وغیرہ کی بھی ایک غیر صریح عبارت سے عدم قبولیت توبہ کا مذہب اخذ کرلیا گیا ہے جبکہ ان کتب میں ہی حنفیہ کا مذہب صراحۃً قبولیت توبہ کا ذکر ہے نیز السیف المسلول میں تو یہاں تک ذکر ہے کہ کسی حنفی کا قول عدم قبولیت توبہ کا مجھے معلوم نہیں لہٰذا ان ہی کتب کی غیر صریح عبارات سے حنفیہ کا مذہب عدمِ قبولیت توبہ کا اخذ کرنا تسامح ہے نیز علامہ شامی رحمۃ اللہ علیہ کی تصریح کے مطابق امام ابو یوسف رحمۃ اللہ علیہ نے کتاب الخراج میں اور صاحب تتف وغیرہ نے قبولیت توبہ کا مذہب ذکر کیا ہے یہ اعلام حنفیہ ہیں اسی طرح اسلام کے خلاف موجود پروپیگنڈے بھی اسی کے متقاضی ہیں کہ قبولیت توبہ کا قول اختیار کیا جائے کیونکہ ایک شاتم کو باوجود توبہ اور اسلام کے قتل کرنا سازشیوں کو موقع طعن فراہم کرے گا اور اس پر عمل مشکل ہے لہٰذا راجح اور معتمد مذہب حنفیہ کا یہی ہے کہ شاتم رسول اگر توبہ کر کے اسلام لے آئے تو اس کی توبہ بہر صورت مقبول ہوگی اور قتل ساقط ہوجائے گا فتاویٰ محمودیہ میں بھی شاتم رسول کی توبہ کی قبولیت کا قول لیا گیا ہے اس باب میں مالکیہ کا راجح قول اور حنابلہ کا مذہب عدم قبولیت توبہ کا ہے ان کے نزدیک شاتم رسول کو بہر صورت حدًّا قتل کیا جائے گا۔

لمافي البزازية (۳۲۱/۶) الا اذا سب الرسول عليه الصلاة والسلام أو واحدا من الانبياء عليهم الصلاة والسلام فانه يقتل حدا ولا توبة له اصلا سواء بعد القدرة عليه والشهادة او جاء تائباً من قبل نفسه كالزنديق لانه حد وجب فلا يسقط بالتوبة كسائر حقوق الآدميين ...... وبخلاف الارتداد لانه معنى يتفرد المرتد لاحق فيه لغيره من الآدميين ولكنه قلنا اذاشتمه عليه الصلاة والسلام سكران لا يعفى ويقتل ايضاً حدا وهذا مذهب ابي بكر الصديق رضى الله عنه و الامام الاعظم والثورى واهل الكوفة والمشهور من مذهب مالك واصحابه قال الخطابي لاأ علم احدا من المسلمين اختلف في وجوب قتله اذا كان مسلما وقال ابن سحنون المالكي اجمع العلماء ان شاتمه كافر وحكمه القتل ومن شك في عذابه وكفره كفر......"

وفي خلاصة الفتاوىٰ (كتاب الفاظ الكفر) (۳۸۶/۴): وفي المحيط من شتم النبي واهانه او عابه في امور دينه او في شخصه او في وصفه من اوصاف ذاته سواء كان الشاتم مثلاً من امته او غيرها وسواء كان من اهل الكتاب او غيره ذميا كان او حربياً سواء كان الشتم او الاهانة او

العیب صادرا عنہ عمداً أو سہواً او غفلۃً او جداً او ھزلاً فقد کفر خلوداً بحیث ان تاب لم یقبل توبتہ ابداً لاعند اللہ ولا عند الناس۔

وفی شرح الطحطاوی: کل من سبّ رسول اللہ ﷺ اوینقصہ کان فیہ ردۃ" وفی الروضۃ: ان الاخبار لاجل اثبات حق النبی ﷺ فیشترط فیہ الدعوی وطلب الحق بطریق النیابۃ عن رسول اللہ ﷺ لان کل من قام من المسلمین بطلب حق عن رسول اللہ ﷺ کان نائباً عنہ والفرق بین سب النبی ﷺ وبین سب اللہ تعالیٰ انہ یقبل توبۃ من سب اللہ تعالیٰ ولا یقبل توبۃ من سب رسول اللہ ﷺ..."

وفی رسائل ابن عابدین، کتاب تنبیہ الولاۃ والحکام (۳۳/۱): فاذا علمت ذلک فاعلم ان جمیع ما قالہ البزازی ماخوذ من الشفاء لموافقتہ لمذھبہ وقد نقل ذلک صاحب البزازیۃ مع تصرف فی التعبیر اصاب فی بعض منہ دون بعض ولما جعل القاضی عیاض الساب بمنزلۃ الزندیق بنی علیہ قولہ انہ لا یتصور فی عدم قبول توبتہ خلاف لاحد ...... فلیس مرادہ انہ لم یصدر خلاف بین المجتھدین فی حکم الساب فانہ مخالف لما صرح بہ نفسہ من وقوع اختلاف الروایۃ عن امام مذھبہ حیث روی الولید بن مسلم عن الامام مالک ان السب ردۃ فیستتاب منھا ولا یقتل وانہ قال بمثلہ ابو حنیفۃ واصحابہ ۔۔۔۔واھل الکوفۃ والاوزاعی وکان البزازی ظن ان قولہ ولا یتصور فیہ خلاف لاحد انہ اراد حکایۃ الاجماع علی ذلک فجزم بان مذھب ابی حنیفۃ عدم قبول التوبۃ ولم یتفطن لما قلنا۔۔الخ"

وفی الصارم المسلول (ص۲۰۹) المسألۃ الثالثۃ انہ یقتل ولا یستتاب سواء کان مسلما او کافراً ۔۔۔۔یقتل ساب النبی ﷺ ولا تقبل توبتہ، سواء کان مسلماً او کافراً، ومرادھم بانہ لا تقبل توبتہ ان القتل لایسقط عنہ بالتوبۃ، والتوبۃ اسم جامع للرجوع عن السب بالاسلام وبغیرہ، فلذلک اتوابھا، وارادوا انہ لورجع عن السب بالاسلام او بالاقلاع عن السب والعود الی الذمۃ ان کان ذمیاً لم یسقط عنہ القتل، لان عامۃ ھؤلاء لما ذکروا ھذہ المسئلۃ قالوا خلافا لابی حنیفۃ و الشافعی فی قولھما: ان کان مسلماً یستتاب، فان تاب و الاقتل کالمرتد......"

وفی الدرالمختار، کتاب الجھاد، باب المرتد (۲۳۴/۴) ایچ ایم سعید کمپنی: زاد المصنف في شرحہ وقد سمعت من مفتي الحنفیۃ بمصر شیخ الإسلام ابن عبد العال أن الکمال وغیرہ تبعوا

البزازي والبزازي تبع صاحب السيف المسلول عزاه إليه ولم يعزه لأحد من علماء الحنفية وقد صرح في النتف ومعين الحكام وشرح الطحاوي و حاوي الزاهدي وغيرها بأن حكمه كالمرتد ولفظ النتف من سب رسول الله صلى الله عليه وسلم فإنه مرتد وحكمه حكم المرتد ويفعل به ما يفعل بالمرتد انتهى وهو ظاهر في قبول توبته كما مر عن الشفاء اه فليحفظ

وقال ابن عابدين تحته :قوله (وقد صرح في النتف الخ) أقول ورأيت في كتاب الخراج لأبي يوسف ما نصه وأيما رجل مسلم سب رسول الله أو كذبه أو عابه أو تنقصه فقد كفر بالله تعالى وبانت منه امرأته فإن تاب وإلا قتل وكذلك المرأة إلا أن أبا حنيفة قال لا تقتل المرأة وتجبر على الإسلام اه وهكذا نقل الخير الرملي في حاشية البحر أن المسطور في كتب المذهب أنها ردة وحكمها حكمها ثم نقل عبارة النتف ومعين الحكام والعجب منه أنه أفتى بخلافه في الفتاوى الخيرية ـ

(۲۶۱) شاتم رسول کو انفراداً قتل کرنا

سؤال

کیافرماتے ہیں علماء کرام ومفتیانِ عظام اس مسئلہ کے بارے میں کہ میں ایک مدرسہ کا طالب علم ہوں آپ سے یہ بات معلوم کرنی ہے کہ شاتم رسول کو سزادینا حکومت وقت کا کام ہوتا ہے یا اگر اسلامی حکومت نہ ہوتو کوئی بھی دے سکتا ہے اگر کوئی خود دے انفرادی طور پر تو اس کا یہ فعل قابل مذمت ہے یا قابل تحسین؟ نیز آپ حضرات سے التماس ہے کہ مسئلہ ھذا سے متعلق مجھے صحاح ستہ اور اس کے علاوہ جتنا بھی ذخیرہ احادیث آپ حضرات کے پاس ہے وہ استفتاء کے جواب میں دیدیں اللہ تعالیٰ آپ حضرات سے ایسے ہی دین کا کام لیتا رہے۔ آمین

الجواب بعون الملک الوھاب

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے دنیا میں ہی اپنی حیات طیبہ میں بہت سے شاتمین رسول کو قتل کروایا جن میں کعب بن اشرف، اسود عنسی اور ابورافع سرفہرست ہیں۔ اس کے علاوہ بہت سے شاتمین سے صحابہ کرام رضوان اللہ علیہم اجمعین نے انتقام لیا آپ علیہ الصلوٰۃ والسلام کو خبر ہوئی تو آپ بہت خوش ہوئے اور بعض جگہ تو فرمایا "الا اشھدوا ان دمھاھدر" "لوگو! آگاہ رہو کہ اس کا خون مباح ہے لہٰذا اگر حقیقتاً کسی نے شان رسالت میں توہین کا ارتکاب کیا ہو تو حکومت وقت کی یہ ذمہ داری ہے کہ اسے گرفتار کر کے کیفرِ کردار تک پہنچائے ہمارے پاکستان میں شاتمِ رسول کی سزا مقرر ہے لہٰذا یہ عدالت کا کام ہے کہ اس پر عمل کرے ہر شخص کیلئے گنجائش نہیں کہ شاتمِ رسول کو قتل کرے البتہ اگر کسی ملک میں شاتمِ رسول کی سزا سے متعلق قانون ہی نہ ہو یا قانون تو ہو لیکن اس پر عمل نہ ہوتا ہو ایسی جگہ پر کسی نے شاتمِ رسول کو قتل کر دیا تو شرعاً چونکہ اس شخص کا خون مباح ہے لہٰذا قتل کرنے والے کو سزا نہیں دی جائے گی۔

لما في سنن ابي داؤد (۲۴۳/۲) باب الحكم فيمن سب النبي صلى الله عليه وسلم: عن عكرمة قال حدثنا ابن عباس أن أعمى كانت له أم ولد تشتم النبى -صلى الله عليه وسلم- وتقع فيه فينهاها فلا تنتهى ويزجرها فلا تنزجر -قال- فلما كانت ذات ليلة جعلت تقع فى النبى -صلى الله عليه وسلم- وتشتمه فأخذ المغول فوضعه فى بطنها واتكأ عليها فقتلها فوقع بين رجليها طفل فلطخت ما هناك بالدم فلما أصبح ذكر ذلك لرسول الله -صلى الله عليه وسلم- فجمع الناس فقال أنشد الله رجلا فعل ما فعل لى عليه حق إلا قام فقام الأعمى يتخطى الناس وهو يتزلزل حتى قعد بين يدى النبى -صلى الله عليه وسلم- فقال يا رسول الله أنا صاحبها كانت تشتمك وتقع فيك فأنهاها فلا تنتهى وأزجرها فلا تنزجر ولى منها ابنان مثل اللؤلؤتين

وكانت بي رفيقة فلما كانت البارحة جعلت تشتمك وتقع فيك فأخذت المغول فوضعته في بطنها واتكأت عليها حتى قتلتها. فقال النبي -صلى الله عليه وسلم- ألا اشهدوا أن دمها هدر.

وفي اعلاء السنن (١٢/٦٠٣) حكم قتل المرتد قبل امر الامام: وفيه ايضاً فان قتله قاتل قبل عرض الاسلام عليه كره ولا شئى على القاتل ومعنى الكراهية ههنا ترك المستحب وانتفاء الضمان لان الكفر مبيح للقتل والعرض بعد بلوغ الدعوة غير واجب " الخ قال المحقق في "الفتح" فهي كراهة وعند من يقول بوجوب العرض كراهة تحريم وفي شرح الطحاوي: اذا فعل ذلك بغير اذن الامام ادب الخ (٥/٣١٠) قلت: دليل جواز القتل بدون الاستتابة ما مر من فعل ابي موسى وسعد، ولم يوجب عليهم عمر بفعلهم شيئا، فدل على انتفاء الضمان، فافهم ......وفيه (ص٦٣٢): قلت وما ذكره المحقق من عدم قبول توبة الساب لعله اخذه عن البزازي والا فالمشهور من مذهب الحنفية ان حكمه حكم المرتد في قبول توبته فان تاب نكل وان ابي قتل، كما ذكره في الدر و الشامية......الخ.

وفي صحيح البخاري (٢/٥٧٦) باب قتل كعب بن اشرف: قال عمرو: سمعت جابر بن عبد الله رضي الله عنهما، يقول: قال رسول الله صلى الله عليه وسلم: من لكعب بن الأشرف، فإنه قد آذى الله ورسوله فقام محمد بن مسلمة فقال: يا رسول الله، أتحب أن أقتله؟ قال: نعم، قال: فأذن لي أن أقول شيئا، قال: قل، فأتاه محمد بن مسلمة فقال: إن هذا الرجل قد سألنا صدقة، وإنه قد عنانا وإني قد أتيتك أستسلفك، قال: وأيضا والله لتملنه، قال: إنا قد اتبعناه، فلا نحب أن ندعه حتى ننظر إلى أي شيء يصير شأنه، وقد أردنا أن تسلفنا وسقا أو وسقين - وحدثنا عمرو غير مرة فلم يذكر وسقا أو وسقين... فقال: نعم، ارهنوني، قالوا: أي شيء تريد؟ قال: ارهنوني نساءكم، قالوا: كيف نرهنك نساءنا وأنت أجمل العرب، قال: فارهنوني أبناءكم، قالوا: كيف نرهنك أبناءنا، فيسب أحدهم، فيقال: رهن بوسق أو وسقين، هذا عار علينا، ولكنا نرهنك اللامة - قال سفيان: يعني السلاح - فواعده أن يأتيه، فجاءه ليلا ومعه أبو نائلة، وهو أخو كعب من الرضاعة، فدعاهم إلى الحصن، فنزل إليهم، فقالت له امرأته: أين تخرج هذه الساعة؟ فقال إنما هو محمد بن مسلمة، وأخي أبو نائلة، وقال غير عمرو، قالت: أسمع صوتا كأنه يقطر منه الدم، قال: إنما هو أخي محمد بن مسلمة ورضيعي أبو نائلة إن الكريم لو دعي إلى طعنة بليل لأجاب، قال: ويدخل محمد بن مسلمة معه رجلين....قال عمرو: جاء معه

برجلين، فقال: إذا ما جاء فإني قائل بشعره فأشمه، فإذا رأيتموني استمكنت من رأسه، فدونكم فاضربوه، وقال مرة: ثم أشمكم، فنزل إليهم متوشحا وهو ينفح منه ريح الطيب، فقال: ما رأيت كاليوم ريحا، أي أطيب، وقال غير عمرو: قال: عندي أعطر نساء العرب وأكمل العرب، قال عمرو: فقال أتأذن لي أن أشم رأسك؟ قال: نعم، فشمه ثم أشم أصحابه، ثم قال: أتأذن لي؟ قال: نعم، فلما استمكن منه، قال: دونكم، فقتلوه، ثم أتوا النبي صلى الله عليه وسلم فأخبروه.

وفيه أيضاً (ص ٥٧٧) باب قتل أبي رافع عبد الله بن أبي الحقيق:.... عن البراء بن عازب، قال: بعث رسول الله صلى الله عليه وسلم إلى أبي رافع اليهودي رجالا من الأنصار، فأمر عليهم عبد الله بن عتيك، وكان أبو رافع يؤذي رسول الله صلى الله عليه وسلم ويعين عليه، وكان في حصن له بأرض الحجاز، فلما دنوا منه، وقد غربت الشمس، وراح الناس بسرحهم، فقال عبد الله لأصحابه: اجلسوا مكانكم، فإني منطلق، ومتلطف للبواب، لعلي أن أدخل، فأقبل حتى دنا من الباب، ثم تقنع بثوبه كأنه يقضي حاجة، وقد دخل الناس، فهتف به البواب، يا عبد الله: إن كنت تريد أن تدخل فادخل، فإني أريد أن أغلق الباب، فدخلت فكمنت، فلما دخل الناس أغلق الباب، ثم علق الأغاليق على وتد، قال: فقمت إلى الأقاليد فأخذتها، ففتحت الباب، وكان أبو رافع يسمر عنده، وكان في علالي له، فلما ذهب عنه أهل سمره صعدت إليه، فجعلت كلما فتحت بابا أغلقت علي من داخل، قلت: إن القوم نذروا بي لم يخلصوا إلي حتى أقتله، فانتهيت إليه، فإذا هو في بيت مظلم وسط عياله، لا أدري أين هو من البيت، فقلت: يا أبا رافع، قال: من هذا؟ فأهويت نحو الصوت فأضربه ضربة بالسيف وأنا دهش، فما أغنيت شيئا، وصاح، فخرجت من البيت، فأمكث غير بعيد، ثم دخلت إليه، فقلت: ما هذا الصوت يا أبا رافع؟ فقال: لأمك الويل، إن رجلا في البيت ضربني قبل بالسيف، قال: فأضربه ضربة أثخنته ولم أقتله، ثم وضعت ظبة السيف في بطنه حتى أخذ في ظهره، فعرفت أني قتلته، فجعلت أفتح الأبواب بابا بابا، حتى انتهيت إلى درجة له، فوضعت رجلي، وأنا أرى أني قد انتهيت إلى الأرض، فوقعت في ليلة مقمرة، فانكسرت ساقي فعصبتها بعمامة، ثم انطلقت حتى جلست على الباب، فقلت: لا أخرج الليلة حتى أعلم: أقتلته؟ فلما صاح الديك قام الناعي على السور، فقال: أنعى أبا رافع تاجر أهل الحجاز، فانطلقت إلى أصحابي، فقلت: النجاء، فقد قتل الله

أبا رافع، فانتهيت إلى النبي صلى الله عليه وسلم فحدثته، فقال: ابسط رجلك فبسطت رجلي فمسحها، فكأنها لم أشتكها قط۔

(۲۶۲) جنات کی طرف مبعوث انبیاء

سؤال

کیا فرماتے ہیں علماء کرام ومفتیان عظام اس مسئلہ کے بارے میں کہ اللہ تعالیٰ نے جس طرح انسانوں میں یکے بعد دیگرے انبیاء کو مبعوث فرمایا کیا اسی طرح جنات میں یہی معاملہ رہا یا ان کے ہاں انبیاء مبعوث نہیں ہوتے تھے؟

الجواب بعون الملک الوھاب

نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم سے قبل جنات کی طرف ان میں سے کوئی نبی مبعوث نہیں ہوا۔ ہاں انبیاء کے رسول وقاصد جنات میں جا کر جنات کو دعوت دیتے رہے ہیں اور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم انسانوں اور جنات دونوں کی طرف مبعوث ہوئے۔

لمافی الفتاوی الحدیثیة (ص۶۶): ولم یبعث الیهم نبی قبل نبینا قطعا علی ماقاله ابن حزم: ای انماکانوا متطوعین بالایمان لموسی مثلا والدخول فی شریعته۔ وقال السبکی: لاشك انهم مکلفون فی الامم الماضیة کهذه الملة اما بسماعهم من الرسول او من صادق عنه۔

وفیه ایضاً (ص۶۹): وجمهور الخلف والسلف انه لم یکن منهم رسول ولانبی خلافا للضحاك ومعنی رسل منکم ای من مجموعکم وهم الانس اوالمراد بهم رسل الرسل۔

وفی لقط المرجان فی احکام الجان (ص۷۲): جمهورا لعلماء سلفا وخلفا علی انه لم یکن من الجن قط رسول ولانبی کذا روی عن ابن عباس ومجاهد وکلبی وابی عبید۔

(۲۶۳) انبیاء علیہم السلام کے ختنے کی صورت

سؤال

کیا فرماتے ہیں علماء کرام ومفتیان عظام اس مسئلہ کے بارے میں کہ عام طور پر مشہور ہے کہ سب سے پہلے حضرت ابراہیم علیہ الصلوٰۃ والسلام نے ختنہ کیا۔ سوال یہ ہے کہ حضرت ابراہیم علیہ الصلوٰۃ والسلام سے پہلے انبیاء ختنہ کراتے تھے یا نہیں؟

الجواب بعون الملک الوھاب

حضرت ابراہیم علیہ الصلوٰۃ والسلام سے پہلے انبیاء علیہم السلام پیدائشی طور پر مختون پیدا ہوئے۔

لما في روح البيان (۱/۲۲۳): وقد ولد الانبياء كلهم مختونين مسرورين اى مقطوعى السرة كرامة لهم الاابراهيم خليل الله فانه ختن نفسه ببلدة قدوم بالتخفيف والتشديد وهو ابن مائة وعشرين اوثمانين ليستن بسنة بعده۔

وفي المرقاة (۷/۲): الختان بخاء معجمة وتاء فوقها نقتطان وهى من سنة الانبياء كماسبق من لدن ابراهيم عليه الصلوة والسلام الى زمن نبينا محمدﷺ وروى ان آدم وشيثا ونوحا وهودا وصالحا ولوطا وشعيبا ويوسف وموسى ....ولدوا مختونين۔

(۲۶۴) مرتبہ نبوت ولایت سے افضل ہے

سؤال

کیا فرماتے ہیں علماء کرام اس مسئلہ کے بارے میں کہ مرتبہ ولایت کبھی مرتبہ نبوت سے افضل ہوسکتا ہے؟

الجواب بعون الملک الوهاب

مرتبہ ولایت کبھی مرتبہ نبوت سے افضل نہیں ہوسکتا بلکہ ہمیشہ مرتبہ نبوت ہی افضل ہوتا ہے۔

لما في شرح العقائد (ص۱۴۱): ولایبلغ ولی درجة الانبياء لان الانبياء معصومون مامونون عن خوف الخاتمة مكرمون بالوحى ومشاهدة الملك مامورون بتبليغ الاحكام وارشاد الانام بعد الاتصاف بكمالات الاولياء۔

وفي شرح الفقه الاكبر (ص۱۱۸): ونبى واحد افضل من جميع الاولياء۔

(۲۶۵) رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی تاریخ ولادت ووفات اور آپ کے غسل وجنازہ کی کیفیت

سؤال

کیا فرماتے ہیں علماء کرام ومفتیان عظام اس مسئلہ کے بارے میں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے وصال کے بعد آپ کو غسل کس نے دیا تھا؟ آپ کا جنازہ کس نے پڑھایا؟ نیز تاریخ پیدائش مع تاریخ وفات تینوں اجزاء میں راجح اقوال تحریر کریں۔

الجواب بعون الملک الوهاب

حضرت علی رضی اللہ عنہ نے حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو غسل دیا تھا۔ حضرت عباس، فضل اور قثم رضوان اللہ تعالیٰ علیہم اجمعین آپ کے پہلوئے

مبارک بدلتے رہے اور حضرت اسامہ اور صالح رضی اللہ عنہما پانی ڈال رہے تھے۔

آپ کی نماز جنازہ کسی نے نہیں پڑھائی بلکہ آپ کے جسد اطہر کو حجرہ مبارکہ میں رکھ دیا گیا۔ صحابہ رضوان اللہ علیہم اجمعین جماعت در جماعت اندر جاتے، انفرادی طور پر نماز پڑھتے اور واپس آجاتے۔ بس یہی آپ کی نماز جنازہ تھی۔

نیز راجح قول کے مطابق آپ کی تاریخ ولادت آٹھ [۸] ربیع الاول ہے اور تاریخ وفات بارہ [۱۲] ربیع الاول ہے۔

لما فی البداية والنهاية (۲۲۸/۵): فاسنده علی رضی اللہ عنہ الی صدره وعليه قميصه وكان العباس وفضل وقثم رضی اللہ عنہ يقلبونه مع علی وكان اسامة بن زيد وصالح مولاه هما يصبان الماء وجعل علی رضی اللہ عنہ يغسله۔

وهكذا فی السيرة النبوية لابن كثير (۵۱۸/۴)

وفی السيرة النبوية لابن هشام (۳۲۱/۴): ...... ثم دخل الناس على رسول الله ﷺ يصلون عليه ارسالا دخل الرجال حتى اذافرغوا ادخل النساء حتى اذا فرغ النساء ادخل الصبيان ولم يؤم الناس على رسول الله احد۔

(وهكذا فی البداية والنهاية (۵/ ۲۳۲) ......وقال فی آخر البحث ...وهذ الصنيع وهو صلاتهم عليه فرادى لم يؤمهم احدعليه امر مجمع عليه لاخلاف فيه)۔

وفی البداية والنهاية (۲۴۲/۲): وهذا مالاخلاف فيه انه ولد يوم الاثنين ......ثم الجمهور على ان ذلك كان فی شهر ربيع الاول فقيل لليلتين خلتامنه ......وقيل لثمان خلون منه حكاه الحميدی عن ابن حزم ورواه مالك وعقيل ويونس بن يزيد وغيرهم عن الزهری عن محمد بن جبير بن مطعم ونقل ابن عبدالبر عن اصحاب التاريخ انهم صححوه وقطع به الحافظ الكبير محمد بن موسى الخوارزمی ورجحه الحافظ ابوالخطاب بن دحية فی كتابه التنوير فی مولد البشير والنذير......والصحيح عن ابن حزم الاول انه لثمان مضين كمانقله عنه الحميدی وهو اثبت۔

وهكذا فی السيرة النبوية لابن كثير (۱۹۹/۱)

وفی البداية والنهاية (۲۲۴/۵): قال محمد بن اسحاق توفی رسول الله ﷺ لاثنی عشرة ليلة خلت من شهر ربيع الاول فی اليوم الذی قدم فيه المدينة مهاجرا ......قال الواقدی وهو المثبت عندنا وجزم به محمد بن سعد كاتبه ......والمشهور قول ابن اسحاق والواقدی۔

وفی المنتظم (۴۷۷/۲): توفی رسول الله ﷺ يوم الاثنين نصف النهار ......خلت مع ربيع الاول

سنة احدى عشرة۔

وفی تاریخ الطبری (۲/۴۵۵): عن عبدالله بن ابی بکر بن محمد بن عمرو بن حزم عن ابیه قال توفی رسول اللهﷺ فی شهر ربیع الاول فی ثنتی عشرة لیلة مضت من شهر ربیع الاول۔

(۲۶۶) حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی ولادت کس طرح ہوئی؟

سؤال

کیافرماتے ہیں علماء کرام ومفتیان عظام اس مسئلہ کے بارے میں کہ کیا نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی پیدائش اسی طریقہ پر ہوئی جیساکہ عام انسانوں کی ہوتی ہے یاکسی خاص طریقے پر ہوئی؟ خاص طریقے میں کتنے قول ہیں؟ نیز یہ طریقہ تمام انبیاء میں مشترک ہے یانہیں؟

الجواب بعون الملک الوھاب

حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی ولادت بھی عام انسانوں کی طرح ہوئی اور تمام انبیاء کا طریقہ ولادت یہی رہا۔ چنانچہ اسی طرح کے سوال کے جواب میں فتاوی محمودیہ ج ۵ /ص ۴۲۰ میں ابن سعد ج ۱ /ص ۲۰۳ کے حوالے سے حضرت مفتی محمود حسن رحمۃ اللہ علیہ نے ایک روایت ذکر کی ہے جس سے اس کی تائید ہوتی ہے۔

روایت یہ ہے: عن همام بن یحیی عن اسحاق بن عبدالله ان ام رسول اللهﷺ قالت لماولدته خرج من فرجی نور اضاء له قصور الشام...... اوراس کے ساتھ شیخ عبدالحق محدث دہلوی رحمۃ اللہ علیہ کی کتاب مدارج النبوۃ ج ۲ /ص ۱۹ کے حوالے سے درج ذیل عبارت نقل کی ہے:

"این صریح است درآنکہ ولادت ازطریق معتاد بودکہ سائرزنان راباشد وحدیث دیگر نیز کہ دروے آمدہ فاخذنی المخاض کہ بمعنے دردزہ است نیز ظاہر درآنست"......... البتہ آگے جاکرنہایۃ الامل کے حوالے سے دوقول مزید نقل کئے:

اول: ناف کے نیچے ایک سوراخ پیدا ہوا جس سے ولادت ہوئی اوروہ سوراخ فوراً بند ہوگیا۔ دوم: یہ کہ بائیں پسلی کے نیچے سے ولادت ہوئی۔ قول اول تمام انبیاء کے ساتھ خاص ہے اورقول ثانی آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے ساتھ خاص ہے لیکن دونوں قولوں کی کوئی دلیل بیان نہیں کی۔

یہاں تک نفس مسئلہ کا جواب ہوا لیکن واضح رہے کہ اس طرح کے مباحث نبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی عظمت کے منافی اور سوء ادب ہے لہٰذا اس طرح کے مباحث میں نہیں پڑنا چاہیئے بلکہ سکوت اختیار کرنا چاہیئے۔

(۲۶۷) کیا نبی علیہ الصلوٰۃ والسلام نے بچپن میں کلام کیا تھا؟

سؤال

کیا فرماتے ہیں علماء کرام ومفتیان عظام اس مسئلہ کے بارے میں کہ بعض خطباء سے میں نے سنا ہے کہ حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے بھی حضرت عیسیٰ علیہ الصلوٰۃ والسلام کی طرح بالکل ابتدائی عمر میں کلام کیا تھا۔ کیا یہ بات صحیح ہے؟

الجواب بعون الملک الوھاب

بعض مفسرین نے ذکر کیا ہے کہ حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا ابتدائی عمر میں کلام کرنا ثابت ہے۔

لمافی روح المعانی (۲۲۰/۱۲): وقد جمعت من تکلم فی المھد وبلغوا احد عشر ونظمتھا فقلت:

تکلم فی المھد النبی محمد ویحیی وعیسی والخلیل ومریم

وفی تفسیر المظھری (۱۵۶/۵): وقد جمعت من تکلم فی المھد فبلغوا احد عشر تضمینا فقلت قطعة

تکلم فی المھد النبی محمد صلی اللہ علیہ وسلم۔

(۲۶۸) آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نور تھے یا بشر؟

سؤال

کیا فرماتے ہیں علماء کرام ومفتیان عظام اس مسئلہ کے بارے میں کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نور تھے یا بشر؟ اگر کسی شخص کا عقیدہ ہو کہ آپ نور تھے تو ایسے شخص کا کیا حکم ہے؟

الجواب بعون الملک الوھاب

نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اپنی ذات کے اعتبار سے بشر تھے جس کا ذکر بارہا دفعہ کتاب مقدس میں موجود ہے۔ لہٰذا اگر کوئی شخص آپ کی بشریت کا کلی طور پر انکار کرے اور آپ کے نور ہونے کا قائل ہو تو ایسا شخص دائرہ اسلام سے خارج ہے اور اگر کسی تاویل کے ساتھ آپ کے نور ہونے کا قائل ہو تو صریح نصوص کی خلاف ورزی کی وجہ سے فاسق وفاجر ہے۔

لقولہ تعالی (المائدہ:۱۵): يَا أَهْلَ الْكِتَابِ قَدْ جَاءَكُمْ رَسُوْلُنَا يُبَيِّنُ لَكُمْ كَثِيْرًا مِّمَّا كُنْتُمْ تُخْفُوْنَ مِنَ الْكِتَابِ وَيَعْفُوْ عَنْ كَثِيْرٍ قَدْ جَاءَكُمْ مِنَ اللهِ نُوْرٌ وَّكِتَابٌ مُّبِيْنٌ

وفی تفسیر ابن کثیر (۳۲/۲): قد جاء کم من اللہ نور وکتاب مبین ای طرق النجاۃ والسلامۃ

ومناهج الاستقامة۔

وفيه ايضاً (۱۰۲/۳): قل انما انا بشر مثلكم يوحى الى الآية ......قل لهولاء المشركين المكذبين برسالتك اليهم انما انا بشر مثلكم فمن زعم انى كاذب فليأت بمثل ماجئت به فانى لا اعلم الغيب فيما اخبرتكم به من الماضى عماسألتم من قصة اصحاب الكهف ......لولا ما اطلعنى الله عليه۔

وفيه ايضا (۲۹۱/۳): وقالوا ما لهذا الرسول يأكل الطعام ويمشى فى الاسواق لولا انزل عليه ملك فيكون معه نذيرا .... يخبر تعالى عن تعنت الكفاروعنادهم وتكذيبهم للحق بلاحجةولادليل منهم وانماتعللوابقولهم (مالهذا الرسول يأكل الطعام) يعنون كمانأكله ويحتاج اليه كمانحتاج اليه (ويمشى فى الاسواق) اى يترددفيها واليها طلبا للتكسب والتجارة (لولا انزل عليه ملك فيكون معه نذيرا) يقولون هلاانزل اليه ملك من عندالله فيكون له شاهدا على صدق مايدعيه۔

(۲۶۹) رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا شق صدر

سؤال

کیافرماتے ہیں علماء کرام اس مسئلہ کے بارے میں کہ ہمارے امام صاحب نے یہ بات بیان فرمائی کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے شق صدر کا تذکرہ قرآن میں موجود ہے۔ حالانکہ یہ بات میں نے پہلی دفعہ سنی ہے۔آپ وضاحت فرمائیں تاکہ میرا یہ خلجان دور ہوجائے۔

الجواب بعون الملک الوهاب

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے شق صدر کا ذکر قرآن مجید میں صراحۃً موجود نہیں ہے البتہ بعض حضرات کی رائے کے مطابق الم نشرح لک صدرک کامدلول یہی ہے۔

قال الله تعالى (الانشراح:۱): أَلَمْ نَشْرَحْ لَكَ صَدْرَكَ ۝ لا.

لمافى تفسير روح المعانى (۲۱۲/۳۰): وعن ابن عباس رضی اللہ عنہ وجماعة انه اشارة الى شق صدر الشريف فى صباه عليه الصلاة والسلام۔

وفى احكام القرآن للقرطبى (۱۰۴/۲۰): وفى الصحيح عن انس بن مالك رضی اللہ عنہ عن مالك بن

صعصعة رجل من قومه ان النبی ﷺ قال فینا انا عندالبیت بین النائم والیقظان اذ سمعت قائلا فاتیت بطست من ذهب فیها ماء زمزم فشرح صدری الی کذا وکذا۔

وفی التفسیر المنیر (۲۹۴/۳۰): وقیل المراد بذلك شرح صدره لیلة الاسراء کماروا ہ الترمذی عن مالك بن صعصعة قال ابن کثیر ولکن لامنافاة فان من جملة شرح صدره الذی فعل بصدره لیلة الاسراء۔

(۲۷۰) نبوت سے قبل طریقہ عبادت

سؤال

کیارائے ہے علماء شرع متین کی اس بارے میں کہ حضورﷺ نبوت سے پہلے کس شریعت کے مطابق عبادت کرتے تھے؟

الجواب بعون الملک الوھاب

صورت مسئولہ میں اختلاف ہے بعض حضرات کی رائے یہ ہے کہ آپ نبوت سے پہلے حضرت ابراہیم علیہ الصلوۃ والسلام کے دین کے مطابق عبادت کرتے تھے جبکہ بعض حضرات کی رائے یہ ہے کہ آپ اپنی فکراوررائے سے عبادت کرتے تھے۔

لمافی قوله تعالی (النحل :۱۲۳): ثُمَّ أَوْحَيْنَا إِلَيْكَ أَنِ اتَّبِعْ مِلَّةَ إِبْرَاهِيْمَ حَنِيْفًا وَمَا كَانَ مِنَ الْمُشْرِكِيْنَ

وفی التفسیر المنیر (۷۶۳/۱۴): امرالنبی باتباع ملة ابراهیم علیه السلام فی عقائد الشرع واصوله من الدعوة الی التوحید لله والتحلی بفضائل الاخلاق لااتباع فی الفروع۔

وفی عمدة القاری (۶۱/۱): اختلف فیه علی ثمانیة اقوال احدها انه کان یتعبد بشریعة ابراهیم علیه السلام ...... الخامس قیل ماکان صفة تعبده اجیب بان ذلك کان بالتفکر والاعتبار کاعتبار ابیه ابراهیم علیه الصلوة والسلام۔

وفی سیرة النبی لابی الفداء (۳۹۱/۱): قیل شرع ابراهیم علیه السلام وهوالاشبه الاقوی۔

(۲۷۱) آپ ﷺ کی بعثت جنات کیلئے بھی تھی

سؤال

کیافرماتے ہیں علماء کرام ومفتیان عظام اس مسئلہ کے بارے میں کہ نبی کریم ﷺ صرف انسانوں کیلئے مبعوث ہوئے تھے

یا انسان وجن دونوں کیلئے؟ نیز مؤمنین جنات کا کیا حکم ہے کیا وہ مسلمان انسانوں کی طرح جنت میں جائیں گے یا نہیں؟ قرآن وسنت کی روشنی میں جواب عنایت فرمائیں۔

الجواب بعون الملک الوهاب

صورت مسئولہ میں اللہ تعالی نے رحمۃ للعالمین صلی اللہ علیہ وسلم کو تمام مخلوقات (بشمول جن وانس) کیلئے رسول بنا کر بھیجا، اس پر تمام امت کا اجماع ہے، یہی وجہ ہے کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی دوسرے انبیاء پر فضیلت کی ایک وجہ یہ بھی ہے کہ اللہ تعالی نے آپ کی بعثت جن وانس دونوں کی طرف فرمائی۔

نیز مؤمنین جنات کے جنت میں داخل ہونے کے بارے میں حضرت امام اعظم ابوحنیفہ رحمۃ اللہ علیہ سے توقف کا قول نقل کیا گیا ہے لیکن صاحبین رحمہما اللہ علیہما اور دیگر مجتہدین واکابرین احناف نے مؤمنین جنات کے جنت میں داخل ہونے کی صراحت کی ہے، اور یہی قول صحیح ہے۔

لما فی قولہ تعالی (السبا:۲۸):وَمَا أَرْسَلْنٰكَ إِلاَّ كَافَّةً لِّلنَّاسِ بَشِيرًا وَنَذِيرًا وَلَـٰكِنَّ أَكْثَرَ النَّاسِ لا يَعْلَمُونَ

وفیه أیضاً (الانبیاء:۱۰۷): وَمَا أَرْسَلْنٰكَ إِلاَّ رَحْمَةً لِّلْعٰلَمِينَ

وأیضاً (الاحقاف:۱۸) :أُولٰئِكَ الَّذِيْنَ حَقَّ عَلَيْهِمُ الْقَوْلُ فِيْ أُمَمٍ قَدْ خَلَتْ مِنْ قَبْلِهِمْ مِنَ الْجِنِّ وَالْاِنْسِ اَنَّهمْ كَانُوْا خٰسِرِيْنَ ۝ وَلِكُلٍّ دَرَجٰتٌ مِمَّا عَمِلُوْا وَلِيُوَفِّيَهمْ اَعْمَالَهمْ وَهمْ لَا يُظْلَمُوْنَ ۝

وفی التفسیر المظهری (۸۲/۱۰): قال البغوی فی تفسیر سورۃ الاحقاف انه قال ابن عباس رضی اللہ عنہ فاستجاب لهم ای نفر من الجن بعد مااستمعوا القرآن من النبی صلی اللہ علیہ وسلم بنخلة ورجعوا الی قومهم منذرین من قومهم سبعین رجلا من الجن فرجعوا الی رسول الله صلی اللہ علیہ وسلم فوافقوه فی البطحاء فقرأ علیهم القرآن وامرهم ونهاهم و ذکر الخفاجی انه قد دلت الاحادیث علی ان وفادة الجن کانت ستة مرات وهذا یدل علی انه صلی اللہ علیہ وسلم کان مبعوثا الی الجن والانس جمیعاً وقال مقاتل لم یبعث قبله نبی الی الانس والجن۔

وفیه أیضاً (۹۰/۱۰): والصحیح عندی ما قاله الجمهور وبه قال ابو یوسف ومحمد صلی اللہ علیہ وسلم قال من اثبت الثواب فقوله مبنی علی دلیل وشهادة علی الاثبات فیقبل بخلاف قول ابی حنیفة رحمه الله فانه متوقف بناء علی عدم بدلیل ولا شك ان قول ابن عباس واقوال عمرو بن عبد العزیز

ونحوه من ثقات الصحابة والتابعين لها حكم الرفع وقد اخرج البيهقى عن انس عن النبی ﷺ مرفوعا ان مؤمنى الجن لهم ثواب وعليهم عقاب فسألنا عن ثوابهم وعن مؤمنهم فقال على الاعراف وليسوا فى الجنة فسألنا وما الاعراف قال خارج الجنة تجرى فيه الانهار وتنبت فيه الاشجار والاثمار۔ والله سبحانه اعلم بالصواب۔

وفی كنز العمال (۱۱/۴۴۵): بعثت الى الاحمر و الاسود۔

وفى فتاوى الحديثية (۱/۶۶): ورسالة نبيناﷺ اليهم قطعية فقد اجمع عليها المسلمون وقد استمعوا قرائة النبیﷺ ببطن نخلة وكانوا تسعة كما صح عن ابن مسعود رضى الله عنه آذنته بهم شجرة وكانوا يهوداً وجاء عن عكرمة انهم كانوا اثنى عشر الفاً اى فى واقعة اخرى . . .

وفيه ايضاً (۱/۷۰): واعلم ان العلماء اتفقوا على ان كافرهم يعذب فى الاخرة وعن ابى حنيفة وابى الزناد وليث بن ابى سليم ان مؤمنهم لا ثواب لهم الا النجاة من النار ثم يقال لهم كونوا تراباً مثل البهائم والصحيح الذى قاله ابن ابى ليلى والاوزاعى والشافعى واحمد واصحابهم رضى الله عنهم انهم يثابون على طاعاتهم ونقل عن ابى حنيفة واصحابه رضى الله عنه انهم يدخلون الجنة ونقله ابن الحزم عن الجمهور واستدلوا بقوله تعالى ولكل درجات مما عملوا فانه ذكر فى الجن والانس فقط۔

(۲۷۲) دیگر انبیاء علیہم السلام پر حضور ﷺ کی فضیلت کی وجہ

سؤال

کیا فرماتے ہیں علماء کرام ومفتیان عظام اس مسئلہ کے بارے میں کہ کبھی کبھی میرے ذہن میں ایک سوال پیدا ہوتا ہے۔ میں چاہتا ہوں کہ آپ اس کا جواب عنایت فرمائیں اور وہ یہ ہے کہ حضور ﷺ کو جو دوسرے انبیاء پر فضیلت حاصل ہے اس کی کیا وجہ ہے؟ واضح جواب عنایت فرمائیں۔

الجواب بعون الملک الوھاب

صورت مسئولہ میں حضور ﷺ کی فضیلت کی وجہ یہ ہے کہ اللہ تعالی نے آپ کو تمام انبیاء پر فضیلت دی ہے لہٰذا ہم اسی کو ماننے کے پابند ہیں۔ رہی یہ بات کہ ایسا کیوں ہوا تو یہ ان امور میں سے ہے جن میں اللہ تعالی جیسے چاہتے ہیں کرتے ہیں، اس میں مخلوق کو ''کیوں'' کے سوال کا حق نہیں ہے۔

لقوله تعالى (البقره:۲۵۳): تِلْكَ الرُّسُلُ فَضَّلْنَا بَعْضَهُمْ عَلٰى بَعْضٍ مِّنْهُمْ مَنْ كَلَّمَ اللّٰهُ وَرَفَعَ بَعْضَهُمْ دَرَجٰتٍ الخ

(الاسراء:۱):سُبْحٰنَ الَّذِيْ أَسْرٰى بِعَبْدِه لَيْلًا مِّنَ الْمَسْجِدِ الْحَرَامِ إِلَى الْمَسْجِدِ الْأَقْصَى الَّذِيْ بٰرَكْنَا حَوْلَه لِنُرِيَه مِنْ آيَاتِنَا إِنَّه هُوَ السَّمِيْعُ الْبَصِيْرُ

وفی المشکوۃ (ص۵۱۱): عن ابی ھریرۃ رضی اللہ عنہ قال قال رسول اللہ ﷺ انا سید ولد آدم یوم القیمۃ واول من ینشق عنہ القبر واول شافع مشفع۔

وعن انس قال قال رسول اللہ ﷺ انا اکثر الانبیاء تبعا یوم القیمۃ وانا اول من یقرع باب الجنۃ۔

(۲۷۳) کیا نبی ﷺ مختون پیدا ہوئے؟

سؤال

کیا فرماتے ہیں علماء کرام ومفتیان عظام اس مسئلہ کے بارے میں کہ کیا حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم مختون پیدا ہوئے تھے؟ ہمارے ہاں ۱۲ ربیع الاول کو جلسہ ہوا جس میں ایک صاحب نے تقریر کے دوران کہا کہ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم مختون پیدا ہوئے۔ کیا یہ بات صحیح ہے؟ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے علاوہ دوسرے انبیاء میں سے بھی کوئی مختون پیدا ہوا یا نہیں؟

الجواب بعون الملک الوھاب

نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا مختون پیدا ہونا مختلف فیہ ہے۔ بعض حضرات نے مختون پیدا ہونے جبکہ دوسرے بعض حضرات نے غیر مختون پیدا ہونے کو ترجیح دی ہے اور آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے علاوہ سترہ انبیاء کے مختون پیدا ہونے کا ذکر ملتا ہے اور اگر نبی علیہ الصلوۃ والسلام کا غیر مختون پیدا ہونا بھی مان لیں تو اس کی وجہ سے آپ کی ذات گرامی میں کوئی نقص پیدا نہیں ہوتا کیونکہ مختون پیدا ہونا انبیاء کی خصوصیت نہیں بلکہ باقی افراد امت میں سے بھی بہت سے افراد مختون پیدا ہوئے۔

لما فی فتح الملھم (۴۱۸/۱): وقد اختلف فی ختانہ ﷺ علی ثلاثۃ اقوال احدھا ولد مختونا مسرورا ......ولیس ھذا من خواصہ فان کثیرا من الناس یولد مختونا ......القول الثانی انہ ختنا یوم شق قلبہ الملائکۃ عند ظئرہ حلیمۃ ......والقول الثالث ان جدہ عبدالمطلب ختنہ یوم سابعہ ووضع لہ مأدبۃ۔

وفی المرقاۃ (۷/۲): الختان ...وھی من سنۃ الانبیاء کماسبق من لدن ابراھیم علیہ الصلوۃ والسلام الی زمن نبینا محمد ﷺ وروی ان آدم وشیثا ونوحا ......ومحمد صلوات اللہ

وسلامه عليهم ولدوا مختونين۔

وفی الدرالمختار مع ردالمحتار (۷۵۱/۶): وقد جمع السیوطی من ولد مختونا من الانبياء عليهم الصلوة والسلام فقال:

وفی الرسل مختون لعمرک خلقة ثمان وتسع طيبون اکارم
وهم زکريا شيث ادريس يوسف وحنظلة عيسى وموسى وآدم
ونوح شعيب سام لوط وصالح سليمان يحيى هود لبس خاتم

وفی الشامية: وقد اختلف الرواة والحفاظ فی ولادة نبيناﷺ ......قال بعض المحققين من الحفاظ الاشبه بالصواب انه لم يولد مختونا۔

(۲۷۴) آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی اولاد کی تعداد

سؤال

کیا فرماتے ہیں علماء کرام ومفتیان عظام اس مسئلہ کے بارے میں کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی کل کتنی اولاد تھی؟ ان کی تعداد مع اسماء تحریر فرمائیں۔

الجواب بعون الملک الوهاب

آپ علیہ السلام کی کل اولاد کی تعداد آٹھ ہے جن میں چار بیٹے اور چار بیٹیاں ہیں۔ بیٹوں کے نام ابراہیم، قاسم، طیب اور طاہر رضی اللہ عنہم جبکہ بیٹیوں کے نام زینب، رقیہ، ام کلثوم اور فاطمہ رضی اللہ عنہن ہیں اور بعض حضرات کے نزدیک طیب اور طاہر ایک ہی بیٹے کے دو نام ہیں تو اس اعتبار سے بیٹوں کی تعداد تین اور کل اولاد کی تعداد سات ہو جائے گی۔

لمافی البداية والنهاية (۲۵۵/۵): وقال ابن جريج كان عليه السلام ابن سبع وثلاثين سنة فولدت له القاسم وبه كان يكنى والطيب والطاهر وزينب ورقية وام كلثوم وفاطمة قلت وهی خديجة ام اولاده كلهم سوى ابراهيم فمن مارية۔

وفی المنتظم (۸۶/۲): قال ابن اسحاق فولدت (ای خديجة) له ولده كلهم الا ابراهيم زينب ورقية وام كلثوم وفاطمة والقاسم وبه كان يكنى والطاهر والطيب وهلك هؤلاء الذكور فی الجاهلية ......وقال غيره الطيب والطاهر لقبان لعبدالله۔

وفی السيرة النبوية لابی الفداء (۲۶۴/۱): عن ابن عباس رضی اللہ عنہ قال ولدت خديجة لرسول اللهﷺ

غلامین واربع نسوة القاسم وعبدالله وفاطمة وام کلثوم وزینب ورقیة وقال الزبیر بن بکار عبدالله هو الطیب وهو الطاهر۔

(۲۷۵) حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے آپ کی اولاد تھی؟

سؤال

کیا فرماتے ہیں علماء کرام ومفتیان عظام اس مسئلہ کے بارے میں کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی اولاد کی تعداد کتنی تھی نیز حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے آپ کی اولاد ہوئی تھی یا نہیں؟ اگر تھی تو ان کے اسماء گرامی بھی تحریر کریں۔

الجواب بعون الملک الوهاب

حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی اولاد کی تعداد سات تھی اور حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے آپ کی کوئی اولاد نہیں تھی۔

دلائل المسئلة مرت فی السؤال السابق۔

(۲۷۶) کیا نبی علیہ الصلوٰۃ والسلام عالم الغیب یا مختار کل تھے؟

سؤال

کیا فرماتے ہیں علماء کرام ومفتیان عظام اس مسئلہ کے بارے میں کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم غیب جانتے تھے یا نہیں؟ بعض حضرات کہتے ہیں کہ آپ علیہ الصلوٰۃ والسلام کو علم غیب عطائی حاصل تھا اور آپ مختار کل بھی ہیں۔ دریافت طلب امر یہ ہے کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم علم غیب جانتے تھے یا نہیں اور مختار کل تھے یا نہیں؟

الجواب بعون الملک الوهاب

حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نہ تو عالم الغیب تھے اور نہ ہی مختار کل تھے بلکہ یہ دونوں صفات اللہ تعالیٰ کی ہیں نیز اگر یہ کہا جائے کہ آپ کو علم غیب عطائی حاصل تھا تو اول اس کیلئے کسی دلیل کی ضرورت ہے جس سے یہ معلوم ہو اور ایسی کوئی دلیل نہیں ہے۔ دوم جب خود عطائی کہہ دیا تو علم غیب نہ رہا کیونکہ علم غیب اس کو کہا جاتا ہے جو بغیر سبب اور واسطے کے حاصل ہو۔ جب عطاء واسطہ بن گیا تو وہ غیب نہ رہا لہٰذا علم غیب کو علم غیب عطائی کہنا کہنے والے کی علمیت کا پردہ چاک کرکے اس کی جہالت پر دلالت کرتا ہے۔

دلائل المسئلة مرت سابقا فی رقم السؤال: ۵۴، ۵۸۔

(۲۷۷) حضور اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا اپنے اوپر درود پڑھنا

سؤال

کیافرماتے ہیں علماء کرام ومفتیان عظام اس مسئلہ کے بارے میں کہ زید کہتا ہے کہ درود پڑھنا صرف مسلمانوں پر لازم ہے ،خود نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم پر لازم نہ تھا۔کیا یہ بات صحیح ہے؟

الجواب بعون الملک الوهاب

صورت مسئولہ میں خود آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم پر واجب نہیں تھا کہ اپنے اوپر درود وسلام بھیجیں اور یاآیھا الذین آمنو اصلو اعلیہ الآیۃ میں خطاب عام مؤمنین کو ہے۔

لمافی البحرالرائق (۳۲۷/۱): وفی المجتبی معزیا الی خزانة الاکمل انه لایجب علی النبی ﷺ ان یصلی علی نفسه۔

وفی الدر المختار مع ردالمحتار (۵۱۵/۱): لایجب علی النبی ﷺ ان یصلی علی نفسه۔

وفی الشامیة: (لایجب علی النبی الخ)لانه غیرمراد بخطاب صلوا ولاداخل تحت ضمیره کماهو المتبادر من ترکیب صلواعلیه وقال فی النهر لایجب علیه بناء علی ان یاایهاالذین آمنوا لایتناول الرسول ﷺ بخلاف یآایها الناس یاعبادی کماعرف فی الاصول۔

(۲۷۸) حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا گریبان مبارک کس جانب تھا؟

سؤال

کیافرماتے ہیں علماء کرام ومفتیان عظام اس مسئلہ کے بارے میں کہ حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا گریبان مبارک کس جانب تھا؟اورآپ کے گریبان پربٹن تھے یانہیں؟وضاحت مطلوب ہے۔

الجواب بعون الملک الوهاب

حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا گریبان مبارک سینے پر تھا جیسا کہ آج کل رائج ہے اوراس پربٹن بھی تھے۔

لمافی المرقاة (۲۴۷/۸): عن معاویة بن قرة عن ابیه قال اتیت النبی ﷺ فی رهط من مزینة فبایعوه وانه لمطلق الازار فادخلت یدی فی جیب قمیصه فمسست الخاتم۔(فی جیب قمیصه)قال السیوطی

فيه ان جيب قميصه كان على الصدر كما هوالمعتاد الآن فظن من لاعلم عنده انه بدعة وليس كماظن۔

وفى عمدة القارى (۲۱/۳۰۲) : باب جيب القميص اى هذا باب فى ذكر جيب القميص الكائن عندالصدروكأنه اشار بهذا الى ماوقع فى حديث الباب من قوله ويقول باصبعه هكذا فى جيبه فان الظاهرانه كان لابس قميص وكان فى طوقه فتحة الى صدره وعن هذا قال ابن بطال كان الجيب فى ثياب السلف عندالصدر۔

(۲۷۹) حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے نعلین کا رنگ

سؤال

کیا فرماتے ہیں علماء کرام ومفتیان عظام اس مسئلہ کے بارے میں کہ بعض لوگ پیلے رنگ کے چپل پہنتے ہیں اور ان کو آپ علیہ الصلوٰۃ والسلام کی طرف منسوب کرتے ہیں آیا یہ بات صحیح ہے؟ قرآن وحدیث کی روشنی میں جواب دیں۔

الجواب بعون الملک الوھاب

احادیث مبارکہ میں حضور اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے نعلین مبارک کا ذکر ملتا ہے کہ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے نعلین مبارک (چپلوں) کے دو تسمے تھے اور نعلین مبارک ایسے چمڑے کے بنے ہوئے تھے جو بالوں سے صاف تھے۔ البتہ کتب احادیث اور سیر وتاریخ کی کتابوں میں یہ بات تلاش کے باوجود نہیں مل سکی کہ نعلین مبارک کا رنگ کیا تھا؟ لہٰذا جب تک تحقیق سے یہ بات معلوم نہ ہو جائے کہ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے نعلین مبارک کا رنگ پیلا تھا اس وقت تک پیلے رنگ کے جوتے کو آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی طرف منسوب کر کے پہننا صحیح نہیں۔

لمافى الصحيح للبخارى (۲/۸۷۱): عن قتادة قال حدثنا انس رضی اللہ عنہ ان نعل النبى صلی اللہ علیہ وسلم كان لها قبالان۔

وفى الشمائل للترمذى(ص٦): عن ابن عباس رضی اللہ عنہما قال كان لنعل رسول الله صلی اللہ علیہ وسلم قبالان مثنى شراكهما۔

وفى مصنف ابن ابي شيبة(۱۲/۵۳۴): عن يزيد بن ابى زياد قال رأيت نعل النبى صلی اللہ علیہ وسلم فى المدينة مخصرّة ملسنة لها عقب خارجٌ۔

وفى حاشيته للشيخ محمد عوامه: المخصرتان: الضيقتان من وسطهما ملسنة: كانت دقيقة على شكل اللسان۔

وفی الصحیح للبخاری(۲۱/۱):ربعی بن حراش یقول سمعت علیاؓ یقول قال النبیﷺ لاتکذبوا علی فانہ من کذب علی فلیلج النار۔

حدثنا المکی بن ابراھیم قال حدثنا یزید بن ابی عبید عن سلمۃ ھو ابن الاکوع قال سمعت النبیﷺ یقول من یقل علی مالم اقل فلیتبوا مقعدہ من النار۔

(۲۸۰) آپ ﷺ کے مرض الموت کا ایک واقعہ

سؤال

کیا فرماتے ہیں علماء کرام ومفتیان عظام اس مسئلہ کے بارے میں کہ آنحضرتﷺ نے مرض الموت میں قلم اور کاغذ منگوایا لیکن حضرت عمرؓ نے تلوار اٹھا کر کہا کہ (العیاذ باللہ) آنحضرتﷺ بکواس کررہے ہیں۔کیا واقعی مرض الموت میں یہ واقعہ پیش آیا تھا۔مدلل جواب عنایت فرمائیں۔

الجواب بعون الملک الوھاب

اصل جواب سے پہلے ضروری ہے کہ اس واقعہ کے پس منظر کو سمجھ لیا جائے۔

صحابہ کرام رضوان اللہ علیہم اجمعین کو نبی کریمﷺ سے حد درجہ محبت تھی جس کا اندازہ اسی سے ہوسکتا ہے کہ جب تک آپ کو دیکھ نہ لیتے اس وقت تک ان کو سکون وچین نہیں آتا تھا۔اب کافی عرصہ اسی طرح گزر گیا یہاں تک کہ یہ محبت ان کو مکہ سے مدینہ لے گئی اور صحابہ رضوان اللہ علیہم اجمعین نے آپ کے لئے اپنا گھر بار اور آل واولاد تک کو چھوڑ دیا،نہ صرف چھوڑ دیا بلکہ اگر وہ مسلمان نہ ہوئے اور بعض غزوات میں مقابلے پر اتر آئے تو انہوں نے اپنی اولاد یا قرابت کسی چیز کی پرواہ نہ کی۔اتنی شدید محبت میں کافی عرصہ گزرنے کے بعد جب آپﷺ کا آخری وقت قریب آگیا اور مرض کی شدت میں اضافہ ہوگیا تو ایک طرف آپ کی تکلیف صحابہ رضوان اللہ علیہم اجمعین سے دیکھی نہ جاتی تھی اور دوسری طرف آپ کے اس دنیا سے تشریف لے جانے کا غم انہیں کھائے جارہا تھا۔

اسی دوران جبکہ آپ کے مرض نے شدت اختیار کرلی تو آپ نے فرمایا کہ ”قلم اور دوات لاؤ تاکہ میں تمہارے لئے لکھوادوں“۔اب اس موقع پر اختلاف ہوگیا،بعض صحابہ رضوان اللہ علیہم اجمعین قلم دوات لانا چاہتے تھے اور بعض نہیں لانا چاہتے تھے۔جو لانا چاہتے تھے اسکی وجہ آپ کے ارشاد کی تعمیل تھی اور جو نہیں لانا چاہتے تھے اسکی وجہ یہ تھی کہ آپ کو شدید تکلیف میں آرام کی ضرورت ہے ایسے موقع پر آپ کو لکھواتے ہوئے زیادہ تکلیف ہوگی اس لئے انہوں نے قلم دوات نہ لانے میں بھلائی سمجھی۔

ایسے موقع پر یہ جملہ بولا گیا ”اھجر استفھموہ“جس کے مطلب میں علماء نے فرمایا:

۱......یہ جملہ ان صحابہ رضوان اللہ علیہم اجمعین نے بولا جو قلم دوات لانا چاہتے تھے۔تو مطلب یہ ہوگا کہ قلم دوات لے آؤ اگرچہ شدت بیماری کی وجہ

سے بتقاضائے بشریت آپ شدید تکلیف میں ہیں لیکن ایسی حالت نہیں ہے کہ آپ کی بات نہ سمجھی جاسکے۔

۲......جب صحابہ رضوان اللہ علیہم اجمعین نے آپ کو شدت تکلیف میں دیکھا اور آپ نے قلم دوات بھی منگوانا چاہی گویا آخری وصیت لکھی جارہی ہے تو شدت غم میں صحابہ رضوان اللہ علیہم اجمعین نے کہا کہ آپ سے پوچھ لو کیا آپ ہمیں چھوڑ کر جارہے ہیں۔اور اگر حضرت عمر رضی اللہ عنہ کی طرف اس جملہ کی نسبت کی جائے تو آپ نے اس وجہ سے فرمایا تاکہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو تکلیف نہ ہو چنانچہ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما کی دوسری روایت اس کی مؤید ہے جس میں فرمایا کہ ہمارے پاس کتاب اللہ موجود ہے جو ہمارے لئے کافی ہے لہٰذا آپ کو تکلیف نہ دی جائے۔

یہ تھا اصل معاملہ،لیکن شریعت مطہرہ کو جس طرح دنیا سے مٹانے کی کوششیں کی گئیں اسی طرح ان کوششوں اور طریقوں میں سے ایک طریقہ یہ اختیار کیا گیا کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے براہ راست شاگرد اور دنیائے اسلام کو اسلام کی اصل روح پہنچانے والی جماعت پر اعتراضات کرکے ان کی عدالت کو مجروح کردیا گیا تاکہ لوگوں کا ان پر اعتماد ختم ہوجائے اور جب ان پر اعتماد ختم ہوجائے گا تو اسلام بھی مٹ جائے گا کیونکہ اگر انہیں ہٹادیا جائے تو قرآن کی تشریح جو سنت نبوی سے کی گئی اور آپ کے عملی نمونوں کی شکل میں موجود ہے ختم ہوجائے گی اس طرح آہستہ آہستہ قرآن کی من مانی تشریحات شروع ہوجائیں گی۔پھر امت کا وہی حال ہوگا جو پہلی امتوں کا ہوچکا چنانچہ یہ اعتراض بھی ان ہی کوششوں اور طریقوں کا ایک حصہ ہے جس کی اصل حقیقت واضح ہوچکی لیکن ان کی کوششوں کے مقابلے میں اللہ تعالی نے اس شریعت مطہرہ کے بارے میں اعلان فرمایا ويأبى الله الاان يتم نوره ولو كره الكفرون۔ اللہ تعالی اس روشنی کو ان ملحدین کے دلوں تک پہنچادیں۔آمین

لمافي الصحيح للبخاري (۶۳۹/۲): حدثنا عبدالله بن يوسف ...... عن عائشة رضى الله عنها قالت مات النبى ﷺ وانه لبين حاقنتى وذاقنتى فلااكره شدة الموت لاحد بعدالنبى ﷺ۔

وفيه ايضا (۶۳۸/۲): حدثنا قتيبة قال ......قال ابن عباس رضي الله عنه يوم الخميس ومايوم الخميس اشتد برسول الله ﷺ وجعه فقال ائتونى اكتب لكم كتابالن تضلوابعده ابدافتنازعواولاينبغى عند نبى تنازع فقالوا ماشانه اهجراستفهموه فذهبوايردون عنه فقال دعونى ......وفى رواية عن ابن عباس قال :لماحضر رسول الله ﷺ وفى البيت رجال فقال النبى ﷺ هلموا اكتب لكم كتابا لاتضلوا بعده قال بعضهم ان رسول الله ﷺ قدغلبه الوجع وعندكم القرآن حسبنا كتاب الله فاختلف اهل البيت فاختصموا فمنهم من يقول قربوا يكتب كتابالا تضلوا بعده ومنهم من يقول غير ذلك فلمااكثروا اللغووالاختلاف قال رسول الله ﷺ قوموا... (وهكذانقل فى الصحيح (۴۲۹/۱) فى باب جوائز الوفد والفاظها فقالوا اهجر رسول الله قال دعونى ...)

وفى عمدة القارى (۲۹۸/۱۴): أهجر بهمزة الاستفهام الانكارى اى انكرواعلى من قال لاتكتبوا

اى لاتجعلوه كامرمن هذى فى كلامه۔

وفيه ايضا (۱۷۱/۲): قال البيهقى قصد عمرؓ تخفيف على النبى ﷺ حين غلبه الوجع ولوكان مراده عليه الصلوة والسلام ان يكتب مالايستغنون عنه لم يتركهم لاختلافهم۔

وعلى هامش البخارى (۶۳۸/۲): وان صح بدون الهمزة فهوانه لمااصابه الحيرة والدهشة يعظم ماشاهده من هذه الحالة الدالة على وفاته وعظم المصيبة ......اوهومن الهجر ضد الوصل اى يهجر من الدنيا۔

(۲۸۱) حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی نماز جنازہ کس نے پڑھائی؟

سؤال

کیافرماتے ہیں علماء کرام ومفتیان عظام اس مسئلہ کے بارے میں کہ ہم میں سے جب کسی کا انتقال ہوجاتا ہے تو باقی مسلمان اس کی جنازہ پڑھتے ہیں، اس کے لئے دعاء مغفرت کرتے ہیں۔اب سوال یہ ہے کہ کیا حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی بھی نماز جنازہ پڑھی گئی؟ اگر آپ کی نماز جنازہ پڑھی گئی تو آپ کی نماز کس نے پڑھائی؟

الجواب بعون الملك الوهاب

حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی نماز جنازہ ہوئی تھی لیکن مستقل امامت کسی نے نہیں کی بلکہ جنازہ حجرہ شریفہ میں رکھ دیا گیا تھا اور لوگ باری باری حجرہ شریفہ میں آتے اور انفرادی طور پر نماز جنازہ پڑھ کر چلے جاتے۔

لمافى شمائل الترمذى (ص۲۷): عن سالم بن عبيد وكانت له صحبة رواية۔۔۔ قالوا ياصاحب رسول الله ﷺ أتصلى على رسول الله ﷺ قال نعم قالوا وكيف قال يدخل قوم فيكبرون ويدعون ويصلون ثم يخرجون ثم يدخل قوم فيكبرون ويصلون ويدعون ثم يخرجون حتى يدخل الناس۔

وفى سنن ابن ماجة (ص۱۱۷): عن ابن عباس رضى الله عنه رواية ......ثم دخل الناس على رسول الله ﷺ ارسالا يصلون عليه حتى اذا فرغوا ادخلوا النساء حتى اذا فرغوا ادخلوا الصبيان ولم يؤم الناس على رسول الله ﷺ احد۔

وفى حاشية النووى على الصحيح لمسلم (۳۱۲/۱): والصحيح الذى عليه الجمهور انهم صلوا عليه فرادى فكان يدخل فوج يصلون فرادى ثم يخرجون ثم يدخل فوج اخر فيصلون كذلك

ثم دخلت النساء بعد الرجال ثم الصبیان۔

(۲۸۲) حیات النبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا کتاب وسنت سے ثبوت

سؤال

کیا فرماتے ہیں علماء کرام ومفتیانِ عظام اس مسئلہ کے بارے میں کہ حیات النبی صلی اللہ علیہ وسلم کا مسئلہ قرآن وحدیث سے ثابت ہے یا نہیں؟ تفصیل سے جواب عنایت فرمائیں۔

الجواب بعون الملک الوھاب

حیات النبی کا ثبوت قرآن وحدیث سے ملتا ہے۔قرآن کریم میں حیات النبی کا ثبوت اشارۃً ملتا ہے جبکہ احادیث میں حیات النبی کا ثبوت صراحۃً ملتا ہے اور اہل سنت والجماعت کا حیات النبی پر اتفاق بلکہ اجماع ہے۔

لمافی قوله تعالى(البقره:١٥٤): وَلَا تَقُوْلُوْا لِمَن يُّقْتَلُ فِيْ سَبِيْلِ اللهِ أَمْوَاتٌ بَلْ أَحْيَاءٌ وَّلَكِن لَّا تَشْعُرُوْنَ

وأيضاً (آل عمران :١٦٩): وَلَا تَحْسَبَنَّ الَّذِيْنَ قُتِلُوْا فِيْ سَبِيْلِ اللهِ أَمْوَاتًا بَلْ أَحْيَاءٌ عِنْدَ رَبِّهِمْ يُرْزَقُوْنَ○

وفی سنن ابی داؤد (١/١٥٠): ان الله حرم على الأرض أن تأكل أجساد الانبياء۔

وفی ابن ماجة (ص١١٨): ان الله حرم على الأرض أن تأكل أجساد الأنبياء فنبى الله حى يرزق۔

وفی الصحيح لمسلم (٢/٢٦٨): قال رسول الله ﷺ مررت على موسى وهو يصلی فی قبره۔

وفی عمدة القارى (١٦/٣٥): رؤيته ﷺ ليلة المعراج وهو يصلی فی قبره۔قلت :لااشكال فيها اصلا وذالك ان الانبياء افضل من الشهداء والشهداء احياء عند ربهم فالانبياء بالطريق الاولى۔

وفی انوارالمحمود (١/٦١٠): انهم اتفقوا على حياته ﷺ بل حياة الانبياء متفق عليه لاخلاف لاحد فيه۔

(۲۸۳) آپ علیہ الصلوٰۃ والسلام کی قبر اطہر میں حیات مبارکہ

سؤال

کیا فرماتے ہیں علماء کرام اس مسئلہ کے بارے میں کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی حیات مبارکہ قبر اطہر میں دنیوی ہے یا برزخی؟

بعض حضرات فرماتے ہیں کہ آپ کو قبر مبارک میں دنیوی حیات حاصل ہے کھاتے پیتے، نماز پڑھتے اور ازواج مطہرات سے ملتے ہیں۔ یہ عقیدہ کہاں تک درست ہے؟ مسئلہ کی وضاحت فرمائیں۔

الجواب بعون الملک الوھاب

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو دنیوی اعتبار سے موت طاری ہوچکی ہے جس کی واضح دلیل آیت إِنَّكَ مَيِّتٌ وَإِنَّهُم مَّيِّتُونَ ہے۔ اس میں کسی کو کوئی تردد نہیں ہے اور قبر اطہر میں آپ کو حیات، دنیوی حیات کی طرح حاصل ہے۔ اور باقاعدہ روح کا جسد مبارک سے تعلق ہے حتی کہ روضہ اقدس کے پاس درود شریف پڑھا جائے تو آپ علیہ الصلوٰۃ والسلام خود سنتے ہیں۔ غیر مکلف طور پر نماز کی ادائیگی بھی فرماتے ہیں اور رزق بھی دیا جاتا ہے البتہ ازواج مطہرات سے ملنا کسی معتبر کتاب سے ثابت نہیں ہے۔ اور بعض حضرات نے اسی پر حیات برزخیہ کا اطلاق کیا ہے کیونکہ یہ حیات آپ کو عالم برزخ میں حاصل ہوئی۔

لمافی سنن ابی داؤد(۱/۱۵۰): حدثنا هارون بن عبدالله ... عن اوس بن اوس قال قال رسول الله ﷺ ان من افضل ايامكم يوم الجمعة فيه خلق آدم وفيه قبض وفيه النفخة وفيه الصعقة فاكثروا على من الصلوة فيه فان صلاتكم معروضة على قال قالوا يارسول الله وكيف تعرض صلاتنا عليك وقد ارمت قال يقولون بليت فقال ان الله عزوجل حرم على الارض اجساد الانبياء۔

وفى المشكوة (۱/۱۲۱): عن ابى الدرداء قال قال رسول الله ﷺ اكثروا الصلاة على يوم الجمعة فانه مشهود يشهده الملائكة وان احدا لم يصل على الا عرضت على صلاته حتى يفرغ منها قال قلت وبعد الموت قال ان الله حرم على الارض ان تاكل اجساد الانبياء فنبى الله حى يرزق۔

وفى مسند ابى يعلى (۳/۳۷۹): حدثنا ابوالجهم... عن انس بن مالك قال قال رسول الله صلى الله عليه وسلم الانبياء احياء فى قبورهم يصلون۔

وفى الصحيح للمسلم (۲/۲۶۸): حدثنا هداب... ....عن انس بن مالك رضی اللہ عنہ ان رسول الله ﷺ قال اتيت وفى رواية هداب مررت على موسى ليلة اسرى بي عند الكثيب الاحمر وهو قائم يصلى فى قبره۔

وفى مرقاة المفاتيح (۳/۲۴۱): قال ان الله حرم على الارض ان تاكل اجساد الانبياء اى جميع اجزائهم فلا فرق لهم فى الحالين ولذا قيل اولياء الله لا يموتون ولكن ينقلون من دار الى دار ...... فنبى الله حى اى دائما يرزق رزقا معنويا فان الله تعالى قال فى حق الشهداء من امته

بل احیاء عند ربھم یرزقون فکیف سیدھم بل رئیسھم لانہ حصل لہ ایضا مرتبۃ الشھادۃ مع مزید السعادۃ باکل الشاۃ المسمومۃ وعودسمھا المخمومۃ .... ولاینافیہ ان یکون ھناک رزق حسی ایضا وھو الظاھر المتبادر۔

(۲۸۴) انبیاء اور دیگر مؤمنین کی حیات میں فرق

سؤال

کیافرماتے ہیں علماء کرام ومفتیان عظام اس مسئلہ کے بارے میں کہ حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام اپنی قبر مبارک میں زندہ ہیں یانہیں؟ آپ کے علاوہ دیگر مومنین اپنی قبروں میں زندہ ہیں یانہیں؟ اگر زندہ نہیں ہیں تو یقیناوہ سنتے بھی نہیں ہوں گے۔اوراگر زندہ ہیں تو آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی حیات اور دیگر مردوں کی حیات میں کیافرق ہے؟ تفصیل سے جواب عنایت فرمائیں۔

الجواب بعون الملک الوھاب

حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اپنی قبر اطہر میں زندہ ہیں۔اسی طرح شہداء بھی زندہ ہوتے ہیں جیساکہ خود نصوص قرآنیہ سے ثابت ہے۔اور عام مومنین کو بھی ایک نوع کی حیات حاصل ہوتی ہے۔اب رہا یہ معاملہ کہ انبیاء اور عام مومنین کی زندگی میں کیا فرق ہے؟......تو اس کا جواب یہ ہے کہ سب سے کم درجہ کی حیات عام مومنین کو حاصل ہوتی ہے کہ وہ محض اللہ تعالیٰ کے انعامات کی لذت یا تعذیب کی سختی کو محسوس کرسکتے ہیں اور شہداء کی حیات ان سے کچھ زائد ہے اور انبیاء کی حیات سب سے بڑھ کر ہے۔اس قدر فرق انبیاء اور عام مومنین کی حیات میں نصوص سے ثابت ہے البتہ ہر ایک کی تعیین کہ ہر ایک کو کس قدر حیات حاصل ہے اس کی تعیین مشکل بلکہ ناممکن ہے۔

باقی رہا مردوں کے سننے کا مسئلہ تو اس کے دو حصے ہیں اول: حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے متعلق، دوم: عام لوگوں سے متعلق۔اول الذکر متفق علیہا مسئلہ ہے کہ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سنتے ہیں اور دوسرے مسئلہ میں یعنی عام لوگوں کے بارے میں صحابہ کرام رضوان اللہ علیہم اجمعین کے دور سے اختلاف چلا آرہا ہے۔بعض حضرات سننے کے قائل ہیں اور بعض نہ سننے کے قائل ہیں۔ہمارے اکثر علماء دیوبند سماع کے قائل ہیں کیونکہ نصوص اس بارے میں زیادہ واضح ہیں۔

لمافی الصحیح لمسلم (۲۶۸/۲): عن انس بن مالک رضی اللہ عنہ ان رسول اللہ ﷺ قال اتیت وفی روایۃ ھداب مررت علی موسی لیلۃ اسری بی عندا لکثیب الاحمر وھو قائم یصلی فی قبرہ۔

وفی سنن ابی داؤد (۱۵۰/۱): عن اوس بن اوس قال قال رسول اللہ ﷺ ان افضل ایامکم یوم الجمعۃ ... فاکثروا علی من الصلوۃ فیہ فان صلوتکم معروضۃ علی قال قالوا یارسول اللہ کیف تعرض صلا تنا علیک وقد ارمت قال یقولون بلیت فقال ان اللہ عزوجل حرم علی الارض

اجساد الانبياء۔

وفی المشکوۃ (ص۸۷): عن ابی ھریرۃ ﷺ قال قال رسول اللہ ﷺ من صلی علی عند قبری سمعتہ ومن صلی علی نائیا ابلغتہ۔

وفی فیض الباری (۲/۶۴): ونقل عن مالک رحمہ اللہ ان احترام النبی بعد وفاتہ ایضا کما کان فی حیاتہ۔ وفی البیھقی عن انس رضی اللہ عنہ وصححہ ووافقہ الحافظ فی المجلد السادس ان الانبیاء احیاء فی قبورھم یصلون ......ثم الحیاۃ فیھا مراتب لایعدھا عاد ولایحصیھا محص، فحیاۃ الانبیاء اعلی واتم وحیاۃ الصحابۃ دونھا ثم وثم۔

وفی الصحیح للبخاری (۱/۱۷۸): عن انس عن النبی ﷺ قال العبد اذا وضع فی قبرہ وتولی وذھب اصحابہ حتی انہ یسمع قرع نعالھم اتاہ ملکان۔

(۲۸۵) قبر اطہر میں امتیوں کے سوال کا جواب اور شفاعت

سؤال

کیا فرماتے ہیں علماء کرام ومفتیان عظام اس مسئلہ کے بارے میں کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم اپنی قبر اطہر میں امتیوں کے صلوٰۃ وسلام کا جواب سن کر جواب دیتے ہیں؟ یا صرف صلوٰۃ وسلام سنتے ہیں؟ یا کچھ اور بھی سنتے ہیں اور سفارش بھی فرماتے ہیں؟ کیا امام ابوحنیفہ رحمۃ اللہ علیہ کے نزدیک سننا اور جواب دینا ثابت ہے؟ قبر اطہر میں جسم مبارک سے روح مبارک کا تعلق مستقلا ہے یا روح مبارک آتی جاتی رہتی ہے؟ مذکورہ مسائل میں ہمارے اکابرین علمائے دیوبند کا مذہب کیا ہے؟ نیز آپ صلی اللہ علیہ وسلم اور دوسرے مردوں کی برزخی زندگی میں اگر کچھ فرق ہو تو وہ بھی بیان کریں۔

الجواب بعون الملک الوھاب

شریعت مطہرہ کامل وجامع دین ہے جس نے زندگی کے ہر شعبے میں مکمل ہدایات عنایت فرمائیں۔ اس کمال کے ساتھ ساتھ کمال کے خاصہ لازمہ کا بھی خیال رکھا کہ وہ باتیں جن کی عقائد یا اعمال کے اعتبار سے زیادہ ضرورت نہ تھی ان کو کہیں تو بیان ہی نہیں فرمایا اور کہیں اجمالا بیان کر دیا۔ اس طرز بیان سے مقصود یہی تنبیہ تھی جو کچھ بیان کر دیا اسی پر اکتفا کیا جائے اور بغیر ضرورت بحث ومباحثہ سے کسی اجمالی مسئلہ کی دقیق جزئیات کی چھان بین نہ کی جائے چنانچہ روایات میں آتا ہے کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم غیر ضروری سوالات پر ناراضگی کا اظہار فرمایا کرتے تھے اور بعض مواقع پر جب آپ سے ایسے سوالات کثرت سے پوچھے گئے تو آپ علیہ الصلوٰۃ والسلام شدید غصہ کی حالت میں منبر پر تشریف فرما ہوئے اور غصے کی حالت میں فرمایا کہ ''اب جو پوچھنا ہے پوچھ لو'' اس سے بھی مقصود تنبیہ تھی۔

اب ہمارے لئے عافیت وسلامتی کا راستہ یہی ہے کہ جن چیزوں کو کلام مقدس میں یا احادیث مبارکہ میں جس قدر بیان فرمادیا اور اس میں مزید بحث پر کوئی عقیدہ تفصیلی یا اجمالی موقوف نہیں ہے تو اس کے بارے میں بحث ومباحثہ سے اجتناب کیا جائے۔

اس ضروری تمہید کے بعد عرض ہے کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا اپنے روضہ اطہر میں امتیوں کا صلوٰۃ وسلام جو قریب ہیں خود اور جو دور ہیں ان کا فرشتوں کے ذریعے سننا اور جواب دینا روایات صحیحہ سے ثابت ہے۔ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی شان تو بہت بلند ہے بلکہ عام مومنین کے بارے میں روایات میں تصریح موجود ہے کہ وہ قبر پر آنے والوں کے سلام کا جواب دیتے ہیں۔

اور جس روایت میں "مامن احد یسلم عليَّ الا رد الله عليَّ روحي حتى أرد عليه السلام" (تم میں سے جو شخص مجھ پر سلام بھیجتا ہے تو اللہ تعالیٰ میری روح کو واپس لوٹا دیتے ہیں تاکہ میں اس کے سلام کا جواب دوں) کے الفاظ آتے ہیں اس کے معنی محدثین نے یہ بیان فرمائے ہیں کہ روح مبارک رب تعالیٰ کی تجلیات عالیہ میں مستغرق ہوتی ہے اور اس حالت میں جب کسی امتی کا سلام پہنچتا ہے تو اللہ تعالیٰ آپ کی روح مبارک کو دوسری حالت میں واپس لوٹاتے ہیں تاکہ آپ علیہ الصلوٰۃ والسلام امتیوں کے سلام کا جواب دے سکیں۔ محدثین کا اس معنی کو بیان کرنا اس پر صراحۃ دلالت کرتا ہے کہ جمہور علماء کا مذہب یہی ہے کہ آپ کو قبر اطہر میں حیات دائمی حاصل ہے اور جب اللہ تعالیٰ نے آپ کو حیات دائمی عطا فرمائی ہے تو آپ علیہ الصلوٰۃ والسلام اس کے علاوہ دوسرا کلام بھی سنتے ہیں۔

اور روضہ مطہرہ پر اگر کوئی حاضر ہو کر سفارش کی درخواست کرے تو سفارش بھی فرماتے ہیں اور بعض خوش نصیبوں اور سعادت مندوں کو سفارش کی درخواست کے بعد مغفرت کی خوش خبری بھی مل جاتی ہے۔

امام ابوحنیفہ رحمۃ اللہ علیہ سے سننے اور جواب دینے سے متعلق کوئی صریح روایت موجود نہیں ہے اور قبر اطہر میں آپ علیہ الصلوٰۃ والسلام کی حیات مبارکہ مستقل ہے۔ یہی مسلک ہمارے اکابر دیوبند کا تھا (تفصیل کے لئے دیکھئے رسالہ المهند على المفند)

آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی زندگی اور دوسرے امتیوں کی زندگی میں کوئی فرق ہے یا نہیں؟ تو اس سلسلے میں اتنی بات تو طے ہے کہ تمام امتیوں میں شہداء کی زندگی قوی ہوتی ہے، پھر انبیاء کی زندگی شہدا سے بھی قوی تر ہوتی ہے، پھر تمام انبیاء میں آپ علیہ الصلوٰۃ والسلام کو خصوصی امتیاز حاصل ہے اور آپ کی حیثیت سب سے اعلیٰ ہے۔ البتہ اس میں یہ تعیین کہ نبی اور امتی کی زندگی میں کس قدر فرق ہے صراحۃ منقول نہیں ہے۔

لمافي البحر المحيط (۶۹۴/۳): تحت آية ولو انهم اذظلموا انفسهم الآية ... روى عن على كرم الله وجهه انه قال قدم علينا اعرابي بعد مادفنا رسول الله ﷺ بثلاثة ايام فرمى بنفسه على قبره وحثا من ترابه على رأسه ثم قال

يا خير من دفنت في التراب اعظمه فطاب من طيبهن القاع والأكم

نفسي الفداء لقبر انت ساكنه فيه العفاف وفيه الجود والكرم

ثم قال قد قلت يارسول الله فسمعنا قولك، ووعيت عن الله فوعينا عنك وكان فيما انزل الله

علیك ولوانهم اذظلموا انفسهم جاؤوك الآیة وقد ظلمت نفسی وجئت استغفرالله فاستغفرلی من ربك فنودی فی القبر انه قدغفرلك۔

(وهکذا ذکر هذه القصة بتغییر یسیر فی احکام القرآن للقرطبی (۵/۲۶۵) ...... وفی تفسیر ابن کثیر (۱/۴۶۱)

وقال العلامة الآلوسی فی روح المعانی (۳۸/۸): تحت آیة ماکان محمداباآحد الآیة ...... والاخبار المذکورة بعدفیما سبق المراد منها اثبات الحیاة فی القبر بضرب من التاویل والمراد بتلك الحیاة نوع من الحیاة غیر معقول لنا وهو فوق حیاة الشهداء بکثیر وحیاة نبینا اکمل واتم من حیاة سائر هم علیهم السلام وخبره مامن مسلم یسلم علی الارد الله تعالی علی روحی حتی ارد علیه السلام محمول علی اثبات اقبال خاص والتفات روحانی یحصل من الحضرة الشریفة النبویة الی عالم الدنیا وتنزل الی عالم البشریة حتی یحصل عنه ذلك رد السلام وفیه توجیهات اخر مذکورة فی محلها ثم ان تلك الحیاة فی القبر وان کانت یترتب علیها بعض مایترتب علی الحیاة فی الدنیا المعروفة لنا من الصلاة والاذان والاقامة ورد السلام المسموع ونحو ذلك الاانها لایترتب علیها کل مایمکن ان یترتب علی تلك الحیاة المعروفة ولایحس بهاولایدرکها کل احد فلوفرض انکشاف قبرالنبی من الانبیاء علیهم السلام لایری الناس النبی فیه الاکما یرون سائر الاموات الذی لم تأکل الارض اجسادهم۔

وفی الصحیح للبخاری (۱/۱۹): عن ابی موسی قال سئل النبی ﷺ عن اشیاء کرهها فلما اکثر علیه غضب ثم قال سلونی عماشئتم وذکر الحدیث۔

وفی احکام القرآن للتهانوی رحمه الله (۳/۱۷۰): وقد ذکره جماعة من العلماء ویشهد له صلوة موسی علیه السلام فی قبره فان الصلوة تستدعی جسدا حیا وکذلك الصفاة المذکورة فی الانبیاء لیلة الاسراء کلها صفات الاجسام ولایلزم من کونها حیاة حقیقة ان تکون الابدان معها کماکانت فی الدنیا مع الاحتیاج الی الطعام والشراب وغیر ذلك من صفات الاجسام التی تشاهدها بل یکون لها حکم آخر واما الادراکات کالعلم والسمع فلاشك ان ذلك ثابت لهم یعنی الشهداء وسائر الموتی (شرح الصدور)۔

وفی الصحیح المسلم (۲/۲۶۸): عن انس بن مالك رضی الله عنه ان رسول الله ﷺ قال اتیت وفی روایة هداب مررت علی موسی لیلة اسری بی عند الکثیب الاحمر وهو قائم یصلی۔

وفى سنن الدارمى (١/٥٧): عن سعيد بن عبدالعزيز قال لماكان ايام الحرة لم يؤذن فى مسجد النبى ﷺ ثلاثا ولم يقم ولم يبرح سعيد بن المسيب من المسجد وكان لايعرف وقت الصلاة الابهمهمة يسمعها من قبرا لنبى ﷺ۔

وفى مشكوة المصابيح (ص٨٦و٨٧): عن ابن مسعودؓ قال قال رسول اللهﷺ ان للهملائكة سياحين فى الارض يبلغونى من امتى السلام ......عن ابى هريرةؓ قال قال رسول اللهﷺ مامن احد يسلم على الارد الله على روحى حتى ارد عليه السلام......... وعن ابى هريرة قال قال رسول اللهﷺ من صلى على عندقبرى سمعته ومن صلى على نائيا ابلغته۔

وفى مرقاة المفاتيح تحت هذه الروايات (٣٢١/٢): (يبلغونى من امتى السلام) اذا سلموا على قليلا اوكثيرا وهذا مخصوص بمن بعد عن حفرة مرقد ه المنور ومضجعه المطهر واشارة الى حياته الدائمة وفرحه ببلوغه سلام امته الكاملة وايماء الى قبول السلام حيث قبلته وحملته اليه عليه السلام وسياتى انه يرد السلام على من سلم عليه۔

(ومامن احد يسلم على الاردالله على روحى) قال ابن حجر اى نطقى (حتى ارد عليه السلام)اى اقول وعليك السلام قال القاضى لعل معناه ان روحه المقدسة فى شأن مافى الحضرة الالهية فاذابلغه سلام احد من الامة رد الله تعالى روحه المطهر من تلك الحالة الى رد من سلم عليه ...... وقال ابن ملك رد الروح كناية عن اعلام الله اياه بان فلانا صلى عليه۔

وفى مشكوة المصابيح (ص١٢١): عن ابى الدرداءؓ قال قال رسول اللهﷺ اكثروا الصلوة على يوم الجمعة فانه مشهود يشهده الملائكة وان احدًا لم يصل على الاعرضت على حتى يفرغ منها قال قلت وبعد الموت قال ان الله حرم على الارض ان تاكل اجسادالانبياء فنبى الله حى يرزق۔

وفى مرقاة المفاتيح تحتها (٢٢١/٣): (ان تاكل اجساد الانبياء) اى جميع اجزا ء هم فلافرق لهم فى الحالين ......وفيه اشارة الى ان العرض على مجموع الروح والجسد منهم بخلاف غيرهم ومن فى معناهم من الشهداء والاولياء فان عرض الامور ومعرفة الاشياء انماهو بارواحهم مع اجسادهم۔ (فنبى الله)يحتمل الجنس والاختصاص بالفر دالاكمل والظاهر هو الاول لانه رأى موسى قائما يصلى فى قبره وكذلك ابراهيم كمافى حديث مسلم وصح خبرالانبياء احياء فى قبورهم يصلون۔(حى)اى دائما (يرزق) رزقا معنويا فان الله تعالى قال فى حق الشهداء من امته بل احياء عند ربهم يرزقون فكيف سيدهم بل رئيسهم لانه حصله له ايضا مرتبة الشهادة

مع مزيد السعادة باكل الشاة المسمومة وعود سمها المخمومة وانما عصمه الله تعالى من بين اعدائه من شر البرية ولدينا فيه ان يكون هنالك رزق حسی۔

وفی عمدة القاری (۱۶/۱۸۵): (ولا یذیقك الله الموتتين) اراد بالموتتين الموت فی الدنيا والموت فی القبر وهما الموتتان المعروفتان المشهورتان فلذلك ذكرهما بالتعريف وهما الموتتان الواقعتان لكل احد غير الانبياء عليهم الصلوة والسلام فانهم لايموتون فی قبورهم بل هم احياء واماسائر الخلق فانهم يموتون فی قبورهم ثم يحيون يوم القيامة ومذهب اهل السنة والجماعة ان فی القبر حياة وموتا فلابد من ذوق الموتتين لكل احد غير الانبياء۔

وقال العلامة انورشاه الكاشميری فی فيض الباری (۲/۶۴): نقل عن مالك رحمه الله احترام النبی بعد وفاته ايضا كماكان فی حياته وفی البيهقی عن انس وصححه ووافقه الحافظ فی المجلد السادس ان الانبياء احياء فی قبورهم يصلون ......ثم الحياة فيها مراتب لايعدها عاد ولايحصيها محصی فحياة الانبياء اعلی واتم وحياة الصحابة دونها ثم وثم۔

ويقول فيه ايضا (۲/ ۴۶۷): والاحاديث فی سمع الاموات قد بلغت مبلغ التواتر وفی حديث صححه ابوعمرو ان احدا اذاسلم علی الميت فانه يرد عليه ويعرفه ان كان يعرفه فی الدنيا (بالمعنی) واخرجه ابن كثير ايضا وتردد فيه فالانكار فی غير محله سيما اذا لم ينقل عن احد من ائمتنا رحمهم الله تعالی فلابد بالتزام السماع فی الجملة۔

وفی اعلاء السنن (۱۰/۵۰۵): ولاشك فی حياته ﷺ بعد وفاته وكذا سائرالانبياء عليهم الصلوة والسلام احياء فی قبورهم حياة اكمل من حياة الشهداء التی اخبرالله تعالی بهافی كتابه العزيز ونبينا ﷺ سيدالانبياء وسيدالشهداء۔

ويقول فيه ايضا (۱۰/۵۱۲): عن داؤد بن ابی صالح قال :اقبل مروان يوما فوجد رجلا واضعا وجهه علی القبر فاخذ برقبته وقال اتدری ماتصنع قال نعم فاقبل عليه فاذاهوابوايوب الانصاری رضی الله عنه فقال جئت رسول الله ﷺ لم آت الحجر سمعت رسول الله ﷺ يقول لاتبكوا علی الدين اذاوليه اهله ولكن ابكوا عليه اذا وليه غير اهله اخرجه الحاكم وقال صحيح الاسناد واقره الذهبی فی تلخيص المستدرك ۴/۵۱۵ فقال صحيح۔

(قوله عن داؤد بن ابی صالح الخ)قلت موضع الاستدلال منه قول ابی ايوب جئت رسول الله ﷺ ولم آت الحجر فتأيد به حديث من زارنی بعد وفاتی فكانما زارنی فی حياتی وثبت به ان حكم

قوله تعالى ولو انهم اذظلموا انفسهم جاؤوك فاستغفروا الله واستغفر لهم الرسول لوجدوا الله توابا رحيما باق بعد وفاته ﷺ لم ينقطع بها۔

وذكر رواية ابي ايوب الانصاری فی مسند احمد بن حنبل (٦/٥٨٨)

ويقول العلامة العثمانی فی اعلاء السنن ايضا (١٠/٥١٢): اذا اختار الرجوع يستحب له ان يأتی القبر الشريف ويقول بعد السلام والدعاء ودعناك يارسول الله غير مودع ولاسامعين بفرقتك۔نسألك ان تسأل الله تعالی ان لايقطع آثارنا من زيادة حرمك۔

وقال الملاعلی القاری فی مناسك ملاعلي (٥١٠): ثم فی تلك الساعة يطلب الشفاعة ای فی الدنيا بتوفيق الطاعة وفی الاخرة بغفران المعصية فيقول يارسول الله اسألك الشفاعة ثلاثا۔

وقال ايضا فی آخر بحث الزيارة (ص٥١٢): من ارادالكمال ای ممن يسعه القال والحال فليقل ...اللهم آته نهاية ماينبغی ان يسأله السائلون وغاية ماينبغی ای يومله الآملون وحسن ای بصيغة الوصف ای يستحسن ان يقول كماقال اعرابي مقبول :اللهم انك قلت وانت اصدق القائلين ولو انهم اذظلموا انفسهم جاؤوك (ای تائبين) فاستغفروا الله واستغفرلهم الرسول (ای بالشفاعة لردهم الی الطاعة) لوجدوا الله توابا رحيما جئناك ای فقد آتيناك ظالمين لانفسنا مستغفرين من ذنوبنا ای مستشفعين بك الی ربنا (فاشفع لنا) الی ربك واسأله ان يمن علينا بسائر طلباتنا ای مطلوباتنا ومسئولاتنا۔

قال العلامة حسن شاه فی غنية الناسك (ص٣٨٠): وحسن ان يقول: يارسول الله قد قال سبحانه وتعالی وقوله الحق .ولو انهم اذظلموا انفسهم جاؤوك فاستغفروا الله واستغفرلهم الرسول لوجدوا الله توابا رحيما۔فجئناك ظالمين لانفسنا مستغفين (مستغفرين) من ذنوبنا فاشفع لنا الی ربنا واسأله ان يميتنا علی سنتك وان يحشرنا فی زمرتك۔

وفی الهندية فی آخر بحث الزيارة (١/٢٦٦): ثم يقف عند رأسه كالاول ويقول اللهم انك قلت وقولك الحق ولو انهم اذظلموا انفسهم جاؤوك الآية وقد جئناك سامعين قولك طائعين امرك مستشفعين بنبيك اليك۔

وفی ردالمحتار (٣/١٥١): واما مانسب الی الامام الاشعری امام اهل السنة والجماعة من انكار ثبوتها بعد الموت فهوافتراء وبهتان والمصرح به فی كتبه وكتب اصحابه خلاف مانسب اليه بعض اعدائه لان الانبياء عليهم الصلوة والسلام احياء فی قبورهم۔

قال السيوطی فی الحاوی للفتاوی (۱۴۷/۲): من الادلة فی ذلک وتواترت به الاخبار ...... وبعد صفحة يقول : قال البيهقی فی کتاب الاعتقاد :الانبياء بعد ماقبضوا ردت اليهم ارواحهم فهم احياء عند ربهم کالشهداء وقال القرطبی فی التذکرة فی حديث الصعقة نقلا عن شيخه :الموت ليس بعدم محض انماهو انتقال من حال الی حال ويدل علی ذلک ان الشهداء بعد قتلهم وموتهم احياء يرزقون فرحين مستبشرين وهذه صفة الأحياء فی الدنيا۔ واذا کان هذا فی الشهداء فالانبياء احق بذلک واولی ......وبعد اسطر يقول ......قال الاستاذ ابومنصور عبدالقاهر بن طاهر البغدادی الفقيه الاصولی شيخ الشافعية فی اجوبة مسائل الجاجرمين قال: المتکلمون المحققون من اصحابنا ان نبيناﷺ حی بعد وفاته وانه يسر بطاعات امته ويحزن بمعاصی العصاة منهم وانه تبلغه صلاة من يصلی عليه من امته۔

(۲۸۶) کیاانبیاءعلیہم السلام کوحوریں ملیں گی/کیاآپﷺ ہمارے والدکی طرح ہیں؟

سؤال

کیافرماتے ہیں علماء کرام ومفتیان عظام اس مسئلہ کے بارے میں کہ کہاجاتا ہے کہ جنت میں جانے کے بعد مومنوں کی خدمت کے لئے حوریں موجود ہوں گی، توکیا نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم اور دوسرے انبیاء کے لئے بھی حوریں ہوں گی یا نہیں؟

۲۔حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی ازواج مطہرات کومومنوں کی ماں کہاجاتا ہےتوکیا نبی علیہ الصلوٰۃ والسلام ہمارے باپ ہوئے یانہیں؟

۳۔میں نے سنا ہے کہ حضرت علی رضی اللہ عنہ کی شہادت کے بعدان کی وصیت کے مطابق ان کی نماز جنازہ پڑھاکران کے تابوت کو اونٹنی پرسوار کرکے صحرامیں چھوڑ دیا گیا، پھرحضرت علی رضی اللہ عنہ کا تابوت تونہیں ملالیکن ان کی اونٹنی مری ہوئی ملی، جہاں اونٹنی ملی وہاں ان کے عقیدت مندوں نے مزار بنادیا تھا۔کیایہ بات درست ہے یانہیں؟ اوراگرعراق میں بنایاگیا مزارفرضی ہےتو اہلسنّت کے علماءاسے بچانے کے لئے کیوں سرگرم ہیں؟

۴۔عراق میں بنائے گئے مزارمیں واقعی حضرت علی رضی اللہ عنہ دفن ہیں یانہیں؟

ان سوالات کےتسلی بخش جوابات عنایت فرمائیں۔

الجواب بعون الملک الوهاب

صورت مسئولہ میں ا۔جس طرح عام مومنین کے لئےحوریں ہوں گی اسی طرح انبیاء کے لئے بھی حوریں ہوں گی۔

۲۔جس طرح تمام ازواج مطہرات مومنین کی مائیں ہیں۔اسی طرح حضور صلی اللہ علیہ وسلم بلکہ تمام انبیاءامت کے باپ ہوتے ہیں

اورآیت کریمہ مَا كَانَ مُحَمَّدٌ اَبَآ اَحَدٍ مِنْ رِجَالِكُمْ الآیۃ میں نفی صلب (حقیقی باپ) کے اعتبار سے ہے۔

۳، ۴۔ یہ واقعہ جو آپ نے سنا ہے اسکی کوئی اصل نہیں ہے بلکہ حضرت علی رضی اللہ عنہ کی شہادت کے بعد انہیں کوفہ میں اس وقت کے دارالامارۃ میں دفن کیا گیا تھا البتہ تاریخی روایات سے معلوم ہوتا ہے کہ نجف میں جسے آج کل حضرت علی رضی اللہ عنہ کا مزار سمجھا جاتا ہے یہ حضرت علی رضی اللہ عنہ نہیں بلکہ حضرت مغیرہ بن شعبہ رضی اللہ عنہ کا مزار ہے۔

لما في روح المعاني (٣١/٨): قال الراغب بعد ان قال الاب الوالد مانصه :ويسمى كل من كان سببا في ايجاد شئ او اصلاحه اوظهوره اباولذلك سمى النبي ﷺ اباالمومنين قال الله تعالى النبي اولى بالمومنين من انفسهم وازواجه امهاتهم وفي بعض القرآت وهو اب لهم وروى انه عليه السلام قال لعلي كرم الله تعالى وجهه اناوانت ابواهذه الامة ...... وحاصله انه استدراك من نفي الابوة الحقيقية الشرعية التي يترتب عليها حرمة المصاهرة ونحوها الى اثبات الابوة المجازية اللغوية التي هي من شان الرسول عليه الصلوة والسلام۔

وفي المشكوة المصابيح (ص٤٩٦): عن ابي هريرة رضي الله عنه قال قال رسول الله ﷺ وذكر الحديث بطوله ثم قال لكل امرئ منهم زوجتان من الحور العين۔

وفيه ايضا (ص٤٩٩): عن ابي سعيد قال قال رسول الله ﷺ ......ادنى إهل الجنة الذى له ثمانون الف خادم واثنتان وسبعون زوجة۔

وفي المرقاة (٣٢٣/١٠): قدجاء ان للواحد من اهل الجنة العدد الكثير من الحور العين۔

وفي البداية والنهاية (٣٤٢/٧): ان عليا رضي الله عنه لما مات صلى عليه ابنه الحسن فكبر عليه تسع تكبيرات ودفن بدارالامارة بالكوفة خوفاً عليه من الخوارج ان ينبشوا عن جثته هذا هو المشهور ومن قال انه حمل على راحلته فذهبت به فلايدرى اين ذهب فقد اخطأ وتكلف مالاعلم له به ولايسيغه عقل ولاشرع ومايعتقده كثير من جهلة الروافض من ان قبره بمشهد النجف فلادليل على ذلك ولااصل له ويقال انماذلك قبرالمغيرة بن شعبة۔

(۲۸۷) نبی علیہ الصلوٰۃ والسلام کی بعثت اور مؤمنین جنات کا حکم

سؤال

کیافرماتے ہیں علماء کرام ومفتیان عظام اس مسئلہ کے بارے میں کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم صرف انسانوں کی طرف مبعوث ہوئے

تھے یا انسانوں اور جنات دونوں کی طرف؟ نیز جنات میں جو مومنین ہیں کیا وہ بھی جنت میں داخل ہوں گے؟

الجواب بعون الملك الوهاب

نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی بعثت تمام انسانوں اور جنات کی طرف ہے اور جنات میں سے جو مومنین ہیں وہ بھی انسانوں کی طرح جنت میں داخل ہوں گے۔

لمافی قوله تعالى (الجن :۱۱۲۱):قُلْ أُوحِيَ إِلَيَّ أَنَّهُ اسْتَمَعَ نَفَرٌ مِّنَ الْجِنِّ فَقَالُوْا إِنَّا سَمِعْنَا قُرْآنًا عَجَبًا (١) يَهْدِيْ إِلَى الرُّشْدِ فَآمَنَّا بِه وَلَنْ نُشْرِكَ بِرَبِّنَا أَحَدًا (٢) وَأَنَّه تَعَالٰى جَدُّ رَبِّنَا مَا اتَّخَذَ صَاحِبَةً وَّلَا وَلَدًا (٣) وَأَنَّه كَانَ يَقُوْلُ سَفِيْهُنَا عَلَى اللهِ شَطَطًا (٤) وَأَنَّا ظَنَنَّا أَن لَّنْ تَقُولَ الْإِنْسُ وَالْجِنُّ عَلَى اللهِ كَذِبًا (٥) وَأَنَّه كَانَ رِجَالٌ مِّنَ الْإِنْسِ يَعُوْذُوْنَ بِرِجَالٍ مِّنَ الْجِنِّ فَزَادُوْهُمْ رَهَقًا (٦) وَأَنَّهُمْ ظَنُّوْا كَمَا ظَنَنْتُمْ أَنْ لَّنْ يَّبْعَثَ اللهُ أَحَدًا (٧) وَأَنَّا لَمَسْنَا السَّمَاءَ فَوَجَدْنَاهَا مُلِئَتْ حَرَسًا شَدِيدًا وَّشُهُبًا (٨) وَأَنَّا كُنَّا نَقْعُدُ مِنْهَا مَقَاعِدَ لِلسَّمْعِ فَمَنْ يَّسْتَمِعِ الْآنَ يَجِدْ لَه شِهَابًا رَّصَدًا (٩) وَأَنَّا لَا نَدْرِيْ أَشَرٌّ أُرِيْدَ بِمَنْ فِي الْأَرْضِ أَمْ أَرَادَ بِهِمْ رَبُّهُمْ رَشَدًا (١٠)وَأَنَّا مِنَّا الصّٰلِحُوْنَ وَمِنَّا دُوْنَ ذٰلِكَ كُنَّا طَرَائِقَ قِدَدًا (١١)

وفی احكام القرآن للقرطبی (۲۱۷/۱۲): تحت آية "يقومنا اجيبواداعی الله وآمنوا به يغفر لكم من ذنوبكم ويجركم من عذاب اليم" هذه الآية تدل على ان الجن كالانس فی الامر والنهی والثواب والعقاب قال الحسن ليس لمومنی الجن ثواب غير نجاتهم من النار ......وبه قال ابوحنيفة قال ليس ثواب الجن الاان يجاوروا من النار ثم يقال لهم كونواترابا مثل البهائم وقال آخرون انهم كمايعاقبون فی الاساءة يجازون فی الاحسان مثل الانس واليه ذهب مالك والشافعی وابن ابی ليلى وقد قال الضحاك الجن يدخلون الجنة ويأكلون ويشربون قال القشيری والصحيح ان هذا مما لم يقطع فيه بشئ والعلم عندالله۔

وفی الفتاوى الحديثية (ص۱۷): واعلم ان العلماء اتفقوا على ان كافرهم يعذب فی الآخرة وعن ابی حنيفة وابی الزناد وليث بن ابی سليم ان مؤمنهم لاثواب له الاالنجاة من النار ......والصحيح الذی قال ابن ابی ليلى والاوزاعی ومالك والشافعی واحمد واصحابهم رضی الله عنهم انهم يثابون على طاعاتهم ونقل عن ابی حنيفة واصحابه رضی الله عنهم انهم يدخلون الجنة ونقله ابن حزم عن الجمهور واستدلوابقوله ولكل درجات مماعملوافانه ذكر بعد الجن

والانس۔

وفی روح المعانی (۳۲/۲۶): تحت آیة ''یاقومنا أجیبوا داعی الله الآیة'' وهذا ونحوه یدل علی ان الجن مکلفون ...... وعن ابن عباس لهم ثواب وعلیهم عقاب یلتقون فی الجنة ویزدحمون علی ابوابها ......وقیل لاثواب لمطیعهم الاالنجاة من النار، فیقال لهم کونوا ترابا فیکونون ترابا۔وهذا مذهب لیث بن ابی سلیم وجماعة ونسب الی الامام ابی حنیفة رضی الله تعالی عنه،وقال النسفی فی التیسیر: توقف ابوحنیفة فی ثواب الجن فی الجنة ونعیمهم لانه لااستحقاق للعبد علی الله تعالی ولم یقل بطریق الوعد فی حقهم الاالمغفرة والاجازة من العذاب وامانعیم الجنة فموقوف علی الدلیل ...... قال النووی فی شرح صحیح مسلم :والصحیح انهم یدخلونها وینعمون فیها بالاکل والشرب وغیرهما وهذا مذهب الحسن البصری ومالک بن انس والضحاک وابن ابی لیلی وغیرهم۔

(۲۸۸) کیا معجزات کے لئے تاریخی گواہی ضروری ہے؟

سؤال

کیافرماتے ہیں علماءکرام ومفتیانِ عظام اس مسئلہ کے بارے مین کہ معجزہ شق قمرکس سن میں واقع ہوا؟منکرین حدیث اس کاانکارکرتے ہیں اور دلیل یہ پیش کرتے ہیں کہ اگر واقعی معجزہ شق قمر واقع ہوا ہوتا تومشہور تاریخ نویس اور مصنفین اس کو اپنی تاریخ میں ذکرکرتے حالانکہ ایسانہیں ہے۔اس سوال کاتسلی بخش جواب عنایت فرمائیں۔

الجواب بعون الملک الوهاب

معجزہ شق قمر کاظہورہجرت نبوی سے پانچ سال قبل ہواتھا۔اوراگرمنکرین حدیث اس کاانکارکرتے ہیں تو یہ ان کی حماقت ہے کیونکہ تاریخ کی کتب کادرجہ سب سے آخرمیں ہے سب سے پہلے سب سے سچی اور معتبر کتاب کلام مقدس ہے پھراحادیث مبارکہ ہیں۔اگرکوئی چیزان میں نہ ملےتوتاریخ کی طرف رجوع کیاجاتاہےجبکہ شق قمر کاذکرقرآن مجید میں موجود ہے۔اس کے بعداحادیث کی کتابوں میں بکثرت روایات موجود ہیں،سب سے بڑھ کر بخاری ومسلم جن پر پوری امت کااتفاق ہےان میں اس معجزے کاذکرموجود ہے پھرمزیدکسی تاریخی روایت کی کیاضرورت ہے؟نیزیہ کہناکہ کسی تاریخ کی مشہور کتاب میں اس کاذکرموجودنہیں یہ بھی بالکل لغواور فضول بات ہےکیونکہ تاریخ کی معتبرکتب میں بھی اس کاذکرملتاہے۔

لمافی روح المعانی (۷۴/۹): اقْتَرَبَتِ السَّاعَةُ وَانْشَقَّ الْقَمَرُ انفصل بعضه عن بعض وصار فرقتین

وذلك علی عهد رسول اللهﷺ قبل الهجرة بنحو خمس سنین فقد صح من روایة الشیخین ......
والاحادیث الصحیحة فی الانشقاق کثیرة،واختلف فی تواتره فقیل :هوغیرمتواتر وفی شرح المواقف الشریفی انه متواتروهو الذی اختاره العلامة ابن السبکی قال فی شرحه لمختصر ابن حاجب: الصحیح عندی ان انشقاق القمر متواتر منصوص علیه فی القرآن مروی فی الصحیحین وغیرهما من طرق شتی بحیث لا یمتری فی تواتره۔

وفی احکام القرآن للقرطبی (۱۲۵/۱۷): اقْتَرَبَتِ السَّاعَةُ وَانْشَقَّ الْقَمَرُ ای وقد انشق القمر ... وعلی هذا الجمهور من العلماء۔

وفی الصحیح للبُخاری (۵۱۳/۱): حدثنا عبدالله بن محمد ....عن انس رضی الله عنه انه حدثهم ان اهل مکة سألوا رسول اللهﷺ ان یریهم آیة فأراهم انشقاق القمر ...عن ابن عباس رضی الله عنه ان القمر انشق فی زمان النبی ﷺ۔

(۲۸۹) شب معراج میں انبیاء علیہم السلام کو آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے نفل نماز پڑھائی تھی یا فرض؟

سؤال

کیا فرماتے ہیں علماء کرام اس مسئلہ کے بارے میں کہ معراج کے موقع پر آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے جو انبیاء علیہم الصلوٰۃ والسلام کی امامت کرائی تھی اس نماز میں انبیاء علیہم السلام اپنے جسموں کے ساتھ حاضر تھے یا صرف روحیں موجود تھیں نیز وہ نفل نماز تھی یا فرض نماز؟

الجواب بعون الملک الوھاب

آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے معراج کی رات جو انبیاء کی امامت کرائی تھی وہ نفل نماز تھی اور انبیاء علیہم الصلوٰۃ والسلام کی روحیں وہاں موجود تھیں۔

لمافی مرقاة المفاتیح (۱۴۳/۱۱): قال ابن الملك فی شرح المشارق المرئی کان ارواح الانبیاء متشکلة بصورهم التی کانوا علیها الاعیسی فانه مرئی بشخصه وسبقه التوربشتی حیث قال ورویة الانبیاء فی السموات وفی بیت المقدس یحمل علی رؤیة روحانیتهم الممثلة بصورهم التی کانوا علیها غیر عیسی فان رویته محتملة للامرین او احدهما۔

لمافی السراجیة (ص۲۲): امامة النبی ﷺ لیلة المعراج لارواح الانبیاء علیهم السلام کانت فی النافلة۔

(۲۹۰) معراج جسمانی یا روحانی؟

سؤال

کیا فرماتے ہیں علماء کرام ومفتیان عظام اس مسئلہ کے بارے میں کہ آپ ﷺ کو معراج جسمانی ہوئی تھی یا روحانی؟ مدلل جواب عنایت فرمائیں۔

الجواب بعون الملک الوھاب

جمہور کے نزدیک آپ ﷺ کو معراج جسمانی ہوئی۔ البتہ بعض حضرات نے بعض آثار کی وجہ سے تطبیق یہ بیان کی ہے کہ آپ کو دو دفعہ معراج ہوئی، اول روحانی اور دوئم جسمانی۔

لقوله تعالى (الاسراء:۱):سُبْحٰنَ الَّذِي أَسْرَى بِعَبْدِهِ لَيْلًا مِنَ الْمَسْجِدِ الْحَرَامِ إِلَى الْمَسْجِدِ الْأَقْصَى الَّذِي بَارَكْنَا حَوْلَهُ الخ

وفی روح المعانی (۵/ص۷): واختلف ايضا انه فى اليقظة اوفى المنام ...وذهب الجمهور الى انه فى اليقظة ببدنه وروحه ﷺ والرويا تكون بمعنى الرؤية فى اليقظة كمافى قول الراعى يصف صائدا

وكبر للرؤيا وهش فؤاده وبشر قلبا كان جماً بلاله

......وذهبت طائفة ...بان الاسراء كان مرتين احداهما فى نومه ﷺ قبل النبوة ...ثم اسرى بروحه وبدنه بعد النبوة قال فى الكشف وهذا هو الحق به يحصل الجمع بين الاخبار۔

وفی احکام القرآن للقرطبی (۱۰/۲۰۸): هل كان اسراء بروحه اوجسده اختلف فى ذلك السلف والخلف فذهبت طائفة الى انه اسراء بالروح ......وذهب معظم السلف والمسلمين الى انه كان اسراء بالجسد وفى اليقظة وانه ركب البراق بمكة ووصل الى بيت المقدس وصلى فيه ثم اسرى بجسده۔

وفی تفسیر کبیر (۲۰/۱۴۸): اختلف فى كيفية ذلك الاسراء فالاكثرون من طوائف المسلمين اتفقوا على انه اسرى بجسد رسول الله ﷺ والاقلون قالوا انه مااسرى الا بروحه۔

وفی المرقاۃ (۱۱/۱۳۸): فى شرح السنة قال القاضى عياض اختلف الناس فى الاسراء برسول الله ﷺ فقيل انما كان جميع ذلك فى المنام والحق الذى عليه اكثرالناس ومعظم السلف وعامة

المتاخرين من الفقهاء والمحدثين والمتكلمين انه اسری بجسدہ۔

(۲۹۱) آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے والدین کا ایمان

سؤال

کیا فرماتے ہیں علماء کرام ومفتیان عظام اس مسئلہ کے بارے میں کہ کیا آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے والدین کو اللہ تعالی نے دوبارہ زندہ کیا تھا کہ آپ پر ایمان لائیں؟ اگر یہ بات صحیح ہے تو معتبر کتابوں سے حوالہ نقل فرمائیں۔

الجواب بعون الملک الوھاب

حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے والدین کے ایمان کے بارے میں دونوں طرح کے اقوال موجود ہیں البتہ زیادہ احتیاط اس میں ہے کہ بجائے اس معاملے میں بحث ومباحثہ کے سکوت اختیار کیا جائے کیونکہ اس معاملے کا تعلق نہ تو عمل سے ہے اور نہ ہی آخرت میں ہم سے اس کے بارے میں پوچھا جائے گا۔ لہٰذا خواہ مخواہ ایسی بحث میں پڑنے کی ضرورت نہیں جس میں ہمارا فائدہ تو کوئی نہیں البتہ اگر کوئی کمی زیادتی کردی تو نقصان ہوسکتا ہے۔

لمافی احکام القرآن للقرطبی (۹۲/۲): انا ارسلناك بالحق بشيرا ونذيرا ولا تسئل عن اصحاب الجحيم ......قال ابن عباس ومحمد بن كعب رضي الله عنه ان رسول الله صلى الله عليه وسلم قال ذات يوم ليت شعری مافعل ابوای فنزلت هذه الآية وهذا على قرأة من قرأ ولا تسال جزما على النهی۔

وفی ردالمحتار (۱۸۵/۳): قال ابن عابدین بعد بحث طويل ......قال بعض المحققين :انه لاينبغی ذكر احد هذه المسئلة الامع مزيد الادب۔ وليست من المسائل التی يضر جهلها اويسأل عنها فی القبر اوفی الموقف۔ وحفظ اللسان عن التكلم فيها الابخير اولی واسلم۔

کتاب التفسیر ومایتعلق بالقرآن

(تفسیر اور دیگر علوم قرآنی کے بیان میں)

(۲۹۲) ''مافی الارحام'' سے کیا مراد ہے؟

سؤال

کیافرماتے ہیں علماء کرام ومفتیان عظام اس مسئلہ کے بارے میں کہ قرآن پاک میں پانچ چیزوں کا ذکر کیا گیا کہ ان پانچ کا علم اللہ تعالیٰ کے علاوہ کسی کو نہیں دیا گیا جبکہ سائنسی تحقیق سے ثابت ہوتا ہے کہ مافی الارحام (جو کچھ رحم کے اندر ہے) کے بارے میں معلوم ہوسکتا ہے۔ تو آیت سے کیا مراد ہے؟ تسلی بخش جواب عنایت فرمائیں۔

الجواب بعون الملک الوھاب

صورت مسئولہ میں مافی الارحام کی تفسیر پر اس اعتراض کے مختلف جوابات دیئے گئے ہیں:

۱.........سب سے پہلی بات یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ نے غیب کے علم کی نفی کی ہے اور غیب کہا جاتا ہے ایسے علم کو جو بغیر اسباب کے حاصل ہو جبکہ آج کل کی تحقیق نہ صرف اسباب کی محتاج ہے بلکہ اسباب کے بغیر ممکن ہی نہیں لہٰذا اسے غیب نہیں کہا جاسکتا۔

۲.........''ما'' عموم کے لئے استعمال ہوتا ہے جس میں صرف ذکورۃ وانوثۃ (لڑکا یا لڑکی ہونا) شامل نہیں بلکہ بچے کی عمر، رزق، شقی یا سعید ہونا تمام باتیں شامل ہیں اور ان کا علم کسی کو حاصل نہیں ہوتا۔

۳.........انسانی مادہ منویہ میں ہزاروں چھوٹے چھوٹے جرثومے ہوتے ہیں۔ جب مرد وعورت کے مادہ کا باہم ملاپ ہوتا ہے تو دونوں کے مادہ منویہ سے ہزاروں جرثومے وجود میں آتے ہیں۔ بعدازاں استقرار حمل مرد وعورت کے ہزاروں جرثوموں میں سے دونوں کے ایک ایک جرثومے سے وقوع پذیر ہوجاتا ہے اور باقی جرثومے ضائع ہوجاتے ہیں۔ اب کون سے جرثومے سے بچہ پیدا ہوتا ہے اللہ تعالیٰ کے علاوہ کوئی نہیں جانتا۔ اور جدید سائنس بھی اس کی تعیین سے قاصر ہے۔

اس کے علاوہ بھی چند ایک جوابات دیئے گئے ہیں لیکن اسی قدر کافی ہیں۔

لمافی التفسیر المنیر (۲۱/۱۷۹): (یعلم مافی الارحام) ای لایعلم احد الااللہ مافی الارحام من

خواص الجنين واحواله العارضة له من طبائع وصفات وذكورة وانوثة وتمام خلقه ونقصها، فان توسل العلماء بسبب تحليل الكيميائى كون الجنين ذكرا أو انثى فلايعنى ذلك غيبا وانما بواسطة التجربة وتظل احوال اخرىٰ كثيرة مجهولة للعلماء لاتعلم الابعد الولادة قال القرطبى وقد يعرف بطول التجارب اشياء من ذكورة الحمل وانوثته الى غيرذلك۔

(۲۹۳)''قدم صدق'' سے کیامراد ہے؟

سؤال

کیافرماتے ہیں علماء کرام ومفتیان عظام اس مسئلہ کے بارے میں کہ سورۃ یونس کی آیت وَبَشِّرِ الَّذِيْنَ آمَنُوْا اَنَّ لَهُمْ قَدَمَ صِدْقٍ عِنْدَ رَبِّهِمْ میں ''قدم صدق'' سے کیامراد ہے؟معتبر تفاسیر سے نقل فرمائیں۔

الجواب بعون الملک الوهاب

قدم صدق کی مراد میں مختلف اقوال نقل کئے گئے ہیں:

(۱) اللہ تعالیٰ کی طرف چلنے والے بلند درجات مراد ہیں۔

(۲) جنت میں دخول کے اعتبار سے باقی امتوں پر سبقت مراد ہے۔

(۳) دوبارہ اٹھائے جانے میں سبقت مراد ہے۔

اور قدم کی اضافت صدق کی طرف اضافت موصوف الی الصفۃ کے قبیل سے ہے اوراس سے مقصود مبالغہ کی طرف اشارہ کرنا ہے کہ یہ چیز یقینی ہے۔اور یہ بھی احتمال ہے کہ یہ مسبب کی اضافت سبب کی طرف ہواس صورت میں مطلب یہ ہوگا کہ یہ درجات عالیہ کاحصول صدق قول اورصدق نیت کی وجہ سے ممکن ہوا۔

لمافى قوله تعالى(يونس :٢): وَبَشِّرِ الَّذِينَ آمَنُوا أَنَّ لَهُمْ قَدَمَ صِدْقٍ عِنْدَ رَبِّهِمْ قَالَ الْكٰفِرُونَ إِنَّ هٰذَا لَسٰحِرٌ مُّبِيْنٌ

وفى روح المعانى (۶۲/۴): قدم صدق اى سابقة ومنزلة رفيعة......واصل القدم العضو المخصوص واطلقت على السبق مجازا مرسلا لكونها سببه وآلته واريد من السبق الفضل والشرف والتقدم المعنوى الى المنازل الرفيعة مجازا ....وقيل :المراد تقدمهم على غيرهم فى دخول الجنة لقوله عليه السلام نحن الآخرون السابقون يوم القيامة ......وقيل تقدمهم فى البعث واصل الصدق مايكون فى الاقوال ويستعمل كماقال الراغب فى الافعال

۹.....وصرحواهنا بان الاضافة من اضافة الموصوف الى صفته والاصل قدم صدق اى محققة ومقرره وفيه مبالغة لجعلها عين الصدق ثم جعل الصدق كانه صاحبها، ويحتمل ان تكون الاضافة من اضافة المسبب الي السبب وفي ذيلك تنبيه على ان مانالوه من المنازل الرفيعة كان بسبب صدق القول والنية۔

(۲۹۴)وما کنا معذبین حتی نبعث رسولا۔ الآیۃ کا مطلب؟

سوال

کیافرماتے ہیں علماء کرام ومفتیان عظام اس مسئلہ کے بارے میں کہ اگرکوئی ایسی جگہ ہو جہاں اسلام کسی بھی طریقے سے نہ پہنچا ہو وہاں کے کسی انسان کوشرک پرعذاب ہوگا؟ اگر ہوگا تو پھر اس آیت کا کیا مطلب وماكنا معذبين حتى نبعث رسولا نیز کسی مقام پر اسلام تو لوگوں کومعلوم نہیں لیکن حضرت عیسیٰ علیہ الصلوٰۃ والسلام کی شریعت کے بارے میں انہیں معلوم ہے اور اس پر وہ من وعن عمل کرتے ہیں توایسےلوگوں کے بارے میں کیا حکم ہے؟

الجواب بعون الملک الوھاب

اللہ تعالیٰ نے انسان کوایسی عقل دی ہے کہ اگر اسے رسولوں کی دعوت نہ بھی پہنچی ہو تو اس کی عقل اس کائنات کے پیدا کرنے والے کاادراک کرسکتی ہے، اور معجزات کی روشنی میں انبیاء کی تصدیق کی مکلف ہے، اب اس بات کے ذہن نشین ہوجانے کے بعد یہ سمجھے کہ اگر کہیں پر رسولوں کی دعوت نہ پہنچی ہوتو ان پر ایمان لانا ضروری ہوگا یانہیں؟ تو اولاً ایسی جگہ مشکل ہے جہاں انبیاء کی دعوت نہ پہنچی ہو، ثانیاً اگر فرض بھی کرلیں تو چونکہ انسانی عقل اللہ تعالیٰ کی وحدانیت کا اقرار بغیر رسولوں کی ہدایت کے کرسکتی ہے لہٰذا وہاں لوگوں کے لئے اللہ تعالیٰ پر ایمان لانا ضروری ہوگا یہی وجہ ہے کہ فقہاء رحمۃ اللہ علیہم نے اس بات کی صراحت کی ہے کہ جن لوگوں نے اللہ تعالیٰ کے ساتھ کسی دوسرے کوشریک بنایا تو اس پر انہیں عذاب ہوگا اگرچہ ان کی طرف کوئی رسول اور پیغمبر مبعوث نہ ہوا ہو۔ اس کی تائید صحیحین کی اس روایت سے ہوتی ہے جسے امام بخاری رحمۃ اللہ علیہ نے (۱/ ۴۷۲) پر ذکر کیا ہے

عَنْ أَبِي سَعِيدٍ الْخُدْرِيِّ رَضِيَ اللهُ عَنْهُ عَنِ النَّبِيِّ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ يَقُولُ اللهُ تَعَالَى يَا آدَمُ فَيَقُولُ لَبَّيْكَ وَسَعْدَيْكَ وَالْخَيْرُ فِي يَدَيْكَ فَيَقُولُ أَخْرِجْ بَعْثَ النَّارِ قَالَ وَمَا بَعْثُ النَّارِ قَالَ مِنْ كُلِّ أَلْفٍ تِسْعَ مِائَةٍ وَتِسْعَةً وَتِسْعِينَ فَعِنْدَهُ يَشِيبُ الصَّغِيرُ {وَتَضَعُ كُلُّ ذَاتِ حَمْلٍ حَمْلَهَا وَتَرَى النَّاسَ سُكَارَى وَمَا هُمْ بِسُكَارَى وَلَكِنَّ عَذَابَ اللهِ شَدِيدٌ} قَالُوا يَا رَسُولَ اللهِ وَأَيُّنَا ذَلِكَ الْوَاحِدُ قَالَ أَبْشِرُوا فَإِنَّ مِنْكُمْ رَجُلًا وَمِنْ يَأْجُوجَ وَمَأْجُوجَ أَلْفًا۔

(اللہ تعالیٰ حضرت آدم علیہ الصلوٰۃ والسلام سے فرمائیں گے کہ اے آدم! حضرت آدم علیہ السلام کہیں گے اے اللہ میں حاضر ہوں، تمام بھلائیاں آپ کے قبضہ قدرت میں ہیں، اللہ تعالیٰ فرمائیں گے کہ اپنی اولاد میں سے جہنم کا حصہ نکالیں، وہ عرض کریں گے کہ جہنم کا حصہ کیا ہے؟ اللہ تعالیٰ فرمائیں گے کہ ہر ہزار میں سے نوسو ننانوے، اس وقت (خوف کی بناء پر) بچے بوڑھے ہو جائیں گے اور حمل والیوں کے حمل گر جائیں گے اور آپ لوگوں کو دیکھیں گے کہ وہ ایسے ہو رہے ہوں گے جیسے کہ نشے میں ہیں حالانکہ وہ نشے میں نہیں ہوں گے بلکہ اللہ تعالیٰ کا عذاب بڑا ہی سخت ہے (اللہ کے عذاب کے خوف سے ان کی یہ حالت ہوگی) صحابہ رضوان اللہ علیہم اجمعین نے عرض کیا یا رسول اللہ وہ ایک کون ہوگا تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا تمہارے لئے خوشخبری ہو تم میں ایک اور یاجوج ماجوج میں ہزار ہوں گے۔

وجہ استدلال یہ ہے کہ یاجوج ماجوج سد سکندر کی اوٹ میں رہنے والی شرک میں مبتلا انسانی مخلوق ہے حالانکہ ان کی طرف کوئی رسول اور پیغمبر مبعوث نہیں پھر بھی ان کو شرک کی بنا پر عذاب دیا جائے گا معلوم ہوا کہ مشرک قوم کی طرف اگرچہ کوئی رسول اور قاصد مبعوث نہ بھی ہو تب بھی شرک کی بناء پر ان کو عذاب دیا جائے گا۔

امام ابوحنیفہ رحمۃ اللہ علیہ نے اس طرح کی روایات اور آیات سے استدلال کیا کہ اگر کسی شخص کو انبیاء کی دعوت نہ بھی پہنچی ہو تو بھی اس کے لئے اللہ تعالیٰ کی وحدانیت پر ایمان لانا ضروری ہوگا۔ باقی رہا یہ معاملہ کہ بعثت سے قبل عذاب کی نفی سے کیا مراد ہے؟ تو اس سے مراد معاصی اور بداعمالیوں پر عذاب کی نفی ہے شرک کی صورت میں عذاب کی نفی نہیں ہے۔

بعض مفسرین نے اس آیت مبارکہ میں ''رسولا'' میں عقل کو بھی شامل کیا ہے یعنی یہاں جن رسولوں کی بعثت کا ذکر ہے اس میں عقل انسانی بھی داخل ہے کہ انبیاء کی بعثت کے بغیر بھی انسانی عقل جن اعمال وافعال کا ادراک کر سکتی ہے ان کے ترک پر عذاب ہوگا۔

۲۔ آج کل کے اعتبار سے کوئی ایسا مقام نہیں ہے جہاں دعوت نہ پہنچی ہو، ہاں اگر کوئی ایسا مقام ہو جہاں کلی طور پر اسلامی احکامات کی دعوت نہ پہنچی ہو تو ان احکامات پر عمل پیرا نہ ہونے کی وجہ سے انہیں عذاب نہیں ہوگا۔

لما فی التفسیر الکبیر (۱۰/۱۷۴): فی الآیة قولان :الاول ان نجری الآیة علی ظاهرها ونقول العقل هو رسول الله الی الخلق بل هو رسول الذی لولاه لما تقررت رسالة أحد من الانبیاء فالعقل هو رسول الاصلی فکان معنی الآیة وماکنا معذبین حتی نبعث رسول العقل۔

والثانی ان نخصص عموم الآیة فنقول المراد وماکنا معذبین فی الاعمال التی لاسبیل الی معرفة وجوبها الا بالشرع الا بعد مجئ الشرع۔

وفی تفسیر روح المعانی (۵/۳۹): ... قالوا ان العقل آلة للعلم بهما فیخلقه الله تعالی عقیب نظر العقل نظرا صحیحا وأوجبوا الایمان بالله تعالی وتعظیمه وحرموا نسبة ما هو شنیع الیه سبحانه حتی روی عن ابی حنیفة رضی الله عنه انه قال لولم یبعث الله تعالی رسولا لوجب علی

الخلق معرفته وقد صرح غير واحد من علماء هم بأن العقل حجة من حجج الله تعالى ويجب الاستدلال به قبل ورود الشرع واحتجوا فى ذلك بماأخبرالله تعالى به عن ابراهيم عليه السلام من قوله لابيه وقومه ''انى اراك وقومك فى ضلال مبين'' حيث قال ذلك ولم يقل أوحى الى ومن استدلاله بالنجوم ومعرفة الله تعالى بها وجعلها حجة على قومه وكذلك كل الرسل حاجوا قومهم بحجج العقل كما ينبئ عنه قوله تعالى ''قالت رسلهم افى الله شك فاطر السمٰوات والارض'' الآية وبقوله تعالى ''ومن يدع مع الله الها آخر لابرهان له به'' الآية حيث لم يقل ومن يدع مع الله الها آخر بعدما أوحى اليه أوبلغته الدعوة۔

وفى التفسير المظهرى (۴۲۱/۵): قال ابو حنيفة رحمه الله الحاكم هو الله تعالى لكن العقل قد يدرك بعض ما وجب عليه وهو توحيد والتنزيهات والاقرار بالنبوة بعد مشاهدة المعجزات فهذه الامور غير متوقفة على الشرع والا لزم الدور لان الشرع يتوقف عليها فيجب على الانسان اتيان هذه الامور قبل بعثة الرسل ويعذب المشرك وان لم يبلغه الدعوة ويؤيد هذا القول مافى الصحيحين عن ابى سعيد الخدرى ... الحديث

وجه الاستدلال ان يأجوج ومأجوج رجال وراء السد لم يبعث فيهم رسول فلو لا التعذيب على الشرك قبل بعثة الرسل لما عذبت يأجوج ومأجوج ...

وفى الصفحة ۴۲۳: ان عدم التعذيب قبل البعثة مخصوص بالمعاصى دون الشرك حيث قال الله تعالى ''ان الله لايغفر ان يشرك به ويغفر مادون ذلك لمن يشاء'' فالتقدير ماكنا معذبين على المعاصى حتى نبعث رسولا يبين لهم مايتقون وقيل المراد بالرسول اعم من البشر والعقل فان العقل ايضا رسول من الله يدرك به الخير والشر فما يدركه العقل ويكفى فى ادراكه من الواجبات يعذب الله العاقل عليها على عدم اتيانها۔

(۲۹۵) ''واهجرهم هجرا جميلا'' سے رہبانیت ثابت ہوتی ہے؟

سؤال

کیافرماتے ہیں علماء کرام ومفتیان عظام اس مسئلہ کے بارے میں کہ کلام مقدس میں ''واهجرهم هجراً جميلا'' الآية میں ہجران جمیل سے کیا مراد ہے؟ کیااس سے رہبانیت کا ثبوت نہیں ملتا؟ احادیث کی روشنی میں جواب عنایت فرمائیں۔

الجواب بعون الملک الوھاب

صورت مسئولہ سے قبل یہ سمجھئے کہ یہ آیت آیات قتال سے منسوخ ہے، جس کا مطلب یہ ہے کہ اس آیت میں اللہ تعالی رسول اللہ سے مخاطب ہیں جب اسلام کا ابتدائی دور تھا اور کفار ہمہ وقت آپ صلی اللہ علیہ وسلم اور مسلمانوں کو تکلیف پہنچانے کی فکر میں رہتے تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم سے کہا جا رہا ہے کہ آپ ان سے نہ تو فکر مند ہوں اور نہ ہی انہیں جواب دینے کی ضرورت ہے بلکہ آپ اس معاملے کو اللہ تعالی کے سپرد کر دیں۔ بعد میں جب قتال و جہاد فی سبیل اللہ کی آیات نازل ہوگئیں تو یہ آیت ان سے منسوخ ہوگئی۔ اگر اس کو منسوخ نہ بھی مانیں تو بھی اس سے رہبانیت کا ثبوت نہیں ملتا کیونکہ رہبانیت کہا جاتا ہے دنیا کی لذتوں کو ترک کر کے گوشہ نشینی اختیار کر لینا جبکہ اس آیت میں کفار کی تکالیف پر صبر کی تلقین کی گئی ہے۔

لما فی تفسیر روح المعانی (۱۰/۱۳۳): (واھجرھم ھجرا جمیلا) بان تجانبھم وتداریھم ولا تکافئھم وتکل امورھم الی ربھم کما یعرب عنہ۔

وفی تفسیر لابن کثیر (۴/۳۹۵): یقول تعالی آمراً رسولہ صلی اللہ علیہ وسلم بالصبر علی ما یقولہ من کذبہ من سفھاء قومہ وأن یھجرھم ھجرا جمیلا وھو الذی لاعتاب معہ ثم قال لہ متھددا لکفار قومہ متوعدا وھو العظیم الذی لا یقوم لغضبہ شئ۔

وفی احکام القران للقرطبی (۱۹/۴۵): (واھجرھم ھجرا جمیلا) أی لاتتعرض لھم ولا تشتغل بمکافأتھم فان فی ذلک ترک الدعاء الی اللہ وکان ھذا قبل الامر بالقتال ثم امر بعد بقتالھم وقتلھم فنسخت آیۃ القتال ما کان قبلھا من الترک۔

وفی التفسیر الکبیر (۱۵/۲۴۶): الرھبانیۃ ترھبھم فی الجبال فارین من الفتنۃ فی الدین مخلصین انفسھم للعبادۃ ومتحملین کلفاً زائدۃ علی العبادات التی کانت واجبۃ علیھم من الخلوۃ واللباس الخشن والاعتزال عن النساء والتعبد فی الغیران والکھوف۔

وفی مرقات المفاتیح (۵/۲۷۴): ...قیل المراد بالصرورۃ التبتل وترک النکاح ای لیس فی الاسلام بل ھو فی الرھبانیۃ واصل الکلمۃ من الصر وھو الحبس۔

(۲۹۶) علم الیقین اور عین الیقین میں فرق

سؤال

کیا فرماتے ہیں علماء کرام ومفتیان عظام اس مسئلہ کے بارے میں کہ سورۃ التکاثر میں ایک جگہ علم الیقین کا لفظ آیا ہے

اور دوسری جگہ عین الیقین کا لفظ آیا ہے۔ان دونوں میں کیا فرق ہے؟

الجواب بعون الملک الوهاب

علم الیقین اور عین الیقین کے فرق میں مختلف اقوال نقل کیے گئے ہیں جن کا آپس میں کوئی تضاد نہیں ہے:

(۱) علم الیقین سے مراد ایسا علم ہے جو کسی دلیل کے ذریعے کسی چیز کی حقیقت تک پہنچا دے اور عین الیقین سے مراد ایسا علم ہے کہ دلیل کے بعد اس کا مشاہدہ بھی ہو جائے تو یہ یقین مزید پختہ ہو جاتا ہے جیسے ہر شخص جانتا ہے کہ اسے ایک نہ ایک دن موت آنی ہے یہ علم الیقین ہے اور جب موت کے وقت آخرت کے احوال نظر آنے لگتے ہیں تو یہ عین الیقین ہے۔

(۲) دوسرا مطلب یہ ہے کہ یہ آیات بطور تنبیہ کے ذکر کی گئی ہیں اور وہ اس طور پر کہ تمہیں آخرت کا علم یقینی طور پر حاصل نہیں ہے، اگر تمہیں آخرت کے احوال کا یقینی علم حاصل ہوتا تو تمہیں دل کی آنکھوں سے جہنم کے احوال نظر آتے۔ گویا وہ مناظر تمہارے سامنے گھومتے اور تم کبھی کسی گناہ کے قریب نہ جاتے۔لیکن چونکہ تمہیں یقین نہیں لہٰذا تم دنیا کی رونق اور چکا چوند میں گم ہو اور آخرت سے غافل ہو۔

لقوله تعالى(التكاثر:۸): كَلَّا لَوْ تَعْلَمُوْنَ عِلْمَ الْيَقِيْنِ (٥) لَتَرَوُنَّ الْجَحِيْمَ (٦) ثُمَّ لَتَرَوُنَّهَا عَيْنَ الْيَقِيْنِ (٧) ثُمَّ لَتُسْئَلُنَّ يَوْمَئِذٍ عَنِ النَّعِيْمِ (٨)

وفى روح المعانى (۲۸۷/۱۰): لوتعلمون علم اليقين اى لوتعلمون مابين ايديكم علم الامر المتيقن اى كعلمكم ماتستيقنونه من الامور ......ثم لترونها عين اليقين اى الرؤية التى هى نفس اليقين فان الانكشا ف بالرؤية والمشاهدة فوق سائر الانكشا فات فهو احق بان يكون عين اليقين ...... وعلم اليقين بمااعطاء الدليل من ادراك الشئ على ماهو عليه وعين اليقين بمااعطاء المشاهدة والكشف وجعل وراء ذلك حق اليقين وقال على سبيل التمثيل علم كل عاقل بالموت علم اليقين واذا عاين الملائكة عليهم السلام فهو عين اليقين۔

لمافى احكام القرآن للقرطبى (۱۷۳/۲۰): كلالوتعلمون علم اليقين ......كانه قال لاتفعلوا فانكم تندمون...لوتعلمون علم اليقين اى لوتعلمون اليوم فى الدنيا علم اليقين فيما أمامكم مماوصفت لترون الجحيم بعيون قلوبكم فان علم اليقين يريك الجحيم بعين فؤادك وهوان تتصور لك تارات القيامة وقطع مسافاتها۔

(۲۹۷) انسان کو ظالم کیوں کہا گیا؟

سوال

کیا فرماتے ہیں علماء کرام ومفتیان عظام اس مسئلہ کے بارے میں کہ اللہ تعالی نے کلام مقدس میں فرمایا:

إِنَّا عَرَضْنَا الأَمَانَةَ عَلَي السَّمٰوٰاتِ وَالأَرْضِ وَالْجِبَالِ فَأَبَيْنَ أَنْ يَّحْمِلْنَهَا وَأَشْفَقْنَ مِنْهَاالخ -

اب سوال یہ ہے کہ تحمل امانت سے جب ساری چیزیں عاجز ہوگئیں تھیں سوائے انسان کے اور انسان نے اس بار امانت کو اٹھالیا تو یہ انسان کی فضیلت ہوئی لیکن آیت کے آخر میں انسان کو ظالم کہا گیا ہے۔اس کی کیا وجہ ہے؟تسلی بخش جواب عنایت فرمائیں۔

الجواب بعون الملك الوهاب

صورت مسئولہ میں تحمل امانت کے بعد انسان کو ظالم کہنا اس اعتبار سے ہے کہ اس نے نتائج کی پرواہ کئے بغیر کہ یہ کتنی بڑی ذمہ داری ہے اس کو قبول کرلیا اور بعد میں اس کے حقوق کی ادائیگی میں کوتاہی کرنے لگا البتہ یہ ''ظالم'' کی صفت اکثر افراد کے اعتبار سے ہے کہ جولوگ شریعت کی حدود سے متجاوز ہیں وہ ظالم ہیں ورنہ جو متجاوز نہیں وہ ظالم نہیں ہیں۔

لمافی روح المعانی (۹۶/۲۲): انه كان ظلوما جهولا ......اى انه كان مفرطا فى الظلم مبالغا فى الجهل اى بحسب غالب افراده الذى لم يعملوا بموجب فطرتهم السليمة۔

وفى التفسير الكبير (۲۳۶/۲۵): قوله تعالى انه كان ظلوما جهولا فيه وجوه ...ثانيها المراد بالانسان يظلم بالعصيان ويجهل ماعليه من العقاب۔

(۲۹۸) تفاسیری واقعات کی حیثیت

سوال

کیا فرماتے ہیں علماء کرام ومفتیان عظام اس مسئلہ کے بارے میں کہ قرآن مجید کی تفسیر میں ہر قسم کے واقعات کو بیان کرنے کی اجازت ہے یانہیں؟اگر اجازت نہیں ہے تو سورۃ بقرہ کی آیت {وَاتَّبَعُوا مَا تَتْلُوا الشَّيَاطِيْنُ عَلَى مُلْكِ سُلَيْمَانَ-- الآية}اسی طرح {فَلَمَّا آتَاهُمَا صَالِحًا جَعَلَا لَهُ شُرَكَاءَ فِيمَا آتَاهُمَا۔ الآية} اور اسی طرح جہاں حضرت ایوب علیہ الصلوۃ والسلام کی بیماری کا ذکر آتا ہے وہاں مختلف قسم کے عجیب وغریب واقعات بیان کئے جاتے ہیں۔ان واقعات کا بیان کرنا کیسا ہے؟

الجواب بعون الملك الوهاب

صورت مسئولہ میں واقعات کی تین قسمیں ہیں:

۱۔ایسے واقعات جن کوخود نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے بیان فرمایا وہ حق وصحیح ہیں اور انہیں بیان کرنا جائز ہے۔

۲۔ایسے واقعات جن کا حقائق ثابتہ کے ساتھ تناقض ہوجیسا کہ عقیدہ توحید،عصمت انبیاء،تنزیہہ باری تعالی کے معارض ہوں ایسے واقعات بیان کرنا ناجائز ہے۔

۳۔ایسے واقعات جو نہ تو احادیث سے ثابت ہوں اور نہ ہی حقائق ثابتہ کے خلاف ہوں البتہ ان کی صحت کے بارے میں کوئی علم نہ ہو ایسے واقعات کانقل کرنا جائز ہے البتہ اس قول کی صحت وعدم صحت کی تعیین مشکل ہے۔

لمافی تفسير البغوی (۱/۱۳): قال عليه الصلوة والسلام حدثوا عن بنى اسرائيل ولاحرج وذلك فيمايتعلق بماضيهم للعبرة والاتعاظ بمايتوافق مع جلالة الانبياء والمرسلين السابقين لان اليهود لايتورعون من الحط من شان انبياء هم والافتراء عليهم۔واخبارهم عن انبياء هم محشوة بالاضاليل والاكاذيب ،وان كان ولابد من ذكر شواهد من الاخبار الاسرائيلية فلابد من التقييد بهذا المنهج المستقيم :

۱۔ ماعلمت صحته عن النبى ﷺ فيمايحكيه عن بنى اسرائيل فهذا ممالاتخرج فيه قطعا وهوحق وصدق۔

۲۔ ماعلم عدم صحته بان كان يناقض الحقائق الثابتة التى لاتتغير ولاتتبدل فى كل زمان ومكان كعصمة الانبياء .وعقيدة التوحيد. وتنزيهه البارى سبحانه وتعالى فكل خبر يناقض معنى من معانى هذه الحقائق الثابتة فهو مردود لاتجوز روايته الاللتنبيه اولتفنيده ونقضه۔

۳۔ ماهومسكوت عنه لاهو من قبيل الاول ولاهو من قبيل الثانى وهذا القسم نتوقف فيه فلانؤمن به ولانكذبه وتجوز حكايته وهذاالنوع مماليس فيه فائدة تعود على المسلمين فى امر دينهم۔

(۲۹۹)ایک آیت کے متعلق وضاحت

سؤال

کیافرماتے ہیں علماء کرام ومفتیان عظام اس مسئلہ کے بارے میں کہ آج صبح میں دوران تلاوت ترجمہ دیکھ رہا تھا کہ اس آیت پر پہنچا فَأَلْهَمَهَا فُجُورَهَا وَتَقْوَاهَا۔ میرے ذہن میں سوال پیدا ہوا کہ یہاں اللہ تعالی نے ''فجور'' کو ''تقویٰ'' سے پہلے ذکر کیا حالانکہ تقوی کا ذکر پہلے ہونا چاہیئے تھا۔اس کی کیا وجہ ہے؟

الجواب بعون الملک الوھاب

صورت مسئولہ میں فجور کوتقویٰ پر مقدم کرنے کی وجہ یہ ہے کہ اصول یہ ہے کہ جب کسی چیز کو مزین کرنا مقصود ہوتو پہلے اس کی صفائی کی جاتی ہے پھر تزئین کی جاتی ہے۔اسی اصول کے مطابق جب نفس کی تزئین ہوگی تو نفس کو پہلے فسق وفجور سے پاک کیا جائے گا پھر تقویٰ سے مزین کیا جائے گا۔اس اعتبار سے فجور کا ذکر پہلے اور تقویٰ کا ذکر بعد میں کرنا ہی مناسب ہے۔دوسری وجہ یہ بھی ہوسکتی ہے کہ کلام مقدس میں صرف ہدایت ہی نہیں بلکہ ہدایت کے لئے نازل کئے جانے والے احکام انتہائی بلاغت وفصاحت کے ساتھ بیان کئے گئے ہیں چنانچہ قافیہ بندی کا اعتبار کریں تو تقویٰ کو بعد میں ہی آنا چاہیئے۔

لمافی روح المعانی (۱۸۲/۳۰): وقدم الفجور علی التقوی لان الهامه بهذا المعنی من مبادی تجنبه وهوتخلية والتخلية مقدمة علی التحلية وقيل قدم مراعاة للفواصل واضيفا الی ضمير النفس قيل اشارة الی ان الملهم للنفس فجوروتقوی قد استعدت لهما فهما لها بحكم الاستعداد وقيل رعاية للفواصل۔

(۳۰۰) تورات، زبور اور انجیل کا پڑھنا

سؤال

کیا فرماتے ہیں علماء کرام مسئلہ ذیل کے بارے میں کہ مجھے کبھی کبھار سخت خواہش ہوتی ہے کہ دوسرے مذاہب کی کتابیں تورات، زبور اور انجیل کو پڑھوں۔آپ یہ بتلائیں کہ میرے لئے ان کتب کا پڑھنا صحیح ہے یا نہیں؟ نیز عوام وخواص کے اعتبار سے کوئی فرق ہے یا نہیں؟

الجواب بعون الملک الوھاب

صورت مسئولہ میں آپ کے لئے تورات، زبور اور انجیل کا پڑھنا جائز نہیں اور اس میں عوام وخواص کے اعتبار سے کوئی فرق نہیں۔البتہ اگر کسی شخص کو اسلام کے احکام پر عبور حاصل ہو اور وہ ان کتب کا مطالعہ اس لئے کرے تاکہ مخالفین کے اعتراضات کا جواب دے سکے تو اس میں کوئی حرج نہیں ہے۔

لما فی المشکوۃ (۳۲/۱): عن جابر رضی الله عنه ان عمر بن الخطاب رضی الله عنه اتی رسول الله صلی الله علیه وسلم بنسخة من التوراة فقال يا رسول الله هذه نسخة من التوراة فسكت فجعل يقرأ ووجه رسول الله صلی الله علیه وسلم يتغير فقال ابوبكر ثكلتك الثواكل ما ترى بوجه رسول الله صلی الله علیه وسلم فنظر عمر الى وجه رسول الله صلی الله علیه وسلم فقال اعوذ بالله من غضب الله وغضب رسوله رضينا بالله ربا......

وفی الدر المختار مع رد المحتار (١/١٧٥): ویکرہ له قرأة توراة وانجیل وزبور۔

وفی الشامیة فی آخر بحث القرأة: واختار سیدی عبدالغنی ما فی الخلاصة واطال فی تقریرہ وقال: وقد نهینا عن النظر فی شئ منها سواء نقلها الینا الکفار او من اسلم منهم۔

(٣٠١) قرآن مجید کے اوراق کی ہوا لگانا اور اسے چومنا

سؤال

کیا فرماتے ہیں علماء کرام ومفتیان عظام اس مسئلہ کے بارے میں کہ اگر کوئی شخص قرآن مجید کھولتے وقت تلاوت سے پہلے پاس بیٹھے بچوں کو قرآن مجید کے اوراق کی ہوا لگائے یعنی تبرک کے لئے ایسا کرے تو ایسا کرنا شرعاً جائز ہے یا نہیں؟ نیز قرآن مجید کو چومنا یا آنکھ پر لگانا کیسا ہے؟

الجواب بعون الملک الوھاب

صورت مسئولہ میں قرآن مقدس سے مذکورہ طریقے سے تبرک حاصل کرنا کہ بچوں کو قرآن مجید کے اوراق کی ہوا لگائی جائے یہ طریقہ سلف سے منقول نہیں ہے بلکہ یہ قرآن مقدس کی بے حرمتی ہے لہٰذا یہ طریقہ درست نہیں ہے۔ البتہ قرآن مجید کا چومنا صحابہ کرام رضوان اللہ علیہم اجمعین سے ثابت ہے لہٰذا چومنا یا آنکھوں سے لگانا نہ صرف جائز بلکہ امر مستحسن ہے۔

لمافی الدر المختار (٦/٣٨٤): تقبیل المصحف قیل بدعة لکن روی عن عمر رضی اللہ عنہ انه کان یأخذ المصحف کل غداة ویقبله ویقول عهد ربی ومنشور ربی عزوجل وکان عثمان رضی اللہ عنہ یقبل المصحف ویمسحه علی وجهه۔

(٣٠٢) آیات قرآنیہ، اللہ تعالیٰ اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے نام کے کتبوں کو چومنا

سؤال

کیا فرماتے ہیں علماء کرام مسئلہ ذیل کے بارے میں کہ ہماری مسجد میں آیات قرآنیہ اور اللہ ورسول کے نام کے کتبے لگے ہوئے ہیں اور لوگ ان کو چومتے ہیں، یہ عمل شریعت میں جائز ہے یا نہیں؟

الجواب بعون الملک الوھاب

آیات قرآنیہ، اللہ تعالیٰ اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے ناموں کے کتبوں کو تعظیم کی وجہ سے چومنا جائز ہے لیکن اس پر التزام درست

نہیں۔

لمافی الدر المختار (۳۸۴/۶) وفی القنیة فی باب مایتعلق بالمقابر تقبیل المصحف قیل بدعة لکن روی عن عمر رضی اللہ عنہ انه کان یاخذ المصحف کل غداة ویقبله ویقول عهد ربي ومنشور ربي عزوجل وکان عثمان رضی اللہ عنہ یقبل المصحف ویمسحه علی وجهه۔

(۳۰۳) قرآن مجید کے نقطے

سؤال

کیافرماتے ہیں علماء کرام ومفتیان عظام اس مسئلہ کے بارے میں کہ قرآن مجید کے نقطے سب سے پہلے کس زمانے میں لگائے گئے اور کس نے لگائے؟

الجواب بعون الملک الوھاب

قرآن مجید کے نقطے عبدالملک بن مروان کے دور میں حسن بصری رحمۃ اللہ علیہ اور یحیی بن یعمر رحمۃ اللہ علیہ نے حجاج بن یوسف کے حکم سے لگائے۔

کذافی احکام القرآن للقرطبی (۶۳/۱): واماشکل المصحف ونقطه فروی ان عبدالملک بن مروان امر به وعمله فتجرد لذلك الحجاج بواسط وجد فيه وزاد تحزيبه،وامر وهو والی العراق الحسن ويحيى بن يعمر بذلك۔

وفی البداية والنهاية (۱۲۴/۹): فی ترجمة الحجاج ...وفی ایامه نقطت المصاحف۔

(۳۰۴) جس کمرے میں قرآن ہو وہاں اپنی بیوی سے مجامعت کرنا

سؤال

کیافرماتے ہیں علماء کرام ومفتیان عظام اس مسئلہ کے بارے میں کہ جس کمرے میں قرآن مجید رکھا ہو اس میں اپنی بیوی سے مجامعت کرنا کیسا ہے؟ قرآن وحدیث کی روشنی میں جواب عنایت فرمائیں۔

الجواب بعون الملک الوھاب

صورت مسئولہ میں ایسی صورت میں اپنی بیوی سے جماع کرنا جائز ہے۔

لمافی الهندیة (۳۲۲/۵): یجوز قربان المرأة فی بیت فیه مصحف مستور کذا فی القنیة۔

وفی الدر المختار مع ردالمحتار (۱۷۸/۱): یجوز قربان المرأة فی بیت فیه مصحف مستور۔

وفی الشامیة : (مستور)ظاهر ہ عدم الجواز اذالم یشترط اقول وعبارة الخانیة ولابأس بالخلوة والمجامعة فی بیت فیه مصحف لان بیوت المسلمین لاتخلوا من ذلك۔

(۳۰۵) دینی کتب یا قرآن شریف کی موجودگی میں بیوی سے صحبت کرنا

سؤال

کیافرماتے ہیں علماء کرام ومفتیان عظام اس مسئلہ کے بارے میں کہ جس گھر یا کمرے میں دینی کتب یا قرآن شریف موجود ہواس کمرے میں بیوی سے صحبت کرنا جائز ہے یانہیں؟ شریعت کی روشنی میں جواب عنایت فرمائیں۔

الجواب بعون الملک الوھاب

صورت مسئولہ میں مسلمانوں کے گھروں میں عام طور پر دینی کتب یا قرآن شریف موجود ہوتے ہیں اس لئے ان کی موجودگی میں صحبت جائز ہے البتہ بہتر یہ ہے کہ انہیں کسی کپڑے وغیرہ سے ڈھانک دیا جائے۔

دلائل المسئلة مرت سابقا تحت السؤال السابق

کتاب ما یتعلق بالحدیث

(حدیث شریف سے متعلق سوالات)

(۳۰۶) وحی کی برکات سے محرومی

سوال

کیا فرماتے ہیں علماء کرام ومفتیان عظام اس مسئلہ کے بارے میں کہ ایک روایت میں ہے ''جب میری امت امر بالمعروف اور نہی عن المنکر چھوڑ دے گی تو وحی کی برکات سے محروم ہو جائے گی''۔ وحی کی برکات سے کیا مراد ہے؟

الجواب بعون الملک الوھاب

وحی کی برکات سے محرومی کا مطلب یہ ہے کہ امر بالمعروف اور نہی عن المنکر کے ترک کی بناء پر امت محمدیہ قرآن وحدیث کے علوم ومعارف سے محروم ہو جائے گی کیونکہ امر بالمعروف اور نہی عن المنکر قرآن وسنت کے علوم کے احیاء کا ذریعہ ہے جب امت امر بالمعروف اور نہی عن المنکر چھوڑے گی تو نتیجے کے طور پر قرآن وسنت کے علوم اور اس سے حاصل ہونے والے انوارات وبرکات سے محروم ہو جائے گی۔

لمافی کنز العمال (۳/۱۸۳): [۶۰۷۰] اذا عظمت امتی الدنیا نزعت منها هيبة الاسلام واذا تركت الامر بالمعروف والنهى عن المنكر حرمت بركة الوحى واذا تسابت امتى سقطت من عين الله۔

(۳۰۷) حجیت حدیث قرآن کی روشنی میں

سوال

کیا فرماتے ہیں علماء کرام ومفتیان عظام اس مسئلہ کے بارے میں کہ عام طور پر کہا جاتا ہے کہ حجیت حدیث قرآن سے ثابت ہے۔ آپ کچھ ایسی آیات ذکر کریں جن سے حجیت حدیث کا ثبوت ملتا ہو۔

الجواب بعون الملک الوهاب

درج ذیل آیات سے حجیت حدیث کا ثبوت صراحۃ ملتا ہے۔

١ قُلْ اَطِيْعُوااللهَ وَالرَّسُوْلَ ج فَاِنْ تَوَلَّوْا فَاِنَّ اللهَ لَا يُحِبُّ الْكٰفِرِيْنَ ○ (آل عمران: ٣٢)

٢ مَنْ يُّطِعِ الرَّسُوْلَ فَقَدْ اَطَاعَ اللهَ ج وَمَنْ تَوَلّٰى فَمَاۤاَرْسَلْنٰكَ عَلَيْهِمْ حَفِيْظاً ○(النساء : ٨٠)

٣فَلْيَحْذَرِ الَّذِينَ يُخَالِفُونَ عَنْ أَمْرِهِ أَن تُصِيبَهُمْ فِتْنَةٌ أَوْ يُصِيبَهُمْ عَذَابٌ أَلِيمٌ ○ (النور:٦٣)

٤ وَمَا كَانَ لِمُؤْمِنٍ وَلا مُؤْمِنَةٍ إِذَا قَضَى اللهُ وَرَسُولُهُ أَمْرًا أَن يَكُونَ لَهُمُ الْخِيَرَةُ مِنْ أَمْرِهِمْ وَمَن يَعْصِ اللهَ وَرَسُولَهُ فَقَدْ ضَلَّ ضَلالاً مُّبِينًا ○ (الاحزاب :٣٦)

٥ قُلْ اِنْ كُنْتُمْ تُحِبُّوْنَ اللهَ فَا تَّبِعُوْنِىْ يُحْبِبْكُمُ اللهُ (آل عمران :٣١)

٦ يٰۤاَيُّها الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا اَطِيْعُوااللهَ وَاَطِيْعُواالرَّسُوْلَ وَاُوْلِى الْاَمْرِ مِنْكُمْ ج فَاِنْ تَنَازَعْتُمْ فِىْ شَيْءٍ فَرُدُّوْهُ اِلَى اللهِ وَالرَّسُوْلِ اِنْ كُنْتُمْ تُؤْمِنُوْنَ بَاللهِ وَالْيَوْمِ الْاٰخِرِ ط (النساء: ٥٩)

٧ وَمَاۤاٰتَاكُمُ الرَّسُوْلُ فَخُذُوْهُ ج وَمَا نَهٰكُمْ عَنْهُ فَانْتَهُوْا ج (الحشر:٧)

٨ وَمَايَنْطِقُ عَنِ الْهَوٰى ○ط ج اِنْ هوَ اِلَّا وَحْىٌ يُّوْحٰى ○لا (النجم :٣، ٤)

(۳۰۸) قبور صحابہؓ کی زیارت اور حدیث ’’لاتشد الرحال الخ‘‘ کا مطلب

سؤال

کیا فرماتے ہیں علماء کرام ومفتیان عظام اس مسئلہ کے بارے میں کہ مشہور یہ ہے کہ افغانستان میں بعض صحابہ کرام رضوان اللہ علیہم اجمعین کی قبور ہیں۔اب اگر کوئی شخص ان کی زیارت کی نیت سے جاتا ہے تو یہ عمل صحیح ہے یا نہیں؟ نیز اس بات کی بھی وضاحت فرمادیں کہ یہ جو بعض روایات میں ہے کہ ’’تین مسجدوں کے علاوہ کیلئے سفر نہ کیا جائے‘‘ اس روایت کا کیا مطلب ہے؟

الجواب بعون الملک الوهاب

صحابہ کرام رضوان اللہ علیہم اجمعین کی قبور کی زیارت کے لئے سفر کرنا جائز ہے اور وہ روایت مبارکہ جس میں تین مسجدوں کے علاوہ کی طرف سفر کرنے سے منع فرمایا گیا ہے یعنی {لاتشدوا الرحال الا الی ثلاثۃ مساجد} یہ صرف مساجد کی فضیلت وعظمت کے بیان کے لئے ہے کہ مسجد حرام، مسجد نبوی اور مسجد اقصیٰ ان تین مساجد کے علاوہ کسی مسجد کی زیارت یا حصول ثواب کے لئے اس کی طرف سفر نہ

کیا جائے۔ باقی رہا یہ معاملہ کہ مساجد کے علاوہ کسی اور مقصد کے لئے سفر کیا جا سکتا ہے یا نہیں تو اس روایت میں اس کی نفی نہیں ہے۔ اور قبور کی زیارت متعدد روایات سے ثابت ہے لہٰذا ان قبور کی زیارت کرنا صحیح ہے۔

لما فی المشکوۃ (ص۶۷): عن ابی سعید الخدری رضی اللہ عنہ قال قال رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم لا تشدوا الرحال الا الی ثلثة مساجد مسجد الحرام والمسجد الاقصی ومسجدی هذا متفق علیه۔

وفی المرقاة (۲/۱۹۰): والمراد نفی فضیلة شدها وربطها ...... قیل نفی معناه نهی ای لا تشدوا الی غیرها لان ماسوی الثلاثة متساوفی الرتبة غیر متفاوت فی الفضیلة وکان الترحل الیه ضائعا ...وفی الاحیاء ذهب بعض العلماء الی الاستدلال به علی المنع من الرحلة لزیارة المشاهد. وقبور العلماء والصالحین وماتبین لی ان الامر کذلك بل الزیارة مامور بها لخبر کنت نهیتکم عن زیارة القبور الافزوروها والحدیث انماورد نهیا عن الشد لغیر الثلاثة من المساجد لتماثلها۔

وفی الدرالمختار مع ردالمحتار (۲/۲۴۲): وبزیارة القبور ولو للنساء لحدیث کنت نهیتکم عن زیارة القبور الافزوروها۔

وفی الشامیة : بعد بحث طویل ...... قلت :استفید منه ندب الزیارة وان بعد محلها وهل تندب الرحلة کماعتید ......لم أرمن صرح من ائمتنا ومنع منه بعض ائمة الشافعیة الالزیارته صلی اللہ علیہ وسلم قیاسا علی منع الرحلة لغیر المساجد الثلاث۔ ورده الغزالی بوضوح الفرق فان ماعدا تلك المساجد مستویة فی الفضل فلافائدة فی الرحلة الیها واما الاولیاء فانهم متفاوتون فی القرب من الله تعالی ونفع الزائر بحسب معارفهم واسرارهم۔

(۳۰۹) وقت طلوع وغروب پر ایک اشکال وجواب

سؤال

کیا فرماتے ہیں علماء کرام ومفتیان عظام اس مسئلہ کے بارے میں کہ عام طور پر بیان کیا جاتا ہے کہ طلوع وغروب آفتاب کے وقت نماز پڑھنا مکروہ ہے اور وجہ یہ بیان کی جاتی ہے کہ جب سورج طلوع یا غروب ہوتا ہے تو وہ شیطان کے دوسینگوں کے درمیان ہوتا ہے اور ایسے اوقات میں نماز مکروہ ہے تاکہ شیطان کی عبادت کا شائبہ نہ ہو۔ لیکن جب سائنس نے ترقی کے منازل طے کر لئے تو یہ بات ثابت اور معلوم ہوئی کہ سورج ہر وقت کسی نہ کسی خطے میں طلوع یا غروب ہو رہا ہوتا ہے گویا سورج ہر وقت شیطان کے دوسینگوں کے درمیان ہوتا ہے لہٰذا اس اعتبار سے کسی بھی وقت نماز پڑھنی جائز نہیں ہونی چاہیئے۔ آپ تفصیل سے اس مسئلہ کا ایسا جواب عنایت فرمائیں

جس سے تسلی ہو جائے۔ اللہ تعالی آپ کو جزائے خیر عنایت فرمائے۔

الجواب بعون الملك الوهاب

صورت مسئولہ میں یہ حکم ہر جگہ کے طلوع اور غروب کے اعتبار سے ہے کہ جب وہاں طلوع یا غروب ہو رہا ہو تو اس وقت نماز پڑھنا مکروہ ہے کیونکہ یہ بات ہر شخص تسلیم کرتا ہے کہ سورج ہر لحہ طلوع یا غروب ہو رہا ہے لیکن کوئی شخص یہ نہیں کہتا کہ ایک جگہ کے تمام اوقات طلوع یا غروب کے سمجھے جائیں گے بلکہ ایک جگہ کے اعتبار سے دن میں صرف ایک بار طلوع اور غروب سمجھا جاتا ہے۔ اسی طرح وہاں کے اعتبار سے مکروہ اوقات بھی دو ہی ہوں گے۔ یہ ایسا ہی ہے کہ جیسے لیلۃ القدر ایک ہی رات ہوتی ہے لیکن ایک جگہ رات ہونے سے ساری دنیا میں رات نہیں ہوتی بلکہ کسی جگہ دن ہوتا ہے تو لیلۃ القدر پوری دنیا میں کس طرح تسلیم کی جائے گی۔ اس کی صورت بھی یہی ہوگی کہ جہاں جہاں اس مخصوص تاریخ کی رات آئے گی وہی لیلۃ القدر ہوگی۔ ٹھیک اسی طرح جہاں جہاں طلوع یا غروب ہو رہا ہو وہاں کراہت کا حکم آئے گا باقی جگہوں پر نہیں۔

(۳۱۰) گرگٹ کو مارنے پر ثواب

سؤال

کیا فرماتے ہیں علماء کرام ومفتیان عظام اس مسئلہ کے بارے میں کہ عام طور پر مشہور ہے کہ گرگٹ کو مارنے پر ثواب ملتا ہے کیا یہ بات صحیح ہے اور احادیث میں اسے مارنے پر ثواب کا ذکر موجود ہے؟ اور اسکی وجہ کیا ہے؟

الجواب بعون الملك الوهاب

صورت مسئولہ میں یہ بات صحیح ہے اور روایات سے ثابت ہے کہ گرگٹ کو مارنے پر ثواب ملتا ہے۔ جس کی ایک وجہ یہ ہے کہ جب حضرت ابراہیم علیہ الصلوۃ والسلام کے لئے آگ جلائی گئی تو اس نے اسے مزید بھڑکانے کی کوشش کی تھی۔ دوم یہ موذی جانوروں میں سے ہے جو انسان کے لئے نقصان دہ ہیں لہٰذا اسے مارنے کا حکم ہے۔

لمافي الصحيح لمسلم (۲/۲۳۵): حدثنا ابوبكر بن ابي شيبة ...... عن ام شريك ان النبي ﷺ امرها بقتل الاوزاغ وفي حديث ابن ابي شيبة امر۔

وفي حاشية النووي: امر النبي ﷺ بقتله وحث عليه ورغب فيه لكونه من الموذيات۔

وفي المشكوة (ص۳۶۱): عن ام شريك ان رسول الله ﷺ امر بقتل الوزغ وقال كان ينفخ على ابراهيم۔۔۔عن ابي هريرة ؓ ان رسول الله ﷺ قال من قتل وزغا في اول ضربه كتبت له مائة حسنة وفي الثانية دون ذلك وفي الثالثة دون ذلك۔

(۳۱۱) جذامی سے دور رہنے والی روایت کا مطلب

سؤال

کیا فرماتے ہیں علماء کرام ومفتیان عظام اس مسئلہ کے بارے میں کہ کیا جذامی سے تعلقات ختم کردینے چاہئیں حالانکہ وہ بھی تو مسلمان ہے، ہمارے ایک عزیز کہنے لگے کہ ایک روایت میں ہے کہ جذام والے شخص سے اس طرح بھاگو جس طرح شیر سے بھاگا جاتا ہے لہٰذا ایسے شخص سے تعلقات نہیں رکھنے چاہئیں، اورانہیں کھانا بھی بانس سے دیا جانا چاہیئے، ان کے قریب بھی بالکل نہ جانا چاہیئے، کیا یہ بات صحیح ہے؟ احادیث کی روشنی میں جواب عنایت فرمائیں۔

الجواب بعون الملک الوھاب

ایک روایت میں نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم فرماتے ہیں کہ ’’لا عدوی‘‘ الحدیث جس کا مفہوم یہ ہے کہ ایک آدمی کا مرض دوسرے آدمی میں منتقل نہیں ہوتا، ہاں اگر اللہ تعالی اسے بھی اس مرض میں مبتلا کرنا چاہیں تو علیحدہ مسئلہ ہے۔ اب اس کے بعد سوال میں ذکر کردہ روایت کا مطلب سمجھئے کہ اس روایت میں ایسے شخص کو جذامی سے دور رہنے کی تاکید کی جارہی ہے جو اپنے ضعف عقیدہ کی بناء پر یہ سمجھتا ہو کہ کسی مریض کے قریب جانے سے اس مرض کے اثرات منتقل ہوجاتے ہیں تو ایسے شخص سے کہا جارہا ہے کہ وہ جذامی کے قریب نہ جائے کیونکہ اگر اسے یہ مرض لاحق ہوگیا تو وہ اپنے ضعیف عقیدے کی بناء پر یہ سمجھے گا کہ مجھے یہ مرض اس مریض کے ساتھ میل جول کی وجہ سے ہوا ہے ورنہ عام حالات میں ممانعت نہیں ہے کیونکہ روایات میں آتا ہے ایک موقع پر خود رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ایک جذامی کو اپنے ساتھ کھانے میں شریک کیا اوراسے فرمایا اللہ پہ اعتماد اور بھروسہ کرتے ہوئے کھاؤ۔ چنانچہ ’’سنن ابن ماجہ‘‘ (ص ۲۵۳) میں روایت موجود ہے:

”عن جابر بن عبد الله رضی الله عنه ان رسول الله ﷺ أخذ بید رجل مجذوم فأدخلها معه فی القصعة ثم قال: کل ثقة بالله وتوکلا علی الله“

اس سے بھی معلوم ہوا کہ جذامی سے قطع تعلق مقصود نہیں بلکہ فساد عقیدہ سے بچانے کے لئے ایسا ارشاد فرمایا۔

لقوله تعالی: وَمَا هُمْ بِضَارِّيْنَ بِهِ مِنْ أَحَدٍ إِلَّا بِإِذْنِ اللهِ (البقرہ:۱۰۲)

وفی الصحیح للبخاری (۸۵۰/۲):...سمعت اباھریرة رضی الله عنه یقول قال رسول الله ﷺ لاعدوی ولا طیرة ولا ھامة ولا صفر وفر من المجذوم کما تفر من الاسد۔

وفی فتح الباری (۱۲۹/۱۰): اختلف الاثار فی المجذوم فجاء ما تقدم عن جابر رضی الله عنه ان النبی ﷺ اکل مع المجذوم وقال ثقة بالله وتوکلا علیه قال فذھب عمر رضی الله عنه وجماعة

من السلف الى الاكل معه ورأوا ان الامر باجتنابه منسوخ ...والصحيح الذى عليه الاكثر ويتعين المصير اليه ان لا نسخ بل يجب الجمع بين الحديثين...

وفى الصفحة ۱۳۲: ويمكن الجمع بين فعله وقوله بان القول هوالمشروع من أجل ضعف المخاطبين وفعله حقيقة الايمان فمن فعل الاول اصاب السنة وهى اثر الحكمة ومن فعل الثانى كان اقوى يقينا لان الاشياء كلها لا تاثير لها الا بمقتضى ارادة الله تعالى وتقديره...فمن كان قوى اليقين فله ان يتابعه ﷺ فى فعله ولا يضره شئ ومن وجد فى نفسه ضعفاً فليتبع أمره ﷺ فى الفرار لئلا يدخل بفعله فى القاء نفسه الى التهلكة۔

(۳۱۲) حدیثِ حوأب کی تحقیق

سوال

کیا فرماتے ہیں علماء کرام ومفتیانِ عظام اس مسئلہ کے بارے میں کہ میں نے سنا ہے اپنے دوست سے کہ کسی حدیث میں عائشہ رضی اللہ عنہا پر مقامِ حوأب پر کتے بھونکنے کا ذکر ہے اور آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے پیشین گوئی کی تھی کہ میری ازواج میں سے کسی پر حوأب کے کتے بھونکیں گے اور جمل کی لڑائی میں عائشہ رضی اللہ عنہا جب امیر لشکر بن کر نکلیں تو مقامِ حوأب میں آپ پر کتے بھونکے۔

قاری صاحب! مجھے درج ذیل سوالات کے جوابات دیں:

۱)۔کیا حوأب مقام پر کسی ایسے واقعے کا حدیث میں ذکر ہے؟

۲)۔کیا یہ حدیث صحیح ہے یا رافضی کی ایجاد ہے؟

۳)۔قاری صاحب عائشہ رضی اللہ عنہا تو ہماری ماں ہیں جبکہ ہم نے سنا تھا کہ صحابی کے تقدس میں تو اگر کوئی صحیح حدیث بھی جرح کرتی ہو تو اس حدیث کو ترک کر دیا جاتا ہے پھر یہ حدیث کس مقام کی ہے اور اسے قبول کیا گیا ہے یا نہیں؟

۴)۔قاری صاحب! یہ بھی بتائیں کہ کیا اہل حق میں سے کوئی اس بات کا قائل ہے مجھے میرے محلے کا دوست (جو کسی مدرسے کا طالب علم ہے) بتا رہا تھا کہ اہل حق اس کے قائل ہیں کہ جمل میں مقامِ حوأب پر عائشہ رضی اللہ عنہا پر کتے بھونکے تھے میں یقین نہیں کر سکتا کہ کوئی اہل حق اہل السنۃ والجماعۃ سے متعلق اس کا قائل ہوگا۔ قاری صاحب! برائے مہربانی اس واقعہ کی حقیقت بتائیں؟ یہ کہاں کس کتاب میں لکھا ہے؟ محدثین وفقہاء کا اس بارے میں کیا کہنا ہے؟

قاری صاحب! میرے چاروں سوالات کا واضح جواب عنایت فرمائیں اگر میری سمجھ غلط ہو تو میں سمجھ سکوں ورنہ اپنے اس دوست کو سمجھا سکوں۔ برائے مہربانی اس حوأب کے واقعے کے تمام مالہ وماعلیہ کو بیان فرمائیں۔

الجواب بعون الملك الوهاب

مقام حوأب پر "کتے بھونکنے والی حدیث" کو روایت کرنے والے قیس بن ابی حازم ہیں اور قیس بن ابی حازم کو اکثر محدثین نے ثقہ کہا ہے، لیکن بعض نے اُن پر تنقید بھی کی ہے اور اُن کو ضعیف، منکر الروایۃ اور ساقط الحدیث بھی کہا، اور اُن کی "حوأب والی روایت" کی صحت میں کلام کیا ہے، جیسا کہ "سیر اعلام النبلاء ۵ / ۲۰۳" پر ہے:

"وروى على بن المدينى ان يحيىٰ بن سعيد قال له: قيس بن ابى حازم منكر الحديث قال: ثم ذكر يحيىٰ احاديث مناكير منها حديث "كلاب الحوأب".

ترجمہ: یحییٰ بن سعید رحمۃ اللہ علیہ نے علی بن المدینی رحمۃ اللہ علیہ سے کہا کہ قیس بن ابی حازم منکر الحدیث ہیں، پھر یحییٰ بن سعید نے قیس بن ابی حازم کی احادیث منکرہ کو ذکر کیا جس میں سے "کلاب الحوأب" والی حدیث بھی ہے۔

یحییٰ بن سعید رحمۃ اللہ علیہ کے اس قول کو تہذیب التہذیب ۸ / ۳۸۸ اور میزان الاعتدال ۵ / ۴۷۶ پر بھی نقل کیا گیا ہے، لہٰذا یحییٰ بن سعید رحمۃ اللہ علیہ کے اس قول کی بنا پر یہ حدیث منکر ہے اور حدیث منکر قابلِ احتجاج نہیں ہوتی نیز اگر قیس بن ابی حازم کو ثقہ بھی تسلیم کر لیا جائے جیسا کہ جمہور محدثین نے کہا ہے تو اس حدیثِ "کلاب الحوأب" سے زیادہ سے زیادہ یہ ثابت ہوتا ہے کہ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے جنگِ جمل میں اجتہادی خطا سرزد ہوئی تھی اور اس میں کسی کا اختلاف نہیں اور اس پر بھی اُنھیں اجر دیا جائے گا جیسا کہ جنگِ صفین میں حضرت علی المرتضیٰ رضی اللہ عنہ اور حضرت امیر معاویہ رضی اللہ عنہ کا آمنا سامنا ہوا تھا، اور دونوں کا مقصد رضائے الٰہی تھا، لیکن امیر معاویہ رضی اللہ عنہ سے اجتہادی خطا سرزد ہوئی تھی، نیز اس قسم کی اجتہادی غلطی سے ام المؤمنین حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا اور حضرت امیر معاویہ رضی اللہ عنہ کی شانِ اقدس میں ذرہ برابر فرق نہیں آیا۔

لما فى مسند الامام احمد بن حنبل (۷/۷۸)(۶/۵۲) حديث: ۲۳۷۳۳: حدثنا عبدالله حدثنى ابى ثنا يحيىٰ عن اسماعيل ثنا قيس قال "لما اقبلت عائشة بلغت مياه بنى عامر ليلاً نبحت الكلاب قالت: أى ماء هذا؟ قالوا: ماء الحوأب قالت: ما اظننى الا انى راجعة، فقال بعض من كان معها: بل تقدمين فيراك المسلمون فيصلح الله ـ عزوجل ـ ذات بينهم، قالت: ان رسول الله ـ صلى الله عليه وسلم ـ قال لها ذات يوم كيف بإحدكن تنبح عليها كلاب الحوأب"

وفى تهذيب التهذيب (۳۸۸/۸) (القاف ـ قيس): وقال يحيى ابن ابى غنية ثنا اسماعيل بن ابى خالد قال: كبر قيس حتى جاز المائة بسنين كثيرة حتى خرف وذهب عقله وقال ابن المدينى: قال لى يحيىٰ بن سعيد: قيس بن ابى حازم منكر الحديث ثم ذكر له احاديث مناكير منها حديث "كلاب الحوأب" قال عمرو مات سنة اربع وثمانين، ...... وفى مسند البزار عن قيس بن حازم قال:

قدمت علی رسول الله۔ صلی الله علیه وسلم۔ فوجدته قد قبض، فسمعت بابابکر یقول، فذکر حدیثاً۔ والروایة التی فیها انه رای النبی ۔صلی الله علیه وسلم۔ لو ثبتت لکان صحابیاً بلا خلاف، وقد او ضحت القول فیها فی کتابی ''الاصابة فی تمییز الصحابة'' وفیها انه رآه یخطب وکان حینئذ ابن سبع او ثمان ، ومراد القطان بالمنکر الفرد المطلق، وقال اجمعوا علی الذهبی الاحتجاج به ومن تکلم فیه فقد اذی نفسه کذا قال۔

(۳۱۳)احادیث سے متعلق چند سوالات

سوال

مفتی صاحب درج ذیل باتوں سے متعلق استفسار کرنا ہے:

۱۔سیدالاستغفار کیا ہے؟

۲۔حضرت عبداللہ بن سلام رضی اللہ عنہ کو حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے جادو کے بارے میں کون سی دعا سکھائی تھی جس کے بارے میں وہ فرماتے ہیں کہ اگر میں یہ دعا نہ پڑھتا تو مجھے جادو کے زور پر گدھا بنا دیا جاتا۔

۳۔حجاج حضرت انس رضی اللہ عنہ کے پاس دو ساتھیوں کے ساتھ گیا اور انہیں دھمکیاں دیں تو حضرت انس رضی اللہ عنہ نے فرمایا کہ مجھے حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے دعا بتلائی ہے کہ جو شخص پڑھ لے وہ محفوظ رہے گا۔اس پر حجاج کے ساتھیوں نے کہا کہ تو حملہ کر ہم تیرے ساتھ ہیں۔حجاج نے جواب دیا کہ میں ان کے کاندھے پر جو چیز دیکھ رہا ہوں وہ تمہیں معلوم نہیں ہے۔بعد ازاں حجاج نے کہا کہ وہ دعا مجھے بھی بتلائیں، حضرت انس رضی اللہ عنہ نے فرمایا کہ تو ظالم ہے لہٰذا تجھے نہیں بتاؤں گا۔وہ دعا کون سی ہے تحریر کر دیں۔

۴۔یہ حدیث مع ترجمہ بیان فرما دیں جس کا ایک جملہ یہ ہے ''الا ان سلعة اللہ الغالیة''۔

الجواب بعون الملک الوهاب

مسئولہ صورتوں کے جوابات درج ذیل ہیں:

۱۔ سیدالاستغفار یہ ہے:

"اَللّٰهُمَّ اَنْتَ رَبِّيْ لَا اِلٰهَ اِلَّا اَنْتَ خَلَقْتَنِيْ وَاَنَا عَبْدُكَ وَاَنَا عَلٰى عَهْدِكَ وَوَعْدِكَ مَا اسْتَطَعْتُ اَعُوْذُ بِكَ مِنْ شَرِّ مَا صَنَعْتُ اَبُوْءُ لَكَ بِنِعْمَتِكَ عَلَيَّ وَاَبُوْءُ لَكَ بِذَنْبِيْ فَاغْفِرْلِيْ فَاِنَّهٗ لَا يَغْفِرُ الذُّنُوْبَ اِلَّا اَنْتَ"۔

اس کی فضیلت یہ بیان کی گئی ہے:

"ومن قالها من النهار موقنا بها فمات من يومه قبل ان يمسى فهو من اهل الجنة ومن قال لها موقناً من الليل وهو موقن بها فمات قبل ان يصبح فهو من اهل الجنة"۔

(صحیح البخاری ۲/۹۳۳)

۲۔ وہ صحابی جنہیں حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے یہ دعا سکھلائی وہ عبداللہ بن سلام نہیں بلکہ حضرت کعب احبار ہیں اور وہ روایت یہ ہے:

عن القعقاع بن حكيم ان كعب الاحبار قال لولا كلمات اقولهن لجعلتني اليهود حمارا فقيل له وماهن فقال: اعوذ بوجه الله العظيم الذى ليس شئ اعظم منه وبكلمات الله التامات التى لايجاوزهن بر ولافاجر وباسماء الله الحسنى كلها ما علمت منها ومالم اعلم من شر ما خلق وبرأ وذرأ۔ (المؤطاللامام مالک: ۷۲۳)

۳۔ کتب میں تلاش وتتبع کے باوجود آپ کا ذکر کردہ واقعہ نہیں ملا البتہ اکثر کتب احادیث میں حضرت انس رضی اللہ عنہ کا جو واقعہ موجود ہے وہ یہ ہے:

"عن الزبير بن عدى قال اتينا انس بن مالك رضی اللہ عنہ فشكونا اليه مايلقون من الحجاج فقال اصبروا فانه لايأتى عليكم زمان الاالذى بعده شر منه حتى تلقوا ربكم سمعته من نبيكم صلی اللہ علیہ وسلم"

(صحیح البخاری ۲/ ۱۰۴۷)(هكذا روى فى المسند الجامع: ج۳/ص۲۵ ...وفى مسند احمد بن حنبل ۴/۱۷ ...وفى سنن الترمذى ۲/۴۴)

۴۔ یہ روایت درج ذیل ہے:

"سمع اباهريرة رضی اللہ عنہ انسص يقول قال رسول الله صلی اللہ علیہ وسلم من خاف ادلج ومن ادلج فقد بلغ المنزل الاان سلعة الله غالية الاان سلعة الله غالية ......وفى رواية كعب: الاان سلعة الله الجنة"۔

(المستدرك للحاكم: ۴/۳۴۳)

ترجمہ:- رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ جو ڈرتا ہے وہ رات کے ابتدائی حصے میں تیاری شروع کر دیتا ہے (یعنی جسے آخرت کا خوف ہوتا ہے وہ آخرت کی تیاری شروع کر دیتا ہے) اور جو شخص رات کی ابتداء میں سفر شروع کرتا ہے وہ منزل تک پہنچ جاتا ہے۔ آگاہ ہو جاؤ کہ بے شک اللہ تعالیٰ کا سودا بڑا مہنگا ہے، آگاہ ہو جاؤ کہ بے شک اللہ تعالیٰ کا سودا بڑا مہنگا ہے اور حضرت کعب کی روایت میں یہ الفاظ ہیں "اور آگاہ ہو جاؤ کہ اللہ کا سودا جنت ہے"۔

(۳۱۴)"ان اللہ خلق آدم علی صورتہ" کا مطلب

سؤال

کیا فرماتے ہیں علماء کرام ومفتیان عظام اس مسئلہ کے بارے میں کہ یہ جو مشہور حدیث ہے "ان اللہ خلق آدم علی صورتہ" (اللہ تعالی نے آدم کو اپنی صورت پر پیدا کیا) اس حدیث کا مطلب ومفہوم کیا ہے؟ بحوالہ نقل فرمائیں۔

الجواب بعون الملک الوھاب

اس روایت مبارکہ کی تشریح میں علماء کے مختلف اقوال ہیں:

۱۔اللہ تعالی نے حضرت آدم علیہ السلام کو "ان کی" صورت پر پیدا کیا یعنی دوسرے انسانوں کی طرح پہلے نطفہ پھر خون کا لوتھڑا اس طرح مختلف مراحل سے گزار کر پیدا نہیں کیا بلکہ براہ راست ان کی صورت پر پیدا کیا (یعنی صورتہ کی ضمیر آدم کی طرف راجع ہے)۔

۲۔آپ ﷺ کا گزر ایک شخص پر ہوا جو اپنے غلام کو منہ پر تھپڑ مار رہا تھا، آپ نے منع کرتے ہوئے فرمایا کہ اللہ تعالی نے حضرت آدم کو اپنی صورت پر پیدا کیا لہٰذا اس کا احترام کرو۔

۳۔اللہ تعالی نے حضرت آدم علیہ الصلوٰۃ والسلام کو اپنی صفات پر پیدا کیا۔جس طرح اللہ تعالی دیکھتے، سنتے اور جانتے ہیں اسی طرح انسان کو بھی ان صفات پر پیدا کیا، اگر چہ انسان کی اور اللہ تعالی کی صفات میں فرق ہے۔

۴۔اللہ تعالی کی طرف نسبت محض حضرت آدم کی شرافت وتعظیم کے لئے ہے جیسے بیت اللہ یا روح اللہ کہا جاتا ہے۔

لمافی عمدة القاری (۲۲/۲۲۹): عن ابی هريرة رضي الله عنه عن النبی ﷺ قال خلق الله آدم على صورته طوله ستون ذراعا الحديث (قوله على صورته) ای على صورة آدم لانه اقرب الى خلقه فی اول الامر كامل الخلقة طويلا ستين ذراعا كماهو المشاهد بخلاف غيره فانه يكون اولا نطفة ثم علقة......وقيل انه مر برجل يضرب عبده فی وجهه كظما فزجره عن ذلك وقال خلق الله آدم على صورته فانما كناية غن المضروب وجهه قال وقد يقال هو عائد الى الله تعالى لكن الصورة هی الهيئة وذلك لايصح الاعلى الاجسام فمعنى الصورة الصفة كمايقال عرفنی صورة هذا الامر ای صفته يعنی خلق آدم على صفته ای حيا، عالما، سميعا، بصيرا متكلما او هو اضافة تشريفه نحو بيت الله وروح الله لانه ابتدء ها لاعلى مثال سابق بل بمحض الاختراع فشرفها بالاضافة اليه۔

وفی المرقات (۹/۴۶): عن ابی هريرة قال قال رسول الله ﷺ خلق الله آدم على صورته ای على صورته التی استمر عليها الى ان أهبط والى ان مات دفعا للتوهم ان صورته كانت فی الجنة

علی صفة اخری۔

(۳۱۵) ”من ترك الصلاة متعمدا فقد کفر“ کا مطلب

سؤال

کیا فرماتے ہیں علمائے کرام ومفتیانِ عظام اس مسئلہ کے بارے میں کہ میں ایک مسجد میں نماز پڑھنے کیلئے گیا تو مسجد کی دیوار پر ایک حدیث لکھی ہوئی تھی من ترك الصلوٰة متعمدا فقد کفر۔ (ترجمہ) جس نے جان بوجھ کر نماز چھوڑ دی اس نے کفر کیا۔ یہ پڑھ کر میں کافی پریشان ہوا کہ کتنے لوگ نمازیں پڑھتے ہی نہیں تو یہ سب کافر ہوں گے۔ کیا یہ واقعی حدیث ہے؟ اگر حدیث ہے تو اس کا مطلب یہی ہے جو ترجمہ سے واضح ہے یا کوئی اور مطلب ہے؟

الجواب بعون الملک الوھاب

جی ہاں یہ صحیح حدیث ہے مگر علماء کے نزدیک یہ اپنے ظاہری معنیٰ پر محمول نہیں ہے بلکہ علماء کرام اس میں کئی تاویلات کرتے ہیں۔

(۱)۔ اس سے مراد وہ آدمی ہے جو کہ نماز کے فرض ہونے کا منکر ہو۔

(۲)۔ یا مطلب یہ ہے کہ نماز کا چھوڑنا ایک ایسا عمل ہے جو مسلمان کو کفر کی طرف لے جانے والا ہے۔

صحیح بات یہ ہے کہ نماز کو سستی کی بنیاد پر چھوڑنے والا فاسق اور سخت گناہگار ہے اور اس کی سزا یہ ہے کہ اس کو جیل میں بند کیا جائے گا یہاں تک کہ توبہ کرلے یا مرجائے۔

لما فی مرقاة المفا تیح (۲/۲۵۳): والظاهر ان فعل الصلاة هو الحاجز بين العبد والكفر فقال القاضي يحتمل ان يؤول ترك الصلاة بالحد الواقع بينهما فمن تركها دخل الحد وحام حول الكفر ودنا منه او يقال المعني ان ترك الصلاة وصلة بين العبد والكفر... الى ان قال قلت: (و) نعم الرأى رأى ابي حنيفة اذ الاقوال باقيها ضعيفة۔ ثم من التاويلات ان يكون مستحلا لتركها، او تركها يؤدى الكفر۔ فان المعصية بريد الكفر، اويخشى على تاركها ان يموت كافرا، اوفعله شابه فعل الكافر۔

وفی الدر المختار(۱/۳۵۲): (ويكفر جاحدها) لثبوتها بدليل قطعي(وتاركها عمدا مجانة) اى تكاسلاً فاسق (يحبس حتى يصلى) قال فى الشامى (قوله اى تكاسلاً) تفسير مراد اھ ح (قوله فحق الحق احق) لا يقال ان حقه تعالى مبنى على المسامحة لانه لا تسامح فى شئ من اركان الاسلام اھ

اسماعيل (قوله وقيل يضرب) قائله الامام المحبوبي ح عن المنح۔ وظاهر الحلية انه المذهب فانه قال: وقال اصحابنا فی جماعة منهم الزهری لايقتل بل يعذر ويحبس حتی يموت او يتوب۔

وفی الروض الازهر فی شرح فقه الاكبر (ص۴۶۹): اما قوله ومن ترك الصلاة تهاوناً ای استخفافاً، لاتكاسلاً فقد كفر اقول وهو احد تاويلات قوله عليه السلام من ترك صلاة متعمدا فقد كفر۔

وفی الفقه الاسلامی وادلته (۶۵۸/۱): واجمع المسلمون علی ان من جحد وجوب الصلاة فهو كافر مرتد لثبوت فرضيتها بالادلة القطعية من القران والسنة والاجماع كما أبنت ومن تركها تكاسلا وتها ونا فهو فاسق عاص الا ان يكون قريب عهد بالاسلام... الخ۔

(۳۱۶) بعد عصر مطالعہ کی ممانعت

سؤال

کیافرماتے ہیں علماء کرام ومفتیان عظام اس مسئلہ کے بارے میں کہ کیا کوئی حدیث ایسی موجود ہے جس میں عصر کے بعد مطالعہ کرنے کی ممانعت کی گئی ہو جیسا کہ عام طور پر مشہور ہے اگر ہے تو بیان فرمائیں ورنہ اس کی صراحت کریں کہ اس طرح کی کوئی روایت نہیں تا کہ لوگ اس بات کی غلط نسبت حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی طرف نہ کریں۔

الجواب بعون الملک الوھاب

صورت مسئولہ میں اس طرح کی کوئی روایت موجود نہیں جس میں نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے عصر کے بعد لکھنے یا پڑھنے سے منع فرمایا ہو البتہ بعض اطباء نے منع کیا ہے چنانچہ امام احمد اور امام شافعی رحمۃ اللہ علیہما سے عصر کے بعد پڑھنے کی ممانعت نقل کی گئی ہے۔

لمافی الموضوعات الكبير (ص۱۱۲): من احب حبيبتيه اوكريمتيه وفی رواية من اكرم حبيبتيه فلايكتبن بعد العصر لااصل له فی المرفوع قال السخاوی لعل المعنی بعدخروج العصر من غير ان يكون سراج عنده وقد اوصی الامام احمد بعض اصحابه ان لاينظر بعد العصر الی كتاب اخرجه الخطيب قلت وهو كلام الطبيب كماقال الشافعی الوراق انما ياكل من دية عينيه انتهی۔

وهكذافی المقاصدالحسنة (ص۳۹۷)

(۳۱۷) اللہ تعالیٰ کے راستے میں خرچ کرنے پر اجر

سؤال

کیا فرماتے ہیں علماء کرام ومفتیان عظام اس مسئلہ کے بارے میں کہ آج کل عام طور پر جماعت والے یہ بیان کرتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ کے راستے میں نکل کر اپنے اوپر ایک روپیہ لگانے میں سات لاکھ روپے لگانے کا ثواب ہے اور دوسرے پر اگر خرچ کرے گا تو بیس لاکھ خرچ کرنے کا ثواب ملے گا۔ کیا یہ بات صحیح ہے؟

الجواب بعون الملک الوھاب

صورت مسئولہ میں اللہ کے راستے میں نکل کر اپنے اوپر ایک روپیہ خرچ کرنے کا ثواب سات لاکھ تک ملے گا۔ اس کا ثبوت تو ملتا ہے البتہ بیس لاکھ کا ثبوت کہیں سے نہیں ملا۔

لمافی سنن ابن ماجة (ص۱۹۸): حدثنا هارون بن عبدالله ......عن علی بن ابی طالب وابی الدرداء وابی هريرة وابی امامة الباهلی وعبدالله بن عمرو وجابر بن عبدالله وعمران بن الحصين كلهم يحدث عن رسول الله ﷺ انه قال من ارسل بنفقة فی سبيل الله واقام فی بيته فله بكل درهم سبع مائة درهم ومن غزى بنفسه فی سبيل الله وانفق فی وجه ذلك فله بكل درهم سبع مائة الف درهم ثم تلی هذه الآية والله يضاعف لمن يشاء۔

(۳۱۸) حجۃ الوداع کے موقع پر خلیفہ اول کا اعلان

سؤال

کیا فرماتے ہیں علماء کرام ومفتیان عظام اس مسئلہ کے بارے میں کہ شیعہ حضرات کہتے ہیں کہ حجۃ الوداع کے موقع پر حضور ﷺ نے حضرت علی رضی اللہ عنہ کو خلیفہ اول مقرر فرمایا تھا۔ کیا یہ بات صحیح ہے؟

الجواب بعون الملک الوھاب

نبی علیہ الصلوٰۃ والسلام نے حجۃ الوداع سے واپسی کے موقع پر ایک جگہ صحابہ رضوان اللہ علیہم اجمعین کے مجمع میں فرمایا من کنت مولاہ فعلیؓ مولاہ۔ اس سے شیعہ حضرات نے یہ استدلال کیا کہ اس روایت سے حضرت علی رضی اللہ عنہ کا خلیفہ اول ہونا ثابت ہوتا ہے۔ حالانکہ اس کا ترجمہ یہ ہے ''جس کا میں مولیٰ ہوں علی اس کے مولیٰ ہیں''۔ اب مولیٰ کسے کہتے ہیں؟ تو مولیٰ مختلف معانی کے لئے

استعمال ہوتا ہے۔جس کے مشہور معنی محبوب کے آتے ہیں یعنی ''جس کو مجھ سے محبت ہوا سے علی بھی محبوب ہوں گے''۔اس کے علاوہ سید ، مالک ،انعام والا ، مددگار، محبت کرنے والا ، اتباع کرنے والا ، چچازاد بھائی ، پڑوسی وغیرہ کے لئے بھی استعمال ہوتا ہے۔ان معانی میں سے کوئی بھی ایسا معنی نہیں جس سے حضرت علی رضی اللہ عنہ کا خلیفہ اول ہونا ثابت ہوتا ہو۔لہٰذا اس روایت سے کسی طور پر ثابت نہیں ہوتا کہ حضرت علی رضی اللہ عنہ خلیفہ اول ہوں گے۔

اگر یہ کہا جائے کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی پسندیدگی کی وجہ سے خلافت کی تائید ہورہی ہے تو اس کا جواب یہ ہے کہ یہاں سے زیادہ سے زیادہ اشارۃ تائید ثابت کرسکتے ہیں لیکن ان روایات پر پھر عمل کیوں نہ کیا جائے جن میں اشارہ نہیں بلکہ صراحت موجود ہے کہ ''میرے بعد ابوبکر وعمر کی اتباع کرنا''۔اگر اشارے سے خلافت ثابت ہوسکتی ہے جہاں زمانے کی بھی کوئی قید نہیں تو جہاں آپ نے خود اپنے بعد قابل اتباع ہونے کی صراحت کی ہے اس کا اعتبار کیوں نہ کیا جائے گا؟؟...... بلکہ بعض روایات میں صراحت موجود ہے مثلا حضرت ابوبکرۃ رضی اللہ عنہ کی روایت ہے کہ ''ایک شخص آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوا اور عرض کیا کہ میں نے خواب دیکھا ہے کہ گویا آسمان سے ترازو اتارا گیا ،آپ علیہ الصلوٰۃ والسلام اور حضرت ابوبکرؓ کا وزن کیا گیا تو آپ علیہ الصلوٰۃ والسلام کا پلڑا بھاری ہوگیا۔پھر حضرت ابوبکر وعمر کا وزن کیا گیا تو حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ کا پلڑا بھاری ہوگیا۔پھر عمر وعثمان رضی اللہ عنہما کا وزن کیا گیا تو حضرت عمر رضی اللہ عنہ کا پلڑا بھاری ہوگیا پھر اس کے بعد میزان اٹھالیا گیا۔آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو یہ بات ناگوار گزری اور فرمایا کہ یہ نبوت کی خلافت ہے،اس کے بعد اللہ تعالیٰ جسے چاہیں گے بادشاہت عطا فرمائیں گے۔

اس روایت میں صرف احتمال تھا اور یہاں صراحت،تو صراحت کو چھوڑ کر احتمالی صورت کو لے لینا ضد اور ہٹ دھرمی نہیں تو اور کیا ہے۔ اور اگر تسلیم کرلیں کہ اس سے خلافت ثابت ہورہی ہے تو کیا حضرت علی رضی اللہ عنہ نے خود اس معنی کو نہیں سمجھا تھا؟اگر نہیں سمجھا تو آج کیسے سمجھ میں آگیا اور اگر سمجھ لیا تھا پھر خاموش کیسے رہے جبکہ دوسروں کے ہاتھ پر خلافت کی بیعت ہوتی رہی اور آپ خود بھی اس بیعت میں شریک ہوئے۔یہاں پر یہ کہنا بالکل لغو ہے کہ ''آپ کو شاید یہ روایت نہ پہنچی ہو''، کیونکہ اولا حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے آپ کے سامنے یہ ارشاد فرمایا اور دوسری بات یہ کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی اس نسبت کے بیان کرنے پر دوسرے صحابہ رضوان اللہ علیہم اجمعین نے آپ کو مبارک باد دی۔ تو کیا سارے صحابہ رضوان اللہ علیہم اجمعین اس روایت کے سننے کے بعد خاموش رہے اور کسی نے دوسروں کی بیعت کے وقت یہ نہیں کہا تھا کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت علی رضی اللہ عنہ کو خلافت کے لئے نامزد کیا تھا۔

اور سب سے بڑھ کر یہ کہ خود حضرت علی رضی اللہ عنہ بھی خاموش رہے۔اس کے جواب میں شیعہ حضرات کی طرف سے یہ کہا جاتا ہے کہ حضرت علی رضی اللہ عنہ نے تقیہ کرلیا تھا۔اولا یہ بات صحیح نہیں کہ آپ نے تقیہ کررکھا تھا کیونکہ خود حضرت علی رضی اللہ عنہ سے منقول ہے کہ نبی علیہ الصلوٰۃ والسلام نے خلافت کے لئے کسی کو متعین نہیں فرمایا اسی لئے آپ خاموش رہے۔

اور اگر تسلیم بھی کرلیں کہ یہاں خونریزی کے خوف سے تقیہ کرلیا تھا تو بعض دوسرے مواقع پر تقیہ کیوں اختیار نہیں کیا مثلا جنگ صفین اور جمل کے موقع پر اگر تقیہ سے کام لیا جاتا کہ جو لوگ یہ چاہ رہے تھے کہ عثمان رضی اللہ عنہ کے قاتلین کا بدلہ فورا لیا جائے انہیں خاموش

کرانے کے لئے ظاہری طور پر کچھ کام کر لئے جاتے اور حقیقت میں وہی کیا جاتا ہے جو اپنے دل میں تھا حالانکہ یہاں پر ایسا نہیں کیا گیا جبکہ خلافت کے موقع پر اگر اختلاف ہو بھی جاتا تو اتنی خونریزی نہ ہوتی جتنی ان جنگوں میں ہوئی ہے۔ یہاں کیوں تقیہ نہیں کیا گیا؟

اگر ساری باتوں سے قطع نظر بھی کر لیں تو بھی شیعہ حضرات کا یہ استدلال بالکل لغو معلوم ہوتا ہے۔ وجہ یہ ہے کہ شیعہ حضرات کے نزدیک امامت وخلافت کے ثبوت کے لئے تواتر شرط ہے حالانکہ یہ روایت آحاد میں سے ہے اور اس کی صحت بھی مختلف فیہ ہے۔ اس پرُزور استدلال کے موقع پر انہوں نے اپنے اس اصول کو کیوں نظر انداز کر دیا ہے؟

حاصل یہ ہے کہ محض عناد اور ہٹ دھرمی کی وجہ سے جب اپنے مطلب کی روایات نہیں ملیں تو ان ہی روایات کو توڑ مروڑ کر عوام کو بےوقوف بنانے کے لئے پیش کر دیا گیا اور پھر اس ایک تحریف کو بچانے کے لئے بیسیوں جھوٹ بولنے پڑے۔ اللہ تعالیٰ انہیں ہدایت نصیب فرمائے۔

لما في المشكوة (صـ٢٢٤): عن جابر بن عبدالله رضي الله عنه قال ... وذكر الحديث وفيه قدم على من اليمن ببدن النبي صلى الله عليه وسلم فقال له ماذاقلت حين فرضت الحج قال قلت اللهم انى اهل بما اهل به رسولك قال فان معى الهدى فلاتحل۔

وفيه ايضا (٥٦٥/٢) : عن البراء بن عازب وزيد بن ارقم ان رسول الله صلى الله عليه وسلم بغدير خم اخذ بيد على رضي الله عنه فقال الستم تعلمون انى اولى بالمؤمنين من انفسهم قالوا بلى قال الستم تعلمون انى اولى بكل مؤمن من نفسه قالوا بلى فقال اللهم من كنت مولاه فعلى مولاه اللهم وال من والاه وعاد من عاداه فلقيه عمر بعد ذلك فقال له هنيئا يا ابن ابى طالب اصبحت وامسيت مولى كل مؤمن ومومنة۔

وفيه ايضا (صـ٥٦٠): عن حذيفة رضي الله عنه قال قال رسول الله صلى الله عليه وسلم انى لاادرى مابقائى فيكم فاقتدوا بالذى من بعدى ابى بكر وعمر..... وعن ابى بكرة ان رجلا قال لرسول الله صلى الله عليه وسلم رأيت كأن ميزانا نزل من السماء فوزنت انت وابوبكر فرجحت انت ووزن ابوبكر وعمر فرجح ابوبكر ووزن عمر وعثمان فرجح عمر ثم رفع الميزان فاستاء لها رسول الله صلى الله عليه وسلم يعنى فساءه ذلك فقال خلافة نبوة ثم يوتى الله الملك من يشاء۔

وفى المرقاة (٣٤٩/١١): تحت رواية البراء وزيد بن ارقم ... تمسكت الشيعة انه من النص المصرح بخلافة على رضى الله عنه حيث قالوا معنى المولى الاولى بالامامة والالما احتاج الى جمعهم كذلك وهذه من اقوى شبهتهم ودفعها علماء اهل السنة بان المولى بمعنى المحبوب وهو كرم الله وجهه سيدنا وحبيبنا وله معان اخر تقدمت ومنه الناصر وامثاله فخرج عن كونه

نصافضلاعن ان يكون صريحا ولوسلم انه بمعنى الاولى بالامامة فالمراد به المآل والالزم ان يكون هوالامام مع وجودهﷺ فتعين ان يكون المقصود منه حين يوجد عقدالبيعة له فلاينافيه تقديم الائمة الثلاثة عليه لانعقاداجماع من يعتد به حتى من علی رضی اللہ عنہ ثم سكوته عن الاحتجاج به الى ايام خلافته قاض على من له ادنى مسكة بانه علم منه انه لانص فيه على خلافته عقب وفاته عليه السلام مع ان عليا كرم الله وجهه صرح نفسه بانهﷺ لم ينص عليه ولاعلى غيره ثم هذاالحديث مع كونه آحادا مختلف فى صحته فكيف ساغ للشيعة ان يخالفوا مااتفقوا عليه من اشتراط التواتر فى احاديث الامامة ماهذا الاتناقض صريح وتعارض قبيح۔

وفى المرقاة (۱۱/۳۴۱) : عن زيد بن ارقم ان النبىﷺ قال من كنت مولاه فعلى مولاه قيل معناه من كنت اتولاه فعلى اتولاه ......وفى النهاية المولى يقع على جماعة كثيرة كالرب والمالك والسيد والمنعم والمعتق والناصر والمحب والتابع والجار وابن العم والحليف والعقيد والصهر والعبد والمعتق والمنعم عليه واكثرها قدجاء ت فى الاحاديث فيضاف كل واحد الى مايقتضيه الحديث الوارد فيه وقوله من كنت مولاه يحتمل على اكثر هذه الاسماء المذكورة قال الشافعى يعنى بذلك ولاء الاسلام كقوله تعالى ذلك بان الله مولى الذين آمنوا ......وقول عمر لعلى اصبحت مولى كل مؤمن اى والى كل مومن وقيل سبب ذلك ان اسامة قال لعلى لست مولاى انما مولاى رسول اللهﷺ فقالﷺ من كنت مولاه فعلى مولاه ......قال الطيبى لايستقيم ان تحمل الولاية على الامامة التى هى التصرف فى امور المؤمنين لان المتصرف المستقل فى حياتهﷺ هو هو لاغيره فيجب ان يحمل على المحبة وولاء الاسلام ونحوهما۔

(۳۱۹) واقعۂ فدک کی تفصیل اور حقیقت

سؤال

کیا فرماتے ہیں علماء کرام ومفتیان عظام اس مسئلہ کے بارے میں کہ واقعہ فدک کی تفصیل جو صحیح روایات سے مروی ہو مطلوب ہے؟ براہ کرم کتب کا حوالہ ضرور درج کیجئے گا۔ اور شیعوں کے ہاں بیان کیا جانے والا واقعہ کسی ضعیف حدیث سے بھی ثابت ہے؟ تفصیل سے جواب عنایت فرمائیں۔ جزاک اللہ

الجواب بعون الملک الوھاب

مذکورہ واقعہ بخاری شریف میں کتاب المغازی اور مسلم شریف میں کتاب الجہاد میں مذکور ہے اس کی تفصیل یہ ہے کہ حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے انتقال کے بعد حضرت فاطمہ رضی اللہ عنہا نے حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ سے ان اموال (ترکہ) سے اپنی میراث کا مطالبہ فرمایا جو اللہ تعالی نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو مدینہ اور فدک میں عنایت فرمائے تھے، اس موقع پر حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ نے حضرت فاطمہ رضی اللہ عنہا کو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی وہ روایت مبارکہ سنائی "ہماری میراث تقسیم نہیں ہوتی بلکہ ہم جو کچھ چھوڑ جائیں وہ صدقہ ہے" البتہ آل محمد اسی مال سے اپنی ضرورت پوری کرے گی اور خدا کی قسم جو صدقہ رسول اللہ ﷺ چھوڑ گئے اس میں کسی قسم کا تغیر نہیں کروں گا، جس حال میں وہ حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے عہد میں تھا اب بھی اسی طرح رہے گا اور اس میں وہی طرز عمل اختیار کروں گا جو حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا اپنی زندگی میں تھا، اس پر حضرت فاطمہ رضی اللہ عنہا کچھ کبیدہ خاطر ہوئیں اور اس کے بعد وفات تک ان سے (اس معاملے کے بارے میں) گفتگو نہیں فرمائی۔

اب اس آخری جملے کی وجہ سے روافض نے یہ مشہور کر دیا کہ حضرت فاطمہ رضی اللہ عنہا ان سے ناراض ہوگئیں اور مرتے دم تک ان سے کلام نہ کیا، حالانکہ یہ بات صحیح نہیں جس کی تفصیل آجائے گی اس سے پہلے ایک نظر ان دلائل کو دیکھتے ہیں جو روافض نے اپنے حق میں بیان کیے۔

سب سے بڑی دلیل یہ بیان کرتے ہیں کہ یہ فیصلہ کلام مقدس کے خلاف ہے، کیونکہ اللہ تعالی کلام مقدس میں فرماتے ہیں "وَوَرِثَ سُلَيْمَانُ دَاوُدَ" الآیۃ (اور داؤد کے قائم مقام سلیمان ہوئے) اسی طرح حضرت زکریا کے بارے میں ہے، "فَهَبْ لِي مِن لَّدُنكَ وَلِيًّا. يَرِثُنِي وَيَرِثُ مِنْ آلِ يَعْقُوبَ وَاجْعَلْهُ رَبِّ رَضِيًّا" الآیۃ (سو آپ مجھ کو خاص اپنے پاس سے ایک ایسا وارث دے دیجئے کہ وہ میرا وارث بنے اور یعقوب کے خاندان کا وارث بنے اور اس کو اے میرے ربّ پسندیدہ بنایئے) چنانچہ ان دونوں آیات سے معلوم ہوا کہ انبیاء کی وراثت تقسیم ہوتی ہے۔

روافض کا ان آیات سے استدلال کرنا کئی وجوہ سے صحیح نہیں بلکہ باطل ہے۔

۱۔ اللہ تعالی کے اس قول "وَوَرِثَ سُلَيْمَانُ دَاوُدَ" سے مراد ملک اور نبوت ہے کہ جس طرح داؤد علیہ الصلوٰۃ والسلام کو نبوت اور ملک ملا اسی طرح سلیمان علیہ الصلوٰۃ والسلام کیلئے بھی اللہ تعالی نے نبوت اور بادشاہت کو جمع کیا، ورنہ تو حضرت سلیمان علیہ الصلوٰۃ والسلام حضرت داؤد علیہ الصلوٰۃ والسلام کے اکیلے بیٹے نہ تھے بلکہ آپ کثیر الاولاد تھے کہا گیا ہے کہ آپ کے بیٹوں کی تعداد سو تھی اگر اس کو نہ بھی مانیں تو کم سے کم اتنا ضرور ماننا پڑے گا کہ سلیمان علیہ الصلوٰۃ والسلام کے علاوہ بھی ان کے بیٹے تھے اور اگر ان کے علاوہ بھی تھے، تو پھر صرف سلیمان علیہ الصلوٰۃ والسلام کو وارث کے طور پر ذکر کرنے کا کیا فائدہ؟ کیا ان کی باقی اولاد کو وراثت سے محروم رکھا گیا اور صرف یہ وراثت حضرت سلیمان علیہ الصلوٰۃ والسلام کے حصے میں آئی؟ جب یہ مطلب نہیں تو کہنا پڑے گا کہ وراثت سے مراد نبوت اور ملک ہے۔ یہی معاملہ حضرت زکریا علیہ الصلوٰۃ والسلام کا ہے کہ انبیاء کے نزدیک دنیا کی حقیقت ایک حقیر چیز سے بھی کم ہوتی ہے پھر وہ کیوں دعا کریں گے کہ یا اللہ اس دنیا کو سنبھالنے کیلئے مجھے کوئی

وارث چاہیئے، حاصل یہ کہ یہاں بھی نبوت کی وراثت مراد ہے، جس کا سب سے واضح ثبوت اس آیت کا آگے والا حصہ ہے، جس میں حضرت زکریا علیہ الصلوٰۃ والسلام وراثت کا ذکر فرمارہے ہیں اللہ تعالیٰ نے ان کے الفاظ نقل فرمائے "يَرِثُنِي وَيَرِثُ مِنْ اٰلِ يَعْقُوْبَ وَاجْعَلْهُ رَبِّ رَضِيًّا" کہ اے اللہ یہ میرا بھی وارث ہوگا اور یعقوب علیہ الصلوٰۃ والسلام جو ان کے جدامجد ہیں اور ان کی اولاد میں اللہ تعالیٰ نے نبوت کا سلسلہ چلایا یہ ان سب کا بھی وارث ہوگا اب جب یعقوب علیہ الصلوٰۃ والسلام کی ساری اولاد بھی اس میں آگئی تو پھر اس میں کوئی تردد باقی نہیں رہتا کہ یہاں وراثت سے کیا مراد ہے؟ اس لئے کہ یعقوب علیہ الصلوٰۃ والسلام کی اولاد میں کوئی خزانہ وراثت کے طور پر نہیں چل رہا تھا جس کا وارث بنانا مقصود تھا، بلکہ نبوت چل رہی تھی اس کا وارث بنانا چاہتے تھے، اس آیت کا آخری حصہ بھی اس مفہوم کا مؤید ہے جو بیان کیا گیا کیونکہ آگے فرمایا "وَاجْعَلْهُ رَبِّ رَضِيًّا" کہ یا اللہ وہ آپ کو راضی کرنے والا ہو یعنی اعمال صالحہ سے۔

۲۔ دوسری سب سے بڑی بات یہ ہے کہ رسول اللہ ﷺ کی صحیح حدیث موجود ہے کہ ''انبیاء کی وراثت جاری نہیں ہوتی بلکہ وہ جو کچھ چھوڑ کر دنیا سے رخصت ہوجائیں وہ سب صدقہ ہے'' کیا اس روایت کی موجودگی میں بھی ان لوگوں کو اجتہاد کی ضرورت ہے؟ کیا جو رسول اللہ ﷺ نے بیان فرمادیا وہ (العیاذ باللہ) ان کی تشفی کیلئے کافی نہیں ہے؟ کہ انہوں نے خود اجتہاد کرنا شروع کردیا اور اجتہاد بھی کیا تو کیسا؟ کہ اگر پوری آیت کو دیکھ لیا جائے تو اس اجتہاد کی حقیقت واضح ہوجاتی ہے۔ حق بات کو جاننے کے باوجود چھپالینا اور ناحق بات کا پرچار کرکے دوسرے لوگوں کو بھی اپنے ساتھ گمراہ کرنا انسانی عقل کو اندھا کردیتا ہے پھر وہ ایسے ہی بے ڈھنگے استدلالات کرتا ہے۔ اللہ تعالیٰ ہم سب کو حق کے اتباع کی توفیق عطا فرمائیں۔

اب آخری بات کہ اس کے بعد حضرت فاطمہ رضی اللہ عنہا حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ سے ناراض ہوگئیں اور مرتے دم تک ان سے بات نہ کی۔ روایت میں ''فهجرت'' کے الفاظ آئے ہیں، اس کا مطلب حضرت انور شاہ کشمیری رحمۃ اللہ علیہ اور دوسرے کئی شراح نے یہ کیا ہے کہ آپ نے یہ مطالبہ دوبارہ مرتے دم تک نہ کیا، نہ کہ آپ اس کی وجہ سے ناراض ہوگئیں اور حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ سے ان کی ناراضگی کی کوئی وجہ نہیں تھی کیونکہ ناراضگی کا پتہ اس وقت چلتا جب ان دونوں کی کہیں ملاقات ہوتی اور وہ پہلے آپس میں بات چیت کررہے ہوتے کہ اس کے بعد انہوں نے بات چیت ترک کردی ہو۔ وہ کوئی آج کا دور نہیں تھا بلکہ خیر القرون کا دور تھا جس میں عورتیں بلاضرورت گھر سے باہر نہیں نکلا کرتی تھیں لہذا وہ ضرورت کی وجہ سے حضرت ابوبکر کے پاس آئیں اور دوبارہ ضرورت نہیں تھی اس لئے دوبارہ کبھی نہیں آئیں۔ اور پھر حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی وفات کے بعد حضرت فاطمہ رضی اللہ عنہا کتنا عرصہ زندہ رہیں صرف چھ ماہ اور بعض روایات میں چار اور دو ماہ کے الفاظ بھی آئے ہیں۔ اگر چھ ماہ بھی ہو تو حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے وصال کے کچھ عرصہ تک تو اس کا خیال ہی نہ آیا ہوگا کیونکہ آپ کا وصال صحابہ رضوان اللہ علیہم اجمعین پر نہایت شاق گزرا، اور حضرت فاطمہ رضی اللہ عنہا پر کس قدر شاق گزرا ہوگا کہ جب آپ اس دنیا سے تشریف لے گئے اور تدفین کا مرحلہ طے پاگیا تو حضرت فاطمہ رضی اللہ عنہا فرماتیں کہ صحابہ رضوان اللہ علیہم اجمعین نے آپ کی تدفین کو کیسے برداشت کرلیا اب اس کے بعد بھی چھ مہینے کا عرصہ کچھ زیادہ نہیں ہے۔ اور ان کو میل جول چھوڑ کر ناراض ہونے کا حق تب ہوتا کہ حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ خود اس کو اپنے لیے روک لیتے حالانکہ اس میں جس طرح نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم خرچ کررہے تھے اسی طرح حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ بھی خرچ کرتے رہے

تو ناراض ہونے کی کوئی وجہ ہی نہ تھی۔

ہاں اتنا ضرور تھا ان کی طبیعت پر جو وقتی طور پر ناگواری ہوئی اس کی تلافی کیلئے بھی صدیق اکبر رضی اللہ عنہ آپ کے پاس تشریف لے گئے، آپ اس وقت بیمار تھیں آپ نے جا کر دوبارہ ان سے یہی درخواست کی کہ میں نے جو کچھ کیا اس میں اللہ تعالی کی رضامندی مقصود تھی اس میں سے میں نے اپنی ذات کیلئے کچھ بھی نہ لیا اس طرح کی باتوں سے جو طبعی طور پر ناگواری تھی وہ بھی ختم ہوگئی۔

حاصل یہ کہ اس واقعہ کو اہل تشیع کی طرف سے خواہ مخواہ اچھالا گیا تا کہ حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ پر طعن کیا جا سکے حالانکہ اگر بالفرض حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ کا فیصلہ صحیح نہ تھا تو دوسرے صحابہ رضوان اللہ علیہم اجمعین تو موجود تھے اور سب سے بڑھ کر خود حضرت فاطمہ رضی اللہ عنہا کی اولاد میں حضرت زید بن الحسین بن علی کا بیان ہے

اخبرنا ابوعبداللہ الحافظ ...... قال زید بن علی بن الحسین بن علی اما انا فلوکنت مکان ابی بکر رضی اللہ عنہ لحکمت بمثل ماحکم بہ ابوبکر رضی اللہ عنہ فی فدك ۔(السنن الکبری للبیهقی، ۳۰۲/۶)

یعنی اگر میں حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ کی جگہ ہوتا تو یہی فیصلہ کرتا جو فیصلہ حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ نے کیا۔

نیز اہل تشیع نے حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ پر طعن کرنے کے لئے اس واقعہ کو اُچھالا حالانکہ جس طرح یہ لوگ بیان کرتے ہیں اگر تسلیم کرلیں تو روایت میں ''فھجرت'' کے الفاظ آئے ہیں جس کا مطلب ان کے بقول یہ ہے کہ حضرت فاطمہ رضی اللہ عنہا نے حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ کو چھوڑ دیا اور بات نہیں کی تو اس کا نتیجہ حضرت فاطمہ رضی اللہ عنہا پر طعن کی صورت میں نکلتا ہے نہ کہ حضرت ابوبکر پر اس لئے کہ ''ھجران'' حضرت فاطمہ رضی اللہ عنہا کی طرف سے پایا جا رہا ہے۔اللہ تعالی ان لوگوں کو ہدایت نصیب فرمائیں۔

لما فی السنن الکبری للبیهقی (۳۰۱/۶): اخبرنا ابو عبداللہ...عن الشعبی قال لما مرضت فاطمۃ رضی اللہ عنہا اتاھا ابوبکر رضی اللہ عنہ فاستأذن علیھا فقال علی رضی اللہ عنہ یا فاطمۃ ھذا ابوبکر یستأذن علیك فقالت اتحب ان اذن لہ قال نعم فاذنت لہ فدخل علیھا یترضاھا وقال واللہ ماترکت الدار والمال والاھل والعشیرۃ الاابتغاء مرضاۃ اللہ و مرضاۃ رسولہ ومرضاتکم اھل البیت ثم ترضاھا حتی رضیت۔

وفی عمدۃ القاری (۲۰/۱۵): قال المھلب انماکان ھجرھا انقباضا عن لقائہ وترك مواصلتہ ولیس ھذا من الھجران المحرم واماالمحرم من ذلك ان یلتقیا فلایسلم احدھما علی صاحبہ ولم یر واحد انھما التقیا وامتنعا من التسلیم ولوفعلا ذلك لم یکونا متھاجرین الاتکون النفوس مظھرۃ للعداوۃ والھجران وانما لازمت بیتھا فعبرالراوی عن ذلك بالھجران وقد ذکر فی کتاب الخمس تالیف ابی حفص بن شاھین عن الشعبی ان ابابکر قال

لفاطمة يابنت رسول الله ماخير عيش حياة اعيشها وانت على ساخطة فان كان عندك من رسول الله ﷺ فی ذلك عهد فانت الصادقة المصدقة المامونة على ماقلت قال فما قام ابوبكر حتى رضيت ورضی

وفی فیض الباری (۹۴/۴): واماعدم كلام فاطمة اياه حتى ماتت فالمراد منه كلامها فی امر فدك اوانه لم يتفق له ذلك فلو سلمناموجدتها عليه فله العذر ايضا كماعلمت ،على انه لم يهاجرها فان هاجرته فقد هاجرته هی فلاطعن على ابی بكر بحال۔

وفی الاصابة (۲۶۶/۸): وقدثبت فی الصحيح عن عائشة ان فاطمة عاشت بعد النبی ﷺ ستة اشهر وقال للواقدی وهو ثبت :وروی الحميدی عن سفيان عن عمرو بن دينار انها بقيت بعده ثلاثة اشهر وقال غيره :بعدها اربعة اشهر وقيل شهرين۔

وفی البدايةوالنهاية (۲۵۳/۵): وتكلمت الرافضة فی هذا المقام بجهل عظيم وتكلفوا مالا علم لهم به وكذبوا بما لم يحيطوا بعلمه . . .

''وورث سليمان داؤد ''الآية (النمل:۱۶)انما يعنی بذلك فی الملك والنبوة ای جعلناه قائما بعده فيما كان يليه من الملك وتدبير الرعايا والحكم بين بنی اسرائيل وجعلناه نبيا كريما كأبيه وكما جمع لأبيه الملك والنبوة كذلك جعل ولده بعده وليس المراد بهذا وراثة المال لان داؤد كما ذكره كثير من المفسرين كان له أولاد كثيرون يقال مأته، فلم اقتصر على ذكر سليمان من بينهم لوكان المراد وراثة المال ؟ انما المراد وراثة القيام بعده فی النبوة والملك ولهذا قال ''وورث سليمان داؤد''. . .

واما قصة زكريا عليه السلام فانه من الانبياء الكرام والدنيا كانت عنده أحقر من أن يسال الله ولداً ليرثه فی ماله . . .وانما سأل ولداً صالحاًيرثه فی النبوة والقيام بمصالح بنی اسرائيل وحملهم على السداد ولهذا قال تعالی كهيعص ذكر رحمة ربك عبده زكريا اذنادی ربه نداءً خفيا قال رب انی وهن العظم منی واشتعل الرأس شيباً ولم أكن بدعائك رب شقياوانی خفت الموالی من ورائی وكانت امرأتی عاقراًفهب لی من لدنك وليا يرثنی ويرث من آل يعقوب واجعله رب رضيافقال وليا يرثنی من آل يعقوب يعنی النبوة كما قررناه ذلك فی التفسير ولله الحمد المنة وتقدم فی رواية ابی سلمة عن ابی هريرةرضی الله عنه ان رسول اللهﷺ قال النبی لايورث وهذا اسم جنس يعم كل الانبياء۔

والوجه الثانی ان رسول اللهﷺ قد خص من بين الانبياء بأحكام لا يشاركونه فيها ...فلو قدر ان غيره من الانبياء يورثون وليس الامر كذلك لكان مارواه من ذكرنا من الصحابة الذين منهم الائمة الاربعة أبوبكر وعمر وعثمان وعلى مبنيا لتخصيصه بهذا الحكم دون ماسواه۔

(۳۲۰) موضوع حدیث کے بیان کے وقت وضع کا بیان

سوال

کیا فرماتے ہیں علماء کرام ومفتیان عظام اس مسئلہ کے بارے میں کہ اگر کوئی شخص بیان وغیرہ میں کوئی موضوع حدیث بیان کرے تو اس کے موضوع ہونے کو بیان کرنا چاہیئے یا نہیں؟ اور اگر اس کے موضوع ہونے کو بیان نہ کرے تو بعض روایات میں جو نبی علیہ الصلوۃ والسلام نے اپنی طرف جھوٹ کی نسبت کرنے پر جہنم کی وعید ارشاد فرمائی اس وعید میں داخل ہوگا یا نہیں؟

الجواب بعون الملک الوھاب

جب بیان کرنے والے کو معلوم ہو کہ یہ حدیث موضوع ہے تو اسے بیان کرتے وقت اس کے موضوع ہونے کو بیان کرنا ضروری ہے، اگر بیان نہیں کیا تو اس وعید میں داخل ہوگا۔

لمافی تدريب الراوی (۱/۲۷۴): الموضوع هوالمختلف المصنوع وشرالضعيف وتحرم روايته مع العلم به فی ای معنی كان الامبينا۔(الامبينا) ای مقرونا ببيان وضعه لحديث مسلم :من حدث عنی بحديث يری انه كذب فهو احد الكذابين۔

وفی اعلاء السنن (۱۹/۳۷): ولا يجوز رواية الموضوع الا ببيان حاله۔

(۳۲۱) کیا آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے نور سے تمام مخلوق بنائی گئی؟

سوال

کیا فرماتے ہیں علماء کرام ومفتیان عظام اس مسئلہ کے بارے میں کہ کتاب ''بہار شریعت'' میں لکھا ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے نور سے تمام مخلوق بنائی گئی اس اعتبار سے آپ ہر جگہ حاضر وناظر ہیں۔کیا یہ بات صحیح ہے؟

الجواب بعون الملک الوھاب

صورت مسئولہ میں کہیں سے اس بات کا ثبوت نہیں ملتا جس سے معلوم ہو کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے نور سے تمام کائنات کو پیدا کیا گیا حالانکہ اس دعوی کے لئے نقل کی ضرورت ہے لہذا یہ دعوی بلا دلیل ہے اور اس بے بنیاد بات پر دوسری بات کی بنیاد رکھنا کہ آپ حاضر وناظر ہیں یہ بھی صحیح نہیں ہے کیونکہ آپ کو حاضر وناظر ماننا آیات قرآنیہ اور احادیث رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے خلاف ہے لہذا کسی مسلمان کے لئے ایسا عقیدہ رکھنا جائز نہیں ہے۔

مرت دلائله فی رقم السؤال : ۲۶۸

(۳۲۲) اختلاف کے وقت نجات پانے والی جماعت

سؤال

کیا فرماتے ہیں علماء کرام ومفتیان عظام اس مسئلہ کے بارے میں کہ آج کل امت مسلمہ میں شدید اختلاف پایا جاتا ہے اور ہر جماعت کا یہ دعوی ہے کہ وہ حق کے راستے پر ہے اور روایت میں نے سنی ہے کہ قیامت کے قریب تہتر فرقے ہوں گے ان میں سے ایک نجات پانے والا ہوگا۔ کیا اس کی کوئی نشانی وغیرہ ہے کیونکہ آج کل ہر جماعت اپنے بارے میں دعوی کرتی ہے کہ وہی حق جماعت ہے۔ براہ کرم بیان کر کے تشفی فرمائیں۔

الجواب بعون الملك الوهاب

صورت مسئولہ میں ایسی جماعت کی نشانی روایات میں یہ آئی ہے کہ جو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اور صحابہ کرام ک رضوان اللہ علیہم اجمعین کے طریقے پر چلنے والی ہو وہ نجات پانے والی ہے۔

لمافی المشکوة (ص۳۰): عن عبدالله بن عمر رضي الله عنه قال قال رسول الله صلى الله عليه وسلم ليأتين على امتی كما اتی على بنی اسرائيل حذوالنعل بالنعل ...... وان بنی اسرائيل تفرقت على ثنتين وسبعين ملة وتفترق امتی على ثلث وسبعين ملة كلهم فی النار الاملة واحدة قالوا من هی يارسول الله قال ماانا عليه واصحابی۔

وهكذا بتغيير يسير نقل عن انس رضي الله عنه فی مسند احمد بن حنبل (۶۱۱/۲)

(۳۲۳) کسی مسلمان کو کافر کہنا

سؤال

کیا فرماتے ہیں علماء کرام ومفتیان عظام اس مسئلہ کے بارے میں کہ اگر ایک مسلمان غصے میں آ کر دوسرے مسلمان کو کافر کہہ

کر پکارتا ہے تو اس طرح کہنے والا کافر ہوگا یا نہیں اور یہ اس لئے پوچھ رہا ہوں کہ کل ہمارے ہاں ایک مولانا صاحب نے بیان کیا اور انہوں نے ایک روایت سنائی جس کا مفہوم یہ ہے کہ اگر دوسرے شخص کو کافر کہے اور وہ کافر نہ ہو تو یہ خود کافر ہو جائے گا۔ کیا یہ بات صحیح ہے؟

الجواب بعون الملک الوھاب

کسی مسلمان کو کافر کہہ دینا اگرچہ گناہ کبیرہ ہے لیکن اس طرح کہنے سے قائل کافر نہیں ہوگا۔

اب رہی یہ بات کہ روایت میں ایسے شخص کو کافر کہا گیا ہے تو اس سے مراد یہ ہے کہ:

(۱) حلال سمجھ کر کہنے والے کے بارے میں ہے کہ اگر اسے حلال سمجھ کر کہے تو خود کافر ہو جائے گا۔ (۲) مسلمان کو کافر کہنے کا گناہ اس پر لوٹ کر آئے گا۔ (۳) یہ خوارج پر محمول ہے جو مسلمانوں کی تکفیر کرتے تھے۔ (۴) مآل (انجام کار) کے اعتبار سے ایسے کہا گیا ہے کہ بلا وجہ دوسرے کو کافر کہنے والے کے بارے میں خطرہ ہے کہ اس کا انجام ایسا ہی ہو جائے گا۔ (۵) روایت سے مراد یہ ہے کہ دوسرے کو کافر کہنا ایسا ہے گویا اپنے آپ کو کافر کہا جائے۔

یہ چند توجیہات علماء سلف نے اس روایت کی تشریح میں بیان کی ہیں۔

لما فی الصحیح لمسلم (۱/۵۷): حدثنی ابوبکر ...... عن ابن عمر رضی الله عنه ان النبی صلی الله علیه وسلم قال اذا اکفر الرجل اخاه فقد باء بها احد هما وفی روایة ایما امرئ قال لاخیه کافر فقد باء باحدهما ان کان کما قال والا رجعت علیه۔

وقال النووی تحته: فقیل فی تاویل الحدیث اوجه احدها انه محمول علی المستحل لذلك وهذا یکفر ...... والوجه الثانی معناه رجعت علیه نقیصه لاخیه ومعصیة تکفیر والثالث انه محمول علی الخوارج المکفرین للمؤمنین ...... والوجه الرابع معناه ان ذلك یؤل به الی الکفر ...... والوجه الخامس معناه فقد رجع علیه تکفیره فلیس الراجع علیه حقیقة الکفر بل التکفیر لکونه جعل اخاه المومن کافرا فکانه کفر نفسه۔

(۳۲۴) جنت اور جہنم میں عورتوں کے متعلق روایات کے تعارض کی تطبیق

سؤال

کیا فرماتے ہیں علماء کرام ومفتیان عظام اس مسئلہ کے بارے میں کہ میں نے سنا ہے کہ جنت میں ایک مرد کو حوروں کے علاوہ دو عورتیں ملیں گی، تو اب سوال یہ ہے کہ یہ عورتیں کب ملیں گی جنت میں داخل ہوتے ہی یا جنت وجہنم کا آخری فیصلہ ہونے کے بعد کہ جنتی

اب ہمیشہ جنت میں اور جہنمی اب ہمیشہ جہنم میں رہیں گے، جبکہ ایک دوسری روایت میں ہے کہ آپ ﷺ فرماتے ہیں ''مجھے دکھایا گیا کہ جہنم میں عورتوں کی اکثریت ہے'' حالانکہ پہلی روایت سے معلوم ہوتا ہے کہ جب ہر مرد کو دو عورتیں ملیں گی تو عورتوں کی تعداد جنت میں زیادہ ہوگی جبکہ اس روایت سے معلوم ہوتا ہے کہ جہنم میں عورتوں کی تعداد زیادہ ہوگی، یہ تضاد کیسا ہے؟ نیز جنت میں جماع کا سلسلہ ہوگا یا نہیں؟

الجواب بعون الملک الوھاب

صورت مسئولہ میں پہلے جز کا جواب یہ ہے کہ احادیث سے ثابت ہے کہ جنت میں ہر جنتی کو دنیا کی عورتوں میں سے دو عورتیں ملیں گی، چنانچہ صحیحین میں روایت موجود ہے حضرت ابو ہریرۃ رضی اللہ عنہ نقل فرماتے ہیں:

حدثنا ابو الیمان...عن ابی ھریرۃ رضی اللہ عنہ ان رسول اللہ ﷺ قال اول زمرۃ تدخل الجنۃ علی صورۃ القمر لیلۃ البدر والذین ھم علی اثرھم کاشد کوکب اضاءۃ قلوبھم علی قلب رجل واحد لا اختلاف بینھم ولا تباغض لکل امرإ منھم زوجتان کل واحدۃ منھما یری مخ ساقھا من وراء لحمھا من الحسن...الحدیث

(اخرجہ البخاری ۴۶۰/۱، ومسلم ۳۷۹/۲، والمشکوۃ صـ۴۹۷، وابن ابی شیبۃ ۶۱/۷، والحافظ الطبرانی فی المعجم الاوسط ۳۷۴/۱، والحافظ القرطبی فی التذکرۃ ۴۷۴/۲)

روایت میں موجود لفظ زوجتان کی تفسیر شراح حدیث نے نساء الدنیا سے کی ہے یعنی دنیا کی دو عورتیں ملیں گی، اب رہی یہ بات کہ یہ عورتیں کب ملیں گی؟ یہ وہی عورتیں ہوں گی جن سے دنیا میں نکاح ہوا تھا یا اس کے علاوہ ہوں گی؟ اس بارے میں کوئی صریح روایت نظر سے نہیں گزری، البتہ بعض روایات سے اس بات کا ثبوت ملتا ہے کہ دنیا میں جو عورت کسی مرد کے نکاح میں ہوگی چاہے ایک ہو، دو ہوں تین یا چار ہوں وہ اس کی جنت میں بیوی کے طور پر ہوں گی۔

اب رہا یہ اشکال کہ اوپر ذکر کردہ روایت سے معلوم ہوتا ہے کہ جنت میں عورتوں کی کثرت ہوگی جب کہ دوسری بعض روایات میں ہے کہ جہنم میں عورتوں کی کثرت ہوگی جیسا کہ عمران بن حصین رضی اللہ عنہ کی روایت میں ہے

حدثنا عثمان بن الھیثم ...عن عمران رضی اللہ عنہ عن النبی ﷺ قال اطلعت فی الجنۃ فرأیت اکثر اھلھا الفقراء واطلعت فی النار فرأیت اکثر اھلھا النساء۔ (اخرجہ البخاری ۷۸۳/۲، والامام احمد فی مسندہ ۵۹۲/۵، والحافظ القرطبی فی التذکرۃ ۳۶۹/۲، عن عمران بن حصین ان رسول اللہ ﷺ قال ان اقل ساکنی الجنۃ النساء وھکذا فی فتح الباری ۲۴۹/۶)

اس ظاہری تعارض کے کئی جوابات دیئے گئے ہیں

اول: علامہ ابن حجر رحمۃ اللہ علیہ اور علامہ عینی رحمۃ اللہ علیہ نے اس کا جواب یہ دیا ہے کہ جہنم میں عورتوں کی کثرت سے جنت میں عورتوں کی کثرت کی نفی نہیں ہوتی، کیونکہ آدم علیہ الصلوۃ والسلام کی اولاد میں عورتوں کی تعداد مردوں کے مقابلے میں زیادہ ہے لہٰذا ایسا ہوسکتا ہے کہ عورتیں جنت میں بھی زیادہ ہوں اور جہنم میں بھی۔

دوم: علامہ قرطبی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ یہ اختلاف دنیاوی عورتوں کے بارے میں ہے، ورنہ جنس عورت جس میں جنت کی حوریں بھی شامل ہوں گی جنت میں زیادہ ہوں گی۔

سوم: اس بات کا امکان ہے کہ جنت میں عورتوں کی قلت اول مرحلے میں ہو ورنہ جب آخری فیصلہ ہو جائے گا تو اس کے بعد جنت میں عورتوں کی اکثریت ہوگی۔ نیز جنت میں جماع کا سلسلہ ہوگا یا نہیں تو کلام مقدس میں اشارۃً اور احادیث مبارکہ میں اس کا صراحتاً ثبوت ملتا ہے کہ جنت میں بھی جماع کا سلسلہ ہوگا۔

لما فی القرآن الکریم (الواقعة:۳۵ الی ۳۸): اِنَّآ اَنْشَاْنٰهُنَّ اِنْشَآءً۔ فَجَعَلْنٰهُنَّ اَبْكَارًا۔ عُرُبًا اَتْرَابًا۔ لِّاَصْحٰبِ الْيَمِيْنِ۔

وفی التفسیر المظهری(۹/۱۷۳): (فجعلناهن ابکارا) عذاری کلما اتٰهن ازواجهن وجدوهن عزاری۔

وفی المصنف لابن ابی شیبة (۷/۵۷): حدثنا وکیع ...عن زید بن ارقم رضی اللہ عنہ قال قال رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ان الرجل من اهل الجنة لیعطی قوة مائة رجل فی الاکل والشرب والجماع والشهوة...الحدیث

وفی التذکرة للحافظ القرطبی (۲/۴۸۳): وروی من حدیث ابی هریرة عن رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم هل تمس اهل الجنة ازواجهم فقال نعم بذکر لا یمل وفرج لا یحفی وشهوة لاتنقطع...الحدیث۔

و فی فتح الباری (۶/۳۲۹): (ولکل واحد منهم زوجتان) ای من نساء الدنیا...واستدل ابو هریرة رضی الله عنه بهذا الحدیث علی ان النساء فی الجنة اکثر من الرجال کما اخرجه مسلم من طریق ابن سیرین عنه وهو واضح لکن یعارضه قوله صلی اللہ علیہ وسلم فی حدیث الکسوف المتقدم رأیتکن اکثر اهل النار ویجاب بانه لا یلزم من اکثریتهن فی النار نفی اکثریتهن فی الجنة ...ویحتمل ان یکون ذلک فی اول الامر قبل خروج العصاة من النار بالشفاعة۔

وفی عمدة القاری (۱۵/۱۵۲): فان قلت لیس فی الجنة عزب ولکل رجل زوجان فکیف یکون وصفهن بالقلة فی الجنة وبالکثرة فی النار قلت ذکر الحکیم الترمذی وغیره ان الاکثار بکون النساء اکثر اهل النار کان قبل الشفاعة فیهن فعلی کون زوجین لکل رجل یکن اکثر اهل الجنة۔

وفیه ایضاً (۱۵/۱۵۵): (زوجتان) ای من نساء الدنیا ویؤید هذا ما رواه احمد من وجه اخر عن ابي هريرة مرفوعا فی صفة ادنی اهل الجنة منزلة وان له من حور العین ثنتین وسبعین زوجة سوی ازواجه من الدنیا... (فان قلت) یعارضه قوله ﷺ فی حدیث الکسوف "رأیتکن اکثر اهل النار" (قلت) اجیب بانه لایلزم من اکثریتهن فی النار نفی اکثریتهن فی الجنة (فان قلت) یشکل علی هذا قوله ﷺ فی الحدیث الاخر اطلعت فی الجنة فرأیت اقل ساکنیها النساء (قلت) قد ذکرنا فیما مضی عن قریب ان هذا کان قبل الشفاعة۔

وفی شرح المسلم للنووی رحمه الله (۲/۳۷۹): قال القاضی ظاهر هذا الحدیث ان النساء اکثر اهل الجنة وفی الحدیث الاخر انهن اکثر اهل النار قال فیخرج من مجموع هذا ان النساء اکثر ولد آدم قال وهذا کله فی الآدمیات والا فقد جاء ان للواحد من اهل الجنة من الحور العدد الکثیر۔

(۳۲۵) "لانکاح بین العیدین" کا مطلب

سوال

کیا فرماتے ہیں علماء کرام ومفتیان عظام اس مسئلہ کے بارے میں کہ ایک روایت بیان کی جاتی ہے: لانکاح بین العیدین (دوعیدوں کے درمیان نکاح کرنا صحیح نہیں ہے)۔ اس روایت کا کیا مطلب ہے؟ بظاہر مطلب یہ سمجھ میں آتا ہے کہ عید الفطر وعید الضحیٰ کے درمیان نکاح نہیں کرنا چاہیئے؟ کیا یہی مطلب ہے وضاحت فرمادیں۔

الجواب بعون الملک الوھاب

عید الفطر اور عید الضحیٰ کے درمیانی مہینوں میں نکاح اور زفاف دونوں بلا کراہت جائز ہیں بلکہ خود سید الانبیاء ﷺ نے اپنی سب سے زیادہ محبوب ترین زوجہ محترمہ ام المؤمنین حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا سے شوال میں ہی نکاح فرمایا اور شوال میں ہی رخصتی ہوئی۔

اب رہا یہ معاملہ کہ لانکاح بین العیدین کا کیا مطلب ہے تو اگر اس روایت کو صحیح بھی تسلیم کرلیں تو عیدین سے مراد عید الفطر اور عید الضحیٰ نہیں بلکہ صلوٰۃ العید اور صلوٰۃ الجمعۃ مراد ہیں اور یہ قاعدہ کلیہ نہیں بلکہ واقعہ جزئیہ ہے یعنی جمعہ کے دن آپ ﷺ نماز عید سے فارغ ہوئے تو کسی نے نکاح پڑھانے کی درخواست کی۔ سردیوں کے دن تھے جس میں دن چھوٹے ہوتے ہیں اس موقع پر آپ نے فرمایا "لانکاح بین العیدین" کہ صلاۃ عید اور جمعہ کے درمیان نکاح نہیں اور یہ اس لئے فرمایا تاکہ جمعہ کا افضل وقت نکاح کی وجہ سے فوت نہ ہوجائے لہٰذا اس روایت سے عیدین کے درمیان شادی کے عدم جواز پر استدلال کرنا صحیح نہیں ہے۔

لمافی رد المحتار (۸/۳): قال فی البزازیة : والبناء والنکاح بین العیدین جائز وکره الزفاف والمختار انه لایکره لانه علیه الصلوۃ والسلام تزوج بالصدیقة فی شوال وبنی بها فیه وتاویل قوله علیه الصلوۃ والسلام لانکاح بین العیدین ان صح انه علیه الصلوۃ والسلام رجع عن صلوۃ العید فی اکثر ایام الشتاء یوم الجمعة فقاله حتی لایفوته الرواح فی الوقت الافضل الی الجمعة۔

فصل ما يتعلق بتحقيق الروايات

(روایات کی تحقیق کے بیان میں)

(۳۲۶) ''اللهم اعز الاسلام باحد العمرين'' کی تحقیق

سؤال

کیا فرماتے ہیں علماء کرام ومفتیان عظام اس مسئلہ کے بارے میں کہ اکثر علماء سے سننے میں آتا ہے کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے اسلام لانے سے پہلے یہ دعا فرمائی تھی اللهم اعزا لاسلام باحد العمرين یہ حدیث کون سی کتاب میں ہے اور دعا کن الفاظ سے کی گئی؟

الجواب بعون الملك الوهاب

صورت مسئولہ میں سوال میں ذکر کردہ الفاظ کے ساتھ اس روایت کو بے اصل کہا گیا ہے لیکن معنی کے لحاظ سے یہ روایت صحیح ہے کیونکہ اسی مضمون کی دوسری روایات صحیحہ موجود ہیں جن میں دعا کے الفاظ مختلف آئے ہیں ایک روایت میں اللهم اعز الاسلام بأبي جهل بن هشام اوبعمر بن الخطاب جبکہ دوسری میں اللهم اعز الاسلام باحب هذين الرجلين اليك بأبي جهل اوبعمر بن الخطاب کے الفاظ آئے ہیں۔

لما فی كشف الخفاء (۱/۱۵۸) وقال في التمييز وأما يدور على الألسنة قولهم اللهم أيد أو أعز الإسلام بأحد العمرين فلاأعلم له أصلا انتهى ، ونقل النجم عن السيوطي أنه قال وقد اشتهر الآن على الألسنة بلفظ بأحب العمرين ولا أصل له من طرق الحديث بعد الفحص البالغ انتهى ، يعني بهذا اللفظ ، وإلا فمعناه ثابت كما علم مما تقدم.

لمافی الموضوعات الكبير (ص٧٤): اللهم أيد الاسلام باحدالعمرين لااصل له بهذا اللفظ ...

... ومعنى الحديث صحيح ثابت فقد رواه۔

وفی المشكوة (ص٥٥٧): عن ابن عباس رضي الله عنهما عن النبي صلى الله عليه وسلم قال اللهم اعز الاسلام بابي جهل بن

هشام اوبعمر بن الخطاب فاصبح عمر رضی اللہ عنہ فغدا النبی صلی اللہ علیہ وسلم ثم صلی فی المسجد ظاہرا۔

وفی الجامع للترمذی (۲/۲۰۹): عن ابن عمر رضی اللہ عنہ ان رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم قال اللہم اعز الاسلام باحب ہذین الرجلین الیک بابی جہل اوبعمر بن الخطاب قال وکان احبہما الیہ عمر رضی اللہ عنہ۔

(۳۲۷) ''لولاک لماخلقت الافلاک'' کی تحقیق

سؤال

کیافرماتے ہیں علماء کرام ومفتیان عظام اس مسئلہ کے بارے میں کہ ایک شخص کہتا ہے اگر نبی علیہ الصلوٰۃ والسلام نہ ہوتے تو دنیا اور جو کچھ اس میں ہے اس کا وجود نہ ہوتا۔ اور استدلال لولاك لما خلقت الافلاك کی حدیث سے کرتا ہے کیا یہ حدیث صحیح ہے؟ اور اس شخص کا کیا حکم ہے؟

الجواب بعون الملک الوھاب

مذکورہ حدیث الفاظ کے اعتبار سے موضوع ہے لیکن معنی کے اعتبار سے صحیح ہے۔

کماھو مصرح فی الموضوعات الکبیر (ص۱۰۱): لولاك لماخلقت الافلاك قال الصنعانی انہ موضوع کذا فی الخلاصة لکن معناہ صحیح فقد روی الدیلمی عن ابن عباس رضی اللہ تعالی عنہما مرفوعا اتانی جبریل فقال یامحمد لولاك ماخلقت الجنة ولولاك ماخلقت النار وفی روایة ابن عساکر لولاك ماخلقت الدنیا۔

(۳۲۸) ''اختلاف العلماء رحمة'' کی تحقیق

سؤال

کیافرماتے ہیں علماء کرام ومفتیان عظام اس مسئلہ کے بارے میں کہ عام طور پر ایک جملہ سننے میں آتا ہے کہ علماء کا اختلاف رحمت ہے۔ کیا یہ حدیث ہے یا کسی صحابی کا قول ہے یا تابعین میں سے کسی کا قول ہے؟

الجواب بعون الملک الوھاب

یہ حدیث کے الفاظ ہیں اگرچہ سنداً یہ حدیث ضعیف ہے۔

لمافی الموضوعات الکبیر (ص۲۶): اختلاف امتی رحمة زعم کثیر من الائمة انہ لااصل لہ لکن

ذكره القرطبی فی غريب الحديث مستطردا واشعر بان له اصلا عنده وقال السيوطی اخرجه نصرالمقدسی فی الحجة والبيهقی فی الرسالة الشعرية بغيرسند واورده الحليمی والقاضی حسين وامام الحرمين وغيرهم ولعله خرج فی بعض كتب الحفاظ التی لم يصل الينا والله اعلم انتهی وقال الزركشی اخرجه نصر المقدسی فی كتاب الحجة مرفوعا۔

وفی المقاصد الحسنة للسخاوی (ص۵۰): اختلاف امتی رحمة للناس ،وكثر السوال عنه وزعم كثير من الائمة انه لااصل له لكن ذكره الخطابی فی غريب الحديث مستطردا وقال اعترض علی هذا الحديث رجلان احدهما ماجن والآخر ملحد ...... ثم تشاغل الخطابی برد هذا الكلام، ولم يقع فی كلامه شفاء فی عزو الحديث، ولكنه أشعر بان له اصلا عنده۔

(۳۲۹)انچاس کروڑ کے ثواب سے متعلق روایات کی تحقیق

سؤال

کیا فرماتے ہیں علماء کرام ومفتیانِ عظام اس مسئلہ کے بارے میں کہ ہمارا سوال انچاس کروڑ کے بارے میں ہے، مفتی صاحب!تبلیغی ساتھی دعوت وتبلیغ میں نکلنے پرانچاس کروڑ کا ثواب بتاتے ہیں۔کیا یہ ثابت ہے؟ سنا ہے کہ یہ لوگ دوحدیثوں کوضرب دے کر یہ نتیجہ نکالتے ہیں۔اس بارے میں دوسوالوں کا جواب مطلوب ہے۔

۱)۔ایک یہ کہ اس طرح حدیثوں کوضرب دینا کیسا ہے؟ کیا یہ جائز ہے؟

۲)۔سنا ہے کہ ان دوحدیثوں میں اصل جہاد کی فضیلت بیان کی گئی ہے توکیا جہاد کی فضیلت میں وارد حدیث کوتبلیغ پر چسپاں کرنا درست ہے؟

الجواب بعون الملک الوھاب

۱)۔مذکورہ فضیلت دوحدیثوں کوملانے سے حاصل ہوتی ہے۔وہ اس طرح کہ ایک حدیث میں ہے کہ"فی سبیل اللہ"ایک درہم خرچ کرنے کا ثواب سات لاکھ کے برابر ہے۔دوسری حدیث میں ہے کہ اللہ کے راستے میں ایک کا بدلہ سات سوگنا المضاعف ہوتا ہے۔سات لاکھ کوجب سات سو سے ضرب دیا جائے تو انچاس کروڑ بنتا ہے۔اگر چہ اس طرح حدیث کوضرب دے کر بیان کرنے میں کوئی حرج تونہیں۔کیونکہ دونوں باتیں حدیث سے ثابت ہیں لیکن احتیاط اس میں ہے کہ حقیقت ضرب کوواضح کردیا جائے۔تا کہ کسی قسم کا شبہ باقی نہ رہے کیونکہ معاملہ بیانِ حدیث کا ہے،انتہائی نازک موقعہ ہے۔

۲)۔جہاد جہد سے مشتق ہے۔یعنی کوشش کرنا،اس کا اولین مصداق قتال بالسیف ہے۔اس کے علاء کلمۃ اللہ کے لیے ہرکوشش

پر جہاد کا اطلاق ہوسکتا ہے۔ جہاں فضائل جہاد کو تبلیغ کیلئے بیان کیا جاتا ہے اس میں عموماً "فی سبیل اللہ" کے لفظ سے استدلال کیا جاتا ہے۔ لفظِ جہاد اور فی سبیل اللہ کا اطلاق دوسرے دینی کاموں پر ہوسکتا ہے۔ چنانچہ علامہ شامی رحمۃ اللہ علیہ بدائع کے حوالہ سے بیان فرماتے ہیں کہ ("وفی سبیل الله" یدخل فیه جمیع القرب وکل من سعی فی طاعة الله) عبارتِ مذکورہ سے معلوم ہوا کہ ہر وہ کوشش جو اطاعتِ الٰہی سے متعلق ہو اس پر فی سبیل اللہ کا اطلاق ہوسکتا ہے۔ نیز حافظ ابن حجر رحمۃ اللہ علیہ نے تعلیم و تعلم وغیرہ کو جہاد قرار دیا ہے چونکہ تبلیغِ دین کا کام اِسی زمرے میں آتا ہے (اس لئے تبلیغ بھی جہاد کا ہی ایک شعبہ ہوا) لہٰذا جن آیات واحادیث میں جہاد کے فضائل وارد ہوئے ہیں تو ان کو تبلیغ کے فضائل کے مواقع پر بیان کرنے میں کوئی حرج نہیں۔

البتہ وہ آیات واحادیث جو قتال بالسیف کے ساتھ خاص ہیں ان کو کسی دوسرے معنی کی طرف پھیرنا درست نہیں۔

لمافی سنن ابی داؤد (۳۳۸/۲): عن سهل بن معاذ عن ابیه قال: قال رسول الله ﷺ ان الصلوة والصیام والذکر تضاعف علی النفقة فی سبیل الله عزوجل بسبعمائة ضعف۔

وفی سنن ابن ماجة: عن علی بن ابی طالب ...... کلهم یحدث عن رسول الله ﷺ انه قال: من ارسل بنفقته فی سبیل الله، واقام فی بیته فله لکل درهم سبع مائة درهم، ومن غزا بنفسه فی سبیل الله وانفق فی وجه ذلك فله لکل درهم سبع مائة الف درهم ثم تلا هذه الآیة "والله یضاعف لمن یشاء"

وفی فتح الباری (۶/۲): "الجهاد بکسر المیم" اصله لغةً المشقة۔۔وشرعاً بذل الجهد فی قتال الکفار، ویطلق ایضاً علی مجاهدة النفس و الشیطان والفساق، واما مجاهدة النفس فعلی تعلم امور الدین ثم علی العمل بها، ثم علی تعلیمها"

(۳۳۰) "لو بغی جبل علی جبل لدك الباغی" کی تحقیق

سؤال

کیا فرماتے ہیں علماء کرام ومفتیان عظام اس مسئلہ کے بارے میں کہ حدیث لو بغی جبل علی لدك الباغی کتب حدیث میں موجود ہے یا نہیں؟ اگر موجود ہے تو یہ روایت کس درجے کی ہے؟

الجواب بعون الملک الوهاب

یہ روایت کتب احادیث میں موجود ہے لیکن ضعیف ہے۔

لمافی المقاصد الحسنة (ص۳۴۵): حدیث لو بغی جبل علی جبل لدك الباغی، البخاری فی الادب

المفرد حدثنا ابونعيم ......عن ابن عباس به موقوفا وهو عند البيهقى فى الشعب من طريق الاعمش عن ابن يحيى القتات به ورواه ابن مردوية عن طريق قطبة عن الاعمش به مرفوعا ومن طريق الثورى عن الاعمش موقوفا ،ورواه ابن المبارك فى الزهد عن فطرعن ابى يحيى عن مجاهد مرسلا قال ابن ابى حاتم اختلف فيه على ابى يحيى القتات والموقوف اصح وفى الباب عن ابن عمر عند ابن مردوية،وعن انس رضي الله عنه عند ابن حبان فى الضعفاء فى ترجمة احمد بن الفضل وقال انه كان يضع الحديث۔

وفى تذكرة الموضوعات على هامش الموضوعات الكبير (ص۹۹): لوبغى جبل على جبل لجعله الله دكا فيه احمد بن محمد بن الفضل كان يضع الحديث۔

(۳۳۱)"اطلبوا العلم ولو بالصين" کی تحقیق

سؤال

کیا فرماتے ہیں علماء کرام ومفتیان عظام اس مسئلہ کے بارے میں کہ: "اطلبوا العلم ولو بالصين (علم حاصل کرو چاہے چین جانا پڑے)" یہ حدیث ہے یا کسی کا مقولہ ہے۔اگر حدیث ہے تو ضعیف ہے یا نہیں؟

الجواب بعون الملک الوھاب

صورت مسئولہ میں یہ روایت ضعیف ہے بلکہ بعض حضرات نے اس پر موضوع ہونے کا حکم لگایا ہے۔

لمافى المقاصد الحسنة للسخاوى (ص۸۳): اطلبوا العلم ولوبالصين البيهقى فى الشعب والخطيب فى الرحلة وغيرها وابن عبدالبر فى جامع العلم والديلمى كلهم من حديث ابى عاتكة طريف بن سلمان وابن عبد البر وحده من حديث عبيد بن محمد عن ابن عيينة عن الزهرى كلاهما عن انس مرفوعا به وهوضعيف من وجهين بل قال ابن حبان انه باطل لااصل له وذكره ابن الجوزى فى الموضوعات۔

(۳۳۲)تحقیق روایت"العلماء ورثة الانبياء"

سؤال

کیا فرماتے ہیں علماء کرام ومفتیان عظام اس مسئلہ کے بارے میں کہ اردو کی کتاب میں ایک حدیث لکھی ہے کہ علماء کرام انبیاء

کے وارث ہیں۔ اس روایت کے عربی الفاظ معلوم نہیں ہو رہے۔ آپ عربی الفاظ لکھ دیں اور اگر یہ روایت صحاح ستہ میں سے کسی کتاب میں موجود ہو تو اس کا حوالہ ذکر کردیں۔

الجواب بعون الملک الوهاب

صورت مسئولہ میں اس روایت کے الفاظ یہ ہیں:

ان العلماء ورثة الانبياء وان الانبياء لم يورثوا ديناراولادرهما انماورثوا العلم فمن اخذه اخذ بحظ وافر۔ (ابن ماجة ص:۲۰)

وهكذا فی سنن ابي داؤد (۱۵۷/۲)۔۔۔وفی الجامع للترمذی (۹۷/۲)

(۳۳۳) یوم عاشوراء میں حدیث توسع (اہل وعیال پر فراوانی) کی تحقیق

سؤال

کیا فرماتے ہیں علماء کرام اور مفتیان عظام اس مسئلہ کے بارے میں کہ عاشورا کے دن اپنے اہل وعیال پر فراوانی کی حدیث صحیح ہے یا نہیں؟

الجواب بعون الملک الوهاب

عاشورا کے دن اہل وعیال پر فراوانی کی حدیث صحیح ہے اور اس پر عمل کرنا جائز ہے۔

لمافی المقاصد الحسنة (ص۴۲۷): [۱۱۹۳]حديث :من وسع على عياله فی يوم عاشوراء وسع الله عليه السنة كلها،الطبرانی والبيهقی فی الشعب وفضائل الاوقات وابوالشيخ عن ابن مسعود رضی اللہ عنہ ...
وقال ان اسانيده كلها ضعيفة ولكن اذا ضم بعضها الى بعض افاد قوة،بل قال العراقی فی اماليه :لحديث ابي هريرة رضی اللہ عنہ طرق صحح بعضها ابن ناصر الحافظ۔

وفی الدر المختار مع ردالمحتار (۴۱۸/۲): حديث التوسعة على العيال يوم عاشوراء صحيح۔

وفی الشامية : حديث التوسعة وهو من وسع على عياله يوم عاشوراء وسع الله عليه السنة كلها قال جابر جربته اربعين عاما فلم يتخلف ......حديث التوسعة ثابت صحيح كماقال الحافظ السيوطی فی الدرر۔

(۳۳۴) تحقیق روایت "کنت کنز امخفیا الحدیث"

سؤال

کیا فرماتے ہیں علماء کرام ومفتیان عظام اس مسئلہ کے بارے میں کہ یہ جو حدیث قدسی بیان کی جاتی ہے:

"کنت کنزا مخفیا فاحببت ان اعرف فخلقت الخلق لکی اعرف" یہ سنداً ثابت ہے یا نہیں؟

الجواب بعون الملک الوھاب

صورت مسئولہ میں اس کا حدیث قدسی کے طور پر ثبوت تو درکنار سند ضعیف سے بھی آپ ﷺ سے ثابت نہیں ہے ہاں معنی کے اعتبار سے اس کے معنی صحیح ہیں اور اس آیت کے قریب ہیں: وما خلقت الجن والانس الا لیعبدون o

لما فی المقاصد الحسنة للسخاوی (ص۳۳۲): کنت کنزا لا اعرف فاحببت ان اعرف فخلقت خلقا فعرفتهم بی فعرفونی قال ابن تیمیة :انه لیس من کلام النبی ﷺ ولایعرف له سند صحیح ولاضعیف وتبعه الزرکشی وشیخنا۔

وفی الموضوعات الکبیر (ص۹۳):کنت کنزا لااعرف فاحببت ان اعرف فخلقت خلقا فعرفتهم بی فعرفونی قال ابن تیمیة لیس من کلام النبی ﷺ ولایعرف له سند صحیح ولاضعیف وتبعه الزرکشی والعسقلانی لکن معناه صحیح مستفاد من قوله تعالی (وماخلقت الجن والانس الالیعبدون) ای لیعرفون کما فسره ابن عباس رضی اللہ عنہ۔

(۳۳۵) تحقیق روایت "کنت نبیا وآدم بین الماء والطین"

سؤال

کیا فرماتے ہیں علماء کرام ومفتیان عظام اس مسئلہ کے بارے میں کہ یہ جو حدیث بیان کی جاتی ہے "کنت نبیا وآدم بین الماء والطین" یہ صحیح سند سے ثابت ہے یا نہیں؟ کتب معتبرہ کے حوالہ جات سے مسئلہ واضح فرمائیں۔

الجواب بعون الملک الوھاب

یہ روایت ان الفاظ کے ساتھ تو ثابت نہیں لیکن دوسری روایات کے ہم معنی ہونے کی وجہ سے اس کے معنی صحیح ہیں۔

لما فی المقاصد الحسنة للسخاوی (ص۳۳۳): واما الذی علی الالسنة بلفظ کنت نبیا وآدم بین الماء

والطين فلم نقف عليه بهذا اللفظ فضلا عن زيادة۔ وكنت نبيا ولاآدم ولا ماء۔

وفی الموضوعات الکبیر (ص۹۲): كنت نبيا وآدم بين الماء والطين قال السخاوی لم اقف عليه ...... وقال الزركشی لااصل له بهذا اللفظ ولكن فی الترمذی متی كنت نبيا قال وآدم بين الروح والجسد وفی صحيح ابن حبان والحاكم عن العرباض بن سارية ان عندالله لمكتوب خاتم النبيين وان آدم لمنجدل فی طينه قال السيوطی وزاد العوام ولاماء ولاطين ولااصل له ايضا يعنی بحسب معناه والافهو صحيح باعتبار معناه لماتقدم۔

(۳۳۶) تحقیق "لهدم الكعبة حجراً حجراً أهون من قتل المسلم"

سؤال

ایک حدیث ہے جو زبانِ زدِ عام ہے "لهدم الكعبة حجراً حجراً أهون من قتل المسلم" (کعبہ کی اینٹ سے اینٹ بجانا کسی مسلمان کا خون بہانے سے کم گناہ ہے) کیا اس حدیث کی صحیح سند ہے؟

الجواب بعون الملك الوهاب

یہ روایت باعتبار لفظ ضعیف اور معناً صحیح ہے۔

لمافی المقاصدالحسنة (ص۳۴۴): لهدم الكعبة حجراحجرا اهون من قتل المسلم لكن لم اقف عليه بهذا اللفظ ولكن فی معناه ماعندالطبرانی فی الصغير عن انس رضی الله عنه رفعه: من آذی مسلما بغير حق فكانما هدم بيت الله ونحوه غير واحد من الصحابة۔

وفی الموضوعات الكبير (ص۹۸): لهدم الكعبة حجراحجرا اهون من قتل المسلم قال السخاوی لم اقف بهذا اللفظ ولكن فی معناه ماعندالطبرانی فی الصغير عن انس رضی الله عنه رفعه من اذی مسلم بغير حق فكانما هدم بيت الله۔

(۳۳۷) "انامدينة العلم الخ" اس روایت کی تحقیق

سؤال

کیا فرماتے ہیں علماء کرام ومفتیان عظام اس مسئلہ کے بارے میں کہ کیا یہ روایت صحیح ہے "ان النبی صلی الله عليه

وسلم قال انا مدينة العلم وابوبكر اساسها وعمر حيطانها وعثمان سقفها وعلی بابها"۔ (یعنی آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ میں علم کا شہر ہوں، اور حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ اس کی بنیاد ہیں اور حضرت عمر رضی اللہ عنہ اس کی دیواریں ہیں اور حضرت عثمان رضی اللہ عنہ اس کی چھت ہیں اور حضرت علی رضی اللہ عنہ اس کے دروازے ہیں)۔ کیا یہ روایت ثابت ہے؟ نیز یہ بھی بتائیں یہ ضعیف حدیث ہے یا صحیح؟ براہِ کرم مفصل انداز میں جواب دیں۔

الجواب بعون الملک الوھاب

صورت مسئولہ میں مذکورہ روایت کے بارے میں علماء کرام نے کلام کیا ہے، اور اس کے اکثر الفاظ کو ضعیف و رکیک قرار دیا ہے، لہٰذا اس روایت کو حضور پاک صلی اللہ علیہ وسلم کی طرف منسوب کر کے بیان کرنے سے اجتناب کیا جائے۔

لمافی المقاصد الحسنة(ص۱۱۵): عن ابن مسعود رفعه: أنا مدينة العلم، وابوبكر اساسها، وعمر حيطانها، وعثمان سقفها، وعلى بابها۔

وعن انس مرفوعا، أنا مدينة العلم، وعلى بابها ومعاوية حلقتها، وبالجملة فكلها ضعيفة والفاظ اكثرها ركيكة۔

وفی كشف الخفاء (۱/۲۰۴): انا مدينة العلم، وابوبكر اساسها، وعمر حيطانها، وعثمان سقفها وعلى بابها وروى الديلمی بلا اسناد عن ابن مسعود رفعه۔

وفی اللآلی المصنوعة فی الاحاديث (۱/۳۳۰): كان ابو سعد اسماعيل بن المثنی الاسترابادی يعظ بدمشق فقام اليه رجل، فقال ايها الشيخ ماتقول فی قول النبی صلی الله عليه وسلم أنا مدينة العلم وعلى بابها قال فاطرق لحظه ثم رفع رأسه قال نعم لا يعرف هذا الحديث على التمام الامن كان صدرا فی الاسلام۔ انما قال النبی صلی الله عليه وسلم انا مدينة العلم وابوبكر اساسها وعمر حيطانها وعثمان سقفها وعلى بابها قال فاستحسن الحاضرون ذلك وهو يردده ثم سألوه ان يخرج له اسناده فاغتنم ولم يخرجه لهم الخ۔

رسالة

الکلمات الغریبة

فی تحقیق حدیثٍ یُروی فی القرابۃ القریبۃ

قرابت قریبہ میں نکاح سے متعلق ایک حدیث روایت کی جاتی ہے،

"لا تنکحوا القرابة القریبة فان الولد یخلق ضاویا"

اس حدیث کی مکمل تحقیق اور مالہ وماعلیہ کا بیان

(۳۳۸) قرابت داری میں نکاح نہ کرنے سے متعلق حدیث کی تحقیق

سؤال

کیا فرماتے ہیں علماء کرام ومفتیانِ عظام اس مسئلے کے بارے میں کہ بندے نے احیاء علوم الدین میں ایک حدیث پڑھی:

"لا تنکحوا القرابة القریبة فإن الولد یخلق ضاویا" (الحدیث) (احیاء ۲/۵۷)

اس سے تو قرابت داری میں نکاح سے اجتناب کرنا معلوم ہوتا ہے اس کے حاشیہ پر علامہ عراقی رحمۃ اللہ علیہ نے ابن صلاح رحمۃ اللہ علیہ کے حوالے سے اس کی کسی اصل معتمد کا نہ پایا جانا بتایا ہے لیکن علامہ عراقی نے ہی حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے حوالے سے اس کا مشابہ ذکر کیا ہے......... تو کیا اس حدیث سے استدلال ہوسکتا ہے؟ اس حدیث سے متعلق چند باتیں دریافت طلب ہیں:

۱)۔ یہ حدیث کسی حدیث کی کتاب مثلاً بیہقی، ابن ابی شیبہ وغیرہ میں ہے؟

۲)۔ اس کی مکمل سند، مع اسم الصحابی ذکر کردیں۔

۳)۔ کسی محدث نے اسے موضوع کہا ہو تو ذکر کردیں کیونکہ اصل معتمد کا نہ پایا جانا وضع پر دال نہیں اگر یہ حدیث فقط ضعیف ہو تو

ایک حد تک مع شرائط قابلِ استدلال ہے؟

۴)۔ابن الجوزی، ملا علی قاری رحمۃ اللہ علیہ وغیرہ نے اس حدیث پر کوئی تبصرہ کیا ہو تو تحریر فرما دیں۔ازراہ کرم تحقیق فرما کر جواب مرحمت فرمائیں۔

الجواب بعون الملک الوھاب

مشہور کتب احادیث اور دیگر احادیث کی کتب میں نہ تو یہ حدیث ہے اور نہ ہی اس حدیث کی کوئی سند ملتی ہے اسی وجہ سے علامہ ابن صلاح رحمۃ اللہ علیہ (المتوفی ۶۴۳ھ) اس حدیث کے بارے میں فرماتے ہیں:

"لم أجد له أصلاً معتمداً" (المغنی عن حمل الأسفار فی تخریج ما فی الإحیاء من الأخبار للعراقی علی ھامش الإحیاء ۵۷/۲، مکتبہ رشیدیہ کوئٹہ)

ترجمہ: کہ مجھے اس حدیث کی کوئی باعتماد اصل نہیں ملی۔

علامہ ابن صلاح رحمۃ اللہ علیہ جو شوافع کے بڑے محدثین اور فقہاء میں شمار ہوتے ہیں، حدیث اور اصولِ حدیث میں ان کو مہارت تامہ حاصل ہے انکا اس حدیث کے بارے میں یہ کہنا کہ ((لم أجد له أصلاً معتمداً)) اس بات پر دال ہے کہ مشہور ذخیرہ أحادیث میں اس حدیث کی کوئی باعتماد اصل نہیں ہے۔

ابن صلاح رحمۃ اللہ علیہ کے قول کی تائید السید مرتضی بن محمد الزبیدی (المتوفی ۱۲۰۵ھ) تاج الدین السبکی رحمۃ اللہ علیہ (المتوفی ۷۷۱ھ)، سراج الدین ابوحفص عمر بن علی المعروف بابن الملقن (المتوفی ۸۰۴)، ناصر الدین البانی اور دیگر محدثین نے کی ہے[1]۔

امام غزالی رحمۃ اللہ علیہ (المتوفی ۵۰۵ھ) نے احیاء علوم الدین میں اس حدیث کی نسبت آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی طرف کی ہے۔(احیاء علوم الدین للغزالی، ۲/۵۷، کتاب النکاح)

لیکن صحیح یہ ہے کہ یہ حدیث مرفوعاً ثابت نہیں ہے چنانچہ ملک المحدثین محمد طاہر پٹنی (المتوفی ۹۸۶ھ) اس حدیث کے بارے میں لکھتے ہیں: ((ولیس بمرفوع)) کہ حدیث مرفوع نہیں ہے۔(تذکرۃ الموضوعات للفتنی ص ۱۲۷ کتب خانہ مجیدیہ ملتان)

محمد بن علی الشوکانی (المتوفی ۱۲۵۵ھ) اس حدیث کے متعلق لکھتے ہیں: ((قال فی المختصر لیس بمرفوع)) (الفوائد المجموعة فی الاحادیث الموضوعة ۱/۱۳۱، ط: دار الکتب العلمیة)

ناصر الدین البانی اس حدیث کے بارے میں لکھتے ہیں: لا اصل له مرفوعاً ...... لا أصل له من کلامه علیه الصلاة والسلام... کہ مرفوعاً اس حدیث کی کوئی اصل نہیں ہے۔(سلسلة الاحادیث الضعیفة والموضوعة... للالبانی ۱۱/۶۰۵، ط:

---

[1] دیکھئے: (اتحاف السادات المتقین بشرح إحیاء علوم الدین للزبیدی، ۳۴۹/۵، ط: المیمنیة) (وطبقات الشافعیة الکبری للسبکی ۳۱۰/۶، ط: دار احیاء الکتب العربیة: القاھرہ مصر) (والبدر المنیر لابن الملقن الشافعی ۵۰۰/۷، ط: دار الھجرۃ ریاض)

مکتبة المعارف ریاض)

لہٰذا جب تک مرفوعاً اس حدیث کی کوئی اصل نہیں ملتی اس وقت تک رسول اکرم ﷺ کی طرف منسوب کر کے بیان کرنا درست نہیں۔ جن احادیث کی کوئی اصل نہ ہو، یا ان کی "سند" معلوم نہ ہو، اور نہ ہی وہ حدیث، حدیث کے کسی معتبر امام کی کتاب میں منقول ہو وہ حدیث قابل قبول اور قابل استدلال نہیں ہوتی، چنانچہ ملک المحدثین محمد طاہر پٹنیؒ لکھتے ہیں:

((واعلم ان الأحاديث التي لا أصل لها لا تقبل، والتي لا اسنادلها لا يروى بها. ففي الحديث التي "اتقوا الحديث عني الا ما علمتم فمن كذب على متعمداً فليتبوا مقعده من النار" فقيدﷺ الرواية بالعلم، وكل حديث ليس له إسناد صحيح ولا هو منقول في كتاب لا يعلم ذلك الحديث عنه فلا يجوز قبوله: ففي مسلم "كفى بالمرء كذبا أن يحدث بكل ما سمع" وفيه يكون في آخر الزمان كذابون دجالون يأتون بأحاديث بمالم تسمعوا أنتم ولا آباؤكم فإياكم لا يضلونكم ولا يفتنونكم)). (تذكرة الموضوعات للفتني ص٦)

محدثین کی تصریح کے مطابق مذکورہ بالا حدیث کی کوئی باعتماد اصل نہیں ہے، اور نہ ہی اس کی کوئی سند معلوم ہے لہٰذا یہ حدیث قابل حجت نہیں ہے البتہ حافظ ابراہیم بن اسحاق الحربی (المتوفی ۲۸۵ھ) نے اپنی کتاب "غریب الحدیث" میں حضرت عمر رضی اللہ عنہ سے ایک حدیث نقل کی ہے جس کو علامہ عراقی رحمۃ اللہ علیہ (المتوفی ۸۰۶ھ) نے بھی ان کے حوالہ سے المغنی عن حمل الاسفار ... (۲/۵۷) میں نقل کیا ہے، وہ حدیث یہ ہے کہ "قال عمر قد أضويتم فانكحوا في النوابغ" ترجمہ: کہ تمہارے بچے کمزور پیدا ہوگئے ہیں لہٰذا غیروں (رشتہ داروں کے علاوہ) میں شادی کرو۔

اس حدیث سے مذکورہ مسئلہ کے بارے میں صرف استیناس حاصل کیا جا سکتا ہے۔ چنانچہ ابن الملقن الشافعی لکھتے ہیں:

((ولم ارانا في الباب في كتاب حديثي ما يستأنس به إلا ما وجدت في غريب الحديث لإبراهيم الحربي من حديث عبدالله المؤمل، عن ابي مليكه قال: قال عمر قد أضويتم فانكحوا في النوابغ))۔ ترجمہ: کہ مجھے اس مسئلہ (قرابت داروں میں شادی نہ کرنے کے متعلق) کے بارے میں استیناس کیلئے بھی حدیث کی کسی کتاب میں حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے قول کے علاوہ اور کوئی حدیث نہیں ملی الخ۔ (البدر المنير في تخريج الأحاديث والاثار الواقعة في الشرح الكبير لابن الملقن (۷/۵۰۰، ط: دار الهجرة الرياض السعوديه)۔

حضرت عمر رضی اللہ عنہ سے جو حدیث منقول ہے اس حدیث کے راویوں میں "عبداللہ بن المؤمل" ایک مجروح راوی ہے۔ جس کی وجہ سے حدیث قابل استدلال نہیں ہے، جن احادیث میں عبداللہ بن المؤمل روایت کرنے میں راوی سے متفرد ہوں وہ احادیث قابل حجت نہیں اور مذکورہ حدیث میں بھی "عبداللہ بن المؤمل" ابو ملیکۃ راوی سے روایت کرنے میں متفرد ہے، لہٰذا یہ حدیث قابل حجت نہیں ہے، چنانچہ حافظ ابن حجر (المتوفی ۸۵۲ھ) "عبداللہ ابن المؤمل" کے بارے میں أئمہ جرح وتعدیل کے اقوال نقل کر کے لکھتے ہیں:

عبدالله بن المؤمل...... قال صالح بن احمد عن ابيه كان قاضياً بمكة وليس بذاك. قال عبدالله بن احمد عن ابيه احاديثه مناكير ...... وقال ابن ابي خيثمة وغير واحد عن ابن معين ضعيف. وقال النسائي ضعيف. قال ابو داود منكر الحديث. قال ابو زرعة وابو حاتم ليس بقوى. ...... قال ابن عدى احاديثه عليها الضعف بين ...... قلت وقد ذكره ابن حبان فى الضعفاء وقال لا يجوز الاحتجاج بخبره إذا انفرد...... قال على بن الجنيد شبه المتروك...... قال العقيلي: لا يتابع على كثير من حديثه. قال الدار قطني ضعيف... [1]

(تهذيب التهذيب لابن حجر ۲۷۹/۳، ط: دار احياء التراث العربي)

نیز صحابہ کرام اور دیگر حضرات کا تعامل بھی اس حدیث کے خلاف ہے اس لئے کہ صحابہ کرام رضوان اللہ علیہم اجمعین نے اپنے قرابت داروں سے نکاح کئے ہیں [2]۔

تقی الدین السبکی الشافعی فرماتے ہیں کہ قریبی رشتہ داروں سے شادی نہ کرنے پر کوئی شرعی دلیل نہیں ہے ((قال السبكي، فينبغي ان لا يثبت هذا الحكم لعدم الدليل وقد زوج النبي صلى الله عليه وسلم عليا بفاطمة رضى الله عنهما وهى قرابة قريبة))۔ (نهاية المحتاج للرملي ۱۸۱/۶، ۱۸۲۔ مغني المحتاج ۱۲۷/۳، بحواله المفصل فى احكام المرأة لعبد الكريم زيدان ۵۳/۶، ط: مؤسسة الرسالة)

نوٹ: (۱) "احیاء علوم الدین" تربیۃ وتزکیۃ کیلئے ایک بہترین کتاب ہے لیکن اس میں بہت سی موضوع احادیث بھی ہیں، علامہ ذہبی رحمۃ اللہ علیہ (المتوفی ۷۴۸ھ) اس کتاب کے متعلق لکھتے ہیں: ((قلت اما الإحياء ففيه من الاحاديث الباطلة وفيه خير كثير لولا مافيه من أداب ورسوم وزهد من طرائق الحكماء ومنحر الصوفية . . . . . .))

ابن الجوزی (المتوفی ۵۹۷ھ) اس کتاب کے متعلق فرماتے ہیں:

---

[1] دیکھئے تفصیل کیلئے: (كتاب الجرح والتعديل ۱۱۵/۵، ط: دار الفكر) (والكامل فى ضعفاء الرجال لابن عدى ۲۲۱/۵۔ ۲۲۶، دار الكتب العلمية) (والضعفا الكبير للعقيلي ۳۰۳/۲، ط: دار الكتب العلمية) (وتقريب التهذيب لابن حجر ۴۵۴/۱، ط: شركة الطباعة المتحدة بمصر) (وتهذيب الكمال للمزى ۱۸۷/۱۶، ط: مؤسسة الرسالة ترجمة ۳۵۹۹) (وخلاصة التهذيب للخزرجي ۱۰۴/۲، ط: المكتبة الأثرية: باكستان)

[2] دیکھئے: البداية والنهاية ۲۵۷/۵، ط: دار الكتب العلمية۔ اسد الغابة ۴۵۵/۲، وايضاً ۷۸/۴، ط: دار احياء التراث العربي۔ وصحيح البخاري ۷۶۵/۲، ط: قديمي كتب خانه۔ المصنف لابن ابي شيبة ۱۴۷/۹، ادارة القرآن۔

صنف ابو حامد(الإحیاء) وملاه بالأحادیث الباطلة ولم یعلم بطلانها ۔ (سیر اعلام النبلاء، ۳۳۰/۱۴۔ ۳۳۲، ط:دار الفکر)

تقی الدین السبکی رحمۃ اللہ علیہ نے "طبقات الشافعیۃ الکبریٰ" میں امام غزالی کے حالات بیان کرتے ہوئے ایک مستقل فصل ان احادیث کیلئے باندھی ہے جو"احیاء علوم الدین" میں ہیں اور انہیں اُن احادیث کی کوئی اصل نہیں ملی، منجملہ ان احادیث کے جن کی کوئی اصل انہیں نہیں ملی یہ حدیث بھی شامل ہے جو سوال میں ذکر ہے۔ (طبقات الشافعیۃ الکبری، ۶/ ۲۸۷، ۳۸۹، ط: داراحیاء الکتب العربیۃ مصر)

(۲) "غریب الحدیث" کے نام سے جو کتب لکھی گئی ہیں ان کے مصنفین کا مقصود، حدیث میں جو مشکل الفاظ ہوں ان کا معنی بیان کرنا ہوتا ہے چاہے وہ حدیث ضعیف یا موضوع ہی کیوں نہ ہو، "غریب الحدیث" نامی کتب میں بہت سی احادیث ایسی ہیں جن کی کوئی اصل نہیں ہے، حضرت عمر رضی اللہ عنہ کی حدیث جس "غریب الحدیث" نامی کتاب میں ہے اس کے مصنف حافظ حربی رحمۃ اللہ علیہ خود فرماتے ہیں کہ ۱۵۳ احادیث میری کتاب میں ایسی ہیں جن کی کوئی اصل نہیں ہے۔ (سیر اعلام النبلاء ۱۰/ ۶۷۴، ط: دارالفکر)

لہٰذا "غریب الحدیث" نامی کتاب اور "احیاء علوم الدین" میں موجودہ احادیث جو مشہور کتب حدیث میں نہیں ملتیں ان احادیث کو دلیل کے طور پر پیش کرنے سے پہلے ان کی صحت کی تحقیق کر لینی چاہیئے[1]۔

---

[1] قرابت قریبہ میں نکاح افضل ہے یا اجانب میں ؟؟؟ اس مسئلہ سے متعلق روایت ھذا سے بعض حضرات کا استدلال اور اس بحث کے تمام مندرجات سے متعلق تفصیلی فتوی نجم الفتاوی جلد چہارم میں "الاجابة عن تحذیر بعض الناس من نکاح القرابة" کے نام سے ملاحظہ ہو۔ از مرتب فرحان حسن عفی عنہ

(۳۳۹) حدیث "الصلوۃ خلف عالم تقی" کی تحقیق

سؤال

کیا فرماتے ہیں علماء کرام ومفتیان عظام اس مسئلہ کے بارے میں کہ بعض لوگوں سے ایک روایت سنی ہے اس کی تحقیق مطلوب ہے۔ روایت یہ ہے کہ متقی عالم کے پیچھے نماز پڑھنا ایسا ہے جیسا کہ کسی نبی کی اقتداء میں نماز پڑھنا، کیا یہ روایت صحیح ہے؟ یا صرف لوگوں میں ہی مشہور ہے؟ براہ کرم جلد تحقیق کر کے بتائیں۔

الجواب بعون الملک الوھاب

صورت مسئولہ میں ذکر کردہ حدیث "من صلی خلف عالم تقیّ فکأنما صلی خلف نبیّ" (ترجمہ: جس شخص نے متقی عالم کے پیچھے نماز پڑھی گویا کہ اس نے نبی کے پیچھے نماز پڑھی) محدثین نے اس حدیث کے بارے میں کلام کیا ہے۔ بعض حضرات نے بے اصل کہا، علامہ زیلعی رحمۃ اللہ علیہ نے نصب الرایہ میں اس حدیث کو غریب کہا اور بعض شواہد بھی نقل کئے ہیں۔ اس وجہ سے اس حدیث کی کچھ نہ کچھ اصل ملتی ہے۔

لمافی المقاصد الحسنة للسخاوی(ص۳۱۱): وما وقع فی الهداية للحنفية بلفظ: من صلی خلف عالم تقیّ فكأنما صلی خلف نبیّ فلم أقف عليه بهذا اللفظ۔

وفی الموضوعات الكبریٰ(ص۱۲۷): وكذا قول صاحب الهداية لقوله عليه السلام: من صلی خلف تقیّ فكأنما صلّی خلف نبیّ۔ غير معروف كما قال مخرّجه۔ وقال السخاوی: لم أقف عليه بهذا اللفظ۔

وفيه فی مقام آخر(ص۲۳۵): حديث: من صلی خلف عالم تقیّ فكأنما صلّی خلف نبی۔ لا اصل له۔

وفی نصب الراية(۲/۲۸): الحديث الحادی والستون: قال عليه السلام: من صلی خلف عالم تقیّ فكأنما صلی خلف نبیّ قلت غريب۔ وروی الطبرانی فی معجمه حدثنا محمد بن عثمان بن أبی شيبة... قال رسول الله صلی الله عليه وسلم: إن سرّكم أن تقبل صلوتكم فليؤمكم علماؤكم، فإنهم وفدكم فيما بينكم وبين ربّكم، ۔ ورواه الحاكم فی المستدرك فی كتاب الفضائل، عن يحی بن يعلی به سندا ومتنا إلا انه قال: فليؤمكم خياركم، و سكت عنه۔ وروی الدار قطنی، ثم البيهقی فی سننهما الخ۔

وفی البناية (۲/۳۱۳): لقوله عليه الصلاة والسلام "من صلی خلف عالم تقیّ فكأنما صلی خلف نبیّ"

هذا الحديث غريب ليس فى كتب الحديث۔ لكن روى الطبرانى مافى معناه من حديث يزيد بن أبي زيد للعلوى قال قال رسول الله صلى الله عليه وسلم إن سركم ان تقبل صلاتكم فليؤمكم علماؤكم فإنهم فيما بينكم وبين ربكم۔ رواه الحاكم فى مستدركه فى فضائل الأعمال عن يحى بن يعلى به سنداً ومتنا، إلا أنه قال فليؤمكم خياركم وسكت عنه و روى الدار قطنى ثم البيهقى فى سننهما عن إبن عمر رضی اللہ عنہ قال قال رسول الله ؐ اجعلوا أئمتكم خياركم فإنهم وفدكم فيما بينكم وبين الله تعالىٰ، قال البيهقى إسناده ضعيف، وقال ابن القطان فيه الحسين بن نصير لا يعرف۔

(۳۴۰) السلطان المسلم ظل الله فى الارض كى تحقيق

سؤال

کیافرماتے ہیں علماء کرام ومفتیان عظام اس مسئلہ کے بارے میں کہ آج کل خطبوں میں پڑھاجاتا ہے "والسلطان المسلم ظل اللہ فی الارض من اھان سلطان اللہ فی الارض اھانہ اللہ" یہ حدیث ہے یا کسی کا مقولہ ہے؟اس کا خطبے میں پڑھنا کیسا ہے؟ کیا آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے دور میں بھی اس طرح پڑھاجاتا تھا؟اگر یہ حدیث ہےتو اب بھی اس کا حکم باقی ہے یا نہیں؟

الجواب بعون الملک الوھاب

صورت مسئولہ میں یہ الفاظ حدیث کے ہیں البتہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم سے یا صحابہ کرام رضوان اللہ علیہم اجمعین معین سے یہ الفاظ خطبہ میں پڑھنا ثابت نہیں ہے لیکن فقہاء نے خلفاء راشدین رضوان اللہ علیہم اجمعین، حضرت حمزہ وعباس رضی اللہ عنہما کے ذکر کو مستحب لکھا ہے۔بادشاہوں اورسلاطین کے لئے خطبہ میں دعا کرنا جائز ہے بشرطیکہ وہ عادل ہوں اگر عادل وصالح نہ ہوں تومکروہ تحریمی ہے۔

لمافى جامع الترمذى (۴۶/۲): حدثنا بزار ......عن زياد بن كسيب العدوى قال كنت مع ابى بكرة تحت منبر ابن عامر وهو يخطب ...... فقال ابوبكرة اسكت سمعت رسول الله صلى الله عليه وسلم يقول من اهان سلطان الله فى الارض اهانه الله هذا حديث حسن غريب۔

وفى المقاصد الحسنة (ص۱۲۳): [۲۰۷]حديث انما السلطان ظل الله ورمحه فى الارض۔ ابوالشيخ والبيهقى والديلمى وعباس الترقفى وآخرون عن انس رضی اللہ عنہ مرفوعا :اذامررت ببلدة ليس فيها سلطان فلاتدخلها، انما السلطان، وذكره لفظ الآخرين، وفى لفظ للديلمى وابى نعيم وغيرهما من جهة قتادة عن انس رضی اللہ عنہ مرفوعا :السلطان ظل الله ورمحه فى الارض، فمن نصحه ودعا له

اهتدی،ومن دعاعلیه ولم ینصحه ضل، وهماضعیفان لکن فی الباب عن ابی بکر وعمر وابن عمر وابی بکرة وابی هریرة رضی الله عنهم وغیرها کمابینتهاواضحة فی جزء رفع الشکوك فی مفاخر الملوك۔

وفی الدرالمختار (۲/۱۴۹): ویندب ذکر الخلفاء الراشدین والعمین لاالدعا للسلطان وجوزه القهستانی ،ویکره تحریما وصفه بمالیس فیه۔

وفی الشامیة : واشار الشارح بقوله وجوز الی حمل قوله ثم یدعوا الخ علی الجواز لاالندب لانه حکم شرعی لابدله من دلیل۔

(۳۴۱)روایت "من ضرب اباه فاقتلوه، العنکبوت شیطان فاقتلوه" کی تحقیق

سؤال

کیافرماتے ہیں علماء کرام ومفتیان عظام اس مسئلہ کے بارے میں کہ بعض روایات میں آتا ہے "من ضرب اباه فاقتلوه ،العنکبوت شیطان فاقتلوه" یہ حدیث صحیح ہے یانہیں؟اگرصحیح ہےتو پھراس کاکیامطلب ہے؟

الجواب بعون الملک الوهاب

صورت مسئولہ میں "العنکبوت شیطان فاقتلوه "والی روایت اگرصحیح تسلیم کرلی جائے پھربھی "انہا جند من جنود الله" والی روایت سے یہ منسوخ ہے۔

اور "من ضرب اباه فاقتلوه "والی روایت مراسیل سعید بن مسیب میں سے ہے جس پر بعض حضرات نے کلام کیاہےاور اگراسے بھی صحیح تسلیم کرلیاجائےتواس کامعنی یہ ہوگا کہ اسے مقتول اورمردہ کی طرح سمجھو۔

لمافی کنزا لعمال (۱۵/۴۲)، وفی مراسیل ابی داؤد(ص۲۰): عن یزید بن المرثد المرعی قال قال رسول اللهﷺ العنکبوت شیطان فاقتلوه۔

وفی مراسیل ابی داؤد (ص۱۹)، کنزالعمال (۱۶/۴۸۱)، جامع الاحادیث الکبیر (۷/۲۷۰): عن سعید بن المسیب قال قال النبیﷺ من ضرب اباه فاقتلوه۔

وفی مقدمة مراسیل ابی داؤد (ص۴): وفی التدریب تکلم الحاکم علی مراسیل سعید فقط دون سائر من ذکر معه۔

وفی روح البیان (۳/۴۳۳): قال العلماء ویکفی للعنکبوت شرفا نسجها علی الغار ونهی

النبی ﷺ یومئذ عن قتل العنکبوت ......واما قوله علیه السلام العنکبوت شیطان فاقتلوه وفی لفظ العنکبوت شیطان مسخه الله فاقتلوه فان صح فلعله صدر قبل الغار فهومنسوخ۔

وفی مجمع بحار الانوار (۲۱۱/۴): من دعاالی امارة نفسه اوغیره من المسلمین فاقتلوه ای اجعلوه کالمقتول بان لاتقبلواله قولا وکذا اذا بویع لخلیفتین فاقتلوا الآخرای اجعلوا دعوته واجعلوا کمن مات۔

(۳۴۲) حضرت بلال رضی اللہ تعالیٰ عنہ کا جنت میں آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے قبل داخل ہونے والی حدیث کا حکم

سؤال

کیافرماتے ہیں علماء کرام ومفتیانِ عظام اس مسئلہ کے بارے میں کہ ایک خطیب سے سنا کہ حضرت بلال قیامت کے روز آپ علیہ الصلوٰۃ والسلام کی سواری کی لگام تھامے آگے آگے چلیں گے اور جنت میں بھی آپ صلی اللہ علیہ وسلم سے قبل داخل ہوجائیں گے؟ کیا یہ کسی حدیث سے ثابت ہے؟ راقم سمجھتا ہے کہ پھر تو قوی اشکالات واقع ہوں گے۔

(۱)۔انبیاء سے قبل سیدنا بلال رضی اللہ عنہ کا دخولِ جنت لازم آئے گا۔

(۲)۔حضرت صدیق اکبر سے قبل سیدنا بلال کا دخولِ جنت لازم آئے گا۔

جبکہ دونوں خلافِ منصوص ہیں نیز بطورِ دربان دخول کا جواب بھی قوت نہیں رکھتا کیونکہ یہ عام مقام نہیں مقامِ خلد جنت میں داخلہ ہے جس کے لیے دربان کو روک کر اولاً منصوص انبیاء اور حضرات کا داخلہ ممکن ہے۔ازراہِ کرم تفصیل تحریر فرمادیں۔

الجواب بعون الملک الوھاب

صورت مسئولہ میں مذکورہ روایت "حضرت بلال رضی اللہ عنہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی سواری کی لگام تھامے آگے چلیں گے اور جنت میں بھی آپ صلی اللہ علیہ وسلم سے پہلے داخل ہوجائیں گے" باوجود تلاش کے کسی مستند حدیث کی کتاب میں نہیں ملی۔البتہ حضرت علامہ ابن قیم جوزی رحمۃ اللہ علیہ نے اپنی کتاب "حادی الارواح" میں یہ روایت نقل فرمائی ہے کہ "قیامت میں جب آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو اٹھایا جائے گا تو اس وقت حضرت بلال رضی اللہ عنہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے سامنے اذان دیں گے۔

سوال میں مذکورہ اشکال کا جواب یہ دیا کہ حضرت بلال رضی اللہ عنہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے دخول جنت کے وقت اذان دیں گے جو درحقیقت آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم ہی کے اعزاز میں ہوگا، کہ جب حور وملائک، انبیاء سابقین ان کی امتیں اور تمام جنتی جنت میں سب سے پہلے داخل ہونے والی ذات اقدس سید المرسلین والآخرین کے محوانتظار ہوں گے اس وقت آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے خادم خاص خزانچی رسول اور اسلام کے مؤذن اوّل جو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی پوری زندگی سفر وحضر میں آپ کے مؤذن رہے، آج ہر بادشاہ سے بڑھ کر بادشاہ کی شان و

شوکت لیے ہوئے حضور اقدس صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی سواری کا اعلان کرتے ہوئے جنت میں داخل ہوں گے۔

یہاں یہ معاملہ اس ذات اقدس کے جنت میں داخل ہونے کا ہے جس کیلئے کون و مکان سجائے گئے، ایسے وقت میں آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے ساتھ ایسے خادم خاص کا ساتھ ہونا آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم ہی کے اعزاز اور استیناس کے واسطے ہوگا۔ اسی طرح صدیق اکبر رضی اللہ عنہ سے قبل دخولِ جنت بھی صدیق اکبر کے اعزاز و اکرام کے طور پر ہوگا کیونکہ حضرت بلال رضی اللہ عنہ کو دونوں حضرات سے خصوصی نسبت ہے آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے مؤذنیت کی تو صدیق اکبر رضی اللہ عنہ نے انہیں ظلم کے پنجے سے خرید کر آزاد کیا تھا۔ لہٰذا حضرت بلال رضی اللہ عنہ کے دخول سے کوئی اشکال لازم نہیں آتا۔

لمافی حاد الارواح الباب السابع والعشرون فی ذکر السابقین من هذه الامة (۷۹) دارالکتب:
فان قيل فما تقول فی الحدیث الذی رواه الامام احمد والترمذی وصححه من حدیث بریده بن الحصیب قال: ''اصبح رسول الله صلى الله عليه وسلم فدعا بلالا فقال یا بلال بم سبقتنی الی الجنة فما دخلت الجنة قط الاسمعت خشخشلت امامی'' ... فقال بلال یا رسول الله ما اذنت قط الاوصلیت رکعتین وما اصابنی قط الاتوضات عندها ورأیت ان الله تعالیٰ علی رکعتین فقال رسول الله صلى الله عليه وسلم بذلك'' قيل فتلقاه بالقبول والتصديق ولا يدل على ان احدا يسبق رسول الله صلى الله عليه وسلم الى الجنة واما تقدم بلال بين يدى رسول الله صلى الله عليه وسلم فی الجنة فلان بلالا كان يدعو الى الله او لا بالاذان فيتقدم اذانه بين يدى النبى صلى الله عليه وسلم فتقدم بين يديه كالحاجب والخادم وقدروى فى الحديث ''ان النبى صلى الله عليه وسلم يبعث يوم القيامة وبلال بين يديه ينادى بالاذان'' فتقدمه بين يديه صلى الله عليه وسلم كرامة لرسوله واظهار الشرفه وفضلا لا سبقا من بلال له بل هذا السبق من جنس سبقه الى الوضوء ودخول المسجد ونحوه۔

(۳۴۳) مؤمن کی شان کا بیان

سؤال

کیا فرماتے ہیں علماء کرام و مفتیان عظام اس مسئلہ کے بارے میں کہ عام طور پر بیان کیا جاتا ہے کہ اللہ تعالیٰ کے نزدیک مومن کی شان بیت اللہ سے بھی زیادہ ہے کیا یہ بات صحیح ہے؟ کیا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم بھی اس میں شامل ہیں؟

الجواب بعون الملک الوھاب

صورت مسئولہ میں یہ بات صحیح ہے کہ مومن کی شان وعزت بیت اللہ سے زیادہ ہے اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی شان وعزت نہ

صرف بیت اللہ بلکہ دنیا کی ہر چیز سے زیادہ ہے۔ یہاں تک کہ آپ کے جسم اطہر کے ساتھ لگنے والی مٹی عرش وکرسی سے افضل ہے۔

لمافی الجامع للترمذی (۲/۲۳): ونظر ابن عمر یوماالی البیت اوالی الکعبة فقال ماأعظمك واعظم حرمتك والمومن اعظم حرمة الله منك۔

وهكذا فی الترغیب والترهیب (۳/۱۶۹)

وفيه ايضا (۳/۲۰۱): عن عبدالله بن عمرو رضی اللہ عنہ قال :رأيت رسول الله صلی اللہ علیہ وسلم يطوف بالكعبة ويقول ماأطيبك وماأطيب ريحك، ماأعظمك وماأعظم حرمتك والذی نفس محمد بيده لحرمة المؤمن عندالله اعظم من حرمتك۔

وفی المرقاة (۶/۱۰): وعن عبدالله بن عدی بن حمرا قال رأيت رسول الله صلی اللہ علیہ وسلم واقفا على الحزورة فقال والله انك لخيرارض الله واحب ارض الله الى الله ولولا انی أخرجت منك ماخرجت ......فيه تصريح بان مكة افضل من المدينة كماعليه الجمهور الاالبقعة التی ضمت اعضاء ه عليه الصلوة والسلام فانها افضل من مكة بل من الكعبة بل من العرش اجماعا۔

وفی الدرالمختار مع ردالمحتار (۲/۶۲۶): ومكة افضل منها على الراجح الاماضم اعضاء ه عليه الصلوة والسلام فانه افضل مطلقا حتى من الكعبة والعرش والكرسی۔

وفی الشامية: .... والخلاف فيماعدا موضع القبر المقدس فماضم اعضاء ه الشريفة فهو افضل بقاع الارض بالاجماع۔

(۳۴۴) سب سے پہلے آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے نور کو پیدا کیا گیا کا حدیث سے ثبوت، نور اور بشر میں افضل کون

سؤال

کیا فرماتے ہیں علماء کرام ومفتیان عظام اس مسئلہ کے بارے میں کہ بعض لوگ کہتے ہیں کہ اللہ تعالی نے سب سے پہلے آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے نور کو پیدا کیا۔ کیا کسی حدیث سے ایسا ثابت ہے؟ نیز نور اور بشر میں فضیلت کس کو حاصل ہے نور کو یا بشر کو؟ تفصیل سے جواب عنایت فرمائیں۔

الجواب بعون الملک الوهاب

تفسیر روح البیان میں ''قد جاء کم من اللہ نور و کتاب مبین'' الآیۃ کے ذیل میں یہ روایت نقل کی ہے:

"روی عن النبی صلی اللہ علیہ وسلم انه قال كنت نوراً بين يدی ربی قبل خلق ادم باربعة عشر الف عام وكان

یسبح ذلك النور وتسبح الملائکة بتسبیحه فلما خلق الله ادم القی ذلك النور فی صلبه"

(۳۷۰/۲)

''نبی ﷺ سے روایت کیا گیا ہے کہ آپ نے فرمایا حضرت آدم علیہ الصلوٰۃ والسلام کی پیدائش سے چار ہزار سال پہلے میں اپنے رب کے سامنے نور (کی صورت) تھا اور فرشتوں کی تسبیح اس نور کی تسبیح کے مطابق تھی۔ پھر جب اللہ تعالی نے حضرت آدم علیہ الصلوٰۃ والسلام کو پیدا فرمایا تو اس نور کو ان کی صلب (حقیقت) میں شامل کر دیا''

اسی طرح حضرت حکیم الامت تھانوی رحمۃ اللہ علیہ نے اپنی کتاب ''نشر الطیب فی ذکر النبی الحبیب ﷺ'' کی پہلی فصل میں جو نور محمدی کے عنوان سے قائم ہے، ان روایات کو جمع کیا ہے، جن سے معلوم ہوتا ہے کہ حضرت محمد ﷺ نور سے پیدا ہوئے لیکن حضرت تھانوی رحمۃ اللہ علیہ نے ان روایات کی شرح میں لکھا ہے کہ اس نور سے مراد ''روح'' ہے، اسی طرح ان روایات سے آپ کا باطنی اعتبار سے نور ہونا معلوم ہوتا ہے کہ آپ باطنی اعتبار سے نور تھے کیونکہ آپ ''ھادی للامۃ'' تھے، البتہ ظاہری اعتبار سے بشر ہی تھے۔ جس پر بے شمار نصوص قرآنیہ اور احادیث دال ہیں، لہٰذا آپ ﷺ کو نور کہہ کر آپ کی بشریت کی نفی کرنا یہ قرآن وسنت کے خلاف ہے، چنانچہ بطور نمونہ ہم چند ایک آیات اور احادیث آپ کے سامنے پیش کرتے ہیں۔ سب سے پہلے اللہ تعالی کتاب وشریعت کے عطا فرمانے کا ضابطہ بیان کر رہے ہیں۔ چنانچہ فرمایا

مَا كَانَ لِبَشَرٍ اَنْ يُّؤْتِيَهُ اللّٰهُ الْكِتَابَ وَالْحُكْمَ وَالنُّبُوَّةَ ثُمَّ يَقُوْلَ لِلنَّاسِ كُوْنُوْا عِبَادًا لِّيْ مِنْ دُوْنِ اللّٰهِ وَلٰكِنْ كُوْنُوْا رَبَّانِيِّيْنَ بِمَا كُنْتُمْ تُعَلِّمُوْنَ الْكِتَابَ وَبِمَا كُنْتُمْ تَدْرُسُوْنَ۔

(آل عمران:۷۹)

(ترجمہ: کسی بشر سے یہ نہیں ہو سکتا کہ اللہ تعالی اسے کتاب وحکمت اور نبوت عطا فرمائیں، پھر وہ لوگوں سے یوں کہے کہ تم اللہ کو چھوڑ کر میرے بندے بن جاؤ لیکن وہ یہ کہے گا کہ تم اللہ والے ہو جاؤ، اس وجہ سے کہ تم کتاب سکھاتے ہو اور اس وجہ سے کہ تم پڑھتے ہو۔)

یہاں پر اس بات کو بھی بیان کیا جا رہا ہے کہ کتاب، حکمت اور نبوت بشر ہی کو ملا کرتی ہے، بلکہ اللہ تعالی نے ایک دوسری جگہ پر اس سے بھی زیادہ صراحت فرمائی جب کفار کہنے لگے کہ ہم میں سے کسی بشر کو رسول کیوں بنایا بلکہ اللہ تعالی اس پر بھی تو قادر تھے کہ فرشتوں میں سے کسی کو رسول بنا کر بھیج دیتے، تو اس کے جواب میں اللہ تعالی نے اپنا ضابطہ بیان فرمایا کہ ہم جیسی مخلوق ہو ویسا ہی رسول بھی ان کی طرف بھیجا کرتے ہیں چنانچہ فرمایا:

قُلْ لَّوْ كَانَ فِي الْاَرْضِ مَلٰٓئِكَةٌ يَّمْشُوْنَ مُطْمَئِنِّيْنَ لَنَزَّلْنَا عَلَيْهِمْ مِّنَ السَّمَآءِ مَلَكًا رَّسُوْلًا۝

(بنی اسرائیل:۹۵)

(ترجمہ: آپ فرما دیجئے کہ اگر زمین میں فرشتے ہوتے جو اطمینان سے چلتے پھرتے تو ضرور یہ بات ہوتی کہ ہم ان پر فرشتوں

کو رسول بنا کر اتار دیتے)

ایک دوسری جگہ جب لوگوں نے انبیاء کی طرف طرح طرح کی باتیں منسوب کرنا شروع کر دیں تو اللہ تعالیٰ نے انبیاء کے مشترکہ جواب کا ذکر فرمایا کہ انبیاء نے اس کے جواب میں کیا فرمایا؟

قَالَتْ لَهُمْ رُسُلُهُمْ اِنْ نَّحْنُ اِلَّا بَشَرٌ مِّثْلُكُمْ وَلٰكِنَّ اللّٰهَ يَمُنُّ عَلٰى مَنْ يَّشَآءُ مِنْ عِبَادِهٖ وَمَا كَانَ لَنَآ اَنْ نَّاْتِيَكُمْ بِسُلْطٰنٍ اِلَّا بِاِذْنِ اللّٰهِ وَعَلَى اللّٰهِ فَلْيَتَوَكَّلِ الْمُؤْمِنُوْنَ (ابراهيم:۱۱)

(ترجمہ: ان رسولوں نے ان سے کہا ہم تمہارے ہی جیسے آدمی ہیں لیکن اللہ تعالیٰ اپنے بندوں میں سے جس پر چاہتا ہے احسان فرماتا ہے اور ہمارے بس کی یہ بات نہیں کہ ہم تمہارے سامنے کوئی معجزہ اللہ کے حکم کے بغیر لا سکیں اور ایمان والوں کو اللہ ہی پر بھروسہ کرنا چاہیئے۔)

ایک اور جگہ پر کفار کے ایمان نہ لانے کے عذر غیر معقول کو بیان کرتے ہوئے فرمایا:

وَمَا مَنَعَ النَّاسَ اَنْ يُّؤْمِنُوْٓا اِذْ جَآءَهُمُ الْهُدٰٓى اِلَّآ اَنْ قَالُوْٓا اَبَعَثَ اللّٰهُ بَشَرًا رَّسُوْلًا۔

(بنی اسرائیل:۹۴)

(ترجمہ: اور لوگوں کو ایمان قبول کرنے سے صرف اس بات نے روکا کہ جب ان کے پاس ہدایت آئی تو صرف یہی بات کہنے لگے کہ کیا اللہ نے بشر کو رسول بنایا ہے)

اسی طرح جب کفار نے انبیاء کے ہاتھ پر معجزات کی شکل میں عجائبات قدرت کا مشاہدہ کیا تو انہوں نے انبیاء کے بارے میں طرح طرح کی قیاس آرائیاں کرنی شروع کر دیں تو اس کے جواب میں اللہ تعالیٰ نے فرمایا:

قُلْ اِنَّمَآ اَنَا بَشَرٌ مِّثْلُكُمْ يُوْحٰٓى اِلَيَّ اَنَّمَآ اِلٰهُكُمْ اِلٰهٌ وَّاحِدٌ۔ الآية (الكهف:۱۱۰)

(ترجمہ: آپ فرما دیجئے کہ میں تو بشر ہی ہوں تمہارے جیسا میری طرف یہ وحی آتی ہے کہ تمہارا معبود ایک ہی معبود ہے)

یہ تو چند نمونے آیات کے تھے جس میں اللہ تعالیٰ نے انبیاء کی بشریت کو بیان فرمایا اس کے علاوہ احادیث میں بھی خود آپ ﷺ کی صراحت موجود ہے کہ آپ ظاہری اعتبار سے بشر ہی تھے چنانچہ ''بخاری شریف'' (۱/۳۳۲) پر یہ روایت موجود ہے۔

حدثنی عروة ابن زبیر ان زینب بنت ام سلمة اخبرته ان ام سلمة رضی اللہ عنہا زوج النبی ﷺ اخبرتها عن رسول الله ﷺ انه سمع خصومة بباب حجرته فخرج الیهم فقال انما انا بشر وانه یأتینی الخصم فلعل بعضکم ان یکون ابلغ من بعض فاحسب انه قد صدق واقضی له بذلك فمن قضیت له بحق مسلم فانما هی قطعة من النار فلیاخذها اوفلیترکها۔

یعنی ام سلمۃ رضی اللہ عنہا نبی کریم ﷺ کے بارے میں بتلاتی ہیں کہ آپ ﷺ نے حجرے کے دروازے پر جھگڑے کی آواز سنی آپ ان کی طرف نکلے اور ان سے فرمایا (یعنی فیصلہ کے وقت) کہ میں بشر ہوں اور میرے پاس جھگڑنے کے بعد لوگ آتے ہیں تو ہوسکتا

ہے کہ کوئی ایک فریق دوسرے سے زیادہ اپنی بات کو واضح انداز میں بیان کر سکے اور میں اس کو سچا سمجھ کر اس کیلئے فیصلہ کر دوں، پس جس کے لئے میں دوسرے کے حق کا فیصلہ کروں تو یہ آگ کا ایک ٹکڑا ہے چاہے تو وہ لے لے اور چاہے تو چھوڑ دے۔

اب اس صراحت کے بعد بھی اگر کوئی آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے بشریت کی نفی کرے کہ جب قرآن وسنت میں بالکل واضح اور صاف الفاظ سے بشریت کو بیان کر دیا تو ایسے شخص کیلئے صرف دعا ہی کی جاسکتی ہے کہ اللہ تعالی اسے ہدایت عطا فرمادیں۔ آمین

۲۔ نور اور بشر میں افضل کون ہے؟ تو اگر نور سے مراد فرشتے ہیں کہ فرشتوں اور انسانوں میں افضل کون ہے؟ تو ملا علی قاری رحمۃ اللہ علیہ نے نقل کیا ہے کہ خواص فرشتے عام اولیاء اور علماء سے افضل ہیں اور عام فرشتے عام مومنین سے افضل ہیں البتہ انبیاء کو عام وخاص دونوں طرح کے فرشتوں پر فضیلت حاصل ہے، اسی طرح علماء اولیاء کو عام فرشتوں پر فضیلت حاصل ہے۔

اگر مطلق نور اور بشر مراد ہو کہ ان میں کون افضل ہے تو علی الاطلاق بشر ہی کو افضلیت حاصل ہے اس صورت میں یہ صرف نور سے ہی نہیں بلکہ تمام مخلوقات سے افضل ہے یہی وجہ ہے کہ اسے اشرف المخلوقات کہا جاتا ہے، جس کے کئی ایک قرائن ہیں، بشر کی تخلیق کے بعد فرشتوں سے سجدہ کروانا، فرشتوں کے سامنے اس کا امتحان اور اس کی تمام پر فوقیت، اللہ تعالی کا اسے اپنا خلیفہ بنانا اور خلافت والی فضیلت ایسی ہے کہ اگر بشر کی کوئی اور فضیلت نہ بھی ہوتی تو یہ تنہا اس کی ساری مخلوقات پر فضیلت کے لئے کافی تھی۔

لما في التفسير الكبير (۶/۱۹۴): قال تعالى ''قد جاء كم من الله نور وكتاب مبين'' وفيه اقوال الاول ان المراد بالنور محمد وبالكتاب القرآن والثاني ان المراد بالنور الاسلام وبالكتاب القرآن الثالث النور والكتاب هو القرآن وهذا ضعيف لان العطف يوجب المغايرة بين المعطوف والمعطوف عليه وتسمية محمد والاسلام والقرآن بالنور ظاهرة لان النور الظاهر هوا لذى يتقوى به البصر على ادراك الاشياء الظاهرة والنور الباطن ايضا هو الذى تتقوى به البصيرة على ادراك الحقائق والمعقولات۔

وفي جامع العقائد (ص۳۶۹): منها تفضيل الملائكة فخواصهم افضل بعد الانبياء عليه السلام من عموم الاولياء والعلماء رحمهم الله وافضلهم جبرائيل عليه السلام كما في حديث رواه الطبراني وعامة الملائكة افضل من عامة المومنين لكونهم مجرمين والملائكة معصومون۔

هكذا في شرح فقه الاكبر (ص۱۱۸)

باب ما يتعلق بالصحابة

(صحابہ کرام رضوان اللہ علیہم اجمعین سے متعلق سوالات)

(۳۴۵) مرض الوفات میں نمازیں کس نے اور کتنی پڑھائیں؟

سؤال

آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے مرض الوفات میں صحابہ رضوان اللہ علیہم اجمعین کو نماز کون پڑھاتا رہا اور کتنی نمازیں ایسی تھیں کہ بیماری کی وجہ سے آپ نماز پڑھانے نہ آسکے اور دوسرے کسی صحابی نے وہ نمازیں پڑھائیں؟

الجواب بعون الملک الوھاب

حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے مرض الوفات میں حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ صحابہ رضوان اللہ علیہم اجمعین کو نماز پڑھاتے رہے اور آپ رضی اللہ عنہ نے نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی بیماری کے ایام میں صحابہ رضوان اللہ علیہم اجمعین کو سترہ نمازیں پڑھائیں۔

لما فی الصحیح للبخاری (۹۳/۱): عن ابی موسی قال مرض النبی صلی اللہ علیہ وسلم فاشتد مرضه فقال مروا ابابکر فلیصل بالناس...... فاتاه الرسول فصلی بالناس فی حیاة النبی صلی اللہ علیہ وسلم۔

وفی فیض الباری (۲۰۵/۲): فقال البیھقی انه لم یشھد سبع عشر صلوات احداھا عشاء یوم الخمیس واخری فجر یوم الاثنین۔

وفی البدایة والنھایة (۲۰۷/۵): وقال الزھری عن ابی بکر عن ابی سبرة ان ابابکر صلی بھم سبع عشرة صلاة۔

(۳۴۶) حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے نماز میں کن کن صحابہ رضوان اللہ علیہم اجمعین کی اقتدا کی؟

سؤال

کیا فرماتے ہیں علماء کرام ومفتیان عظام اس مسئلہ کے بارے میں کہ حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے کن کن صحابہ رضوان اللہ علیہم اجمعین کی اقتداء

میں نماز ادا فرمائی۔ بحوالہ جواب عنایت فرمائیں۔

الجواب بعون الملک الوهاب

ہر نبی نے اپنی اپنی امت میں سے کسی نہ کسی نیک آدمی کی اقتداء میں نماز پڑھی ہے کمافی روایة ابن سعد نقلها العلامة شیخ الاسلام شبیر احمد العثمانی رحمه الله فی فتح الملهم (۳/۲۷)۔

چنانچہ آپ علیہ الصلاۃ والسلام نے بھی دو صحابہ رضوان اللہ علیہم اجمعین کی اقتداء میں نماز ادا فرمائی ہے، البتہ دونوں موقع پر آپ علیہ الصلوٰۃ والسلام مسبوق تھے، ایک حضرت عبدالرحمن بن عوف رضی اللہ عنہ کی اقتداء میں ۹ھ بروز جمعرات غزوہ تبوک سے واپسی کے موقع پر فجر کی دوسری رکعت ادا فرمائی۔ دوسرے حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کی اقتداء میں مرض الوفات کے موقع پر فجر کی دوسری رکعت ادا فرمائی۔

لمافی فتح الباری(۲/۱۳۹): وتعقب بصلاته صلى الله عليه وسلم عبدالرحمن بن عوف رضي الله عنه وهو ثابت بلاخلاف وصح ایضا انه صلی خلف ابی بکر رضي الله عنه۔

وفی سنن ابی داؤد(۱/۲۰): ان عروة بن المغيرة بن شعبة اخبره انه سمع اباه المغيرة يقول عدل رسول الله صلى الله عليه وسلم وانا معه فی غزوة تبوك قبل الفجر فعدلت معه فاناخ النبی صلى الله عليه وسلم فتبرز ثم جاء فسكبت علی يده من الاداوة فغسل كفيه ثم غسل وجهه ثم حسر عن ذراعيه فضاق كما جبته فادخل يديه... حتی نجد الناس فی الصلوة قد قدموا عبدالرحمن بن عوف رضي الله عنه فصلی بهم حين كان وقت الصلوة ووجدنا عبدالرحمن رضي الله عنه وقدركع بهم ركعة من صلوة الفجر، فقام رسول الله صلى الله عليه وسلم فصفّ مع المسلمين فصلی وراء عبدالرحمن رضي الله عنه بن عوف الركعة الثانية ثم سلم عبدالرحمن فقام النبی صلى الله عليه وسلم فی صلوته ففرغ المسلمون فاكثروا التسبيح لانهم سبقوا النبی صلى الله عليه وسلم بالصلوة فلما سلّم رسول الله صلى الله عليه وسلم قال لهم قد اصبتم اوقد احسنتم۔

وفی فتح الباری(۲/۱۳۳): وبهذا يجاب عن الفرق بين المقامين حيث امتنع ابوبكر هنا ان يستمرّ اماما وحيث استمرّ فی مرض موته صلى الله عليه وسلم حين صلی خلفه الركعة الثانية من الصبح كما صرّح به موسیٰ بن عقبة فی المغازی، فكانه لمّا ان مضی معظم الصلاة حسن الاستمرار ولما ان لم يمض منها الا اليسير لم يستمر، وكذا وقع لعبدالرحمن بن عوف حيث صلّی النبی صلى الله عليه وسلم خلفه الركعة الثانية من الصبح فانه استمر فی صلاته اماما لهذا لمعنی۔

وفی فتح الملهم(۳/۲۷): وفی رواية ابن سعد فصلينا الركعة التی ادركنا، وقضينا التی سبقتنا، فقال صلى الله عليه وسلم حين صلی خلف عبدالرحمن: ''ماقبض نبی قط حتی صلی خلف رجل صالح من امته''

وفی بذل المجهود(۸۹/۱): وغزوة تبوك هی آخر ماغزاها رسول اللهﷺ بنفسه خرج اليها فی رجب سنة تسع يوم الخميس۔

(۳۴۷) حضرت عثمان وعلی رضی اللہ عنہما پرسب وشتم کرنے والے کا حکم

سؤال

کیافرماتے ہیں علماء کرام ومفتیان عظام اس مسئلہ کے بارے میں کہ ایک شخص حضرت عثمان اور حضرت علی رضی اللہ عنہما کو گالی دیتا ہے۔اب اس شخص کے بارے میں کیاحکم ہے؟ کیااس سے یہ شخص کافر ہوجائے گا یانہیں؟

الجواب بعون الملک الوھاب

صورت مسئولہ میں ایسا شخص گمراہ اور فاسق ہے۔اس کوفوراًاس عمل سے توبہ کرنا چاہیئے البتہ اس سے وہ کافرنہیں ہوگا۔

لمافی الشامية (۷۲/۴): فی الخلاصة ان سب الختنين ليس بكفر والمراد بالختنين عثمان وعلی رضی الله عنهما۔

وفيه ايضا (۲۳۷/۴): فی فتح القدير ان الخوارج الذين يستحلون دماء المسلمين واموالهم ويكفرون الصحابة حكمهم عند جمهور الفقهاء واهل الحديث حكم البغاة ......ولاتقبل شهادة من يظهر سب السلف لانه يكون ظاهر الفسق ......وقال الزيلعی أويظهر سب السلف يعنی الصالحين منهم وهم الصحابة والتابعون۔

(۳۴۸) صحابہ رضوان اللہ علیہم اجمعین معیارحق ہیں یانہیں؟

سؤال

کیافرماتے ہیں علماء کرام ومفتیان عظام اس مسئلہ کے بارے میں کہ صحابہ رضوان اللہ علیہم اجمعین معیارحق ہیں یانہیں؟اگر معیارحق ہیں توجولوگ اس کاانکارکرتے ہیں ان کاکیاحکم ہے؟ کیایہ لوگ اہل سنت والجماعت سے خارج ہیں؟

الجواب بعون الملک الوھاب

صحابہ کرام رضوان اللہ علیہم اجمعین معیارحق ہیں یعنی ان کے اقوال وافعال حق وباطل کی کسوٹی ہیں۔ان حضرات نے جوکچھ فرمایااورجو دینی کام کئے وہ ہمارے لئے مشعل راہ اورذریعہ نجات وفلاح ہے اور جولوگ اس کاانکارکرتے ہیں وہ فاسق وفاجر ہیں اوراہل سنت

والجماعت سے خارج ہیں۔

لمافی قولہ تعالی (التوبہ:۱۰۰):وَالسّٰبِقُونَ الاَوَّلُونَ مِنَ الْمُهَاجِرِيْنَ وَالأَنْصَارِ وَالَّذِيْنَ اتَّبَعُوْهُمْ بِإِحْسَانٍ رَّضِيَ اللهُ عَنْهُمْ وَرَضُوْا عَنْهُ وَأَعَدَّ لَهُمْ جَنّٰتٍ تَجْرِيْ تَحْتَهَا الأَنْهٰرُ

(البقرہ : ۵):أُولٰئِكَ عَلٰى هُدًى مِّن رَّبِّهِمْ وَأُولٰئِكَ هُمُ الْمُفْلِحُوْنَ

(الحجرات : ۷):أُولٰئِكَ هُمُ الرَّاشِدُوْنَ

(البینہ : ۸): رَضِيَ اللهُ عَنْهُمْ وَرَضُوْا عَنْهُ

وفی المشکوۃ (صـ۳۰): عن عبدالله بن عمر رضی اللہ عنہ قال قال رسول اللهﷺ لیأتين على امتی کمااتی علی بنی اسرائیل ... وان بنی اسرائیل تفرقت على ثنتين وسبعين ملة وتفترق امتی علی ثلث وسبعين ملة كلهم فی النار الاملة واحدة قالوا من هی یارسول الله قال ماانا علیه واصحابی۔

وفیہ ایضا (صـ۳۲): عن ابن مسعود رضی اللہ عنہ قال من كان مستنا فليستن بمن قد مات فان الحی لاتؤمن عليه الفتنة اولئك اصحاب محمدﷺ كانوا افضل هذه الامة ابرها قلوبا ...وتمسكوا بما استطعتم من اخلاقهم وسيرهم فانهم كانوا على الهدى المستقيم۔

وفیہ ایضا (صـ۵۵۴): عن عمر بن الخطاب رضی اللہ عنہ قال سمعت رسول اللهﷺ يقول سألت ربی عن اختلاف اصحابی من بعدی فاوحی الی یامحمد ان اصحابك عندی بمنزلة النجوم فی السماء بعضهااقوی من بعض ولكل نور فمن اخذبشئ مما هم عليه من اختلافهم فهو عندی علی هدی قال وقال رسول اللهﷺ اصحابی كالنجوم فبايهم اقتديتم اهتديتم۔

وفیہ ایضا (صـ۵۶۰): عن حذيفة رضی اللہ عنہ قال قال رسول اللهﷺ انی لاادری مابقائی فيكم فاقتدوا بالذين من بعدی ابی بکر وعمر۔

رسالة

تنبیہ العقول

برفع الشبہات عن "الصحابہ کلھم عدول"

صحابہ کرام رضوان اللہ علیہم اجمعین مطلقاً عادل ہیں یعنی روایت اور عام زندگی دونوں میں صحابہؓ کی تعدیل کی جائیگی۔

حضرت شاہ عبدالعزیز رحمۃ اللہ علیہ کے حوالے سے اس پر ایک شبہ اور اس کا جواب

(۳۴۹) "الصحابہ کلھم عدول" تمام صحابہؓ عادل ہیں پر ایک شبہ کا جواب

سؤال

کیا فرماتے ہیں علماء کرام و مفتیانِ عظام اس مسئلہ کے بارے میں کہ شاہ عبدالعزیز رحمۃ اللہ علیہ نے فتاویٰ عزیزی میں "الصحابة کلھم عدول" کی تشریح کرتے ہوئے (ص ۳۶۲) پر فرمایا کہ اس کا تعلق فقط صحابہ رضوان اللہ علیہم اجمعین کی عدالت بالروایۃ سے ہے باقی پوری حیات میں عدالت سے اس کا چنداں تعلق نہیں یعنی صحابہ رضوان اللہ علیہم اجمعین روایت کے باب میں تو بعید عن الکذب ہیں مگر دیگر زندگی میں عدالت سے فروتر ہو سکتے ہیں۔ بندہ عاجز راقم اثیم کافی عرصے سے تذبذب کا شکار ہے کہ شاہ عبدالعزیز رحمۃ اللہ علیہ کی عبارت کا کیا مطلب ہے؟ میرا ناقص خیال یہ ہے اور تھا کہ صحابہ رضوان اللہ علیہم اجمعین اپنی پوری حیات میں موصوف بالعدالۃ ہیں اور مقولہ "الصحابہ کلھم عدول" اس پر ہی قول کیا گیا ہے اور یہی احقر نے اپنے بڑوں اور اساتذہ سے سنا تھا، لہٰذا شاہ عبدالعزیز صاحب رحمۃ اللہ علیہ کا فتویٰ اس سے معارض معلوم ہوتا ہے۔

برائے مہربانی مفتی صاحب "الصحابة کلھم عدول" یہ حدیث ہے یا قول؟ نیز یہ صحابہ رضوان اللہ علیہم اجمعین کی پوری حیات سے متعلق ہے یا صرف باب روایت سے؟ نیز شاہ عبدالعزیز صاحب رحمۃ اللہ علیہ کی تحقیق تفرد ہے یا مبہم ہے یا اس کا کوئی محمل ہے؟ ان تینوں سوالوں کا جواب مدلل عنایت فرما کر اہل السنۃ والجماعت کا صحابہ رضوان اللہ علیہم اجمعین کے بارے میں عقیدہ واضح فرمائیں۔

الجواب بعون الملک الوھاب

"الصحابة کلھم عدول" یہ حدیث نہیں ہے بلکہ یہ اہل السنۃ والجماعت کا عقیدہ ہے کہ تمام صحابہ رضوان اللہ علیہم اجمعین اپنی زندگی میں تمام پہلو کے اعتبار سے موصوف بالعدالۃ ہیں، اس پر قرآن وحدیث کے نصوص وتصریحات شاہد ہیں اور اس پر امت کا اجماع ہے کہ کسی صحابی سے اگر عمر بھر میں کوئی گناہ سرزد ہو گیا تو وہ اس پر قائم نہیں رہتا، نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی صحبت ونصرت اور دین کی خدمات عظیمہ اور ان کی بے شمار حسنات کی وجہ سے اللہ تعالیٰ ان کو فوراً توبہ کی توفیق دے کر ان کی معافی کا اعلان فرمادیتے ہیں اور ان کی موت اس سے پہلے نہ ہوگی کہ ان کا گناہ معاف ہو کر وہ صاف ہو جائیں اسی لئے ان میں سے کسی بھی صحابی کو ساقط العدالۃ یا فاسق نہیں کہا جا سکتا۔ صدورِ گناہ کے وقت اس پر تمام وہی احکام نافذ ہوں گے جو دوسرے مسلمانوں پر ہوتے ہیں۔ حد شرعی یا تعزیری سزائیں جو عام مسلمانوں کیلئے ہیں وہ ان پر بھی جاری کی جائیں گی، اور صدورِ گناہ کے وقت اس عمل کو فسق بھی کہا جائے گا جیسا کہ آیت "إِنْ جَاءَكُمْ فَاسِقٌ بِنَبَإٍ" سے معلوم ہوتا ہے مگر چونکہ ان کی توبہ یا معافی بنص قرآن معلوم ہو چکی ہے اس لئے ان کو کسی وقت بھی ساقط العدالۃ فاسق نہیں کہا جائے گا جیسا کہ علامہ آلوسی رحمۃ اللہ علیہ نے تفسیر "روح المعانی" میں مذکورہ آیت کے ماتحت تحقیق فرمائی ہے۔

باقی جہاں تک حضرت شاہ عبدالعزیز رحمۃ اللہ علیہ کے فتویٰ کا تعلق ہے تو اس کے متعلق مفتی اعظم پاکستان حضرت مفتی شفیع صاحب رحمۃ اللہ علیہ نے اپنی کتاب "مقام صحابہ" (ص ۶۰) (مطبوعہ ادارۃ المعارف کراچی) میں اس طرح لکھا ہے:

> "اور بعض علماء نے جو عدم عصمت اور عموم عدالت کے تضاد سے بچنے کیلئے "عدالت" کے مفہوم میں یہ ترمیم فرمائی کہ یہاں عدالت سے مراد تمام اوصاف و اعمال کی عدالت نہیں بلکہ صرف روایت میں کذب نہ ہونے کی عدالت مراد ہے یہ لغت وشرع پر ایک زیادتی ہے جس کی کوئی ضرورت اور کوئی وجہ نہیں اور ان حضرات کے پیش نظر بھی اس ترمیم کا یہ مطلب ہرگز نہیں کہ وہ اس کی رو سے کسی صحابی کو اپنے عمل و کردار کی حیثیت سے ساقط العدالۃ یا فاسق قرار دینا چاہتے ہیں ان کے کلمات دوسرے مواقع میں خود اس کی نفی کرتے ہیں۔
>
> اسی طرح کا ایک مضمون حضرت شاہ عبدالعزیز دہلوی رحمۃ اللہ علیہ کی طرف ان کے فتاویٰ کے حوالے سے منسوب کیا گیا ہے یہ مضمون کئی وجہ سے ایسا ہے کہ حضرت شاہ عبدالعزیز رحمۃ اللہ علیہ جیسے جامع علوم بزرگ کی طرف اس کی نسبت کسی طرح سمجھ میں نہیں آتی اور "فتاویٰ عزیزی" کے نام سے جو مجموعہ شائع ہو رہا ہے اس کے متعلق یہ سب کو معلوم ہے کہ حضرت شاہ عبدالعزیز رحمۃ اللہ علیہ نے نہ خود ان کو جمع فرمایا ہے نہ ان کی زندگی میں وہ شائع ہوا ہے وفات کے معلوم نہیں کتنے عرصہ بعد مختلف لوگوں کے پاس جو ان کے خطوط وفتاویٰ دنیا میں پھیلے ہوئے تھے ان کو جمع کر کے یہ مجموعہ شائع ہوا ہے اس میں بہت سے احتمالات ہو سکتے ہیں کہ کسی نے کوئی تدلیس اس میں کی ہو اور غلط بات ان کی طرف منسوب کرنے کیلئے فتاویٰ کے مجموعے میں شامل کر دیا ہو، اور اگر بالفرض یہ واقعی حضرت شاہ عبدالعزیز رحمۃ اللہ علیہ ہی کا قول ہے تو وہ بھی بمقابلہ جمہور علماء وفقہاء کے متروک ہے"

(واللہ اعلم) انتھی

خلاصہ کلام یہ ہوا کہ صحابہ رضوان اللہ علیہم اجمعین کے متعلق اہل السنۃ والجماعت کا عقیدہ یہ ہے کہ تمام صحابہ رضوان اللہ علیہم اجمعین اپنی پوری حیات میں ہر پہلو سے عادل تھے اور سب اسی عدالت ہی پر وفات پائے، باقی رہی حضرت شاہ عبد العزیز رحمۃ اللہ علیہ کے فتویٰ کی بات تو اس کی بہترین توجیہہ حضرت مفتی اعظم پاکستان رحمۃ اللہ علیہ نے کی ہے جو اوپر تفصیل سے گذر چکی ہے۔

لما فی القرآن الکریم (البقرہ: ۱۴۳): وَكَذٰلِكَ جَعَلْنٰكُمْ أُمَّةً وَّسَطًا لِّتَكُوْنُوْا شُهَدَاءَ عَلَى النَّاسِ وَيَكُوْنَ الرَّسُوْلُ عَلَيْكُمْ شَهِيْدًا۔

وفی الفتح (الآیۃ:۲۹): مُحَمَّدٌ رَّسُوْلُ اللهِ وَالَّذِيْنَ مَعَهٗ أَشِدَّاءُ عَلَى الْكُفَّارِ رُحَمَاءُ بَيْنَهُمْ تَرَاهُمْ رُكَّعًا سُجَّدًا يَّبْتَغُوْنَ فَضْلًا مِّنَ اللهِ وَرِضْوَانًا سِيْمَاهُمْ فِيْ وُجُوْهِهِمْ مِنْ أَثَرِ السُّجُوْدِ ذٰلِكَ مَثَلُهُمْ فِي التَّوْرَاةِ وَمَثَلُهُمْ فِي الْإِنْجِيْلِ كَزَرْعٍ أَخْرَجَ شَطْأَهٗ فَآزَرَهٗ فَاسْتَغْلَظَ فَاسْتَوٰى عَلٰى سُوْقِهٖ يُعْجِبُ الزُّرَّاعَ لِيَغِيْظَ بِهِمُ الْكُفَّارَ وَعَدَ اللهُ الَّذِيْنَ آمَنُوْا وَعَمِلُوا الصّٰلِحٰتِ مِنْهُمْ مَّغْفِرَةً وَّأَجْرًا عَظِيْمًا۔

وفی احکام القرآن للتھانوی(۲۳۸/۴): الصحابة كلهم عدل مرضيون عند الله فالطعن فيهم والغيظ عليهم من امارات الكفر والبحث والتنقيد فی عدالتهم خروج من اهل السنة والجماعة۔

وفی الاصابة فی تمییز الصحابة (۱۷/۱): للصحابة رضی الله عنهم اجمعين خصيصة وهی انه لا يسال عن عدالة احد منهم وذلك امر مسلم به عند كافة العلماء لكونهم على الاطلاق معدلين بنصوص الشرع من الكتاب والسنة واجماع من يعتد به فی الاجماع من الأمة۔

وفی الدرالمختار (۴۷۳/۵) كتاب الشهادات، باب القبول وعدمه :(و) من (ارتكب صغيرة) بلا اصرار(ان اجتنب الكبائر) كلها وغلب صوابه على صغائره درر وغيرها قال وهو معنى العدالة ...... قال ومتى ارتكب كبيرة سقطت عدالته۔

(۳۵۰) کیا حضرت سعد بن عبادۃ رضی اللہ عنہ نے صدیق اکبر رضی اللہ عنہ کے ہاتھ پر بیعت کی تھی؟

سؤال

کیا فرماتے ہیں علماء کرام ومفتیان عظام اس مسئلہ کے بارے میں کہ حضرت سعد بن عبادۃ رضی اللہ عنہ نے حضرت صدیق اکبر رضی اللہ عنہ کے ہاتھ پر خلافت کی بیعت کی تھی یا نہیں؟ مدلل جواب عنایت فرمائیں۔

الجواب بعون الملک الوھاب

صورت مسئولہ میں حضرت سعد بن عبادۃ رضی اللہ عنہ نے حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ سے بیعت نہیں کی تھی بلکہ اسی وقت شام چلے گئے تھے اور وہاں فاروق اعظم رضی اللہ عنہ کے دور خلافت میں انتقال فرما گئے۔

لمافی الصحیح للبخاری (۵۱۸/۱): فاخذ عمر رضی اللہ عنہ بیدہ فبایعه وبایعه الناس فقال قائل قتلتم سعد رضی اللہ عنہ بن عبادة قال عمر رضی اللہ عنہ قتله الله۔

وعلی ھامشه: قوله قتلتم سعد ای کدتم تقتلونه وقیل ھو کنایة عن الاعراض والخذلان وقوله قتله الله اخبار عما قدر الله من اھماله وعدم صیرورته خلیفة او ادعاء علیه لتخلفه عن بیعة الصدیق وروی انه خرج بعد تخلفه الی الشام ومات بھا فی خلافة عمر رضی اللہ عنہ ...... فتح ومجمع البحار۔

وفی البدایة والنھایة (۳۴/۷): وقد ذکرہ ابو عمر بن عبدالبر ماذکرہ غیر واحد من علماء التاریخ انه رضی اللہ عنہ (سعد بن عبادة ''ناقل'') تخلف عن بیعة الصدیق حتی خرج الی الشام فمات بقریة من حوران ... قال وقیل فی اول خلافة عمر۔

(۳۵۱) سیف اللہ کا لقب

سؤال

کیا فرماتے ہیں علماء کرام ومفتیان عظام اس مسئلہ کے بارے میں کہ سیوف اللہ سابقہ امتوں میں اور اس امت میں کتنے گزرے ہیں جن کو انبیاء علیہم السلام نے یہ لقب دیا ہو؟

الجواب بعون الملک الوھاب

سابقہ امتوں کے بارے میں تو معلوم نہ ہو سکا البتہ اس امت میں حضرت خالد بن ولید رضی اللہ عنہ کو نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے سیف من

سیوف اللہ فرمایا تھا۔

لمافی الصحیح للبخاری (۵۳۱/۱): عن انس رضی اللہ عنہ ان النبی صلی اللہ علیہ وسلم نعی زیدا وجعفر وابن رواحة للناس قبل ان یاتیهم خبرهم فقال اخذ الرایة زید فاصیب ثم اخذها جعفر فاصیب ثم اخذ ابن رواحة فاصیب وعیناه تذرفان حتی اخذ سیف من سیوف الله حتی فتح الله علیهم۔

وفی عمدة القاری تحت هذه الروایة (۲۴۵/۱۶): واراد بسیف خالد بن ولید ومن یومئذ سمی سیف الله وقد اخرج ابن حبان والحاکم من حدیث عبدالله بن ابی اوفی قال قال رسول الله صلی اللہ علیہ وسلم لاتؤذوا خالدا فانه سیف من سیوف الله صبه الله تعالی علی الکفار۔

(۳۵۲) عشرہ مبشرہ میں شامل صحابہ رضوان اللہ علیہم اجمعین کے نام

سؤال

کیافرماتے ہیں علماء کرام ومفتیان عظام اس مسئلہ کے بارے میں کہ عشرہ مبشرہ میں کون کون سے صحابہ رضوان اللہ علیہم اجمعین شامل ہیں۔ان کے نام تحریر کریں اوراگران کے بارے میں کوئی روایت ہوتووہ بھی بحوالہ تحریر کریں۔

الجواب بعون الملک الوھاب

عشرہ مبشرہ کے نام درج ذیل ہیں:

(۱) حضرت ابوبکرصدیق رضی اللہ عنہ (۲) حضرت عمرفاروق رضی اللہ عنہ (۳) حضرت عثمان رضی اللہ عنہ (۴) حضرت علی رضی اللہ عنہ (۵) حضرت طلحہ رضی اللہ عنہ (۶) حضرت زبیر رضی اللہ عنہ (۷) حضرت عبدالرحمن بن عوف رضی اللہ عنہ (۸) حضرت سعد بن ابی وقاص رضی اللہ عنہ (۹) حضرت سعید بن زید رضی اللہ عنہ (۱۰) حضرت ابوعبیدۃ بن الجراح رضی اللہ عنہ۔

لمافی جامع للترمذی (۲۱۵/۲): عن عبد الرحمن بن حمید عن أبیه أن سعید بن زید حدثه فی نفر أن رسول الله -صلی الله علیه وسلم- قال عشرة فی الجنة أبو بکر فی الجنة وعمر فی الجنة وعثمان وعلی والزبیر وطلحة وعبد الرحمن وأبو عبیدة وسعد بن أبی وقاص. قال فعد هؤلاء التسعة وسکت عن العاشر فقال القوم ننشدك الله یا أبا الأعور من العاشر قال نشدتمونی بالله أبو الأعور فی الجنة.

وهکذا بتغییر یسیر فی ابن ماجة (ص:۱۳)

(۳۵۳) حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ کا کاتب وحی ہونا

سؤال

کیا فرماتے ہیں علماء کرام ومفتیان عظام اس مسئلہ کے بارے میں کہ کیا حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ کاتب وحی تھے اور جن روایات سے ان کا کاتب وحی ہونا ثابت ہے انہیں تحریر کریں۔

الجواب بعون الملک الوھاب

حدیث اور تاریخ کی متعدد روایات سے حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ کا کاتب وحی ہونا ثابت ہوتا ہے نمونہ کے طور پر چند ایک درج ذیل ہیں:

لمافی الصحیح لمسلم (۳۰۳/۲): حدثنی ابن عباس رضی اللہ عنہ قال کان المسلمون لاینظرون الی ابی سفین ولایقاعدونه فقال للنبی صلی اللہ علیہ وسلم یانبی الله ثلاث اعطینهن قال نعم قال عندی احسن العرب واجمله ام حبیبة بنت ابی سفین ازوجکها قال نعم قال ومعاویة تجعله کاتبا بین یداك قال نعم۔

وفی تاریخ الخلفاء للسیوطی (ص۱۹۴): معاویة بن ابی سفیان صخر بن حرب بن امیة ...... اسلم هو وابوه یوم فتح مکة ......وکان احد الکتاب لرسول الله صلی اللہ علیہ وسلم۔

وفی البدایة والنهایة (۱۲۰/۸): وهو معاویة بن ابی سفیان صخر بن حرب ......خال المومنین وکاتب وحی رسول رب العالمین ...قال معاویة :ولقد دخل علی رسول الله صلی اللہ علیہ وسلم مکة فی عمرة القضا وانی لمصدق به ثم لمادخل عام الفتح اظهرت اسلامی فجئته فرحب بی، وکتبت بین یدیه۔

(۳۵۴) حضرت علی رضی اللہ عنہ کا باب خیبر کو اکیلے اکھاڑ دینا

سؤال

کیا فرماتے ہیں علماء کرام ومفتیان عظام اس مسئلہ کے بارے میں کہ آج کل یہ جو مشہور ہے کہ غزوہ خیبر میں باب خیبر جس کو کوئی آدمی نہیں اکھیڑ سکتے تھے حضرت علی رضی اللہ عنہ نے اکیلے اکھاڑ پھینکا تھا۔ کیا یہ بات صحیح ہے؟ اگر صحیح ہے تو چند ایک حوالہ جات بھی تحریر کریں۔

الجواب بعون الملک الوھاب

صورت مسئولہ میں مذکورہ واقعہ ثابت اور صحیح ہے۔ چند حوالہ جات درج ذیل ہیں:

لمافی تاریخ الطبری (۲/۳۰۱): عن ابی رافع مولی رسول اللهﷺ قال خرجنا مع علی ابن ابی طالب حین بعثه رسول اللهﷺ برایته فلمادنا من الحصن خرج الیه اهله فقاتلهم فضربه رجل من الیهود فطرح ترسه من یده فتناول علی رضی الله عنه باباکان عندالحصن فتترس به عن نفسه فلم یزل فی یده وهویقاتل حتی فتح الله علیه ثم القاه من یده حین فرغ فلقد رایتنی فی نفر سبعة انامنهم نجهد علی ان نقلب ذلك الباب فمانقلبه۔

وهکذا نقل عن ابی رافع فی سیراعلام النبلاء (۲/۶۱۸)، وفی کتاب المغازی للواقدی (۲/۶۵۵)

(۳۵۵) ''صلوٰۃ وسلام''اور''ترضی''کااستعمال

سؤال

کیافرماتے ہیں علماءکرام ومفتیان عظام اس مسئلہ کے بارے میں کہ صحابہ رضوان اللہ علیہم اجمعین کے نام کے ساتھ ''علیہ الصلوٰۃ والسلام''اور علماءومشائخ کے نام کے ساتھ ''رضی اللہ عنہ'' کہنا جائز ہے یانہیں؟قرآن وحدیث کی روشنی میں جواب عنایت فرمائیں۔

الجواب بعون الملک الوھاب

صورت مسئولہ میں ''صلوٰۃ وسلام''انبیاءعلیہم السلام کے ساتھ خاص ہے لہٰذا انبیاء کے علاوہ کسی اور کے لئے استعمال کرنا مکروہ تنزیہی ہے۔ہاں انبیاء کے ساتھ کسی کانام آگیااور اصلاً صلوٰۃ وسلام انبیاء کے لئے کہااور تابع ہونے کی وجہ سے وہ بھی شامل ہوگیاتوکوئی حرج نہیں۔

مستحب یہ ہے کہ صحابہ رضوان اللہ علیہم اجمعین کے نام کے ساتھ ''رضی اللہ عنہ''اور صحابہ کے مابعد والوں کے ساتھ ''رحمۃ اللہ علیہ'' کہا جائے لیکن اگراس کے خلاف کردیا کہ صحابہ رضوان اللہ علیہم اجمعین کے ساتھ رحمۃ اللہ علیہ اور بعد والوں کے ساتھ رضی اللہ عنہ کہہ دیاتوبھی جائز ہے البتہ افضل پہلی صورت ہے۔

لمافی الاذکار للنووی (ص۱۰۸): اجمعوا علی الصلاة علی نبینا محمدﷺ وکذلك من یعتد به علی جوازها واستحبابها علی سائر الانبیاء والملائکة استقلالا واما غیر الانبیاء فالجمهور علی انه لایصلی علیهم ابتداء ......فقال بعض اصحابنا :هو حرام وقال اکثرهم مکروه کراهة تنزیه ...... والصحیح الذی علیه الاکثر انه مکروه کراهة تنزیه ......ویستحب الترضی والترحم علی الصحابة والتابعین فمن بعدهم من العلماء وسائرالانبیاء فیقال رضی الله عنه اورحمه الله ونحوذلك۔

وفی الدرالمختار (۶/۷۵۳) : ولایصلی علی غیر الانبیاء ولاغیر الملائکة الابطریق التبع۔۔ و یستحب الترضی للصحابة ...والترحم للتابعین ومن بعدھم من العلماء والعباد وسائر الاخیار وکذا یجوز عکسه الترحم للصحابة والترضی للتابعین ومن بعدھم علی الراجح ذکرہ الکرمانی وقال الزیلعی الاولی ان یدعوا للصحابة بالترضی وللتابعین بالرحمة۔

(۳۵۶) خلفاء راشدین رضوان اللہ علیہم اجمعین کی نماز جنازہ کس نے پڑھائی؟

سؤال

مفتی صاحب! حضرات خلفاء راشدین رضوان اللہ علیہم اجمعین کی نماز جنازہ کن کن حضرات نے پڑھائی تھی۔ بحوالہ نقل کردیں۔

الجواب بعون الملک الوھاب

صورت مسئولہ میں حضرات خلفاء راشدین میں سے حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کی نماز جنازہ حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے، حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ کی نماز جنازہ حضرت صہیب رضی اللہ عنہ نے، حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کی نماز جنازہ حضرت زبیر رضی اللہ عنہ نے اور حضرت علی رضی اللہ عنہ کی نماز جنازہ حضرت حسن بن علی رضی اللہ عنہما نے پڑھائی۔

لمافی تاریخ الخلفاء للسیوطی (ص۸۵): اخرج ابن سعد عن سعید بن المسیب ان عمر رضی اللہ عنہ صلی علی ابی بکر بین القبر والمنبر وکبر علیه اربعا۔

وفیه ایضاً (ص۱۶۲): اصیب عمر یوم الاربعاء لاربع بقین من ذی الحجة ......وصلی علیه صهیب فی المسجد۔

وفیه ایضا (ص۱۶۲): وکان قتل عثمان رضی اللہ عنہ فی اوسط ایام التشریق من سنة خمس وثلاثین ...... قال قتادة صلی علیه الزبیر ودفنه وکان اوصی بذلك الیه۔

وفیه ایضاً (ص۱۷۵) : فخرج علی من الباب ینادی :ایها الناس الصلاة الصلاة ......وغسله الحسن والحسین وعبدالله بن جعفر وصلی علیه الحسن۔

(۳۵۷) حضرت جعفر طیار رضی اللہ عنہ کے لقب "طیار" کی وجہ

سؤال

کیا فرماتے ہیں علماء کرام ومفتیان عظام اس مسئلہ کے بارے میں کہ حضرت جعفر صادق رضی اللہ عنہ کا لقب "طیار" ہے۔ اس کی وجہ

تسمیہ کیا ہے؟

الجواب بعون الملک الوھاب

صورت مسئولہ میں حضرت جعفر صادق صحابی نہیں بلکہ تابعین میں سے ہیں اور ان کا لقب طیار نہیں ہے بلکہ جن صحابی کا لقب طیار ہے وہ حضرت جعفر بن ابی طالب بن عبدالمطلب ہیں اور ان کے لقب کی وجہ تسمیہ یہ ہے کہ یہ غزوہ موتہ میں شریک تھے۔ ان کے دونوں بازو کٹ گئے تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ اللہ تعالی نے بازوؤں کے بدلے انہیں دو پر عنایت فرمائیں ہیں جن سے وہ جنت میں اڑتے ہیں اس وجہ سے آپ کا لقب طیار پڑ گیا (طیار عربی میں اڑنے والے کو کہتے ہیں)۔

لمافی عمدۃ القاری (۲۷۰/۱۷): عن عامر قال کان ابن عمر اذاحیا ابن جعفر قال السلام علیك یاابن ذی الجناحین ....وانما لقب بذلك لانه لماقطعت یداه یوم موته جعل الله له جناحین یطیر بهما فی الجنة وعن النبی ﷺ رأیت جعفر یطیر فی الجنة مع الملائکة ولقب بالطیار ایضا۔

فی تهذیب التهذیب (۵۴۶/۲): الصادق هو جعفربن محمد بن علی بن الحسین۔

(۳۵۸) حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کی نکاح کے وقت عمر

سؤال

کیا فرماتے ہیں علماء کرام ومفتیان عظام اس مسئلہ کے بارے میں کہ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کی نکاح کے وقت عمر کیا تھی؟ اس میں مختلف اقوال ذکر کئے جاتے ہیں۔ ان سب میں راجح قول کون سا ہے؟

الجواب بعون الملک الوھاب

صورت مسئولہ میں راجح قول کے مطابق حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کی نکاح کے وقت عمر چھ سال اور رخصتی کے وقت نو سال تھی۔

لمافی الصحیح للبخاری (۷۷۵/۲): حدثنا قبیصة ...عن عروة تزوج النبی ﷺ عائشة وهی ابنة ست وبنی بها وهی ابنة تسع ومکثت عنده تسعا۔

وفی الاصابة فی تمییز الصحابة (۲۳۱/۸): فقد ثبت فی الصحیح ان النبی ﷺ تزوجهاوهی بنت ست وقیل سبع ویجمع بانها کانت اکملت السادسة ودخلت فی السابعة ودخل بها وهی بنت تسع وکان دخوله بها فی شوال فی السنة الاولی۔

(۳۵۹) کیا حضرت فاطمہ وحضرت ابو بکر رضی اللہ عنہما میں کوئی اختلاف تھا؟

سؤال

کیا فرماتے ہیں علماء کرام ومفتیان عظام اس مسئلہ کے بارے میں کہ کیا یہ بات صحیح ہے کہ واقعہ فدک کے بعد حضرت فاطمہ اور حضرت ابو بکر صدیق رضی اللہ عنہما کے درمیان اختلاف پیدا ہو گیا تھا اور حضرت فاطمہ رضی اللہ عنہا نے اس کے بعد مرتے دم تک حضرت ابو بکر صدیق رضی اللہ عنہ سے بات نہیں کی۔ اس واقعہ کی حقیقت بیان فرمائیں۔

الجواب بعون الملک الوھاب

صورت مسئولہ میں واقعہ فدک کی وجہ سے کوئی اختلاف نہیں ہوا تھا بلکہ حقیقت واقعہ یہ ہے کہ حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے اس دنیا سے تشریف لے جانے کے بعد حضرت فاطمہ رضی اللہ عنہا نے حضرت ابو بکر رضی اللہ عنہ سے فدک کا مطالبہ کیا جس کے جواب میں آپ نے فرمایا کہ یہ حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی میراث ہے اور انبیاء کی میراث تقسیم نہیں ہوتی اس کے بعد حضرت فاطمہ رضی اللہ عنہا واپس چلی گئیں۔

روایت میں "فھجرت" کے الفاظ آئے ہیں، اس کا مطلب یہ ہے کہ آپ نے یہ مطالبہ دوبارہ مرتے دم تک نہ کیا، نہ کہ آپ اس کی وجہ سے ناراض ہو گئیں اور حضرت ابو بکر رضی اللہ عنہ سے ان کی ناراضگی کی کوئی وجہ نہیں تھی کیونکہ ناراضگی کا پتہ اس وقت چلتا جب ان دونوں کی کہیں ملاقات ہوتی اور وہ پہلے آپس میں بات چیت کر رہے ہوتے کہ اس کے بعد انہوں نے بات چیت ترک کر دی ہو۔ وہ کوئی آج کا دور نہیں تھا بلکہ خیر القرون کا دور تھا جس میں عورتیں بلاضرورت گھر سے باہر نہیں نکلا کرتی تھیں لہٰذا وہ ضرورت کی وجہ سے حضرت ابو بکر کے پاس آئیں اور دوبارہ ضرورت نہیں تھی اس لئے دوبارہ کبھی نہیں آئیں۔

پھر حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی وفات کے بعد حضرت فاطمہ رضی اللہ عنہا عرصہ ہی کتنا زندہ رہیں صرف چھ ماہ اور بعض روایات میں چار اور دو ماہ کے الفاظ بھی آئے ہیں۔ اگر چھ ماہ بھی ہو تو حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے وصال کے کچھ عرصہ تک تو اس کا خیال ہی نہ آیا ہوگا کیونکہ آپ کا وصال صحابہ رضوان اللہ علیہم اجمعین پر نہایت شاق گزرا۔ اس کے بعد بھی چھ مہینے کا عرصہ کچھ زیادہ نہیں ہے۔ اور پھر ناراض تو اس وقت ہوا جاتا جب یہ فدک حضرت فاطمہ رضی اللہ عنہا کا حق ہوتا اور حضرت ابو بکر رضی اللہ عنہ ان کو نہ دیتے اور خود استعمال کرتے حالانکہ جس طرح نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم خرچ کر رہے تھے اسی طرح حضرت ابو بکر رضی اللہ عنہ بھی خرچ کر رہے تھے پھر ناراض ہونے کی تو کوئی وجہ باقی نہیں رہتی۔

حاصل یہ کہ اس واقعہ کو اہل تشیع کی طرف سے خواہ مخواہ اچھالا گیا تا کہ حضرت ابو بکر رضی اللہ عنہ پر طعن کیا جا سکے حالانکہ اگر بالفرض حضرت ابو بکر رضی اللہ عنہ کا فیصلہ صحیح نہ تھا تو دوسرے صحابہ رضوان اللہ علیہم اجمعین تو موجود تھے اور سب سے بڑھ کر خود حضرت فاطمہ رضی اللہ عنہا کی اولاد میں حضرت زید بن الحسین بن علی کا بیان ہے کہ "اگر حضرت ابو بکر رضی اللہ عنہ کی جگہ میں ہوتا تو یہی فیصلہ کرتا جو فیصلہ حضرت ابو بکر رضی اللہ عنہ نے کیا"۔

نیز اہل تشیع نے حضرت ابو بکر رضی اللہ عنہ پر طعن کرنے کے لئے اس واقعہ کو اچھالا حالانکہ جس طرح یہ لوگ بیان کرتے ہیں اگر تسلیم

کرلیں تو روایت میں "فھجرت" کے الفاظ آئے ہیں جس کا مطلب ان کے بقول یہ ہے کہ حضرت فاطمہ رضی اللہ عنہا نے حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ کو چھوڑ دیا اور بات نہیں کی تو اس کا نتیجہ حضرت فاطمہ رضی اللہ عنہا پر طعن نکلتا ہے نہ کہ حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ پر اس لئے کہ "ھجران" حضرت فاطمہ رضی اللہ عنہا کی طرف سے پایا جارہا ہے۔ اللہ تعالیٰ ان لوگوں کو ہدایت نصیب فرمائیں۔

لمافی السنن الكبرى للبيهقي (۳۰۱/۶): اخبرنا ابو عبدالله ......عن الشعبي قال لمامرضت فاطمة رضي الله عنها اتاها ابوبكر رضي الله عنه فاستأذن عليها فقال على رضي الله عنه يافاطمة هذا ابوبكر يستأذن عليك فقالت اتحب ان اذن له قال نعم فدخل عليها يترضاها وقال والله ماتركت الدار والمال والاهل والعشيرة الا ابتغاء مرضاة الله ورسوله ومرضاتكم اهل البيت ثم ترضاه حتى رضيت۔

وفيه ايضا (ص۳۰۲): اخبرنا ابوعبدالله الحافظ ......قال زيد بن على بن الحسين بن على امااتا فلوكنت مكان ابي بكر رضي الله عنه لحكمت بمثل ماحكم به ابوبكر رضي الله عنه في فدك۔

وفي الاصابة (۲٦٦/۸): وقدثبت في الصحيح عن عائشة ان فاطمة عاشت بعد النبي صلى الله عليه وسلم ستة اشهر وقال الواقدي وهو ثبت :وروى الحميدي عن سفيان عن عمرو بن دينار انها بقيت بعده ثلاثة اشهر وقال غيره :بعده اربعة اشهر وقيل شهرين۔

وفي عمدة القاري (۲۰/۱۵): قال المهلب انماكان هجرها انقباضا عن لقائه وترك مواصلته وليس هذا من الهجران المحرم واماالمحرم من ذلك ان يلتقيا فلايسلم احدهما على صاحبه ولم يرو واحد انهما التقيا وامتنعا من التسليم ولوفعلا ذلك لم يكونا متهاجرين الاتكون النفوس مظهره للعداوة والهجران وانما لازمت بيتها فعبرا الراوي عن ذلك بالهجران وقد ذكر في كتاب الخمس تاليف ابي حفص بن شاهين عن الشعبي ان ابابكر قال لفاطمة يابنت رسول الله ماخير عيش حياة اعيشها وانت على ساخطة فان كان عندك من رسول الله صلى الله عليه وسلم في عهد فانت الصادقة المصدقة المامونة على ماقلت قال فما قام ابوبكر حتى رضيت ورضي۔

وفي فيض الباري (۹۴/۴): واماعدم كلام فاطمة اياه حتى ماتت فالمراد منه كلامها في امر فدك اوانه لم يتفق له ذلك فلو سلمناموجدتها عليه فله العذر ايضا كماعلمت،على انه لم يهاجرها فان هاجرته فقد هاجرته هي فلاطعن على ابي بكر بحال۔

(۳۶۰) اجماع قولی اور حضرت سعد رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے بیعت کرنے پر تحقیقی فتویٰ

سؤال

کیا فرماتے ہیں علماء کرام و مفتیانِ عظام اس مسئلہ کے بارے میں کہ حضرت سعد بن عبادہ رضی اللہ عنہ نے حضرت صدیق اکبر رضی اللہ عنہ کے ہاتھ پر بیعت کی تھی یا نہیں؟ اگر نہیں تو صدیق اکبر رضی اللہ عنہ کی خلافت کے انکار کا کیا حکم ہے؟ مجھے ایک صاحب نے کہا کہ سعد بن عبادہ رضی اللہ عنہ نے صدیق اکبر رضی اللہ عنہ کے ہاتھ پر بیعت نہیں کی تھی اور شام جا کر وہیں دورِ عمر رضی اللہ عنہ میں انتقال کر گئے۔ میں نے انکار کیا کہ یہ کیسے ممکن ہے خلافت کا منکر تو کافر ہے اور مصرح مسئلہ ہے نیز اجماعِ قولی کی واحد بڑی مثال یہ خلافت ابی بکر ہی تو ہے جہاں قولا صحابہ رضوان اللہ علیہم اجمعین نے اجماع کیا ہے اگر سعد بن عبادہ رضی اللہ عنہ نے بیعت نہیں کی تو اجماع کیسے؟ رئیس الانصار بیعت نہ کریں اور اجماع ہو جائے؟؟؟ نیز ابن حجر ہیتمی رحمۃ اللہ علیہ نے الصواعق المحرقہ میں خلاصۃ کے حوالے سے امام محمد رحمۃ اللہ علیہ کی اصل سے نقل کیا ہے کہ امام محمد رحمۃ اللہ علیہ نے فرمایا جو خلافت ابی بکر کا منکر ہو وہ کافر ہے اور ابن حجر ہیتمی نے تو الصواعق میں یہاں تک کہہ دیا کہ امام محمد رحمۃ اللہ علیہ کا یہ فرمانا اصل میں امام اعظم رحمۃ اللہ علیہ کا قول ہوگا لہٰذا یہ تو امام صاحب رحمۃ اللہ علیہ کا مذہب ہوا کہ خلافت ابی بکر کا منکر کافر ہے۔

آپ سے درج ذیل باتوں کا جواب مطلوب ہے:

۱)۔ کیا خلافتِ ابی بکر اجماعِ قولی نہیں؟ اور اس کا منکر کافر ہے یا نہیں؟

۲)۔ حضرت سعد بن عبادہ رضی اللہ عنہ نے خلافت پر بیعت کی تھی یا نہیں؟

۳)۔ اگر انہوں نے خلافت پر بیعت نہ کی ہو تو یہ اجماع کہلائے گا یا نہیں؟

۴)۔ حضرت سعد بن عبادہ رضی اللہ عنہ نے حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ کے ہاتھ پر بیعت کی تھی یا نہیں؟

از راہِ کرم مسئلے کی مدلل تنقیح فرماتے ہوئے جواب عنایت فرمائیں۔

الجواب بعون الملک الوھاب

حضرت سعد بن عبادہ رضی اللہ عنہ نے صدیق اکبر رضی اللہ عنہ کے ہاتھ پر بیعت خلافت فرمائی تھی یا نہیں اس سے متعلق دونوں طرح کے اقوال ملتے ہیں نبراس میں بیعت کرنے کے قول کو ترجیح دی گئی ہے۔

"وما قیل ان سعد بن عبادة لم یبایعه وخرج من المدینة وما روی انهم ازدحموا علی بیعة ابی بکر فقتلوه باقدامهم فلم یصح شیئ منهما وذکر بعض العلماء ان الاجماع وان کان حجة علی اطلاقه لکن بعد التنقیح والمشاورة اتم" (نبراس ص ۲۹۴)

نیز التمہید میں بھی اسے ہی ترجیح دی گئی ہے۔

"الجواب ان من اصحابنا من قال (خلافة ابی بکر) ثبتت بالنص الخفی وهو تقدیمه فی الصلوة لا بالاجماع ومنهم من قال بالاجماع واعتذر بان علیا ما خالف..... انه لم یحضر ثم حضر وبایع واما سعد فظن ان الامر یعقد له فلما روی ابوبکر "الائمة من قریش" سکت وعلی انه قد قیل: الاجماع علی ابی بکر انعقد فی زمن عمر لان سعدا مات فی ایامه وقیل: قتل فلم یبق مخالف ولان هذه اخبار آحاد فلا یثبت بها هذا الاصل"

(التمہید فی اصول الفقه ۳/۲۶۵)

لہٰذا اگر یہ قول لیا جائے کہ حضرت سعد رضی اللہ عنہ نے بیعت فرمائی تھی تو پھر کوئی اشکال ہی باقی نہیں رہتا نیز حضرت علی رضی اللہ عنہ نے بھی کچھ توقف کے بعد بیعت فرمائی تھی البتہ کتب میں دوسرا قول بھی ملتا ہے، وہ یہ کہ حضرت سعد رضی اللہ عنہ نے صدیق اکبر رضی اللہ عنہ کے ہاتھ پر بیعت نہ کی تھی اگر بالفرض یہ قول لیا جائے تو دو اشکال وارد ہوں گے۔

(۱)۔ خلافتِ ابی بکر پر اجماعِ قولی ذکر ہے اور اصول فقہ میں صراحۃً یہ مثال ذکر کی جاتی ہے اب اگر حضرت سعد رضی اللہ عنہ نے بیعت نہیں فرمائی تو اجماع کیسے منعقد ہوگا؟

(۲)۔ اجماعِ قولی کا منکر تو کافر ہے لہٰذا اس قطعی حکم کے انکار کا سیدنا سعد بن عبادۃ رئیس الخزرج والانصار کی ذات بابرکت پر کیا اثر ہوگا؟

پہلے کا جواب تو واضح ہے کہ اجماعِ قولی کے انعقاد کیلئے تمام کا اتفاق ضروری ہے یا نہیں، اس میں دو طرح کے اقوال ہیں ایک قول کے مطابق تو سب کا اتفاق ضروری ہے البتہ ایک اور قول کے مطابق بعض کا شذوذ غیر معتد بہ ہے اور اجماع منعقد ہو جائے گا۔ صاحب کشف الاسرار اور جصاص رحمۃ اللہ علیہ نے اس دوسرے قول کو لیا ہے:

لما فی کشف الاسرار (ص۲۶۳): وقال بعض الناس مثل محمد بن جریر الطبری واحمد بن حنبل فی احدی الروایتین عنه وابی الحسن الخیاط من المعتزله استاذ الکعبی لایشترط فی انعقاد الاجماع اتفاق الجمیع بل ینعقد باتفاق الاکثر مع مخالفة الاقل...... ونقل عن ابی عبدالله الجرجانی و ابی بکر الرازی من اصحابنا ان الجماعة ان سوغت الاجتهاد للمخالف فیما ذهب الیه کان خلافه معتدا به مثل خلاف ابن عباس فی توریث الام ثلث جمیع المال مع الزوج او الاب او مع المرأة والاب ... تمسك من لم یعتبر خلاف الاقل بقوله علیه السلام "علیکم بالسواد الاعظم" والسواد الاعظم عامة المؤمنین واکثرهم لا جمیعهم فدل هذا الخبر ان الواحد المفرد بقوله مخطئ وان قول الاقل لایعارض قول الجماعة وبقوله علیه السلام "ید الله علی الجماعة فمن شذ شذ فی النار" کان لفظ الامة الوارد فی قوله علیه السلام "لا تجتمع امتی علی الضلالة" یصح اطلاقه علی أهل العصر وان شذ واحد منهم او اثنان کما

یقول "بنو تمیم یحمون الجار" ویراد اکثرهم ...... وبأن الامة فی خلافة ابی بکر اعتمدت علی الاجماع وقد خالف جماعة منهم سعد بن عبادة وعلی وسلمان رضی الله عنهم فی خلافة ابی بکر ولم یعتدوا بخلافهم وبان خبر الجماعة اذا بلغت حد التواتر مفید للعلم مقدم علی خبر الواحد فکذا فی باب الاجتهاد"

الغرض اجماع کے انعقاد میں حضرت سعد وغیرہ رضی اللہ عنہ کا تخلف مخل نہ ہوگا البتہ اگر اجماع میں تمام کے اتفاق کے ضروری ہونے کا قول لیا جائے تو بھی حضرت سعد اور حضرت علی رضی اللہ عنہما وغیرہ کا اجتہاد کچھ مختلف تھا یہ حضرات اپنے کو زیادہ اہل سمجھتے تھے البتہ حضرت علی رضی اللہ عنہ نے اپنے اس اجتہاد سے چھ ماہ بعد رجوع کر لیا لیکن حضرت سعد رضی اللہ عنہ تاحیات اپنے اس نقطہ نظر پر قائم رہے۔ یہ چونکہ اجتہادی خطا تھی لہٰذا وہ معذور تھے نیز حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے ابتدائی زمانے میں ان کا انتقال ہوگیا لہٰذا وہ حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے ہاتھ پر بیعت نہ کر سکے۔ نیز اجماع کے منکر سے متعلق احکام بعد والوں کے اعتبار سے ہوتے ہیں جو لوگ اجماع کر رہے ہوں ان میں سے بعض کا اختلاف اگر ہو جائے تو ان بعض پر ان احکامات کا اجراء نہیں ہوتا۔ بلکہ اجماع قولی میں سب کے اتفاق اور بعض کے اختلاف کے باوجود اجماع کے انعقاد کے دو قول بنے ہی اس بنیاد پر ہیں کہ بعض کا اختلاف غیر معتد بہ ہے لیکن ان پر احکام کا اجراء نہ ہوگا لہٰذا تکفیر وتفسیق سے متعلق کوئی حکم اجماع کرنے والوں میں سے بعض مخالفین پر جاری نہ ہوگا۔

الغرض جماعتِ صحابہ رضوان اللہ علیہم اجمعین عظیم شان والی جماعت ہے اس سے متعلق قرآن کریم میں صریح نصوص وارد ہوئے ہیں ان کے درمیان اجتہادی نزاعات میں پڑنے یا فیصلہ کرنے کی ہمیں ضرورت نہیں وہ دین کی سب سے مضبوط کڑی اور عروہ وثقی ہیں وہ سب عادل اور رضوان اللہ کے مستحق ہیں ان سے متعلق کسی بھی برے خیال کا ذہن میں جمنا ایمان کو خطرے میں ڈال سکتا ہے اللہ تعالیٰ ہمیں دین کی صحیح سمجھ اور فکر صائب عطا فرمائے۔ آمین

لمافی البخاری (۱/۴۹۷) باب مناقب قریش (رحمانیة): عن ابن عمر، رضي الله عنهما، عن النبي صلی الله علیه وسلم قال: لا یزال هذا الأمر في قریش ما بقي منهم اثنان۔

وفیه أیضاً (۱/۵۱۸) مناقب ابی بکر الصدیق : ۔۔۔۔ فقال أبو بکر: لا ولکنا الأمراء وأنتم الوزراء. هم أوسط العرب دارا وأعربهم أحسابا فبایعوا عمر أو أبا عبیدة بن الجراح فقال عمر: بل نبایعك أنت، فأنت سیدنا وخیرنا وأحبنا إلی رسول الله صلی الله علیه وسلم. فأخذ عمر بیده فبایعه. وبایعه الناس. فقال قائل: قتلتم سعد بن عبادة. فقال عمر قتله الله "۔

وفی النبراس شرح شرح العقائد (۴۹۳) خلافة ابی بکر (نعمانی کتب خانه): وما قیل ان سعد بن عبادة لم یبایعه وخرج من المدینة وما روی انهم ازدحموا علی بیعة ابی بکر فقتلوه باقدامهم فلم یصح شئ منهما وذکر بعض العلماء ان الاجماع حجة علی اطلاقه لکن بعد التنقیح والمشاورة

اتم واكمل فاجمعوا على ذلك۔

وفى حاشية النبراس (۴۹۴) خلافة ابي بكر (نعمانى كتب خانه): وفى سيرة الحلبية: قول عمر فبايعته وبايعه المهاجرون ثم بايعه الانصار حتى سعد بن عبادة خلافا لمن قال ان سعد بن عبادة ابي ان يبايع ابابكر حتى لقى الله۔ فانه رضى الله عنه توجه الى الشام ومات بها۔

قال الحافظ ابن حجر: والعذر له فى ذلك انه تاوّل ان للانصار فى الخلافة استحقاقا فبنى على ذلك وهو معذور ان لم يكن ما اعتقد من ذلك حقا ...... وذكر الطبرى ان سعدا بايع مكرها وهو وهم۔

وفى الصواعق المحرقة (۱/۱۳۷، ۱۴۴)(ابن حجر الهيتمى): فمذهب ابي حنيفة ان من انكر خلافة الصديق او عمر فهو كافر على خلاف ماحكاه بعضهم وقال الصحيح انه كافر ... وقد اجتمعت الصحابة على خلافته وفى الخلاصة من كتبهم ان من انكر خلافة الصديق فهو كافر ...... ومرأن ائمة الحنفية كفروا من انكر خلافة ابي بكر وعمر رضى الله عنهما والمسئالة فى الغاية وغيرها من كتبهم كمامر وفى الاصل لمحمد ابن الحسن والظاهر انهم اخذوا ذلك عن امامهم ابي حنيفة ... اذالظاهر ان سبب تكفير منكر امامته مخالفته للاجماع بناء على ان جاحد الحكم المجمع عليه كافر وهو المشهور عند الاصوليين وامامته مجمع عليها من حين بايعه عمر ولا يمنع من ذلك تاخر بيعة بعض الصحابة فان الذين تاخرت بيعتهم لم يكونوا مخالفين فى صحة امامته ولهذا كانوا ياخذون عطاءه ويتحاكمون اليه فالبيعة شئ والاجماع شئ ولا يلزم من احدهما الآخر ولامن عدم احدهما عدم الآخر فافهم ذلك فانه قد يغلط فيه۔

وفى الشامية (۴/۲۲۳) مطلب في منكر الإجماع:۔۔۔۔ أن مخالف الإجماع يكفر والحق أن المسائل الإجماعية تارة يصحبها التواتر عن صاحب الشرع كوجوب الخمس وقد لا يصحبها فالأول يكفر جاحده لمخالفته التواتر لا لمخالفته الإجماع۔

(۳۶۱) حضرت علی و فاطمہ رضی اللہ عنہما کی اولاد کی خصوصیت کی وجہ

سوال

کیا فرماتے ہیں علماء کرام و مفتیان عظام اس مسئلہ کے بارے میں کہ حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی چار بیٹیاں تھیں ان میں حضرت فاطمہ

رضی اللہ عنہا کی اولاد کو ایک خصوصیت حاصل ہے اس خصوصیت کی کیا وجہ ہے؟

الجواب بعون الملک الوھاب

صورت مسئولہ میں حضرت فاطمہ رضی اللہ عنہا کی خصوصیت کی کئی وجوہات بیان کی گئی ہیں جن میں مشہور درج ذیل ہیں:

۱۔ بعض روایت سے ثابت ہے کہ آپ کی شادی حضرت علی رضی اللہ عنہ سے زمین پر ہونے سے پہلے آسمانوں پر ہوئی۔

۲۔ آپ کو حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی زبان مبارک سے جنتی عورتوں کی سردار ہونے کی خوشخبری سنائی گئی۔

۳۔ کائنات میں آپ کی وجہ سے حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا خاندانی سلسلہ باقی ہے ورنہ باقی اولاد میں کسی کا خاندان آگے نہیں بڑھا۔

لمافی الاصابة (۲۶۳/۸): وانقطع نسل رسول الله صلى الله عليه وسلم الا من فاطمة۔

وفی الفتاوی الحدیثیة (ص۱۶۵): الحکمة فی ذلك والله اعلم ما اختصت به فاطمة رضوان الله علیها من المزایا الکثیرة علی اخواتها۔ منها ماورد ان الله زوجها لعلی کرم الله وجهه فی السماء قبل ان یتزوجها فی الارض ومنها تمییزها علیهن بانها سیدة نساء اهل الجنة ومنها تمییزها علیهن بتسمیتها بالزهراء ...... فهذه المذکورات ونحوهما مما امتازت به من الفضائل لایبعد ان تکون هی الحکمة فی بقاء نسلها فی العالم۔

(۳۶۲) حضرت عائشہ افضل ہیں یا حضرت فاطمہ رضی اللہ عنہما

سؤال

کیا فرماتے ہیں علماء کرام ومفتیان عظام اس مسئلہ کے بارے میں کہ زید کہتا ہے کہ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا حضرت فاطمہ رضی اللہ عنہا سے افضل ہیں اس لیے کہ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا جنت میں آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے ساتھ ہوں گی جبکہ حضرت فاطمہ رضی اللہ عنہا حضرت علی رضی اللہ عنہ کے ساتھ ہوں گی لیکن بکر کہتا ہے کہ حضرت فاطمہ رضی اللہ عنہا حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے افضل ہیں اس لیے کہ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا جز یعنی بیٹی ہیں اور جنت میں عورتوں کی سردار ہوں گی، دریافت طلب امر یہ ہے کہ ان دونوں میں کس کی بات صحیح ہے؟

الجواب بعون الملک الوھاب

صورت مسئولہ میں علماء کا اختلاف ہے۔ بعض حضرات نے توقف کے قول کو اختیار کیا ہے البتہ بعض دوسرے حضرات نے ترجیح کی صورت کو اختیار کیا ہے۔ چنانچہ امام مالک رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ حضرت فاطمہ رضی اللہ عنہا آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا جز ہیں اور آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے جز پر میں کسی کو فضیلت نہیں دیتا۔ لیکن اس سے حضرت فاطمہ رضی اللہ عنہا کی مطلق فضیلت ثابت نہیں ہوتی ورنہ آپ علیہ الصلوۃ والسلام کی تمام بیٹیوں کی حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا اور خلفائے اربعہ رضوان اللہ علیہم اجمعین پر فضیلت لازم آئے گی حالانکہ یہ خلاف اجماع ہے۔ اسی طرح حضرت

عائشہ رضی اللہ عنہا کی فضیلت جو اکثر علماء سے منقول ہے وہ بھی بعض جہات سے مثلاً علم کے اعتبار سے اور آپ علیہ الصلوٰۃ والسلام کی معیت کے اعتبار سے ہے۔

حاصل یہ کہ دونوں کے فضائل کی جہات مختلف ہیں لہٰذا دونوں کی افضلیت میں کوئی تعارض نہیں ہے۔

لما فی المرقاة (۱۱/۳۲): وقد اختلفوا فی التفضیل بین عائشة وخدیجة وفاطمة قال الاکمل روی عن ابی حنیفة ان عائشة بعد خدیجة افضل نساء العالمین ۔اقول فهذا یحتمل تساوی خدیجة وعائشة تکون الاولی من العرفاء السوابق والثانیة من الفضلاء اللواحق۔ وقال الحافظ بن حجر فاطمة افضل من خدیجة وعائشة بالاجماع ثم خدیجة ثم عائشة وقال السیوطی فی النقایة وشرحها ونعتقد ان افضل النساء مریم وفاطمة ۔روی الترمذی وصححه ''حسبك من نساء العالمین مریم بنت عمران وخدیجة بنت خویلد وفاطمة بنت محمد ﷺ وآسیة امراة فرعون'' (الی ان قال)ثم قال السیوطی وافضل امهات المومنین خدیجة وعائشة قال ﷺ ''کمل من الرجال کثیر ولم یکمل من النساء الا مریم وآسیة وخدیجة وفضل عائشة علی النساء کفضل الثرید علی سائر الطعام وفی لفظ الا ثلاث''...وفی التفضیل بینهما اقوال ثالثها الوقف۔

وفی الدرا لمختار مع رد المحتار (۳/۹۳): شرف العلم فوق شرف النسب والمال (الی ان قال) ولذا قیل ان عائشة افضل من فاطمة رضی الله عنهاذکره القهستانی ۔

وفی الشامیة:ای تکون شرف العلم اقوی قیل ان عائشة افضل لکثرة علمها وظاهره انه لایقال ان فاطمة افضل من جهة النسب لان الکلام مسوق لبیان ان شرف العلم اقوی من شرف النسب لکن قد یقال باخراج فاطمة رضی الله عنها من ذلك لتحقق البضعیة فیها بلا واسطة ولذا قال الامام مالك انها بضعة منه ﷺ ولا افضل علی بضعه منه احداً۔ولایلزم من هذا لاطلاق انها افضل والا لزم تفضیل سائر بناته ﷺ علی عائشة بل علی الخلفاء الاربعة وهو خلاف الاجماع کما بسطه ابن حجر فی الفتاوی الحدیثیة وحینئذ فما نقل عن اکثر العلماء من تفضیل عائشة محمول علی بعض الجهات کا لعلم وکونها فی الجنة مع النبی ﷺ وفاطمة مع علی وقیل ان فاطمة افضل ویمکن ارجاعه الی الاول وقیل التوقف لتعارض الادلة ۔

فصل فی الرؤیا

(خواب سے متعلق احکام)

(۳۶۳) اللہ عزوجل کی زیارت کی حقیقت

سؤال

کیافرماتے ہیں علماء کرام ومفتیان وعظام اس مسئلہ کے بارے میں کہ اگر کوئی شخص یہ کہے کہ میں نے خواب میں خدا تعالی کو دیکھاہے اور کئی مرتبہ دیکھ چکا ہوں کیا اس شخص کا یہ دعوی صحیح ہے اور اللہ عزوجل کو خواب میں دیکھا جا سکتا ہے؟

الجواب بعون الملک الوهاب

صورت مسئولہ میں اللہ عزوجل کو خواب میں دیکھنا یا دیکھنے کا دعوی کرنا صحیح ہے اور اسلاف سے اس کا ثبوت ملتا ہے کہ انہوں نے بارہا دفعہ اللہ تعالی کی زیارت کی البتہ یہ زیارت آنکھوں سے نہیں ہوتی بلکہ قلبی طور پر ایک نوع کا مشاہدہ ہوتا ہے اس لیے کہ دنیا میں اس آنکھ سے اللہ تعالی کو نہیں دیکھا جا سکتا۔

لمافی النبراس (ص۲۶۰): اختلف الصحابة فی ان النبی ﷺ هل رأى ربه ليلة المعراج ام لا .... واما الرؤية فی المنام فقد حكيت عن كثير من السلف فعن الامام الاعظم انه رأى مائة مرة وقال محمد بن سيرين التابعی امام المعبرين من رأى الله فی منامه دخل الجنة .... ولا خفاء فی انها نوع مشاهدة بالقلب دون العين۔

وفی البزازية على هامش الهندية (۳۵۶/۶): رؤيته سبحانه وتعالى فی المنام جوزه ركن الاسلام وكثير من المتصوفة واكثر مشايخ سمرقند ومحققة مشايخ بخارا۔

(۳۶۴) نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو اللہ تعالیٰ کی زیارت ہوئی تھی؟

سؤال

کیا فرماتے ہیں علماء کرام ومفتیان عظام اس مسئلہ کے بارے میں کہ میں ایک عام آدمی ہوں، کسی مدرسے کا فارغ نہیں ہوں۔ البتہ مجھے عربی سے کافی شغف ہے جس کی وجہ سے میں کافی حد تک عربی پڑھ لیتا ہوں اور قرآن مجید کا کچھ نہ کچھ ترجمہ بھی سمجھ میں آجاتا ہے۔ میرے ایک دوست کا کہنا ہے کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو معراج کے موقع پر اللہ تعالیٰ کی زیارت ہوئی تھی جبکہ میں اس کی نفی کرتا ہوں۔ آپ صحیح بات سے مطلع فرمائیں کہ کیا آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو زیارت نصیب ہوئی تھی یا نہیں؟

الجواب بعون الملک الوھاب

اس مسئلہ میں صحابہ کرام رضوان اللہ علیہم اجمعین کا بھی اختلاف رہا ہے کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے معراج کے موقع پر اللہ تعالیٰ کی زیارت کی تھی یا نہیں۔ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما اور بعض دوسرے حضرات کے نزدیک زیارت ہوئی تھی جبکہ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا وغیرہ کے نزدیک زیارت نہیں ہوئی تھی اور زیادہ راجح یہ ہے کہ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو زیارت ہوئی تھی۔

لقوله تعالی (النجم:۱۸): لَقَدْ رَأَی مِنْ آيَاتِ رَبِّهِ الْكُبْرٰى

وفی روح المعانی (۲۷/۵۳): والظاهر ان ابن عباس لم يقل بالرؤية الاعن سماع وقد اخرج عنه احمد انه قال: قال رسول الله صلى الله عليه وسلم رأيت ربي...... وجمع بعضهم بين قولي ابن عباس وعائشة بان قول عائشة محمول على نفي رؤيته تعالى في نوره الذي هونوره المنعوت بانه لايقوم له البصروقول ابن عباس محمول على ثبوت رؤيته تعالى في نوره الذي لايذهب بالابصار .... ثم ان القائلين بالرؤية اختلفوا فمنهم من قال انه عليه السلام رأى ربه سبحانه بعينه وروى ذلك عن ابن مردوية عن ابن عباس وهو مروى ايضا عن ابن مسعود وابي هريرة واحمد بن حنبل ومنهم من قال رآه عزوجل بقلبه وروى ذلك عن ابي ذر ......ومنهم من ذهب الى ان احد الرؤيتين كانت بالعين والاخرى بالفواد وهي رواية عن ابن عباس۔

وفی الجامع لاحكام القرآن للقرطبي (۴/۵۶): وعن ابن عباس انه رآه بعينه ......قال ابن عباس ان الخلة تكون لابراهيم والكلام لموسى والرؤية لمحمد صلى الله عليه وسلم وعليهم اجمعين ......وحكى عبدالرزاق ان الحسن كان يحلف بالله لقد رأى محمد ربه ......عن احمد بن حنبل انه قال انا اقول بحديث ابن عباس بعينه رآه رآه حتى انقطع نفسه يعني نفس احمد۔

وفی حاشیة النووی علی الصحیح لمسلم (۱/۹۷): قال الامام النووی بعد بحث نفیس ......
فالحاصل ان الراجح عند اکثر العلماء ان رسول اللہ ﷺ رأی ربه بعینی راسه لیلة الاسراء لحدیث ابن عباس وغیره مماتقدم واثبات هذا لایاخذ ونه الا بالسماع من رسول اللہ ﷺ هذا مما لاینبغی ان یشك فیه۔

(۳۶۵) زیارت باری تعالیٰ عورتوں کو بھی ہوگی

سؤال

کیافرماتے ہیں علماءکرام ومفتیان عظام اس مسئلہ کے بارے میں کہ جب قیامت کے دن سب لوگ جنت میں چلے جائیں گے تو رب تعالیٰ کی زیارت صرف مردوں کو ہوگی یا عورتوں کو بھی ہوگی؟

الجواب بعون الملک الوهاب

صورت مسئولہ میں یہ زیارت مردوں اور عورتوں دونوں کو ہوگی کیونکہ تمام نصوص مردوعورت کے لئے عام ہوتے ہیں سوائے ان خاص مقامات کے جہاں کسی ایک کے بارے میں صراحت یا خاص قرینہ پایا جائے۔

لمافی قوله تعالی (الاحزاب: ۳۵): إِنَّ الْمُسْلِمِينَ وَالْمُسْلِمٰتِ وَالْمُؤْمِنِينَ وَالْمُؤْمِنٰتِ وَالْقَانِتِينَ وَالْقَانِتَاتِ وَالصَّادِقِينَ وَالصَّادِقَاتِ وَالصَّابِرِينَ وَالصَّابِرَاتِ وَالْخَاشِعِينَ وَالْخَاشِعٰتِ وَالْمُتَصَدِّقِينَ وَالْمُتَصَدِّقَاتِ وَالصَّائِمِينَ وَالصَّائِمَاتِ وَالْحَافِظِينَ فُرُوجَهُمْ وَالْحَافِظٰتِ وَالذَّاكِرِينَ اللهَ كَثِيرًا وَّالذَّاكِرَاتِ أَعَدَّ اللهُ لَهُمْ مَغْفِرَةً وَّأَجْرًا عَظِيمًا۔

وفی روح المعانی (۲۲/۲۱): اخرج احمد والنسائی وغیرهما عن ام سلمة رضی اللہ عنها قالت قلت للنبی ﷺ مالنا لانذکر فی القرآن کمایذکر الرجال؟فلم یرعی منه ﷺ ذات یوم نداء ہ علی المنبر وهو یقول ان المسلمین والمسلمات ... وانما ارتکب ههنا للدلالة علی ان مدار اعداد مااعدلهم جمعهم بین هذه النعوت الجمیلة۔

ولقوله تعالی (القیامة: ۲۲،۲۳): وُجُوهٌ يَّوْمَئِذٍ نَّاضِرَةٌ. إِلٰى رَبِّهَا نَاظِرَةٌ۔

وفی المشکوة (ص۵۰۱): عن ابی رزین العقیلی رضی اللہ عنہ قال قلت یارسول اللہ اکلنا یری ربه مخلیا به یوم القیامة قال بلی قلت ومآیة ذلك قال یاابارزین ألیس کلکم یری القمر لیلة البدر مخلیا به قال بلی قال فانما هو خلق من خلق اللہ واللہ اجل واعظم۔

(۳۶۶) دنیا میں اللہ تعالیٰ کی زیارت

سؤال

کیا فرماتے ہیں علماء کرام ومفتیانِ عظام اس مسئلہ کے بارے میں کہ میرے ایک دوست کا نظریہ ہے کہ اللہ تعالیٰ کی زیارت دنیا میں ممکن نہیں نہ تو خواب میں اور نہ حالتِ بیداری میں بلکہ اللہ تعالیٰ کی زیارت صرف آخرت میں مومنین کو نصیب ہوگی کیا یہ بات صحیح ہے؟ قرآن وحدیث کے نصوص کی روشنی میں جواب مرحمت فرمائیں۔

الجواب بعون الملک الوھاب

صورت مسئولہ میں آپ کے دوست کا نظریہ درست نہیں۔ اللہ تبارک وتعالیٰ کی دنیا میں خواب میں زیارت بلاشبہ ممکن ہے اور بکثرت اسلافِ امت کو یہ زیارت ہوئی ہے البتہ بیداری میں زیارت ممکن ضرور ہے لیکن "لن ترانی" (یعنی اللہ تبارک وتعالیٰ کا حضرت موسیٰ علیہ الصلوٰۃ والسلام سے یہ فرمانا کہ تم ہرگز مجھے نہیں دیکھ سکتے) سے یہ معلوم ہوتا ہے کہ دنیا میں بیداری کی حالت میں اللہ تعالیٰ کی زیارت ممکن ہونے کے باوجود متعذر ہے۔

لمافی شرح العقائد (ص۱۳۵): ورؤیة الله تعالی بالبصر جائزة فی العقل بمعنی ان العقل اذا خلی ونفسه لم یحکم بامتناع رؤیته مالم یقم له برهان علی ذلك مع ان الاصل عدمه وهذا القدر ضروری فمن ادعی الامتناع فعلیه البیان وقد استدل اهل الحق علی امکان الرؤیة بوجهین عقلی وسمعی ...... واما الرؤیة فی المنام فقد حکیت عن کثیر من السلف۔

وفی شرح الفقه الاکبر (ص۱۲۳): اجماع الائمة من اهل السنة والجماعة علی ان رؤیته تعالی بعین البصر جائزة فی الدنیا والآخرة عقلا ......واختلفوا فی جوازها فی الدنیا شرعا فاثبتها اکثرون ونفاها آخرون ...... ومنها رویة الله سبحانه وتعالی فی المنام ، فالاکثرون علی جوازها من غیر کیفیة وجهة وهیئة۔

(۳۶۷) سرور کونین صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی زیارت

سؤال

کیا فرماتے ہیں علماء کرام ومفتیان عظام اس مسئلہ کے بارے میں کہ کیا حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی زیارت کسی کافر کو ہوسکتی ہے یا نہیں؟

اور اگر حضور ﷺ کو ناپسندیدہ حالات میں دیکھیں تو اس کا کیا حکم ہے؟

الجواب بعون الملک الوھاب

صورت مسئولہ میں کافر کو بھی حضور ﷺ کی زیارت ہوسکتی ہے اور حضور ﷺ کو ناپسندیدہ حالت میں دیکھنا دیکھنے والے کی ناپسندیدہ حالت پر دلالت کرتا ہے۔

لمافی الصحیح للبخاری (۲۱/۱): عن ابی ھریرة ﷺ عن النبی ﷺ قال تسموا باسمی ولاتکنوا بکنیتی ومن رآنی فی المنام فقد رآنی فان الشیطان لایتمثل فی صورتی۔

وفی عمدة القاری تحت ھذہ الروایة (۱۰۰/۲): ان رآہ حسن الھیئة حسن الاقوال والافعال مقبلا علی الرائی کان خیرالہ وان رآہ علی خلاف ذلك کان شرالہ ولایلحق النبی ﷺ من ذلك شئ۔

وفی فیض الباری (۲۰۶/۱): والحاصل ان رؤیا ہ ﷺ قد تکون کرامة من اللہ تعالی وھو بشری المومن حقیقة وقد تکون علی طور تحدیث النفس فھذا ایضا نوع اشارة وان کانت ضعیفة ولذا یشترك فیھا الصالح والطالح۔

وفی الحاوی للفتاویٰ (۲۵۸/۲): ورؤیة الانبیاء والملائکة وسماع کلامھم ممکن للمؤمن کرامة وللکافر عقوبة۔

(۳۶۸) بیداری میں نبی علیہ الصلوٰۃ والسلام کی زیارت

سؤال

کیا فرماتے ہیں علماء کرام ومفتیان عظام اس مسئلہ کے بارے میں کہ بعض صوفیاء سے سنا ہے کہ وہ کہتے ہیں کہ ہم حالت بیداری میں نبی کریم ﷺ کی زیارت کرتے ہیں اس طرح متقدمین صوفیاء سے منقول ہے کیا ایسا ہوسکتا ہے؟

الجواب بعون الملک الوھاب

صورت مسئولہ میں نبی کریم ﷺ کی بیداری میں زیارت ممکن ہے لہٰذا جن حضرات سے ایسا منقول ہے صحیح ہے۔

لمافی الحاوی للفتاوی (۲۵۵/۲): اخرج البخاری ومسلم وابوداؤد عن ابی ھریرة رضی اللہ عنہ قال قال رسول اللہ ﷺ من رآنی فی المنام فیرانی فی الیقظة ولایتمثل الشیطان بی ...... قال العلماء اختلفوا فی معنی قولہ فیرانی فی الیقظة فقیل معناہ فیرانی فی القیامة وتعقب بانہ لافائدة فی ھذا

التخصیص لان کل امته یرونه یوم القیامة من رآه منهم ومن لم یره وقیل المراد من امن به فی حیاته ولم یره لکونه حینئذ غائبا عنه فیکون مبشرا له انه لابد ان یراه فی الیقظة قبل موته۔ وقال قوم هو علی ظاهره فمن راه فی النوم فلابد ان یراه فی الیقظة۔

وفیه ایضاً (ص۲۵۸): ورؤیة الانبیاء والملائکة وسماع کلامهم ممکن للمومن کرامة وللکافر عقوبة ...... قال ابن الحاج فی المدخل رویة النبی ﷺ فی الیقظة باب ضیق وقل من یقع له ذلك الامن کان علی صفة عزیز وجودها فی هذا الزمان بن عدمت غالبا مع انا لاننکر من یقع له هذا من الاکابر الذین حفظهم الله فی ظواهرهم وبواطنهم۔

وایضاً فیه (ص۲۵۹): قال الشیخ عبدالقادر الکیلانی رأیت رسول الله ﷺ قبل الظهر .... وذکر القصة۔

وفی (ص۲۶۰): وحکی عن بعض الاولیاء انه حضر مجلس فقیه فروی ذلك الفقیه حدیثا فقال له الولی هذا الحدیث باطل فقال الفقیه: ومن این لك هذا ؟فقال هذا النبی ﷺ واقف علی رأسك ویقول انی لم اقل هذا الحدیث وکشف للفقیه فرآه۔ والله اعلم بالصواب

(۳۶۹) بیداری میں زیارت سے کیا مراد ہے؟

سؤال

کیا فرماتے ہیں علماء کرام ومفتیان عظام اس مسئلہ کے بارے میں کہ ایک دیوبندی عالم نے تقریر کے دوران یہ کلمات کہے کہ ''بعض خوش نصیب بندے ایسے ہیں کہ انہیں دنیا میں بیداری میں نبی کریم ﷺ کی زیارت ہوتی ہے'' کیا یہ ممکن ہے اور اس طرح کا جملہ کہنا صحیح ہے؟ اگر صحیح ہے تو اس سے کیا مراد ہے؟

الجواب بعون الملک الوھاب

صورت مسئولہ میں حضور ﷺ کی بیداری کی حالت میں زیارت ممکن ہے اگرچہ ہمارے اس دور میں ایسے اللہ والے خال خال ہی ہیں لیکن یہ کوئی بعید اور ناممکن بات نہیں کہ قادر مطلق ذات کرامت کے طور پر کسی کو اس طرح زیارت نصیب فرمائیں اور واقعی یہ سعادت مندی اور خوش نصیبی کی بات ہے۔ اور زیارت سے مراد رؤیت بصری (ظاہری آنکھوں سے دیکھنا) ہی ہے۔

دلائل المسئلة مرت تحت السؤال السابق

(۳۷۰) خواب نبوت کا چھیالیسواں حصہ ہے

سؤال

کیا فرماتے ہیں علماء کرام اس مسئلہ کے بارے میں کہ یہ جو کہا جاتا ہے کہ ''خواب نبوت کا چھیالیسواں حصہ ہے'' یہ صرف مؤمنین کے لئے ہے یا کافر کا خواب بھی ایسا ہے۔ یا دونوں میں کوئی فرق ہے؟

الجواب بعون الملک الوھاب

صورت مسئولہ میں صرف مؤمن کا خواب نبوت کا چھیالیسواں حصہ ہے اور کافر بھی خواب دیکھتے ہیں لیکن ان کا شریعت میں کوئی اعتبار نہیں۔

لما فی السنن للترمذی (۵۳/۲): عن عبادة بن صامت رضی اللہ عنہ ان النبی صلی اللہ علیہ وسلم قال رؤیا المومن جزء من ستة واربعین جزء من النبوة۔

(۳۷۱) خواب کی حقیقت

سؤال

کیا فرماتے ہیں علماء کرام ومفتیان عظام اس مسئلہ کے بارے میں کہ آج کل کے اعتبار سے کوئی شخص کوئی خواب دیکھے تو اس کی حقیقت کیا ہوگی۔ تفصیل سے بیان فرمائیں۔

الجواب بعون الملک الوھاب

مومن کے خواب کو نبوت کا چھیالیسواں حصہ کہا گیا ہے یعنی جس طرح نبوت سچی ہوتی ہے اسی طرح مومن کا خواب بھی سچا ہوتا ہے البتہ خواب کی تین صورتیں ہوسکتی ہیں:

اول: انسانی خیالات، انسان دن بھر جو سوچتا ہے وہی رات کو خواب میں دیکھتا ہے۔

دوم: شیطانی توہمات، کہ شیطان اس کے ذہن میں طرح طرح کے وسوسے ڈالتا ہے جنہیں وہ خواب کی شکل میں دیکھتا ہے۔
خواب کی یہ دونوں قسمیں حقیقت میں خواب نہیں بلکہ محض توہمات ہیں۔

سوم: اللہ تعالیٰ کی طرف سے الہامات جو حقیقی خواب ہیں اور نبوت کا چھیالیسواں حصہ ہیں۔

لما فی المشکوة (ص۳۹۴): عن ابی ھریرة رضی اللہ عنہ قال قال رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اذا اقترب الزمان لم یکد

یکذب رؤیا المؤمن ورؤیا المؤمن جز من ستة واربعین جزء من النبوة وماکان من النبوة لایکذب قال محمد بن سیرین واناأقول الرؤیا ثلاث حدیث النفس وتخویف الشیطان وبشری من الله۔

(۳۷۲) کیا حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو بھی بدخوابی ہوتی تھی؟

سؤال

کیا فرماتے ہیں علماء کرام ومفتیان عظام اس مسئلہ کے بارے میں کہ حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو احتلام ہوتا تھا یا نہیں؟

الجواب بعون الملک الوهاب

انبیاء کو احتلام نہیں ہوتا۔

لمافی الصحیح لمسلم (۱/۱۴۰): عن علقمة والاسود ان رجلا نزل بعائشة فاصبح یغسل ثوبه فقالت عائشة انماکان یجزئك ان رأیته ان تغسل مکانه فان لم تره نضحت حوله لقد رأیتنی افرکه من ثوب رسول الله صلی الله علیه وسلم فرکا فیصلی فیه۔

وفی شرح النووی تحت هذه الروایة: وتعلق المحتجون بهذا الحدیث بان قالوا الاحتلام مستحیل فی حق النبی صلی الله علیه وسلم لانه من تلاعب الشیطان بالنائم فلایکون المنی الذی علی ثوبه صلی الله علیه وسلم الامن الجماع ......جواب بعضهم انه یمتنع استحالة الاحتلام منه صلی الله علیه وسلم وکونها من تلاعب الشیطان بل الاحتلام منه جائز صلی الله علیه وسلم ولیس هو من تلاعب الشیطان بل هو فیض زیادة المنی یخرج فی وقت۔

وفی رد المحتار (۱/۳۱۳): وقد یؤید ماصححه فی الخانیة بماصح عن عائشة رضی الله عنها کنت احك المنی من ثوب رسول الله صلی الله علیه وسلم وهو یصلی ولاخفا انه کان من جماع لان الانبیاء لاتحتلم۔

(۳۷۳) روضۂ اطہر کی زیارت واجب ہے یا سنت؟ حرمین شریفین میں افضل کونسا ہے؟

سؤال

کیا فرماتے ہیں علماء کرام درج ذیل مسائل کے بارے میں کہ:

(۱) مکہ مکرمہ افضل ہے یا مدینہ منورہ؟ (۲) مکہ کی طرح مدینہ بھی حرم محترم ہے یا نہیں؟ (۳) آپ ﷺ کے ساتھ لگی ہوئی مٹی افضل ہے یا عرش خداوندی؟ (۴) قبر شریف کی زیارت کرنا واجب ہے یا سنت؟ نیز عورتیں بھی زیارت کر سکتی ہیں یا نہیں؟

الجواب بعون الملک الوھاب

صورت مسئولہ میں (۱)۔ مکہ مکرمہ افضل ہے البتہ روضہ قدس جہاں آپ ﷺ مدفون ہیں اور آپ ﷺ کا جسدِ اطہر اس مٹی سے لگا ہوا ہے وہ جگہ مکہ مکرمہ ہی نہیں بلکہ عرش وکرسی سے بھی افضل ہے۔ اس کی وجہ یہ ہے کہ بعض روایات سے معلوم ہوتا ہے کہ انسان وہیں دفن ہوتا ہے جہاں کی مٹی سے اسے تخلیق کیا گیا ہو لہٰذا وہ مٹی گویا آپ ﷺ کا جزء ہے اور آپ کا ہر جزء تمام مخلوق سے افضل ہے لہٰذا وہ جگہ مکہ مکرمہ سے افضل ہوگی۔

(۲)۔ مکہ مکرمہ حرم محترم ہے اس کی گھاس کو نہیں کاٹا جا سکتا اس میں کسی کو قتل نہیں کیا جا سکتا الغرض مختلف خاص احکامات ہیں جو مکہ مکرمہ کے حرم محترم سے متعلق ہیں مدینہ منورہ مکہ مکرمہ کی طرح تو حرمِ محترم نہیں البتہ مدینہ کی حرمت اپنی جگہ ہے۔

(۳)۔ آپ ﷺ کے جسدِ اطہر سے لگی ہوئی مٹی عرش وکرسی سے افضل ہے۔

(۴)۔ روضہ اطہر کی زیارت مستحب ہے نیز عورتیں بھی زیارت کیلئے جا سکتی ہیں۔

لمافی الدرالمختار(۶۲۶/۲): لاحرم للمدینة عندنا ومکة افضل منها علی الراجح الا ماضم اعضاءه علیه الصلوة والسلام فانه افضل مطلقا حتی من الکعبة والعرش والکرسی وزیارة قبره مندوبة بل قیل واجبة لمن له سعة۔

وفی الطحطاوی (۵۶۱/۱): اعلم انه لیس للمدینة حرم عندنا۔

وفی ردالمحتار (۶۲۶/۲): (قوله الا) قال فی اللباب : والخلاف فیما عداموضع القبر المقدس. فما ضم اعضاءه الشریفة فهو افضل بقاع الارض بالاجماع .... فی شرح اللباب: وهل تستحب زیارة قبره ﷺ للنساء الصحیح نعم بلاکراهة بشروطها علی ما صرح به بعض العلماء۔

کتاب ما یتعلق بالتصوف والسلوك

(تصوف اور سلوک کے بارے میں)

(۳۷۴) کیا عشق مجازی عشق حقیقی کا ذریعہ ہے؟

سؤال

کیا فرماتے ہیں علماء کرام ومفتیان عظام اس مسئلہ کے بارے میں کہ بعض صوفی حضرات فرماتے ہیں عشق حقیقی تک پہنچنے کا ذریعہ عشق مجازی ہے کیونکہ اس میں دل نرم ہوجاتا ہے اور جب دل نرم ہوجائے تو اس میں اللہ کا عشق جلد نفوذ کر جاتا ہے۔ کیا یہ صحیح ہے؟ اگر یہ صحیح نہیں تو ایسے کہنے والے کا کیا حکم ہے؟

الجواب بعون الملک الوھاب

ایسے اشخاص فاسق اور اللہ رب العزت پر جھوٹ باندھنے والے ہیں کیونکہ یہ ہو نہیں سکتا کہ گناہ نیکی کا ذریعہ بن جائے نیز عشق مجازی خواتین اور امرد لڑکوں کے چہروں کی طرف شہوت کے طور پر لطف اندوز ہونے کا ایک بہانہ ہے۔ جس کی شریعت میں قطعاً اجازت نہیں جبکہ عشق مجازی میں مبتلا شخص یقینی طور پر اس گناہ میں مبتلا ہوگا تو کیونکر عشق مجازی جائز ہوسکتا ہے۔ اللہ تعالیٰ ہمیں ایسے نام نہاد صوفیوں سے محفوظ رکھے۔

لمافی الهندية (۳۳۰/۵): والغلام اذا بلغ مبلغ الرجال ولم يكن صبيحا فحكمه حكم الرجال وان كان صبيحا فحكمه حكم النساء وهو عورة من قرنه الى قدمه لايحل النظر اليه عن شهوة۔

وفی الشامية (۳۶۵/۶): قال فی الهندية والغلام اذا بلغ ......قال السلف :اللوطيون اصناف :صنف ينظرون وصنف يصافحون وصنف يعملون وفيه اشارة الى انه لوعلم منه الشهوة اوظن اوشك حرم النظر۔

(۳۷۵) غائبانہ بیعت کی شرعی حیثیت

سؤال

کیا فرماتے ہیں علماء کرام ومفتیان عظام اس مسئلہ کے بارے میں کہ شریعت میں غائبانہ بیعت کی کیا حیثیت ہے؟ جائز ہے یا نہیں؟ مدلل جواب عنایت فرمائیں۔

الجواب بعون الملک الوھاب

صورت مسئولہ میں غائبانہ بیعت جائز ہے۔

لقوله تعالى (الفتح:١٠): إِنَّ الَّذِينَ يُبَايِعُونَكَ إِنَّمَا يُبَايِعُونَ اللّٰهَ يَدُ اللّٰهِ فَوْقَ أَيْدِيهِمْ

وفى روح المعانى (٢٦/١٠٧): وصح انه صلى الله عليه وسلم ضرب بيده اليمنى على يده الاخرى وقال هذه بيعة عثمان ولماسمع المشركون بالبيعة خافوا وبعثوا عثمان۔

وفى تفسير ابن كثير (۴/١٦٨): عن انس بن مالك رضي الله عنه قال: لما أمر رسول الله صلى الله عليه وسلم ببيعة الرضوان كان عثمان بن عفان رضي الله عنه رسول رسول الله صلى الله عليه وسلم الى اهل مكة فبايع الناس فقال رسول الله صلى الله عليه وسلم اللهم ان عثمان فى حاجة الله وحاجة رسوله فضرب باحدى يديه على الاخرى۔

وفى احكام القرآن للقرطبى (١٦/٢٧٦): وهى بيعة الرضوان تحت الشجرة إلتى اخبرالله تعالى انه رضى عن المبايعين لرسول الله صلى الله عليه وسلم تحتها ...... وضرب رسول الله صلى الله عليه وسلم بيمينه على شماله لعثمان فهو كمن شهدها۔

(۳۷۶) قبر پر سورۃ الم نشرح سے فیض کا حصول

سؤال

کیا فرماتے ہیں علماء کرام ومفتیان عظام اس مسئلہ کے بارے میں کہ بعض صوفی حضرات بزرگوں کی قبر پر بیٹھ کر سورۃ الم نشرح پڑھتے ہیں اور آنکھیں بند کردیتے ہیں اور کہتے ہیں کہ اس سے ہمارا سینہ کھلتا ہے اور بزرگوں سے فیض حاصل ہوتا ہے اس بات کی کوئی اصل موجود ہے یا نہیں؟

الجواب بعون الملك الوهاب

مذکورہ ہیئت کے ساتھ سورۃ الم نشرح پڑھ کر بزرگوں کی قبر سے فیض حاصل کرنے کی کوئی اصل مستند کتابوں میں تلاش بسیار کے باوجود ہمیں نہ مل سکی۔البتہ فی نفسہ اولیاء اللہ کی قبور سے فیوضات کا حاصل ہونا ممکن ہے جیسا کہ بعض بزرگوں سے منقول بھی ہے چنانچہ اگر صاحب قبر کے بارے میں شرکیہ عقائد نہ ہوں (مثلاً تمام چیزوں کا جاننے والا اور مختارِ کل ہونا وغیرہ) اور کسی کے تجربہ سے ایسی ہیئت اختیار کرنے سے فیض حاصل بھی ہوتا ہو تو ان حضرات کیلئے یہ صورت اختیار کرنا جائز ہے،لیکن عام آدمیوں کیلئے اس سے اجتناب کرنا بہتر ہے تاکہ عقائد خراب نہ ہوں۔لیکن اگر صاحبِ قبر کے بارے میں عالم الغیب اور مختارِ کل ہونے یا مستقل بالذات ہونے کا عقیدہ یا اسی طرح دیگر شرکیہ عقائد ہوں تو اس طرح فیض حاصل کرنا ناجائز وحرام ہوگا۔

لما في روح المعاني(۱۰/۲۱۲): ''بسم الله الرحمن الرحيم ○الم نشرح لك صدرك'' الشرح في الاصل الفسح والتوسعة وشاع استعماله في الايضاح ومنه شرح الكتاب اذا أوضحه لما ان فسح الشئ وبسطه مستلزم لاظهار باطنه وما خفي منه وكذا شاع في سرور النفس حتى لو قيل انه حقيقة عرفية فيه لم يبعد... وكذا اذا تعلق بالصدر الذي هو محل القلب وربما يؤذن ذلك بسعة القلب۔

وفيه ايضاً(۲/۱۲۴):يايها الذين امنوا اتقوالله وابتغوا اليه الوسيلة الآية واستدل بعض الناس بهذه الآية على مشروعية الاستغاثة بالصالحين وجعلهم وسيلة بين الله تعالىٰ وبين العباد والقسم على الله بهم بان يقال: اللهم انا نقسم عليك بفلان ان تعطينا كذا. ومنهم من يقول للغائب او الميت من عباد الله تعالىٰ الصالحين: يا فلان ادع الله تعالىٰ ليرزقني كذا وكذا. ويزعمون ان ذلك من باب ابتغاء الوسيلة ويروون عن النبي ﷺ انه قال اذا اعيتكم الامور فعليكم باهل القبور أو فاستغيثوا باهل القبور وكل ذلك بعيد عن الحق بمراحل۔

وفي الشامية(۱/۵۵): فقد نقل العلماء ثناء الائمة الثلاثة على ابي حنيفة وتأدبهم معه ولا سيما الامام الشافعي رضي الله تعالىٰ عنه ...... ومما روى من تأدبه معه انه قال: اني لاتبرك بابي حنيفة وأجي الى قبره، فاذا عرضت لي حاجة صليت ركعتين وسألت الله تعالىٰ عند قبره فتقضى سريعاً۔

وفي امداد الفتاوىٰ(۵/۳۶۹): طریق اربعین یعنی چلہ میں حضرت حاجی صاحب رحمۃ اللہ علیہ ضیاء القلوب صفحہ ۵۵، میں تحریر فرماتے ہیں، استعانت استمداد از ارواح مشائخ طریقت بواسطہ مرشد کردہ الخ استعانت واستمداد کے الفاظ ذرا کھٹکتے ہیں،غیر

اللہ سے استعانت واستمداد بطریق جائز کس طرح کرتے ہیں خالی الذہن ہونے کی تاویل وتوجیہ بالکل جی کو نہیں لگتی، ایسی بات ارشاد ہو جس سے قلب کو تشویش نہ رہے۔

الجواب: جو استعانت واستمداد بالمخلوق باعتقاد علم وقدرت مستقل مستمد منہ ہو شرک ہے، اور جو باعتقاد علم وقدرت غیر مستقل ہو مگر وہ علم وقدرت کسی دلیل صحیح سے ثابت نہ ہو معصیت ہے اور جو باعتقاد علم وقدرت غیر مستقل ہو اور وہ علم وقدرت کسی دلیل سے ثابت ہو جائز ہے، خواہ وہ مستمد منہ حی ہو یا میت اور جو استمداد بلا اعتقاد علم وقدرت ہو نہ مستقل نہ غیر مستقل، پس اگر طریق استمداد مفید ہو تب بھی جائز ہے جیسے استمداد بالنار والماء والواقعات التاریخیہ، ورنہ لغو ہے۔

یہ کل پانچ قسمیں ہیں، پس استمداد ارواح مشائخ سے صاحب کشف الارواح کیلئے قسم ثالث ہے اور غیر صاحب کشف کیلئے محض ان حضرات کے تصور اور تذکر سے قسم رابع ہے کیونکہ اچھے لوگوں کے خیال کرنے سے ان کو اتباع کی ہمت ہوتی ہے اور طریق مفید بھی ہے اور غیر صاحب کشف کیلئے قسم خامس ہے۔

(۳۷۷) سلاسل اربعہ کی حقیقت وشرعی حیثیت

سؤال

کیا فرماتے ہیں علماء کرام ومفتیان عظام اس مسئلہ کے بارے میں کہ تصوف کی شرعی حیثیت کیا ہے؟ کیا تصوف میں قادری، سہروردی، نقشبندی، چشتی اور ابو العالیہ وغیرہ سلسلے ثابت ہیں۔ اگر ثابت ہیں تو ان سب کی حقیقت کیا ہے اور شرعی حیثیت کیا ہے؟

بعض لوگ کہتے ہیں کہ قوالی جو آج کل مروج ہے اسی طرح عرس اور میلے وغیرہ یہ سب سلسلہ چشتیہ میں داخل ہیں۔ آیا ان کا یہ کہنا درست ہے؟ مدلل جواب عنایت فرما کر ممنون فرمائیں۔

الجواب بعون الملک الوھاب

تصوف کہا جاتا ہے تزکیہ نفس کو جو متعدد نصوص سے ثابت ہے اور تصوف کے سارے سلسلے ثابت ہیں البتہ مشہور صرف چار ہیں ان کی حقیقت یہ ہے کہ مختلف طبائع کے لحاظ سے رذائل کو دور کرنے کے مختلف طریقے اور شرعی لحاظ سے روحانی علاج کے مختلف طریقے ہیں جو مختلف مشائخ کی طرف منسوب ہیں۔ ان سب طرق وسلاسل کا مقصود ایک ہے۔

نیز آج کل مروجہ قوالی اور عرس وغیرہ کسی بھی سلسلے میں داخل نہیں بلکہ یہ ناجائز امور ہیں جن کی نسبت ان سلاسل میں سے کسی کی طرف کرنا قطعاً صحیح نہیں ہے۔

لما في قوله تعالى(آل عمران:١٦٤): لَقَدْ مَنَّ اللّٰهُ عَلَى الْمُؤْمِنِيْنَ إِذْ بَعَثَ فِيهِمْ رَسُولًا مِّنْ أَنْفُسِهِمْ يَتْلُوْ عَلَيْهِمْ آيَاتِهِ وَيُزَكِّيهِمْ وَيُعَلِّمُهُمُ الْكِتَابَ وَالْحِكْمَةَ وَإِنْ كَانُوْا مِنْ قَبْلُ لَفِي

ضَلَالٍ مُبِيْنٍ

(الممتحنه :۱۲) :يَا أَيُّهَا النَّبِيُّ إِذَا جَاءَكَ الْمُؤْمِنَاتُ يُبَايِعْنَكَ عَلَى أَن لَّا يُشْرِكْنَ بِاللّٰهِ شَيْئًا وَّلَا يَسْرِقْنَ وَلَا يَزْنِيْنَ وَلَا يَقْتُلْنَ أَوْلَادَهُنَّ وَلَا يَأْتِيْنَ بِبُهْتَانٍ يَّفْتَرِيْنَه بَيْنَ أَيْدِيْهِنَّ وَأَرْجُلِهِنَّ وَلَا يَعْصِيْنَكَ فِيْ مَعْرُوفٍ فَبَايِعْهُنَّ وَاسْتَغْفِرْ لَهُنَّ اللّٰهَ إِنَّ اللّٰهَ غَفُورٌ رَّحِيمٌ

(التوبہ : ۱۱۹): يَا أَيُّهَا الَّذِيْنَ آمَنُوا اتَّقُوا اللّٰهَ وَكُونُوْا مَعَ الصّٰدِقِيْنَ

وفی احکام القرآن للتهانوی (۵/۵۵): اعلم ان الله تعالى اجرى سنة ان يضبط الامور الخفية المضمرة فى النفوس بافعال واقوال ظاهرة ينصبها مقامه كما ان التصديق بالله ورسوله واليوم الآخر خفى فاقيم الاقرار مقامه ...... فكذلك التوبة والعزيمة على ترك المعاصى والتمسك بحبل التقوى خفى فاقيمت البيعة مقامه۔

وفيه ايضاً (۵/۵۸): ولا بأس ان يلقنه فيقول : اخترت الطريقة النقشبندية اوالقادرية اوالجشتية ......اوالشيخ محى الدين عبدالقادر جيلانى اوالشيخ محى الدين السنجرى۔

(۳۷۸)تصوف میں مختلف مدارج کی تقسیم

سوال

کیافرماتے ہیں علماء کرام ومفتیان عظام اس مسئلہ کے بارے میں کہ صوفیاء کرام جومختلف مدارج بیان کرتے ہیں کہ یہ پاس انفاس ہے،نظر برقدم،ہوش دردم،وقوف زمانی،وقوف عددی،وقوف قلبی،مراقبات کےمختلف مدارج ان سب کی حقیقت کیاہے؟قرآن وحدیث یاخیرالقرون سےاس کی کوئی دلیل یانظیرپیش کی جاسکتی ہے یانہیں؟

الجواب بعون الملک الوھاب

صورت مسئولہ میں مراقبات ومدارج کےمطلق وجود پر بےشمارنصوص دلالت کرتے ہیں البتہ اس اطلاق سے ہٹ کرمختلف اعتبار سے تقسیم اوران کےنام صوفیاء کرام اپنے مزاج کےمطابق تجویز کرتے ہیں۔

لمافی فيض البارى (۱/۱۵۰): واعلم ان لفظ احسان شامل لجميع انواع البر من الاذكار والاشتغال وغيرها والاذكار يقال لاوراد مسنونة وماذكره المشائخ من الضربات والكيفيات يقال لها الاشتغال۔

وفى فتاوى الحديثية (ص۴۷): وورد فى احاديث مايبين فى فضل التفكر والمراد به فمن ذلك من

عبادۃ حدیث ابی الشیخ فی العظمۃ ففکر ساعۃ خیر من عبادۃ ستین سنۃ وحدیثہ ایضا فتفکروا فی کل شئ ولاتفکروا فی ذات اللہ الخ...... تفکروا فی الخلق الخ تفکروا فی آلاء اللہ الخ... وقد بین اللہ تعالیٰ انہ لایصلح للتفکر فی خلق السمٰوات والارض الا اولوا الالباب والعقول۔

(۳۷۹) بیعت پر ایک شبہ کا جواب

سوال

کیا فرماتے ہیں علماء کرام ومفتیان عظام اس مسئلہ کے بارے میں کہ عام طور پر علماء ومشائخ بیعت کی اہمیت پر زور دیتے ہیں اسی طرح ہمارے اسلاف کی کتابیں بیعت کی اہمیت اور متعلقہ امور سے بھری ہوئی ہیں جن میں اس بات کو اہمیت کے ساتھ بیان کیا جاتا ہے کہ تزکیہ نفس کے لئے کسی کو شیخ بنایا جائے۔ حالانکہ صاحب خلاصۃ نے ج ۴/ص ۳۷۸ پر لکھا ہے کہ "ومن اتخذ شیخا للھدایۃ فھو ضال لان الھادی ھو اللہ تعالیٰ" (اور جو شخص ہدایت حاصل کرنے کے لئے کسی شیخ کا دامن تھامے وہ گمراہ ہے کیونکہ ہدایت دینے والا اللہ تعالیٰ ہی ہے)۔ اب دونوں اقوال میں تطبیق کس طرح ہوگی؟ کافی وشافی جواب عنایت فرمائیں۔

الجواب بعون الملک الوھاب

علماء ومشائخ میں مروجہ بیعت خود نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم سے ثابت ہے کہ جس طرح آپ نے صحابہ رضوان اللہ علیہم اجمعین سے جہاد وغیرہ پر بیعت لی اسی طرح گناہوں کے ترک کرنے اور تزکیہ کے دوسرے امور پر بھی صحابہ رضوان اللہ علیہم اجمعین کی بیعت ثابت ہے۔

صاحب خلاصۃ کے مندرجہ بالا قول کا مطلب یہ ہے کہ "جو شخص ہدایت کو بالذات شیخ کی طرف منسوب کرے وہ گمراہ ہے"۔ اس کی تائید اس بات سے بھی ہوتی ہے کہ صاحب خلاصۃ نے اس جملے کے بعد بطور استشہاد یہ آیت مبارکہ بھی پیش کی ہے کہ إِنَّكَ لَا تَهْدِي مَنْ أَحْبَبْتَ وَلَٰكِنَّ اللَّهَ يَهْدِي مَنْ يَشَاءُ وَهُوَ أَعْلَمُ بِالْمُهْتَدِينَ۔ جس میں نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کو تسلی دی گئی ہے کہ آپ کا کام صرف اللہ تعالیٰ کے احکامات کو پہنچانا ہے ہدایت دینا نہیں ہے بلکہ ہدایت دینا اللہ تعالیٰ کا کام ہے۔ اسی طرح شیخ تزکیہ اور باطنی علوم کے لئے واسطہ ہے۔ ہدایت وہ نہیں دے سکتا۔ یہی وجہ ہے کہ کچھ آگے صاحب خلاصۃ نے خود مجاہدے کو ہدایت کا مقدمہ قرار دیا ہے گویا ظاہری سبب اور واسطہ یہ ہے۔

حاصل یہ کہ صاحب خلاصۃ کی عبارت سے علماء ومشائخ کی مروجہ بیعت پر اعتراض وارد نہیں ہوتا بلکہ صاحب خلاصہ نے صرف ایک غلطی پر تنبیہ کی ہے۔

لمافی خلاصۃ الفتاوی (۳۷۸/۴): قال ﷺ ومن اتخذ شیخا للھدایۃ فھو ضال لان الھادی ھو اللہ تعالیٰ لقولہ تعالیٰ إِنَّكَ لَا تَهْدِي مَنْ أَحْبَبْتَ وَلَٰكِنَّ اللَّهَ يَهْدِي مَنْ يَشَاءُ الآیۃ والاتخاذ للارشاد

ممنوع لعدم ورود الشرع واما علم المكاشفة فلا يحصل بالتعليم والتعلم وانما يحصل بالمجاهدة التی جعلها الله مقدمة للهداية۔

(۳۸۰) قطب اور غوث کا وجود

سؤال

کیا فرماتے ہیں علماء کرام ومفتیان عظام اس مسئلہ کے بارے میں کہ یہ جومشہور ہے کہ دنیا میں قطب ہوتا ہے یا غوث ہوتا ہے، کیا شریعت مطہرہ میں اس کا ثبوت موجود ہے یا نہیں؟ قرآن وسنت کی روشنی میں جواب عنایت فرمائیں۔

الجواب بعون الملك الوهاب

صورت مسئولہ میں قطب اور غوث کے وجود پر کئی احادیث دال ہیں اگرچہ ان پر بعض حضرات نے کلام کیا ہے لیکن کثرت طرق کی وجہ سے یہ قابل اعتبار ہیں اور اس کے ساتھ ساتھ امت نے ان روایات کو قبول کیا ہے جو ان کے ثبوت کی مستقل اور قوی دلیل ہے۔

لما فی مسند احمد بن حنبل (۱/۱۸۰): حدثنا عبدالله ...... حدثنی شریح یعنی ابن عبید قال : ذکر اهل الشام عند علی بن ابی طالب ﷺ وهو بالعراق فقالوا :العنهم یاامیرالمؤمنین قال لا انی سمعت رسول اللهﷺ یقول الابدال یکونون بالشام، وهم اربعون رجلا کلما مات رجل ابدل الله مکانه رجلا، لیسقی بهم الغیث، وینتصر بهم علی الاعداء، ویصرف عن اهل الشام بهم العذاب۔

وفیه ایضا (۶/۴۴۰): حدثنا عبدالله ... عن عبادة بن صامت عن النبیﷺ انه قال الابدال فی هذه الامة ثلاثون مثل ابراهیم خلیل الرحمن عزوجل کلما مات رجل ابدل الله تبارك وتعالی مکانه رجلا۔

وفی فتاوی الحدیثیة (ص۳۲۲): وسئل مانفع الله به :ماعدة رجال الغیب وماالدلیل علی وجودهم فاجاب بقوله :رجال الغیب سموا بذلك لعدم معرفتهم اکثرالناس لهم، رأسهم قطب الغوث الفرد الجامع جعله الله دائرا فی الآفاق الاربعة ارکان الدنیا کدوران الفلك فی افق السماء ...... والابدال وهم سبعة علی الاصح وقیل ثلاثون ...... وسیأتی حدیث انهم اربعون وحدیث انهم ثلاثون وکل منهم یعکر علی قوله الاصح انهم سبعة۔

(۳۸۱) ابدال کا وجود اور ان کا تصرف

سؤال

کیا فرماتے ہیں علماء کرام ومفتیان عظام اس مسئلہ کے بارے میں کہ کیا ابدال کا اس کائنات میں کہیں وجود ہے اور وہ اللہ تعالی کی عطاء سے اس کائنات میں تصرف کرتے ہیں؟ نیز کیا ایسا ہوسکتا ہے کہ کسی وقت سارے ابدال اس دنیا سے ختم ہوجائیں؟ قرآن وسنت کی روشنی میں جواب عنایت فرمائیں۔

الجواب بعون الملک الوھاب

کائنات میں ابدال کا وجود پایا جاتا ہے اور کوئی وقت ایسا نہیں گزرتا جب کائنات ان کے وجود سے خالی ہو یہ حضرات کائنات میں تصرف نہیں کرتے بلکہ ان کا وجود کائنات کے لئے رحمت ہے۔

لمافي مسنداحمد بن حنبل (۱/۱۸۰): حدثنا عبدالله ......قال ذكر اهل الشام عند على بن ابي طالب ﷺ وهو بالعراق فقالوا: العنهم ياامير المؤمنين، قال لا انی سمعت رسول الله ﷺ يقول الابدال يكونون بالشام، وهم اربعون رجلا كلمامات رجل ابدل الله مكانه رجلا يسقى بهم الغيث وينتصر بهم على الاعداء ويصرف عن اهل الشام بهم العذاب۔

(۳۸۲) ”حرم شریف میں ساری نمازیں پڑھتا ہوں“ کہنے کا حکم

سؤال

کیا فرماتے ہیں علماء کرام ومفتیانِ عظام اس مسئلہ کے بارے میں کہ کل بروز اتوار عجیب واقعہ ہوا ہم نے اپنے دوست عرفان بدیوانی صاحب سے کہا کہ چلو مسجد میں نماز پڑھنے چلیں، تو انہوں نے کہا آپ لوگ نہیں جانتے میں تو حرم شریف میں ساری نمازیں پڑھتا ہوں۔ مفتی صاحب میں تو چکرا گیا کہ یہ کیا بول رہا ہے؟ لیکن میں نے انہیں کچھ نہ کہا اور نماز پڑھنے آ گیا۔ آپ سے پوچھنا یہ ہے کہ کوئی شخص ہوش وحواس میں ایسی بات کرے تو اس کا کیا حکم ہے؟ کیا یہ نماز کا انکار نہیں؟ کفر ہے یا فسق؟ تفصیل سے تحریر فرمادیں۔

الجواب بعون الملک الوھاب

شریعت ظاہر کی مکلف ہے اور ظاہر کے مطابق فیصلہ کرتی ہے دورِ نبوی میں منافقین بھی نماز پڑھنے مسجد میں آتے تھے، للہذا صورتِ مسئولہ میں آپ کے دوست کا نماز پڑھنے کی دعوت کے جواب میں یہ کہنا کہ ” آپ لوگ نہیں جانتے میں تو حرم شریف میں ساری

نمازیں پڑھتا ہوں" اپنی ترکِ نماز کی عادت پر من گھڑت دلیل اور جھوٹ ہے، جس کا شریعت میں کوئی اعتبار نہیں اور اس طرح جھوٹ کہنے کی وجہ سے آدمی فاسق ہوجاتا ہے لہٰذا اس کو اس طرح کہنے پر توبہ واستغفار کرنی چاہیئے۔ نیز بزرگوں سے جو حرمین میں نماز پڑھنا منقول ہے اوّلاً تو وہ کسی کو یہ بتاتے نہ تھے ثانیاً نمازوں کے اوقات میں ظاہر کے مطابق وہ حضرات نمازیں اپنی مساجد وغیرہ میں ادا کرتے تھے لہٰذا اس شخص کو اس لغوبات سے توبہ کرنی چاہیئے اور نمازوں کی ادائیگی کیلئے مسجد جانا چاہیئے۔

لمافی المشكوة كتاب الصلوة الفصل الاول (۵۸/۱) (ط:قديمى): عن جابر قال قال رسول الله ﷺ بين العبد وبين الكفر ترك الصلوة (رواه مسلم)

وفى الهندية (۲۶۸/۲): وقول الرجل لا اصلى يحتمل اربعة اوجه احدها لا اصلى لانى صليت:

والثانى: لا اصلى بامرك فقد امرنى بها من هو خير منك، والثالث: لا اصلى فسقا مجانة فهذه الثلاثة ليست بكفر،

والرابع لا اصلى اذ ليس يجب على الصلاة ولم اومر بها يكفر، ولو أطلق وقال لا أصلى لا يكفر لاحتمال هذه الوجوه۔

وفى الدرالمختار كتاب المرتدين(۲۲۲/۴): وفى الفتح من هزل بلفظ كفر ارتد وان لم يعتقده للاستخفاف فهو ككفر العناد،

(وتحته فى الشامية): ولاعتبار التعظيم المنافى للاستخفاف كفر الحنفية بالفاظ كثيرة ......

قلت ويظهر من هذا ان ما كان دليل الاستخفاف يكفر به، وان لم يقصد الاستخفاف۔

(۳۸۳) ذکر قلبی کا ثبوت

سؤال

کیافرماتے ہیں علماء کرام ومفتیان عظام اس مسئلہ کے بارے میں کہ کیا ذکر قلبی جو صوفیاء کے ہاں رائج ہے شرعاً ثابت ہے ؟ بایں طور کہ ایک شخص زبان کو حرکت دیئے بغیر صرف دل ہی دل میں اللہ اللہ کرتا ہے۔ مدلل جواب عنایت فرمائیں۔

الجواب بعون الملك الوهاب

ذکر قلبی شرعاً ثابت ہے۔

لمافى احكام القرآن للتهانوى (۹۱/۱): ذكر القلب الذى هو الفكر فى دلائل الله تعالى وحججه، وآياته، وبيناته وكلما ازددت فيهافكرا ازددت طمانية وسكونا۔ وهذا هوافضل الذكر

لان سائر الاذكار انما يصح ويثبت حكمها بثبوته۔

وفی المرقاة (٥/٦٤): عن انس رضی اللہ عنہ قال قال رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اذا مررتم برياض الجنة فارتعوا قالوا وما رياض الجنة قال حلق الذكر۔

قال العلامة الملاعلى القارى تحت هذه الرواية: قال النووى رحمه الله واعلم انه كما يستحب الذكر يستحب الجلوس فى حلق اهله وقد يكون بالقلب وقد يكون باللسان وافضل منهما ماكان بالقلب واللسان جميعا فان اقتصر على احدهما فالقلب افضل۔

(۳۸۴) رجال الغیب کی حقیقت اوران کی تعداد

سؤال

کیافرماتے ہیں علماء کرام اس مسئلہ کے بارے میں کہ میرے بڑے بھائی اکثر رجال الغیب کا تذکرہ کرتے ہیں آپ ان کی حقیقت اور تعداد کے بارے میں بتلادیں۔

الجواب بعون الملک الوھاب

رجال الغیب سے ایسے حضرات مراد ہیں جو اللہ تعالی کے خاص مقربین میں شامل ہیں اوران کے حالات پر اللہ تعالی عام لوگوں کو مطلع نہیں فرماتے لہٰذا ان کی تعداد معلوم نہیں ہوسکتی۔

لما فى الفتاوى الحديثية (ص٣٢٢): وسئل نفع الله به :ماعدة رجال الغيب وماالدليل على وجودهم؟ فاجاب بقوله :رجال الغيب سموا بذلك لعدم معرفة اكثر الناس لهم . رأسهم قطب الغوث الفرد الجامع جعله الله دائرا فى الآفاق الاربعة اركان الدنيا كدوران الفلك فى افق السماء، وقد ستر الله احواله عن الخاصة والعامة۔

كتاب التوسل والتبرك

(وسیلہ اور تبرکات سے متعلق سوالات)

رسالة

ذكر الفضيلة لأخذ الوسيلة

دعاؤں وغیرہ میں وسیلے کا ثبوت

قرآن وحدیث کی روشنی میں زندہ اور مردہ کے وسیلے کے اثبات سے متعلق مفصل ومدلل فتوی

(۳۸۵) وسیلہ کا شرعی حکم

سؤال

کیا فرماتے ہیں علماء کرام ومفتیانِ عظام اس مسئلہ کے بارے میں کہ مجھے وسیلہ سے متعلق دریافت کرنا ہے۔ وسیلہ کا ثبوت کن نصوص سے ہے؟ کیا زندہ اور مردہ دونوں کا توسل نص سے ثابت ہے؟ یا مردہ کو زندہ پر قیاس کیا گیا ہے، آیات قرآنیہ "وَابْتَغُوْٓا إِلَيْهِ الْوَسِيلَةَ" اور يَسْتَفْتِحُوْنَ سے استدلال درست ہے؟ کیا کوئی ایسی حدیث ہے کہ کسی اعرابی نے آپ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے انتقال کے بعد آکر آپ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے توسل سے دعا مانگی ہو۔ توسل بالاحیاء والاموات کی مدلل تشریح فرمادیں۔ نصوص قرآنیہ اور احادیثِ مبارکہ نیز آثار صحابہ رضوان اللہ علیہم اجمعین سے حوالے درج فرمادیں۔

الجواب بعون الملک الوھاب

(۱)۔ وسیلہ کا ثبوت مندرجہ ذیل نصوص سے ہے:

(۱) عن امية بن خالد بن عبد الله بن السيد عن النبی ﷺ انه كان يستفتح بصعاليك المهاجرين (مشکوۃ ۴۴۷، باب فضل الفقراء قدیمی)

ترجمہ: حضرت امیہ سے روایت ہے کہ نبی اکرم ﷺ فتح کی دعا کرتے تھے بتوسل فقراء مہاجرین کے۔

(۲) عن انس رضی اللہ عنہ ان عمر بن الخطاب رضی اللہ عنہ كان اذا قحطوا استسقى بالعباس بن عبد المطلب فقال اللهم انا كنا نتوسل اليك بنبينا فتسقينا وانا نتوسل اليك بعم نبينا فاسقنا فيسقوا۔

(مشکوۃ ۱۳۲، باب الاستسقاء قدیمی)

ترجمہ: حضرت انس رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے کہ حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کا معمول تھا کہ جب قحط ہوتا تو حضرت عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے توسل سے دعائے بارش کرتے اور کہتے کہ اے اللہ ہم اپنے پیغمبر کے ذریعے سے آپ کے حضور میں توسل کیا کرتے تھے۔ آپ ہم کو بارش عنایت کرتے تھے اور اب اپنے نبی کے چچا کے ذریعہ سے آپ کے حضور میں توسل کرتے ہیں سو ہم کو بارش عنایت کیجئے تو بارش ہو جاتی۔

(۳) عن ابی الدرداء رضی اللہ عنہ عن النبی ﷺ قال ابغونی فی ضعفائكم فانما ترزقون او تنصرون بضعفائكم۔ (مشکوۃ ۴۴۷، باب فضل الفقراء قدیمی)

ترجمہ: حضرت ابو الدرداء رضی اللہ تعالیٰ عنہ نبی اکرم ﷺ سے روایت کرتے ہیں کہ آپ نے فرمایا: مجھ کو قیامت کے روز غرباء میں ڈھونڈنا کیونکہ تم کو رزق یا دشمنوں پر غلبہ غرباء ہی کے طفیل سے میسر ہوتا ہے۔

(۲)۔ زندہ اور مردہ دونوں کا توسل نص سے ثابت ہے۔ زندہ کا توسل مندرجہ بالا نصوص سے ثابت ہے جبکہ مردہ کا توسل اس حدیث سے ثابت ہے۔

(۱) عن عثمان بن حنيف رضی اللہ عنہ ان رجلا كان يختلف الى عثمان بن عفان رضی اللہ عنہ فی حاجة له، فكان عثمان لا يلتفت اليه ولا ينظر فی حاجته، فلقی عثمان بن حنيف رضی اللہ عنہ فشكا ذلك اليه فقال له عثمان بن حنيف رضی اللہ عنہ ائت الميضاة، فتوضأ، ثم ائت المسجد، فصل فيه ركعتين ثم قال: اللهم انی اسالك واتوجه اليك بنبينا محمد ﷺ نبی الرحمة۔

(تکملة فتح الملهم ۵/۶۲۳۔ ذكره الهيثمی فی مجمع الزوائد ۲/ ۲۷۹)

ترجمہ: حضرت عثمان بن حنیف رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے کہ ایک شخص اپنی کسی حاجت کے بارے میں حضرت عثمان بن عفان رضی اللہ عنہ سے الجھ رہا تھا اور حضرت عثمان رضی اللہ تعالیٰ عنہ اس کی جانب التفات نہیں فرماتے تھے اور اس کی حاجت کی طرف کوئی توجہ ہی نہیں دیتے تھے تو وہ حضرت عثمان بن حنیف رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے ملا اور آپ سے شکایت کی تو حضرت عثمان بن حنیف رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے اس سے فرمایا کہ وضو کا برتن لاؤ اور وضو کرو پھر مسجد جاؤ اور دو رکعت نماز پڑھ کر یہ دعا کرو کہ: اے اللہ میں آپ

سے اپنے نبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم جو نبی الرحمہ ہیں کے وسیلہ سے سوال کرتا ہوں۔

(۳)۔آیات قرآنیہ "وَابْتَغُوا إِلَيْهِ الْوَسِيلَةَ "اور يَسْتَفْتِحُوْنَ" سے استدلال کرنا بعض لوگوں کے ہاں درست ہے۔

چنانچہ روح المعانی میں ہے:

(۱) يَا أَيُّهَا الَّذِيْنَ آمَنُوا اتَّقُوا اللّٰهَ وَابْتَغُوْا إِلَيْهِ الْوَسِيْلَةَ وَجَاهِدُوْا فِيْ سَبِيْلِهِ لَعَلَّكُمْ تُفْلِحُوْنَ

واستدل بعض بهذه الآية على مشروعية الاستغاثة بالصالحين وجعلهم وسيلة بين الله وبين العباد (روح المعانی ۱۲۴/۵، دار الفکر)

ترجمہ: اے ایمان والو! اللہ سے ڈرو اور اس کی طرف وسیلہ تلاش کرو.........

بعض لوگوں نے اس آیت سے نیک بندوں کے توسل کی مشروعیت پر استدلال کیا ہے اور ان کو اللہ اور بندوں کے درمیان وسیلہ بنایا ہے۔

(۲) وكانوا من قبل يستفتحون على الذين كفروا...نزلت فى قريظة و النضير كانوا يستفتحون على الاوس والخزرج برسول الله ﷺ قبل مبعثه.

(روح المعانی ۳۲۰/۱، سورۃ البقرۃ)

ترجمہ: وہ یہود پہلے فتح مانگتے تھے کافروں پر......... یہ آیت کریمہ بنو قریظہ اور بنو نضیر کے بارے میں نازل ہوئی ہے وہ اوس اور خزرج کے خلاف آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی بعثت سے پہلے آپ کے وسیلہ سے فتح طلب کیا کرتے تھے۔

(۴)۔آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے انتقال کے بعد آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے توسل سے دعا مانگنے پر حضرت عثمان بن حنیف رضی اللہ عنہ کی حدیث دلیل ہے۔جو جزء (۲) میں مذکور ہے۔

(۵)۔توسل بالاحیاء والاموات......... کسی نیک بندے کے توسل سے اللہ سے دعا کرنا، اور اس طریقے کے مطابق زندوں اور مردوں دونوں کو وسیلہ بنایا جاسکتا ہے اور اس توسل کا حاصل یہ ہوگا کہ اے اللہ یہ بزرگ زندہ یا مردہ آپ کے محبوب ہیں اور آپ کا وعدہ ہے کہ آپ کے محبوب سے جس کو تعلق ہو اس پر رحمت ہوتی ہے اور ہم کو ان بزرگ کے ساتھ عقیدت و محبت کا تعلق ہے اس لیے ہم آپ کی اس رحمت موعودہ کے طلب گار ہیں۔تکملہ فتح الملہم میں اس توسل کو یوں بیان فرمایا ہے:

"ان يقصد ان للمتوسل به مرتبة مقبولة عند الله، وانى احبه، وبوسيلة حبى اياه استغيث الله تعالىٰ واستجلب رحمته فهذا معنى صحيح لا محظور فيه" (تکملة فتح الملهم ۶۲۴/۵، باب قصة اهل الغار، مکتبه دار العلوم کراچی)

ترجمہ: میں فلاں بندے سے محبت کرتا ہوں اور اس کی پاکدامنی اور فضیلت کا معتقد ہوں اور اس وجہ سے بھی کہ وہ آپ کے

ہاں محبوب ہے تو میرا اس کے ساتھ جو تعلق ہے میں اس تعلق کے وسیلے سے آپ سے مدد مانگتا ہوں اور آپ کی رحمت طلب کرتا ہوں۔ یہ صحیح بات ہے اور اس میں کوئی قباحت نہیں۔

تو یہ درحقیقت کسی نیک بندے کے ساتھ اپنے تعلق اور محبت کے وسیلے سے رحمت الٰہی طلب کرنا ہے لہٰذا اس میں احیاء و اموات کا کوئی فرق نہیں۔ چنانچہ حکیم الامت حضرت مولانا اشرف علی تھانوی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں:

”توسل دعا میں مقبولان حق کا خواہ وہ احیاء ہوں یا اموات درست ہے، قصہ استسقاء میں حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کا توسل حضرت عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے اور قصہ ضریر میں توسل جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے بعد وفات بھی احادیث میں وارد ہے اس لیے جواز میں کوئی شبہ نہیں۔ ہاں اگر کہیں عوام کو ان کا غلو دیکھ کر بالکل بھی باز رکھا جائے تو یہ بھی درست ہے۔ مگر حق تعالیٰ پر اجابت کو ضرور سمجھنا یا ان بزرگوں سے سہارے کی امید رکھنا یا ان کے اسماء کو اسماء الٰہیہ کے برابر سمجھنا یہ زیادۃ علی الشرع ہے۔ فقط“

(امداد الفتاویٰ ۴/ ۳۷۲)

لما فی القرآن (المائدہ:۳۵): يَا أَيُّهَا الَّذِيْنَ آمَنُوا اتَّقُوا اللهَ وَابْتَغُوْا إِلَيْهِ الْوَسِيْلَةَ وَجَاهِدُوْا فِيْ سَبِيلِهِ لَعَلَّكُمْ تُفْلِحُوْنَ

وفی احکام القرآن (۱۵۹/۲)(سورۃ المائدۃ) دارالفکر: یا ایها الذین ...... فالاصل الطلب والوسیلة القربة التی ینبغی ان یطلب بها۔

وفی جامع الترمذی باب ۱۱۹ حدیث ۳۵۷۸،کتاب الدعوات: عن عثمان بن حنیف رضی اللہ عنہ ان رجلا ضریر البصر،اتی النبی صلی اللہ علیہ وسلم فقال: ادع الله ان یعافینی، قال ان شئت دعوت، وان شئت صبرت فهو خیرلك، قال: فادعه۔ قال: فامره ان یتوضا فیحسن وضوءه ویدعوا بهذا الدعاء: اللهم انی اسالك واتوجه الیك بنبیك محمد نبی الرحمة انی توجهت بك الی ربی فی حاجتی هذه لتقضی لی اللهم فشفعه۔الخ۔

وفی المهند علی المفند (۳۹) التوسل، کتب خانه مجیدیه ملتان: عندنا وعند مشائخنا یجوز التوسل فی الدعوات بالانبیاء والصالحین من الاولیاء والشهداء والصدیقین فی حیاتهم وبعد وفاتهم بان یقول فی دعائه اللهم انی اتوسل الیك بفلان ان تجیب دعوتی وتقضی حاجتی الی غیر ذلك۔

وفی نور الانوار (ص ۲۱۶) المصباح: ثم هذه الشرائع التی تلزمنا انما تلزمنا علی انها شریعة لرسولنا لا علی انها شرائع الانبیاء السابقة لانها اذا قصت فی کتابنا بلا انکار صارت جزءًا من دیننا۔

(۳۸۶) توسل بالانبیاء والاولیاء کا ثبوت اور اس کا حکم

سؤال

کیا فرماتے ہیں علماء کرام ومفتیانِ عظام اس مسئلہ کے بارے میں کہ میں نے ایک دفعہ اپنے دوست کے ہاں ان کی مسجد میں نماز پڑھی اور نماز کے بعد دعا مانگی دعا میں انبیاء اور اولیاء کرام کے واسطے سے دعا کرنے لگا تو فارغ ہونے کے بعد میرے دوست نے مجھے کہا کہ اللہ پاک تو قرآن پاک میں فرماتے ہیں کہ میں شہ رگ سے بھی زیادہ قریب ہوں اور تم مجھ سے دعا مانگو میں قبول کرتا ہوں تو دعا میں واسطے سے دعا کرنا مناسب نہیں اس کی بات سن کر مجھے تو کچھ سمجھ نہیں آیا اور میں خاموش ہو گیا اب میں اس مسئلے میں کافی پریشان ہوں۔ برائے کرم آپ قرآن وحدیث کی روشنی میں اس مسئلے کی وضاحت فرمادیں تاکہ مجھے اس پریشانی سے نجات مل جائے۔

الجواب بعون الملک الوهاب

وسیلہ کے معنی ہیں قرب حاصل کرنا، انبیاء اور اولیاء کرام کے ذریعہ سے اللہ تعالیٰ سے وسیلہ کرتے ہوئے دعا مانگنا حدیث سے ثابت ہے یہ اس بات کے منافی نہیں کہ اللہ تعالیٰ سے دعا مانگی جائے بلکہ وسیلہ سے دعا مانگنے والا گویا اللہ تعالیٰ کے سامنے عاجزی کرتے ہوئے عرض کرتا ہے کہ میری تو کوئی حیثیت نہیں محض اپنے فضل سے اور ان نیک بندوں کے صدقے میری دعا قبول فرما۔

صورت مسئولہ میں آپ انبیاء اور اولیاء کرام کے وسیلہ سے دعا کرسکتے ہیں بشرطیکہ یہ عقیدہ ہو کہ اگر اللہ تعالیٰ چاہیں گے تو یہ کام ہوگا اگر اللہ نہیں چاہیں گے تو نہیں ہوگا لیکن اگر یہ عقیدہ ہو کہ انبیاء اور اولیاء کرام بھی کچھ تصرف کرنے کا اختیار رکھتے ہیں تو پھر وسیلہ سے دعا مانگنا ناجائز، شرک ہوگا۔

لمافی الروض الازهر شرح الفقه الاکبر (ص۳۷۸): قلت اما التوسل ...... بالاعمال الصالحة او التوسل بالنبی ﷺ والصالحین فلا ینکره ابو حنیفة ولا احد من السلف المتقدمین لانه قال التوسل بالصالح هو التوسل بعمله الصالح والتوسل بالاعمال الصالحة ثابت فی البخاری۔

وفی رد المحتار (۳۹۷/۶): ...... او یراد بالحق الحرمة والعظمة فیکون من باب الوسیلة وقد قال تعالیٰ وابتغوا الیه الوسیلة وقد عد من آداب الدعاء التوسل علی مافی الحصن ...... وقال السبکی یحسن التوسل بالنبی الی ربه ولم ینکره احد من السلف ولا الخلف الا ابن تیمیة۔

(٣٨٧) توسل بالانبیاء والاولیاء

سؤال

کیا فرماتے ہیں علمائے کرام ومفتیان عظام اس مسئلہ کے بارے میں کہ توسل بالانبیاء والاولیاء جائز ہے یا نہیں؟ نیز توسل بالاحیاء والاموات اور توسل بالذوات والاعمال میں کچھ فرق ہے یا نہیں؟

الجواب بعون الملک الوهاب

توسل بالاحیاء ہو یا بالاموات، ذوات سے ہو یا اعمال سے، اپنے اعمال سے ہو یا غیر کے اعمال سے اسکی حقیقت اوران سب صورتوں کا مرجع توسل برحمۃ اللہ ہے بایں طور کہ ''فلاں مقبول بندہ پر جو رحمت ہے اس کے توسل سے دعا کرتا ہوں'' یا ''فلاں نیک عمل اپنا یا غیر کا جو محض آپ کی رحمت اور توفیق سے ہے اس کے توسل سے دعا کرتا ہوں''۔ اور چونکہ توسل برحمۃ اللہ کے جواز بلکہ ارجی للقبول ہونے میں کوئی شبہ نہیں ہے لہٰذا یہ سب صورتیں جائز ہیں۔ نیز اسی اعتبار سے توسل بالاحیاء والاموات اور توسل بالذوات والاعمال میں کوئی فرق نہیں ہے۔

لمافی روح المعانی (۱/۳۲۰): ''وكانو امن قبل يستفتحون على الذين كفروا'' نزلت فى بنى قريظة والنضيركانوا يستفتحون على الاوس والخزرج برسول اللهﷺ قبل مبعثه۔قاله ابن عباس رضى الله عنهما وقتادة والمعنى يطلبون من الله تعالى أن ينصرهم به على المشركين ، كما روى السدى انهم كانوا اذا اشتد الحرب بينهم وبين المشركين اخرجوا التوراة ووضعوا بين ايديهم على موضع ذكر النبىﷺ وقالوا اللهم انا نسألك بحق نبيك الذى وعدتنا ان تبعثه فى آخر الزمان ان تنصرنا اليوم على عدونا فينصرون۔

وفى الصحيح لمسلم (۲/۳۵۳): عن عبد الله بن عمر رضی اللہ عنہما عن رسول الله صلى الله عليه وسلم أنه قال بينما ثلاثة نفر يتمشون أخذهم المطر فأووا إلى غار فى جبل فانحطت على فم غارهم صخرة من الجبل فانطبقت عليهم فقال بعضهم لبعض انظروا أعمالا عملتموها صالحة لله فادعوا الله تعالى بها لعل الله يفرجها عنكم. فقال أحدهم اللهم إنه كان لى والدان شيخان كبيران وامرأتى ولى صبية صغار أرعى عليهم فإذا أرحت عليهم حلبت فبدأت بوالدى فسقيتهما قبل بنى وأنه نأى بى ذات يوم الشجر فلم آت حتى أمسيت فوجدتهما قد ناما فحلبت كما كنت أحلب فجئت بالحلاب فقمت عند رءوسهما أكره أن أوقظهما من نومهما وأكره أن أسقى الصبية

قبلهما والصبية يتضاغون عند قدمى فلم يزل ذلك دأبي ودأبهم حتى طلع الفجر فإن كنت تعلم أني فعلت ذلك ابتغاء وجهك فافرج لنا منها فرجة نرى منها السماء. ففرج الله منها فرجة فرأوا منها السماء. وقال الآخر اللهم إنه كانت لى ابنة عم أحببتها كأشد ما يحب الرجال النساء وطلبت إليها نفسها فأبت حتى آتيها بمائة دينار فتعبت حتى جمعت مائة دينار فجئتها بها فلما وقعت بين رجليها قالت يا عبد الله اتق الله ولا تفتح الخاتم إلا بحقه. فقمت عنها فإن كنت تعلم أنى فعلت ذلك ابتغاء وجهك فافرج لنا منها فرجة. ففرج لهم. وقال الآخر اللهم إنى كنت استأجرت أجيرا بفرق أرز فلما قضى عمله قال أعطنى حقى. فعرضت عليه فرقه فرغب عنه فلم أزل أزرعه حتى جمعت منه بقرا ورعاءها فجاءنى فقال اتق الله ولا تظلمنى حقى. قلت اذهب إلى تلك البقر ورعائها فخذها. فقال اتق الله ولا تستهزئ بي . فقلت إنى لا أستهزئ بك خذ ذلك البقر ورعاءها. فأخذه فذهب به فإن كنت تعلم أنى فعلت ذلك ابتغاء وجهك فافرج لنا ما بقى ففرج الله ما بقى.

(۳۸۸) آپ علیہ السلام یا دوسرے بزرگوں کے وسیلے سے دعا مانگنا

سوال......کیا فرماتے ہیں مفتیان دین مسئلہ ذیل کے بارے میں کہ آپ علیہ الصلوٰۃ والسلام کو اپنی دعامیں وسیلہ بنانا جائز ہے یا نہیں؟ نیز مردوں کو وسیلہ بنانا صحیح ہے یا نہیں۔ ہمارے ہاں کچھ لوگ مطلقاً وسیلے کا انکار کرتے ہیں۔ آپ جلد از جلد تسلی بخش جواب عنایت فرما کر عنداللہ ماجور ہوں۔

الجواب بعون الملک الوھاب

انبیاء وصلحاء کے وسیلہ سے دعا کرنا جائز ہے، چاہے وہ زندہ ہوں یا اس جہاں سے انتقال کر جائیں بشرطیکہ براہ راست ان سے دعا نہ مانگی جائے بلکہ ان کے وسیلے سے اللہ تعالیٰ سے دعا مانگی جائے اور یہ عقیدہ بھی نہ ہو کہ وسیلہ کے علاوہ اللہ تعالیٰ دعا قبول نہیں فرماتے یا وسیلہ کی صورت میں اللہ تعالیٰ پر قبولیت لازمی ہے۔ البتہ اتنی بات ضرور ہے کہ وسیلہ کی صورت میں قبولیت کی زیادہ امید کی جاسکتی ہے۔

قال الله تعالى (المائده : ۳۵):يَا أَيُّهَا الَّذِيْنَ آمَنُوا اتَّقُوا اللهَ وَابْتَغُوْا إِلَيْهِ الْوَسِيْلَةَالخ

قال العلامة الآلوسى بعدبحث نفيس وتحقيق انيق:...وبعد هذا كله انا لا ارى بأسا فى التوسل الى الله تعالى بجاه النبى صلى الله عليه وسلم عند الله حيا وميتا......ان التوسل بجاه غير النبى صلى الله عليه وسلم لا بأس به ايضا ان كان المتوسل بجاهه مما علم ان له جاها عندالله تعالى كالمقطوع بصلاحه وولايته

...... ان الناس قد اكثروا من دعاء غير الله تعالى من الاولياء والاحياء منهم والاموات وغيرهم مثل يا سيدى فلان اغثنى وليس ذلك من التوسل المباح فى شئى۔

وفى احكام القرآن للقرطبى (۱۵۹/۶):يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا اتَّقُوا اللهَ وَابْتَغُوا إِلَيْهِ الْوَسِيلَةَ وَجَاهِدُوا فِي سَبِيلِهِ لَعَلَّكُمْ تُفْلِحُونَ ...... فالاصل الطلب والوسيلة القربة التى ينبغى ان يطلب بها۔

وفى سنن ابن ماجه (ص۹۹): عن عثمان بن حنيف رضی اللہ عنہ ان رجلا ضرير البصر اتى النبى صلی اللہ علیہ وسلم فقال ادع الله ان يعافينى فقال ان شئت اخرت لك و هو خير ......ويدعوابهذا الدعاء اللهم اسألك واتوجه اليك بمحمد نبى الرحمة يا محمد انى قد توجهت بك الى ربى فى حاجتى هذه لتقضى اللهم فشفعه فى قال ابو اسحق هذا حديث صحيح۔

(۳۸۹) خانہ کعبہ کے غلاف یا دیگر تبرکات کا بوسہ لینا

سؤال

کیافرماتے ہیں علماء کرام ومفتیان عظام اس مسئلہ کے بارے میں کہ خانہ کعبہ کے غلاف یا دیگر تبرکات کا بوسہ لینا شرعاً جائز ہے یا نہیں؟

الجواب بعون الملک الوھاب

کعبہ یا خانہ کعبہ کے غلاف اور دیگر تبرکات کا بوسہ لینا شرعاً جائز ہے۔

لمافى الدر المختار مع ردالمحتار (۵۲۴/۲): وقبل العتبة تعظيما للكعبة ووضع صدره ووجهه على الملتزم وتثبت بالاستار ساعة كالمستشفع بها۔

وفى الشامية : (وقبل العتبة) اى ثم قبل العتبة المرتفعة عن الارض (وتثبت)اى تعلق كمايتعلق عبد ذليل بطرف ثوب لمولى جليل۔

(۳۹۰) کیا حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے درخت کاٹنے سے تبرک بآثار الصالحین کی نفی ہوتی ہے؟

سؤال

کیافرماتے ہیں علماء کرام ومفتیان عظام اس مسئلہ کے بارے میں کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے صلح حدیبیہ کے موقع پر جس درخت کے

نیچے بیٹھ کر بیعت لی تھی، حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے اس درخت کو کٹوا دیا تھا، حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے اس فعل سے تبرک بآثار الصالحین کی نفی ہوتی ہے۔ کیا تبرک بآثار الصالحین ناجائز ہے؟

الجواب بعون الملک الوھاب

صورت مسئولہ میں حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے اس فعل سے تبرک بآثار الصالحین کی نفی نہیں ہوتی اس لئے کہ حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے بیعت رضوان والا درخت نہیں بلکہ دوسرا درخت کٹوایا تھا۔ کیونکہ صحیح بخاری کی روایت ہے کہ جب صحابہ کرام رضوان اللہ علیہم اجمعین دوسرے سال حج کے لئے جا رہے تھے تو وہ اس درخت کو متعین نہ کر سکے کہ کون سا ہے۔ خود حضرت عمر رضی اللہ عنہ بھی بھول گئے تھے کہ وہ درخت کون سا ہے کیونکہ تفسیر طبری کی ایک روایت میں ہے کہ حضرت عمر رضی اللہ عنہ مکہ جا رہے تھے تو انہوں نے اس درخت کے متعلق سوال کیا۔ بعض نے کہا کہ "یہاں ہے"، اور بعض نے کہا کہ "یہاں ہے"۔ اگر متعین ہوتا تو سوال کی ضرورت نہ تھی لہٰذا بیعت رضوان والا نہیں بلکہ کوئی اور درخت کٹوایا تھا۔

اگر مان لیا جائے کہ وہی درخت کٹوایا تھا تو اس کی وجہ تبرک بآثار الصالحین کی نفی نہیں تھی بلکہ اس کی وجہ یہ تھی کہ لوگوں نے وہاں نماز پڑھنی شروع کر دی تھی، اب اس بات کا اندیشہ تھا کہ لوگ اس کو سجدہ گاہ نہ بنالیں اور اسے مؤثر حقیقی سمجھنے لگیں، اس فتنے سے بچانے کے لئے حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے اس کو کٹوا دیا۔

لمافی تفسیر الطبری (۲۶/۱۱۲): ان عمر بن الخطاب ﷺ مر بذلك المكان بعد ان ذهبت الشجرة فقال اين كانت فجعل بعضهم يقول هنا وبعضهم يقول هنا۔

وفی تفسیر روح البیان (جزء۲۶، السجلد۹/ص۳۴): يقول الفقير يمكن التوفيق بين الروايتين بانهم لما عميت عليهم ذهبوا يصلون تحت شجرة على ظن انها هي شجرة البيعة فامر عمر ﷺ بقطعها۔

وفی الصحیح للبخاری (۲/۵۹۹): فقال سعيد حدثني ابي انه كان فيمن بايع رسول الله ﷺ تحت الشجرة قال فلما خرجنا من العام المقبل نسيناها فلم نقدر عليها فقال سعيد ان اصحاب محمد ﷺ لم يعلموها وعلمتموها فانتم اعلم۔

وفی عمدة القاری (۱۴/۲۲۳): قال النووی سبب خفائها ان لايفتتن الناس بها لماجرى تحتها من الخير ونزول الرضوان والسكينة وغير ذلك فلو بقيت ظاهرة معلومة لخيف تعظيم الاعراب والجهال اياها وعبادتهم اياها وكان خفاءها رحمة من الله تعالى۔

(۳۹۱) بحق فلاں وغیرہ کے الفاظ کا حکم

سوال

کیا فرماتے ہیں علماء کرام ومفتیان عظام اس مسئلہ کے بارے میں کہ دعا کرتے وقت ''بحق جبرائیل یا بحق فلاں (مقصد نیک وصالح)'' کہنا کیسا ہے؟ جبکہ میں نے سنا ہے کہ فقہاء احناف کی کتابوں میں اس طرح کے الفاظ پر کراہت ذکر کی گئی ہے اور بعض اسلاف مثلاً مجدد الف ثانی رحمۃ اللہ علیہ وغیرہ سے بحق بني فاطمة کے الفاظ منقول ہیں۔ آپ حضرات دونوں باتوں میں تطبیق بیان فرمائیں نیز بعض حضرات کہتے ہیں اگر عوام کرے گی تو فساد عقیدے کا خطرہ ہے آپ یہ بھی بتائیں اس میں فساد عقیدے کا خطرہ کس طرح ہے؟ براہِ مہربانی مدلل انداز میں جواب دیں۔

الجواب بعون الملک الوھاب

آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم، انبیاء کرام علیہم السلام، صحابہ کرام رضوان اللہ علیہم اجمعین اور دیگر اللہ کے نیک بندوں کے طفیل اور وسیلے سے دعا مانگنا جائز ہے۔ جس کی صورت یہ ہے کہ اے اللہ! اپنے ان نیک اور مقبول بندوں کے طفیل میری یہ دعا قبول فرما، یا میری فلاں مراد پوری فرما دے، مگر یہ عقیدہ نہ رکھا جائے کہ توسل کے بغیر دعا کی جائے تو اللہ تعالیٰ اس کو سنتے ہی نہیں اور نہ یہ عقیدہ رکھا جائے کہ انبیاء واولیاء کے وسیلے سے دعا کی جائے تو اس کا ماننا اللہ تعالیٰ کے ذمہ لازم ہو جاتا ہے۔ نہیں! بلکہ یہ سمجھنا چاہیئے کہ ان اللہ کے نیک بندوں کے طفیل سے جو دعا کی جائے گی اس کی مقبولیت کی زیادہ امید ہے۔

رہی یہ بات کہ ہماری فقہ حنفی کی کتابوں میں جو مسئلہ لکھا ہے کہ: ويكره أن يقول في دعائه بحق فلان, أو بحق انبيائك ورسلك لأنه لاحق للمخلوق على الخالق۔ (ترجمہ: اور مکروہ ہے کہ اپنی دعا میں یوں کہے کہ یا اللہ! بحق فلاں یا بحق اپنے نبیوں اور رسولوں کے مجھے فلاں چیز عطا فرما، کیونکہ مخلوق کا کوئی حق خالق کے ذمہ نہیں)۔

اس کا مطلب یہ ہے کہ جو دعا ان حضرات کے وسیلے سے کی جائے گی اس کا پورا کرنا اللہ تعالیٰ پر لازم اور واجب ہو جائے گا تو یہ توسل جائز نہیں کیونکہ اللہ تعالیٰ کے ذمہ کسی مخلوق کا کوئی حق واجب نہیں، البتہ بحق فلاں سے مراد اس کریم ذات کی طرف سے جس کو جو کچھ عطا کیا جاتا ہے وہ محض فضل واحسان ہے تو یہ بات جائز ہے یا بحق فلاں سے مراد حقیت انبیاء کے طفیل دعا قبول فرما تو یہ بھی جائز ہے، البتہ چونکہ عوام ان دونوں باتوں کے درمیان فرق نہیں سمجھتے اس لئے ان جیسے الفاظ سے وسیلے کرنے کو مکروہ کہا ہے اور چونکہ عوام ''بحق فلاں'' سے عموماً یہ سمجھتے ہیں کہ ''بندوں کا حق اللہ تعالیٰ پر واجب ہے'' اور یہ ہی فساد عقیدہ ہے جبکہ اکابرین ان باتوں میں صحیح اور غلط کا فرق سمجھتے ہیں اس لئے ان سے اس طرح کا توسل کرنا منقول ہے۔

لما في القرآن الكريم (المائدہ: ۳۵): يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا اتَّقُوا اللهَ وَابْتَغُوْا إِلَيْهِ الْوَسِيْلَةَ

وَجَاهِدُوْا فِيْ سَبِيْلِهٖ لَعَلَّكُمْ تُفْلِحُوْنَ

وفی صحیح البخاری(۱/۱۳۷):عن أنس بن مالک رضی اللہ عنہ أن عمر بن الخطاب رضی اللہ عنہ کان إذا قحطوا استسقٰی بالعباس بن عبدالمطلب رضی اللہ عنہ فقال اللھم إنا کنا نتوسل إلیک بنبینا صلی اللہ علیہ وسلم فتسقینا وإنا نتوسل إلیک بعم نبینا فأسقنا قال فیسقون۔

وفی کنز العمال (۳/۱۶۹): ابغونی فی ضعفائکم فإنما ترزقون و تنصرون بضعفائکم۔

وفی المھند علی المفند(ص۲۹۔۳۰): عندنا وعند مشایخنا یجوز التوسل فی الدعوات بالأنبیاء والصالحین من الأولیاء والشھداء والصدیقین فی حیوتھم وبعد وفاتھم بأن یقول فی دعائہ اللھم إنی اتوسل إلیک بفلان أن تجیب دعوتی وتقضی حاجتی إلی غیر ذلک کما صرح بہ شیخنا ومولانا الشاہ محمد اسحاق الدھلوی ثم المھاجر المکی ثم بینہ فی فتاواہ شیخنا ومولانا رشید احمد الجنجوھی رحمۃ اللہ علیھما وفی ھذا الزمان شائعۃ مستفیضۃ بأیدی الناس۔

وفی الدرالمختار مع حاشیتہ(۶/۳۹۷): وکرہ قولہ (بحق رسلک وأنبیائک وأولیائک) أو بحق البیت لأنہ لاحق للخلق علی الخالق تعالٰی ولو قال لآخر بحق اللہ أو باللہ أن تفعل کذا لا یلزمہ ذلک وإن کان الأولی فعلہ درر۔

(قولہ: لأنہ لاحق للخلق علی الخالق) قد یقال إنہ لاحق لھم وجوباً علی اللہ تعالٰی، لکن اللہ سبحانہ وتعالٰی جعل لھم حقا من فضلہ أو یراد بالحق الحرمۃ والعظمۃ، فیکون من باب الوسیلۃ... وفی الیعقوبیۃ: یحتمل أن یکون الحق مصدرالاصفۃ مشبھۃ فالمعنی بحقیۃ رسلک فلا منع فلیتأمل اھ۔أی المعنی بکونھم حقا لا بکونھم مستحقین۔

قول: لکن ھذہ کلھا احتمالات مخالفۃ لظاھر المتبادر من ھذا اللفظ۔

(۳۹۲) موئے مبارک سے برکت کا حصول

سؤال

کیا فرماتے ہیں علماء کرام ومفتیان عظام اس مسئلہ کے بارے میں کہ آج کل ہمارے بعض مکاتب فکر والے کسی خاص موقع پر یہ کرتے ہیں کہ کسی برتن میں بال رکھ کر اس میں پانی ملاتے رہتے ہیں اور لوگ اس تاثر سے پیتے رہتے ہیں کہ یہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا بال مبارک ہے اور اس سے شفاء ہوگی۔کیا لوگوں کا اس طرح اسے موئے مبارک سمجھ کر پانی پینا شریعت کی رو سے جائز ہے یا نہیں؟

الجواب بعون الملک الوھاب

صورتِ مسئولہ میں اگر اس موئے مبارک کی ایسی سند موجود ہے جس کی بنا پر یہ یقین یا ظن غالب ہوجائے کہ واقعی یہ آپ کا موئے مبارک ہے تو پھر اس طرح پینا باعث خیر و برکت اور ظاہر و باطنی امراض سے شفا کا سبب ہے لیکن اگر اس کی کوئی سند نہیں ہے یا ہے لیکن قابل اعتماد نہیں ہے جیسا کہ آج کل یہی حال ہے تو پھر یہ تمام امور لا حاصل ہیں۔

لمافی الصحیح للبخاری (۸۷۵/۲): عن عثمان بن عبداللہ بن موھب رضی اللہ عنہ قال ارسلنی اھلی الی ام سلمۃ بقدح من ماء وقبض اسرائیل ...... فیہ شعر من شعرالنبی صلی اللہ علیہ وسلم وکان اذا اصاب الانسان عین اوشئ بعث الیھا مخضبۃ فاطلعت فی الجلجل فرأیت شعرات حمرا۔

(۳۹۳) ’’بحق فلاں‘‘ یا ’’بحرمۃ فلاں‘‘ کے الفاظ کا حکم

سؤال

کیا فرماتے ہیں علماء کرام ومفتیان عظام اس مسئلہ کے بارے میں کہ ’’بحق فلاں‘‘ یا ’’بحرمۃ فلاں‘‘ کے الفاظ کے ساتھ دعا کرنا کیسا ہے؟ قرآن وسنت کی روشنی میں جواب عنایت فرمائیں اور اگر اس کی دلیل ہو تو وہ بھی بیان فرمائیں۔

الجواب بعون الملک الوھاب

صورت مسئولہ میں ’’بحق فلاں‘‘ یا ’’بحرمۃ فلاں‘‘ کے الفاظ وسیلہ کی ہی ایک صورت ہیں لہٰذا ان الفاظ کے ساتھ دعا کرنا جائز ہے بشرطیکہ فساد عقیدہ کا خطرہ نہ ہو لیکن اگر فساد عقیدہ کا خطرہ ہو تو پھر ان الفاظ کے ساتھ دعا نا جائز ہوگی۔ یہی وجہ ہے کہ فقہاء سے ان الفاظ کے ساتھ دعا کرنے پر کراہت منقول ہے۔

لمافی قولہ تعالی (المائدہ : ۳۵): يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا اتَّقُوا اللَّهَ وَابْتَغُوا إِلَيْهِ الْوَسِيلَةَ وَجَاهِدُوا فِي سَبِيلِهِ لَعَلَّكُمْ تُفْلِحُونَ

وفی سنن ابن ماجۃ (ص۵۶): عن ابی سعید الخدری رضی اللہ عنہ قال قال رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم من خرج من بیتہ الی الصلوۃ فقال اللھم انی اسألك بحق السائلین علیك واسألك بحق ممشای ھذا ...... الی آخر الحدیث۔

وعلی ھامشہ: بحق السائلین اعلم انہ لاحق لاحد فی الحقیقۃ علی اللہ تعالی ولایجب علیہ شئ ۔ اھل السنۃ وانما ھو رأی المعتزلۃ الاان لہ معنیین احدھما اللزوم والثانی الالتزام فالاول کماقلنا والثانی تفضل منہ واحسان حیث التزم لنا باعمالنا مالسنا اھلا لذ! ھو الجواد

والمنعم یفضل علی عباده بمایشاء۔

وفی الدرالمختار مع ردالمحتار (۳۹۷/۶): وکره قوله بحق رسلك وانبیائك واولیائك او بحق البیت لانه لاحق للخلق علی الخالق تعالی۔

وفی الشامیة: وفی التاتارخانیة وجاء فی الآثار مادل علی الجواز۔

(۳۹۴) تبرکات سے برکت کا حصول

سؤال

کیافرماتے ہیں علماء کرام ومفتیان عظام اس مسئلہ کے بارے میں کہ کیابزرگان دین کے تبرکات سے برکت حاصل کرنا شرعاثابت ہے یانہیں؟ بحوالہ جواب عنایت فرمائیں۔

الجواب بعون الملک الوھاب

بزرگان دین کے تبرکات سے برکت حاصل کرنا شرعاثابت ہے۔

لمافی الصحیح للبخاری (۳۱/۱): قال ابوموسی رضی اللہ عنہ دعا النبی صلی اللہ علیہ وسلم بقدح فیه ماء فغسل یدیه ووجهه فیه ومج فیه ثم قال لهما اشربا منه وافرغا علی وجوهکما ونحورکما۔

وفیه ایضاً (۳۸/۱): قال عروة عن المسور ومروان خرج رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم زمن الحدیبیة فذکر الحدیث ...... وماتنخم النبی صلی اللہ علیہ وسلم نخامة الاوقعت فی کف رجل منهم فدلك بهاوجهه وجلده۔

وفی سنن ابی داؤد (۸۵/۲): عن اسامة بن زید قال خرج رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم یعود عبداللہ ......فلما مات اتاه ابنه فقال یانبی اللہ ان عبداللہ ابن ابیّ قدمات فاعطنی قمیصك اکفنه فیه فنزع رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم قمیصه فاعطاه ایاه۔

وفی المشکوۃ (ص۲۳۲): عن انس رضی اللہ عنہ ان النبی صلی اللہ علیہ وسلم اتی منیٰ فاتی الجمرة ......ثم دعا بالحلاق وناول الحالق شقه الایمن فحلقه ثم دعاابا طلحة الانصاری رضی اللہ عنہ فاعطاه ایاه ثم ناول الشق الایسر فقال احلق فحلقه فاعطاه اباطلحة رضی اللہ عنہ فقال اقسمه بین الناس۔

(۳۹۵) نعلین مبارک سے تبرک کا حصول

سؤال

کیا فرماتے ہیں علماء کرام ومفتیان عظام اس مسئلہ کے بارے میں کہ ہمارے زمانے میں نعلین مبارک کا جو نقش حضور ﷺ کی طرف منسوب کیا جاتا ہے یہ صحیح ہے یا نہیں؟ اور ان نعلین سے تبرک کے حصول کا اعتقاد رکھنا کیسا ہے؟

الجواب بعون الملک الوھاب

ہمارے زمانے میں مروج نقش تو نعلین مبارک ہی کا ہے اور روایات وغیرہ سے نعلین مبارک کا نقش ایسا ہی معلوم ہوتا ہے البتہ اس نقش سے تبرک کا حصول صحیح نہیں ہے۔ وجہ یہ ہے کہ آثار صالحین سے جو تبرک ثابت ہے وہ اس طور پر ہے کہ انہوں نے اس شئ کو استعمال کیا ہو یا کم سے کم چھوا ہو چنانچہ صحابہ کرام رضوان اللہ علیہم اجمعین نے حضور ﷺ کی ایسی اشیاء کو تبرک کے حصول کے لئے باقی رکھا جبکہ ہمارے ہاں رائج نقش صرف ان نعلین کی صورت ہے جس سے تبرک کا حصول صحیح نہیں ہے۔

لمافی الشمائل للترمذی (ص٦): عن ابن عباس رضی اللہ عنہ قال کان لنعل رسول اللہ ﷺ قبالان مثنی شراکھما۔ حدثنا احمد بن منیع...ثنا عیسی بن طھمان قال اخرج الینا انس بن مالك نعلین حرداوین لھما قبالان قال فحدثنی ...عن انس رضی اللہ عنہ انھما کانتا نعلی رسول اللہ ﷺ۔

(۳۹۶) وسیلے کے جواز وعدم جواز کی تفصیل

سؤال

کیا فرماتے ہیں علماء کرام ومفتیان عظام اس مسئلہ کے بارے میں کہ لوگوں کا عقیدہ یہ ہوتا ہے کہ اولیاء اللہ اپنی قبور میں زندہ ہیں اور ان سے وسیلہ جائز ہے کیا یہ بات صحیح ہے؟ وسیلہ کے جواز وعدم جواز کی مکمل تفصیل تحریر کریں۔

الجواب بعون الملک الوھاب

اللہ تعالی اولیاء کرام کو اس درجے کی حیات اخروی عطا کرتے ہیں جس سے وہ اللہ تعالی کی نعمتوں کا ادراک کرسکیں۔ اگر کوئی شخص قبر پر جاکر حاضر ہوتا ہے اور سلام کرتا ہے تو اس کے سلام کا جواب دیتے ہیں۔

اب توسل یا وسیلہ کی چند صورتیں بنتی ہیں جن میں سے کچھ ناجائز اور کچھ جائز ہیں، جن کی تفصیل درج ذیل ہے:

۱۔ جس کے وسیلے سے دعا کی جائے اسے مختار، نافع اور ضار (نقصان پہنچانے والا) سمجھا جائے۔

۲۔ جس کے وسیلے سے دعا کی جائے اس کے بارے میں یہ عقیدہ ہو کہ اگر چہ یہ مختار کل نہیں لیکن اللہ تعالی نے اختیارات اسے بھی تفویض کئے ہیں یا اختیارات میں یہ بھی شریک ہے۔ یہ دونوں صورتیں صریح شرک میں داخل اور نا جائز ہیں۔

۳۔ توسل بمعنی دعا۔ اگر اس معنی میں توسل زندوں سے ہو تو جائز ہے بایں طور کہ کسی شخص سے کہا جائے کہ آپ میرے لئے دعا کریں اور اگر اس طرح کا توسل مُردوں سے ہو تو جائز نہیں۔ یہی مطلب ہے حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے اس قول کا کہ ''اے اللہ ہم نبی علیہ الصلوٰۃ والسلام کو وسیلہ بناتے تھے پس آپ ہمیں سیراب کرتے تھے اب آپ کے چچا کو وسیلہ بناتے ہیں''۔

۴۔ توسل بالاعمال۔ اپنے یا کسی دوسرے شخص کے نیک عمل کو واسطہ بنایا جائے کہ اے اللہ اس عمل کے وسیلے سے دعا قبول کریں۔

۵۔ توسل بالذوات۔ اگر توسل کی ذکر کردہ صورتوں میں سے کوئی صورت نہ ہو تو اس کا مطلب یہی ہے کہ اے اللہ یہ آپ کا برگزیدہ بندہ ہے اس کے ساتھ جو آپ کو محبت ہے اس محبت کے وسیلے سے میری دعا قبول فرمالیں اور یہ محبت اللہ تعالی کی رحمت ہے اور اسکی رحمت کے واسطے سے ارجی للقبول ہونے میں کوئی شک وشبہ نہیں ہے لہٰذا وسیلہ کی یہ صورت نہ صرف جائز بلکہ بہتر ہے۔

دلائل المسئلة مرت سابقا فی رقم السؤال: ۳۸۵ ، ۳۸۶

کتاب الاسماء والالقاب

(ناموں اور القابات کا بیان)

(۳۹۷)کسی شخص کی تعظیم کیلئے لفظ اقدس استعمال کرنے کا حکم

سوال

کیا فرماتے ہیں علماء کرام ومفتیان عظام اس مسئلہ کے بارے میں کہ اپنے استاذ کیلئے یا کسی اور کیلئے لفظ اقدس استعمال کرنا کیسا ہے؟ مثلاً حضرت اقدس وغیرہ حالانکہ اقدس اللہ رب العزت کی صفت اور یہ اسم تفضیل کا صیغہ بھی ہے۔لہٰذا انسانوں کیلئے اس کا استعمال جائز ہے یا نہیں؟ براہ کرم قرآن وحدیث کی روشنی میں جواب دیں۔

الجواب بعون الملک الوهاب

ایسے اسماء جو اللہ تعالیٰ کی ذات پاک کے ساتھ خاص ہیں، ان کے ساتھ کسی کا نام رکھنا اور کسی کو لقب دینا وغیرہ جائز نہیں ہے۔ جیسے رحمن، قدوس وغیرہ۔البتہ وہ اسماء جو مشترکہ ہوں، یعنی جن کا استعمال اللہ تعالیٰ اور بندوں دونوں کے لئے ہوتا ہو، ان کے ساتھ نام رکھنا اور کسی کو لقب دینا وغیرہ جائز ہے۔لہٰذا اقدس، اعلیٰ حضرت وغیرہ کا لقب اپنے استاد یا بزرگ کے لئے استعمال کرنا جائز ہے۔کیونکہ ان سے جو مراد بندوں کے بارے میں لی جاتی ہے وہ مراد اللہ تعالیٰ کے بارے میں نہیں ہوتی۔

لمافی القرآن الکریم(التوبہ:۱۲۸): لَقَدْ جَاءَكُمْ رَسُولٌ مِّنْ أَنْفُسِكُمْ عَزِيزٌ عَلَيْهِ مَا عَنِتُّمْ حَرِيصٌ عَلَيْكُمْ بِالْمُؤْمِنِيْنَ رَءُوْفٌ رَّحِيْمٌ

وفی الهندیة(۳۶۲/۵): التسمية باسم يوجدفی كتاب الله تعالیٰ كالعلی والكبير والرشيد والبديع جائزة لأنه من الاسماء المشتركة ويراد فی حق العباد غير مايراد فی حق الله تعالیٰ، والتسمية باسم لم يذكره الله تعالیٰ فی عباده ولا ذكره رسول الله صلی الله عليه وسلم ولا استعمله المسلمون. تكلّموا فيه والأولیٰ أن لا يفعل۔

وفی الدرالمختار(۴۱۷/۶): وجاز التسمية بعلی ورشيد من الأسماء المشتركة ويراد فی حقنا غير ما

یراد فی حق اللہ تعالیٰ لکن التسمیة بغیر ذلك فی زماننا اولیٰ لأن العوام یصغرونها عند النداء۔

(۳۹۸) عبد محمد نام رکھنا/ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے نام پر کسی سے کوئی چیز لینا

سوال

کیا فرماتے ہیں علماء کرام اس مسئلہ کے بارے میں کہ ایک شخص کا نام عبد محمد ہے۔ کیا اس طرح کا نام رکھنا شرعاً جائز ہے یا نہیں؟ نیز محمد صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے نام پر مانگنا یا مانگنے والے کو دینا جائز ہے یا نہیں؟

الجواب بعون الملک الوھاب

کسی کا نام عبد محمد رکھنا درست نہیں ہے کیونکہ غیر اللہ کی عبودیت کے اعتقاد کا خدشہ ہے۔ اور محمد صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے نام پر کسی کا مانگنا اور مانگنے والے کو دینا جائز ہے۔

لما فی الهندية (۴۰۸/۴): اذا قال السائل بحق الله او بحق محمد صلی اللہ علیہ وسلم ان تعطینی كذا لا يجب عليه فی الحكم والاحسن فی المروءة انه يعطيه۔

وفی ردالمحتار (۴۱۸/۶): ويؤخذ من قوله ولاعبد فلان منع التسمية بعبد النبی ونقل المناوی عن الاميری انه قيل بالجواز بقصد التشريف بالنسبة والاكثر علی المنع خشية اعتقاد حقيقة العبودية كما لا يجوز عبدالدار۔

(۳۹۹) بچوں کے نام عبدالرحمن اور عبدالرحیم رکھنا

سوال

کیا فرماتے ہیں علماء کرام اس مسئلہ کے بارے میں کہ آج کل عام طور پر لوگ اپنے بچوں کے نام عبدالرحمن اور عبدالرحیم رکھتے ہیں بعدازاں پکارنے والے صرف ''رحمن'' یا ''رحیم'' کہہ کر پکارتے ہیں۔ آیا اس زمانے میں اس طرح کے نام رکھنا جائز ہے جبکہ یہ معلوم ہے کہ بعد میں اس طرح پکارا جائے گا؟

الجواب بعون الملک الوھاب

صورت مسئولہ میں آج کل اپنے بچوں کے نام اس طرح رکھنا مذکورہ خدشے کے پیش نظر خلاف اولیٰ ہے۔

لمافی الهندية (۳۶۲/۵): احب الاسماء الى الله تعالى عبدالله وعبدالرحمن لكن التسمية بغير هذه الاسماء فی هذا الزمان اولی لان العوام يصغرون هذه الاسماء للنداء۔

وفی الدرالمختار (۴۱۷/۶): احب الاسماء الى الله تعالى عبدالله وعبدالرحمن ...... لكن التسمية بغير ذلك فی زماننا اولی لان العوام يصغرونها عندالنداء۔

(۴۰۰) اللہ تعالیٰ کیلئے لفظ ''خدا'' استعمال کرنے کا حکم

سؤال

کیا فرماتے ہیں علماء کرام اس مسئلہ کے بارے میں کہ اکثر لوگ جب گفتگو کر رہے ہوتے ہیں تو لفظ اللہ کی جگہ خدا کا استعمال کرتے ہیں کیا اس طرح استعمال کرنے میں کوئی نقص لازمی نہیں آتا؟

الجواب بعون الملک الوھاب

ہر وہ نام جس کا استعمال قرآن وسنت میں اللہ رب العزت پر کیا گیا ہو اسی طرح وہ نام جو قرآن وسنت میں تو نہیں لیکن وہ اللہ رب العزت کی ذات کیلئے استعمال کیا جاتا ہو تو اسکا اطلاق اللہ رب العزت پر کرنا جائز ہے چاہے اس لفظ کا تعلق عربی زبان سے ہو یا دیگر زبانوں سے ہو جبکہ اس لفظ کے مفہوم میں کسی قسم کا نقص نہ ہو لہٰذا صورت مسئولہ میں اللہ رب العزت کیلئے خدائی کا لفظ استعمال کرنا جائز ہے کیونکہ لفظ خدا اور خدائی فارسی لفظ ہے جس کا معنی عربی زبان میں ایسی ذات سے کیا جاتا ہے جو کہ موجود ہو اور اپنے وجود میں کسی کی محتاج نہ ہو اور یہ معنی بہت عمدہ ہے اس میں کسی قسم کا کوئی عیب نہیں۔

لمافی روح المعانی (۹/ ۱۲۱ الی ۱۲۳): ومال اليه القاضی ابوبكر لشيوع اطلاق نحو خدا وتنكری من غير نكير فكان اجماعا ورد بان الاجماع كاف فی الاذن الشرعی اذا ثبت .... والمختار عندی عدم توقف اطلاق الاسماء المشتقة الراجعة الى نوع من الصفات النفية والفعلية وكذا الصفات السلبية عليه تعالى على التوقيف الخاص بل يصح الاطلاق بدونه لكن بعد التحری التام وبذل الوسع فيما هو نص فی التعظيم والتحفظ الى الغاية عما يوهم ادنى نقص معاذالله تعالى فی حقه سبحانه لانا مأذونون بتعظيم الله تعالى بالاقوال والافعال ولم يحدلنا حد فيه فمتى كان فی الاطلاق تعظيم له عزوجل كان ماذونا به والتكليف منوط بالوسع۔

وفی شرح العقائد (ص۹۷): واذا ورد بالشرع باطلاق اسم بلغة فهو اذن باطلاق مايرادفه من تلك اللغة اومن لغة اخرى۔

وفی النبراس (ص۱۷۳): قال بعض المحققین لانزاع فی جواز اطلاق اسمائه الاعلام الموضوعة فی اللغات کخدائی بالفارسیة وتنکری بالترکیة۔

(۴۰۱) لفظ خدا اللہ تعالیٰ کے لئے بولنا

سوال

مفتی صاحب! لفظ خدا اللہ تعالیٰ کے ذاتی وصفاتی نام میں سے نہیں تو پھر اللہ تعالیٰ کے لئے استعمال کرنا کیسا ہے؟

الجواب بعون الملک الوھاب

لفظ ''خدا'' اگرچہ اللہ تعالیٰ کے ذاتی یا صفاتی ناموں میں شامل نہیں لیکن اس لفظ کے اطلاق کی صحت پر اجماع ہوچکا ہے لہٰذا اس کا اطلاق صحیح ہے۔

لمافی روح المعانی (۱۲۱/۹): ان اسماء الله تعالی توقیفیة یراعی فیها الکتاب والسنة والاجماع فکل اسم ورد فی هذه الاصول جاز اطلاقه علیه جل شانه ومالم یرد فیهالایجوز اطلاقه وان صح معناه .... ومال الیه القاضی ابوبکر لشیوع اطلاق نحو خداوتنکری من غیر نکیر فکان اجماعا۔

وفی النبراس (ص۱۷۳): واذاورد فی الشرع باطلاق اسم بلغة کلفظ الله فهواذن باطلاق مایرادفه من تلك اللغة اومن لغة اخری کاسم خدابالفارسیة۔

وعلی هامشه: کاسم خدا...... ان المسلمین اجمعوا علی جواز اطلاقها۔

(۴۰۲) ''حضرت مولانا'' یا ''حضرت اقدس'' کا لفظ استعمال کرنا

سوال

کیافرماتے ہیں علماء کرام ومفتیان عظام اس مسئلہ کے بارے میں کہ کسی استاد یا بڑے عالم کے لئے نام کے ساتھ حضرت مولانا یا حضرت اقدس کا لفظ استعمال کرنا جائز ہے؟ اسی طرح ان کے نام کے ساتھ یہ القاب لکھنا جائز ہے یا نہیں؟

الجواب بعون الملک الوھاب

کسی عالم، بزرگ یا استاد کے لئے حضرت مولانا یا حضرت اقدس کے الفاظ استعمال کرنا جائز ہے چاہے بولنے کے اعتبار سے

ہو یا لکھنے کے اعتبار سے۔

لمافی روح المعانی (۲۶/۱۵۵) : وقد صرحوا بان التلقیب بالقاب الحسنة مما لاخلاف فی جوازه وقد لقب ابوبکر رضی اللہ عنہ بالعتیق لقوله علیه الصلوة والسلام له :انت عتیق الله من النار ...... ومازالت الالقاب الحسنة فی الامم کلها من العرب والعجم تجری فی مخاطباتهم ومکاتباتهم من غیر نکیر، ولافرق بین اللقب والکنیة۔

وهکذا بتغییر یسیر فی احکام القرآن للقرطبی (۱۶/۳۲۹)

وفی الهندیة (۵/۳۷۸): ولوقال لاستاذه مولانا لابأس وقد قال علی رضی اللہ عنہ لابنه الحسن رضی اللہ عنہ قم بین یدی مولاك عنی استاذه۔

فصل فی الفرق الاسلامیۃ والباطلۃ والاشخاص المتعلقین بہا

(صحیح اور گمراہ فرقوں اوران سے متعلق شخصیات کے بارے میں)

(۴۰۳) ذکری فرقہ کے عقائد

سوال

کیا فرماتے ہیں علماء کرام ومفتیان عظام اس مسئلہ کے بارے میں کہ ہمارے ہاں بلوچستان میں کچھ لوگ آباد ہیں جو اپنے آپ کو ذکری کہتے ہیں اور ملانور محمد اٹکی کو پیغمبر مانتے ہیں۔ کیا یہ لوگ مسلمان ہیں یا نہیں؟ ان کے عقائد بالتفصیل ذکر فرمائیں۔

الجواب بعون الملک الوھاب

صورت مسئولہ میں ذکری فرقہ کے عقائد کے بیان سے پہلے مناسب معلوم ہوتا ہے کہ اس فرقہ پر تاریخی اعتبار سے نظر ڈالی جائے۔

آپ کو یہ سن کر حیرت ہوگی کہ ذکری مذہب ایک ایسا مذہب ہے جس کا کوئی ضابطہ حیات نہیں بلکہ وقتی طور پر اس کے پیشوا جن کو ملائی کہا جاتا ہے جو حکم دے دیں وہی دین سمجھا جاتا ہے۔ ان کے مذہب پر کوئی اصولی کتاب منظر عام پر موجود نہیں، جو کسی نے لکھی ہے وہ قلمی نسخوں میں ایک دو نسخے ہیں جو کسی کو دکھانے سے گریز کیا جاتا ہے البتہ جو تفصیل معلوم ہوسکی وہ درج ذیل ہے:

ذکری مذہب حقیقت میں فرقہ مہدویہ کی ایک شاخ ہے، مہدوی فرقہ میراں سید محمد جونپوری کی طرف منسوب ہے۔ مختلف جگہوں میں اس کے مختلف نام ہیں، کہیں مہدوی کہیں دائرے والے، کہیں مصدق، کہیں ذکری، کہیں داعی اور کہیں طائی کے نام سے پہچانے جاتے ہیں۔ (مہدوی تحریک ص:۵)

میراں سید محمد جونپوری جمادی الاولی بروز پیر ۸۴۷ھ مطابق ۱۴۴۳ عیسوی جونپور (دوآبہ) ہندوستان میں پیدا ہوئے۔ والد کا مشہور نام عبداللہ ہے اور والدہ کا مشہور نام آمنہ خاتون عرف آغا ملک ہے۔

سید محمد جونپوری کے والد کا نام عبداللہ نہ تھا اور نہ ہی والدہ کا نام آمنہ البتہ جب مہدی ہونے کا دعوی کرنے کا ارادہ کیا اپنے

والدین کے نام حدیث کی پیشن گوئی کے مطابق کرنے کے لئے ان کے نام تبدیل کردئے اور جب وہی نام مشہور ہوگئے تو پھر مہدی ہونے کا دعوی کردیا۔

(اس بات کی کھلی شہادت کے لئے دیکھئے............دائرہ معارف اسلامیہ اردو ج ۷ /ص ۵۲۱......نزھۃ الخواطر ج ۴ /ص ۳۲۴)

بہرحال جمادی الاولی ۸۸۷ھ میں جونپور کو چھوڑ کر مختلف علاقوں میں گشت کرتے رہے یہاں تک کہ ۹۰۰ھ میں احمد نگر پہنچے اور ۹۰۱ھ میں حج کو چلے گئے نو ماہ مکہ معظمہ میں قیام کیا آخر کار رکن اور مقام ابراہیم کے درمیان کھڑے ہوکر مہدی ہونے کا دعوی کیا۔ (تحریک مہدویت مختصراص: ۴۴)

اس کے بعد واپس ہندوستان آئے سب سے پہلے احمد آباد (گجرات) میں داخل ہوئے۔ ۹۰۵ھ میں موجودہ پاکستان کے علاقہ ٹھٹھہ میں چھ ماہ قیام کیا پھر ٹھٹھہ سے بلوچستان کے غیر آباد اور دشوار راستوں سے ہوتے ہوئے اپنی کثیر جماعت کے ساتھ قندھار پہنچے قندھار سے فراہ آئے اور فراہ ہی میں ۱۹ ذیقعدہ ۹۱۰ھ میں بروز دوشنبہ انتقال کرگئے۔ (مہدوی تحریک مختصراص ۴۶)

یہاں تک کہ یہ بات ثابت ہوگئی کہ سید محمد نے مہدی ہونے کا دعوی کیا ان کے متبعین اس بات کے قائل ہیں کہ سید محمد مہدی آخرالزمان ہیں۔ نیز یہ لوگ ان کو رسول بھی مانتے ہیں چنانچہ ان کا کلمہ ملاحظہ ہو "لاالہ الااللہ نور پاك محمد مھدی مراد اللہ"۔ (ملاحظہ ہو بلوچستان گزیٹر/مکران ص: ۱۱۶)

یہ اپنا کلمہ یوں بھی پڑھتے ہیں "لاالہ الااللہ نور پاک محمد مہدی رسول اللہ" (ملت بیضاء ص: ۱۰)

ان کا کلمہ وہ بھی ہے جسے یہ لوگ پنجگانہ تسبیحات میں پڑھتے ہیں "لاالہ الااللہ الملك الحق المبین نور محمد مھدی رسول اللہ صادق الوعد الامین"۔

۲۔ یہ لوگ نماز کے منکر ہیں اور نماز کے بجائے پانچ وقت ذکر کرتے ہیں دیکھئے۔

(عمدۃ الوسائل مولانا محمد موسی ص: ۲۰ /مکران تاریخ کے آئینے میں ص: ۱۰)

۳۔ رمضان کے منکر ہیں۔ چنانچہ ان کے ایک مصنف لکھتے ہیں: وہ رمضان کے بجائے دوسرے دنوں میں تین ماہ آٹھ دن روزوں کے قائل ہیں۔ (دیکھئے: میں ذکری ہوں ج ۱ /ص: ۷، ۳۷، ۳۸، ۳۹)

۴۔ حج بیت اللہ کے منکر ہیں اور خانہ کعبہ کے قبلہ ہونے کے قائل نہیں۔ حج بیت اللہ کے بجائے کوہ مراد میں حج کرتے ہیں جو تربت (ضلع مکران) سے ایک میل کے فاصلے پر ہے۔ (ماخوذ از مہدوی تحریک ص: ۷۱)

اس کے علاوہ غسل بعد جماع واحتلام کے قائل نہیں ہیں۔ (عمدۃ ص: ۳۲)

میت کے لئے نماز جنازہ کے قائل نہیں ہیں صرف دعا کرتے ہیں جو ذکر خانہ میں ہوتی ہے۔ (میں ذکری ہوں ج ۱ /ص: ۴۵)

ان کے علاوہ بھی کئی خرافات ہیں جن کا تحریر میں لانا مناسب نہیں ہے۔ (تلخیص از احسن الفتاوی ج ۱ / ۱۹۰ تا ۱۹۵)

لہٰذا ان حوالہ جات کی روشنی میں ذکری فرقہ دائرہ اسلام سے خارج ہے۔

رسالة

انباء الاصفیاء

بحیوة الانبیاء وأن قبره الشریف افضل البقاع

حیاۃ النبی صلی اللہ علیہ وسلم اور روضہ مبارک کے سب سے افضل مکان ہونے کا بیان

(۴۰۴) عقیدہ حیاۃ الانبیاء اور قبر مبارک کے افضل ہونے کا بیان

سؤال

کیا فرماتے ہیں علماء کرام ومفتیانِ عظام اس مسئلہ کے بارے میں کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی روح مبارک کا آپ کے جسم اقدس سے تعلق نہیں ہے جو قبر اطہر میں ہے کیا یہ بات درست ہے؟ حوالوں کے ساتھ ذکر کریں۔ اسی طرح یہ بھی بتائیں کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کا جسد اقدس جس زمین سے مس ہو رہا ہے وہ عرش وکرسی سے بھی افضل ہے کیا یہ بات درست ہے؟ براہ کرم دونوں سوالوں کے جوابات مدلل انداز میں دیں۔

الجواب بعون الملک الوھاب

(۱)۔ حیاۃ الانبیاء کا عقیدہ خیر القرون سے امتِ مسلمہ کا اجماعی عقیدہ چلا آرہا ہے۔ قرآن پاک کی آیات اور احادیث کے نصوصِ صریحہ سے ثابت ہوتا ہے کہ انبیاء اپنی قبروں میں زندہ ہیں۔ جس طرح دنیاوی زندگی میں روح کا تعلق جسد سے ہوتا ہے اسی طرح (بلکہ اس سے بڑھ کر) تعلق انتقال کے بعد انبیاء کے جسموں کا روحوں کے ساتھ ہوتا ہے۔

یہ اہل السنۃ والجماعۃ کا اجماعی عقیدہ ہے روح کے انبیاء کے اجساد کے ساتھ تعلق کا انکار امت مسلمہ میں سے فرقہ معتزلہ کے علاوہ آج تک کسی نے نہیں کیا جبکہ اہل السنۃ والجماعۃ نے ان کا تعاقب کیا اور ان کے وہ عقلی شبہات جن کی وجہ سے وہ قبر میں حیات کا انکار کرتے تھے ان کے جوابات دیئے اور اس فرقہ معتزلہ کو (جو کہ اہل السنۃ والجماعۃ سے خارج اور گمراہ فرقہ ہے) اپنی موت آپ مار دیا۔
بیہقی رحمۃ اللہ علیہ نے حیاۃ الانبیاء پر ایک مستقل کتاب لکھی ہے جس میں وہ احادیث جمع کی ہیں جو صراحۃً انبیاء علیہم السلام کی قبر میں حیات پر

دلالت کرتی ہیں نیز اہل السنۃ والجماعۃ کے ائمہ اپنی اپنی کتابوں میں اس عقیدے کو ذکر کرتے آرہے ہیں۔ علامہ جلال الدین سیوطی رحمۃ اللہ علیہ نے بھی ایک مستقل کتاب لکھی جس کا نام "انباء الاذکیاء بحیاۃ الانبیاء" ہے لہٰذا ہر وہ شخص جو اپنے آپ کو اہل السنۃ والجماعۃ میں سے شمار کرتا ہو اس کیلئے اس عقیدے کا قائل ہونا ضروری ہے اور ان صریح نصوص کا انکار کرنا اہل السنۃ والجماعۃ سے خروج اور امت کے اجماعی عقیدہ سے انحراف ہے۔

(۲)۔آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی قبر مبارک باجماع فقہاء ومحدثین علی الاطلاق زمین کا سب سے افضل ٹکڑا ہے قاضی عیاض رحمۃ اللہ علیہ نے اس پر اجماع نقل کیا ہے اور ائمہ اہل السنۃ اسے اپنی اپنی کتابوں میں نقل کرتے آئے ہیں یہاں تک کہ قبر مبارک بالاتفاق کعبہ شریف سے بھی افضل ہے اور فقہاء نے یہ بھی نقل کیا ہے کہ قبر مبارک عرش، کرسی، لوح محفوظ اور آسمان پر موجود ہر شئی سے افضل ہے کیونکہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم جس قبر میں مدفون ہیں اس کی مٹی سے ہی آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی تخلیق کی گئی تھی تو گویا وہ مٹی آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے جسد اطہر کا جزء ہے اور یہ بات متعدد احادیث سے ثابت ہوتی ہے کہ بندہ اس مٹی میں ہی دفن ہوتا ہے جہاں سے اس کی تخلیق کی گئی ہوتی ہے لہٰذا جب وہ مٹی آپ صلی اللہ علیہ وسلم کا جزء ہے اور آپ صلی اللہ علیہ وسلم کا جسدِ اطہر اس سے مس بھی ہورہا ہے (اور اہل السنۃ والجماعۃ کا یہ عقیدہ ہے کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کا ہر جزء چاہے خون مبارک ہی کیوں نہ ہو وہ عرش وفرش سب سے افضل ہے) تو وہ مٹی بھی ہر شئی حتیٰ کہ کعبۂ شریف اور عرش سے بھی افضل ہوگی۔

لہٰذا قبر مبارک کے عرش وکرسی سے افضل ہونے کا عقیدہ رکھنا درست ہے اور یہ اہل السنۃ والجماعۃ کے عقائد میں سے ہے۔

لمافی فتح الباری (۳۷۹/۶): اخرجه ابو داود من وجه آخر عن ابی هريرة رضي الله عنه رفعه: "ما من احد يسلم على الا رد الله على روحی حتی ارد عليه السلام" ورواته ثقات۔

وفی مرقاة المفاتيح، باب الجمعة (۲۴۱/۳) امدادية: (ان الله حرم على الارض ان تاكل اجساد الانبياء) فيه اشارة الى ان العرض على مجموع الروح والجسد منهم بخلاف غيرهم ومن فی معناهم من الشهداء والأولياء فان عرض الامور ومعرفة الاشياء انما هو بارواحهم مع اجسادهم"...... (فنبی الله حی يرزق) رزقا معنويا فان الله تعالىٰ قال فی حق الشهداء من امة بل احياء عند ربهم يرزقون فكيف سيدهم بل رئيسهم لانه حصل له ايضا مرتبة الشهادة مع مزيد السعادة باكل الشاة المسمومة ...... الخ۔

وفی المهند على المفند، السوال الخامس (ص۳۰) ط ميزان: عندنا وعند مشائخنا حضرة الرسالة صلى الله عليه وسلم حی فی قبره الشريف وحيوته صلى الله عليه وسلم دنيوية من غير تكليف وهی مختصة به صلى الله عليه وسلم وبجميع الأنبياء صلوات الله عليهم والشهداء لا برزخية كما هی حاصلة لسائر المؤمنين بل لجميع الناس ... الخ۔

وفی صحیح مسلم. باب فضل ما بین قبرهﷺ ومنبره (۱/۴۴۶) ط قدیمی: عن عبدالله بن زید المازنی رضی الله عنه ان رسول اللهﷺ قال ما بین بیتی ومنبری روضة من ریاض الجنة۔

وفی الشامیة. مطلب فی تفضیل قبره المکرمﷺ (۲/۶۲۶) ط سعید: والخلاف فی ماعدا موضع القبر المقدس فماضم اعضاءه الشریفة فهو افضل بقاء الارض بالاجماع قال شارحه: وکذا ای الخلاف فی غیر البیت فان الکعبة افضل من المدینة ما عدا الضریح الاقدس وکذا الضریح افضل من المسجد الحرام۔

وقد نقل القاضی عیاض رحمه الله وغیره الاجماع علی تفضیله حتی علی الکعبة وان الخلاف فیما عداه ونقل عن ابن عقیل الحنبلی رحمه الله ان تلك البقعة افضل من العرش، وقد وافقه السادة البکریون علی ذلك، وقد صرح التاج الفاکهی رحمه الله بتفضیل الارض علی السموات لحلولهﷺ بها وحکاه بعضهم عن الاکثرین لخلق الانبیاء منها ودفنهم فیها. وقال النووی: الجمهور علی تفضیل السماء علی الارض فینبغی ان یستثنی منها مواضع ضم اعضاء الانبیاء للجمع بین اقوال العلماء۔

رسالة

الایضاح لعقیدۃ العلماء فی حیاۃ الانبیاء

حیاۃ النبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے متعلق علماء اہل سنت والجماعت کے عقیدے کی وضاحت

اور بعض لوگوں کا اکابرین اعلام پر افتراء اور اس کا تحقیقی جواب

(۴۰۵) عقیدہ حیات النبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے متعلق اکابرین کی تصریحات

سوال

کیا فرماتے ہیں علماء کرام ومفتیانِ عظام اس مسئلہ کے بارے میں کہ ہمارے علاقے میں ایک صاحب ہیں وہ کہتے ہیں کہ علماء دیوبند کا عقیدہ حیات النبی علیہ السلام کا نہیں مولانا حسین علی اور مولانا غلام اللہ خان رحمۃ اللہ علیہما وغیرہ حیات النبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم، سماعِ صلوۃ وسلام عند القبر اور توسل وغیرہ جیسے عقائد کے قائل نہ تھے یہ غیر اسلامی عقائد ہیں وہ صاحب ایسا عقیدہ رکھنے والوں پر سخت زبان استعمال کرتا ہے اس کے خیال میں یہ شرک کی جڑ ہیں۔ اور وہ اپنے آپ کو پکا دیوبندی سمجھتا ہے۔

آپ سے مؤدبانہ التماس ہے کہ علماء دیوبند برد اللہ مضاجعھم کا عقیدہ بالخصوص مولانا حسین علی اور مولانا غلام اللہ خان رحمۃ اللہ علیہما کے عقیدے سے متعلق وضاحت فرمادیں۔

الجواب بعون الملک الوھاب

حیات النبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اور متعلقہ دیگر عقائد احادیث صحاح سے ثابت اور خیر القرون سے لے کر عہدِ حاضر کے علماء اہل السنۃ والجماعۃ کے عقائد متفقہ میں داخل ہیں۔ علماء دیوبند اہل السنۃ والجماعۃ کا عقیدہ یہی ہے کہ آپ علیہ الصلوۃ والسلام اپنی قبر مبارک میں حیات ہیں اور قبر مبارک کے قریب پڑھا گیا صلوۃ وسلام خود سنتے ہیں اور دور سے پڑھا گیا صلوۃ وسلام فرشتے آپ تک پہنچاتے ہیں نیز آپ علیہ الصلوۃ والسلام کی ذاتِ عالیہ کے توسل سے دعا نصوص کثیرہ سے ثابت ہے۔ علماء دیوبند کے سرخیل قاسم العلوم والخیرات، بانی دار العلوم دیوبند الامام الکبیر حضرت مولانا قاسم نانوتوی رحمۃ اللہ علیہ کی کتاب ”آبِ حیات“ اسی موضوع پر ہے۔

حیات النبی ﷺ کا انکار نصوص صریحہ اور عقیدہ اہل السنۃ والجماعۃ سے انحراف اور ضلال ہے حیات النبی ﷺ سے متعلق دلائل اور باطل شبہات کے جوابات کو دیگر فتاوی اور تحریرات میں ملاحظہ کیا جا سکتا ہے، یہاں ہم صرف علماء دیوبند میں سے چند سرکردہ حضرات اور بالخصوص مولانا حسین علی واں بھچراں اور مولانا غلام اللہ خان رحمۃ اللہ علیہما کے حیات النبی اور سماعِ صلوۃ وسلام سے متعلق عقیدے کی وضاحت کریں گے۔

حضرت مولانا حسین علی رحمۃ اللہ علیہ، فقیہ النفس حضرت مولانا مفتی رشید احمد گنگوہی رحمۃ اللہ علیہ کے شاگرد ہیں اور حضرت مولانا غلام اللہ خان رحمۃ اللہ علیہ کے استاذ ہیں۔ حضرت رحمۃ اللہ علیہ امام المفسرین اور موحدین کے سر کے تاج ہیں حضرت اقدس رحمۃ اللہ علیہ کی اپنی تحریرات اور ان کے تلامذہ اور منتسبین کی تصدیقات اس بات پر شاہد ہیں کہ حضرت حیات النبی ﷺ اور سماع صلوۃ وسلام عند القبر کے قائل تھے حضرت اقدس رقمطراز ہیں:

"عن ابی هریرة رضی الله عنه قال قال رسول الله ﷺ من صلی عند قبری سمعته ومن صلی علی نائیا ابلغته". رواه البیهقی فی شعب الایمان (تحریراتِ حدیث ص۵۴۷ بحواله عقیده شیخ القرآن)

"حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وعلی آلہ واصحابہ وسلم نے ارشاد فرمایا جو شخص میری قبر کے قریب درود وسلام پڑھے میں اسے سنتا ہوں اور جو دور سے پڑھے وہ مجھ تک پہنچایا جاتا ہے۔"

"عن ابی الدرداء رضی الله عنه قال قال رسول الله ﷺ ان الله حرم علی الارض ان تأکل اجساد الانبیاء فنبی الله حی یرزق" (تحریراتِ حدیث ص۵۴۸)

"حضرت ابو الدرداء رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا بیشک اللہ تعالیٰ نے زمین پر حرام کر دیا ہے کہ وہ انبیاء کرام علیہم السلام کے بدن کو کھائے اس لیے کہ اللہ تعالیٰ کا نبی زندہ ہوتا ہے اور اسے رزق دیا جاتا ہے۔"

ان حوالوں سے معلوم ہوا کہ حضرت مولانا حسین علی رحمۃ اللہ علیہ نہ صرف حضور اکرم ﷺ کے روضہ مبارک کے قریب صلوۃ وسلام کے سماع کے قائل ہیں بلکہ حیات النبی اور قبر میں انبیاء کو رزق دیئے جانے کے بھی قائل ہیں یہی اہل السنۃ والجماعۃ کا عقیدہ ہے۔

حضرت مولانا حسین علی رحمۃ اللہ علیہ توسل کے بھی قائل تھے حضرت رحمۃ اللہ علیہ اپنی کتاب تحفہ ابراہیمیہ میں مشائخ کے اسماء مبارکہ سے توسل کی حقیقت بیان کرتے ہوئے فرماتے ہیں:

"اقول وقد یکون التوسل بمعنی ان الله تعالیٰ جعل فی ذکر اسمه برکته لحبه تعالی ایاه بواسطة ذکر ذلك العبد ایاه تعالی بالمحبة

نام من رفت است روزے برلب جاناں بسوز
اهل دل را بوئے جاں می آید از نامم هنوز

(تحفہ ابراھیمیہ طبع جدید ص۵۵)

"میں کہتا ہوں کہ کبھی توسل کا معنی یہ ہوتا ہے کہ اللہ تعالیٰ اس بندہ (شیخ طریقت) کے ذکر میں اپنی طرف سے برکت رکھ دیتا ہے کیونکہ اللہ تعالیٰ کو اس بندے سے محبت ہے اس لیے کہ وہ بندہ اللہ تعالیٰ کا ذکر محبت سے کرتا ہے۔

ترجمہ شعر: ایک دن میرا نام محبوب کے ہونٹوں پر سوز کے ساتھ آگیا تھا تو (اس میں ایسی تاثیر پیدا ہوگئی کہ) اہل دل کو ابھی تک میرے نام سے محبوب کی خوشبو آتی ہے۔"

اس کے علاوہ حضرت رحمۃ اللہ علیہ خود اپنی کتاب "تحریرات حدیث" میں اپنے مشائخ کرام سے توسل فرماتے ہیں، حضرت رحمۃ اللہ علیہ رقمطراز ہیں:

"الحمد لله رب العالمين اللهم صل على محمد وعلى آل محمد وبارك وسلم اللهم صل على سيدنا محمد وعلى آل سيدنا محمد وعلى ساداتنا النقشبندية وعلينا معهم اجمعين اللهم ارنا الحق حقا وارزقنا اختياره وارنا الباطل باطلا وارزقنا اجتنابه بحرمة سراجنا وشمسنا من البرج الرحمن امين يا رب العالمين ويرحم الله عبدا قال آمينا" (تحریرات حدیث طبع جدید اشاعت اکیڈمی پشاور ص۱۶۴)

حضرت مولانا حسین علی واں بھچراں رحمۃ اللہ علیہ کی یہ عبارت اس بات پر بین دلیل ہے کہ حضرت رحمۃ اللہ علیہ توسل کے قائل تھے اور عملاً توسل فرماتے تھے اور اپنی دعاؤں اور دعائیہ خطبات کو اپنے مشائخ عظام کے توسل سے سجاتے تھے۔

حضرت رحمۃ اللہ علیہ اس کے علاوہ استشفاع کے بھی قائل تھے حضرت رحمۃ اللہ علیہ اپنی کتاب تحریراتِ حدیث میں ابن حجر رحمۃ اللہ علیہ کی کتاب "الجوہر المنظوم" کے حوالے سے لکھتے ہیں:

"روى عن على رضى الله عنه انه بعد ما دفن ﷺ جاء اعرابى فقال يا رسول الله جئتك تستغفر لى الى ربى فنودى من القبر الشريف قد غفر لك (تحریرات حدیث ص۶۵۷)

"سیدنا علی المرتضیٰ رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت کیا گیا ہے کہ رسول اللہ ﷺ کے دفن کئے جانے کے بعد ایک اعرابی آیا پھر اس نے کہا یا رسول اللہ ﷺ میں آپ کی خدمت میں حاضر ہوا ہوں آپ میرے لیے میرے رب سے مغفرت طلب فرمائیں پس قبر شریف سے آواز آئی کہ بیشک تیری مغفرت ہو چکی ہے۔"

ان ذکر کردہ دلائل کی روشنی میں یہ بات روزِ روشن کی طرح واضح ہو جاتی ہے کہ حضرت حسین علی واں بھچراں رحمۃ اللہ علیہ حیات فی القبر، سماعت عند قبر النبی ﷺ، توسل اور استشفاع کے عقیدے کے قائل تھے۔ ان عقائد کو شرکیہ یا شرک کی جڑ قرار دینا ضلال وطغیان کے علاوہ کچھ بھی نہیں۔ حضرت حسین علی رحمۃ اللہ علیہ کے استاذ قطب الارشاد مولانا رشید احمد گنگوہی رحمۃ اللہ علیہ توسل اور حیات کے قائل تھے فتاویٰ رشیدیہ اور زبدۃ المناسک وغیرہ کتب کو ملاحظہ کیا جا سکتا ہے۔

بقیۃ السلف رأس المحدثین فی شبہ القارۃ الھند یہ حضرت مولانا سلیم اللہ خان دامت برکاتہم حضرت مولانا حسین علی اوران کے تلامذہ کے عقائد کی وضاحت ان الفاظ میں فرماتے ہیں:

"حضرت مولانا حسین علی صاحب رحمۃ اللہ علیہ سے یہ نقل کیا جاتا ہے کہ وہ ممات کے قائل تھے اور ممات کو ترجیح دیتے تھے، یہ غلط ہے اس کے غلط ہونے کے دو دلائل آپ کو بتاؤں گا ایک دلیل یہ ہے کہ وہ حضرت گنگوہی رحمۃ اللہ علیہ کے شاگرد ہیں اور حضرت گنگوہی رحمۃ اللہ علیہ مماتی نہیں تھے، حیاتی تھے۔ دوسری دلیل یہ ہے کہ حضرت مولانا حسین علی رحمۃ اللہ علیہ کے شاگرد حضرت مولانا سرفراز خان صفدر صاحب ہیں اور صرف شاگرد ہی نہیں ہیں بلکہ ان کے خلیفہ بھی ہیں اور سب جانتے ہیں کہ حضرت مولانا سرفراز خان صفدر صاحب مماتی نہیں ہیں بلکہ حیاتی ہیں تو جو حضرت مولانا حسین علی رحمۃ اللہ علیہ سے وابستہ ہیں ان کے مرید ہیں ان کے خلیفہ بھی ہیں اگر مولانا حسین علی رحمۃ اللہ علیہ کا مسلک مماتی ہے تو پھر ان کے خلیفہ اور مرید نے حیاتی مسلک کیوں اختیار کیا ہے؟ ایک مرید کو اپنے مرشد کے ساتھ جتنا تعلق ہوتا ہے معلوم ہے آپ کو؟ اتنا شاگرد کا اپنے استاذ کے ساتھ نہیں ہوتا۔ تو حضرت مولانا سرفراز خان صفدر صاحب ان کے مرید بھی ہیں اور ان کے شاگرد بھی ہیں اور ان کے خلیفہ بھی ہیں، اور وہ حیاتی ہیں تو معلوم ہوا کہ حضرت مولانا حسین علی صاحب رحمۃ اللہ علیہ سے مماتیت کی نسبت درست نہیں اس کے علاوہ حضرت مولانا عبداللہ بہلوی رحمۃ اللہ علیہ جو بہت بڑے عالم گزرے ہیں وہ بھی حضرت مولانا حسین علی رحمۃ اللہ علیہ کو حیاتی بتاتے ہیں، مماتی نہیں بتاتے، حضرت مولانا حسین علی رحمۃ اللہ علیہ حضرت گنگوہی رحمۃ اللہ علیہ کے شاگرد ہیں اور حضرت گنگوہی رحمۃ اللہ علیہ مماتی نہیں تھے۔

دوسری بات یہ ہے کہ حضرت مولانا سرفراز خان صفدر صاحب دامت برکاتہم (اور اب رحمۃ اللہ علیہ) بھی ان کے شاگرد، مرید اور خلیفہ ہیں وہ حیاتی ہیں تو پھر ان کے پیر کو بھی حیاتی ماننا پڑے گا، ان کو مماتی کیوں کہا جا رہا ہے؟

تیسری بات یہ ہے کہ حضرت مولانا عبداللہ بہلوی رحمۃ اللہ علیہ بہت بڑے عالم ہیں۔ پیر طریقت بھی ہیں اور ان کا بہت بلند مقام ہے۔ ان کے ارشاداتِ عالیہ کی تشہیر حضرت مولانا سعید احمد جلالپوری نے چار جلدوں میں شائع کی ہے۔ وہ تصوف کے نکات وامور پر مشتمل ہے یہ بھی بہت بڑے بزرگ عالم ہیں اور وہ بھی مولانا حسین علی رحمۃ اللہ علیہ کے شاگرد ہیں وہ حیاتی ہیں۔"

(ماہنامہ القاسم، نوشہرہ، جلد ۱۲، شمارہ ۵۔۶، ۱۴۲۹ بحوالہ عقیدہ شیخ القرآن)

دراصل ۱۹۵۷ء سے قبل حیات اور ممات کا اختلاف ہی نہ تھا علماء اہل السنۃ والجماعۃ علماء دیوبند حیات النبی کے قائل تھے حضرت مولانا خلیل احمد سہارنپوری رحمۃ اللہ علیہ نے علماء دیوبند کے عقائد پر جوشہرہ آفاق کتاب (جس پر عرب وعجم کے علماء کی تصدیقات ثبت ہیں) تحریر فرمائی ہے اس میں حیاۃ النبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اور توسل سے متعلق عبارت ہے:

"عندنا وعند مشائخنا یجوز التوسل فی الدعوات بالانبیاء والصالحین من الاولیاء والشھداء والصدیقین فی حیاتھم وبعد وفاتھم بان یقول فی دعائه اللھم انی اتوسل الیك بفلان ان تجیب دعوتی وتقضی حاجتی .... عندنا وعند مشائخنا حضرۃ الرسالة ﷺ حیی فی قبرہ

الشریف وحیوته ﷺ دنیویة من غیر تکلیف وھی مختصة به ﷺ وبجمیع الانبیاء صلوات اللہ علیھم والشھداء لا برزخیة کما ھی حاصلة لسائر المؤمنین بل لجمیع الناس کما نص علیه العلامة السیوطی فی رسالته انباء الاذکیاء بحیوة الانبیاء الخ۔

(المھند علی المفند ص۳۹)

"ہمارے نزدیک اور ہمارے مشائخ کے نزدیک دعاؤں میں انبیاء وصلحاء واولیاء وشہداء وصدیقین کا توسل جائز ہے ان کی حیات میں یا بعد وفات بایں طور کہ کہے یا اللہ میں بوسیلہ فلاں بزرگ کے تجھ سے دعاء کی قبولیت اور حاجت براری چاہتا ہوں.......... ہمارے نزدیک اور ہمارے مشائخ کے نزدیک حضرت ﷺ اپنی قبر مبارک میں زندہ ہیں اور آپ کی حیات دنیا کی سی ہے بلا مکلف ہونے کے اور یہ حیات مخصوص ہے آنحضرت ﷺ اور تمام انبیاء اور شہداء کے ساتھ برزخی نہیں ہے جو حاصل ہے تمام مسلمانوں کو بلکہ سب آدمیوں کو چنانچہ علامہ سیوطی رحمۃ اللہ علیہ نے اپنے رسالے "انباء الاذکیاء بحیوۃ الانبیاء" میں بتصریح لکھا ہے الخ۔"

حضرت مولانا خلیل احمد سہارنپوری رحمۃ اللہ علیہ نے باتفاق علماء دیوبند یہ کتاب "المھند علی المفند" تحریر فرمائی اور اس پر عرب وعجم کے علماء ومفتیان نے تصویبی دستخط ثبت فرمائے ہیں۔ علماء دیوبند سے متعلق اہم شخصیات کی صریح عبارات تو ہم آگے پیش کریں گے یہاں ہم سوال میں ذکر کردہ ایک اور شخصیت شیخ القرآن حضرت مولانا غلام اللہ خان رحمۃ اللہ علیہ کے عقیدہ حیات النبی ﷺ اور سماع وغیرہ پر تفصیلی روشنی ڈالیں گے۔

شیخ القرآن حضرت مولانا غلام اللہ خان رحمۃ اللہ علیہ توحید وسنت کے علمبردار اور اہل السنۃ والجماعۃ جماعتِ دیوبند کے رکنِ رکین تھے حضرت رحمۃ اللہ علیہ نے تمام عمر علماء دیوبند اور عقائد حقہ کا دفاع کیا۔ حضرت رحمۃ اللہ علیہ ہمیشہ سے حیات النبی ﷺ کے عقیدے کے قائل رہے ہیں۔ ۱۹۶۲ء میں حکیم الاسلام قاری طیب رحمۃ اللہ علیہ کی مساعی کی بنیاد پر ایک تاریخی فیصلہ تحریر ہوا جس پر تمام اہل حق نے دستخط فرمائے حضرت شیخ القرآن رحمۃ اللہ علیہ نے بھی اس پر دستخط فرمائے ہیں۔ اس فیصلہ کے متن کے الفاظ یہ ہیں:

"وفات کے بعد نبی کریم ﷺ کے جسد اطہر کو برزخ یعنی (قبر مبارک) میں بتعلق روح حیات حاصل ہے اور اس حیات کی وجہ سے روضہ اقدس پر حاضر ہونے والوں کا آپ ﷺ صلوۃ وسلام سنتے ہیں۔" (مسئلہ حیات النبی ﷺ کے متعلق چار سالہ نزاع کا خاتمہ از قاری طیب رحمۃ اللہ علیہ۔ شائع کردہ: جامعہ عربیہ اشاعت القرآن حضرو، اٹک صفحہ۔۱)

اس متن پر حضرت شیخ القرآن رحمۃ اللہ علیہ کے دستخط اس بات کا واضح ثبوت ہے کہ حضرت حیات النبی ﷺ اور سماع عند القبر کے قائل تھے۔ نیز یہاں یہ اشتباہ ذہن میں نہ رہے کہ حضرت رحمۃ اللہ علیہ پہلے ممات کے قائل تھے پھر قاری طیب رحمۃ اللہ علیہ کے مساعی کے بعد حضرت شیخ القرآن رحمۃ اللہ علیہ نے رجوع کیا ہو بلکہ حضرت شیخ القرآن رحمۃ اللہ علیہ تو ہمیشہ سے ان عقائد کے قائل رہے تھے ۱۹۶۲ء سے قبل اور بعد دونوں اوقات میں آپ کا عقیدہ حیات کا ہی تھا۔ حکیم الاسلام قاری طیب رحمۃ اللہ علیہ کو تصفیہ نزاع کیلئے پاکستان اس لیے تشریف

لانا پڑا کیونکہ ۱۹۵۷ء میں جمعیت اشاعۃ التوحید والسنۃ کے بعض حضرات نے ممات کا عقیدہ اختیار کرلیا اور اس کا خوب پرچار کیا یہاں تک کہ چار سال کے قلیل عرصے میں ۱۹۶۱ء تک یہ مسئلہ محلِ نزاع اور خواص وعوام میں جھگڑوں کا سبب بن گیا حضرت شیخ القرآن رحمۃ اللہ علیہ بھی جمعیت اشاعۃ التوحید والسنۃ کے بڑے تھے اس لیے آپ کی طرف بھی عقیدہ ممات کا انتساب کیا جانے لگا۔ مسئلہ چونکہ نزاعی وجدالی کیفیت اختیار کر چکا تھا جبکہ نجات کا مدار مسئلہ ہذا پر نہیں لہٰذا حکیم الاسلام قاری طیب رحمۃ اللہ علیہ ہندوستان سے پاکستان تشریف لائے اور تصفیہ نزاع کیلئے مساعی جمیلہ کیں جس کے نتیجے میں مذکورہ بالا تحریر پر جمعیت اشاعۃ التوحید والسنۃ اور دیگر حضرات نے متفقہ دستخط ثبت فرمائے۔ شیخ القرآن رحمۃ اللہ علیہ نے خود بھی دستخط ثبت فرمائے اور جمعیت کے ایک رکن کی عدم موجودگی کے باعث ان کی طرف سے دستخط کروانے کی یقین دہانی کرائی لیکن اس ایک رکن کے علاوہ تمام ارکانِ اشاعۃ التوحید والسنۃ نے اس تاریخی معاہدے پر دستخط فرمائے اور پھر راولپنڈی میں ہزاروں کے اجتماع میں حکیم الاسلام قاری طیب رحمۃ اللہ علیہ نے ۱۹۶۲ء میں یہ تاریخی فیصلہ سنایا ایک طرف حضرت شیخ القرآن رحمۃ اللہ علیہ اور دوسری طرف حضرت مولانا محمد علی جالندھری رحمۃ اللہ علیہ نے اپنی تقاریر سے حضرت حکیم الاسلام رحمۃ اللہ علیہ کی توثیق فرمائی اور وہ نزاع جو چار سال ۱۹۵۷ء سے ۱۹۶۱ء تک بعض حضرات کا پیدا کردہ تھا ختم ہوگیا حضرت قاری طیب رحمۃ اللہ علیہ نے مکتوبات حکیم الاسلام جلد سات میں یہ ساری تفصیل خود تحریر فرمائی ہے حضرت اس پورے واقعے کی روئیداد بیان کرتے ہوئے لکھتے ہیں:

"اس نئی صورت کا سب سے شاندار مظاہرہ راولپنڈی کے اس عظیم الشان جلسہ عام میں ہوا جو احقر کی تقریر کے سلسلے میں مدرسہ عثمانیہ کے زیر اہتمام ایک میدان میں زیر صدارت حضرت مولانا خیر محمد صاحب (شیخ الحدیث مدرسہ خیر المدارس) میں منعقد کیا گیا احقر کو منظوم سپاس نامہ دینے کا آغاز ہوا اور احقر کی تقریر شروع ہوئی جو تقریباً ڈیڑھ گھنٹہ جاری رہی تقریر کے آخر میں احقر نے عوام کو مخاطب کرتے ہوئے اس نزاع کے ختم ہونے کی بشارت تفصیل سے سنائی جس سے عوام میں خوشی کی ایک بے پناہ لہر دوڑ گئی اور ان ہزاروں انسانوں کے ہجوم نے بے تحاشا تبریک وتہنیت کے نعرے لگانے شروع کر دیئے جس سے فضا گونج اٹھی ختم تقریر پر ایک طرف مولانا غلام اللہ خان صاحب اور دوسری طرف مولانا محمد علی صاحب جالندھری نے تقریروں سے اپنے بیان کی توثیق کی الخ۔ (مسئلہ حیات النبی کے متعلق چار سالہ نزاع کا خاتمہ ص ۱۲)

الغرض جمعیت اشاعۃ التوحید والسنۃ کے بعض حضرات کی جانب سے پیدا کردہ یہ نزاع پھر ختم ہوگیا اور اہل السنۃ والجماعۃ کی صفوں میں اتحاد ہوگیا۔ جیسا کہ ہم نے وضاحت کردی کہ حیات النبی صلی اللہ علیہ وسلم اور سماع کے مسئلے میں حضرت شیخ القرآن رحمۃ اللہ علیہ پہلے بھی ممات اور عدمِ سماع کے قائل نہ تھے بلکہ حضرت ہمیشہ حیات اور سماع عند القبر کے قائل رہے ہیں اختلاف جمعیت کے دوسرے حضرات کا پیدا کردہ تھا جو ۱۹۶۲ء میں (یعنی چار سال تک رہ کر) ختم ہوگیا اہل السنۃ والجماعۃ کا کلمہ متحد ہوگیا۔ حضرت شیخ القرآن رحمۃ اللہ علیہ کے عقیدے سے متعلق ۱۹۶۲ء سے قبل اور بعد کے فتاویٰ جن میں حضرت شیخ القرآن کی تصدیق ثبت ہیں ہم نقل کریں گے یہ فتاویٰ اس بات کی دلیل ہیں کہ حضرت شیخ القرآن رحمۃ اللہ علیہ ہمیشہ حیات کے قائل رہے ہیں اور ۱۹۶۲ء کے متفقہ فیصلے پر دستخط حضرت رحمۃ اللہ علیہ کا رجوع نہیں بلکہ اشتباہ کی وضاحت تھی اور اپنے عقیدے کا بانگِ دہل اقرار تھا۔ حضرت شیخ القرآن رحمۃ اللہ علیہ کے فتاویٰ کو ان کے

شاگرد رشید" حضرت مولانا عبد المعبود صاحب" دامت برکاتہم نے اپنی کتاب "عقیدہ شیخ القرآن" میں جمع فرمایا ہے ہم اسی کتاب سے وہ فتاویٰ نقل کر رہے ہیں۔

مفتی عبد الرشید، مفتی دار العلوم تعلیم القرآن ایک سوال کے جواب میں تحریر فرماتے ہیں:

"کئی اکابر علماء دیوبند نے اپنی تحریروں میں تصریح کی ہے کہ عند القبر انبیاء علیہم الصلوٰۃ والسلام کا سماع بلا شبہ ثابت ہے خصوصاً سید الانبیاء علیہ الصلوٰۃ والسلام کا مقام بہت بلند ہے اور آپ کے سماع میں تو کچھ شبہ ہی نہیں"

مفتی عبد الرشید

۲۷ صفر ۱۳۷۹ھ (۲ ستمبر ۱۹۵۹ء)

الجواب صحیح: لاشئ غلام اللہ خان

(مطبوع فی ماہنامہ تعلیم القرآن ستمبر ۱۹۵۹ء)

مولانا محمد شفیع منچن آباد ضلع بہاولنگر کے سوال کے جواب میں مفتی عبد الرشید صاحب لکھتے ہیں:

"ہمارا یہ عقیدہ ہے کہ حضور اکرم ﷺ کو درود وسلام بذریعہ فرشتوں کے پہنچایا جاتا ہے اور قبر مبارک پر پڑھنے کے وقت بنفس نفیس سنتے ہیں، جیسا کہ کئی روایات میں آیا ہے۔

اور یہ جمہور علماء دیوبند کا مسلک ہے لیکن یہ مسئلہ فروعی ہے، بنیادی عقائد میں سے نہیں ہے فلہٰذا اس میں اختلاف کی گنجائش بھی ہے دلائل کی بنیاد پر اگر اس میں کوئی صاحبِ علم اختلاف کرے تو وہ معذور ہے۔"

مفتی عبد الرشید

۱۷ جمادی الاولیٰ ۱۳۸۲ھ (۱۶/اکتوبر ۱۹۶۲ء)

شیخ القرآن اس کے جواب میں لکھتے ہیں:

"حضرت مولانا قاری محمد طیب صاحب دامت برکاتہم کے فیصلے کو مدار بنانا چاہیئے اگرچہ ہم اور اکابرین علماء دیوبند سماعِ درود وسلام عند قبر النبی ﷺ کے قائل ہیں، لیکن جو دوام کے قائل نہیں ہیں وہ بھی علماء اہل السنت والجماعۃ اور علماء دیوبند میں سے ہیں"

لاشئ غلام اللہ خان

۱۷ جمادی الاولیٰ ۱۳۸۲ھ (۱۶/اکتوبر ۱۹۶۲ء)

تیسرا فتویٰ مع سوال کے ملاحظہ ہو:

الاستفتاء: حضرت مولانا غلام اللہ خان صاحب مدظلہ، السلام علیکم!

ہمارے ہاں ایک مولوی صاحب احمد سعید خان ہیں۔ وہ کہتے ہیں جو شخص یہ عقیدہ رکھتا ہے کہ نبی کریم ﷺ اپنی قبر شریف پر

پڑھا ہوا صلوۃ وسلام سنتے ہیں، وہ شخص کافر ہے۔ وہ مولوی صاحب اپنے آپ کو آپ کی جماعت کا بتاتے ہیں۔ دیوبندی لوگوں میں بہت اختلاف ہوگیا ہے، لہٰذا آپ اپنا عقیدہ اور اہل سنت والجماعت کا عقیدہ ظاہر فرما کر ہم پر کرم نوازی فرمائیں تاکہ عام مسلمانوں کی رہبری ہوسکے۔

نیازمند احقر عبدالقادر خان عباس

احمد پور شرقیہ، سابق ریاست بہاولپور

الجواب وھوالموفق للصواب: کتب فقہ حنفیہ اور احادیث سے یہ بات ثابت ہے کہ عند القبر بذاتِ خود آنحضرت ﷺ درود و سلام سنتے ہیں۔ سلف اہل سنت والجماعت میں اس کے اندر کوئی اختلاف نہیں ہے۔ ایسے عقیدے والے کو کافر اور مشرک کہنا بہت بڑی دلیری ہے۔ العیاذ باللہ تعالیٰ۔ اللہ تعالیٰ ایسی جہالت سے ہر ایک کو محفوظ رکھے اور سلف کے نقشِ قدم پر چلنے کی توفیق عطا فرمائے۔

ھذا واللہ تعالیٰ اعلم بالصواب

عبدالرشید مفتی دارالعلوم تعلیم القرآن

راجہ بازار راولپنڈی

۲۲ صفر ۱۳۹۶ھ (فوری ۱۹۷۶ء)

الجواب صحیح: لاشئی غلام اللہ خان

جواب درست ہے۔ ناکارہ خلائق غلام ربانی

(نوٹ: اس فتویٰ کا عکس خیر الفتاویٰ ۱/۱۸۸ پر مطبوع ہے)

ایک اور فتویٰ ملاحظہ ہو جو حضرت شیخ القرآن رحمۃ اللہ علیہ کے دور اہتمام میں ۱۹۷۸ء میں حضرت رحمۃ اللہ علیہ کے وصال سے دو سال قبل جاری ہوا۔ ایک سوال کے جواب میں تحریر ہے:

"جواب نمبر 1: سادات دیوبند کشف قبور کے قائل ہیں حضرت مولانا رشید احمد گنگوہی رحمۃ اللہ علیہ اور دیگر علماء دیوبند کی تصریح ان کتابوں میں موجود ہے اور ہم بھی اس کے قائل۔ ہمارا اس کا انکار صحیح نہیں ہے اور قائل کو کافر کہنا تو بڑی جہالت ہے۔

جواب نمبر 2: روضہ اطہر پر حاضری کے وقت پیغمبر علیہ الصلوٰۃ والسلام خود سنتے ہیں جمہور امت اس پر متفق ہے اور سادات دیوبند کا عقیدہ بھی یہی ہے اس کا انکار بھی جہالت ہے اور قائل پر کفر کا فتویٰ جاہلانہ جسارت رکھتا ہے۔

جواب نمبر 3: یہ بھی جہالت ہے، علماء دیوبند کا یہ مسلک نہیں ہے ایسے شخص کی تقریر سننا سخت گناہ ہے اہل ایمان پر لازم ہے کہ اپنا ایمان مضبوط رکھیں اور ایسی صحبت سے پرہیز کریں۔

واللہ تعالیٰ اعلم بالصواب

عبدالرشید مہر مدرسہ
مفتی دارالعلوم تعلیم القرآن ۳/جمادی الاول ۹۸ھ
راجہ بازار، راولپنڈی ۱۱/اپریل/۱۹۷۸ء

دورِ اہتمام شیخ القرآن حضرت مولانا غلام اللہ خان صاحب رحمۃ اللہ علیہ

اس کے علاوہ حضرت کے درجنوں شاگرد اس پر گواہ ہیں کہ حضرت شیخ القرآن ہمیشہ حیات اور سماع عند القبر کے قائل رہے ہیں حضرت شیخ القرآن کے صاحبزادے اور جانشین قاضی احسان الحق رحمۃ اللہ علیہ اس کے سب سے بڑے گواہ ہیں اس کے علاوہ بہت سے شاگردوں کے نام مولانا عبدالمعبود صاحب دامت برکاتہم نے "عقیدہ شیخ القرآن" میں جمع فرمادیئے ہیں۔ الغرض حضرت شیخ القرآن رحمۃ اللہ علیہ نے ۱۹۶۲ء میں متفقہ فیصلے پر دستخط ثبت فرمائے اس سے قبل ۱۹۵۹ء وغیرہ کے اور اس کے بعد ۱۹۷۸ء تک کے فتاویٰ نقل کردیئے گئے جوکہ حضرت رحمۃ اللہ علیہ کے حیات اور سماع عند القبر وغیرہ عقائد کے قائل ہوتے پر بین دلیل ہیں۔

حضرت شیخ الحدیث مولانا نصیر الدین غور غشتوی رحمۃ اللہ علیہ جوکہ امام المفسرین حضرت مولانا حسین علی رحمۃ اللہ علیہ کے جلیل القدر خلیفہ اور حضرت شیخ القرآن رحمۃ اللہ علیہ سے قلبی وابستگی رکھتے تھے وہ اپنے عقیدہ حیات النبی صلی اللہ علیہ وسلم کی وضاحت ان الفاظ میں کرتے ہیں:

"میں (نصیر الدین غور غشتوی) اور مولانا غلام اللہ خان عقائد میں متفق ہیں میں بھی نبی علیہ الصلوٰۃ والسلام کی وفات کے بعد "برزخی حیات" کا قائل ہوں اور وہ بھی برزخی حیات کے قائل ہیں۔ میں بھی یہ کہتا ہوں کہ روضہ پاک کے قریب میں جب درود جہراً پڑھا جائے تو نبی صلی اللہ علیہ وسلم سنتے ہیں اور جواب دیتے ہیں اور جناب غلام اللہ خان نے بھی اپنے ماہنامہ تعلیم القرآن میں یہ لکھا ہے:

اور نبی علیہ الصلوٰۃ والسلام اور سب اموات میں حیات برزخی ہے اور نبی علیہ الصلوٰۃ والسلام میں سب سے اکمل اور احسن ہے اس واسطے وہ قبر کے پاس درود وسلام سنتے ہیں۔" (ماہنامہ تعلیم القرآن ستمبر ۱۹۶۰ء ص ۲۵)

یہاں تک امام المفسرین حضرت مولانا حسین علی واں بھچراں اور حضرت شیخ القرآن رحمۃ اللہ علیہ کے مذہب سے متعلق مدلل توضیح کردی گئی۔ ۱۹۶۲ء کے تاریخی اتفاق کے بھی کچھ احوال ضبط تحریر میں آگئے۔ اس کے بعد ہم اکابرینِ دیوبند کی تصریحات نقل کرتے ہیں۔

دیگر اکابرین دیوبند کی تصریحات

اولاً تو المهند على المفند (جوکہ عقائدِ علماء دیوبند پر مستند ترین کتاب ہے) سے حضرت مولانا خلیل احمد سہارنپوری رحمۃ اللہ علیہ کی عبارت گزر چکی ہے۔ اس پر تمام اکابرینِ دیوبند جوکہ اس وقت حیات تھے ان کے دستخط موجود ہیں لیکن ہم یہاں چند تصریحات نقل کر رہے ہیں۔

(۱)۔ قطب الاقطاب مولانا رشید احمد گنگوہی رحمۃ اللہ علیہ

"قبر کے پاس..........انبیاء کے سماع میں کسی کو اختلاف نہیں۔"(فتاویٰ رشیدیہ ص ۱۶۰)

(۲)۔حضرت مولانا اشرف علی تھانوی رحمۃ اللہ علیہ

"پس آپ کا زندہ رہنا بھی قبر شریف میں ثابت ہوا اور یہ رزق اس عالم کے مناسب ہوتا ہے اور گو شہداء کے لیے بھی حیات اور مرزوقیت وارد ہے مگر انبیاء کرام علیہم السلام میں ان سے اکمل واقوی ہے اور تیسری روایت بیہقی وغیرہ نے حدیث انس رضی اللہ تعالےٰ عنہ سے روایت کیا ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا کہ انبیاء علیہم السلام اپنی قبروں میں زندہ ہوتے ہیں اور نماز پڑھتے ہیں کذافی المواہب الخ"(نشر الطیب فی ذکر النبی الحبیب ص ۲۰۸)

(۳)۔مولانا حسین احمد مدنی رحمۃ اللہ علیہ

"آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی حیات نہ صرف روحانی ہے جو کہ عام شہداء کو حاصل ہے بلکہ جسمانی بھی اور از قبیل حیات دنیوی بلکہ بہت وجوہ سے اس سے قوی تر۔"(مکتوبات شیخ الاسلام ۱/ ۴۴)

(۴)۔مفتی اعظم ہند مفتی عزیز الرحمن رحمۃ اللہ علیہ

"انبیاء کرام علیہم السلام کی حیات خصوصاً آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی حیات شہداء کی حیات سے افضل واعلیٰ ہے۔"(فتاویٰ دارالعلوم دیوبند ۵/ ۳۱۶)

(۵)۔مفتی کفایت اللہ دہلوی رحمۃ اللہ علیہ

"انبیاء کرام صلوات اللہ علیہم اجمعین اپنی قبور میں زندہ ہیں مگر ان کی زندگی دنیاوی زندگی نہیں ہے بلکہ برزخی اور تمام دوسرے لوگوں کی زندگی سے ممتاز ہے۔"(کفایت المفتی ۱/ ۸۰)

(۶)۔شیخ الحدیث زکریا کاندھلوی رحمۃ اللہ علیہ

"(۱) اجساد انبیاء میں ایک خاص نوع کی حیات ہے (۲) ظاہر ہے کہ حیات تو روح کے تعلق سے ہوتی ہے بغیر تعلق روح کا کیا مطلب؟(معارف شیخ ۱/ ۳۹)

اس کے علاوہ مسئلہ حیات النبی علیہ السلام پر اکابرین دیوبند نے متفقہ اعلان بھی شائع فرمایا جس پر وقت کے اعلام ومشائخ دیوبند کی تصدیق ثبت ہے اس فیصلے کا متن درج ذیل ہے:

مسئلہ حیات النبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے متعلق دورِ حاضر کے اکابر دیوبند کا مسلک اور ان کا متفقہ اعلان

"حضرت اقدس نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اور سب انبیاء کرام علیہم الصلاۃ والسلام کے بارے میں اکابر دیوبند کا مسلک یہ ہے کہ وفات کے بعد اپنی قبروں میں زندہ ہیں اور ان کے ابدان مقدسہ بعینہ محفوظ ہیں اور جسد عنصری کے ساتھ عالم برزخ میں ان کو حیات حاصل ہے اور حیات دنیوی کے مماثل ہے۔فرق صرف یہ ہے کہ احکام شرعیہ کے وہ مکلف نہیں ہیں،لیکن وہ نماز بھی پڑھتے

ہیں اور روضہ اقدس میں جو درود پڑھا جاوے بلا واسطہ سنتے ہیں اور یہی جمہور محدثین اور متکلمین اہل سنت والجماعت کا مسلک ہے اکابر دیوبند کے مختلف رسائل میں یہ تصریحات موجود ہیں، حضرت مولانا محمد قاسم نانوتوی رحمۃ اللہ علیہ کی تو مستقل تصنیف حیات انبیاء پر "آبِ حیات" کے نام سے موجود ہے حضرت مولانا خلیل احمد صاحب رحمۃ اللہ علیہ جو حضرت مولانا رشید احمد گنگوہی رحمۃ اللہ علیہ کے ارشد خلفاء میں سے ہیں ان کا رسالہ "المہند علی المفند" بھی اہل انصاف اور اہل بصیرت کے لئے کافی ہے، اب جو اس مسلک کیلئے دعویٰ کرے اتنی بات یقینی ہے کہ ان کا اکابر دیوبند کے مسلک سے کوئی واسطہ نہیں۔"

واللہ یقول الحق وھو یھدی السبیل

(۱)۔حضرت مولانا محمد یوسف بنوری رحمۃ اللہ علیہ، مدرسہ عربیہ اسلامیہ کراچی ۵

(۲)۔مولانا عبد الحق رحمۃ اللہ علیہ، مہتمم دار العلوم حقانیہ اکوڑہ خٹک

(۳)۔مولانا محمد صادق رحمۃ اللہ علیہ، سابق ناظم محکمہ امور مذہبیہ بہاولپور

(۴)۔مولانا ظفر احمد عثمانی رحمۃ اللہ علیہ، شیخ الحدیث دار العلوم اسلامیہ ٹنڈوالہ یار سندھ

(۵)۔مولانا شمس الحق افغانی رحمۃ اللہ علیہ، صدر وفاق المدارس العربیہ پاکستان

(۶)۔مولانا محمد ادریس کاندھلوی رحمۃ اللہ علیہ، شیخ الحدیث جامعہ اشرفیہ لاہور

(۷)۔مولانا مفتی محمد حسن رحمۃ اللہ علیہ، مہتمم جامعہ اشرفیہ لاہور

(۸)۔مولانا رسول خان رحمۃ اللہ علیہ، جامعہ اشرفیہ نیلا گنبد، لاہور

(۹)۔مولانا مفتی محمد شفیع رحمۃ اللہ علیہ، مہتمم دار العلوم کراچی

(۱۰) مولانا احمد علی لاہوری رحمۃ اللہ علیہ، امیر نظام العلماء وامیر خدام الدین لاہور

(تلک عشرۃ کاملۃ)

(ماہنامہ پیام مشرق لاہور جلد ۳، شمارہ ۴، ربیع الاول ۱۳۸۰ھ/ستمبر ۱۹۶۰ء) (بحوالہ فتاویٰ بینات ۱/ ۳۴۷)

یہ سب وہ بڑے بڑے اکابرین دیوبند ہیں جنہوں نے ۱۹۶۰ء میں جب جمعیت اشاعۃ التوحید والسنۃ کے بعض حضرات کی جانب سے ممات النبی صلی اللہ علیہ وسلم کا عقیدہ پر چار کیا گیا تو انہوں نے متفقہ اعلان شائع کیا ۱۹۶۲ء میں حکیم الاسلام قاری طیب رحمۃ اللہ علیہ ہندوستان سے تشریف لائے اور انہوں نے جمعیت اشاعۃ التوحید والسنۃ کے بھی تقریباً تمام اکابر کا اتفاق مسئلہ ہذا میں کرادیا۔ اس وقت کے جمعیت اشاعۃ التوحید والسنۃ کے ایک رکن نے فقط متفقہ فیصلے پر دستخط سے انکار کیا وہ تادم حیات ممات کے عقیدے پر قائم رہے۔ اس کے علاوہ شیخ القرآن مولانا غلام اللہ خان رحمۃ اللہ علیہ اور دیگر اکابر کے بارے میں تو یہ واضح ہو گیا کہ وہ کبھی ممات کے قائل رہے ہی نہیں نا ۱۹۶۲ء کے فیصلے سے قبل اور نہ اس کے بعد۔ لہٰذا اکابرینِ دیوبند کا جم غفیر جب یہ اعلان کر رہا ہے اور تمام اہل سنت والجماعت اکابرینِ دیوبند عقیدہ حیات النبی علیہ السلام اور سماع عند القبر کے قائل ہیں تو کسی شخص کا یہ کہنا کہ علماء دیوبند حیات کے قائل نہیں اور اپنے کو دیوبندی

سمجھنا محض فریب اور دھوکہ دہی ہے۔ ایسا شخص قابل ملامت اور اہل السنۃ والجماعۃ سے خارج ہے اسے دیوبندیت اور علماء دیوبند سے انتساب کا کوئی حق نہیں۔ وہ نصوص کثیرہ سے ثابت ایک متفقہ بین اہل السنۃ والجماعۃ عقیدے کا منکر اور راہِ حق سے منحرف ہے۔ اس کے خیالات امت میں انتشار اور تفریق کا سبب ہیں اور ایک ایسے مسئلے میں جو متفق علیہ ہے اور اس پر اخروی نجات کا مدار بھی نہیں وہ شخص اختلاف پیدا کر رہا ہے۔ اسے اپنی عاقبت اور آپ علیہ الصلوٰۃ والسلام کی نصائح اور شفاعت کا لحاظ رکھتے ہوئے توبہ کرنی چاہیئے اور اگر وہ توبہ نہیں کرتا اور اپنے اسی عقیدے پر قائم رہتا ہے اور اکابرینِ دیوبند کو بھی اپنے اس عقیدے میں بہتان باندھتے ہوئے شامل قرار دیتا ہے (جبکہ ان کی تصریحات بھی موجود ہیں) تو ایسے شخص سے متعلق احقر فقط شہید اسلام مولانا یوسف لدھیانوی رحمۃ اللہ علیہ کی یہ عبارت نقل کر دیتا ہے:

"الغرض میرا اور میرے اکابر کا عقیدہ یہ ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اپنے روضہ مطہرہ میں حیاتِ جسمانی کے ساتھ حیات ہیں یہ حیات برزخی ہے مگر حیات دنیوی سے قوی تر ہے جو لوگ اس مسئلے کا انکار کرتے ہیں ان کا اکابر علماء دیوبند اور اساطین امت کی تصریحات کے مطابق علماء دیوبند سے تعلق نہیں ہے اور میں ان کو اہل حق میں سے نہیں سمجھتا اور وہ میرے اکابر کے نزدیک گمراہ ہیں ان کی اقتداء میں نماز پڑھنا جائز نہیں اور اس کے ساتھ کسی قسم کا تعلق روا نہیں واللہ یقول الحق وھو یھدی السبیل"

(محمد یوسف لدھیانوی رحمۃ اللہ علیہ) (فتاوی بینات ۱/ ۷۳۵)

(۴۰۶) آغاخانیوں کی طرف سے دی جانے والی سہولیات کا حاصل کرنا

سؤال

کیافرماتے ہیں علماء کرام ومفتیان عظام اس مسئلہ کے بارے میں کہ میرا گھر ریمبو ٹالی گاؤں ضلع چترال میں واقع ہے۔آغاخان فاؤنڈیشن کی طرف سے پانی کی پائپ لائن بچھائی گئی ہے جس کا طریقہ یہ ہے کہ ہر فیملی سے پانچ سوروپے لینے کے بعد اسے استعمال کرنے کی اجازت دی جاتی ہے۔چونکہ گاؤں والوں کوسردی کے موسم میں اس پانی کی شدید ضرورت پڑتی ہے اس لئے لوگ اس پائپ لائن سے کنکشن حاصل کررہے ہیں۔وہاں کے بعض علماء اس کے استعمال کرنے کوحرام کہتے ہیں کیونکہ یہ لوگ اپنے کفریانہ عقائد لوگوں میں رائج کرنے کے لئے یہ ساری کوششیں کرتے ہیں۔

اب آیا یہ پانی استعمال کرنا جائز ہے یانہیں؟اگران کی دعوت وکردار سے لوگوں کومتنبہ کردیا جائے اورضرورت کی وجہ سے اس پانی کواستعمال کرلیاجائے تو جائز ہوگا یانہیں؟دلائل شرعیہ کی روشنی میں جواب عنایت فرمائیں۔

الجواب بعون الملک الوهاب

کفار کا مسلمانوں کے ساتھ تعاون یاامداد اگرمحض انسانی ہمدردی کی بنیاد پر ہوکسی مذموم مقصد کا اس میں دخل نہ ہوتواس قسم کا تعاون اورامداد حاصل کرنا مسلمانوں کے لئے جائز ہے۔ہاں اگرکفار امداد وغیرہ کی آڑ میں اپنے مذموم مقاصد کی تکمیل کا ارادہ رکھتے ہوں اوراسلام کی قوت کومغلوب کرنے کا ناپاک منصوبہ بنائے بیٹھے ہوں تواس صورت میں کفار سے کسی قسم کا تعاون اورامداد حاصل کرنا جائز نہیں ہے۔

چنانچہ صورت مسئولہ میں پائپ لائن سے فائدہ حاصل کرنا اس شرط پر جائز ہے کہ مسلمان اپنے عقیدے پر مضبوط ہوں اوراہل باطل کے ہرقسم کے مذموم عزائم سے باخبراورمحفوظ ہوں اوراگرایسانہ ہوتوپائپ لائن سے فائدہ حاصل کرنا جائز نہیں ہے۔

لمافی قوله تعالیٰ (آل عمران:۲۸):لَا يَتَّخِذِ الْمُؤْمِنُوْنَ الْكٰفِرِيْنَ أَوْلِيَآءَ مِنْ دُوْنِ الْمُؤْمِنِيْنَ

وفی روح المعانی (۱۲۰/۳): قال العلامة الآلوسی بعد بحث طویل تحت هذه الآیة ......وذكر بعضهم جواز الاستعانة بشرط الحاجة والوثوق امابدونها فلاتجوز ......بعض المحققین ذكر ان الاستعانة المنهی عنها انماهی استعانة الذلیل بالعزیز واماااذا كانت من باب الاستعانة العزیز بالذلیل فقد اذن لنابها۔

وفی الهندیة (۳۴۸/۵): لاباس بان یكون بین المسلم والذمی معاملة اذا كان مما لابدمنه۔

(۴۰۷) آغاخانیوں سے میل جول رکھنا

سؤال

کیا فرماتے ہیں علماء کرام ومفتیان عظام اس مسئلہ کے بارے میں کہ آغاخانی مسلمان ہیں یا نہیں؟ اگر مسلمان نہیں ہیں تو ان سے میل جول رکھنا کیسا ہے؟ مکمل تفصیل سے ان کے عقائد وغیرہ بیان فرمائیں۔

الجواب بعون الملک الوھاب

آغاخانی اسماعیلی فرقہ شیعیت میں غالی فرقہ ہے اور ان کے عقائد کی روشنی میں ان کا اسلام سے کوئی تعلق نہیں اور نہ ہی ان کا دعویٰ اسلام معتبر ہے۔ ذیل میں اس زندیق فرقہ کے عقائد انہی کی کتابوں سے نقل کئے جاتے ہیں۔

۱۔ آغاخانی فرقہ کا کلمہ ''اشهد ان لا اله الا الله محمد رسول الله و اشهد ان امير المؤمنين علی ولی الله'' ہے۔ (اسماعیلی تعلیمات)

۲۔ آغاخانی فرقہ اللہ تعالیٰ کے بجائے امام کی عبادت کرتا ہے۔ (گینان برہم پرکاش ص:۲۹۷)

۳۔ یہ لوگ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کو حضرت علی رضی اللہ عنہ کی بیوی بتاتے ہیں۔ (گینان موسن چیتامنی ص:۱۴۴)

۴۔ ان کا سلام یاعلی مدد اور سلام کا جواب بھی یاعلی مدد ہے۔ (شکشہن مالا۔درسی کتاب)

۵۔ ساتویں امام محمد بن اسماعیل نے شریعت محمدیہ کے ظاہر کو باطل کر کے باطنی شریعت جاری کی۔ (ہمارا اسماعیلی مذہب اور اس کا نظام ص:۹۲۔۲۶۰)

۶۔ اللہ تعالیٰ امام حاضر کے روپ میں تشریف فرما ہیں۔ (شکشہن مالا ص:۲)

۷۔ امام حاضر عالم الغیب والشہادۃ ہیں۔ (مارگ درشیکا ص:۸۱ حصہ اول)

۸۔ ان کے ہاں انبیاء کرام معصوم نہیں۔ (ہمارا اسماعیلی مذہب ص:۷۰)

۹۔ موجودہ کتاب قرآن اللہ تعالیٰ کی کتاب نہیں، حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کی کتاب ہے۔ (کلام امام مبین ص:۶۴ حصہ اول)

۱۰۔ قرآن مقدس عرب آبادی کے لئے ہے اور دوسروں کے لئے گنان ہے۔ (کلام امام مبین ص:۸۱ حصہ اول)

۱۱۔ حضرت علی رضی اللہ عنہ پوری کائنات کے خالق مطلق ہیں۔ (گینان موسن چیتامنی ص:۱۱۳)

۱۲۔ امام حاضر کا فرمان اللہ کے کلام کے برابر ہے۔ (کلام الٰہی اور فرمان امام ص:۶۲)

۱۳۔ امام حاضر میں اللہ تعالیٰ کا نور حلول کیا ہوا ہے۔ آغاخانی اسی کی عبادت کرتے ہیں۔ (شکشہن مالا ص:۴)

۱۴۔ یہ لوگ نماز، روزہ، حج اور زکوۃ کی ضرورت سے انکار کرتے ہیں۔ (ہمارا اسماعیلی مذہب ص:۱۳۶)

۱۵۔ نماز کی جگہ تین وقت عبادت خانہ میں دعا کرنے کو عبادت سمجھتے ہیں۔ (خزینہ جواہر ص:۱۶)

۱۶۔ ھو الحی القیوم کی عملی تصویر امام حاضر ہیں۔ (کلام امام مبین ص:۵ حصہ اول)

ان عقائد کی وجہ سے اس فرقہ کو کسی بھی طرح مسلمان تسلیم نہیں کیا جاسکتا بلکہ تمام متقدمین اور متاخرین علماء کرام نے ان عقائد کے سبب سے آغا خانی فرقہ کو کافر اور زندیق قرار دیا ہے ان لوگوں کے ساتھ مناکحت جائز نہیں نہ ان کا ذبیحہ حلال ہے ان کی نماز جنازہ میں شرکت نہیں کرنی چاہیئے اور نہ ہی ان کو مسلمانوں کے قبرستان میں دفن کرنا چاہیئے۔ الغرض ان کے ساتھ مسلمانوں جیسے معاملات اور میل جول رکھنا درست نہیں۔

لمافی احکام القرآن للجصاص (۵۴/۱): وقولهم فی ترك قبول توبة الزنديق يوجب ان لايستتاب الاسماعيلية وسائر الملحدين الذى قدعلم منهم اعتقاد الكفر كسائر الزنادقة وان يقتلوا مع اظهارهم التوبة۔

وفی الهندية (۲۶۴/۲): ويجب اكفار الروافض فی قولهم برجعة الاموات الى الدنيا وبتناسخ الارواح وبانتقال روح الاله الى الائمة وبقولهم فی خروج امام باطن۔

وفی ردالمحتار (۲۴۴/۴): يعلم مماهنا حكم الدروز والتيامنة فانهم فی البلاد الشامية يظهرون الاسلام والصوم والصلاة مع انهم يعتقدون تناسخ الارواح وحل الخمر والزنا وان الالوهية تظهر فی شخص بعد شخص ويجحدون الحشر والصوم والصلاة والحج ....وذكر فيها انهم ينتحلون عقائد النصيرية والاسماعيلية الذى يلقبون بالقرامطة والباطنية الذين ذكرهم صاحب المواقف۔ونقل عن علماء المذاهب الاربعة انه لايحل اقرارهم فی ديار الاسلام بجزية ولاغيرها ولاتحل مناكحتهم ولاذبائحهم۔

(۴۰۸) ”تمام اختیارات اللہ کے پاس ہیں“ کیا یہ جبریہ کا عقیدہ ہے نیز عقیدہ بدا کی حقیقت

سؤال

کیا فرماتے ہیں علماء کرام و مفتیان عظام اس مسئلہ کے بارے میں کہ تبلیغی جماعت والے جو اپنے بیانات میں یہ کہتے ہیں کہ ”تمام اختیارات صرف اللہ تعالی کے پاس ہیں انسان اپنی مرضی سے کچھ نہیں کرسکتا“۔ کیا یہ فرقہ جبریہ کا عقیدہ نہیں ہے؟ ان دونوں کے

عقائد میں کیا فرق ہے؟ دلائل سے وضاحت فرمائیں نیز روافض کے ہاں جو عقیدہ بدأ ہے اس کی تشریح کریں اور اہل سنت کے ہاں ایسے عقیدے والے شخص کا کیا حکم ہے، بیان فرمادیں۔

الجواب بعون الملک الوهاب

صورت مسئولہ میں جبریہ کا عقیدہ یہ ہے کہ انسان مجبور محض ہے وہ اپنی مرضی سے کچھ نہیں کرسکتا اور تبلیغی جماعت کا عقیدہ وہی ہے جو اہل سنت والجماعت کا عقیدہ ہے۔ باقی رہا یہ کہنا کہ تمام اختیارات صرف اللہ تعالی کے پاس ہیں انسان اپنی مرضی سے کچھ نہیں کرسکتا۔ اس کا مطلب یہ ہے کہ دنیا کا سارا نظام اللہ تعالی اکیلے چلا رہے ہیں۔ اس میں کوئی اور شریک نہیں، اور یہ وہ بات نہیں جو جبریہ کا عقیدہ ہے

نیز روافض کے ہاں عقیدہ بدأ کی حقیقت یہ ہے کہ اللہ تعالی ایک کام کرنے کے بعد اس فیصلے کو تبدیل کردیتے ہیں گویا پہلا کام (العیاذ باللہ) بھول کر ہوتا ہے۔ اہل سنت والجماعت کے نزدیک جو شخص اس عقیدے کا قائل ہو وہ دائرہ اسلام سے خارج ہے۔

لمافی شرح الفقه الاكبر (ص۲۲۰): زعمت الجبرية ان لافعل للعبد كسبا ولاخلقا وان حركاته بمنزلة حركات الجمادات لاقدرة عليها لامؤثرة ولاكاسبة فی مقام الاعتبار ولا قصد ولاارادة ولااختيار۔

وفی ردالمحتار (۲۹۸/۶): الجبرية الخالصة يقولون ان العبدبمنزلة الجمادات وان الله تعالی لايعلم الشئ قبل وقوعه۔

لمافی قوله تعالی (قٓ :۲۹): مَا يُبَدَّلُ الْقَوْلُ لَدَيَّ وَمَا أَنَا بِظَلَّامٍ لِّلْعَبِيْدِ ۝

فی روح المعانی (۱۸۶/۲۶): مايبدل القول لدی ......وفی لدی علی ما قال الامام وجهان : الاول ان يكون متعلقا بالقول ای مايبدل القول الذی عندی۔ الثانی ان يكون متعلقا بالفعل قبل ای لايقع التبديل عندی۔

وفی النبراس (ص۲۴۵): والارادة صفة ازلية قائمة بذاته ......والدليل ماذكرنا الآيات الناطقه باثبات صفة الارادة والمشية كقوله تعالی يفعل الله مايشاء ويحكم مايريد۔

وفی الهندية (۲۵۸/۲): يكفر اذا وصف الله تعالی بمالايليق به اوسخر باسم من اسمائه ...... اونسبه الی الجهل اوالعجز اوالنقص۔

وفی شرح اصول الكافی (ص۳۸۷): البدأفی العلم وهو ان يظهر له خلاف مااراد وحكم والبدأفی الامر وهو ان يأمر بشئ ويأمر بعده بخلاف ذلك ...وبعد بحث طويل ......عن ابی عبدالله

قال فی هذه الآیة یمحوالله مایشاء ویثبت فقال هل یمحی الاماکان ثابتا وهل یثبت الامالم یکن الشرح ارادعلیه السلام لاستدلال علی وقوع البدأ بنص قرآنی ....عن ابی عبدالله قال مابعث الله نبیا حتی یأخذ علیه ثلث خصال الاقرار بالعبودیة وخلع الانداد وان الله یفعل من یشاء ویؤخر من یشاء۔

الشرح ......الثالث ان یعتقدوا ان الههم فاعل مختار یصح علیه ان یتجدد ارادته وله ان یرید شیئا ویرید ضده ویفعل من یشاء ویفعل خلافه۔

وفی الملل والنحل (۱/۱۷۱): فمن مذهب المختار انه یجوز البداء علی الله تعالی والبدأله معان: البدء فی العلم وهوانه یظهر له خلاف ماعلم ولااظن عاقلا یعتقد هذا الاعتقاد۔ والبدأ فی الارادة وهو ان یظهر له صواب علی خلاف ماارادو حکم والبدأ فی الامر وهو ان یأمر بشئ ثم یأمر بشئ اخر بعده بخلاف ذلک۔

(۴۰۹) کیا شیعہ کافر ہیں؟

سؤال

کیا فرماتے ہیں علماء کرام ومفتیان عظام اس مسئلہ کے بارے میں کہ شیعہ کے جتنے فرقے ہیں ان سب کو کافر کہنا صحیح ہے یا نہیں؟ اس میں کون سا فرقہ صحیح ہے اور کون سا غلط؟ قرآن وحدیث کی روشنی میں جواب عنایت فرمائیں۔

الجواب بعون الملک الوھاب

صورت مسئولہ میں شیعہ اگر ایسا ہو کہ شیخین کو گالی دے یا ان پر لعنت کرے، حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا پر تہمت لگائے، حضرت ابوبکر صدیق ﷛ کی خلافت کا انکار کرے، صحابہ کرام کو گالیاں دینے کو مباح اور ثواب سمجھے یا صحابہ کے کفر کا اعتقاد رکھے، موجودہ قرآن کو تحریف شدہ سمجھتا ہو تو وہ بالاجماع کافر ہے اور اگر وہ صرف حضرت علی ﷛ کو شیخین رضی اللہ عنہما پر فضیلت دے یا صحابہؓ میں سے کسی ایک فرد کو برا بھلا کہے تو وہ فاسق اور مبتدع ہے کافر نہیں۔

لمافی شرح الفقه الاکبر (ص۱۶۷): ومن جحد القرآن ای کله اوسورة منه اوآیة، قلت وکذا کلمة أو قرأة متواترة أو زعم انها لیست من کلام الله تعالی کفر یعنی اذا کان کونه من القرآن مجمعاعلیه۔

و فی مرقاة المفاتیح (۹/۵۶)الصحیح المختار الذي قاله الأکثرون أن الخوارج کسائر أهل

البدع لا تكفر قلت وهذا في غير حق الرافضة الخارجة في زماننا فإنهم يعتقدون كفر أكثر الصحابة فضلا عن سائر أهل السنة والجماعة فهم كفرة بالإجماع بلا نزاع۔

وفی الهندية (۲/ ۲۶۴): الرافضی اذا كان يسب الشيخين ويلعنهما والعياذبالله فهو كافر ...... ولو قذف عائشة رضی الله عنها بالزنی كفر ...... من انكر امامة ابی بكر الصديق فهو كافر۔

وفی الدر المختار مع ردالمحتار (۲۳۶/۴): من سب الشيخين او طعن فيهما كفر۔

وفی الشامية : لاشك فی تكفير من قذف السيدة عائشة رضی الله عنها اوانكر صحبة الصديق اواعتقد الالوهية فی علی ...... اونحو ذلك من الكفر الصريح المخالف للقرآن۔

وفی تكملة رد المحتار (۱۶۲/۷): واما من سب احدا من الصحابة فهو فاسق ومبتدع بالاجماع الا اذا اعتقد انه مباح اويترتب عليه ثواب كما عليه بعض الشيعة،او اعتقد كفر الصحابة فانه كافر بالاجماع۔

(۴۱۰) بوہری اور آغاخانی شریعت کی نظر میں

سوال

کیا فرماتے ہیں علماء کرام ومفتیان عظام اس مسئلہ کے بارے میں کہ آجکل ایک فرقہ جو اپنے آپ کو بوہری کے نام سے موسوم کرتا ہے لیکن بعض معاملات میں مسلمانوں سے بالکل الگ ہیں، اسی طرح آغاخانی۔ شریعت میں ان کا کیا حکم ہے؟ ان کے ساتھ معاملات اور لین دین، میل جول صحیح ہے یا نہیں؟

الجواب بعون الملک الوھاب

بوہری فرقہ اور آغاخانی دونوں دائرہ اسلام سے خارج ہیں۔ ان کا اسلام سے کوئی تعلق نہیں۔ اسلام اور مسلمانوں کے دشمن ہیں لہٰذا ان کے ساتھ کسی طرح کا معاملہ، لین دین اور میل جول جائز نہیں ہے۔ ان کے ساتھ نکاح کرنا اور ان کا ذبیحہ بھی حرام ہے۔

لمافی الملل والنحل (۲۲۷/۱): قال ابوالفتح محمد بن عبدالكريم فی بيان عقائد الاسماعيلية قالوا :وبعد اسماعيل محمد بن اسماعيل السابع التام،وانماتم دور السبعة به ثم ابتدائی منه بالائمة المستورين الذين كانوا يسيرون فی البلاد سراويظهرون الدعاة جهرا .... قالوا:ولن تخلوا الارض قط من امام حی قائم،اماظاهر مكشوف واماباطن مستور فاذاكان الامام ظاهرا جاز ان يكون حجته مستورا ...وبعد صفحة يقول ...فقالوا فی الباری

تعالى انالانقول هو موجود ولالاموجود ولاعالم ولاجاهل ولاقادر ولاعاجز۔

وفی ردالمحتار (۲۴۴/۴): یعلم مماهنا حکم الدوز والتیامنه فانهم فی البلاد الشامیة یظهرون الاسلام والصوم والصلاة مع انهم یعتقدون تناسخ الارواح وحل الخمر والزنا وان الالوهیة تظهر فی شخص بعد شخص ......وذکر فیها انهم ینتحلون عقائد النصرانیة والاسماعیلیة الذی یلقبون بالقرامطة والباطنة الذین ذکرهم صاحب المواقف ونقل عن علماء المذاهب الاربعة انه لایحل اقرارهم فی دیار الاسلام بجزیة ولاغیرها ولاتحل مناکحتهم ولاذبائحهم۔

وفی اللجنة الدائمة (۲۴۲/۲ الی ۲۴۴): س: کبیر علماء بوهرة یصر علی انه یجب علی اتباعه ان یقدموا له سجدة کلما یزورونه۔

ج: السجود نوع من انواع العبادة التی امرالله بهالنفسه خاصة وقربة من القرب التی یجب ان یتوجه العبد بها الی الله وحده ....فکلا الفریقین التابع والمتبوع کافر بالله خارج بذلك عن ملة الاسلام والعیاذ بالله ..بحـ..

س: کبیر علماء بوهرة یدعی انه المالك الکلی للروح والایمان۔ العقائد الدینیة نیابة عن اتباعه۔

ج : اذا کان کبیر علماء بوهرة یدعی ماذکر فدعواه باطلة سواء اراد بمایدعیه من ملك الروح والایمان، ان الارواح والقلوب بیده یصرفها کیف یشاء فیهدیها الایمان اویضلها عن سواء السبیل....۔

س: ویدعی انه المالك الکلی لجمیع املاك الوقف وانه غیر محاسب علی جمیع الصدقات وهوالله علی الارض۔

ج : .... واماالثالثه :وهی دعوی انه الله فی الارض، فکفر صراح ومن ادعی ذلك فهو طاغوت یدعوا الی تالیه نفسه وعبادته وبطلان ذلك معلوم من الاسلام بالضرورة۔

وفی آخر البحث :اذا کان واقع من کبیر علماء بوهرة واتباعه وماوصفت فی اسئلتك فهم کفرة لایؤمنون باصول الاسلام ولایهتدون بهدی کتاب الله وسنة رسوله ﷺ ولایستبعد منهم ان یضطهدوا الصادقین فی ایمانهم بالله وکتابه وبرسوله ﷺ وسنته، کما اضطهد الکفار فی کل امة رسل الله الذین ارسلهم سبحانه الیهم لهدایتهم۔

رسالة

فص الخاتم

فی بیان عقیدة اهل السنة فی تخلیق آدم علیہ السلام

حضرت آدم علیہ الصلوٰۃ والسلام کی تخلیق سے متعلق اہل السنۃ والجماعۃ کا عقیدہ

اور اس سے متعلق بعض گمراہ نظریات پر مدلل استدراک

(۴۱۱) حضرت آدم علیہ الصلوٰۃ والسلام کی تخلیق کے متعلق پاکستانی خاتون ڈاکٹر رفعت حسن کا خودساختہ نظریہ

سوال

کیا فرماتے ہیں علماء کرام ومفتیان عظام اس مسئلہ کے بارے میں کہ امریکہ میں پاکستانی خواتین کی کانفرنس کے موقع پر پاکستانی اسکالر خاتون ڈاکٹر رفعت حسن نے کہا کہ ’’قرآن پاک میں کہیں ذکر نہیں کہ حواؑ کو حضرت آدم علیہ الصلوٰۃ والسلام کی پسلی سے پیدا کیا گیا ،لفظ آدم عبرانی زبان کا لفظ ہے جو عربی میں مستعار لیا گیا اس لفظ کا مادہ آدمہ ہے اور اس کے لفظی معنی زمین کے ہیں آدم ہرگز کسی مذکر انسان کا نام نہیں، قرآن مجید میں تیس مرتبہ تخلیق انسان کا ذکر آیا ہے مگر اس میں کہیں اس بات کی نشاندہی نہیں کہ مرد کو عورت سے پہلے تخلیق کیا گیا۔

جناب مفتی صاحب! ڈاکٹر رفعت حسن نے اپنے مقالے میں جو کچھ کہا ہے وہ بہت اہم ہے، انہوں نے قرآن پاک میں موجود بعض مقامات خصوصاً تخلیق آدم پر اختلافی نکات اٹھائے ہیں بلکہ تخلیق آدم علیہ الصلوٰۃ والسلام کے حوالے سے ایک بالکل نیا نظریہ پیش کیا ہے جو اب تک قرآن پاک، حدیث رسول اور دوسری الہامی کتب سے بالکل مختلف ہے لہٰذا میں چاہوں گا کہ ضیاء شاہد نے امریکہ سے ڈاکٹر رفعت حسن کے مذکورہ مقالے کا جو حصہ رپورٹ کیا ہے اس پر صاحبان علم آگے آئیں اور صحیح بات مسلمانوں کے سامنے واضح کریں، کیونکہ ڈاکٹر رفعت حسن کو تو پاکستان میں ایک انسٹیٹیوٹ کی سربراہی کیلئے بلایا جارہا ہے اگر وہ قرآنی تعلیمات کی سچ مچ نفی کررہی ہیں تو ان کا

جواب دینا چاہیئے۔

الجواب بعون الملک الوھاب

سب سے پہلے یہ ذہن میں رہے کہ کلام مقدس اللہ تعالی کی کتاب ہے جو اللہ تعالی نے اپنے بندوں کی ہدایت کیلئے نازل فرمائی، یہ کتاب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے اپنے صحابہ کرام رضوان اللہ علیہم اجمعین کو سکھلائی اور صحابہ کرام رضوان اللہ علیہم اجمعین کے واسطے سے ویسے ہی ہم تک پہنچی جیسی آسمان سے نازل ہوئی تھی، اس میں کسی طرح کی کمی وبیشی نہ ہوسکی اور نہ آئندہ ہوگی۔انشاء اللہ۔اللہ تعالی نے اس کتاب کی حفاظت کا تکوینی طور پر ایسا انتظام کر رکھا ہے کہ ابھی تک کسی کو اس کے بارے میں تحریف کا شبہ بھی پیدا نہیں ہوا، لیکن اس کو سمجھنے کیلئے ضابطہ یہ بنایا کہ جیسا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے عمل کیا یا اس کی تشریح فرمائی وہی معتبر ہوگی اس کے علاوہ کوئی تشریح معتبر نہ ہوگی، کیونکہ اگر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی ذات گرامی اس پر عمل کیلئے نمونہ نہ ہوتی تو انبیاء کو بھیجنے کا کوئی مقصد نہ تھا بلکہ اللہ تعالی اس بات پر قادر تھے کہ فرشتوں کے ذریعے کتاب مخلوق تک پہنچادی جاتی اور کہا جاتا کہ اس کے مطابق عمل کرو حالانکہ ایسا نہ ہوا، چنانچہ آپ انبیاء کی تاریخ پڑھیں تو معلوم ہوگا کہ کبھی ایسا نہ ہوا کہ اللہ تعالی نے کتاب نازل فرمائی ہو اور کوئی رسول نہ مبعوث فرمایا ہو البتہ یہ ضرور ملے گا کہ انبیاء کو تو مبعوث فرمایا لیکن انہیں کتاب نہ دی بلکہ یہ حکم دیا کہ پہلے انبیاء کی کتاب کی لوگوں میں تبلیغ کریں، معلوم ہوا کہ انبیاء کے بھیجنے سے مقصود نمونہ دکھلانا ہے کہ میرے احکامات پر عمل ایسے ہونا چاہیئے، چنانچہ اللہ تعالی نے خود کلام مقدس میں یہی ارشاد فرمایا ہے

لَقَدْ كَانَ لَكُمْ فِيْ رَسُوْلِ اللهِ أُسْوَةٌ حَسَنَةٌ لِّمَنْ كَانَ يَرْجُو اللهَ وَالْيَوْمَ الْآخِرَ وَذَكَرَ اللهَ كَثِيْرًا (الاحزاب:۲۱)

(ترجمہ: تمہارے لئے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی سیرت بہترین نمونہ ہے)

حاصل یہ ہوا کہ انبیاء کو کلام مقدس کی تفسیر، تشریح اور نمونے کے طور پر بھیجا جاتا ہے لہذا جہاں جہاں انبیاء اس کی تشریح کرتے ہیں عمل کے اعتبار سے اس تشریح کو وہی درجہ حاصل ہوتا ہے جو اللہ تعالی کے کلام کو حاصل ہے، اور درحقیقت یہ بھی اللہ تعالی ہی کی طرف سے نازل کردہ ہوتا ہے چنانچہ اللہ تعالی کا ارشاد ہے:

وَمَايَنْطِقُ عَنِ الْهَوٰى۝ إِنْ هوَ إِلَّا وَحْيٌ يُّوْحٰى۝ الآیہ (النجم:۳،۴)

(ترجمہ: اور وہ اپنی نفسانی خواہش سے بات نہیں کرتے، وہ نہیں ہے مگر جو وحی کی جاتی ہے)

جب یہ طے ہوگیا کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی زبان مبارک سے نکلنے والا ایک ایک حرف اللہ تعالی کی طرف سے نازل شدہ ہے اور اس کتاب کی تفسیر کا حق اللہ تعالی نے اپنے پاس رکھا ہے تو اللہ تعالی نے اپنے نبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے یہ بھی کہلوایا کہ لوگوں کو بتلادو کہ اس کلام کے متعلق ہر وہ بات قابل قبول ہوگی جو میری (اللہ تعالی) یا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی طرف سے ہو اس کے علاوہ اگر کوئی اپنی طرف سے اس میں کوئی ملاوٹ کرے گا کہ اس کی تفسیر اپنی طرف سے اندازے سے کرے تو فرمایا اگر اس کی تفسیر اتفاق سے صحیح بھی ہوگئی تو بھی وہ غلطی پر

ہے چنانچہ فرمایا

من قال فی القران برأیه فاصاب فقد اخطاء (کنز العمال، ۲/۱۶)

(یعنی جس نے قران کی تفسیر اپنی رائے سے کی اور وہ اتفاق سے صحیح بھی ہوگئی تو بھی وہ غلطی پر ہے)

من قال فی القران بغیر علم فلیتبوأ مقعدہ من النار (ایضاً)

(یعنی جس نے قران کی تفسیر بغیر علم کے کی اس نے اپنا ٹھکانہ جہنم بنالیا)

اب اس کے بعد قران مجید کی وہی تفسیر مراد ہوگی جو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم ارشاد فرمائیں ورنہ وہ معتبر نہ ہوگی یا آپ علیہ السلام کے شاگرد آپ سے کسی روایت کو بیان کریں۔ حاصل یہ کہ کلام مقدس کی تعلیمات اور حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے ارشادات دونوں ہی ہمارے لئے نہ صرف قابل عمل بلکہ واجب العمل ہیں۔

اب اس کے بعد جائزہ لیتے ہیں ڈاکٹر صاحبہ کے علمی نکات جو انہوں نے نہ معلوم کہاں سے مستعار لئے ہیں۔

اول: حضرت آدم کسی مذکر انسان کا نام نہیں؟

دوم: حضرت حوا کو حضرت آدم کی دائیں پسلی سے نہیں پیدا کیا گیا؟

سوم: مرد کو عورت سے پہلے نہیں پیدا کیا گیا؟

سب سے پہلی بات کہ اگر آدم کسی مذکر انسان کا نام نہیں تھا تو

وَإِذْ قَالَ رَبُّكَ لِلْمَلَائِكَةِ إِنِّي جَاعِلٌ فِي الْأَرْضِ خَلِيفَةً (البقرہ:۳۰)

فرشتوں سے یہ خطاب مٹی کو خلیفہ بنانے کیلئے تھا؟

پھر فرشتوں کا جواب

قَالُوا أَتَجْعَلُ فِيهَا مَنْ يُفْسِدُ فِيهَا وَيَسْفِكُ الدِّمَاءَ (البقرہ:۳۰)

کیا مٹی بھی فساد اور خونریزی کرتی ہے؟ کہ فرشتے کہہ رہے ہیں کہ اے اللہ یہ تو فساد اور خونریزی کرے گا۔

دوسری بات کلام مقدس کی عبارت یوں بنتی ہے

أَتَجْعَلُ فِي الْأَرْضِ مَنْ يُفْسِدُ فِي الْأَرْضِ الآیة

(یعنی کیا آپ زمین میں اسے پیدا کرتے ہیں جو زمین میں فساد پھیلائے گا) اگر ڈاکٹر صاحبہ کا کہنا مان لیا جائے تو گویا زمین زمین میں فساد پھیلا رہی ہے اور خونریزی کر رہی ہے؟

اسی طرح دوسری جگہ اس بات کو زیادہ صراحت سے بیان کیا گیا فرمایا

وَإِذْ قَالَ رَبُّكَ لِلْمَلٰئِكَةِ إِنِّي خَالِقٌ بَشَرًا مِنْ صَلْصَالٍ مِنْ حَمَإٍ مَسْنُونٍ۔ فَإِذَا سَوَّيْتُهُ وَنَفَخْتُ فِيهِ مِنْ رُوحِي فَقَعُوا لَهُ سٰجِدِينَ ٥ (الحجر:۲۹،۲۸)

(ترجمہ: اور جب آپ کے رب نے فرشتوں سے فرمایا کہ بلاشبہ میں بشر کو بجتی ہوئی مٹی سے پیدا کرنے والا ہوں جو سیاہ رنگ کے سڑے ہوئے گارے سے ہوگی سو جب میں اسے پوری طرح بنادوں اور اس میں اپنی روح پھونک دوں تو اس کیلئے سجدے میں گر پڑنا۔)

یہاں پر تو اللہ تعالی نے صاف صاف بیان فرمادیا کہ بشر یعنی انسان کو پیدا کیا گیا اس کے جسم کو اللہ تعالی نے اپنی قدرت کاملہ سے بنایا، پھر اس میں روح پھونکی، اس کے بعد فرشتوں نے اسے سجدہ کیا۔ اب آپ ہی فیصلہ کیجئے کہ یہ سارے کام مٹی کے ساتھ ہوئے ؟ہاں مٹی کے ساتھ ہوئے لیکن اس انسان کے بننے کے بعد۔

اس طرح آگے اللہ تعالی فرمارہے ہیں کہ

وَعَلَّمَ آدَمَ الْأَسْمَاءَ كُلَّهَا ثُمَّ عَرَضَهُمْ عَلَى الْمَلٰئِكَةِ (البقرہ:۳۱)

یعنی اللہ تعالی نے حضرت آدم علیہ الصلوۃ والسلام کو کچھ چیزوں کے نام سکھلائے اور پھر فرشتوں پر پیش کیا تو کیا یہ نام مٹی کو سکھلائے گئے؟ اور مٹی کو فرشتوں کے سامنے پیش کیا گیا؟

اس کے بعد اللہ تعالی نے حضرت آدم کے مسجود ملائکہ ہونے کو بیان فرمایا

وَإِذْ قُلْنَا لِلْمَلٰئِكَةِ اسْجُدُواْ لآدَمَ فَسَجَدُواْ إِلاَّ إِبْلِيسَ (البقرہ:۳٤)

کیا یہ سجدہ مٹی کو کروایا گیا؟

اللہ تعالی نے جب ابلیس سے سجدہ نہ کرنے کی وجہ دریافت کی تو شیطان نے جواب دیا

قَالَ أَنَا خَيْرٌ مِّنْهُ خَلَقْتَنِيْ مِنْ نَّارٍ وَّخَلَقْتَه مِنْ طِيْنٍ (الاعراف:۱۲)

یعنی میں اس سے بہتر ہوں کیونکہ آپ نے مجھے تو آگ سے پیدا کیا اور اسے مٹی سے تو کیا اللہ تعالی نے مٹی کو پیدا کیا تھا؟ جس کو سجدہ کروایا۔

اس کے بعد اللہ تعالی نے حضرت آدم علیہ الصلوۃ والسلام کو جنت میں رہنے کا ارشاد فرمایا:

وَقُلْنَا يٰادَمُ اسْكُنْ أَنْتَ وَزَوْجُكَ الْجَنَّةَ۔ الآیۃ۔ (البقرۃ:۳۵)

تو کیا مٹی سے جنت میں رہنے کو کہا جارہا ہے؟

جنت میں حضرت آدم علیہ الصلوۃ والسلام سے لغزش کا سرزد ہونا اور پھر توبہ کا قبول ہونا اس کے بعد زمین پر اترنے کا امر، کیا یہ ساری باتیں اس بات پر دلالت کیلئے کافی نہیں ہیں کہ حضرت آدم علیہ الصلوۃ والسلام مذکر انسان تھے؟

اس کے علاوہ روایات میں اس کی صراحت موجود ہے کہ حضرت آدم علیہ الصلوۃ والسلام انسان تھے اور آپ ہی سے نسل انسانی کی ابتداء ہوئی۔

لما فی تفسیر ابن کثیر (۲۵۲/۲):هو الذی خلقكم من نفس واحدة الآية... ينبه تعالى على انه خلق جميع الناس من آدم عليه السلام وانه خلق منه زوجته حواء ثم انتشر الناس

منهما كما قال تعالى يا ايها الناس انا خلقنكم من ذكر وانثىٰ الآية

تمام محدثین ومفسرین اور ائمہ لغت کا اس بات پر اتفاق ہے کہ حضرت آدم علیہ الصلوٰۃ والسلام ہی پہلے انسان تھے جن سے نسل انسانی کی ابتداء ہوئی۔

اگر صرف لغوی معنی کو مدار بنا کر فیصلہ کیا جائے کہ آدم اُدمہ (نہ کہ آدمہ سے) سے مشتق ہے جس کے معنی زمین کے آتے ہیں ،لہذا وہ کوئی انسان نہ تھے تو یہ ایسا ہی ہے جیسا کہ کہا جائے کہ رفعت بلندی کے معنی میں مستعمل ہوتا ہے لہٰذا یہ کسی کا نام نہیں ہوسکتا لہٰذا رفعت نام کی کوئی عورت نہیں ہے حالانکہ یہ کوئی دلیل نہیں۔

چونکہ حضرت آدم علیہ الصلوٰۃ والسلام کو مٹی سے پیدا کیا گیا اس وجہ سے اسی مناسبت سے نام بھی رکھا گیا۔

وفی البداية والنهاية (۶۸/۱):حکی السدی ...انهم قالوا اخرج ابليس من الجنة واسكن آدم الجنة فكان يمشي فيها وحشي ليس له فيها زوج يسكن اليها فنام نومة فاستيقظ وعند رأسه امرأة قاعدة خلقها الله من ضلعه فسألها من انت قالت امرأة قال ولما خلقت قالت لتسكن الى فقالت له الملائكة ينظرون مابلغ من علمه ما اسمها يا آدم قال حواء...

اس طرح کے صریح نصوص کی موجودگی میں اس طرح کے نظریات کا پرچار کسی شبہے یا غلط فہمی کی وجہ سے نہیں ہے بلکہ اس کے پس پردہ وجوہات کچھ اور ہیں ،ان وجوہات میں سے سب سے بڑی وجہ یہ ہے کہ ہم مسلمان ہونے اور اسلام کے مدعی ہونے کے باوجود اپنے مذہب کے متعلق معلومات کیلئے یا مذہب میں پی ایچ ڈی کیلئے غیر مسلموں کی یونیورسٹیوں کو ترجیح دیتے ہیں، حالانکہ یہ ایسی گری ہوئی حرکت ہے کہ شاید اس سے بڑھ کر کوئی گھٹیا حرکت ہوسکے۔کیا آپ نے کبھی سنا ہے کہ کوئی یہودی یا عیسائی اپنے مذہب کو سیکھنے کیلئے ہمارے ہاں آیا ہو، ہوسکتا ہے کہ آپ احساس کمتری کی وجہ سے اپنے آپ کو اس قابل نہ سمجھیں کہ وہ کیونکر آپ کے پاس آئیں، چلیں ہمارے ہاں نہ سہی کسی اور غیر قوم کے پاس گیا، آپ نے زندگی بھر میں ایک دفعہ بھی ایسے نہ سنا ہوگا، لیکن آپ کو کتنے مسلمان ایسے ملیں گے جو اس بات کو بڑے فخر سے بیان کریں گے کہ ان کے پاس فلاں غیر مسلم ملک کی یونیورسٹی کی اسلامیات میں پی ایچ ڈی کی سند ہے، ان کفار کی اسلام دشمنی کوئی ڈھکی چھپی بات نہیں سب کے سامنے ہے پھر کیا خیال ہے کہ وہ ہمارے مذہب سے متعلق کسی کو صحیح تعلیم دیں گے، وہ تو یہ چاہتے ہیں کہ نت نئے نظریات کو رواج دے کر وہ ہمارے درمیان اپنے مذہب کے بارے میں غلط فہمیاں پیدا کریں ہم نے ان کی حوصلہ افزائی کیلئے یہ کیا کہ جو کام وہ بڑی مشقت سے اپنے افراد ہمارے درمیان داخل کر کے کرنا چاہتے تھے ہم ان کی مدد کیلئے خود ان کے پاس پہنچ گئے ،اور زبان حال سے یہ کہنے لگے کہ آپ اتنی زیادہ مشقت برداشت نہ کریں بلکہ ہم خود اس کام کے لئے حاضر ہیں ،جس کا نتیجہ یہ ہوا کہ جو افراد وہاں کے سند یافتہ رہے انہوں نے ہمیشہ جدت پسندی کا ثبوت دیتے ہوئے نئے نظریات کا ہی پرچار کیا کچھ تو وہ اپنے آقاؤں سے لائے اور کچھ اپنے آقاؤں سے وفاداری کا ثبوت دیتے ہوئے یہاں ان پر منکشف ہوئے اور لوگوں کو یہی باور کراتے رہے کہ موجودہ دور کے علماء تو وہی چودہ سو سالہ پرانی باتیں کررہے ہیں جب کہ ہم آپ کو ایک جدید اسلام سے متعارف کروانا

چاہتے ہیں چنانچہ جدت کی روشنی میں انہیں کبھی یہ خیال نہ آیا کہ دین کے معاملے میں اتنی جدت پسندی کی اسلام میں گنجائش ہے بھی یا نہیں ؟لیکن انہیں اس سے غرض بھی کیا ہوسکتی ہے کیونکہ ان کا مقصود اسلام کو ترقی دینا تھوڑا ہی ہے، انہیں تو صرف اپنی من پسند زندگی چاہیے جس پر اسلام کا لیبل لگا ہو اور جتنا نقصان اس طرح کے افراد سے اسلام کا ہوا ہے شاید ہی کہ کفار نے اتنا نقصان پہنچایا ہو۔

دوسری بڑی وجہ یہ ہے کہ جب ہم نے غیر مسلم اقوام کو مہذب اور اپنے کو تیسرے درجے کی مخلوق فرض کرلیا تو پھر ہم ہر کام میں ان کی نقل کرنے لگے اب جن کاموں میں شریعت کی طرف سے اجازت نہ تھی ہم نے انہیں توڑ موڑ کر غیر مسلموں کے طریقوں کے قریب کرنے کی کوشش کی، جس کی وجہ سے ہم نہ ادھر کے رہے اور نہ ادھر کے، چنانچہ انہی کوششوں میں ایک کوشش یہ بھی ہے کہ غیر مسلموں نے مذہب کو بالائے طاق رکھتے ہوئے اس عقدہ کو کھولنا چاہا کہ انسان کی ابتدا کیسے ہوئی، وہ اس نظریے پر پہنچے کہ ابتدا میں انسان کی صورت ایسی نہ تھی جیسا کہ ابھی ہے بلکہ یا تو بندر سے ترقی کر کے موجودہ شکل تک ترقی ہوئی یا انسان کی پیدائش یک خلوی جاندار کے طور پر ہوئی اور ترقی ہوتے ہوتے موجودہ شکل وجود میں آئی۔اب انہی کے قریب ہونے کیلئے ڈاکٹر صاحب کا یہ ارشاد ملاحظہ فرمالیں جس میں صریح طور پر اپنے آپ کو مہذب ثابت کرتے ہوئے وہ ان کی مکمل طور پر حمایت نہ کرسکیں لیکن ان کے قریب ہونے کی کوشش ضرور کی ہے پہلے حضرت آدم علیہ الصلوۃ والسلام کی پیدائش میں صریح نصوص کا انکار کردیا، باقی کام آئندہ مرحلے کے لئے چھوڑ دیا گیا۔لہذا آپ اس طرح کی باتوں پر کان نہ دھریں ایسے حضرات جو صریح نصوص کا انکار کرتے ہوئے اپنے نظریات کا پرچار کرنا چاہتے ہیں ان کا اسلام سے کوئی تعلق نہیں۔

لما فی قوله تعالى :يٰٓاَيُّها النَّاسُ اتَّقُوْا رَبَّكُمُ الَّذِىْ خَلَقَكُمْ مِنْ نَّفْسٍ وَّاحِدٍ وَّخَلَقَ مِنْها زَوْجَها وَبَثَّ مِنْهمَا رِجَالاً كَثِيْراً وَّنِسَاءً (النساء:١)

وفی التفسير لابن كثير (٣٩٦/١): تحت هذه الآية يا ايها الناس اتقوا ربكم الذى خلقكم من نفس واحدة وخلق منها زوجها... ''وخلق منها زوجها '' وهى حوآء عليها السلام خلقت من ضلعه الايسر...

وفی التفسير الكبير (١٦٦/٥): اجمع المسلمون على ان المراد بالنفس الواحدة ههنا هو آدم عليه السلام

وفی روح المعانی (١٨٠/٢):الذى خلقكم من نفس واحدة ...والمراد من النفس الواحدة آدم عليه السلام،والذى عليه الجماعة من الفقهاء والمحدثين ومن وافقهم انه ليس سوى آدم واحد وهو ابوالبشر ... وخلق منها زوجها ...المراد من الزوج حوآء وهى قد خلقت من ضلع آدم عليه السلام الايسر۔

وفی كنز العمال (٣٧٦/١٦):خلقت المرأة من ضلع ان جئت ان تقيمها تكسرها وان تتركها

تعش معها علی عوجها۔

وفی لسان العرب (۱/۹۸): قیل هو من ا دمة الارض وهو لونها قال وبه سمی آدم ابوالبشر علی نبیناوعلیه الصلوة والسلام۔

(۴۱۲) سلفی حضرات کون ہیں اور ان سے لین دین کا حکم

سوال

کیا فرماتے ہیں علمائے کرام ومفتیانِ عظام اس مسئلہ کے بارے میں کہ آجکل جو سلفی حضرات ہیں یہ کون سے حضرات ہیں؟ اور ان کے عقائد کیا ہیں؟ اور ان سے لین دین کرنا جائز ہے یا نہیں؟ اور ان حضرات کا پس منظر مکمل طور پر بیان فرمائیں۔ جزاکم اللہ خیرا

الجواب بعون الملک الوھاب

صورت مسئولہ کے اندر آپ نے جن سلفی حضرات کے متعلق پوچھا یہ درحقیقت غیر مقلدین حضرات ہی ہیں۔ جن کا پس منظر کچھ اس طرح ہے:

آج سے ڈیڑھ صدی قبل برصغیر میں غیر مقلدین کا کوئی وجود نہ تھا یہ فرقہ اس وقت پیدا ہوا جب ہندوستان کے بعض علماء نے علامہ شوکانی رحمۃ اللہ علیہ سے شرف تلمذ حاصل کیا اس وقت انہوں نے اپنا نام ''موحدین'' رکھا اور ایک مدت تک یہی نام ان میں رائج رہا۔ پھر ان لوگوں نے نامعلوم اسباب کی بناء پر مذکورہ نام ختم کر کے ایک دوسرا نام ''محمدیین'' اختیار کیا۔ اور ہندوستان کے اسلامی حلقوں میں اسی نام سے ان کی پہچان ہونے لگی۔ لیکن کچھ عرصہ بعد انہوں نے یہ نام بھی ختم کر دیا۔ انہیں ڈر تھا کہ کہیں اس نام کی وجہ سے کوئی ان کو شیخ عبدالوہاب نجدی کی طرف منسوب نہ کر دے۔ ان کی طرف نسبت کو یہ لوگ پسند نہیں کرتے تھے چنانچہ پھر ''غیر مقلدین'' کا لقب اختیار کیا کافی عرصے تک یہ لوگ اپنے آپ کو غیر مقلدین کہتے رہے اور اس بات پر فخر کرتے رہے کہ ائمہ کرام رحمہم اللہ علیہم میں یہ لوگ کسی کی تقلید نہیں کرتے لیکن کچھ عرصے بعد معلوم نہیں کیوں اس نام سے اُکتا گئے اور انہوں نے اپنے لئے ایک نیا لقب ''اہل حدیث'' منتخب کیا۔ انگریزوں کے کرم اور ان کی عنایتوں کے طفیل دفاتر سرکار انگلشیہ میں اس فرقے نے اپنا یہی نام درج کرایا۔ اس طرح یہ فرقہ مختلف ناموں اور مختلف القاب کا لبادہ اوڑھتا رہا۔ اس فرقہ کے اسلاف میں سلفی نام کا کوئی بھی عالم نہیں گزرا۔ آخر میں یہ لوگ اہل حدیث نام اختیار کر کے اسی پر جمے رہے۔

جب ان کے اسلاف کا دور ختم ہوا اور ان کی نئی نسل پروان چڑھی عالمی حالات بدل گئے خلیجی ممالک خصوصاً سعودی عرب میں اقتصادی ترقی کا ظہور ہوا تو غیر مقلدین کے موجودہ فرقہ نے اس موقع کو غنیمت سمجھ کر اہل حدیث کا نام ترک کر دیا اور ان میں سے ہر ایک بڑی تیزی کے ساتھ ''سلفی'' اور اثری بنتا گیا۔ کیونکہ سعودی عرب کے عام باشندے علامہ ابن تیمیہ رحمۃ اللہ علیہ، علامہ ابن قیم رحمۃ اللہ علیہ اور شیخ عبدالوہاب نجدی کو پسند کرتے ہیں اور سلفیت کی طرف اپنے آپ کو منسوب کرتے ہیں۔ غیر مقلدوں کے مدارس، علمی اداروں اور دعوتی مراکز کے نام اہل حدیث سے ''سلفی'' میں تبدیل ہو گئے اس طرح انہوں نے عربوں کے ساتھ ہم آہنگی پیدا کر لی۔ اب ان کا ہر چھوٹا بڑا اپنے نام کے ساتھ ''سلفی'' لکھتا ہے۔ (کچھ دیر غیر مقلدین کے ساتھ، صفحہ ۱۱۲)

اس سرزمین پاک و ہند میں تقریباً بارہ صدیوں سے اسلام آیا ہوا ہے۔ یہاں اسلام لانے والے اسلام پھیلانے والے اور اسلام کو قبول کرنے والے سب کے سب ''حنفی اہل السنت والجماعت'' تھے یہاں تک کہ تمام مفسرین، محدثین، فقہاء کرام، اولیاء کرام اور سلاطین عظام ''اہل سنت والجماعت حنفی'' تھے لیکن جب انگریز کے منحوس قدم یہاں آئے تو وہ یورپ سے ذہنی آوارگی مادر پدر آزادی اور دینی بے راہ روی کی سوغات ساتھ لایا اور مذہبی آزادی اور مذہبی تحقیق کے خوشنما اور دلفریب عنوانات سے اس ملک میں خودسر اور متعصب فرقے کو جنم دیا۔ اس فرقے کا پہلا قدم سلف سے بدگمانی اور انتہاء سلف پر بدزبانی ہے۔ یعنی آپ یہ سمجھ لیں کہ اس فرقہ کا ہر شخص ''اعجاب کل ذی رأی برأیه'' پر نازاں ہونے کے ساتھ ساتھ ''لعن آخر هذه الامة اولها'' کا مصداق ہے۔ اس فرقہ کا ہر شخص اپنے آپ کو ائمہ اربعہ رحمہ اللہ علیہم اور صحابہ کرام رضوان اللہ علیہم اجمعین سے بھی برتر جانتا ہے۔ مشہور مؤرخ شاہ جہاں پوری رحمۃ اللہ علیہ اپنی کتاب (ارشاد الی سبیل الرشاد) میں تحریر فرماتے ہیں کہ صحابہ کرام ؓ کے مبارک دور سے لے کر ۱۸۰۰ء تک کوئی دنگا فساد نہ ہوا، ۱۸۸۸ء میں انگریز نے آزادی مذہب کے نام پر مسلمانوں کے تقلیدی اتحاد کو غیر مقلدیت سے توڑا اس لئے کہ مقلدین ہی تھے کہ جنہوں نے ان کے علاقے فتح کیے اور ان کو زیر کیا ۱۸۸۸ء سے لے کر آج تک اس کے دس فرقے بن گئے۔

(۱)۔ جماعت غرباء اہلحدیث، (۲)۔ امیر شریعت صوبہ بہار، (۳)۔ کانفرنس اہلحدیث، (۴)۔ فرقہ ثنائیہ ۱۹۳۸ء، (۵)۔ فرقہ حنفیہ عطائیہ ۳۰۔ ۱۹۲۹ء، (۶)۔ فرقہ شریفیہ ۱۳۴۹ھ، (۷)۔ فرقہ غزنویہ ۱۳۵۳ھ، (۸)۔ جمعیت اہلحدیث ۱۳۷۰ھ، (۹)۔ انتخاب مولوی محی الدین ۱۳۷۸ھ اور اب یہی دسواں فرقہ ہے ان میں بعض نے بعض پر کفر کا فتویٰ بھی لگا دیا ہے۔

۱۳۱۹ھ میں جب یہ فرقہ پیدا ہوا تو چونکہ یہ تقلید کو شرک و بدعت کہتا تھا اس لئے ان کو غیر مقلد کہا جانے لگا تا کہ پتہ چلے کہ یہ ایک منفی فرقہ ہے جو تعمیر کے بجائے تخریب کیلئے تیار کیا جا رہا ہے پھر یہ لوگ ائمہ اربعہ رحمہ اللہ علیہم کی پیروی سے منحرف ہو گئے تھے اس لئے لوگ انہیں لامذہب کہنے لگے۔

ان کی تصانیف:...... غیر مقلدین کا سب سے پہلا ترجمہ قرآن ڈپٹی نذیر احمد نے لکھا۔ مشکوٰۃ، بلوغ المرام کا سب سے پہلا حاشیہ مولوی عبدالوہاب شاگرد نذیر حسین نے لکھا۔ رد تقلید پر سب سے پہلی کتاب معیارِ حق سید نذیر حسین نے لکھی۔ تاریخ اہلحدیث سب سے پہلے مولانا ابراہیم سیالکوٹی نے لکھی۔ ان کا کوئی ترجمہ، تفسیر قرآن، ترجمہ وتشریحات انگریز کے دور سے پہلے کی نہیں۔

نسب نامہ:...... آپ کسی منکرین حدیث یا قادیانی سے پوچھ لیں کہ آپ کب اس مذہب میں آئے ہیں وہ اولاً یہی بتلائے گا میں ہی بنا ہوں، یا باپ اور بہت بوڑھا تو دادا تک بتلائے گا اس کے اوپر وہ نہیں بتا سکتا یہی حال سلفی غیر مقلدین کا ہے۔ غزنوی خاندان میں سب سے پہلے سلفی عبداللہ غزنوی تھا، لکھنوی خاندان میں مولوی محمد صاحب سے پہلے کوئی سلفی نہ تھا، اور بھوپال میں نواب صدیق حسن سے پہلے کوئی سلفی غیر مقلد نہ تھا۔

مساجد:...... پنجاب میں ان کی پہلی مسجد چینیانوالی مسجد بنی، جن کا پہلا خطیب عبداللہ چکڑالوی تھا جو رات دن فقہ اور احناف کے خلاف زہر اگلتا رہتا تھا آخر فقہ کی مخالفت کا وبال یہ پڑا کہ منکرین حدیث کا بانی بن گیا اسی مسجد میں دوسرا خطیب مرزا غلام احمد قادیانی

بنا یہ ان کی مساجد کا فیض ہے۔

مدرسہ:...... دہلی کا مشہور مدرسہ جہاں شاہ اسحق رحمۃ اللہ علیہ کا درس ہوتا تھا اور عرب وعجم میں یہ مدرسہ مشہور تھا۔ جب شاہ صاحب رحمۃ اللہ علیہ کو انگریز برطانیہ نے ہجرت پر مجبور کردیا۔ تو اس مدرسہ کی شہرت کا فائدہ اٹھاتے ہوئے یہاں نذیر حسین کو شاہ اسحاق رحمۃ اللہ علیہ کا نائب مقرر کر کے بٹھادیا، یہی ان کا پہلا مدرسہ بنا۔ (تجلیات صفدر، جلد ۵)

۱۹۱۱ء کی مردم شماری جو کہ سرکاری سطح پر کی گئی کے اعداد وشمار یہ ہیں۔ اثناء عشری ایک کروڑ ۷۳ لاکھ، زیدی ۳۰ لاکھ، حنبلی ۳۰ لاکھ، مالکی ایک کروڑ، شافعی دس کروڑ، حنفی ۴۷ کروڑ سے زائد تھے، اس سے صاف ظاہر ہے کہ ۱۹۱۱ء میں اہل سنت والجماعت مقلدین کی تعداد ۴۸ کروڑ ۳۰ لاکھ سے زائد تھی جبکہ غیر مقلدین اس وقت تک کوئی قابل ذکر فرقہ نہ تھا اس لئے انسائیکلوپیڈیا آف اسلام میں ۱۹۱۱ء کی مردم شماری میں نہ ان کا نام شمار ہے اور نہ کوئی فرد۔ (از انسائیکلوپیڈیا آف اسلام)

سلفیت یعنی غیر مقلدین کے عقائد:...... ان حضرات کے تمام عقائد ونظریات کا احاطہ کرنا یہاں پر ناگزیر ہے البتہ چند مشہور عقائد جو اہل سنت والجماعت کے عقائد کے بالکل منافی ہیں۔ درج ذیل ہیں:

(۱)...... "تقلید شرک ہے بدعت گمراہی اور اندھا پن ہے۔ یعنی ائمہ اربعہ رحمہم اللہ میں سے کسی کی تقلید کرنا شرک ہے۔ اپنے کو مؤحدین اور مقلدین ائمہ اربعہ رحمہم اللہ کو مشرک و بدعتی کہنا"۔

(۲)...... ان کی کتاب فتاویٰ ثنائیہ (۸۶/۱) میں مصنف رحمۃ اللہ علیہ لکھتے ہیں کہ "ہمارا یہ مذہب نہیں کہ تمام امور شرعی میں کسی ایک امام کی تقلید کریں۔ ہم ایسی تقلید کو قرآن حدیث کے خلاف سمجھتے ہیں۔

(۳)...... "نمازِ تراویح کی رکعتیں آٹھ ہیں، بیس رکعت نماز تراویح بدعت ہے" ان کی کتاب (فتاویٰ ثنائیہ، ۵۴۵/۱) میں تحریر ہے "پس اس امر پر اتفاق ثابت ہے کہ نماز تراویح کی رکعات بفعل نبوی صلی اللہ علیہ وسلم اور بحکم خلیفہ راشد آٹھ رکعت مع وتر گیارہ ہیں اگر کوئی اس سے زیادہ پڑھے تو وہ نفل ہوں گے۔"

(۴)...... "ایک مجلس میں دی گئیں تین طلاقیں، تین نہیں بلکہ ایک طلاق شمار ہے"۔ یعنی اگر کوئی شخص اپنی زوجہ کو تین طلاقیں دے تو وہ بیک وقت منعقد نہیں ہوتیں بلکہ ایک طلاق شمار ہوگی ان کی کتاب (فتاویٰ ثنائیہ، ۲۲۷/۲) میں مذکور ہے: "خلاصۂ کلام یہ ہے کہ طلاق ثلاثہ فوری چونکہ کتاب وسنت کے خلاف ہے اور اس میں بڑی خرابیاں ہیں اس لئے ایسی طلاق خواہ مجلس میں ہو یا مجالس میں ایک ہی طلاق رجعی ہوگی۔"

(۵)...... "جمعہ کے روز اذان ثالث جائز ہے" ان کی کتاب (فتاویٰ نذیریہ، ۵۷۴/۱) میں ایک سوال کہ "جمعہ کے روز اذان ثالث جائز ہے یا نہیں" کے جواب میں فرمایا "جائز ہے"۔

(۶)...... "اجماع کوئی چیز نہیں ہے" یعنی انکا نظریہ ہے کہ اجماع اور قیاس شرعی حجت شرعیہ نہیں ہیں یعنی یہ حضرات اجماع امت میں اجماع صحابہ رضوان اللہ علیہم اجمعین کو بھی نہیں مانتے جیسے کہ بیس رکعت تراویح، طلاق ثلاثہ وغیرہ ان کی کتاب (عرف الجاوی، ص ۳) میں

ذکر ہے ''دین اسلام کے ادلہ صرف دو ہیں کتاب اللہ اور سنت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اجماع کوئی چیز نہیں ہے، ضرورت اس بات کی ہے کہ ہم اجماع کی اس ہیبت کو دلوں سے نکال دیں جو دلوں میں بیٹھی ہے۔ حق بات یہ ہے کہ اجماع ممنوع ہے۔''

(۷)...... ''خلفاء راشدین کو گالیاں دینے سے آدمی کافر نہیں ہوتا۔'' (نزول الابرار من فقہ النبی مختار، ۲/ ۳۱۸)

(۸)...... ''صحیح ہے کہ شراب ناپاک نہیں۔'' (نزول الابرار من فقہ النبی مختار، ۱/ ۱۹)

(۹)...... ''قرآن پاک پر غلاف ہو تو سر کے نیچے یا پیٹھ کے پیچھے رکھ لینا مکروہ نہیں ہے۔'' (ایضاً، ۱/ ۲۰)

(۱۰)...... ''اگر نمازی کی زبان سے ''ہاں'' یا ''البتہ'' یا ''نہیں'' نکل گیا تو اس سے نماز نہیں ٹوٹتی۔'' (ایضاً، ۱/ ۱۰۹)

(۱۱)...... ائمہ اربعہ رحمۃ اللہ علیہم جو باجماع امت العلماء ورثۃ الانبیاء کے مصداق ہیں کو یہودیوں کے احبار، رہبان اور مشرکین کے آباؤ اجداد قرار دے کر اور مقلدین کو مشرک اور یہودی قرار دیتے ہیں۔ (تجلیات صفدر، جلد ۵)

(۱۲)...... فقہ جس کو آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے خیر فرمایا یہ حضرات اس کو خبیث قرار دیتے ہیں۔ (تجلیات صفدر، جلد ۵)

حضرات سلفیہ (غیر مقلدین) کے بارے میں اہل سنت والجماعت کا مؤقف

ان حضرات میں جو لوگ ائمہ اربعہ رحمۃ اللہ علیہم کی تقلید کو شرک سمجھتے ہیں اور مقلدین کو مشرک اور ائمہ اربعہ رحمۃ اللہ علیہم پر سب وشتم کرتے ہیں یہ حضرات فاسق شمار ہوں گے۔ جو ایسے نہیں ہیں صرف تارک تقلید ہیں صرف ظاہری حدیث کی اتباع کو افضل سمجھتے ہیں اس میں اتباع ہوا سے کام نہیں لیتے وہ فاسق شمار نہیں ہیں۔ نماز پہلے لوگوں کے پیچھے مکروہ ہے بوجہ فاسق ہونے کے اور دوسروں کے پیچھے پڑھ سکتے ہیں البتہ ان سے لین دین کرنا درست ہے۔

فصل فی التعویذات

(تعویذات کے بیان میں)

(۴۱۳) درود کے ذریعے دم کرنا

سؤال

کیا فرماتے ہیں مفتیان دین متین اس مسئلہ کے بارے میں کہ درود شریف کے ذریعے سے کسی چیز پر دم کر سکتے ہیں یا نہیں جیسا کہ سورۃ فاتحہ کیساتھ دم کیا جاتا ہے؟ نیز یہ شرک میں داخل ہے یا نہیں؟

الجواب بعون الملک الوھاب

درود کے ساتھ دم کرنا کسی حدیث سے ثابت نہیں لہٰذا بہتر یہ ہے کہ دوسری ادعیہ ماثورہ کے ذریعے سے دم کیا جائے۔ اور اگر درود سے ہی دم کیا جائے تو بھی جائز ہے لیکن اگر عقیدہ یہ ہو کہ درود کے ذریعے دم سے آپ علیہ الصلوٰۃ والسلام حاضر ہوں گے یا شفاء آپ سے ملے گی تو یہ عقیدہ غلط اور شرک ہے۔

لمافی المشکوۃ (۳۸۸/۲): وعن جابر قال نھی رسول اللہ ﷺ عن الرقاء فجاء آل عمرو ابن حزم فقالوا یارسول اللہ انه کانت عندنا رقیة ترق بھا من العقرب وانت نھیت عن الرقی فعرضوھا علیه فقال ماارى بھا باسا من استطاع منکم ان ینفع اخاہ فلینفعه۔

وعن عوف بن مالک الاشجعی قال کنا نرق فی الجاھلیة فقلنا یارسول اللہ ﷺ کیف تری فی ذلک فقال اعرضوا علی رقاکم لاباس بالرقی مالم یکن فیه شرک۔

(۴۱۴) دعا یا تعویذ سے جرائم ثابت کرنا

سؤال

کیا فرماتے ہیں علماء کرام ومفتیان عظام اس مسئلہ کے بارے میں کہ کسی دعا یا تعویذ کے ذریعے چوروں، ڈاکوؤں یا دوسرے

جرائم کو ثابت کیا جاسکتا ہے یا نہیں؟ اگر کوئی ان طریقوں سے ثابت کرے تو اس پر یقین کرنا کیسا ہے؟

الجواب بعون الملک الوھاب

صورت مسئولہ میں دعا یا تعویذ یا کسی اور طریقے سے چوروں، ڈاکوؤں یا دوسرے جرائم کو ثابت کرنا صحیح نہیں ہے۔اسی طرح اس کے ثبوت پر یقین کرنا بھی جائز نہیں بلکہ ان کی تصدیق کفر تک پہنچانے والی ہے کیونکہ کسی بھی شخص کو یقینی خبر نہیں ہوتی۔

لمافی المرقاۃ (۹/ ۱۷): عن ابی ھریرۃ قال قال رسول اللہ ﷺ من اتی کاھنا فصدقہ بمایقول ...

... فقد برئ مما انزل علی محمد۔

(فقد برئ مماانزل علی محمد) ای کفر وھومحمول علی الاستحلال اوعلی التھدید والوعید۔

وفی شرح الفقہ الاکبر(ص۱۴۹): ان تصدیق الکاھن بمایخبر عن الغیب کفر۔

وفی ردالمحتار (۲۴۲/۴): ان الکاھن من یدعی معرفۃ الغیب باسباب وھی مختلفۃ فلذا انقسم الی انواع متعددۃ کالعراف والرمال والمنجم ...... والذی یدعی إنہ لہ صاحبا من الجن یخبرہ عما سیکون والکل مذموم شرعا محکوم علیھم وعلی مصدقھم بالکفر ......وفی التاتارخانیۃ یکفر بقولہ انا اعلم المسروقات۔

(۴۱۵) تعویذ لٹکانے کی حیثیت

سؤال

کیا فرماتے ہیں علماء کرام ومفتیان عظام اس مسئلہ کے بارے میں کہ بعض حضرات گلے میں تعویذات وغیرہ لٹکاتے ہیں اور اس پر شفاء کا عقیدہ رکھتے ہیں۔ایسے لوگوں کا کیا حکم ہے؟ تفصیل سے بیان فرمائیں۔

الجواب بعون الملک الوھاب

صورت مسئولہ میں اگر یہ لوگ ان تعویذات کو مؤثر بالذات سمجھیں اور انہی پر شفاء کے حصول کا عقیدہ ہو تو ایسے اشخاص مشرک ہیں انہیں فوراً اس فعل بد سے اجتناب کرنا چاہیئے اور توبہ کرنا چاہیئے۔ہاں اگر محض اسباب کے درجے میں یہ کام کیا جائے اور شفاء کے حصول کا عقیدہ صرف اللہ تعالیٰ سے رکھا جائے تو کوئی مضائقہ نہیں۔

لمافی سنن ابی داؤد (۱۸۶/۲): عن عبداللہ قال سمعت رسول اللہ ﷺ یقول ان الرقی والتمائم والتولۃ شرک الی آخر الحدیث۔

وعلی ھامشہ: التمائم جمع تمیمۃ ارید بہ الخرزات التی تعلقھا النساء فی اعناق الاولاد علی ظن

انما تؤثر وتدفع العین۔(قوله شرك) ای من افعال المشرکین اذا اعتقد ان له تاثیرا حقیقة۔

وفی المرقاة (۳۵۸/۸): عن زینب امرأة عبدالله بن مسعود ان عبدالله رأی فی عنقی خیطا فقال ماهذا فقلت خیط رقی لی فیه قالت فاخذه فقطعه ثم قال انتم آل عبدالله لاغنیاء عن الشرك سمعت رسول الله ﷺ یقول ان الرقی والتمائم والتولة شرك۔

وفی المرقاة تحته : هی خرزات كانت للعرب تعلق علی الصبی لدفع العین بزعمهم وهوباطل ...... واطلق الشرك علیهما اما لان المتعارف منها فی عهده ماكان معهودا فی الجاهلیة وكان مشتملا علی مایتضمن الشرك۔

وفی ردالمحتار (۳۶۳/۶): التمائم جمع تمیمة وهی خرزات كانت العرب تعلقها علی اولادهم یتقون بها العین فی زعمهم فابطلها الاسلام والحدیث الاخر من علق تمیمة فلا أتم الله له لانهم یعتقدون انهم تمام الدواء والشفاء بل جعلوها شركاء لانهم ارادوا بها دفع المقادیر المكتوبة علیهم وطلبوا دفع الاذی من غیر الله تعالی الذی هو دافعه اه۔

(۴۱۶) مجرم کی تعیین کسی عامل کے خاص عمل سے

سؤال

کیا فرماتے ہیں علماء کرام ومفتیان عظام اس مسئلہ کے بارے میں کہ بعض لوگ چور، جادوگر یا مجرم کو معلوم یا متعین کرنے کے لئے عاملین سے رجوع کرتے ہیں۔عامل کے مخصوص علم کے بعد اس عمل کے اثرات جس پر ظاہر ہو جائیں اسے ہی مجرم، چور یا جادوگر گردانتے ہیں کیا اس طرح کا عمل کرنا صحیح ہے اور اس ذریعے سے تعیین کا کیا حکم ہے؟

الجواب بعون الملك الوهاب

چور، جادوگر یا مجرم کی تعیین کے لئے عاملین کے خاص اعمال اور پھر ان کے اثرات کے باوجود شرعا مجرم کی تعیین کے لئے غیر معتبر ہیں۔لہٰذا جس پر عمل کا اثر ظاہر ہوا سے مجرم نہیں کہہ سکتے۔بلکہ اس طرح کے غیبی امور معلوم کرنے کے لئے کسی کے پاس جانا گناہ کبیرہ ہے اور اگر اس کی تصدیق بھی کردی تو کفر ہے لہٰذا اس طرح کے غیر شرعی امور سے اجتناب کرنا چاہیئے۔

لمافی المشكوة (ص۳۹۳): عن حفصة قالت قال رسول الله ﷺ من اتی عرافا فسأله عن شئ لم یقبل له صلاة اربعین لیلة ......وعن ابی هریرة قال قال رسول الله ﷺ من اتی كاهنا فصدقه بمایقول ......فقد برئ بماانزل علی محمد۔

وفی التاتارخانیة (۵/ ۳۷۷): سئل الفضلی عن معنی قوله علیه السلام من اتی کاهنا وصدقه فیما یقول فقد کفر بما انزل علی محمد ﷺ فقال الکاهن الساحر فقیل له :هذا الرجل اوالمرأة التی تقول انا اعلم المسروقات هل یدخل تحت هذا الخبر قال :نعم قیل له فان قال هذا الرجل انا اخبر عن اخبار الجن ایای قال ان قال هکذا فهو ساحر کاهن ومن صدقه فقد کفر۔

فصل فی اغلاط العوام

(عوام الناس کے توہمات اور اغلاط کے بیان میں)

(۴۱۷) قرآن سے فال نکالنا

سوال

کیا فرماتے ہیں مفتیان کرام اس مسئلہ کے بارے میں کہ ہماری والدہ صاحبہ جو کام کرتی ہیں کہتی ہیں کہ پہلے قرآن پاک سے فال نکالو پھر کام کرو۔ کیا شریعت کی رو سے قرآن مجید سے فال نکالنا جائز ہے یا نہیں؟

الجواب بعون الملک الوھاب

قرآن مجید سے فال نکالنے کا شریعت میں کوئی ثبوت نہیں اس لئے فال نکالنا صحیح نہیں ہے۔ قرآن مجید کا مقصد حلال وحرام میں تمیز اور ضابطہ حیات کی طرف راہنمائی ہے، دوسری بات یہ ہے کہ اگر قرآن سے فال نکالا اور بعد میں وہ بات غلط ثابت ہوئی تو اس غلط بات کی نسبت قرآن مجید کی طرف کی جائے گی جو موجب کفر ہے۔

لمافی قولہ تعالی(الاسراء: ۹) : إِنَّ هٰذَا الْقُرْآنَ يَهْدِيْ لِلَّتِيْ هِيَ أَقْوَمُ وَيُبَشِّرُ الْمُؤْمِنِيْنَ الَّذِيْنَ يَعْمَلُوْنَ الصّٰلِحٰتِ أَنَّ لَهُمْ أَجْرًا كَبِيْرًا

(الاعراف: ۱۵۷)وَيُحِلُّ لَهُمُ الطَّيِّبَاتِ وَيُحَرِّمُ عَلَيْهِمُ الْخَبَائِثَ

وفی المشکوۃ (ص۳۹۲): عن ابن عباس قال کان رسول اللہ ﷺ یتفاول ولا یتطیر وکان یحب الاسم الحسن۔

(۴۱۸) فال کی شرعی حیثیت

سوال

کیا فرماتے ہیں علماء کرام ومفتیان عظام اس مسئلہ کے بارے میں کہ بعض لوگ فٹ پاتھ پر بیٹھے ہوتے ہیں جن کے پاس ایک

طوطا اور چند لفافے ہوتے ہیں۔کیا ان سے فال نکلوانا صحیح ہے؟ بعض لوگ کہتے ہیں کہ فال نکالنا صحیح ہے کیونکہ روایات سے یہ ثابت ہے؟

الجواب بعون الملک الوھاب

صورت مسئولہ میں مروجہ فال کا طریقہ ناجائز ہے جو کسی بھی صورت میں جائز نہیں اور روایات میں جس فال کا ذکر ہے اس سے مراد کوئی اچھا کلمہ یا اچھی تعبیر ہے یعنی آپ نے کوئی کام شروع کیا یا شروع کرنے کا ارادہ کیا اُس کے بعد آپ نے کوئی اچھا کلمہ سن لیا اور نیک فالی کے طور پر آپ نے اس سے اچھی تعبیر لے لی تو یہ صحیح ہے۔

لمافی المشکوۃ (ص۳۹۳): عن ابی هریرة رضی الله عنه قال قال رسول الله صلی الله علیه وسلم من اتی کاهنا فصدقه بمایقول ......فقد برئ مماانزل علی محمد۔

وفیه ایضا (ص۳۹۲): عن ابن عباس رضی الله عنه قال کان رسول الله صلی الله علیه وسلم یتفاؤل ولا یتطیر وکان یحب الاسم الحسن ......عن انس ان النبی صلی الله علیه وسلم کان یعجبه اذاخرج لحاجة ان یسمع یاراشد یانجیح۔

(۴۱۹) مسجد کے محراب کی مٹی زخم کے لئے استعمال کرنا

سؤال

کیا فرماتے ہیں علماء کرام اس مسئلہ کے بارے میں ہمارے علاقے میں یہ رواج ہے کہ جب چہرے یا سر پر ایک خاص قسم کا زخم ہوتا ہے تو مسجد کے محراب کی مٹی استعمال کرتے ہیں کیا اس طرح علاج کرنا ثابت ہے یا نہیں؟ اگر ثابت نہیں تو بھی اس کو پاک ومقدس مٹی سمجھ کر استعمال کیا جائے تو کیا حکم ہے؟

الجواب بعون الملک الوھاب

علاج کے لئے مٹی استعمال کرنا جائز ہے البتہ یہ عقیدہ رکھنا کہ شفا مٹی میں ہے یا کسی خاص مٹی میں ہے یہ درست نہیں۔

لما فی الصحیح للبخاری (۲/۸۵۵): حدثنا علی بن عبدالله ......عن عائشة رضی الله عنها ان النبی صلی الله علیه وسلم کان یقول للمریض بسم الله تربة ارضنا وریقة بعضنا یشفی سقیمنا۔

(۴۲۰) آٹے کی گولیوں پر سورۃ مزمل پڑھ کر سمندر میں پھینکنے کی رسم

سؤال

کیا فرماتے ہیں علماء کرام ومفتیان عظام اس مسئلہ کے بارے میں کہ زید کا کہنا ہے کہ آٹے کی گولیوں پر سورہ مزمل پڑھنا اور

انہیں جاری پانی جیسے سمندر وغیرہ میں پھینکنا جائز ہے، جبکہ بکر کا کہنا ہے کہ ایسا کرنا جائز نہیں ہے، اب ان دونوں میں جو بات صحیح ہو اس کی وضاحت فرمادیں، اللہ تعالیٰ آپ حضرات کو جزائے خیر عطا فرمائے۔

الجواب بعون الملک الوھاب

یہ عمل صفر کے مہینے میں کیا جاتا ہے، اور اس مہینے کے متعلق لوگوں میں یہ بات مشہور ہے کہ اس مہینے میں مصائب و بلائیں اور بیماریاں کثرت سے نازل ہوتی ہیں، اور ان سے بچنے کا طریقہ یہ ہے کہ سورہ مزمل آٹے کی گولیوں پر پڑھ کر سمندر وغیرہ میں ڈالی جائیں تا کہ مچھلیاں ان کو کھائیں اور ہم ان مصائب سے محفوظ رہیں۔ لہٰذا سب سے پہلے یہ سمجھنے کی ضرورت ہے کہ کیا واقعی یہ مہینہ منحوس ہے کہ اس میں مصائب کثرت سے نازل ہوتے ہیں؟ تو اس کا جواب یہ ہے کہ ماہ صفر کے متعلق نحوست اور مصائب کے نزول کا عقیدہ لوگوں کا من گھڑت اور جاہلانہ عقیدہ ہے، جس کی شریعت اور دین اسلام میں کوئی اصل نہیں ہے، احادیث مبارکہ میں اس قسم کے عقائد سے منع کیا گیا ہے، لہٰذا ماہ صفر بلکہ کسی چیز کے بارے میں بھی نحوست کا عقیدہ رکھنا جائز نہیں کیونکہ غم و خوشی، صحت و بیماری وغیرہ سب اللہ تعالیٰ کی مرضی و منشاء اور بندوں کی آزمائش کے طور پر آتے ہیں اس میں نہ تو کسی چیز کی نحوست کا دخل ہے اور نہ کسی اور چیز کا، بلکہ فاعل حقیقی صرف اللہ تعالیٰ کی ذات گرامی ہے۔ اس بات کو سمجھ لینے کے بعد یہ سمجھئے کہ اگر مذکورہ عمل بھی ماہ صفر کی نحوست کی بناء پر کیا جاتا ہو تو جائز نہیں کیونکہ ماہ صفر کے بارے میں نحوست کا عقیدہ رکھنا ہی جائز نہیں تو یہ بناء فاسد علی الفاسد کی قبیل سے ہو جائے گا۔ اور اگر صرف مقصود مچھلیوں ہی کو کھلانا ہے تو سورہ مزمل کی تخصیص کی کیا وجہ ہے؟ آپ ویسے ہی سمندر میں ڈال دیں البتہ ماہ صفر میں ڈالنے میں پھر بھی پرہیز بہتر ہے تا کہ ان لوگوں سے مشابہت بھی نہ ہو جو مذکورہ عقیدے کی وجہ سے یہ عمل کرتے ہیں۔

لما فی القران ا لکریم: يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُواْ ادْخُلُواْ فِي السِّلْمِ كَآفَّةً (البقرہ:۲۰۸)

وفی الصحیح للبخاری (۲/۸۵۹): عن ابی ھریرۃ قال قال النبی ﷺ قال لاعدویٰ ولا صفر ولاھامۃ۔

وفی الصحیح لمسلم (۲/۲۳۰): عن ابی ھریرۃ رضی اللہ عنہ حین قال رسول اللہ ﷺ لا عدویٰ ولاصفر ولاھامۃ فقال اعرابی یا رسول اللہ فما بال الابل تکون فی الرمل کانھا الظباء فیجئ البعیر الاجرب فیدخل فیھا فیجربھا کلھا قال فمن اعدی الاول۔

وفی مرقاۃ المفاتیح (۹/ص۴): (ولا صفر) قال شارح کانت العرب یزعمون انہ حیۃ فی البطن واللدغ الذی یجدہ الانسان عند جوعۃ من عضہ قال ابوداؤد فی سننہ قال بقیۃ سألت محمد بن راشد عنہ قال کانوا یتشائمون بدخول صفر فقال النبی ﷺ لاصفر ... قال القاضی و یحتمل ان یکون نفیا لما یتوھم ان شھر صفر تکثر فیہ الدواھی والفتن۔

(۴۲۱) دوعیدوں کے درمیان شادی کو منحوس سمجھنا

سؤال

کیا فرماتے ہیں علماء کرام ومفتیان عظام اس مسئلہ کے بارے میں کہ ہمارے ہاں بعض لوگوں میں یہ بات رائج ہے کہ دوعیدوں کے درمیان شادی نہیں کرنی چاہیئے کیونکہ اس میں برکت نہیں ہوتی اور یہ منحوس ہوتی ہے لہٰذا جلد طلاق کی نوبت آجاتی ہے۔ آیا یہ بات درست ہے شریعت کی روشنی میں جواب عنایت فرمائیں۔

الجواب بعون الملک الوھاب

ان لوگوں کا مذکورہ خیال درست نہیں ہے کیونکہ اس کا شرعاً کوئی ثبوت نہیں ملتا بلکہ اس کے خلاف خود رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا عمل موجود ہے کہ آپ نے خود شوال کے مہینے میں شادی کی۔

لمافی الصحیح لمسلم (۴۵۶/۱): عن عائشة رضی الله عنها قالت تزوجنی رسول اللهﷺ فی شوال وبنی بی فی شوال فای نساء رسول اللهﷺ کان احظی عنده منی قال وکانت عائشة تستحب ان تدخل نساء ها فی شوال۔

قال النووی تحت هذه الروایة : فیه استحباب التزوج والتزویج والدخول فی شوال وقدنص اصحابنا علی استحبابه بهذالحدیث وقصدت عائشة بهذا الکلام رد ماکانت الجاهلیة علیه وما یتخیله بعض العوام الیوم من کراهة التزوج والتزویج والدخول فی شوال وهذا باطل لااصل له وهو من آثار الجاهلیة کانوا یتطیرون بذلك لمافی اسم شوال من الاشالة والرفع۔

(۴۲۲) رات کو آئینہ دیکھنا یا جھاڑو دینا

سؤال

کیا فرماتے ہیں علماء کرام ومفتیان عظام اس مسئلہ کے بارے میں کہ پندنامہ میں جو رات کو آئینہ دیکھنے یا جھاڑو دینے سے ممانعت آئی ہے اس کی اصل کیا ہے؟

الجواب بعون الملک الوھاب

شرع میں ان دونوں چیزوں کی کوئی اصل نہیں ہے محض عوام میں مشہور ہیں اور جن بزرگوں کے کلام میں ہے محض طب وحکمت

کے طور پر ہے ورنہ یوں کہا جائے گا کہ بعض بزرگوں پر حسن ظن کا غلبہ تھا لہٰذا ارادی طور پر کوئی جرح کئے بغیر نقل کردیا پس ایسے حضرات معذور ہیں اور ان کا قول قابل عمل نہیں۔

هکذا صرح فی امداد الفتاوی (۴/۳۷۰)

(۴۲۳) کتے کی پیدائش کے متعلق غلط فہمی

سؤال

کیا فرماتے ہیں علماء کرام ومفتیان عظام اس مسئلہ کے بارے میں کہ عام طور پر مشہور ہے کہ حضرت آدم علیہ الصلوٰۃ والسلام سے جو مٹی باقی بچی تھی اس سے اللہ تعالیٰ نے کتے کو پیدا کیا اسی وجہ سے یہ انسان کے ساتھ سب سے زیادہ وفاداری کا ثبوت دیتا ہے۔ کیا یہ بات صحیح ہے؟

الجواب بعون الملك الوهاب

یہ بات کہیں سے ثابت نہیں کہ آدم علیہ الصلوٰۃ والسلام کی بچی ہوئی مٹی سے کتے کو پیدا کیا گیا البتہ یہ ثابت ہے کہ آدم علیہ السلام کے جسم اطہر سے بچی ہوئی مٹی سے کھجور کے درخت کو پیدا کیا گیا۔

لمافی احکام القرآن للقرطبی (۹/۳۶۰): قال کلوا من عمتکم یعنی النخلة خلقت من فضلة طینة آدم علیه السلام۔

وفی معالم التنزیل للبغوی (۳/۳۳): الحکمة فی تشبیهها بالنخلة من بین سائر الاشجار ...... لانها خلقت من فضل طینة آدم علیه السلام ولذلك قال النبی ﷺ اکرموا عمتکم قیل من عمتنا قال النخلة۔

وفی عمدة القاری (۲/۱۵): قال الکرمانی ان النخلة خلقت من بقیة طینة آدم علیه السلام فهی کالعمة للاناس۔

(۴۲۴) کیا ہدہد سید ہے؟

سؤال

کیا فرماتے ہیں علماء کرام ومفتیان عظام اس مسئلہ کے بارے میں کہ ہدہد جو ایک پرندہ ہے بعض لوگ یہ کہتے ہیں کہ یہ سید ہے

اس لئے اس کا کھانا جائز نہیں کیا یہ بات صحیح ہے کہ ہدہد سید ہے اور اس کا کھانا جائز نہیں؟

الجواب بعون الملک الوهاب

ہدہد حلال ہے اور اس کا کھانا جائز ہے۔ اسے سید کہنا من گھڑت بات ہے جس کا کوئی اعتبار نہیں۔

لمافی خلاصة الفتاوی (۳۰۴/۴): وفی فتاوی الولوالجی اكل الهدهد لا بأس به لانه ليس بذی مخلب من الطيور۔

وفی الهندية (۲۹۰/۵): اكل الخطاف والصلصل والهدهد لا بأس به لانها ليست من الطيور التی هی ذوات مخلب كذا فی الظهيرية۔

(۴۲۵) بچہ اگر مختون پیدا ہو تو یہ بزرگی کی علامت ہے؟

سوال

ہمارے گاؤں میں ایک بچہ پیدا ہوا ہے جو کہ مختون تھا۔ ہمارے علاقے میں اس مسئلے پر بہت اختلاف پیدا ہوا، بعض لوگ کہتے ہیں کہ یہ بزرگی کی علامت ہے اور بعض کہتے ہیں کہ یہ بچہ ناقص پیدا ہوا ہے۔ اب آپ فیصلہ فرمائیں کہ مختون پیدا ہونا کیسا ہے؟

الجواب بعون الملک الوهاب

بچے کا مختون پیدا ہونا قدرت کا ایک کرشمہ ہے۔ بہت سے انبیاء مختون پیدا ہوئے اور نیک فالی کے طور پر بزرگی مراد لینے میں کوئی حرج نہیں ہے۔

لمافی الدر المختار (۷۵۱/۶): وقد جمع السيوطی من ولد مختونا من الانبياء عليهم الصلوة والسلام فقال . . .

وفی الرسل مختون لعمرک خلقة ثمان وتسع طيبون اكارم

وهم زكريا شيث ادريس يوسف ....

(۴۲۶) جاہل اور جعلی پیر کے ہاتھ پاؤں چومنا

سوال

کیا فرماتے ہیں علماء کرام ومفتیان عظام اس مسئلہ کے بارے میں کہ آج کل دیہاتوں میں عام رواج ہے کہ مرد اور عورتیں

جاہل اور جعلی پیروں کے ہاتھ اور پاؤں چومتے ہیں۔ان کے اس فعل کی شرعاً کیا حیثیت ہے؟ نیز کسی باشرع عالم یا بزرگ کے ہاتھ اور پاؤں چومنا عندالشرع جائز ہے نہیں؟ تفصیل سے بیان فرمائیں۔

الجواب بعون الملك الوهاب

کسی عالم یا بزرگ کے ہاتھ چومنا برکت کے لئے یا علم کی وجہ سے جائز ہے اس کے علاوہ دیگر اشخاص کے ہاتھ اس طرح چومنا ناجائز اور حرام ہے خاص طور پر عورت کا اجنبی مردوں کے ہاتھ چومنا قطعاً ناجائز ہے۔ چاہے وہ شخص عالم ہو یا کوئی اور ہو کسی صورت میں جائز نہیں۔

لما في الصحيح للبخاري (۱۰۷۱/۲): عن عائشة رضي الله عنها ...... ما مست يد رسول الله ﷺ يد امرأة الا امرأة يملكها۔

وفي الهندية (۳۶۹/۵): تقبيل يد العالم والسلطان العادل جائز ولا رخصة في تقبيل يد غيرهما هو المختار كذا في الغياثية۔

وفيه ايضا (۳۲۹/۵): ولا يحل له ان يمس وجهها ولا كفها وان كان يأمن الشهوة۔

وفي الدرالمختار (۳۸۳/۶): ولا بأس بتقبيل يدالعالم والمتورع على سبيل التبرك والسلطان العادل ...... ولا رخصة فيه اى في تقبيل اليد لغيرهما۔

(۴۲۷) بغیر عقیقہ کے مرے ہوئے بچے کی شفاعت

سوال

کیا فرماتے ہیں علماء کرام ومفتیان عظام اس مسئلہ کے بارے میں کہ پنجاب کے بعض دیہاتوں میں مشہور ہے کہ بچہ پیدا ہونے کے بعد جس بچہ کا عقیقہ نہ کرایا جائے اور وہ بچہ قبل البلوغ مرجائے تو وہ بچہ والدین کی شفاعت نہیں کرے گا۔ کیا ان لوگوں کا یہ کہنا صحیح ہے؟

الجواب بعون الملك الوهاب

احادیث سے یہ بات صراحتاً تو نہیں ملتی البتہ ابوداؤد باب العقیقہ کی ایک روایت کل غلام رهينة بعقيقة میں محدثین کے مختلف اقوال ہیں، امام احمد بن حنبل رحمۃ اللہ علیہ کی طرف یہ منسوب ہے کہ جس بچے کا عقیقہ نہ کرایا جائے اور وہ بچپن ہی میں مرجائے تو وہ والدین کی شفاعت نہیں کرے گا۔

لما في نيل الاوطار (۲۰۹/۳): (كل غلام رهينة بعقيقة) قال الخطابي: اختلف الناس في معنى هذا،

فذهب احمد ابن حنبل إلى ان معناه انه اذا مات وهو طفل ولم يعق عنه لم يشفع لأبويه۔
وقيل: انه مرهون بالعقيقة بمعنى انه لا يسمى ولا يحلق شعره الا بعد ذبحها وبه صرح صاحب المشارق والنهاية۔ انتهى

وفي مرقاة المفاتيح (۷۸/۸): وفي شرح السنة قد تكلم الناس فيه، واجودها ما قاله احمد بن حنبل معناه انه اذا مات طفلا ولم يعق عنه لم يشفع في والديه وروى عن قتادة انه يحرم شفاعتهم۔

(۴۲۸) جھوٹے میں مزید پانی ملانے سے بیماری پیدا ہوتی ہے؟

سؤال

کیا فرماتے ہیں علماء کرام ومفتیان عظام اس مسئلہ کے بارے میں کہ ایک تبلیغی امیر صاحب بیان فرمارہے تھے کہ حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا ارشاد ہے کہ ''مومن کے جھوٹے میں شفا ہے''۔ امیر صاحب نے مزید کہا کہ یہ تو صحیح ہے کہ شفا ہے لیکن اگر اس میں مزید پانی ملایا جائے تو وہ شفاختم ہوجاتی ہے اور وہ بیماری بن جاتی ہے۔ کیا واقعی شرعاً ایسا ہی ہے کہ مزید پانی ملانے سے وہ شفا بیماری بن جاتی ہے؟

الجواب بعون الملک الوھاب

بعض روایات سے معلوم ہوتا ہے کہ مومن کے جھوٹے میں شفاء ہے۔ البتہ اس سے آگے والی بات کہ مزید پانی ملانے سے بیماری بن جاتی ہے اس کا کہیں ثبوت موجود نہیں۔ لہٰذا اس بات کا اعتبار نہ کیا جائے اور مزید یہ کہ بغیر معلومات کے کوئی بات دین یا حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی طرف منسوب کرکے بیان کرنا انتہائی جرأت کی بات ہے جس سے ازحد اجتناب کی ضرورت ہے۔

لمافي المقاصد الحسنة (ص۲۴۱): ريق المؤمن شفاء، معناه صحيح ففي الصحيحين ...... واما ماعلى الالسنة من ان سور المؤمن شفاء ففي الافراد للدارقطني من حديث نوح بن ابي مريم عن ابن جريج عن عطاء عن ابن عباس رفعه من التواضع ان يشرب الرجل من سؤر اخيه۔

(۴۲۹) قرآن شریف کے نیچے سے گزرنا شفاء کے حصول کیلئے

سؤال

کیا فرماتے ہیں علماء کرام ومفتیان عظام اس مسئلہ کے بارے میں کہ بعض لوگ اپنے دروازوں پر قرآن شریف کو لٹکا لیتے ہیں اور اس کے نیچے سے گزرتے ہیں تاکہ ان کو امراض سے صحت نصیب ہوجائے، کیا اس طرح سے کرنا صحابہ رضوان اللہ علیہم اجمعین، تابعین اور سلف

صالحین سے ثابت ہے یا نہیں؟

الجواب بعون الملک الوھاب

تتبع وتلاش کے باوجود کسی کتاب میں ایسی کوئی صراحت نہیں ملی کہ یہ بات یعنی قرآن کو دروازے پر لٹکانا اور لوگوں کا اس کے نیچے سے صحت امراض کیلئے گزرنا ثابت ہو اور نہ ہی شریعت میں اس کا کوئی ثبوت ہے۔

لمافی المشکوۃ (ص۲۷): عن عائشة رضی الله عنها قالت : قال رسول الله صلی الله علیه وسلم : "من أحدث في أمرنا هذا ما ليس منه فهو رد "...وعن جابر ؓ قال قال رسول الله ﷺ اما بعد فان خير الحديث كتاب الله وخير الهدى هدى محمد وشر الامور محدثاتها وكل بدعة ضلالة۔

وفی مرقاة المفاتیح تحته (۲۱۵/۱): وفی روایة لمسلم من عمل عملا ای اتی بشئی من الطاعات او بشئی من الاعمال الدنیویة والاخرویة سواء کان محدثا او سابقا علی الامر لیس علیه امرنا ای کان من صفته انه لیس علیه اذننا بل اتی به علی حسب هواه فهو رد ای مردود غیر مقبول۔

(۴۳۰) زلزلے کا سبب

سؤال

کیا فرماتے ہیں علماء کرام ومفتیان عظام اس مسئلہ کے بارے میں کہ عام طور پر مشہور ہے کہ زلزلہ اس وجہ سے ہوتا ہے کہ زمین کو بیل نے اپنے سینگ پر اٹھا رکھا ہے، جب ایک سینگ تھک جاتا ہے تو وہ زمین کو دوسرے سینگ پر کر لیتا ہے جس سے زلزلہ پیدا ہوتا ہے۔ کیا یہ بات صحیح ہے؟

الجواب بعون الملک الوھاب

شریعت مطہرہ میں بیل کا زمین کو سینگوں پر اٹھانے کا ذکر کہیں نہیں ملتا بلکہ زلزلہ اللہ تعالیٰ کی نشانیوں میں سے ایک نشانی ہے جس کا ظہور کبھی کبھار ہوتا ہے اور بعض دفعہ جب کسی قوم میں گناہوں کی کثرت ہو جائے تو اس کی وجہ سے بھی زلزلے آتے ہیں۔ نیز اللہ تعالیٰ کا امر یا گناہوں کی کثرت یہ باطنی اسباب میں سے ہیں اور ظاہری اسباب کے لحاظ سے اس کی کئی دوسری وجوہات بھی ہو سکتی ہیں۔ دونوں میں کوئی تعارض یا منافات نہیں ہے۔

لمافی روح المعانی (۱۱۱/۱۷): تحت آیة ان زلزلة الساعة شئ عظیم ......قال العلامة الآلوسی فی بحث سبب الزلزلة ......تحدث هذه الحرکة بتحریك ملك بناء علی ماروی ان فی الارض عرقا تنتهي الی جبل قاف وهی بید ملك هناك فاذا اراد الله عزوجل امرا أمره ان

يحرك عرقا فاذا حركه زلزلت الارض ......ولا يخفى انه اذا صح حديث فی بيان سبب الزلزلة لاينبغی العدول عنه والافلابأس بالقول برأی الفلاسفة وهو لاينافی القول بالفاعل المختار كماظن بعضهم۔

وفی المشكوة (ص۴۷۰): عن ابی هريرة رضی الله عنه قال قال رسول الله صلى الله عليه وسلم اذا اتخذ الفیئ دولا والامانة مغنما والزكوة مغرما وتعلم لغير الدين واطاع الرجل امرأته ......فارتقبوا عند ذلك ريحا حمراء وزلزلة وخسفا۔

(۴۳۱) دلہن کی رخصتی کے وقت اذان دینا

سؤال

کیا فرماتے ہیں علماء کرام ومفتیان عظام اس مسئلہ کے بارے میں کہ جب لڑکی کی شادی ہوتی ہے تو اسے ڈولی میں بٹھاتے وقت اذان دی جاتی ہے۔کیا ایسا کرنا ثابت ہے یا نہیں؟ شریعت کی روشنی میں جواب عنایت فرمائیں۔

الجواب بعون الملک الوھاب

دلہن کو ڈولی میں اس لئے نہیں بٹھایا جاتا کہ اس طرح بٹھانا ثابت ہے بلکہ صرف آسانی مقصود ہوتی ہے۔اس لئے جب ڈولی میں بٹھانا ثابت نہیں تو اذان دینا بطریق اولی ثابت نہیں ہوگا۔لہٰذا رخصتی کے وقت اذان دینا بدعت کے زمرے میں داخل اور قابل اجتناب ہے۔

لمافی المشكوة (ص۲۷): عن عائشة رضی الله عنها قالت : قال رسول الله صلى الله عليه وسلم : " من أحدث في أمرنا هذا ما ليس منه فهو رد "۔

(۴۳۲) صدقہ کے وقت بکرے کو مریض کے گرد گھمانا

سؤال

کیا فرماتے ہیں علماء کرام ومفتیان عظام اس مسئلہ کے بارے میں کہ ہمارے ہاں یہ رائج ہے کہ صدقہ کے لئے مرغی اور بکرا وغیرہ کسی غریب کو دینے سے پہلے مریض یا گھر یا گاڑی وغیرہ جس کا صدقہ کرنا ہوتا ہے اس کے گرد گھماتے ہیں۔کیا ایسا کرنا شریعت میں ثابت ہے اور صدقہ کرنے کے لئے اس طرح گھمانا ضروری یا کم سے کم مستحسن ہے؟ وضاحت فرمائیں۔

الجواب بعون الملک الوھاب

روایات کثیرہ میں صدقات وغیرہ کی بڑی فضیلت آئی ہے لیکن کہیں کوئی خاص مقدار یا پھر صدقہ کرنے سے پہلے کسی خاص طریقے کا بیان نہیں ہے لہٰذا جس قدر استطاعت ہو صدقہ کرنا چاہیئے۔ باقی رہا یہ معاملہ کہ اسے پہلے مریض وغیرہ کے گرد چکر لگوانا اس کی کوئی اصل شریعت میں نہیں ہے۔ لہٰذا اس کا اہتمام والتزام جائز نہیں۔

لمافی المشکوۃ (ص۱۶۸): عن انس رضی اللہ عنہ قال قال رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ان الصدقة لتطفئ غضب الرب وتدفع میتة السوء۔

وفیه ایضاً (ص۱۶۷): عن ابی هریرة رضی اللہ عنہ قال قال رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم یانساء المسلمات لاتحقرن جارة لجارتها ولو فرسن شاة۔

کتاب التاریخ والسیر

(تاریخ اور سیر کے بیان میں)

(۴۳۳) قوم عاد کی قد وقامت اور شداد کی جنت

سوال

کیا فرماتے ہیں علماء کرام ومفتیان عظام اس مسئلہ کے بارے میں کہ عام طور پر قوم عاد کی قد وقامت کے بارے میں عجیب وغریب باتیں سننے میں آتی ہیں۔ کیا ان کی کوئی اصل موجود ہے؟ نیز اسی طرح شداد کا قصہ بھی بیان کیا جاتا ہے۔ کیا اس کا کہیں سے ثبوت ملتا ہے؟

الجواب بعون الملک الوھاب

قوم عاد کی قد وقامت کے بارے میں مفسرین نے مختلف اقوال ذکر کئے ہیں جن میں زیادہ مشہور قول بارہ (۱۲) گز کا ہے۔ اور شداد کے قصے کی بھی اصل موجود ہے چنانچہ تفاسیر میں شداد کے متعلق واقعہ موجود ہے۔

لمافی احکام القرآن للقرطبی (۴۵/۲۰): قال ابن عباس رضی اللہ عنہ فی روایة عطاء کان الرجل منهم طوله خمسمائة ذراع والقصير منهم ثلثمائة ذراع بذراع نفسه وروی عن ابن عباس ايضا ان طول الرجل منهم كان سبعين ذراعا [ابن العربي] وهو باطل لان فی الصحيح ان الله خلق آدم طوله ستون ذراعا فی الهواء فلم يزل الخلق ينقص الی الآن وزعم قتادة ان طول الرجل منهم اثنا عشر ذراعا۔

وفيه ايضا (۴۷/۲۰): وروی انه كان لعاد ابنان شداد وشديد فملكا وقهرا ثم مات شديد وخلص الامر لشداد ......وذكر القصة.........

وفی تفسير المظهری (۲۵۵/۱۰): قال مقاتل كان طولهم اثنی عشر ذراعا يعنی من ذراع النبی صلی اللہ علیہ وسلم۔

وفی زادالمسیر (۲۵۹/۸): ان عادا المنسوب الیهم عاد الاولی کان له ولدان شدید وشداد فلما مات عاد ثم مات شدید وبقی شداد ملك الارض ودانت له الملوك . . . وذکر القصة . . . ۔

(۴۳۴) غزوہ موتہ کب اور کس وجہ سے ہوا؟

سوال

کیا فرماتے ہیں علماء کرام ومفتیان عظام اس مسئلہ کے بارے میں کہ غزوہ موتہ کس تاریخ اور کس کی امارت میں ہوا۔ اس میں مسلمانوں کی تعداد کتنی تھی اور مسلمانوں کو آخر میں فتح ہوئی یا شکست؟ تفصیل سے بیان فرمائیں اور پوچھنے کی وجہ یہ ہے کہ میرے پاس دو کتابچے ہیں ان کا آپس میں کچھ اختلاف پایا جاتا ہے۔ لہٰذا آپ جو صحیح بات ہے تحریر فرمادیں۔

الجواب بعون الملك الوهاب

شرحبیل بن عمرو غسانی جو قیصر کے امراء میں سے تھا اس نے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے قاصد کو قتل کروادیا۔ جس کی وجہ سے سنہ ۸ ہجری ماہ جمادی الاولی میں آپ علیہ الصلوٰۃ والسلام نے حضرت زید بن حارثہ رضی اللہ عنہ کی امارت میں تین ہزار کا لشکر روانہ فرمایا اس میں خود حضرت زید رضی اللہ عنہ ان کے علاوہ حضرت جعفر رضی اللہ عنہ، ابن رواحہ رضی اللہ عنہ اور بعض دوسرے صحابہ رضوان اللہ علیہم اجمعین شہید ہوگئے تھے لیکن آخر کار فتح مسلمانوں کو ہوئی۔

لمافی کتاب المغازی للواقدی (۷۵۵/۲): حدثنا الواقدی . . . . . . قال بعث رسول الله صلى الله عليه وسلم الحارث بن عمیر الازدی ثم احد بنی لهب الی ملك بصری بکتاب فلما نزل موتة عرض له شرحبیل بن عمرو الغسانی فقال این ترید ؟ قال الشام۔ قال :لعلك من رسل محمد قال نعم،انارسول رسول الله فأمر به فاوثق رباطا،ثم قدمه فضرب عنقه صبرا . . . . . . فبلغ رسول الله صلى الله عليه وسلم الخبر فاشتد علیه وندب الناس واخبرهم بمقتل الحارث ومن قتله فاسرع الناس وخرجوا فعسکروا بالجرف . . . . . . فقال رسول الله صلى الله عليه وسلم زید بن حارثة امیر الناس۔

وفی البداية والنهاية (۲۴۱/۴): وهی سرية زيد بن حارثة فی نحو من ثلاثة الاف الی ارض البلقاء من ارض الشام . . . . . . عن عروة بن زبیر قال بعث رسول الله صلى الله عليه وسلم بعثه الی موتة فی جمادی الاولی من سنة ثمان واستعمل علیهم زید بن حارثة۔

(وهکذانقل فی تاریخ الطبری ج۲/ص۳۱۹)

(۴۳۵) آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی بعثت سے قبل عرب کس دین پر تھے؟

سوال

کیا فرماتے ہیں علمائے کرام ومفتیان عظام اس مسئلہ کے بارے میں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے آنے سے پہلے عرب کس نبی کے دین پر تھے؟ نیز عرب اور قریش میں بتوں کی عبادت کب شروع ہوئی اور کس نے شروع کی؟ مطلع فرما کر ثواب دارین حاصل کریں۔

الجواب بعون الملک الوھاب

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے آنے سے پہلے عرب بت پرست تھے مگر ان کے اندر دین ابراھیمی کے کچھ شعائر موجود تھے جیسے بیت اللہ کی تعظیم، طواف، حج، عمرہ وغیرہ اور عرب میں عمرو بن لحی نام کا ایک آدمی تھا وہ قبیلہ خزاعہ کا سردار تھا سب سے پہلے بت پرستی اس نے شروع کی۔

لما فی السيرة النبوية للامام ابي الفداء اسماعيل بن كثير :(۱/۶۱) دار المعرفة: واستمرت خزاعة على ولاية البيت نحوا من ثلاثمائة سنة، وقيل خمسمائة سنة والله أعلم. وكانوا مشئومين في ولايتهم، وذلك لان في زمانهم كان أول عبادة الاوثان بالحجاز. وذلك بسبب رئيسهم عمرو بن لحى لعنه الله، فإنه أول من دعاهم إلى ذلك.

وفی السيرة النبوية لابن هشام (۱۰/۱۱۱): ويقال اسمه عبد الرحمن بن صخر يقول سمعت رسول الله صلى الله عليه وسلم يقول لأكثم بن الجون الخزاعي يا أكثم رأيت عمرو بن لحي بن قمعة ابن خندف يجر قصبه في النار فما رأيت رجلا أشبه برجل منك به ولا بك منه فقال اكثم عسى أن يضرني شبهه يا رسول الله قال لا إنك مؤمن وهو كافر إنه كان أول من غير دين إسماعيل فنصب الأوثان وبحر البحيرة وسيب السائبة ووصل الوصيلة وحمى الحامي۔

و فی السيرة النبوية للامام ابي الفداء اسماعيل بن كثير (۱/۶۲): واستبدلوا بدين إبراهيم وإسماعيل عليهما السلام غيره، فعبدوا الاوثان وصاروا إلى ما كانت عليه الامم قبلهم من الضلالات. وفيهم على ذلك بقايا من عهد إبراهيم عليه السلام يتمسكون بها من تعظيم البيت، والطواف به، والحج والعمرة، والوقوف على عرفات والمزدلفة، وهدى البدن والاهلال بالحج والعمرة، مع إدخالهم فيه ما ليس منه فكانت كنانة وقريش إذا أهلوا قالوا:

لبیك اللهم لبیك.

(۴۳۶) فتح کے موقع پر قتل کئے گئے بعض اشخاص کے نام اور ان کے جرائم

سؤال

کیا فرماتے ہیں علماء کرام ومفتیان عظام اس مسئلہ کے بارے میں کہ میں نے سنا ہے کہ فتح مکہ کے موقع پر باقی سب کو معاف کردیا گیا لیکن چند اشخاص ایسے بھی تھے جنھیں معاف نہیں کیا گیا وہ کون کون تھے اور انہوں نے کیا جرم کیا تھا ؟ تفصیل سے جواب عنایت فرمائیں، اللہ تعالیٰ آپ کو جزائے خیر عطا فرمائیں۔

الجواب بعون الملك الوهاب

صورت مسئولہ میں جو اشخاص فتح مکہ کے دن بھی مجرم ٹھہرے ان میں ایک عبداللہ بن خطل تھا، یہ پہلے مسلمان ہوگیا تھا، رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اسے عامل بنا کر صدقات کی وصولی کے لئے بھیجا اس کے ہمراہ ایک غلام بھی بھیجا تھا، راستہ میں ابن خطل نے کسی موقع پر غلام سے کھانا تیار کرنے کو کہا لیکن غلام سو گیا ابن خطل نے غصہ میں آکر اس غلام کو قتل کردیا اور خود صدقہ کے اونٹ لے کر مکہ گیا اور مرتد ہوگیا، بعد میں یہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی ہجو میں اشعار کہا کرتا تھا، اس کی دو باندیاں تھیں ناچ گانے کی مجلس سجا کر ان سے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے خلاف اشعار پڑھوایا کرتا تھا تو اس نے تین جرم کیے تھے اول ناحق خون بہایا تھا دوم مرتد ہوگیا تھا سوم رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی شان اقدس میں گستاخی کا مرتکب تھا، فتح مکہ کے دن یہ کعبہ کے پردوں میں لپٹ گیا تھا آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو اطلاع کی گئی آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا اس کو وہیں قتل کردو، چنانچہ حضرت ابو برزۃ اسلمی اور حضرت سعید بن حریث رضی اللہ عنہما نے جاکر اس کو قتل کردیا۔

۲۔ مقیس بن ضبابۃ بھی پہلے مسلمان ہوگیا، پھر مرتد ہوکر مکہ مکرمہ آگیا تھا۔ نمیلہ بن عبداللہ نے اس کا کام تمام کیا۔

۳۔ حویرث بن نقیذ یہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی شان میں گستاخانہ اشعار کہا کرتا تھا۔

۴۔ حارث بن طلاطل یہ بھی آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی ہجو میں اشعار کہا کرتا تھا۔

۵۔ قریبہ یہ ابن خطل کی باندی تھی، رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے خلاف اشعار پڑھا کرتی تھی۔

۶۔ مباح الدم قرار دیے جانے والوں میں سے ھبیرہ بن وہب بھی تھا، یہ فتح مکہ کے وقت نجران کی طرف بھاگ نکلا اور وہیں کفر کی حالت میں مرا۔

۷۔ سارہ نامی ایک خاتون بھی تھی، بعض حضرات کا کہنا ہے کہ یہ عورت بھی قتل کی گئی جبکہ دوسرے بعض حضرات کا رجحان یہ ہے کہ یہ عورت مسلمان ہوگئی تھی، اور حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے زمانے تک زندہ رہی۔ یہی وہ عورت تھی جو حاطب بن ابی بلتعہ کا خط لیکر مکہ جارہی تھی۔

لما فی الصحيح للبخاری (٢/٦١٤): حدثنا يحیٰ بن قزعة ...عن انس بن مالك ان النبی ﷺ دخل مكة يوم الفتح وعلى رأسه مغفر فلما نزعه جاء رجل فقال ابن خطل متعلق باستار الكعبة فقال اقتله قال مالك ولم يكن النبی ﷺ فيما نری والله اعلم يومئذ محروماً۔

وعلى هامشه :قوله ابن خطل ...اسمه عبدالله وكان اسلم ثم ارتد وقتل قتيلا بغير حق وكانت له قينتان تغنيان بهجاء رسول الله ﷺ فضربت عنقه صبرا بين زمزم ومقام ...ومنهم مقيس بن ضبابة كان اسلم ثم ارتد قتله رجل من الانصار ومنهم الحويرث ابن نقيد كان يؤذی النبی ﷺ وينشد الهجاء قتله علی بن ابی طالب رضی الله عنه۔

وفی المصنف لابن ابی شيبة (٧/ ٤٠٥):حدثنا احمد بن مفضل قال حدثنا اسباط بن نصر قال زعم السدی عن مصعب بن سعد عن ابيه قال لما كان يوم الفتح مكة امن رسول الله ﷺ الناس الا اربعة نفروامرأتين وقال اقتلوهم وان وجدتموهم متعلقين باستار الكعبة عكرمة بن ابی جهل وعبد الله ابن خطل ومقيس بن ضبابة وعبدالله بن سعد بن ابی سرح فاما عبدالله ابن خطل فأدرك وهو متعلق باستار الكعبة فاستبق اليه سعيد بن حريث وعمار فسبق سعيد عمارا وكان اشب الرجلين فقتله واما مقيس بن ضبابة فادركه الناس فی السوق فقتلوه۔

وفی فتح الباری (٨/ص٩):قال وقد كان رسول الله ﷺ امر امراءه ان لايقتلوا الا من قاتلهم غير انه اهدر دم نفر سماهم وقد جمعت اسماهم من متفرقات الاخبار وهم عبد العزی بن خطل وعبد الله بن سعد بن ابی سرح ...والحويرث بن نقيذ ...ومقيس بن صبابة ...وقينتان كانتا لابن خطل كانتا تغنيان بهجو النبی ﷺ وسارة مولاة بنی المطلب وهی التی وجد معها كتاب حاطب ... واما الحويرث فكان شديد الاذی لرسول الله ﷺ بمكة فقتله علی يوم الفتح واما مقيس بن ضبابة فكان اسلم ثم عدا علی رجل من الانصار فقتله وكان الانصاری قتل أخاه هشام خطأ فجاء مقيس فاخذا لدية ثم قتل الانصاری ثم ارتد فقتله نميلة بن عبدالله يوم الفتح ... واما القينتان فاسمهما فرتنی وقرينه فاستؤمن لاحدهما فاسلمت وقتلت الاخری واما سارة فاسلمت وعاشت الی خلافة عمر رضی الله عنه وقال الحمدی بل قتلت وذكر ابو معشر فيمن اهدر دمه الحرث بن طلاطل الخزاعی قتله علی وذكر غير ابن اسحاق ان فرتنی هی التی اسلمت وان قرينة قتلت وذكر الحاكم ايضا ممن اهدر دمه كعب بن زهير وقصته مشهورة وقد جاء بعد ذلك واسلم ومدح ...وارنب مولاة ابن خطل ايضا

قتلت .... اختلف فی اسمها او باعتبار الكنية واللقب...

وفی البداية والنهاية (۲/۲۹٦):...ويقال اسمه عبد العزى بن خطل ويحتمل انه كان كذلك ثم لما اسلم يسمى عبدالله ولما اسلم بعثه رسول اللهﷺ مصدقا وبعث معه رجلا من الانصار وكان معه مولى له فغضب عليه غضبه فقتله ثم ارتد مشركا...وكان له قينتان فرتنى وصاحبتها فكانتا تغنيان بهجاء رسول اللهﷺ ...فقتل وهو متعلق باستار الكعبة اشترك فی قتله ابو برزة الاسلمی وسعيد بن حريث المخزومی وقتلت احدى قينة واستؤمن للاخرى قال والحويرث بن نقيذ بن وهب بن عبدقصی وكان ممن يؤذی رسول اللهﷺ بمكة ... فلما اهدر دمه قتله علی بن ابی طالب رضی الله عنه... مقيس بن ضبابة لانه قتل قاتل اخيه خطأبعيد ما أخذ الدية ثم ارتد مشركا قتله رجل من قومه يقال له نميلة بن عبدالله ... وسارة مولاة لبنی عبدالمطلب ولعكرمة بن ابی جهل لانها كانت تؤذی رسول اللهﷺ بمكة وقد تقدم عن بعضهم انهاالتی تحملت الكتاب من حاطب بن ابی بلتعة وكانما عفی عنهااو هربت ثم اهدر دمها

(۴۳۷) کیا معرکہ کربلا جہاد تھا؟

سؤال

کیا فرماتے ہیں علماء کرام ومفتیان عظام اس مسئلہ کے بارے میں کہ حضرت حسین رضی اللہ عنہ کی کربلا کی لڑائی جہاد تھی یا سیاسی جنگ؟ بعض حضرات سے میں نے سنا ہے کہ کربلا کے تمام واقعات بنائی ہوئی کہانیاں ہیں اصل میں کوئی واقعہ نہیں ہوا، آپ وضاحت فرمادیں کہ اس کی حقیقت کیا ہے؟ کیا تاریخی کتب میں یہ واقعہ موجود ہے اور وہ روایات کس درجہ کی ہیں؟

الجواب بعون الملک الوهاب

صورت مسئولہ میں پہلی شق کا جواب یہ ہے کہ حضرت حسین رضی اللہ عنہ کی کربلا میں لڑائی جہاد ہی تھی اس لئے کہ جس وقت حسین رضی اللہ عنہ نے یزید کی فوج سے خروج کیا اس وقت تک یزید کی حکومت قائم نہیں ہوئی تھی کیونکہ اول: یزید کے ہاتھ پر اس وقت بیعت نہیں ہوئی تھی۔

دوم: یزید کو حضرت امیر معاویہ رضی اللہ عنہ نے اپنا ولی عہد بنایا تھا اور بذریعہ استخلاف (ولی عہد) انعقاد خلافت کیلئے چند شرائط ہیں جن میں ایک یہ ہے کہ اگر ولی عہد خلیفہ کا بیٹا یا والد ہے تو صرف استخلاف سے خلیفہ نہیں بنے گا بلکہ اہل حل وعقد اور اہل اختیار کی

موافقت بھی ضروری ہے، اور دوسری شرط یہ ہے کہ ولی عہد میں خلافت کی تمام شرائط پائی جاتی ہوں اور کسی شخص میں شرائط خلافت کے پائے جانے اور نہ پائے جانے میں دو افراد کی رائے مختلف ہو سکتی ہے، چنانچہ امیر معاویہ رضی اللہ عنہ کے نزدیک یزید میں خلافت کی شرائط پائی جارہی تھیں لہٰذا اس کا ولی عہد بننا درست تھا، جبکہ حضرت حسین رضی اللہ عنہ کے مطابق یزید میں خلافت کی تمام شرائط نہیں پائی جارہی تھیں لہذا اس کا ولی عہد بننا درست نہ تھا، چنانچہ حضرت حسین رضی اللہ عنہ کی رائے کے مطابق امیر معاویہ رضی اللہ عنہ کے استخلاف کے باوجود یزید خلیفہ نہ تھا اور ابھی اہل حل وعقد نے یزید کی خلافت کو قبول بھی نہ کیا تھا اور یزید زبردستی خلافت قائم کرنا چاہتا تھا، لہذا آپ کے علم وفضل اور دینی رتبے کی بناء پر آپ کی ذمہ داری تھی کہ ایک ایسا شخص جو آپ کی رائے کے مطابق اس عہدے کا اہل نہ تھا اسے اس عہدے پر فائز ہونے سے باز رکھیں۔ چنانچہ آپ اس ذمہ داری کو نبھانے کیلئے نکلے اور شروع میں کچھ لوگوں نے آپ کو حمایت کا یقین بھی دلایا جو اس بات کی علامت تھی کہ لوگ یزید کی بیعت کیلئے تیار نہیں اس حمایت کے جتانے میں کوفہ والے پیش پیش تھے لیکن حضرت حسین رضی اللہ عنہ کے کوفہ پہنچنے سے پہلے ہی حالات میں اس قدر تیزی سے تبدیلی آئی کہ حالات کی نوعیت بالکل بدل گئی کہ اہل کوفہ نے آپ کے سفیر مسلم بن عقیل سے غداری کرتے ہوئے یزید کی طرف سے متعین کردہ حاکم عبید اللہ بن زیاد سے اتحاد کرلیا اور مسلم بن عقیل کو شہید کردیا گیا، اسی طرح حجاز مقدس میں لوگوں سے زبردستی بیعت لے لی گئی۔ جب آپ کو یہ معلوم ہوا تو آپ خلافت سے دست بردار ہوگئے اور واپس مدینہ منورہ آنا چاہا لیکن دشمن کی فوج نے آپ کی مختصر جماعت جس میں خاندان کے افراد شامل تھے کے گرد گھیرا ڈال لیا اور مدینہ منورہ واپس نہ جانے دیا۔ عبید اللہ بن زیاد کی طرف سے متعین کردہ فوجی افسر عمرو بن سعد کے سامنے آپ نے تین تجویزیں رکھیں کہ اول مجھے مدینہ واپس جانے دیا جائے دوم مجھے ترکوں کی سرحد پر جانے دو تا کہ میں اپنی باقی زندگی جہاد میں گزاردوں، سوم، مجھے یزید سے ملنے دو میں اس سے فیصلہ کرلوں گا۔

عمرو بن سعد نے یہ تجویزیں ابن زیاد کو لکھ بھیجیں اور ابن زیاد کو مشورہ دیا کہ ان میں سے کسی ایک تجویز کو قبول کر کے انہیں چھوڑ دیا جائے مگر شمر کے کہنے پر ابن زیاد نے ان تجویزوں کو رد کردیا اور حضرت حسین رضی اللہ عنہ کو اہل وعیال سمیت قید کرنے کا حکم لکھ بھیجا۔ اس وقت آپ کے لئے دو ہی راستے تھے کہ خود کو اہل وعیال سمیت گرفتار کروا کر ذلت قبول کرلیں یا پھر مردانہ طریقے سے مقابلہ کرتے ہوئے شہید ہوجائیں، شریعت کسی کو مجبور نہیں کرتی کہ اپنا نفس اور اہل وعیال ظالموں کے ہاتھوں میں دے دے اور ذلت قبول کرلے، جیسا کہ روایت مبارکہ میں ہے۔

عن سعید بن زید رضی اللہ عنہ قال قال رسول اللہ ﷺ من قتل دون ماله فهو شهيد ومن قتل دون اهله فهو شهيد ومن قتل دون دينه فهو شهيد (مسند الامام احمد، ۱/۳۱۱)

حضرت سعید بن زید رضی اللہ تعالیٰ عنہ روایت کرتے ہیں کہ حضور ﷺ نے فرمایا کہ جو شخص اپنے مال کی حفاظت کرتے ہوئے قتل ہوا وہ شہید ہے اور جو شخص اپنے اہل وعیال کی حفاظت کرتے ہوئے قتل ہوا وہ شہید ہے اور جو شخص اپنے دین کی حفاظت کرتے ہوئے قتل ہوا وہ بھی شہید ہے۔

اور ایک دوسری روایت میں فرمایا۔

عن ابن عباس رضی اللہ عنہ عن النبی ﷺ من قتل دون مظلمته فھو شھید (مسند الامام احمد ۱/۵۰۱)

(ترجمہ) حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے مروی ہے کہ وہ نبی ﷺ سے روایت کرتے ہیں جسے ظلماً قتل کیا جائے وہ شہید ہے۔

مندرجہ بالا تفصیل سے معلوم ہوا کہ ابتداءً حضرت حسین رضی اللہ عنہ کا نکلنا اعلاء کلمۃ اللہ کے لئے تھا اور اعلاء کلمۃ اللہ کے لئے لڑنا جہاد ہے جیسا کہ روایت مبارکہ میں ہے "من قاتل لتکون کلمۃ اللہ ھی العلیاء فھو فی سبیل اللہ" (جو شخص اعلائے کلمۃ اللہ کی خاطر قتال کرے وہ اللہ کے راستے میں ہے) اور کربلا میں لڑائی کی نوبت اپنے اہل وعیال کی آبرو کی حفاظت اور ان کو ذلت سے بچانے کیلئے آئی اور یہ بھی جہاد ہے جیسا ابھی ذکر کردہ روایات سے معلوم ہوا، چنانچہ یہی وجہ ہے کہ تمام اہل سنت والجماعت کا اتفاق ہے کہ آپ کی لڑائی جہاد تھی جس میں آپ شہید ہوئے۔

۲۔ دوسری شق کا جواب یہ ہے کہ معتبر کتب تاریخ میں کربلاء کا واقعہ تفصیلاً ثقہ راویوں سے منقول ہے، چنانچہ ابن کثیر رحمۃ اللہ علیہ نے واقعہ کربلا کی روایات کیلئے یہ عنوان قائم کیا ہے (وھذہ صفۃ مقتلۃ مأخوذۃ من کلام ائمۃ ھذا الشان لا کما یزعمہ اھل التشیع من الکذب) (ترجمہ: یہ اس خونریزی اور قتل کا بیان ہے جو اس فن (تاریخ) کے ائمہ کے کلام سے ماخوذ اور منقول ہے اس کے بارے میں شیعہ کے جھوٹ اور بے اصل ہونے کا زعم اور نظریہ درست نہیں) جس میں کربلا کی روایات کو جمع کیا ہے، اسی طرح سیر اعلام النبلاء میں مختلف مقامات پر لکھا ہے کہ واقعہ کربلا کے راوی ثقہ ہیں لہٰذا اس واقعہ کا انکار نہیں کیا جاسکتا اور جن لوگوں کا یہ خیال ہے کہ حقیقتاً ایسا کوئی واقعہ نہیں یہ صرف کہانی کی حد تک ہی محدود ہے یہ ان کی جہالت کی علامت ہے، ہاں اتنی بات ضرور ہے کہ اہل تشیع کی طرف سے جس طرح اضافات وتحریفات کے ساتھ یہ واقعہ بیان کیا جاتا ہے اس کا ثبوت مشکل ہے۔

لما فی تکملۃ فتح الملھم (۳/۲۹۰): استخلاف الخلیفۃ نافذ علی الأمۃ بعد موتہ ولو لم یوافقہ علیہ اھل الحل والعقد (ص۲۹۱) اذا لم یکن ولی العھد ولدا او والدا للامام اما اذا کان ولدا او والدافیہ خلاف قال القلقشندی فی "مأثر الانافۃ فی معالم الخلافۃ ۱:۵۱" وقد اختلف العلماء فی جواز انفرادہ بالعھد لولدہ اولوالدہ علی ثلاثۃ مذاھب: احدھا انہ لیس لہ الانفراد بذلک لواحد منھما بل لابد ان یوافقہ اھل الحل والعقد علی صلاحیۃ المعھود الیہ لذلک لان ذلک منہ بمثابۃ التزکیۃ لیجری مجری الشھادۃ وتقلیدہ علی الامۃ مجری الحکم وھو لایجوز ان یحکم لوالدولا ولد . . .

والذی یظھر لھذا العبدالضعیف عفا اللہ عنہ ان القول الاول اولیٰ نظرا الی ماظھر من المفاسد من استخلاف الابناء فی تاریخ المسلمین۔ واللہ سبحانہ وتعالی اعلم

وفی الفقه الاسلامی (۸/۶۱۶۵): واما ضرورة توافر شروط الامام الشرعی فی ولی العهد فهو امر بدیهی مفروغ منه ککونه امینا ورعا ثقة مخلصا لله ناصحا للمسلمین قال الماوردی واذا عهد الامام بالخلافة الی من یصح العهد الیه علی الشروط المعتبرة کان العهد موقوفا علی المولی وتعتبر شروط الامامة فی المولی من وقت العهد الیه فان کان صغیرا او فاسقا وقت العهد لم تصح خلافته حتی یستأنف اهل الاختیار بیعته۔

ان شئت تفصیل الواقعة فانظر البدایة والنهایة المجلدالرابع الجزء الثامن الصفحة ۱۴۷ الی ۲۰۰

۲۔سیر اعلام النبلاء المجلد الرابع الصفحة ۴۱۱ الی ۴۳۱

۳۔الامامة والسیاسة لابن قتیبة المجلد الثانی الصفحة ۴ الی ۶۔

(۴۳۸) حضرت حسین رضی اللہ تعالیٰ عنہ کا یزید کے خلاف نکلنا شریعت کی نظر میں نیز یزید کو پلید کہنے کا حکم

سؤال

کیا فرماتے ہیں علماء کرام ومفتیان عظام اس مسئلہ کے بارے میں کہ حضرت حسین رضی اللہ عنہ نے جب یزید کی بیعت کا انکار کیا اس وقت وہ مسلمانوں کا خلیفہ تھا اور خلیفہ کے ہاتھ پر بیعت نہ کرنا بظاہر بغاوت معلوم ہوتا ہے، اگر یہ بات صحیح نہیں تو صحیح بات تحریر فرمادیں تا کہ تسلی ہوجائے۔ نیز یزید پلید کہنا کیسا ہے؟ قرآن وسنت کی روشنی میں جواب عنایت فرمائیں۔

الجواب بعون الملک الوھاب

صورت مسئولہ میں تفصیل یہ ہے کہ اسلام میں انتخاب خلیفہ کیلئے کچھ اصول وضوابط اور شرائط ہیں، جس میں پہلی قسم استخلاف ہے یعنی خلیفہ وقت چند باصلاح لوگوں سے مشورہ کر کے کسی کے بارے میں وصیت کردے کہ میرے بعد یہ آدمی خلیفہ ہوگا، جیسا کہ حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ نے مختلف کبار صحابہ رضوان اللہ علیہم اجمعین سے مشورہ کر کے حضرت عمر رضی اللہ عنہ کو منتخب فرمایا تو بذریعہ استخلاف دوسرے خلیفہ کے لئے ضروری ہے کہ اس میں خلافت کی تمام شرائط پائی جارہی ہوں، اب یہی معاملہ حضرت امیر معاویہ رضی اللہ عنہ کے بعد ہوا کہ آپ نے یزید کو اپنا خلیفہ بنایا، اب کسی شخص کے بارے میں دو اشخاص کی رائے مختلف ہوسکتی ہے کہ اس میں خلافت کی شرائط پائی جارہی ہیں یا نہیں چنانچہ یہاں پر بھی ایسا ہی ہوا کہ حضرت امیر معاویہ رضی اللہ عنہ کے ہاں اس میں خلافت کی شرائط پائی جارہی تھیں جبکہ حضرت حسین شہید رضی اللہ عنہ کے ہاں اس میں خلافت کی شرائط نہیں پائی جارہی تھیں لہذا فقدان شرائط کی بناء پر یزید کو خلیفہ بنانا حضرت حسین شہید رضی اللہ عنہ کے مطابق صحیح نہ تھا، اب شریعت کا اصول یہ ہے کہ ”من رأی منکم منکراً فلیغیره بیده وان لم یستطع فبلسانه وان لم

يستطع فبقلبه" (تم میں جو شخص کسی برائی کو دیکھے تو اس کو اپنے ہاتھ سے تبدیل کرے اگر اسکی طاقت نہ ہو تو زبان سے روکے اگر اس کی بھی طاقت نہیں تو دل میں اس کو برا سمجھے) لہٰذا جس شخص کو آپ اس ذمہ داری کا نااہل سمجھتے تھے اسے کیسے قبول کر لیتے لہٰذا آپ نے اس کے اقدام کو روکنے کا ارادہ کیا جس کے لئے کوفہ والوں نے مکمل حمایت کا یقین بھی دلایا اور اس وقت یزید خلیفہ نہیں بنا تھا لہٰذا آپ کا یہ اقدام ایک قائم حکومت کے خلاف نہ تھا لیکن بعد میں یزید نے زبردستی لوگوں سے بیعت لے لی اور کوفہ والوں نے اپنا رخ پھیر لیا تو آپ نے ارادہ کیا کہ واپس حجاز آجائیں جب کہ یزید کی فوج آڑے آگئی چنانچہ آپ اپنی اور اپنے اہل وعیال کی آبرو کی خاطر بادل ناخواستہ جنگ کے لئے تیار ہو گئے اور اسی معرکے میں جام شہادت نوش فرمالیا۔

نیز یزید کو پلید کہنا صحیح ہے یا نہیں؟ تو اس بحث کی حقیقت تک پہنچنا اور اس کی عقدہ کشائی اگر محال نہیں تو مشکل ضرور ہے کیونکہ اس معاملے میں اس قدر اختلاف ہے کہ اس کی تطبیق و تنقیح انتہائی پیچیدہ ہے، اس موضوع پر مصنفین تاریخ اور متقدمین نے یزید کے مناقب اور اس پر الزامات کو اس قدر شد و مد سے ذکر کیا ہے جو نا قابل تسلیم ہیں، اب سب سے بہتر صورت یہی ہے کہ یزید سے متعلق حسن ظن کے درجے میں مطاعن سے سکوت اختیار کیا جائے گا یہی صورت سب سے زیادہ بہتر ہے اور خاص طور پر جب کہ ہمارے ایمانیات یا عملیات کے اعتبار سے کوئی چیز اس پر موقوف بھی نہیں اسی طرح بلکہ اس سے زیادہ ضروری یہ ہے کہ حضرت حسین رضی اللہ عنہ کے بارے میں کتب تاریخ میں جو شکوک وشبہات موجود ہیں اس میں صحیح توجیہ کر کے حضرت حسین رضی اللہ عنہ کے بارے میں حسن ظن رکھا جائے۔ یہی صراط مستقیم اور راہ اعتدال ہے اور اہل سنت والجماعت کا یہی متفقہ فیصلہ اور شعار ہے۔

لما فی قوله تعالیٰ: يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا اجْتَنِبُوا كَثِيرًا مِّنَ الظَّنِّ إِنَّ بَعْضَ الظَّنِّ إِثْمٌ وَّلَا تَجَسَّسُوا وَلَا يَغْتَبْ بَّعْضُكُمْ بَعْضًا... (الحجرات:٢٦)

وفی الصحيح للبخاری(١/١٨٧): عن عائشة رضی الله عنها قالت قال النبی ﷺ لا تسبوا الاموات فانهم قد أفضوا الى ماقدموا ...

وفيه ايضاً (٢/٨٨٦): عن ابن ابي نعم قال كنت شاهدا لابن عمرو سأله رجل عن دم البعوض فقال ممن انت قال من اهل العراق قال انظروا الى هذا يسألني عن دم البعوض وقد قتلوا ابن النبی ﷺ وسمعت رسول الله ﷺ يقول هما ريحانا ى من الدنيا۔

وفی النبراس (ص٥٤٠): وههنا بحث من الاشكالات القوية وهو ان الحسين بن علی رضی الله عنهما خرج علی يزيد رضی الله عنه مع ان معاوية نصبه وبايعه الصحابة واجيب بان وجوب الطاعة هذا الشقی علی بضعة النبی ﷺ غير معقول ولا يخفی ان هذا الجواب ليس علی قانون الشرع لما سمعت من انعقاد الامامة ببيعة رجل واحد من اهل الحل والعقد ثم وجوب طاعة الامير ولو فاسقاً جائراً وعندی فی الجواب وجوه احدها ماحكی انه لم يخرج للخلافة بل

لیستوطن الکوفة لکن الروایات الصحیحة بخلافه ثانیها ان اجتهاده حکم بان خلافته غیر صحیحة لان الحسن بن علي رضی الله عنها سلم الخلافة الی معاویة بشرط ان لایجعلها فی اولاده ویکون الامر بعدہ شوری فی المسلمین ان قلت فلم خالفه معاویة؟ قلت ادی نظره الی ان الشرط انقضی بموت الحسن رضی الله عنه ان قلت سلمنا ان التسلیم غیر صحیح لکن قد بایعه الناس حتی الصحابة به قلت روی بیعتهم وقعت جبرا...الی قوله...قلت حکم المجتهد لایلزم مجتهدا آخر۔

وفی البدایة والنهایة (۴/۱۶۴): فبعث الولید من ساعته نصف لیل الی الحسین بن علی وعبدالله بن زبیر فاخبرهما بوفاة معاویة ودعاهما الی البیعة لیزیدبن معاویة فقالا الی ان نصبح وننظر مایصنع الناس ووثب الحسین فخرج وخرج معه ابن زبیر وقالا هو یزید الذی نعرف والله ماحدث له عزم ولامروءة۔

وفیه ایضاً (۴/۲۳۳): وقد کان یزید فیه خصال محمودة من الکرم والحلم والفصاحة والشعر والشجاعة وحسن الرای فی الملك وکان ذاجمال حسن المعاشرة وکان فیه ایضاً اقبال علی الشهوات وترك بعض الصلوات فی بعض الاوقات واما تتها فی غالب الاوقات۔

وفی الصفحة ۲۳۴: وقال الحافظ ابو یعلی حدثنا الحکم بن موسی حدثنا یحی بن حمزة عن هشام بن الغاز عن مکحول عن ابي عبیدة ان رسول الله ﷺ قال لایزال امر امتی قائما بالقسط حتی یثلمه رجل من بنی امیة یقال له یزید۔

وفی تاریخ الخلفاء (ص۲۰۹): وقال نوفل بن ابي الفرات کنت عند عمر بن عبدالعزیز فذکر رجل یزید فقال ''قال امیر المؤمنین یزید بن معاویة ''فقال تقول امیر المؤمنین وأمر به فضرب عشرین سوطا۔

(۴۳۹) حضرت آدم علیہ الصلوٰۃ والسلام کی قبر مبارک

سؤال

کیافرماتے ہیں علماء کرام ومفتیان عظام اس مسئلہ کے بارے میں کہ حضرت آدم علیہ السلام کی قبر مبارک کہاں ہے؟ تفصیل مطلوب ہے۔

الجواب بعون الملك الوهاب

حضرت آدم علیہ الصلوٰۃ والسلام کی قبر کے بارے میں اختلاف ہے زیادہ مشہور تین قول ہیں:

ایک قول یہ ہے کہ مکہ مکرمہ میں ابوقبیس پہاڑ کے غار میں مدفون ہیں۔ دوسرا قول یہ ہے کہ منیٰ کے قریب مدفون ہیں، پھر طوفان نوح میں حضرت نوح علیہ الصلوٰۃ والسلام نے ان کو تابوت میں ڈال کر کشتی میں سوار کرلیا اور بیت المقدس یا واپس جبل ابی قبیس کے غار میں دفن کیا۔ اس میں بھی دونوں قول ہیں۔

تیسرا قول یہ ہے کہ آپ کا سر مبارک مسجد ابراہیم کی جانب اور پائنتی بیت المقدس کی جانب ہے۔

لمافی تاریخ الطبری (۱/۱۰۸): عن ابن اسحاق انه قال لما کتب آدم ...... فقبرته الملائكة وشيث واخوته فی مشارق الفردوس عند قرية هی اول قرية كانت فی الارض ... وبعد صفحة ... وقد اختلف فی موضع قبرآدم عليه السلام فقال ابن اسحاق ماقدمضى ذكره واماغيره فانه قال دفن بمكة فی غار ابی قبيس وهو غار يقال له غار الكنز ......عن ابن عباس قال لماخرج نوح من السفينة دفن آدم عليه السلام ببيت المقدس ......وذكر ان حواء عاشت بعده سنة ...ثم ماتت رحمهاالله فدفنت مع زوجها فی الغار ......حتى كان الطوفان فاستخرجهمانوح وجعلهما فی تابوت ثم حملهما معه فی السفينة فلما غاضت الارض الماء ردهماالی مكانهما الذی كانا فيه قبل الطوفان۔

وهكذا ذكر فی البداية والنهاية (۱/۹۲): لكن لم يذكر ابن كثير رحمه الله قول ابن اسحاق وذكر قولاآخر وقال : ''وروى عن ابن عساكر عن بعضهم انه قال رأسه عند مسجد ابراهيم ورجلاه عند صخرة بيت المقدس''۔

وفی المنتظم (۱/۱۱۹): قال ابن اسحاق قبر عند منیٰ اول قرية كانت فی الارض وذكر بقية الاقوال كمامر آنفا۔

(۴۴۰) بہن بھائی کے نکاح کی حرمت کی تاریخ

سوال

کیافرماتے ہیں علماء کرام ومفتیان عظام اس مسئلہ کے بارے میں کہ عام طور پر مشہور ہے کہ حضرت آدم علیہ الصلوٰۃ والسلام کے دور میں بہن بھائی کا آپس میں نکاح ہوا کرتا تھا۔ سوال یہ ہے کہ بعد میں اس طرح کا نکاح کب حرام ہوا؟

الجواب بعون الملک الوھاب

صورت مسئولہ میں اس بات کی کہیں صراحت نہیں ملی کہ بہن بھائی کا نکاح کب حرام ہوا تھا البتہ قرین قیاس یہ ہے کہ بہن بھائی کے نکاح کا جواز صرف حضرت آدم علیہ الصلوٰۃ والسلام کی اولاد میں تھا کیونکہ اس وقت نسل انسانی کی بقا کا مسئلہ تھا اور حضرت آدم علیہ الصلوٰۃ والسلام کی اولاد کی اولاد پر یہ نکاح حرام ہوگیا تھا کیونکہ اس وقت ضرورت باقی نہ رہی تھی۔

لمافی تفسیر کبیر (۲۷/۵): اعلم ان حرمة الامهات والبنات كانت ثابتة من زمن آدم عليه السلام الى هذا الزمان ولم يثبت حل نكاحهن فى شئ من الاديان الالهية ......امانكاح الاخوات فقد قيل ان ذلك كان مباحا فى زمن آدم عليه السلام وانماحكم الله باباحة ذلك على سبيل الضرورة۔ والله اعلم بالصواب (وهكذا فى تفسير روح البيان ج۲/ص۱۸۶)

(۴۴۱) کیا یوسف علیہ الصلوٰۃ والسلام کی زلیخا سے رحمت نامی بیٹی تھی؟

سؤال

کیا فرماتے ہیں علماء کرام ومفتیان عظام اس مسئلہ کے بارے میں کہ کیا حضرت یوسف علیہ الصلوٰۃ والسلام کی زلیخا سے کوئی بیٹی پیدا ہوئی تھی جس کا نام رحمت ہو؟ میں نے بعض لوگوں سے سنا ہے کہ آپ کی ایک بیٹی تھی جس کا نام رحمت تھا؟

الجواب بعون الملک الوھاب

حضرت یوسف علیہ الصلوٰۃ والسلام کی زلیخا سے صلبی اولاد میں کوئی بیٹی رحمت نہیں تھی البتہ آپ کے بیٹے افرائیم کی بیٹی تھی گویا حضرت یوسف علیہ الصلوٰۃ والسلام کی پوتی رحمت نامی تھی۔

لمافی روح المعانی (۴۵/۱۳): واخرج ابن جرير عن ابن اسحاق قال :ذكروا ان قطفير هلك فى تلك الليالى وان الملك زوج يوسف امرأته راعيل فقال لها حين ادخلت عليه: أليس هذا خيرا مما كنت تريدين؟.........فيزعمون انه وجدها عزراء فاصابها فولدت له رجلين افرائيم وميشا۔

وفى البداية والنهاية (۲۰۶/۱): فى قصة ايوب عليه السلام ......وامرأته قيل ليابنت يعقوب وقيل رحمة بنت افرائيم۔

(۴۴۲) تاریخ اسلامی کی ابتداء

سؤال

کیا فرماتے ہیں علماء کرام ومفتیان عظام اس مسئلہ کے بارے میں کہ اسلامی تاریخ کی ابتداء کب سے ہوئی اور یہ ابتداء کس نے کی تھی؟ اس کا سبب کیا پیش آیا تھا؟ نیز اسلامی تاریخ کی ابتداء رات سے ہوتی ہے یا دن سے؟

الجواب بعون الملك الوهاب

حضرت فاروق اعظم رضی اللہ عنہ نے اپنے دور خلافت میں اسلامی تاریخ کی ابتدا کی جس کا سبب یہ ہوا کہ آپ کے پاس ایک دستاویز لائی گئی جس پر شعبان لکھا ہوا تھا۔ آپ نے فرمایا کہ یہ معلوم نہیں کہ اس شعبان کی ہے یا گزشتہ شعبان کی، پھر مشاورت سے ہجرت کے وقت سے اسلامی تاریخ کو شمار کرنا شروع کیا گیا۔

اسلامی تاریخ میں نئے دن کی ابتداء رات سے ہوتی ہے۔

لمافي كنز العمال (۳۰۹/۱۰): عن ابن المسيب قال اول من كتب التاريخ عمر سنتين ونصف من خلافته فكتب لست عشرة من الهجرة بمشورة على بن ابي طالب ...... عن ابن المسيب قال قال عمر متى نكتب التاريخ مجمع المهاجرين فقال له على من يوم هاجر النبي صلى الله عليه وسلم وترك ارض الشرك ففعله عمر۔

وفي تنقيح الحامدية (۳۷۰/۲): سبب وضع التاريخ اول الاسلام ان عمر بن الخطاب رضي الله عنه اتى بصك مكتوب الى شعبان فقال هو شعبان الماضي اوشعبان القابل ثم امر بوضع التاريخ واتفقت الصحابة رضي الله عنهم على ابتداء التاريخ من هجرة النبي صلى الله عليه وسلم الى المدينة وجعلوا اول السنة المحرم ويعتبر التاريخ بالليالي لان الليل عند العرب سابق على النهار۔

(۴۴۳) کیا شہادت عثمان رضی اللہ تعالیٰ عنہ میں حضرت ابوبکر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے بیٹے شامل تھے؟

سؤال

کیا فرماتے ہیں علماء کرام ومفتیان عظام اس مسئلہ کے بارے میں کہ میں نے سنا ہے کہ حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کو جب باغیوں نے شہید کیا اسمیں حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کے ایک بیٹے بھی شریک تھے کیا یہ بات درست ہے؟

الجواب بعون الملک الوھاب

یہ بات درست ہے کہ شہادت عثمان رضی اللہ عنہ میں باغیوں کے ساتھ حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کے ایک بیٹے محمد بن ابوبکر شریک تھے۔

لمافي المعجم الكبير (۸۲/۱): حدثنا سليمان بن الحسن ......ثم جاء محمد بن ابي بكر في ثلاثة عشر رجلا حتى انتهوا الى عثمان رضي الله عنه فاخذ بلحيته فقال بها وقال بها حتى سمعت وقع اضراسه۔

وفي تاريخ الطبري (۴۲۳/۳): عن شعيب عن سيف عن المجالد عن الشعبي عن المغيره بن شعبة قال......ودخل محمد بن ابي بكر على عثمان فاخذ بلحيته فقال ارسل لحيتي فلم يكن ابوك ليتناولها فأرسلها ودخلوا عليه......وقتل عثمان رضي الله عنه قبل غروب الشمس۔

(۴۴۴) کیا مرضِ وفات میں آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم خلافت علی کی وصیت کرنا چاہتے تھے؟

سؤال

کیا فرماتے ہیں علماء کرام ومفتیان عظام اس مسئلہ کے بارے میں کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے مرض وفات میں جب آپ نے قلم وکاغذ منگوایا تو فاروق اعظم رضی اللہ عنہ نے کیوں منع کیا تھا؟ ہمارے ہاں ایک صاحب کا کہنا ہے کہ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم خلافت علی کی وصیت کرنا چاہتے تھے، اسی وجہ سے فاروق اعظم رضی اللہ عنہ نے روک دیا کیونکہ آپ پہلے ہی حجۃ الوداع کے موقع پر اس کا اعلان کر چکے تھے، کیا یہ بات صحیح ہے؟ اگر صحیح نہ ہو تو اس کا مدلل جواب قرآن وسنت کی روشنی میں عنایت فرمائیں۔

الجواب بعون الملک الوھاب

صورت مسئولہ میں یہ کہنا کہ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم خلافت علی کی وصیت کرنا چاہتے تھے، جبکہ فاروق اعظم نے روک دیا سراسر جھوٹ اور صحابہ رضوان اللہ علیہم اجمعین کی گستاخی ہے، جس کی جرأت وہی شخص کرسکتا ہے جسے ایمان کی دولت میسر نہ آئی ہو ورنہ ایک مومن اور مسلمان ایسی جسارت کیسے کرسکتا ہے جب کہ اسے معلوم ہو کہ یہ وہ لوگ تھے کہ جن کا اللہ تعالی نے اپنے نبی کی صحبت کیلئے انتخاب کیا اور خود رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ان پر اعتماد کیا، جن کا انتخاب اللہ تعالی کی طرف سے ہو اور ان پر آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا اعتماد ہو پھر کیسے ہوسکتا ہے کہ یہ عظیم افراد اللہ اور اس کے رسول کی نافرمانی کریں خاص طور پر جب کہ ان کے پیارے محبوب صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اس دنیا سے تشریف لے جانے والے ہیں، آپ ہی بتائیں اگر آپ کو کسی سے محبت ہو اور اس کا دنیا سے جانے کا وقت آجائے اس آخری وقت میں آپ اس کے پاس بیٹھے ہوں اور وہ آپ سے کوئی بات کہنا چاہے تو کیا آپ اس کی بات کو رد کردیں گے؟

ایسا کبھی نہیں ہوسکتا آپ ضرور اس کی بات کو قبول کریں گے، تو پھر کیا خیال ہے ان حضرات کے بارے میں جن کی محبت کی سچائی کی گواہی صرف اپنے نہیں بلکہ غیر مسلم بھی دیتے ہیں کہ ایسے عاشق تو ہم نے دیکھے ہی نہیں، تو پھر کیا خیال ہے ان عاشقوں کے بارے میں کہ انہوں نے آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے اس دنیا سے تشریف لے جانے کے وقت آپ کی بات کو قبول کرنے سے انکار کردیا ہوگا؟ نہیں ہرگز نہیں، ایسا نہیں ہوسکتا ہاں یہ ہوسکتا ہے کہ آپ سے کسی نے غلط بیانی کی ہو آپ سے جھوٹ بول کر صراط مستقیم سے ہٹانے کی کوشش کی ہو یہ ایک ایسا مسئلہ ہے کہ اگر اس پر قرآن وسنت کے دلائل نہ دیے جائیں تو عقل سلیم اس کا ایسا فیصلہ کرتی ہے کہ اس کے بعد دلائل کی ضرورت ہی نہیں رہتی، لیکن بہر حال آپ کی تسلی کیلئے کچھ دلائل بھی ذکر کیے جاتے ہیں۔

اول: یہ کہنا اس لئے باطل ہے کہ اگر آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو وصیت ہی کرنی ہوتی تو زبانی کردیتے، اس لئے کہ آپ کی زندگی بھر کا معمول دیکھ لیجئے کہ آپ نے سوائے چند خاص مواقع کے تمام احکامات زبانی صحابہ رضوان اللہ علیہم اجمعین تک پہنچائے، اور صرف اس وقت لکھوائے جب کسی نے لکھوانے کی درخواست کی یا پھر کہیں بھیجنے کی ضرورت پیش آئی، اس کے علاوہ میں صرف زبانی بتلانے پر اکتفاء کیا تو یہاں بھی اسی معمول کے مطابق آپ زبانی بتلادیتے خاص طور پر لکھوانے کی ضرورت کیا تھی، خاص طور پر جب کہ آپ نے دوسری وصیتیں زبانی ہی ارشاد فرمائیں جیسا آپ نے فرمایا:

واوصاهم بثلاث قال اخرجوا المشركين من جزيرة العرب واجيز الوفد بنحو ما كنت اجيزهم سكت عن الثالثة او قال فنسيتها۔ (الصحیح للبخاری، ۲/۶۳۸)

دوم: یہ بات اس لئے بھی غلط ہے کہ اگر واقعی آپ کو وصیت کرنی ہوتی تو کیا آپ فاروق اعظم کے کہنے سے رک جاتے؟ یہ کیسے ہوسکتا ہے جب کہ اللہ تعالیٰ خود کلام مقدس میں فرماتے ہیں

يَاَيُّهَا الرَّسُوْلُ بَلِّغْ مَآاُنْزِلَ اِلَيْكَ مِنْ رَّبِّكَ وَاِنْ لَّمْ تَفْعَلْ فَمَا بَلَّغْتَ رِسَالَتَه (المائدہ:۶۷)

اے رسول جو کچھ بھی آپ کے رب کی طرف سے آپ پر نازل کیا گیا پہنچادیجئے۔ اگر آپ نے ایسا نہ کیا تو آپ نے اللہ تعالیٰ کی رسالت ادا نہ کی۔

(تشریح): کیا یہ دعوی کرنا چاہتے ہیں کہ اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے جن چیزوں کو امت تک پہنچانا تھا گویا نہیں پہنچایا (العیاذ باللہ) حالانکہ اللہ تعالیٰ نے حجۃ الوداع کے موقع پر خود اپنے نبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی تبلیغ کی گواہی دی چنانچہ فرمایا:

اَلْيَوْمَ اَكْمَلْتُ لَكُمْ دِيْنَكُمْ وَاَتْمَمْتُ عَلَيْكُمْ نِعْمَتِيْ وَرَضِيْتُ لَكُمُ الْاِسْلَامَ دِيْناً الآية (المائدة:۳)

(ترجمہ) آج میں نے تمہارے لئے دین کو کامل کردیا، اور تم پر اپنا انعام بھرپور کردیا اور تمہارے لئے اسلام کے دین ہونے پر رضامند ہوگیا۔

سوم: اگر یہ معاملہ ایسا تھا کہ لکھوانا ہی ضروری تھا تو یہ واقعہ جمعرات کے دن کا ہے اس کے بعد آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم تقریبا چار دن تک حیات رہے

اور آخری دن کچھ افاقہ بھی ہوا، ان چار دنوں میں ہی آپ لکھوا لیتے چنانچہ روایات ملاحظہ ہوں۔

لما فی الصحیح للبخاری (۶۳۸/۲):عن سعید بن جبیر قال قال ابن عباس رضی اللہ عنہ یوم الخمیس وما یوم الخمیس اشتد برسول اللہ وجعه فقال ائتونی اکتب لکم کتابا...

حضرت سعید بن جبیر سے روایت ہے کہ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما نے فرمایا کہ جمعرات کے دن کونسی جمعرات (جی ہاں) جس دن رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی تکلیف میں اضافہ ہوا تو آپ نے فرمایا کہ لاؤ کاغذ قلم تا کہ میں تمہارے لئے کچھ لکھ ڈالوں۔

وفیه ایضاً (۶۴۰/۲):سعید بن جبیر قال حدثنی ...قال حدثنی انس بن مالك ان المسلمین بیناهم فی صلوة الفجر من یوم الاثنین وابوبكر یصلی لهم لم یفجأهم الا رسول اللہ ﷺ وكشف ستر حجرة عائشة فنظر الیهم وهم فی صفوف الصلوة ثم تبسم فنكص ابوبكر علی عقبیه لیصل الصف وظن ان رسول اللہ یرید ان یخرج الی الصلوة۔

انس بن مالک رضی اللہ تعالیٰ عنہ فرماتے ہیں کہ بروز پیر حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ تعالیٰ عنہ صحابہ کرام رضوان اللہ علیہم اجمعین کو فجر کی نماز پڑھا رہے تھے کہ دریں اثناء اچانک نبی علیہ الصلوۃ والسلام ظاہر ہوئے آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کے حجرہ مبارکہ کے پردہ کو ہٹا کر صحابہ کرام رضوان اللہ علیہم اجمعین کی طرف نظر کرم فرمائی جبکہ صحابہ کرام رضوان اللہ علیہم اجمعین صف باندھے کھڑے تھے۔ پھر آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے تبسم فرمایا، پس حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ تعالیٰ عنہ الٹے پیر پیچھے ہٹے تا کہ صف میں مل جائیں یہ خیال کرتے ہوئے کہ نبی علیہ السلام نماز پڑھانے کیلئے باہر تشریف لائیں ہیں۔

جب آپ نے چار دنوں میں نہیں لکھوایا تو معلوم ہوا کہ یہ مسئلہ نہ تھا۔

چہارم: اگر فرض کرلیں کہ فاروق اعظم رضی اللہ عنہ نے منع کر دیا تھا تو دوسرے حضرات تو موجود تھے وہ تو کاغذ اور قلم لا کر دے سکتے تھے کیا بات ہے کہ کوئی بھی نہیں لایا حالانکہ ابن عباس رضی اللہ عنہما روایت کرتے ہیں کہ اس وقت صحابہ رضوان اللہ علیہم اجمعین آپ کے پاس موجود تھے۔ کمافی الصحیح للبخاری ج ۲ ص ۶۳۸:

عن ابن عباس قال لما حضر رسول اللہ ﷺ وفی البیت رجال فقال النبی ﷺ هلموا كتابا لاتضلوا بعده قال بعضهم ان رسول اللہ ﷺ قد غلبه الوجع وعندكم القرآن حسبنا كتاب اللہ فاختلف اهل البیت فاختصموا فمنهم من یقول قربوا یكتب لكم كتابا لاتضلوا بعده ومنهم من یقول غیر ذلك...

پنجم: اس روایت سے معلوم ہوا کہ منع کرنے والے صرف فاروق اعظم رضی اللہ عنہ ہی نہ تھے بلکہ دوسرے حضرات کے ساتھ خود اہل بیت بھی شامل تھے۔ اگر فرض کر ہی لیا جائے کہ فاروق اعظم رضی اللہ عنہ خلافت کی وصیت سے روکنا چاہتے تھے تو کیا اہل بیت بھی اس سے روکنا چاہتے تھے؟ ان کے منع کرنے کو آپ کس پر محمول کریں گے ؟

ششم: یہ بات اس لئے بھی غلط ہے، اگر یہ واقعتاً ایسا ہی ہو جیسا کہ ان کا دعویٰ ہے تو تمام صحابہ رضوان اللہ علیہم اجمعین نے دوسرے حضرات کی خلافت پر کیسے اجماع کیا حالانکہ روایت میں ہے کہ میری امت کبھی گمراہی پر جمع نہیں ہوگی، اور سب سے بڑھ کر یہ کہ خود اہل بیت سے بھی کسی سے یہ منقول نہیں کہ انہوں نے کسی کی خلافت پر اعتراض کیا ہو خاص طور پر حضرت علی رضی اللہ عنہ نے ان مواقع پر خود بھی بیعت کی اگر معاملہ ایسا ہی ہوتا تو حضرت علی کبھی ان حضرات کے ہاتھ پر بیعت نہ کرتے، حالانکہ حضرت علی رضی اللہ عنہ کی بیعت کے بعد یہ خلافت مجمع علیہ ہوگئی، جیسا کہ عقائد کی کتب میں اس کی صراحت موجود ہے۔

والمنازعة على خلافة ابى بكر فاجمعوا على ذلك وبايعه على على رؤس الاشهاد

(شرح العقائد ص۱۵۰)

(ترجمہ) حضرت ابوبکر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی خلافت میں اولاً اختلاف رہا، پھر تمام صحابہ کرام رضوان اللہ علیہم اجمعین کا (آپ کی خلافت پر) اجماع ہوگیا اور حضرت علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے بھی صحابہ کرام رضوان اللہ علیہم اجمعین کے روبرو آپ رضی اللہ تعالیٰ عنہ (ابوبکر رضی اللہ تعالیٰ عنہ) کے ہاتھ پر بیعت کرلی۔

چنانچہ اس اجماع کے بارے میں اصول کی کتابوں میں یہاں تک صراحت موجود ہے کہ صحابہ رضوان اللہ علیہم اجمعین کے اس اجماع کا منکر دائرہ اسلام سے خارج ہے، چنانچہ اصول فقہ کی مشہور کتاب ''نورالانوار'' کی عبارت ملاحظہ ہو۔

ثم هو على مراتب :اى الاجماع فى نفسه مع قطع النظر عن نقله له مراتب فى القوة والضعف واليقين والظن فالاقوى اجماع الصحابة نصا مثل ان يقولوا جميعا اجمعنا على هذا فانه مثل الآية والخبر المتواتر حتى يكفر جاحده ومنه الاجماع على خلافة ابى بكر رضی اللہ عنہ۔ (ص۲۲۲)

(ترجمہ) اجماع کے قوت وضعف، یقین وظن کے اعتبار سے کئی مراتب ہیں، ان میں سے سب سے قوی وہ اجماع ہے جو صحابہ کرام رضوان اللہ علیہم اجمعین سے نصاً ثابت ہو (مثلاً صحابہ کرام رضوان اللہ علیہم اجمعین کا یہ فرمانا اجمعنا علی هذا یعنی فلاں بات پر ہمارا اتفاق ہے) تو یہ حکم کے اعتبار سے آیت قرآنیہ اور خبر متواتر کے مثل ہے یہاں تک کہ اس کے منکر کو کافر قرار دیا جائے گا اسی میں سے حضرت ابوبکر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی خلافت پر تمام صحابہ کرام رضوان اللہ علیہم اجمعین کا اجماع ہونا ہے (چنانچہ اس کا منکر بھی کافر ہوگا)۔

ہفتم: حضرت علی رضی اللہ عنہ کا حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کے بعد فاروق اعظم رضی اللہ عنہ کی خلافت پر راضی ہونا، بیعت کرنا اور پھر اس کے بعد فاروق اعظم رضی اللہ عنہ کی مقرر کردہ شوریٰ میں شامل ہونے کے باوجود اپنے بارے میں خلافت کا فیصلہ نہ کرنا اس بات کی علامت نہیں ہے کہ خود حضرت علی رضی اللہ عنہ اس معاملے میں ان حضرات کو اپنے سے مقدم سمجھتے تھے، جس کی صراحت بارہا خود حضرت علی رضی اللہ عنہ سے موجود ہے۔

مثال کے طور پر ایک موقع ملاحظہ ہو۔

محمد بن حنفیہ نے حضرت علی رضی اللہ عنہ سے پوچھا کہ

اى الناس خير بعد النبى ﷺ قال ابو بكر قلت ثم من قال عمر وخشيت ان يقول عثمان قلت

ثم انت قال ما انا الا رجل من المسلمين۔ (مشکوۃ المصابیح ص۵۵۵)

(ترجمہ) نبی علیہ الصلوٰۃ والسلام کے بعد کونسا انسان بہتر ہے تو فرمایا ابو بکر رضی اللہ تعالیٰ عنہ! میں نے کہا پھر کون ہے فرمایا عمر! یہاں تک کہ مجھے خوف ہوا کہ اب عثمان رضی اللہ تعالیٰ عنہ کا نام لیں گے، تو میں نے کہا کہ پھر آپ ہیں! (عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے بعد) فرمایا کہ نہیں میں تو مسلمانوں میں سے ایک فرد ہوں۔

ایسی ہی صراحت خود رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے بھی منقول ہے۔

عن عمرو بن العاص ان النبی ﷺ بعثه علی جیش ذات السلاسل قال فاتیته فقلت ای الناس احب الیك قال عائشة قلت من الرجال قال ابوها قلت ثم من قال عمر فعد رجالاً فسکت مخافة ان یجعلنی فی آخرهم۔ (المشکوۃ، ص۵۵۵)

(ترجمہ) حضرت عمرو بن عاص سے مروی ہے کہ حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام نے انہیں غزوہ سلاسل کے لشکر کا امیر بنا کر بھیجا تو میں آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے پاس آیا اور عرض کیا کہ آپ کا محبوب ترین انسان کون ہے فرمایا: عائشہ! میں نے کہا کہ مردوں میں سے، تو فرمایا ان کے والد، میں نے کہا پھر کون؟ فرمایا عمر! پھر دوسرے آدمیوں کو شمار کرنے لگے یہاں تک میں اس خوف سے خاموش ہو گیا کہ میرا نام سب سے آخر میں نہ آ جائے۔

ہشتم: حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے مرض وفات میں ایک مرتبہ حضرت عباس رضی اللہ عنہ نے حضرت علی رضی اللہ عنہ سے کہا کہ چلو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے پاس چلتے ہیں اور معلوم کرتے ہیں کہ آپ کے بعد یہ خلافت کا معاملہ کس کے سپرد ہوگا حضرت علی رضی اللہ عنہ نے انکار کر دیا۔ اگر آپ اپنے آپ کو اس کا مستحق سمجھتے تو ضرور جا کر معلوم کرتے تاکہ دوسروں کو بھی معلوم ہو جائے، حالانکہ آپ نے انکار کر دیا کیا یہ اس بات کی علامت کیلئے کافی نہیں کہ آپ اپنے آپ کو اس امانت کا اولین مستحق نہیں سمجھتے تھے، جیسا کہ ''بخاری شریف'' ج ۲ ص ۶۳۹ میں ہے:

ان عبد الله بن عباس رضی الله عنه اخبره ان علی بن ابی طالب رضی الله عنه خرج من عند رسول الله ﷺ فی وجعه الذی توفی فیه ... وانی لاری رسول الله ﷺ سوف یتوفی من وجعه هذا انی لاعرف وجوه بنی عبد المطلب عند الموت اذهب بنا الی رسول الله ﷺ فلنسأله فیمن هذا الامر ان کان فینا علمنا ذلك وان کان فی غیرنا علمناه فاوصی بنا فقال علی انا والله لئن سئلناها رسول الله ﷺ فمنعناها لا یعطینا الناس بعده وانی والله لا اسئلها رسول الله ﷺ۔

یہاں تک تو یہ بات ثابت ہوگئی کہ آپ مرض الوفات میں خلافت علی کی وصیت نہیں کرنا چاہتے تھے، البتہ دوسرا جز کہ آپ نے حجۃ الوداع کے موقع پر خلافت علی رضی اللہ عنہ کا اعلان فرمایا تھا؟ کیا یہ سچ ہے تو یہاں بھی وہی جھوٹ کی کہانی کارفرما ہے جس کی حقیقت ابھی معلوم ہو جائے گی انشاء اللہ۔

اب اس واقعہ کی تفصیل یہ ہے کہ نبی علیہ الصلوٰۃ والسلام نے حجۃ الوداع سے واپسی کے موقع پر ایک جگہ صحابہ رضوان اللہ علیہم اجمعین کے مجمع میں

فرمایا

"من کنت مولاہ فعلی مولاہ" چنانچہ یہ روایت مبارکہ "مشکوۃ المصابیح" (۵۶۵/۲) پر موجود ہے:

عن البراء بن عازب وزيد بن ارقم رضی اللہ عنہ ان رسول الله ﷺ لما نزل بغدير خم اخذ بيد علی فقال الستم تعلمون انی اولی بالمؤمنين من انفسهم قالوا بلی قال الستم تعلمون انی اولی بكل مؤمن من نفسه قالوا بلی فقال اللهم من كنت مولاه فعلی مولاه اللهم وال من والاه وعاد من عاداه فلقيه عمر بعد ذلك فقال له هنيئا يا ابن ابی طالب اصبحت وامسيت مولی كل مؤمن ومؤمنة۔

اس سے شیعہ حضرات نے یہ استدلال کیا کہ اس روایت سے حضرت علی رضی اللہ عنہ کا خلیفہ اول ہونا ثابت ہوتا ہے۔ حالانکہ اس کا ترجمہ یہ ہے "جس کا میں مولی ہوں علی اس کے مولی ہیں"۔ اب مولی کسے کہتے ہیں؟ تو مولی مختلف معانی کے لئے استعمال ہوتا ہے۔ جس کے مشہور معنی محبوب کے آتے ہیں یعنی جس کو مجھ سے محبت ہو اسے علی بھی محبوب ہوں گے۔ اس کے علاوہ سید، مالک، انعام والا، مددگار، محبت کرنے والا، اتباع کرنے والا، چچازاد بھائی، پڑوسی وغیرہ کے لئے بھی استعمال ہوتا ہے۔ ان معانی میں سے کوئی بھی ایسا معنی نہیں جس سے حضرت علی رضی اللہ عنہ کا خلیفہ اول ہونا ثابت ہوتا ہو۔ لہٰذا اس روایت سے کسی طور پر ثابت نہیں ہوتا کہ حضرت علی خلیفہ اول ہوں گے۔ اور اگر یہ کہا جائے کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی پسندیدگی کی وجہ سے خلافت کی تائید ہو رہی ہے تو اس کا جواب یہ ہے کہ یہاں سے زیادہ سے زیادہ اشارۃً تائید ثابت کر سکتے ہیں لیکن ان روایات پر پھر عمل کیوں نہ کیا جائے جن میں اشارۃً نہیں بلکہ صراحت موجود ہے،

عن حذيفة قال قال رسول الله ﷺ انی لا ادری ما بقائی فيكم فاقتدوا بالذين من بعدی ابی بكر وعمر۔ (مشكوة المصابيح ص۵۶۰)

یعنی میں نہیں جانتا کہ میں تمہارے درمیان کتنا عرصہ رہوں میرے بعد ابوبکر وعمر کی اتباع کرنا۔

اشارے سے اگر خلافت ثابت ہو سکتی ہے جہاں زمانے کی بھی کوئی قید نہیں تو جہاں آپ نے خود اپنے بعد قابل اتباع ہونے کی صراحت کی ہے اس کا اعتبار کیوں نہ کیا جائے گا۔ بلکہ بعض روایات میں صراحۃً موجود ہے۔

وعن ابی بكرة رضی اللہ عنہ ان رجلا قال لرسول الله ﷺ رأيت كأن ميزانا نزل من السماء فوزنت انت وابوبكر فرجحت انت ووزن ابوبكر وعمر فرجح ابوبكر ووزن عمر وعثمان فرجح عمر ثم رفع الميزان فاستاء لها رسول الله ﷺ يعنی فساء ه ذلك فقال خلافة نبوة ثم يوتی الله الملك من يشاء۔ (مشكوة المصابيح ص۵۶۰)

حضرت ابوبکرہ رضی اللہ عنہ کی روایت ہے کہ ایک شخص آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوا اور عرض کیا کہ میں نے خواب دیکھا ہے کہ گویا آسمان سے ترازو اتارا گیا، آپ ﷺ اور حضرت ابوبکر کا وزن کیا گیا تو آپ علیہ السلام کا پلڑا بھاری ہو گیا۔ پھر حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ

وعمر کا وزن کیا گیا تو حضرت ابوبکر کا پلڑا بھاری ہو گیا۔ پھر عمر و عثمان کا وزن کیا گیا تو حضرت عمر کا پلڑا بھاری ہو گیا پھر اس کے بعد میزان اٹھالیا گیا۔ آپ نے اس پر ناگواری کا اظہار فرمایا اور فرمایا کہ یہ نبوت کی خلافت ہے۔ اس کے بعد اللہ تعالیٰ جسے چاہیں گے بادشاہت عطا فرمائیں گے۔

اس طرح کی روایت ایک دو نہیں کئی ایک ایسی روایات ملتی ہیں جن سے معلوم ہوتا ہے کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم خود بھی اپنے بعد حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کو ہی خلیفہ بنانا چاہتے تھے، اطمینان کیلئے چند ایک روایات ملاحظہ ہوں

عن عائشة قالت قال لی رسول الله ﷺ فی مرضه ادعی لی ابابكر اباك واخاك حتی اكتب كتابا فانی اخاف ان یتمنی متمن ویقول قائل انا ولا یابی الله والمؤمنون الا ابابكر

(مشكوة المصابيح صـ۵۵۵)

حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کی روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنی بیماری کی حالت میں فرمایا کہ حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ کو جو آپ کے والد ہیں بلاؤ اور اپنے بھائی کو بھی تا کہ میں ان کے لئے تحریر لکھ دوں کیونکہ مجھے اندیشہ ہے کہ کوئی (خلافت) کا آرزومند یہ آرزو نہ کرے کہ میں ہی اس (خلافت) کا زیادہ مستحق ہوں حالانکہ اللہ تعالیٰ کا مسلمانوں کو (مسند خلافت) کیلئے حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کے علاوہ اور کوئی منظور نہیں۔

عن جبير بن مطعم قال اتت النبی ﷺ امرأة فكلمته فی شئ فامرها ان ترجع اليه قالت يا رسول الله ﷺ ارأيت ان جئت ولم اجدك ...تريد الموت قال فان لم تجدينی فاتی ابابكر۔

(مشكوة۔صـ۵۵۵)

یعنی ایک عورت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوئی اور کوئی بات کی آپ نے اسے دوبارہ آنے کا فرمایا تو وہ کہنے لگی اگر میں دوبارہ آؤں اور آپ کو نہ پاؤں تو آپ نے فرمایا اگر مجھے نہ پاؤ تو ابوبکر کے پاس آجانا۔

رسول اللہ ﷺ کی حیات مبارکہ میں آپ خود نماز پڑھایا کرتے تھے کیونکہ شریعت کی نظر میں اتنی اہمیت والی عبادت کی امامت وہی کر سکتا ہے جو اس جماعت کے اعتبار سے سب سے افضل ہو اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی موجودگی میں آپ سے افضل کون ہو سکتا ہے لیکن جب آپ کی بیماری اس شدت کو پہنچی کہ آپ مسجد میں تشریف نہ لا سکے تو آپ نے فرمایا ابوبکر سے کہو کہ لوگوں کو نماز پڑھا دیں یہ آپ کی افضلیت کی سب سے بڑی دلیل ہے۔

ایک موقع پر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

"لاينبغی لقوم فيهم ابوبكر ان يؤمهم غيره" (مشكوة المصابيح صـ۵۵۵)

(ترجمہ) کسی قوم کیلئے یہ زیبا نہیں کہ حضرت ابوبکر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی موجودگی میں کوئی اور اُن کی امامت کرے۔

چنانچہ یہی وجہ ہے کہ حضرت علی رضی اللہ عنہ سے کسی نے خلافت کے بارے میں سوال کیا تو آپ نے اسے یہی جواب دیا کہ جب

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے انہیں اپنی حیات مبارکہ میں مسلمانوں کا امام بنا دیا تھا تو دوسرے امور کے بطریق اولی آپ ہی مستحق تھے، اور اس کے علاوہ بھی صحابہ رضوان اللہ علیہم اجمعین رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی حیات مبارکہ میں آپ کے بعد صدیق اکبر رضی اللہ عنہ کو ہی افضل شمار کرتے تھے، جس کی سب سے واضح دلیل یہ روایت مبارکہ ہے

قال کنا نقول ورسول اللہ ﷺ حیی افضل أمة النبی ﷺ بعدہ ابوبکر ثم عمر ثم عثمان۔

(مشکوٰۃ المصابیح ص۵۵۵)

اس روایت میں صرف احتمال تھا اور ان روایات میں صراحت، تو صراحت کو چھوڑ کر احتمالی صورت کو لے لینا ضد اور ہٹ دھرمی نہیں تو اور کیا ہے اور اگر تسلیم کرلیں کہ اس سے خلافت ثابت ہو رہی ہے تو کیا حضرت علی رضی اللہ عنہ نے خود اس معنی کو نہیں سمجھا تھا اگر نہیں سمجھا تو آج کیسے سمجھ میں آ گیا اور اگر سمجھ لیا تھا پھر خاموش کیسے رہے جبکہ دوسروں کے ہاتھ پر خلافت کی بیعت ہوتی رہی اور آپ خود بھی اس بیعت میں شریک ہوئے۔ یہاں پر یہ کہنا بالکل لغو ہے کہ آپ کو شاید یہ روایت نہ پہنچی ہو کیونکہ اولاً حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے آپ کے سامنے یہ ارشاد فرمایا اور دوسری بات حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی اس نسبت کے بیان کرنے پر دوسرے صحابہ رضوان اللہ علیہم اجمعین نے آپ کو مبارک باد دی۔ تو کیا سارے صحابہ رضوان اللہ علیہم اجمعین اس روایت کے سننے کے بعد خاموش رہے اور کسی نے دوسروں کی بیعت کے وقت یہ نہیں کہا تھا کہ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے حضرت علی کو خلافت کے لئے نامزد کیا تھا۔

سب سے بڑھ کر یہ کہ خود حضرت علی رضی اللہ عنہ بھی خاموش رہے۔ اس کے جواب میں شیعہ حضرات کی طرف سے یہ کہا جاتا ہے کہ حضرت علی رضی اللہ عنہ نے تقیہ کرلیا تھا یہ بات صحیح نہیں کہ آپ نے تقیہ کر رکھا تھا اور اگر تسلیم بھی کرلیں کہ یہاں خونریزی کے خوف سے تقیہ کرلیا تھا تو بعض دوسرے مواقع پر تقیہ کیوں اختیار نہیں کیا مثلاً جنگ صفین اور جمل کے موقع پر اگر تقیہ سے کام لیا جاتا تو اتنی زیادہ خونریزی نہ ہوتی صحابہ کرام رضوان اللہ علیہم اجمعین کی جنگی معرکوں میں سب سے زیادہ شہادتیں انہی روح فرسا سانحات میں ہوئیں۔ صرف جنگ جمل میں شہید ہونے والے صحابہ رضوان اللہ علیہم اجمعین کی تعداد تقریباً تیس ہزار کے لگ بھگ ہے۔ الخلفاء الراشدون من تاریخ اسلام لذهبی (۱/۱۸۵) وقال المطلب بن زیاد عن السدی: شهد مع علی یوم الجمل مائة وثلاثون بدریا و سبعمائة من اصحاب النبی ﷺ وقتل بینهما ثلاثون الفا لم تکن مقتلة اعظم منها جبکہ جنگ صفین میں اس سے دوگنی (ستر ہزار) شہادتیں ہوئیں۔ الخلفاء الراشدون من تاریخ اسلام لذهبی (۲۱۱/۱) عن ابن سیرین قال: قتل یوم صفین سبعون الفاً۔ حالانکہ یہاں پر ایسا نہیں کیا گیا جبکہ خلافت کے موقع پر اگر اختلاف ہو بھی جاتا تو اتنی خونریزی نہ ہوتی جتنی ان جنگوں میں ہوئی ہے۔ یہاں کیوں تقیہ نہیں کیا گیا؟

اگر ساری باتوں سے قطع نظر بھی کرلیں تو بھی شیعہ حضرات کا یہ استدلال بالکل بے کار معلوم ہوتا ہے۔ وجہ یہ ہے کہ شیعہ حضرات کے نزدیک امامت وخلافت کے ثبوت کے لئے تواتر شرط ہے حالانکہ حجۃ الوداع کے موقع ''مولیٰ والی'' روایت آحاد میں سے ہے اور اس کی صحت بھی مختلف فیہ ہے۔ اس پرزور استدلال کے موقع پر انہوں نے اپنے اس اصول کو کیوں نظر انداز کردیا ہے؟

حاصل یہ ہے کہ محض عناد اور ہٹ دھرمی کی وجہ سے جب اپنے مطلب کی روایات نہیں ملیں تو انہیں روایات کو توڑ مروڑ کر کے عوام کو بے وقوف بنانے کے لئے پیش کر دیا گیا اور پھر اس ایک تحریف کو بچانے کے لئے بیسیوں جھوٹ بولنے پڑے۔ اللہ تعالیٰ انہیں ہدایت نصیب فرمائے۔

جب حجۃ الوداع کے موقع پر آپ کے خلافت علی رضی اللہ عنہ کے اعلان کی حقیقت بھی واضح ہوگئی تو آخری بات کہ آخر وہ کیا وجہ تھی کہ فاروق اعظم رضی اللہ عنہ نے کاغذ اور قلم لانے سے منع کیا تھا؟ جواب سے پہلے ضروری ہے کہ اس واقعہ کے پس منظر کو سمجھ لیا جائے۔

صحابہ کرام رضوان اللہ علیہم اجمعین کو نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے حد درجہ محبت تھی جس کا اندازہ اسی سے ہوسکتا ہے کہ جب تک آپ کو دیکھ نہ لیتے اس وقت تک ان کو سکون وچین نہیں آتا تھا۔ اب کافی عرصہ اسی طرح گزر گیا یہاں تک کہ ان کی یہ محبت انہیں مکہ سے مدینہ لے گئی اور صحابہ رضوان اللہ علیہم اجمعین نے آپ کے لئے اپنا گھر بار اور آل واولاد تک کو چھوڑ دیا، نہ صرف چھوڑ دیا بلکہ اگر وہ مسلمان نہ ہوئی اور بعد کے غزوات میں مقابلے پر اتر آئی تو انہوں نے اپنی اولاد یا قرابت کسی چیز کی پرواہ نہ کی، لہٰذا اگر وہ سامنے آگئے تو انہیں مار دینے میں بھی انہیں کوئی تردد نہ ہوا، اتنی شدید محبت میں کافی عرصہ گزرنے کے بعد جب آپ علیہ السلام کا آخری وقت قریب آگیا اور مرض کی شدت میں اضافہ ہوگیا تو ایک طرف آپ کی تکلیف صحابہ رضوان اللہ علیہم اجمعین سے دیکھی نہ جاتی تھی، اور دوسری طرف انہیں آپ کے فراق کا غم کھائے جا رہا تھا، اب ایسے وقت میں وہ کیسے یہ برداشت کر سکتے تھے کہ ان کی وجہ سے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو ادنیٰ سی تکلیف بھی پہنچے بلکہ وہ تو عام حالات میں بھی اپنی موت اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی تکلیف میں اختیار دیا جاتا تو وہ موت کو گلے لگانے کو خوشی سے قبول کر لیتے کہ کہیں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو کانٹا چبھنے جتنی مقدار کی بھی تکلیف نہ ہو، تو اسی جذبے کے تحت انہوں نے یہ بات کہی کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم ان کے لئے وصیت لکھوانا چاہتے تھے جو بعد میں ان کی راہنمائی کا ذریعہ بنے، جس کا واضح ثبوت ابتدا میں ذکر کردہ ''بخاری شریف'' کی وہ روایت ہے جس میں آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا یہ ارشاد گرامی موجود ہے ''ھلموا اکتب لکم کتاباً لا تضلوا بعد'' اب ان کو معلوم تھا کہ اتنی سخت تکلیف کے باوجود اپنی امت کے غم کی وجہ سے آپ لکھوانا چاہتے ہیں اس سے آپ کو تکلیف ہوگی لہٰذا کچھ صحابہ رضوان اللہ علیہم اجمعین اور اہل بیت نے کہا کہ ہمارے پاس اللہ تعالیٰ کی کتاب قرآن مجید موجود ہے اس سے راہنمائی لی جاسکتی ہے آپ نے باقی تمام احکامات بھی امت تک پہنچا دیئے جس کا اعلان رب تعالیٰ کی طرف سے حجۃ الوداع کے موقع پر ان الفاظ سے کر دیا گیا تھا

اَلْيَوْمَ اَكْمَلْتُ لَكُمْ دِيْنَكُمْ وَاَتْمَمْتُ عَلَيْكُمْ نِعْمَتِيْ وَرَضِيْتُ لَكُمُ الْاِسْلَامَ دِيْناً (المائدة:٣)

(ترجمہ): کہ آج میں نے تمہارے لیے تمہارے دین کو کامل کر دیا اور تم پر اپنا بھرپور انعام کر دیا اور تمہارے لیے اسلام کے دین ہونے پر راضی ہوگیا۔

لہٰذا اب آپ کو اس حالت میں تکلیف دینے کی ضرورت نہیں اس تکلیف کے پیش نظر فاروق اعظم رضی اللہ عنہ نے عرض کیا کہ کاغذ وقلم نہ لایا جائے اور یہ بات کہنے والے صرف فاروق اعظم ہی نہ تھے بلکہ دوسرے صحابہ رضوان اللہ علیہم اجمعین اور خود بعض اہل بیت بھی شامل تھے لہٰذا اس واقعہ کو فاروق اعظم رضی اللہ عنہ کی طرف منسوب کر کے اپنے اوپر قیاس کرتے ہوئے بے ہودہ خیالات کا اظہار قطعاً صحیح نہیں

ہے، خاص طور پر جب کہ صحابہ رضوان اللہ علیہم اجمعین ہمارے ایمان کا حصہ ہیں اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اور ہمارے درمیان دین کے پہنچانے کا پہلا واسطہ ہیں، اگر پہلا واسطہ ہی محفوظ نہ رہا تو دین کہاں سے محفوظ رہے گا لہٰذا اس معاملے میں انتہائی زیادہ احتیاط کی ضرورت ہے۔

لمافی المرقاة (۲۵۸/۱۱): تحت رواية البراء وزيد بن ارقم ...تمسكت الشيعة انه من النص المصرح بخلافة على رضى الله عنه حيث قالوا معنى المولى الاولى بالأمامة والالما احتاج الى جمعهم كذلك وهذه من اقوى شبههم ودفعها علماء اهل السنة بان المولى بمعنى المحبوب وهو كرم الله وجهه سيدنا وحبيبنا وله معان اخر تقدمت ومنه الناصر وامثاله فخرج عن كونه نصافضلاعن ان يكون صريحا ولو سلم أنه بمعنى الأولى بالامامة فالمراد به المال والا لزم ان يكون هوالامام مع وجوده عليه السلام فتعين ان يكون المقصود منه حين يوجد عقدالبيعة له فلاينافيه تقديم الائمة الثلاثة عليه لانعقاداجماع من يعتد به حتى من على ثم سكوته عن الاحتجاج به الى ايام خلافته قاض على أن من له ادنى مسكة بانه علم منه انه لانص فيه على خلافته عقب وفاته عليه السلام مع ان عليا كرم الله وجهه صرح نفسه بانه ﷺ لم ينص عليه ولاعلى غيره ثم هذاالحديث مع كونه آحادا مختلف فى صحته فكيف ساغ للشيعة ان يخالفوا مااتفقوا عليه من اشتراط التواتر فى احاديث الامامة هذا الاتناقض صريح وتعارض قبيح۔

وفى المرقاة (۲۴۷/۱۱): عن زيد بن ارقم ذكره تقدم ان النبى ﷺقال من كنت مولاه فعلى مولاه قيل معناه من كنت اتولاه فعلى ايتولاه ....وفى النهاية المولى يقع على جماعة كثيرة كالرب والمالك والسيد والمنعم والمعتق والناصر والمحب والتابع والجار وابن العم والحليف والعقيد والصهر والعبد والمعتق والمنعم عليه واكثرها قدجاء ت فى الاحاديث فيضاف كل واحد الى مايقتضيه الحديث الوارد فيه وقوله من كنت مولاه يحمل على اكثر هذه الاسماء المذكورة قال الشافعى يعنى بذلك ولاء الاسلام كقوله تعالى ذلك بان الله مولى الذين آمنوا ......وقول عمر لعلى اصبحت مولى كل مؤمن اى والى كل مؤمن وقيل سبب ذلك ان اسامة قال لعلى لست مولاى انما مولاى رسول الله ﷺ فقال ﷺ من كنت مولاه فعلى مولاه ......قال الطيبى لايستقيم ان تحمل الولاية على الامامة التى هى التصرف فى امور المؤمنين لان المتصرف المستقل فى حياته ﷺ هو هو لاغيره فيجب ان يحمل على المحبة وولاء الاسلام ونحوهما۔

(۴۴۵) حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ کو حضرت حسن رضی اللہ عنہ نے خود خلافت کی ذمہ داری سونپی تھی

سؤال

کیا فرماتے ہیں علماء کرام ومفتیان عظام اس مسئلہ کے بارے میں کہ بعض دفعہ سننے میں آتا ہے کہ حضرت علی رضی اللہ عنہ کے بعد حضرت حسن رضی اللہ عنہ خلافت کے حقدار تھے، حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ نہ تھے، لیکن حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ نے زبردستی قبضہ کرلیا تھا، کیا یہ بات صحیح ہے؟

الجواب بعون الملك الوهاب

صورت مسئولہ میں یہ کہنا کہ حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ نے زبردستی خلافت پر قبضہ کرلیا تھا خود ساختہ کہانی ہے جس کی کوئی حقیقت نہیں، اور اصل واقعہ یہ ہے کہ مسلمانوں کو خونریزی سے بچانے کیلئے حضرت حسن نے خود خلافت کی ذمہ داری حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ کے سپرد کردی تھی اور اس پر کئی ایک نصوص شرعیہ دلالت کرتی ہیں جیسا کہ بخاری شریف کی درج ذیل روایت اس بیان میں بالکل صریح ہے۔

عن الحسن البصري انه سمع ابابكرة يقول سمعت رسول الله صلى الله عليه وسلم على المنبر والحسن الى جنبه ينظر الى الناس مرة و اليه مرة ويقول: ابنى هذا سيد ولعل الله ان يصلح به بين فئتين من المسلمين۔ (۱/۵۳۰)

(ترجمہ) حضرت حسن بصری رحمۃ اللہ علیہ سے روایت ہے کہ انہوں نے حضرت ابوبکرۃ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو یہ کہتے ہوئے سنا کہ میں نے سنا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے جب وہ منبر پر بیٹھے تھے اور حسن ان کے پہلو میں تھے اور حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم اپنے گوشہ چشم مبارک سے ایک بار لوگوں کی طرف دیکھ رہے تھے اور ایک بار حضرت حسن رضی اللہ عنہ کی طرف اور فرما رہے تھے میرا یہ بیٹا سردار ہے شاید کہ اللہ تعالیٰ اس کے ذریعے سے مسلمانوں کے دو گروہوں کے درمیان صلح کروائیں گے۔

وفى النبراس (ص۵۰۳): ومعاوية هو ابو عبدالرحمن ابن ابي سفيان بن حرب بن امية بن عبد شمس بن عبدمناف اسلم يوم فتح مكة وقال بعضهم اسلم قبله ولكن كتم اسلامه خوفا من أبيه وكان أخته ام حبيبة زوج النبى صلى الله عليه وسلم وكان صاحب رواية فى الحديث ومجتهد فى الفقه حليماجوادا شديد المعرفة بقوانين السلطنة ولاه عمر بن الخطاب رضى الله عنه الشام وأقره عثمان ثم استقل بالملك بعد تسليم الحسن بن على رضى الله عنهما الخلافة اليه۔

وفى شرح العقيدة الطحاوية (۲/۷۳۲): واول ملوك المسلمين معاوية وهو خير ملوك المسلمين لكنه انما صار اماما حقاً لما فوض اليه الحسن بن على رضى الله عنهما الخلافة فان الحسن بايعه

اهل العراق بعد موت ابيه ثم بعد ستة اشهر فوض الامر الى معاوية وظهر صدق قول النبی ﷺ ان ابنی هذا سید وسیصلح الله به فئتین عظیمتین من المسلمین۔

(۴۴۶) امام اعظم کی نماز جنازہ کس نے پڑھائی؟

سوال

کیا فرماتے ہیں علماء کرام ومفتیان عظام اس مسئلہ کے بارے میں کہ امام اعظم ابوحنیفہ رحمۃ اللہ علیہ کی نماز جنازہ کس نے پڑھائی اور غسل وتکفین کس نے کی؟ جواب تاریخی حوالہ جات کے ساتھ تحریر کریں۔

الجواب بعون الملک الوھاب

امام اعظم ابوحنیفہ نعمان بن ثابت رحمۃ اللہ علیہ کی نماز جنازہ حسن بن عمارہ النخعی رحمۃ اللہ علیہ نے پڑھائی اور غسل وتکفین کا انتظام بھی انہوں نے کیا۔

لما فی البداية والنهاية (۱۱۱/۵): كان مولده فی سنة ثمانين فتم له من العمر سبعون سنة وصلی علیه ببغداد ست مرات لكثرة الزحام وقبره هناك رحمه الله۔

وفی شرح مسند الامام ابی حنیفة (ص۴): وتوفی ببغداد ودفن بمقبرة الطيزارية وتقدم فی الصلاة عليه الحسن بن عمارة النخعی الكوفی۔

وفی الجواهر المضية (۵۴۸/۲): ومنهم الحسن بن ابی عمارة وهو الذی غسل الامام۔

(۴۴۷) بارہ ربیع الاوّل کا تعین ہجرت سے پہلے

سوال

کیا فرماتے ہیں علماء کرام اس مسئلہ کے بارے میں کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کا یوم ولادت ۱۲ ربیع الاول ہے اور یہ ہجرت سے کافی پہلے کا واقعہ ہے جبکہ ہجری تاریخ کی ابتدا ہجرت کے بعد سے ہوئی ہے تو اتنا عرصہ پہلے کے واقعہ کو بارہ ربیع الاول کیسے شمار کیا جاتا ہے؟

الجواب بعون الملک الوھاب

ہجری تاریخ کی ابتداء ہجرت کے کافی بعد ہوئی لیکن ہجری تاریخ سے مراد صرف سال یعنی سن ہے اسکی ابتداء ہجرت کے بعد ہوئی اور مہینوں کا شمار یعنی بارہ مہینے کائنات کی تخلیق کے وقت سے چلے آرہے ہیں لہٰذا ہجرت سے پہلے بھی وہی مہینے تھے جن میں ربیع الا

دل بھی شامل تھا جو ہجرت کے بعد تھے۔

لما فی روح المعانی (۸۹/۱۰): ان عدة الشهور عندالله اثناعشر شهرا (وهی الشهور القمرية المعلومة اذعليها يدور فلك الاحكام الشرعية) فی كتب الله يوم خلق السموات والارض (ای فی ابتداء ايجاد هذا العالم)۔

وفی احكام القران للقرطبی (۱۳۲/۸): قوله تعالى يوم خلق السموات والارض انما قال يوم خلق السموات والار ض ليبين ان قضاء ه وقدره كان قبل ذلك وانه سبحانه وضع هذه الشهور وسما ها باسما ئها على مارتبها عليه يوم خلق السموات والارض وانزل ذلك على انبيائه فی كتبه المنزلة۔

(۴۴۸) کیاامام نسائی شیعہ تھے؟

سؤال

کیا فرماتے ہیں علماء کرام ومفتیان عظام اس مسئلہ کے بارے میں کہ چند دن قبل ایک صاحب نے اعتراض کیا کہ آپ کی صحاح ستہ میں شامل کتاب نسائی شریف کے مؤلف امام نسائی شیعہ تھے۔کیا یہ بات صحیح ہے؟اگر صحیح نہیں تو یہ بات انکی طرف کیسے منسوب کی گئی؟

الجواب بعون الملک الوھاب

امام نسائی کاتعلق اہل تشیع سے نہیں بلکہ وہ اہل سنت کے اجلہ محدثین میں سے ہیں۔انکی طرف تشیع کی نسبت صرف ایک واقعہ کی بنا پر کی جاتی ہے اور وہ یہ کہ آپ آخری عمر میں دمشق گئے جہاں خارجیوں کی کثرت تھی تو آپ نے حضرت علی رضی اللہ عنہ کے فضائل ومناقب پر ایک کتاب لکھی جسکی وجہ سے بعض نے ان پر تشیع کا الزام لگایا لیکن یہ بات صحیح نہیں کیونکہ فضائل علی رضی اللہ عنہ پر کتاب لکھنے سے مقصود اہل دمشق کی اصلاح تھی۔یہی وجہ ہے کہ آپ نے خوداس کی وجہ یہ بیان کی کہ مجھے امید ہے کہ اللہ تعالی اس کتاب کے ذریعے سے ان لوگوں کو ہدایت نصیب فرمائیں گے۔اور مزید یہ کہ کچھ عرصہ بعد آپ نے فضائل صحابہ رضوان اللہ علیہم اجمعین پر بھی ایک کتاب لکھی لہٰذا آپ پر تشیع کا الزام کسی بھی اعتبار سے صحیح نہیں ہے۔

لمافی سير اعلام النبلاء (۱۹۷/۱۱): قال الوزير ابن حنزابة : سمعت محمد بن موسى المامونی صاحب النسائی قال: سمعت قوما ينكرون على ابي عبدالرحمن النسائی كتاب: الخصائص لعلی رضی الله عنه وتركه تصنيف فضائل الشيخين فذكرت ذلك فقال دخلت دمشق والمنحرف بها عن علی

كثيرفصنفت كتاب الخصائص رجوت ان يهديهم الله تعالى ثم انه صنف بعدذلك فضائل الصحابة۔

وفی المقدمةعلی سنن النسائی ص ''ز'': قال محمد بن اسحاق الاصبهانی سمعت مشائخنابمصر يقولون ان عبدالرحمن فارق مصر فی آخر عصره وخرج الی دمشق فسئل عن معاوية وما روی من فضائله ففضل عليه عليا فمازالوا يدفعون فی خضنه حتی اخرجوه من المسجد۔

کتاب الاجتہاد والتقلید

(اجتہاد اور تقلید سے متعلق سوالات)

(۴۴۹) ائمہ کے اختلاف کی رعایت اور مقلد کا عمل

سوال

کیا فرماتے ہیں مفتیان عظام اس مسئلہ میں اگر کسی فرعی مسئلہ میں ائمہ کا اختلاف ہو تو عمل کے اعتبار سے رعایت کرنا فرض ہے یا واجب یا سنت؟ نیز اگر امام کے متبعین میں کسی مسئلہ میں اختلاف ہو تو کیا مقلد کیلئے جائز ہے کہ جس کے مذہب پر چاہے عمل کرے؟

الجواب بعون الملک الوھاب

ائمہ اربعہ رحمۃ اللہ علیہم کے متبعین میں سے ہر ایک کیلئے اپنے امام کی اتباع کرنا واجب ہے البتہ اگر مذہب کے مشائخ یا متاخرین نے کسی مسئلہ میں امام کے قول کو چھوڑ کر دوسرے امام کے قول کو اختیار کیا ہو تو وہاں مشائخ متاخرین کے قول پر عمل ہوگا۔ اور اگر امام کے متبعین میں اختلاف ہو تو احناف کے نزدیک عبادات میں امام صاحب (امام ابوحنیفہ رحمۃ اللہ علیہ)، قضاو شہادت میں امام ابو یوسف رحمۃ اللہ علیہ اور میراث وغیرہ میں امام محمد رحمۃ اللہ علیہ کے قول کو لیا جائے گا۔ اس کے بعد حسن بن زیاد رحمۃ اللہ علیہ اور امام زفر رحمۃ اللہ علیہ کے قول پر عمل کیا جائے گا۔

لما فی حجة الله البالغة(۱/۱۵۴): ان هذه المذاهب الاربعة المدونة المحررة قد اجتمعت الامة او من يعتدبه منها على جواز تقليد ها الى يومنا وفى ذلك من المصالح مالا يخفى لاسيما فى هذه الايام۔

وفى الدر المختار مع ردالمحتار (۱/۷۵): وان الحكم الملفق باطل بالاجماع وان الرجوع عن التقليد بعد العمل باطل اتفاقا۔

وفى الشامية : (الحكم الملفق) المراد بالحكم الحكم الوضعى كالصحة مثاله متوضئ سال من بدنه دم ولمس امرأته ثم صلى فان صحة هذه الصلاة ملفقة من مذهب الشافعى والحنفى والتلفيق

باطل وصحته منتفية۔

وفيه ايضاً (۱/۷۱): قد جعل العلماء الفتوى على قول الامام الاعظم فى العبادات وهوالواقع بالاستقرار مالم يكن عنه رواية كقول المخالف ...... الفتوى على قول محمد فى جميع مسائل ذوى الارحام ...... الفتوى على قول ابي يوسف فيما يتعلق بالقضاء۔

وفى عقود رسم المفتى (ص۳۷): ان كثيرا من الاحكام التى نص عليها المجتهد صاحب المذهب بناء على ماكان فى عرفه وزمانه قد تغيرت بتغير الازمان بسبب فساد اهل الزمان اوعموم الضرورة۔

(۴۵۰) کیا قیاس ادلہ اربعہ میں شامل ہے؟

سؤال

کیا فرماتے ہیں علماء کرام ومفتیان عظام اس مسئلہ کے بارے میں کہ ائمہ اربعہ رحمۃ اللہ علیہم نے جو قیاس سے مسائل کا استنباط کیا ہے کیا یہ قرآن وحدیث سے ثابت ہے؟

الجواب بعون الملک الوهاب

قیاس ادلہ اربعہ میں شامل ہے اور اس کے ثبوت پر روایات کثیرہ اور تعامل صحابہ رضوان اللہ علیہم اجمعین دال ہے لہٰذا یہ کہنا کہ قیاس ائمہ اربعہ رحمۃ اللہ علیہم نے ایجاد کیا صحیح نہیں ہے۔

لمافى الصحيح للبخارى (۲/۱۰۹۲): حدثنا عبدالله بن يزيد ......عن عمرو بن العاص انه سمع رسول الله صلى الله عليه وسلم يقول اذاحكم الحاكم فاجتهد فاصاب فله اجران واذا حكم فاجتهد ثم اخطأ فله اجر۔

(وهكذا فى الصحيح لمسلم ج۲/ص۷۶)

وفى المشكوة (ص۳۲۴): عن معاذ بن جبل ان رسول الله صلى الله عليه وسلم لمابعثه الى اليمن قال كيف تقضى اذا عرض لك قضاء قال اقضى بكتاب الله قال فان لم تجد فى كتاب الله قال فبسنة رسول الله صلى الله عليه وسلم قال فان لم تجد فى سنة رسول الله صلى الله عليه وسلم قال اجتهد برأى ولاالو قال فضرب رسول الله صلى الله عليه وسلم على صدره وقال الحمدلله الذى وفق رسول رسول الله لمايرضى به رسول الله۔

وفى المرقاة (۷/۲۳۹) تحت هذه الرواية: قال الخطابي لم يرد به الرأى الذى يسنح له من قبل نفسه

أو يخطر بباله على غير اصل من كتاب اوسنة بل اراد رد القضية الى معنى الكتاب والسنة من طريق القياس وفى هذا اثبات للحكم بالقياس۔

رسالة

الضبط والتمهيد في توضيح مسئلة التقليد

مسئلہ تقلید کی مدلل وضاحت

(۴۵۱) تقلید کی شرعی حیثیت

سؤال

کیا فرماتے ہیں علماء کرام ومفتیان عظام اس مسئلہ کے بارے میں کہ ہمارے ہاں کچھ لوگ ہیں جو یہ کہتے ہیں کہ تقلید کرنا صحیح نہیں ہے۔ کیونکہ کسی امام کی اتباع کرنے سے بہتر ہے کہ براہ راست حضور اقدس صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی اتباع کی جائے۔ بظاہر ان کی بات صحیح بھی معلوم ہوتی ہے۔ اب آپ سے گزارش ہے کہ درج ذیل سوالات کے جوابات عنایت فرمائیں تا کہ میرا خلجان دور ہو جائے:

(۱) آیا تقلید کی شرعاً کوئی حیثیت ہے یا نہیں؟

(۲) نحن رجال وهم رجال کا سہارا لے کر عدم تقلید کو اختیار کرنا کیسا ہے؟

(۳) علماء اور عوام کے لئے تقلید کا ایک درجہ ہے یا تقلید صرف عوام پر لازم ہے؟

(۴) وہ لوگ جو تقلید کرنے والوں کو مشرک کہتے ہیں ان کی یہ بات کس حد تک صحیح ہے؟ تفصیل سے جوابات عنایت فرما کر رہنمائی فرمائیں۔

الجواب بعون الملك الوهاب

تقلید کی شرعی حیثیت بیان کرنے سے پہلے نفس تقلید کا مطلب بیان کیا جاتا ہے:

اصل اطاعت صرف اللہ تعالیٰ کی کی جاتی ہے اور نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی اطاعت اس لئے ہے کہ وہ رب تعالیٰ کے احکامات کے ترجمان ہیں۔ اب اس بات پر سب کا اتفاق ہے کہ جو شخص اللہ تعالیٰ اور رسول کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے علاوہ کسی اور کو بھی بالذات قابل اطاعت سمجھے وہ دائرہ اسلام سے خارج ہے۔

دوسری بات یہ ہے کہ قرآن وسنت کے احکامات دو قسم کے ہیں پہلی قسم ان احکامات کی ہے جن کو ہر عربی دان سمجھ سکتا ہے جیسے

اللہ تعالی کاارشاد ہے {وَلَا يَغْتَبْ بَعْضُكُمْ بَعْضًا الآية}. اسی طرح قرآن وحدیث میں بیان کئے گئے بہت سے وعدے ،وعیدیں اوراصولی باتیں سب کے سامنے ظاہر ہیں۔اس طرح کے احکامات میں کسی کی تقلید نہیں کی جاتی۔

دوسری قسم میں وہ احکامات ہیں جن میں ابہام پایاجاتا ہے کہ ہرکس وناکس ان کے مفہوم تک نہیں پہنچ سکتا۔مثلا اللہ تعالی کاارشاد ہے وَالْمُطَلَّقَاتُ يَتَرَبَّصْنَ بِأَنْفُسِهِنَّ ثَلَاثَةَ قُرُوءٍ الآية. ''قروء''ایک مشترک لفظ ہے جوطہر اورحیض دونوں معنی میں مستعمل ہے، یہاں کون سے معنی مراد ہیں؟........... کسی ایک معنی کی تعیین کی صورت میں کتنے ہی احکامات اورفروعات تبدیل ہوجائیں گے۔اب یہ تعیین مجتہد کے علاوہ کوئی دوسرا شخص نہیں کرسکتا۔اس طرح کی کئی مثالیں پیش کی جاسکتی ہیں۔اسی طرح احادیث رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے اتنے بڑے مجموعہ میں بعض احادیث ظاہری طور پر متعارض بھی ہیں۔ان میں ترجیح یاتطبیق کی صورت کیا ہوگی؟............ یہ کام بھی ہرایک کے بس کانہیں ہے۔

اس طرح کے مواقع پردوصورتیں ہیں:ایک صورت یہ ہے کہ ہم خودہی یہ فیصلہ کرلیں کہ کون سی چیزہم نے لینی ہےاورکون سی ناقابل اعتبار ہے۔اوردوسری صورت یہ ہے کہ تعیین وتشریح میں اپنے اسلاف کی اتباع کریں جوفہم ،ذکاوت ،تفقہ فی الدین اورحافظہ غرض ہرچیز میں ہم سے فائق تھے۔پہلی صورت انتہائی خطرناک اوردوسری صورت محتاط ہے۔

مذکورہ تفصیل سے ثابت ہوا کہ''قرآن وحدیث کی تشریح میں اپنے اسلاف میں سے کسی ایک پراعتماد کرکے اس کے قول کو لینا''اسی کو''تقلید''سے تعبیر کیاجاتا ہے اوریہی حقیقت تقلید ہے۔ پھرتقلید کی دوصورتیں ہیں:

(۱)تقلید مطلق:اس کامطلب یہ ہے کہ ایک مسئلہ میں ایک عالم کی بات مانی جائے اوردوسرے مسئلہ میں دوسرے عالم کی بات اورتشریح لی جائے۔

(۲)تقلید شخصی:اُس تقلید کوکہاجاتا ہے جوکسی خاص عالم وفقیہ کی تشریح کے مطابق ہو۔

فی نفسہ دونوں صورتوں پرعمل کرناجائز ہے۔لیکن فقہاءکرام نے جواپنے زمانے کے نبض شناس ہوتے ہیں بدلتے ہوئے حالات پرنظرکرتے ہوئے تقلید شخصی کوواجب قراردیا۔چندایک دلائل درج ذیل ہیں:

قال اللہ تعالی (النساء:۵۹):يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا أَطِيعُوا اللهَ وَأَطِيعُوا الرَّسُولَ وَأُولِي الْأَمْرِ مِنْكُمْ فَإِنْ تَنَازَعْتُمْ فِي شَيْءٍ فَرُدُّوهُ إِلَى اللهِ وَالرَّسُولِ إِنْ كُنْتُمْ تُؤْمِنُونَ بِاللهِ وَالْيَوْمِ الْآخِرِ ذَٰلِكَ خَيْرٌ وَأَحْسَنُ تَأْوِيلًا.

اس آیت کے تحت امام ابوبکر جصاص احکام القرآن ج ۲/ص ۲۱۰ پرتحریرفرماتے ہیں:

اختلف فی تاویل اولی الامر فروی عن جابر بن عبداللہ وابن عباس روایۃ والحسن وعطاء ومجاھد انھم اولوا الفقہ والعلم۔

چندسطور کے بعدفرماتے ہیں:

فان تنازعتم فی شئ فردوه الی الله والرسول فامر اولی الامر برد المتنازع فیه الی کتاب الله وسنة نبیهﷺ اذ کانت العامة ومن لیس من اهل العلم لیست هذه منزلتهم لانهم لایعرفون کیفیة الرد الی کتاب الله والسنة ووجوه دلائلهما علی احکام الحوادث فثبت انه خطاب للعلماء......

وقوله تعالی (النساء :۸۳): واذا جاء هم امر من الامن اوالخوف اذاعوابه ط ولو ردوه الی الرسول والی اولی الامر منهم لعلمه الذین یستنبطونه منهم ط الآیة

وقوله تعالی (النحل:۴۳): فاسئلوا اهل الذکر ان کنتم لا تعلمون ۝

علامہ آلوسی اس آیت کے ضمن میں روح المعانی ج ۵ /ص ۱۴۸ میں رقمطراز ہیں:

ویؤید ذلك مانقل عن الجلال المحلی انه یلزم غیر المجتهد عامیا کان اوغیره التقلید للمجتهد لقوله تعالی فاسئلوا اهل الذکر ان کنتم لاتعلمون۔

تقلید شخصی کے ثبوت پر چند احادیث

(۱)عن عکرمة ان اهل المدینة سألوا ابن عباس عن امرأة طافت ثم حاضت قال له تنفر قالوا لانأخذ بقولك وندع قول زید قال اذا قدمتم المدینة فاسئلوا فقدموا المدینة فسألوا فکان فی من سألوا ام سلیم ...... (صحیح البخاری: ج۱/ص۲۳۷)

(۲)........فأتینا اباموسیٰ فأخبرناه بقول ابن مسعود فقال لاتسئلونی مادام هذا الحبر فیکم۔ (ایضاً: ج۲/ص۹۹۷)

تقلید شخصی کے وجوب پر فقہاء کرام کے فتاویٰ

علامہ ابن تیمیہ فتاوی کبریٰ ج ۲ /ص ۲۳۷ میں فرماتے ہیں:

وقد نص الامام احمد انه لیس لأحد أن یعتقد الشئ واجبا اوحراما ثم یعتقده غیر واجب اومحرم بمجرد هواه مثل ان یکون طالبا لشفعة الجوار فیعتقدها انها حق له ثم اذا طلبت منه شفعة الجوار اعتقد انهالیست ثابتة ....فمثل هذا ممن یکون فی اعتقاده حل الشئ وحرمته ووجوبه وسکوته بسبب هواه هومذموم مجروح خارج عن العدالة وقد نص احمد وغیره علی ان هذا لایجوز۔

ایک دوسری جگہ پر ایک مسئلہ کے ضمن میں ج ۲ /ص ۲۸۵ میں فرماتے ہیں:

وهذا القول يخالف اجماع المسلمين فانهم متفقون على ان من اعتقد حل الشئ كان عليه ان يعتقد ذلك سواء وافق غرضه اوخالفه ومن اعتقد تحريمه كان عليه ان يعتقد ذلك فى الحالين وهؤلاء .... يكونون فى وقت يقلدون من يفسده وفى وقت يقلدون من يصححه بحسب الغرض والهواء ومثل هذا لا يجوز باتفاق الائمة۔

علامہ نووی رحمۃ اللہ علیہ تقلید شخصی کے وجوب کی علت بیان کرتے ہوئے شرح المہذب ج ۱/ص ۸۸ میں فرماتے ہیں:

ووجهه انه لوجاز اتباع اى مذهب شاء لافضىٰ الى ان يلتقط رخص المذاهب متبعاهواه، ويتخير بين التحليل والتحريم والوجوب والجوازوذلك يؤدى الى انحلال ربقة التكليف بخلاف العصر الاول فانه لم تكن المذاهب الوافية باحكام الحوادث مهذبة وعرفت، فعلى هذا يلزمه ان يجتهد فى اختيار مذهب يقلده على التعيين۔

ایک اشکال اور اس کا جواب

عام طور پر غیر مقلدین کی طرف سے یہ اشکال کیا جاتا ہے کہ اگر تسلیم کرلیا جائے کہ تقلید شخصی واجب ہے تو بھی صرف چار ائمہ کی تقلید کیوں کی جاتی ہے؟ حالانکہ ان جیسے دوسرے ائمہ جو زہد وتقوی، اور علمی وفقہی بصیرت کے اعتبار سے ان کے درجے کے تھے ان کی بھی تقلید جائز ہونی چاہیئے۔

اس اشکال کا جواب یہ ہے کہ ان چار ائمہ کی تقلید کی وجہ یہ ہے کہ اللہ تعالی نے ان حضرات کو ایسے اسباب مہیا فرمائے کہ ان کے مذاہب مکمل طور پر مدون ہو گئے۔ جبکہ دوسرے ائمہ کے مذاہب اس طور پر مدون نہ ہو سکے۔ اس بناء پر صرف ان ہی چار کی تقلید کی جاتی ہے۔ چنانچہ علامہ آلوسی اسی علت کو بیان کرتے ہوئے روح المعانی ج ۱۴/ص ۱۴۸ میں فرماتے ہیں:

مقتضى كلامهم انه لافرق بين تقليد احد ائمة المذاهب الاربع وتقليد غيره من المجتهدين۔ نعم ذكر العلامة ابن الحجر وغيره انه يشترط فى تقليد الغير ان يكون مذهبه مدونا محفوظ الشروط والمعتبرات۔

اسی طرح علامہ نووی اسی علت پر بحث کرتے ہوئے شرح المہذب ج ۱/ص ۸۸ میں فرماتے ہیں:

وليس له المتذهب بمذهب احد من ائمة الصحابة ث وغيرهم من الاولين وان كانوا اعلم وأعلى درجة ممن بعدهم لانهم لم يتفرغوا التدوين العلم وضبط اصوله وفروعه فليس لاحد منهم مذهب مهذب ومحرر مقرر وانما قام بذلك من جاء بعدهم من الائمة الناحلين لمذاهب الصحابة والتابعين القائمين بتمهيد احكام الوقائع قبل وقوعها ، الناهضين

بايضاح اصولها وفروعها كمالك وابی حنيفة وغيرهما۔

اور حضرت شاہ ولی اللہ رحمۃ اللہ علیہ حجۃ اللہ البالغۃ ج ۱/ص ۱۵۴ میں فرماتے ہیں:

ان هذه المذاهب الاربعة المدونة قد اجتمعت الامة اومن يعتد به منها على جواز تقليدها الى يومنا هذا وفى ذلك من المصالح مالايخفى لاسيما فى هذه الايام……۔

دوسرے جزء کا جواب

وہ غیر مقلدین حضرات جونحن رجال وھم رجال کا سہارا لے کر عدم تقلید کا پرچار کرتے ہیں ان کو یہ بھی دیکھنا چاہیئے کہ وہ کون سی خوبی میں ان کے برابر ہو سکتے ہیں؟ کیا علم وفہم میں ان کا مقابلہ کرتے ہیں؟ یا ذکاوت وحافظہ یا دین و دیانت میں ان سے برابری کا دعوی کرتے ہیں؟ یا یہ لوگ تقوی و پرہیز گاری میں ان سے بڑھے ہوئے ہیں؟ حالانکہ یہ نا قابل انکار حقیقت ہے کہ آج کل ہم سب مقلدین وغیر مقلدین ہر اعتبار سے اس قدر تہی دست ہیں کہ ہمیں قرون اولی کے علماء سے کوئی نسبت نہیں ہے۔ مزید برآں قرون اولی کے علماء تو اس ماحول اور زمانے کے بھی قریب ہیں جس مبارک زمانے اور ماحول میں قرآن کریم نازل ہوا۔ ان کو قرآن کریم کے انداز گفتگو اور مزاج دین کی ہو بہو پہچان حاصل تھی۔ غیر مقلدین حضرات کے اس اعتراض کے جواب میں صرف حضرت عبداللہ ابن مسعود رضی اللہ عنہ (جو جلیل القدر فقہاء صحابہ رضوان اللہ علیہم اجمعین میں سے ہیں) کا یہ قول کافی ہے:

عن ابن مسعود رضی اللہ عنہ قال من كان مستنا فليستن بمن قد مات فان الحى لاتؤمن عليه الفتنة اولئك اصحاب محمد ﷺ كانوا افضل هذه الامة ابرها قلوبا واعمقها علما واقلها تكلفا اختارهم الله لصحبة نبيه ولاقامة دينه فاعرفوا لهم فضلهم واتبعوهم على اثرهم وتمسكوا بما استطعتم من اخلاقهم وسيرهم فانهم كانوا على الهدى المستقيم۔

(مشكوة المصابيح: ص۳۲)

ترجمہ: حضرت ابن مسعود رضی اللہ عنہ سے روایت ہے، فرماتے ہیں کہ جو شخص کسی کے طریقے کو اختیار کرنا چاہتا ہے تو وہ ایسے شخص کے طریقے کو اختیار کرے جس کا انتقال ہو گیا ہو۔ زندہ شخص فتنہ سے مامون نہیں ہوتا۔ یہ نبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے صحابہ رضوان اللہ علیہم اجمعین ہیں جو اس امت کے بہترین لوگ ہیں جن کے دل پارسا، علم گہرا اور بہت کم تکلف کو اختیار کرنے والے ہیں۔ اللہ تعالی نے انہیں اپنے نبی کی صحبت اور دین کو قائم رکھنے کے لئے چن لیا ہے پس تم ان کی فضیلت کو پہچانو اور ان کی اتباع کرو اور ان کے اخلاق و سیرت میں سے جس قدر اپنا سکو اسے اپنا لو کیونکہ یہ لوگ مکمل ہدایت پر تھے۔

تیسرے جزء کا جواب

جو عالم درجہ اجتہاد پر فائز نہ ہو اس نے خواہ کتنی ہی کتابیں پڑھ لی ہوں وہ عامی ہے۔ اس کو بہر حال عامی کی طرح کسی ایک

امام کے قول کی طرف رجوع کرنا پڑے گا اور آج کل کے عام علماء اسی طبقہ میں داخل ہیں۔ دونوں مقلد ہیں البتہ عالم، عامی کو مسائل بتا بھی دیتا ہے۔ ہاں جو عالم تبحر علمی کے سبب درجہ اجتہاد پر فائز ہو تو اس کی اور عامی کی تقلید میں فرق ہوگا۔

چنانچہ حضرت مولانا حبیب احمد رحمۃ اللہ علیہ اجتہاد کی تحقیق کے بعد ان حضرات سے متعلق جو درجہ اجتہاد پر فائز نہ ہونے کے باوجود اجتہاد کرتے ہیں ان جیسے لوگوں پر تقلید کے وجوب کا قول ذکر کرنے کے بعد ان کے اجتہاد کی مذمت کرتے ہوئے اعلاء السنن کے مقدمے (۲۰/ ۲۳۲) میں فرماتے ہیں:

وهؤلاء يجب عليهم تقليد المجتهد فان اجتهدوا ضلوا وأضلوا وهؤلاء هم اهل الرأى الذين ذمهم الصحابة والتابعون......

''یہی لوگ ہیں جن پر مجتہد کی تقلید واجب ہے پس اگر یہ خود اجتہاد کرنے لگیں تو خود بھی گمراہ ہوں گے اور دوسروں کو بھی گمراہ کریں گے۔ پس یہی لوگ اہل رائے ہیں جن کی صحابہ وتابعین رضوان اللہ علیہم اجمعین نے مذمت کی ہے''۔

اسی طرح علامہ شامی رحمۃ اللہ علیہ (متوفی ۱۲۵۲ھ) اپنے دور کے مفتیان کرام کا تذکرہ کرتے ہوئے لکھتے ہیں کہ ''اس زمانے میں مفتی مجتہد کا سلسلہ منقطع ہو چکا ہے اور سب کے سب مقلد محض ہی ہیں''۔ جب ان کے زمانے کا یہ حال تھا تو ہمارے زمانے میں مفتی مجتہد اور بھی عدیم الوجود ہوگا۔

ولما انقطع المفتى المجتهد فى زماننا ولم يبق الاالمقلد المحض وجب علينا اتباع التفصيل۔ (شرح عقود رسم المفتی: ص۲۱)

چوتھے جزء کا جواب

وہ غیر مقلدین حضرات جو مقلدین کو مشرک قرار دیتے ہیں یہ ایک غلط فہمی پر مبنی ہے اور اگر غلط فہمی نہ ہو تو ہٹ دھرمی پر مبنی ہے۔

غلط فہمی یہ ہے کہ مقلدین اللہ تعالی اور اس کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم کی بات کو رد کر کے اپنے امام کی بات مانتے ہیں اور ہر حکم میں اس کی پیروی کرتے ہیں گویا کہ وہ ان کا خدا ہے اور اسی پر وہ آیت بطور دلیل پیش کرتے ہیں جس میں مشرکین مکہ کی ہٹ دھرمی اور اندھی تقلید کا ذکر ہے:

وَإِذَا قِيلَ لَهُمُ اتَّبِعُوا مَا أَنْزَلَ اللهُ قَالُوا بَلْ نَتَّبِعُ مَا أَلْفَيْنَا عَلَيْهِ آبَاءَنَا أَوَلَوْ كَانَ آبَاؤُهُمْ لَا يَعْقِلُونَ شَيْئًا وَّلَا يَهْتَدُونَ ○ (البقرۃ: ۱۷۰)

لیکن یہ بات تفصیلاً گزر چکی ہے کہ مقلدین حضرات کا یہ عقیدہ ہرگز نہیں بلکہ وہ ان ائمہ حضرات کو قرآن وسنت کا شارح قرار دے کر ان کی تشریح کے مطابق قرآن وسنت پر عمل کرتے ہیں نہ کہ کفار کی طرح اللہ اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی بات کو چھوڑ کر ان ائمہ کی بات کو قبول کرتے ہیں۔ لہٰذا یہ بات صرف غلط فہمی کا نتیجہ ہے اور اگر غلط فہمی نہیں تو ہٹ دھرمی ہے کہ سادہ لوح لوگوں کو دھوکہ دینے کے لئے اس طرح کی الزام تراشیاں کی جاتی ہیں، اس صورت میں یہ لوگ واقعی ''ضلوا فاضلوا'' کے مصداق قرار پائیں گے۔

تقلید کو شرک کہنا تو دور کی بات ہے بلکہ خود حضرت یوسف علیہ الصلوٰۃ والسلام اس طرح کی تقلید پر اپنے عمل کو ذکر کر کے شرک کی نفی کرتے ہیں جو اس بات کی واضح علامت ہے کہ صرف تقلید شرک نہیں ہو سکتی چنانچہ رب تعالیٰ حضرت یوسف علیہ الصلوٰۃ والسلام کے قول کو یوں ذکر فرماتے ہیں:

وَاتَّبَعْتُ مِلَّةَ آبَائِيْ إِبْرَاهِيْمَ وَإِسْحٰقَ وَيَعْقُوْبَ مَا كَانَ لَنَا أَنْ نُّشْرِكَ بِاللّٰهِ مِنْ شَيْءٍ ذٰلِكَ مِنْ فَضْلِ اللّٰهِ عَلَيْنَا وَعَلَى النَّاسِ وَلٰكِنَّ أَكْثَرَ النَّاسِ لَا يَشْكُرُوْنَ۔ (یوسف:۳۸)

چنانچہ علامہ ابن تیمیہ اسی کی تشریح کرتے ہوئے فتاوی کبریٰ ج ۲/ص ۲۳۹ میں رقمطراز ہیں:

لما كان من الاحكام مالا يعرفه كثير من الناس رجع الناس في ذلك الى من يعلمهم ذلك لانه اعلم بما قال الرسول واعلم بمراده فائمة المسلمين الذين اتبعوهم وسائل وطرق وادلة بين الناس وبين الرسول يبلغونهم ماقاله ويفهمونهم مراده بحسب اجتهادهم واستطاعتهم وقد يخص الله هذا العالم من العلم والفهم ماليس عند الآخر۔

(۴۵۲) تقلید واجب ہے یا نہیں؟

سؤال

کیا فرماتے ہیں علماء کرام ومفتیان عظام اس مسئلہ کے بارے میں کہ تقلید کی شرعی حیثیت کیا ہے، یہ واجب ہے یا نہیں؟

الجواب بعون الملک الوھاب

ہر ایسا شخص جو مجتہد نہ ہو اس پر کسی مجتہد کی تقلید واجب ہے خاص طور پر ہمارے زمانے میں جبکہ علم کا فقدان پایا جاتا ہے۔نیز ویسے تو چاروں ائمہ برحق ہیں البتہ ان میں کسی ایک کی تقلید کرنا ضروری ہے تاکہ اس میں بجائے شریعت پر عمل کرنے کے اپنی خواہشات کا غلبہ نہ ہو جائے جبکہ ہمارے زمانے میں ویسے بھی ہمتیں کمزور پڑ چکی ہیں اور اسلام کا درد دلوں سے مٹ چکا ہے اور ہر شخص کا مزاج ایسا بن چکا ہے کہ وہ چاہتا ہے کہ اسکی خواہش اسلام کے روپ میں پوری ہو جائے ایسے حالات میں کسی متعین امام کی تقلید اور بھی ضروری ہو جاتی ہے۔

دلائل المسئلة مرت تحت السؤال السابق

(۴۵۳) ائمہ اربعہ رحمۃ اللہ علیہم پر سب وشتم کرنے والے کا حکم

سؤال

کیا فرماتے ہیں علماء کرام ومفتیان عظام اس شخص کے بارے میں جو مذاہب اربعہ کے ائمہ رحمۃ اللہ علیہم کو سب وشتم کرتا ہو اور یہ کہتا ہو کہ انہوں نے اسلام کی حقیقت بدل ڈالی، اور ایسی چیزوں کا اضافہ کیا جن کی اللہ اور رسول نے اجازت نہیں دی اور اسلام کی ظاہری صورت کو تبدیل کیا؟

الجواب بعون الملک الوھاب

اگر یہ شخص ائمہ اربعہ رحمۃ اللہ علیہم کو سب وشتم کرتا ہو تو اس طور پر کہ انھوں نے اسلام کی ظاہری صورت کو مٹا کر نفسانی خواہشات کی اتباع کر لی ہے تو ایسا شخص فاسق ہے اس کی شہادت فسق کی بنا پر نا قابل قبول ہے۔امامِ وقت کو چاہیئے کہ اس کو تعزیراً سزا دے۔

لمافی البحر الرائق (۴۹/۵): مراهق شتم عالما فعليه التعزير۔

وفی الهندية (۲۷۰/۲): من ابغض عالما من غير سبب ظاهر خيف عليه الكفر۔

وفی ردالمحتار (۲۲۷/۴): وترد شهادة من يظهر سب السلف وتقبل شهادة اهل الاهواء ...وقال

الزیلعی اویظهر سب السلف یعنی الصالحین منهم وهم الصحابة والتابعون لان هذه الاشیاء تدل علی قصور عقله۔

(۴۵۴)مذہب کی تبدیلی پر تعزیر

سوال

کیا فرماتے ہیں علماء کرام اس مسئلہ کے بارے میں اگر کوئی شخص ایک مذہب (ائمہ اربعہ رحمۃ اللہ علیہم کے مذاہب میں) سے دوسرے مذہب کی طرف منتقل ہوجاتا ہے اس طرح مذہب کی تبدیلی پر اس پر تعزیر آئے گی یا نہیں؟ کیونکہ میں نے ایک عالم سے یہ کہتے ہوئے سنا کہ اگر اسلامی حکومت قائم ہو تو ایسے شخص پر تعزیر آئے گی۔ تفصیل سے جواب عنایت فرمائیں۔

الجواب بعون الملک الوهاب

صورت مسئولہ میں ایسا شخص جو صاحب علم ہو، مذہب کے تمام اصول وفروع سے واقف ہو اور کسی دلیل کی بنا پر جو پہلے مخفی تھی اب اس پر واضح ہوئی اور وہ پہلے مذہب کو نہ تو حقیر جانتا ہو اور نہ اسکی توہین کرے تو ایسے شخص پر تعزیر نہیں آئے گی بلکہ یہ اجر کا مستحق ہے۔

اگر کوئی شخص بغیر کسی دلیل شرعی کے جبکہ وہ مذہب سے ناواقف ہے کسی فاسد غرض، مال دولت یا کسی مسئلہ میں صرف سہولت کی وجہ سے ایک مذہب کو چھوڑ کر دوسرے مذہب کو اختیار کرتا ہے تو ایسا شخص قابل ملامت اور تعزیر کا مستحق ہوگا کیونکہ ایسا کرنا اس کیلئے جائز نہیں۔

لمافی الدرالمختار (۸۰/۴): ارتحل الی مذهب الشافعی یعزر سراجیه۔

وفی الشامیة: ای اذاکان ارتحاله لا لغرض محمود شرعا ......ولوان رجلا یری من مذهبه باجتهاد وضع له کان محمودا ماجورا۔ اما انتقال غیره من غیر دلیل بل لما یرغب من غرض الدنیا وشهوتها فهوالمذموم الاثم المستوجب للتادیب والتعزیر لارتکابه المنکر فی الدین واستخفافه بدینه ومذهبه اھ۔

(۴۵۵)ابوحنیفہ کی وجہ تسمیہ

سوال

کیا فرماتے ہیں علماء کرام ومفتیان عظام اس مسئلہ کے بارے میں امام اعظم کی کنیت ابوحنیفہ کیسے مشہور ہوئی۔ اسکی وجہ ذکر

کریں؟

الجواب بعون الملک الوھاب

امام اعظم نعمان بن ثابت رحمۃ اللہ علیہ کو ''ابوحنیفہ'' کہنے کی راجح وجہ یہ ہے کہ حنیف کے معنی آتے ہیں ''اسلامی احکامات پر مکمل طور سے عمل پیرا''یعنی جو ہر طرف سے کٹ کر صرف دین اسلام کی طرف مائل ہو۔چونکہ آپ رحمۃ اللہ علیہ نے اپنی زندگی کے سارے مشاغل کو ختم کرکے صرف دین کے مسائل کا استنباط اور نشر واشاعت کو اپنی زندگی کا نصب العین بنالیا تھا لہٰذا آپ ''ابوحنیفہ'' کی کنیت سے مشہور ہوئے۔

لمافی الخیرات الحسان (ص۴۵): ان کنیته ابو حنیفه مؤنث حنیف، وهو الناسك او المسلم لان الحنف المیل والمسلم مائل الی الدین الحق۔قیل سبب تکنیه بذلك ملازمته للدواة حنیفة بلغة العراق وقیل کانت له بنت تسمی بذلك ورد بانه لا یعلم له ولد ذکر ولاانثی غیر حماد۔

فصل فی علامات الساعۃ

قیامت کے احوال اور علامتوں کے بارے میں

(۴۵۶) علاماتِ قیامت کا بیان

سؤال

کیا فرماتے ہیں علماء کرام ومفتیان عظام اس مسئلہ کے بارے میں کہ حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے قیامت کی بہت سی نشانیاں بتائیں ان میں سے کتنی ظاہر ہو چکی ہیں اور کتنی باقی ہیں ان کی ترتیب کیا ہوگی؟ نیز میں نے سنا ہے کہ اصحاب کہف زندہ ہیں اور وہ عیسیٰ علیہ الصلوٰۃ والسلام کے دور میں آئیں گے اور ان کی مدد کریں گے اگر یہ بات صحیح ہے تو ان اصحاب کہف کا شمار حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی امت میں سے ہوگا یا نہیں ؟تفصیل مطلوب ہے۔

الجواب بعون الملک الوھاب

جو علامات قیامت سے پہلے ظاہر ہونگی ان کا ظہور تقریباً ہو چکا ہے جیسے مال غنیمت کو اپنا مال سمجھنا، امانت کو غنیمت سمجھنا، زکوۃ کی ادائیگی کو تاوان سمجھنا، بیوی کو ماں پر ترجیح دینا، دوست کو باپ پر ترجیح دینا، مساجد میں شور برپا کرنا، بر سر عام شراب پیا جانا اور سلف صالحین کو گالیاں دینا وغیرہ وغیرہ۔

دوسری قسم ان علامات کی ہے جن پر قیامت کا آنا موقوف ہے جن کے بعد قیامت واقع ہوگی وہ دس علامات ہیں جن میں سب سے پہلے امام مہدی کا ظہور ہوگا۔ بیت اللہ کے سامنے رکن اور مقام کے درمیان لوگ ان کے ہاتھ پر بیعت کریں گے اور بیت المقدس کیطرف ہجرت کریں گے پھر ان کی خلافت میں دجال نکلے گا جس کا رنگ سرخ، بھاری جسم، پست قد، الجھے ہوئے بال، ایک آنکھ سپاٹ دوسری عیب دار اور پیشانی پر کافر لکھا ہوا ہوگا جسے ہر شخص پڑھ سکے گا پہلے نبوت کا دعویٰ کرے گا پھر ترقی کر کے خدائی کا دعویٰ کرے گا گدھے پر سوار ہوگا۔ ستر ہزار یہودی اسکی فوج میں شامل ہونگے آندھی کیطرح چلے گا۔ حرمین شریفین اور بیت المقدس کے علاوہ ساری دنیا میں گھومے گا، مدینہ کی طرف جائے گا مگر فرشتے اسے مدینہ میں داخل نہیں ہونے دیں گے۔ وہاں سے بیت المقدس کا رخ کرے گا تو اہل اسلام اس کے مقابلے کیلئے نکلیں گے دجال کی فوج مسلمانوں کا محاصرہ کرے گی اور مسلمان وہاں محصور ہو جائیں گے۔ عین اس

وقت جب فجر کی اقامت ہو چکی ہوگی حضرت عیسیٰ علیہ الصلوٰۃ والسلام جامع مسجد دمشق کے مشرقی مینار کے پاس نازل ہوں گے۔امام مہدی مصلے سے پیچھے ہٹ جائیں گے اور انہیں نماز پڑھانے کی درخواست کریں گے لیکن حضرت عیسیٰ علیہ الصلوٰۃ والسلام امام مہدی کی اقتداء میں نماز پڑھیں گے۔اس کے بعد حضرت عیسیٰ علیہ الصلوٰۃ والسلام دروازہ کھولیں گے آپ کے ہاتھ میں چھوٹا سا نیزہ ہوگا۔دجال آپ کو دیکھتے ہی اس طرح پگھلنے لگے گا جس طرح نمک پانی میں پگھلتا ہے چنانچہ وہ بھاگنا شروع کرے گا لیکن آپ اسے باب لد کے مقام پر قتل کر دینگے۔ پھر اسی زمانے میں یاجوج ماجوج کا خروج ہوگا وہ زمین کی ہر بلندی سے پھسلتے ہوئے اتریں گے۔ان کا پہلا دستہ جب بحیرہ طبریہ پر گزرے گا تو اس کا سارا پانی ختم کر دے گا جب بعد والے آئیں گے تو کہیں گے کہ یہاں کبھی پانی ہوا کرتا تھا۔

اس کے بعد جبل خمر کی طرف چلیں گے جو بیت المقدس کا ایک پہاڑ ہے وہاں پہنچ کر کہیں گے کہ زمین والوں کو تو ہم قتل کر چکے اب آسمان والوں کو قتل کریں گے چنانچہ وہ اپنے تیر آسمان کیطرف پھینکیں گے۔اللہ تعالیٰ ان کے تیر کو خون میں رنگ کر واپس کریں گے۔ اس دوران مسلمان کوہ طور میں محصور ہونگے اور سخت تنگی میں مبتلا ہونگے پھر اللہ تعالیٰ یاجوج ماجوج کو کیڑوں کے ذریعے ہلاک کریں گے۔حضرت عیسیٰ علیہ الصلوٰۃ والسلام نزول کے بعد چالیس سال تک دنیا میں رہیں گے ان کا دور مثالی امن کا دور ہوگا لیکن ان کے بعد پھر زمین میں فتنہ وفساد برپا ہو جائے گا۔اس کے بعد جبل صفا سے دابۃ الارض نکلے گا جو زمین میں گھومے گا۔

اسی دوران تین خسفات (زمین میں دھنسنا) ہونگے ایک مشرق میں دوسرا مغرب میں اور تیسرا جزیرہ عرب میں، اس کے بعد ایک دھواں نمودار ہوگا جو ہر طرف پھیل جائے گا پھر سورج مغرب سے طلوع ہو جائے گا جس کے ساتھ ہی توبہ کا دروازہ بند ہو جائے گا۔یہ آخری علامت ہوگی اس کے بعد قیامت واقع ہو جائے گی، ایک آگ نکلے گی جو تمام لوگوں کو میدان حشر میں جمع کر دے گی۔

نیز حضرت عیسیٰ علیہ الصلوٰۃ والسلام کے نزول کے بعد اصحاب کہف بھی نکل آئیں گے اور یہ حضرت عیسیٰ علیہ الصلوٰۃ والسلام کے حواری ہوں گے۔اور چونکہ حضرت عیسیٰ علیہ الصلوٰۃ والسلام آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے امتی ہیں تو ان کے حواری بطریق اولی آپ ہی کی امت میں ہوں گے۔

لمافی حاشیة الصاوی (۱۰/۳): واعلم انه اختلف فی اصحاب الكهف لعلهم ماتوا ودفنوا اوهم نيام واجسامهم محفوظة والصحيح انهم نيام ويستيقظون عند نزول عيسیٰ ويحجون معه ويموتون قبل يوم القيمة حين تأتي الريح اللينة۔

وفی المشكوة (ص۴۷۲): عن حذيفه بن اسيد الغفاری قال اطلع النبی صلى الله عليه وسلم علينا ونحن نتذاكر فقال ماتذكرون قالوا نذكر الساعة قال انها لن تقوم حتیٰ تروا قبلها عشرآيات فذكر الدخان والدجال والدابة وطلوع الشمس من مغر بها ونزول عيسى ابن مريم ويا جوج وماجوج وثلثة خسوف خسف بالمشرق وخسف با لمغرب وخسف بجزيرة العرب واخرذلك نار تخرج من اليمن تطرد الناس الى محشرهم وفی رواية نار تخرج من قعرعدن تسوق الناس الى المحشر۔

وفيه ايضاً (ص۴۷۰): عن ابی هريره قال قال رسول الله صلى الله عليه وسلم اذا اتخذ الفئ دولا والامانة مغنما

والزكاة مغرما وتعلم لغير الدين واطاع الزجل امرأته وعق امه وادنى صديقه واقصى اباه وظهرت الاصوات فی المساجد وسادالقبيلة فاسقهم وكان زعيم القوم ارذلهم واكرم الرجل مخافة شره وظهرت القينات والمعازف وشربت الخمور ولعن اخر هذه الامة اولها فارتقبوا عندذلك ريحا حمراء وزلزلة وخسفاً ومسخاً وقذفاً وآيات تتابع كنظام قطع سلكه فتتابع۔

وفيه ايضاً (ص۴۷۳): عن النواس بن سمعان قال ذكر رسول الله صلى الله عليه وسلم الدجال ......قلنا يا رسول الله وما اسراعه فی الارض قال كا لغيث استد برته الريح فياتی علی القوم فيد عوهم فيؤمنون به فيا مرالسماء فتمطر والارض فتنبت فتروح عليهم سارحتهم اطول ما كانت ذری واسبغه ضروعا وامده خواصر ...... فبينما هو كذلك اذبعث الله المسيح بن مريم فينزل عند المنارة البيضاء شرقی دمشق بين مهزودتين واضعا كتفيه علی اجنحة ملكين اذا طأطأراسه قطر واذارفعه تحدّر منه مثل جمان كاللولو فلا يحل لكافر يجد من ريح نفسه ينتهی حيث ينتهی طرفه فيطلبه حتیٰ يدركه بباب لد فيقتله ثم ياتی عيسی قوم قد عصمهم الله منه فيمسح عن وجوههم ويحدثهم بدرجاتهم فی الجنة فبينما هو كذلك اذاوحی الله الی عيسیٰ انی قد اخرجت عباداً لی لايدان لاحد بقتالهم فحرز عبادی الی الطور ويبعث الله ياجوج وماجوج وهم من حدب ينسلون فيمراوائلهم علی بحيرة طبرية فيشربون ما فيها ويمرآخرهم فيقول لقد كان بهذه مرة ماء ثم يسيرون حتی ينتهوا الی جبل الخمر وهو جبل بيت المقدس فيقولون لقد قتلنا من فی الارض هلم فلنقتل من فی السماء فيرمون بنشابهم الی السماء فيردالله عليهم نشابهم مخضوبة دما ويحصر نبی الله واصحابه حتی يكون رأس الثور لاحدهم خيرا من مائة دينار لاحدكم اليوم فيرغب نبی الله عيسی واصحابه فيرسل الله عليهم النغف فی رقابهم فيصبحون فرسی كموت نفس واحدة ثم يهبط نبی اللهعيسیٰ واصحابه الی الارض ......فيومئذ تأكل العصابة من الرمانة ......فبيناهم كذالك اذ بعث الله ريحا طيبة فتأخذهم تحت اباطهم فتقبض روح كل مؤمن وكل مسلم ويبقی شرار الناس يتهارجون فيها تهارج الحمر فعليهم تقوم الساعة۔

(۴۵۷) قیامت کی علامات

سؤال

کیافرماتے ہیں علماء کرام ومفتیان عظام اس مسئلہ کے بارے میں کہ موجودہ حالات کو دیکھتے ہوئے ہر عام وخاص شخص کی زبان پر یہ الفاظ ہیں کہ قیامت بہت قریب ہے۔اس کی وضاحت فرمائیں کہ کیا یہ بات صحیح ہے؟اور کیا قیامت کی نشانیاں پوری ہوگئی ہیں؟

الجواب بعون الملک الوھاب

قیامت کی علامات تین تقسیم پر ہیں:اول بالکل ابتدائی علامات جیسے انبیاء کے سلسلے کوختم کرتے ہوئے ختم الرسل صلی اللہ علیہ وسلم کا اس دنیامیں تشریف لانا قیامت کے قریب آجانے کی علامت ہے۔

دوئم:وہ علامات جودرمیانے درجے کی ہیں جیسے جہالت کاغلبہ،علم کااٹھ جانا،قتل کازیادہ ہونا،امانت کوغنیمت سمجھنا،عہدے کو غیراہل کے سپرد کرنا،اورزکاۃ کوتاوان سمجھناوغیرہ۔

سوئم:وہ علامات جو بالکل قرب قیامت کے وقت ظاہر ہوں گی جیسے خروج دجال ویاجوج ماجوج،نزول عیسی علیہ الصلوۃ والسلام اورسورج کامغرب سے طلوع ہوناوغیرہ۔

اب ان علامات میں سے پہلی دوقسموں کی علامات کافی حدتک ظاہر ہوچکی ہیں۔صرف تیسری قسم کی علامات کاظہورباقی ہے۔اس اعتبارسے یہ کہنا کہ قیامت بالکل قریب ہے صحیح ہے۔

لمافی المشکوۃ (ص۴۶۹): عن انس قال سمعت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم یقول ان من اشراط الساعة ان یرفع العلم ویکثر الجھل ویکثر الزنا ویکثر شرب الخمر ویقل الرجال ویکثر النساء حتی یکون لخمسین امرأة القیم الواحد۔

عن ابی ھریرة رضی اللہ عنہ قال بینما النبی صلی اللہ علیہ وسلم یحدث اذجاء اعرابی فقال متی الساعة قال اذا ضیعت الامانة فانتظر الساعة قال کیف اضاعتھا قال اذا وسد الامر الی غیر اھلہ فانتظر الساعة۔

وفیہ ایضاً (ص۴۷۲): عن حذیفة بن اسید الغفاری قال اطلع النبی صلی اللہ علیہ وسلم علینا ونحن نتذاکر فقال ماتذاکرون قالوا نذکر الساعة قال انھا لن تقوم حتی ترو قبلھا عشرآیات فذکر الدخان والدجال والدابة وطلوع الشمس من مغربھا ونزول عیسی ابن مریم ویاجوج وماجوج۔

(۴۵۸) مہدیؒ کے بارے میں

سؤال

کیافرماتے ہیں علماء کرام ومفتیان عظام اس مسئلہ کے بارے میں کہ عام طور پرمشہور ہے کہ آخر دور میں مہدیؒ تشریف لائیں گے۔کیاقرآن یاسنت میں اس کاذکرموجود ہے؟اورکیایہ بات صحیح ہے؟

الجواب بعون الملک الوھاب

یہ بات روایات سے ثابت ہے کہ آخر دور میں امام مہدی کاظہور ہوگا بلکہ ان کی علامات ونشانیاں اورنام تک کاذکرروایات میں موجود ہے۔

لمافی المشکوۃ (ص۴۷۰): عن ابی سعیدالخدری رضی اللہ عنہ قال قال رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم المھدی منی اجلی الجبھة اقنی الانف یملأ الارض قسطا وعدلا۔۔۔ عن ثوبان قال قال رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اذا رأیتم الرایات السود قد جاء ت من قبل خراسان فاتوھا فان فیھا خلیفة اللہ المھدی۔۔۔عن ابی اسحاق قال قال علی رضی اللہ عنہ ونظر الی ابنه الحسن قال ان ابنی ھذا سیدکما سماہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم وسیخرج من صلبه رجل یسمی باسم نبیکم یشبھه فی الخلق ولایشبھه فی الخلق ثم ذکر قصة یملأ۔۔

فصل فی احوال ما بعد الموت

(مرنے کے بعد کے احوال کے بیان میں)

(۴۵۹) عذاب قبر جسد مع الروح پر ہے یا صرف روح پر؟

سؤال

کیا فرماتے ہیں مفتیان عظام اس مسئلہ کے بارے میں کہ میرے ایک عزیز ملازمت کے سلسلے میں ملک سے باہر رہے۔ اب ریٹائرمنٹ کے بعد واپس لوٹے ہیں تو بعض باتوں میں ان کا ہمارے ساتھ اختلاف پایا جاتا ہے۔ ایک مسئلہ یہ ہے کہ ''عذاب قبر صرف روح کو ہوتا ہے'' جسد مع الروح پر نہیں مانتے۔ کیا وہ اس عقیدے کے باوجود اہل سنت میں داخل ہیں یا نہیں؟ نیز کبھی کبھی امام صاحب کی غیر موجودگی میں امامت بھی کرتے ہیں کیا ایسے شخص کو امام بنانا صحیح ہے؟

الجواب بعون الملک الوهاب

اہل سنت والجماعت کا عقیدہ ہے کہ عذاب قبر جسد مع الروح کو ہوتا ہے، ائمہ اربعہ رحمۃ اللہ علیہم اس پر متفق ہیں اور یہ عقیدہ کہ عذاب صرف روح کو ہوتا ہے معتزلہ کا عقیدہ ہے۔ لہٰذا یہ شخص اہل سنت والجماعۃ سے خارج ہے، بدعتی اور گمراہ ہے۔ ایسے شخص کے پیچھے نماز پڑھنا بھی صحیح نہیں ہے۔

لمافی مرقاة المفاتیح (۱/۳۰۳): فان الله تعالى يعلق روحه الذى فارقه بجزئه الاصلى الباقى من اول عمره الى آخره المستمر على حاله حالتى النمو والذبول الذى تتعلق به الروح اولاً فيحيا ويحيا بحياته سائر اجزاء البدن۔

وفی ''الروح''لابن قیم (ص۵۴): ان مذهب سلف الامة وائمتها ان الميت يكون فى نعيم اوعذاب وان ذلك يحصل لروحه وبدنه۔

وفی شرح الفقه الاكبر (ص۱۰۰): واعادة الروح الى العبد فى قبره حق۔

وفی شرحه يقول الملا على القارى: (الى العبد) اى الى جسده بجميع اجزائه او ببعضها مجتمعة او

متفرقة ... وفي المسئلة خلاف المعتزلة وبعض الرافضة۔

(۴۶۰) سماع موتی اور عذاب قبر کا حکم

سؤال

کیا فرماتے ہیں علماء کرام ومفتیانِ عظام اس مسئلہ کے بارے میں کہ یہ کہنا کہ مُردے سنتے ہیں غلط ہے اس سے شرک پھیلتا ہے مُردے بالکل نہیں سنتے انہیں کسی قسم کی سماع کی قوت حاصل نہیں۔ کیا یہ بات وعقیدہ درست ہے یا نہیں؟

(۲)۔ زمینی قبر (وہ گڑھا جس میں لوگ میت کو دفناتے ہیں) قبر شرعی نہیں، اس زمینی قبر میں (جس میں لوگ میت کو دفناتے ہیں) میت کو نہ عذاب ہوتا ہے نہ ثواب ملتا ہے ان دونوں باتوں کا جواب مدلل انداز میں دیں اور یہ بھی بتائیں کہ ایسا عقیدہ رکھنا کیسا ہے؟

الجواب بعون الملک الوهاب

(۱)۔ حضرات صحابہ کرام رضوان اللہ علیہم اجمعین کے مبارک دور اور خیر القرون سے یہ مسئلہ اختلافی چلا آرہا ہے کہ مُردے سنتے ہیں یا نہیں، ایک گروہ سماع موتی کی نفی کرتا ہے جس میں ام المؤمنین سیدہ عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا اور دیگر اہلِ علم حضرات شامل ہیں۔ جبکہ دوسرا گروہ سماع موتی کا قائل ہے جس میں حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہما اور دیگر بہت سے صحابہ کرام رضوان اللہ علیہم اجمعین کے علاوہ اہلِ علم حضرات کی اکثریت شامل ہے، علامہ ابن حجر رحمۃ اللہ علیہ نے اسے "جمہور کا مسلک" قرار دیا ہے۔ کیونکہ سماع موتی احادیث کثیرہ سے ثابت ہے علامہ انور شاہ کشمیری رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ "سمع اموات کی احادیث حدِ تواتر تک پہنچی ہوئی ہیں۔" لہٰذا فی الجملہ سماع موتی (یعنی بعض مُردوں کا بعض اوقات بعض باتوں کا سننا) ثابت ہے۔ البتہ چونکہ مسئلہ خیر القرون سے اختلافی چلا آرہا ہے لہٰذا فریقین کو اس میں بہت زیادہ شدت اختیار کرنا یا ایک دوسرے کی تضلیل وتفسیق کرنا درست نہیں۔

(۲)۔ لفظ قبر کا اطلاق حقیقتاً اس زمینی گڑھے پر ہی ہوتا ہے جس میں میت کو دفن کیا جاتا ہے اور جس میں اس کا جسد عنصری رکھا جاتا ہے، اس پر بہت سی آیات وروایات دلالت کرتی ہیں، مثلاً: "واذا القبور بعثرت" (الانفطار: ۴) (اور جب قبریں اکھاڑی جاویں گی)۔ "ولا تقم علی قبرہ" (التوبۃ: ۸۴) (اور نہ (دفن کیلئے) اس کی قبر پر کھڑے ہوجایئے)۔ "اذا بعثر ما فی القبور" (العادیات: ۹) (جب زندہ کئے جاویں گے جتنے مُردے قبروں میں ہیں) (بیان القرآن)۔ ان آیات سے واضح طور پر قبر کا "زمینی گڑھا" ہونا معلوم ہوتا ہے، نیز احادیث میں بھی قبر کا اطلاق زمینی گڑھے پر ہوا ہے جیسا کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے جن دو قبروں پر کھجور کی ٹہنی گاڑی تھی وہ یہی حسی قبریں اور گڑھے تھے اور انہی گڑھوں میں ان کو عذاب ہو رہا تھا، اسی طرح بنونجار کے باغ میں جو پانچ یا چھ قبریں تھیں جن کے قریب سے گزرتے ہوئے آپ صلی اللہ علیہ وسلم کا خچر بدک گیا تھا وہ یہی حسی قبریں اور گڑھے ہی تھے اور انہی میں ان کو عذاب ہو رہا تھا۔ نیز فقہاء کرام رحمۃ اللہ علیہم نے بھی لفظ قبر کا اطلاق انہی زمینی گڑھوں پر کیا ہے مثلاً فرماتے ہیں کہ قبر کو نصف قامت کے برابر

کھودا جائے اور لحد کی صورت میں بنایا جائے، شق کی صورت میں نہ بنایا جائے الآیۃ کہ نرم زمین ہو، اسی طرح فرماتے ہیں کہ قبر پر بیٹھنا مکروہ ہے، قبر کے اوپر یا قبر کی طرف رُخ کرکے نماز پڑھنا مکروہ ہے۔

نیز اہل لغت بھی قبر کا اطلاق اسی زمینی گڑھے پر کرتے ہیں۔ معجم الوسیط (صفحہ ۷۱۰) میں ہے: القبر: "المكان يدفن فيه الميت"، المنجد (صفحہ ۷۷۲) میں ہے: القبر: "انسان کے دفن کرنے کی جگہ"، مصباح اللغات (صفحہ ۶۵۴) میں ہے: القبر: "انسان کے دفن کرنے کی جگہ"، فیروز اللغات (۲/۷/۹۴۷) میں ہے: قبر: "وہ گڑھا جس میں مُردے کو دفن کرتے ہیں۔"

لہٰذا معلوم ہوا کہ قبر سے یہی زمینی گڑھے ہی مراد ہیں۔ اور انہی حسی قبروں اور گڑھوں میں عذاب ہوتا ہے جیسا کہ ماقبل احادیث سے معلوم ہوا۔ عذابِ قبر کے منکر کو فقہاءِ کرام رحمہم اللہ نے کافر قرار دیا ہے البتہ اگر کوئی شخص دلائل قطعیہ میں تاویل کرکے انکار کرتا ہے تو اس کی تکفیر تو نہیں کی جائے گی البتہ وہ مبتدع فی العقیدہ اور گمراہ ہوگا اور اہل سنت والجماعت سے خارج سمجھا جائے گا۔

لما فی القرآن الكريم (الفاطر:۲۲): وَمَا يَسْتَوِي الْأَحْيَاء وَلَا الْأَمْوَاتُ إِنَّ اللهَ يُسْمِعُ مَن يَّشَاءُ وَمَا أَنْتَ بِمُسْمِعٍ مَّنْ فِي الْقُبُوْرِ

وفی (النمل: ۸۰): إِنَّكَ لَا تُسْمِعُ الْمَوْتٰى وَلَا تُسْمِعُ الصُّمَّ الدُّعَاءَ إِذَا وَلَّوْا مُدْبِرِيْنَ

وفی (الانعام: ۹۲): وَلَوْ تَرٰى إِذِ الظّٰلِمُوْنَ فِيْ غَمَرَاتِ الْمَوْتِ وَالْمَلٰئِكَةُ بَاسِطُوْا أَيْدِيْهِمْ أَخْرِجُوْا أَنفُسَكُمُ الْيَوْمَ تُجْزَوْنَ عَذَابَ الْهُوْنِ بِمَا كُنْتُمْ تَقُوْلُوْنَ عَلَى اللهِ غَيْرَ الْحَقِّ وَكُنْتُمْ عَنْ آيَاتِه تَسْتَكْبِرُوْنَ

وفی(المؤمن: ٤٥،٤٦): فَوَقٰهُ اللهُ سَيِّئَاتِ مَا مَكَرُوْا وَحَاقَ بِآلِ فِرْعَوْنَ سُوْءُ الْعَذَابِ النَّارُ يُعْرَضُوْنَ عَلَيْهَا غُدُوًّا وَّعَشِيًّا وَيَوْمَ تَقُوْمُ السَّاعَةُ أَدْخِلُوْا آلَ فِرْعَوْنَ أَشَدَّ الْعَذَابِ

وفی البخاری (۱/۱۷۸) باب الميت يسمع خفق النعال: عن أنس رضي الله عنه، عن النبي صلى الله عليه وسلم قال: " العبد إذا وضع في قبره، وتولي وذهب أصحابه حتى إنه ليسمع قرع نعالهم، أتاه ملكان، فأقعداه، فيقولان له: ما كنت تقول في هذا الرجل محمد صلى الله عليه وسلم؟ فيقول: أشهد أنه عبد الله ورسوله، فيقال: انظر إلى مقعدك من النار أبدلك الله به مقعدا من الجنة. قال النبي صلى الله عليه وسلم: " فيراهما جميعا، وأما الكافر أو المنافق فيقول: لا أدري، كنت أقول ما يقول الناس، فيقال: لا دريت ولا تليت، ثم يضرب بمطرقة من حديد ضربة بين أذنيه، فيصيح صيحة يسمعها من يليه إلا الثقلين "

وفيه أيضاً(۲/۵۶۶): عن أبي طلحة رضی اللہ عنہ، أن نبي الله صلى الله عليه وسلم أمر يوم بدر بأربعة وعشرين رجلا من صناديد قريش، فقذفوا في طوي من أطواء بدر خبيث مخبث، وكان إذا

ظهر على قوم أقام بالعرصة ثلاث ليال، فلما كان ببدر اليوم الثالث أمر براحلته فشد عليها رحلها، ثم مشى واتبعه أصحابه، وقالوا: ما نرى ينطلق إلا لبعض حاجته، حتى قام على شفة الركي، فجعل يناديهم بأسمائهم وأسماء آبائهم: يا فلان بن فلان، ويا فلان بن فلان، أيسركم أنكم أطعتم الله ورسوله، فإنا قد وجدنا ما وعدنا ربنا حقا، فهل وجدتم ما وعد ربكم حقا؟ قال: فقال عمر: يا رسول الله، ما تكلم من أجساد لا أرواح لها؟ فقال رسول الله صلى الله عليه وسلم: والذي نفس محمد بيده، ما أنتم بأسمع لما أقول منهم، قال قتادة: أحياهم الله حتى أسمعهم، قوله توبيخا وتصغيرا ونقيمة وحسرة وندما. (وهكذا في مسلم ٢/٣٨٧)

وفي البخاري (١/٣٥): عن ابن عباس رضي الله عنه قال: مر النبي صلى الله عليه وسلم بقبرين، فقال: إنهما ليعذبان، وما يعذبان في كبير، أما أحدهما فكان لا يستتر من البول، وأما الآخر فكان يمشي بالنميمة ثم أخذ جريدة رطبة، فشقها نصفين، فغرز في كل قبر واحدة، قالوا: يا رسول الله، لم فعلت هذا؟ قال: لعله يخفف عنهما ما لم ييبسا.

وفي المسلم (٢/٣٨٦): زيد بن ثابت رضي الله عنه قال بينما النبي صلى الله عليه وسلم في حائط لبني النجار على بغلة له ونحن معه إذ حادت به فكادت تلقيه وإذا أقبر ستة أو خمسة أو أربعة قال كذا كان يقول الجريري فقال من يعرف أصحاب هذه الأقبر فقال رجل أنا قال فمتى مات هؤلاء قال ماتوا في الإشراك فقال إن هذه الأمة تبتلى في قبورها فلولا أن لا تدافنوا لدعوت الله أن يسمعكم من عذاب القبر الذي أسمع منه ثم أقبل علينا بوجهه فقال تعوذوا بالله من عذاب النار قالوا نعوذ بالله من عذاب النار فقال تعوذوا بالله من عذاب القبر قالوا نعوذ بالله من عذاب القبر قال تعوذوا بالله من الفتن ما ظهر منها وما بطن قالوا نعوذ بالله من الفتن ما ظهر منها وما بطن قال تعوذوا بالله من فتنة الدجال قالوا نعوذ بالله من فتنة الدجال.

وفي فتح الباري (٣/١٨١، ١٨٢): ثانيها حديث ابن عمر رضي الله عنه في قصة أصحاب القليب قليب بدر وفيه قوله صلى الله عليه وسلم ما أنتم بأسمع لما أقول منهم.... ثالثها حديث عائشة رضى الله عنها قالت إنما قال النبي صلى الله عليه وسلم إنهم ليعلمون الآن ما أن كنت أقول لهم حق وهذا مصير من عائشة إلى رد رواية ابن عمر المذكورة وقد خالفها الجمهور في ذلك وقبلوا حديث ابن عمر لموافقة من رواه غيره عليه وأما استدلالها بقوله تعالى: انك لا تسمع الموتى فقالوا معناها لا تسمعهم سماعا ينفعهم أو لا تسمعهم الا أن يشاء الله وقال السهيلي عائشة لم

تحضر قول النبي صلى الله عليه و سلم فغيرها ممن حضر أحفظ للفظ النبي صلى الله عليه و سلم وقد قالوا له يا رسول الله اتخاطب قوما قد جيفوا فقال ما أنتم بأسمع لما أقول منهم قال وإذا جاز أن يكونوا في تلك الحال عالمين جاز أن يكونوا سامعين إما بآذان رؤوسهم كما هو قول الجمهور ۔۔۔۔وقد ثبتت الأحاديث بما ذهب إليه الجمهور كقوله أنه ليسمع خفق نعالهم وقوله تختلف اضلاعه لضمة القبر وقوله يسمع صوته إذا ضربه بالمطراق وقوله يضرب بين أذنيه وقوله فيقعدانه وكل ذلك من صفات الأجساد۔

وفی فیض الباری (۲/۴۲۷): اقول: والاحادیث فی سمع الاموات قد بلغت مبلغ التواتر وفی حدیث صححه ابو عمرو ان احدا اذا سلم علی المیت فانه یرد علیه ویعرفه ان کان یعرفه فی الدنیا (بالمعنی) واخرجه ابن کثیر ایضا وتردد فیه فالانکار فی غیر محله سیما اذا لم یقل عن احد من ائمتنا رحمهم الله تعالیٰ فلا بد بالتزام السماع فی الجملة۔

وفی المرقاة (۱/۱۹۷) باب اثبات عذاب القبر: قال الامام النووی مذهب اهل السنة اثبات عذاب القبر وقد تظاهرت علیه الادلة من الکتاب والسنة الخ۔

وفی فتح القدیر(۱/۳۵۰) (باب الامامة): ولا تجوز الصلاة خلف منکر الشفاعة والرؤیة وعذاب القبر والکرام الکاتبین لانه کافر لتوارث هذا الامور عن الشارع صلی الله علیه وسلم۔

وفی الخلاصة (۱/۱۴۹) کتاب الصلوة: ولا یجوز الصلوة خلف من ینکر شفاعة النبی علیه الصلوة والسلام وینکر کرام الکاتبین وعذاب القبر وکذا من ینکر الرؤیة لانه کافر۔

وفی الشامیة (۱/۵۶۱): قوله (لكونه عن تأويل الخ) علة لقوله لا يكفر بها قال المحقق ابن الهمام في أواخر التحرير وجهل المبتدع كالمعتزلة ما نعي ثبوت الصفات زائدة وعذاب القبر والشفاعة وخروج مرتكب الكبيرة والرؤية لا يصلح عذرا لوضوح الأدلة من الكتاب والسنة الصحيحة لكن لا يكفر إذ تمسكه بالقرآن أو الحديث أو العقل وللنهي عن تكفير أهل القبلة والإجماع على قبول شهادتهم۔

وفی احکام القرآن للشفیع (۳/۱۶۵، ۱۶۶): قال العبد الضعیف: والذی ذکره فی الروح من طوائف اهل العلم، و ذکر ابن عبدالبر ان الاکثرین علی ذلك۔ یعنی سماعهم فی الجملة۔ هو الحق الحقیق بالقبول، والیه یرشد صیغة القرآن وشان النزول، وبه تتوافق الروایات من الصحابة والرسول صلی الله علیه وسلم، وهو مختار مشایخنا دامت برکاتهم ماهبت الدبوْر والقبول۔

رسالة

حفظ المتاع فی انکار بعض المحققین السماع

سماع موتی کے مسئلے میں دورِ صحابہ رضوان اللہ علیہم اجمعین سے موجود اختلاف

نیز بعض محققین فقہاء احناف کا سماع موتی سے انکار اور اس کا جواب، مذہب حنفی کی مدلل وضاحت

(۴۶۱) مسئلہ سماع موتی اور فقہ حنفی

سؤال

کیا فرماتے ہیں علماء کرام و مفتیانِ عظام اس مسئلہ کے بارے میں کہ مسئلہ سماعِ موتی سے متعلق بعض استفسارات ہیں:

۱)۔ فقہ حنفی میں اس بارے میں کیا ہے؟ شامی اور ابن الہمام رحمہما اللہ علیہما نے انکار کیا ہے۔ جبکہ شامی خاتمۃ المحققین اور ابن الہمام محقق علی الاطلاق ہیں ان کا انکار فقہ میں عدم سماع کا رجحان بتاتا ہے تحقیق فرمادیں۔

۲)۔ اکابرین پاک و ہند کا سماع موتی سے متعلق کیا مؤقف تھا۔ اگر اعلام ہند کا مؤقف بھی قیدِ تحریر میں آجائے تو مسئلہ زیادہ منقح ہو جائے گا۔

الجواب بعون الملک الوھاب

موتی کی دو قسمیں ہیں۔ انبیاء اور غیر انبیاء۔

حضرات انبیاء علیہم السلام کا اپنی قبور میں سننا اہل السنۃ والجماعت کے تمام ائمہ میں متفق علیہ مسئلہ ہے۔ باقی رہا عام موتی کے سماع کا مسئلہ کہ اگر ان کی قبروں کے پاس جا کر کچھ کہا جائے تو سنتے ہیں یا نہیں؟ اس مسئلہ میں ایک طرف تو حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا ہیں جو نفی سماع کی قائل ہیں اور علمائے سلف کی ایک جماعت اور بعض صحابہ رضوان اللہ علیہم اجمعین بھی اسی کے قائل ہیں۔

جبکہ دوسری طرف حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما ہیں جو سماع کے ثبوت کے قائل ہیں اور صحابہ رضوان اللہ علیہم اجمعین اور علمائے سلف کی ایک جماعت بھی اسی کی قائل ہے۔ چونکہ سماعِ موتی کی احادیث ناطق، صحیح اور حدِ تواتر کو پہنچی ہوئی ہیں جبکہ اس کے مقابلہ میں حضرت

عائشہ رضی اللہ عنہا کی پیش کردہ آیات مؤول ہیں جس میں اسماع کی نفی ہے نہ کہ سماع کی۔ جیسا کہ حضرات مفسرین نے ثابت کیا ہے۔ اس لئے محقق بات یہی ہے کہ سماعِ موتی ثابت ہے۔

اجل اعلام الحنفیۃ محقق ابن الہمام اور علامہ ابن عابدین شامی رحمہما اللہ نے کتاب الأیمان کے جزئیہ کہ "کسی نے قسم کھائی کہ میں فلاں سے کلام نہیں کروں گا۔ اگر مرنے کے بعد کلام کرلیا تو حانث نہیں ہوگا" پر عدم سماع کا عنوان قائم کیا ہے اور عدم سماع کو حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کے قرآنی نص "انک لا تسمع الموتی" اور "ولا تسمع من فی القبور" کے استدلال سے ثابت کرنے کی کوشش کی ہے۔

حدیثِ قلیب بدر اور حدیث قرع نعال اور حدیث سلام علی القبر وغیرہ میں تاویلات کی ہیں۔ اس جزئیہ کے بارے میں امام العصر علامہ انور شاہ کشمیری رحمۃ اللہ علیہ فیض الباری میں فرماتے ہیں کہ:

محقق ابن الہمام نے اس مسئلہ میں نفی سماع کا عنوان قائم کیا ہے پھر اس پر محقق نے خود ہی سوال کیا ہے کہ جب سنتے نہیں تو سلام علی القبر کا کیا معنیٰ؟ اس کا جواب یہ دیا ہے کہ مُردے اس وقت سن لیتے ہیں یعنی یہ جزئیہ نفی سے مستثنیٰ ہے۔ پھر خود ہی سوال کیا کہ جب سنتے نہیں تو پھر انہ یسمع قرع نعالھم کا کیا مطلب؟

اس کا جواب بھی استثناء کے ساتھ دیا۔ حضرت شاہ صاحب رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ

واما الشیخ ابن الھمام فجعل الاصل ھو النفی وکل موضع ثبت فیہ السماع جعلہ مستثنی ومقتصرا علی المورد قلت اذا ما الفائدۃ فی عنوان النفی وما الفرق بین نفی السماع ثم الاستثناء فی مواضع کثیرۃ وادعاء التخصیص وبین اثبات السماع فی الجملۃ مع الاقرار باننالاندری ضوابط اسماعھم فان الاحیاء اذا لم یسمعوا فی بعض الصور فمن ادعی الطرد فی الاموات ولذا قلت بالسماع فی الجملۃ۔ (فیض الباری ۲/۴۶۷)

اس عبارت کا حاصل یہ ہے کہ محقق ابن الہمام نے عنوان نفی قائم کرکے پھر اس میں سے بعض مواضع کو استثناء کرکے جو بات کہنا چاہی ہے اس کا مآل وہی تو ہے جو ہم کہتے ہیں۔ ہم سماعِ موتی کے طرد کے قائل نہیں کہ ہر مردہ ہر بات کو سنتا ہے اور یہ طرد تو احیاء کے اندر بھی نہیں، مُردوں میں کیا ہوگا۔ ہمیں ضابطہ اسماع کا پتہ نہیں اسی کو سماع فی الجملہ کے ساتھ تعبیر کیا ہے۔

مطلب یہ ہے کہ ہم نے عنوانِ ثبوت قائم کرکے سماع فی الجملہ کا قول اختیار کیا ہے اور آپ نے عنوانِ نفی قائم کرکے بھی بعض جگہ ثبوت سماع کو تسلیم کرلیا ہے۔ بعض جگہ سماع کے قائل آپ بھی ہیں اور ہم بھی۔ مآل واحد ہے پھر عنوانِ نفی سے کیا فرق پڑتا ہے۔

اصل محقق بات سماع فی الجملہ کا ثبوت ہے نہ کہ سماعِ مطرد۔

شیخ الاسلام علامہ شبیر احمد عثمانی رحمۃ اللہ علیہ نے بھی یہی تعبیر اختیار فرمائی ہے۔ چنانچہ فتح الملہم میں فرماتے ہیں کہ

"والذی تحصل لنا من النصوص واللہ اعلم ان سماع الموتی ثابت فی الجملۃ بالاحادیث الکثیرۃ الصحیحۃ۔" (فتح الملہم ۲/۴۷۹)

علاوہ ازیں حضرت شاہ صاحب رحمۃ اللہ علیہ نے ملاعلی قاری رحمۃ اللہ علیہ کے حوالے سے نقل کیا ہے کہ "مردے سے بات کرنا عرف میں کلام نہیں سمجھا جاتا۔ جیسا کہ "الایمان مبنیة علی العرف" سے ظاہر ہے اور یمین میں حنث نہ ہونا اسی وجہ سے ہے۔ علامہ عبدالحیٔ لکھنوی رحمۃ اللہ علیہ نے بھی اس طرح کا مضمون عمدۃ الرعایۃ حاشیہ شرح الوقایۃ میں ذکر کیا ہے۔

مذکورہ بالا عبارات سے یہ بات واضح ہوگئی کہ سماع فی الجملہ کے یہ حضرات بھی قائل ہیں۔ اور ہمارا مدعا بھی سماع فی الجملہ کا ہے اور چونکہ ایمان کا مبنی عرف پر ہے اور کسی بھی قسم کا وہی مفہوم لیا جائے گا جو عرف میں رائج ہو لہٰذا فقہاء حنفیہ کی طرف انکار سماع کی نسبت درست نہیں۔ ابن الہمام رحمۃ اللہ علیہ اور علامہ شامی رحمۃ اللہ علیہ نے بھی فی الجملہ سماع کا اثبات کیا ہے فقط عنوان نفی کا ڈالا ہے اور کلیۃ انکار نہیں کیا۔ یہی مذہب ہے کہ فی الجملہ سماع ثابت ہے باقی طرداً ہر وقت سماع کا تو کوئی بھی قائل نہیں لہٰذا حنفیہ کا مذہب ثبوتِ سماع کا ثابت ہوا یہی علامہ رافعی رحمۃ اللہ علیہ نے شامیہ کے حاشیے میں کہا ہے اور اگر علامہ ابن الہمام رحمۃ اللہ علیہ اور علامہ شامی رحمۃ اللہ علیہ کے انکار کو مطلق بھی مان لیا جائے تو یہ ان دو حضرات کا تفرد ہوگا انہوں نے ایک ایمان کے ایسے مسئلے کو جو عرف پر مبنی تھا اس پر حقیقت کا مدار رکھ لیا اور سماع کا انکار کر دیا لہٰذا یہ ان کا تفرد ہے علامہ رافعی رحمۃ اللہ علیہ نے اس کی بھی وضاحت کی ہے کہ ایمان کا مسئلہ عرفی ہے اور محقق مذہب سماع کا ہے لہٰذا ثابت ہوا کہ کسی بھی فقیہ نے صراحۃً سماع کا انکار نہیں کیا یہی ملاعلی قاری اور مولانا عبدالحیٔ لکھنوی کی عبارات سے واضح ہوتا ہے۔

لمافی مسند الامام احمد بن حنبل (۳۶۴/۵): عن البراء بن عازب ، قال : خرجنا مع النبي صلى الله عليه وسلم ، في جنازة رجل من الأنصار ، فانتهينا إلى القبر... قال : فتعاد روحه في جسده ، فيأتيه ملكان فيجلسانه فيقولان له : من ربك ؟ فيقول : ربي الله ، فيقولان له : ما دينك ؟ فيقول : ديني الإسلام فيقولان له : ما هذا الرجل الذي بعث فيكم ؟ فيقول : هو رسول الله صلى الله عليه وسلم ، فيقولان له : وما علمك ؟ فيقول : قرأت كتاب الله ، فآمنت به وصدقت ، فينادي مناد في السماء أن صدق عبدي فأفرشوه من الجنة ، وألبسوه من الجنة ، وافتحوا له بابا إلى الجنة۔

وفی صحيح البخاری، كتاب الجنائز (۱۸۳/۱): حدثني نافع، أن ابن عمر رضي الله عنهما أخبره، قال: اطلع النبي صلى الله عليه وسلم على أهل القليب، فقال: وجدتم ما وعد ربكم حقا؟ فقيل له: تدعو أمواتا؟ فقال: ما أنتم بأسمع منهم، ولكن لا يجيبون۔

وفی عمدة الرعاية على هامش شرح الوقاية (۲۲۳/۲): قوله (بالحيوة) تفصيله على مافى الهداية وشروحها ...... واما رد عائشة بعض تلك الاحاديث فلم يعتد به جمهور الصحابة ومن بعدهم واما قوله تعالى انك لا تسمع الموتى ففيه نفي الاسماع لاالسماع على ان الصحيح ان المراد بالموتى هناك موتى القلوب وهم الكفار لا الاموات العرفية ...... وبالجملة لم يدل

دليل قوى على نفى نفس سماع الميت وادراكه وفهمه وتامله لا من الكتاب ولا من السنة بل السنن الصحيحة الصريحة دالة على ثبوتها له ...... والحق فى هذا المقام ان هذا كله من تقريرات المشائخ وتوجيهاتهم وتكلفاتهم ولا عبرة بها حين مخالفتها للاحاديث الصحيحة وآثار الصحابة الصريحة واما ائمتنا فهم بريئون عن انكار هذه الامور وانما حكموا فى الحلف بالضرب والكلام والدخول عليه ونحوها بعدم الحنث عند وجود هذه الاشياء بالميت لكون الايمان مبنية على العرف ...... الخ۔

وفى العرف الشذى على جامع الترمذى، كتاب الجنائز (۲۰۲/۱): واشتهر على السنة الناس ان الموتى ليس لهم سماع عند ابى حنيفة رحمه الله تعالىٰ ...... وصنف ملا على قارى رسالة وذكر فيها ان المشهور ليس له اصل من الائمة اصلا بل اخذ هذا من مسئلة فى باب الايمان انه اذا حلف انه لا يتكلم فلانا۔

(۴۶۲) قبرستان میں سلام کے جواب کی کیفیت

سؤال

کیافرماتے ہیں علماءکرام مسئلہ ذیل کے بارے میں کہ انسان کے انتقال کے بعد اسکی روح جنت یا جہنم میں پہنچ جاتی ہے تو پھر قبرستان میں سلام کا جواب کس سے ملتاہے؟ آج کل یہ مسئلہ ہماری مسجد میں زیر بحث ہےاور ہر آدمی اپنی سوچ کے مطابق اس پر رائے زنی کرتاہے۔برائے مہربانی آپ صحیح جواب سے مطلع فرمائیں جوشریعت کے مطابق ہو۔

الجواب بعون الملک الوھاب

میت کی روح کاتعلق اس کے جسم سے پایا جاتا ہےاگرچہ کسی درجے میں ہولہٰذا مردہ سلام کا جواب دیتاہےاگرچہ ہم اس کو سن نہیں سکتے۔

لمافی مرقاة المفاتيح (۱۱۶/۴): وعنها قالت كيف اقول يارسول الله تعني فى زيارة القبور قال قولى السلام على اهل الديار من المؤمنين والمسلمين ويرحم المستقدمين منا والمتاخرين وانا ان شاء الله بكم لاحقون ۔عن ابي هريرة قال قال ابو رزين يارسول الله ﷺ ان طريقي على الموتى فهل من كلام اتكلم به اذا مررت عليهم قال قل السلام عليكم...... قال ابورزين يسمعون قال يسمعون ولكن لايستطيعون ان يجيبوا قال يا ابارزين الاترضى ان يرد عليك بعددهم من الملائكة اهـ (وقوله لا يستطيعون ان يجيبوا) اى جوابا يسمعه الحى والا فهم يردون حيث لانسمع ...... عن ابن عباس رضى الله عنهما قال قال رسول الله ﷺ مامن احد يمر بقبر اخيه المومن كان يعرفه فى الدنيا فيسلم عليه الا عرفه ورد عليه السلام۔

وفى الروح لابن قيم (ص۷): قال ابن عبد البر ثبت عن النبى ﷺ انه قال مامن مسلم يمر على قبراخيه كان يعرفه فى الدنيا فيسلم عليه الا رد الله عليه روحه حتى يرد عليه السلام فهذا نص انه يعرفه بعينه ويرد عليه السلام۔

(۴۶۳) کیا ارواح جمعہ کی شب اہل وعیال میں آتی ہیں

سؤال

کیا فرماتے ہیں علماء کرام ومفتیان عظام اس مسئلہ کے بارے میں کہ کیا ارواح مؤمنین جمعہ کی شب اپنے اہل وعیال میں آتی ہیں؟ ہمارے یہاں مشہور ہے کہ جمعہ کی شب ارواح اپنے اہل وعیال میں آتی ہیں، کیا یہ بات صحیح ہے؟ تسلی بخش جواب عنایت فرمائیں۔

الجواب بعون الملک الوھاب

روحوں کا جمعہ کی شب اہل وعیال میں آنا نصوص سے ثابت نہیں ہے بلکہ ارواح اپنے مستقر میں رہتی ہیں اور وہاں سے دنیا میں نہیں آسکتیں۔

لمافی روح البیان (۸/۱۱۵): عن سعید بن جبیران ارواح الاحیاء وارواح الاموات تلتقی فی المنام فیتعارف منها ماشاء الله ان یتعارف فیمسك التی قضی علیها الموت ویرسل الاخری الی اجسادها الی انقضاء مدة حیاتها۔

وفی الروح (ص۲۳): عن السدی فی قوله تعالی والتی لم تمت فی منامها قال:یتوفاها فی منامها فیلتقی روح الحی وروح المیت فیتذاکران ویتعارفان قال فترجع روح الحی الی جسده فی الدنیا الی بقیة اجلها وترید روح المیت ان ترجع الی جسده فتحبس۔

(۴۶۴) سابقہ مرحومین کی روحوں کا نئے مرحوم کی روح کے ساتھ ملاقات

سؤال

کیا فرماتے ہیں علماء کرام ومفتیان عظام اس مسئلہ کے بارے میں کہ مرحومین کے بعد جانے والی روحیں مرحومین سے ملکر دنیا کے حالات پوچھتی ہیں؟ اسی طرح ان سے اپنے بیوی، بچے، اپنا چھوڑا ہوا مال ومتاع ان سب کے بارے میں پوچھتی ہیں؟

۲۔ ایک دفعہ حساب کے بعد ہمیشہ کیلئے جنت یا دوزخ میں رہنا ہوتا ہے یا ایصال ثواب کی وجہ سے جنت منتقلی ہوجاتی ہے؟

۳۔ مرحومین کیلئے اللہ تعالی کے رحم وکرم کے اور کیا کیا اسباب ہیں؟ نیز ایصال ثواب جو ہم مردوں کیلئے کرتے ہیں کیا اس کا ہمیں کوئی ثواب ملتا ہے؟

الجواب بعون الملك الوهاب

مرحومین کی روحیں دوسری بعد میں آنے والی روحوں سے ملکر دنیا کے حالات پوچھتی ہیں۔

۲۔حساب کتاب کے بعد جو کافر یا مشرک جہنم میں جائیں گے وہ تو ہمیشہ جہنم میں رہیں گے، اسی طرح جو مسلمان جنت میں جائیں گے وہ بھی ہمیشہ جنت میں رہیں گے البتہ جو مسلمان اپنی بداعمالیوں کی بناء پر جہنم میں ڈالیں جائیں گے وہ بعد میں جنت میں داخل کیے جائیں گے، چاہے بداعمالیوں کی سزا بھگتنے کے بعد ہو یا کسی کے ایصال ثواب کی بناء پر اللہ تعالی اپنا فضل وکرم فرمادیں۔

۳۔مرحومین کیلئے اللہ تعالی کے رحم وکرم کے اسباب فرائض وواجبات کے علاوہ بدنی ومالی عبادات کا ایصال ثواب (جیسے نفلی روزہ صدقہ قرآن مجید کی تلاوت وغیرہ) ہے اسی طرح اولاد صالح جو اس کیلئے دعا کرے یا مرحوم نے اس کے علاوہ کوئی ایسا نیک کام کیا جو بعد میں بھی جاری رہے کہ جب تک اس پر عمل رہے گا مرحوم کے درجات میں اضافے کا سبب بنا رہے گا۔

ایصال ثواب کرنے والے کو اس عمل کا جو اس نے کیا ہے پورا پورا ثواب ملے گا بلکہ وہ جس قدر زیادہ افراد کو ایصال ثواب کرے گا اس اکیلے کو اتنا ثواب ملے گا جتنا کہ ان سب کو ملا۔

لما فی قوله تعالى(البينه:٦ الى ٨):إِنَّ الَّذِيْنَ كَفَرُوْا مِنْ أَهْلِ الْكِتَابِ وَالْمُشْرِكِيْنَ فِيْ نَارِ جَهَنَّمَ خٰلِدِيْنَ فِيْهَا أُولٰئِكَ هُمْ شَرُّ الْبَرِيَّةِ (٦) إِنَّ الَّذِيْنَ آمَنُوْا وَعَمِلُوا الصّٰلِحٰتِ أُولٰئِكَ هُمْ خَيْرُ الْبَرِيَّةِ (٧) جَزَاؤُهُمْ عِنْدَ رَبِّهِمْ جَنّٰتُ عَدْنٍ تَجْرِيْ مِنْ تَحْتِهَا الْأَنْهٰرُ خٰلِدِيْنَ فِيْهَا أَبَدًا رَضِيَ اللّٰهُ عَنْهُمْ وَرَضُوْا عَنْهُ ذٰلِكَ لِمَنْ خَشِيَ رَبَّهُ (٨)

وفی كنزالعمال (١٥/٦٨٣): ان نفس المؤمن اذا قبضت تلقاها من اہل الرحمة من عباد الله كما يلقون البشير من اهل الدنيا فيقولون انظروا صاحبكم ليستريح فانه قد كان فی كرب شديد ثم يسألون ما ذا فعل فلان؟ ومافعلت فلانة ؟هل تزوجت؟فاذاسألوه عن الرجل قد مات قبله فيقول أيهات . . .

وفيه ايضاً (١٥/٩٥٢): اربعة تجرى عليهم اجورهم بعد الموت من مات مرابطا فی سبيل الله ومن علم علما أجری عليه علمه ما عمل به ومن تصدق بصدقة فآجرها يجری له ماوجدت ورجل ترك ولدا صالحاًفهو يدعوله۔

وفيه ايضاً (١٥/٩٥٣): اربع من عمل الاحياء . . .مثل اجر من عمل به من غير ان ينقص من اجر من عمل به شئ۔

وفی رد المحتار (٢/٢٤٣): صرح علمائنا فی باب الحج عن الغير بان للانسان ان يجعل ثواب

عمله لغيره صلاة او صوماً او صدقة او غيرها كذا في الهداية بل في زكاة التاتارخانية عن المحيط الافضل لمن يتصدق نفلا ان ينوى لجميع المؤمنين والمؤمنات لانها تصل اليهم ولاينقص من اجره شئ هو مذهب اهل السنة والجماعة۔

(۴۶۵) ارواح کے اہل وعیال میں آنے کا عقیدہ رکھنا

سؤال

کیافرماتے ہیں علماء کرام ومفتیان عظام اس مسئلہ کے بارے میں کہ کیاارواح مؤمنین ہر جمعہ کی شب اپنے اہل وعیال میں آتی ہیں؟اس طرح کاعقیدہ رکھنا کیساہے؟مفصل جواب عنایت فرمائیں۔

الجواب بعون الملک الوھاب

ارواح مؤمنین کا جمعہ کی شب اہل وعیال میں آنا کہیں سے ثابت نہیں لہٰذا اس طرح کاعقیدہ رکھنا درست نہیں بلکہ فقہاء نے ایسے شخص کے بارے میں کفر کی صراحت کی ہے جس کا یہ عقیدہ ہو کہ ارواح مؤمنین حاضر ہوتی ہیں اور زندوں کی مصروفیات سے باخبر ہیں لہٰذا اس سے اجتناب کی ضرورت ہے۔

لمافي البحر الرائق (۵/۱۲۴): من قال ان ارواح المشائخ حاضرة تعلم يكفر۔

وفي البزازية على هامش الهندية (۶/۳۶۲): قال علماء نا من قال ارواح المشائخ حاضرة تعلم يكفر

(۴۶۶) مرحومین کو زندہ لوگوں کے اعمال کی وجہ سے افسوس ہوتا ہے

سؤال

کیافرماتے ہیں علماء کرام ومفتیان عظام اس مسئلہ کے بارے میں کہ جس طرح ہمیں مرحومین کے جدا ہوجانے کاافسوس ہوتا ہے کیاانہیں بھی ایسے ہی افسوس ہوتا ہے؟ ہم افسوس کے بعدان کے لئے ایصال ثواب کرتے ہیں،کیاوہ بھی ہمارے صبر کیلئے کچھ کرتے ہیں؟مرحومین کے نہ ہونے پرہم ان کی خدمت سے محروم ہوکر تکلیف اٹھاتے ہیں کیامرحومین کواس کاغم وافسوس ہوتا ہے؟

الجواب بعون الملک الوھاب

مرحومین کی روحوں کوزندہ لوگوں کے اعمال کی وجہ سے افسوس ہوتا ہے،یعنی اگرزندہ رشتہ داروں کے اعمال اچھے ہوں تو وہ خوشی سے اللہ تعالیٰ کی حمد وثناء کرتے ہیں اور اگر زندوں کے اعمال اچھے نہ ہوں تو اس پر غمزدہ ہوتے ہیں،اور مردوں کے اعمال کاسلسلہ چونکہ

منقطع ہوجاتا ہے لہذا ایصال ثواب کے بدلے مرحومین کی طرف سے کچھ نہیں ملتا البتہ اللہ تعالی کی طرف سے ایصال ثواب کرنے والوں کو اجر ملتا ہے۔

لما في كنز العمال (۱۵/۶۸۴): ان نفس المؤمن اذا قبضت تلقاها من اهل الرحمة من عباد الله كما يلقون البشير ...وان اعمالكم تعرض على اقاربكم وعشائركم من اهل الآخرة فان كان خيرا فرحوا واستبشروا وقالوا اللهم هذا فضلك ورحمتك فاتم نعمتك وامته عليها ويعرض عليهم عمل المسئ فيقولون اللهم الهمه عملا صالحا وترضى به عنه وتقربه اليك۔

وفيه ايضاً (۱۵/ ۹۵۳): اربعة من عمل الأحياء ...مثل اجر من عمل به غير ان ينقص من اجر من عمل به شئ۔

(۴۶۷) قرآن مجید پڑھنے سے عذاب میں تخفیف

سؤال

کیا فرماتے ہیں علماء کرام ومفتیان عظام اس مسئلہ کے بارے میں کہ اگر قرآن پاک پڑھ کر اس کا ثواب مردے کو بخشا جائے تو اس کے عذاب میں تخفیف ہوتی ہے یا نہیں؟

الجواب بعون الملك الوهاب

قرآن مجید پڑھ کر مردے کو ثواب بخشا جائے تو اگر اس مردے کو عذاب ہو رہا ہو تو اس کے عذاب میں تخفیف ہوتی ہے۔

لما في الطحطاوي على مراقي الفلاح (ص۵۱۳): ويستحب للزائر قرأة سورة يٰس لما ورد عن انس ﷺ انه قال قال رسول الله ﷺ من دخل المقابر فقرأ سورة يٰس يعني واهدى ثوابها للاموات خفف الله عنهم يومئذ العذاب۔ وهكذا نقل في ردالمحتار (۲/۲۴۳)

(۴۶۸) زندہ اور مردہ دونوں کے لئے ایصال ثواب

سؤال

کیا فرماتے ہیں علماء کرام ومفتیان عظام اس مسئلہ کے بارے میں کہ کیا زندوں کو ایصال ثواب کیا جا سکتا ہے یا صرف مُردوں

کو ایصال ثواب کیا جائے گا؟

الجواب بعون الملک الوھاب

مُردوں کی طرح زندوں کو بھی ایصال ثواب کیا جاسکتا ہے۔

لمافی الهندية (۱/۲۵۷): الاصل فی هذا الباب ان الانسان له ان يجعل ثواب عمله لغيره صلاة كان اوصوما اوصدقة اوغيرها كالحج وقرأة القرآن والاذكار۔

وفيه ايضا (۲/ ۲۴۳) : وفی البحر من صام اوصلی اوتصدق وجعل ثوابه لغيره من الاموات والاحياء جاز ۔ويصل ثوابها اليهم عند اهل السنة والجماعة كذافی البدائع،ثم قال :وبهذا علم انه لافرق بين ان يكون المجعول له ميتا اوحيا۔

فصل فی کیفیة الحشر واحواله

(میدان حشر اور اس کے احوال کے بارے میں)

(۴۶۹) دائمی عذاب عادت کی وجہ سے ہلکا ہوگا؟

سؤال

کیا فرماتے ہیں علماء کرام مسئلہ ذیل کے بارے میں کہ ایک آدمی کہتا ہے ایک نہ ایک دن کافر بھی جہنم سے نکال دیے جائیں گے اور خالدین فیہا ابدا کی آیات کے بارے میں کہتا ہے کہ اس سے مراد مکث طویل (طویل مدت تک رہنا) ہے اور کہتا ہے کہ جب دوا مسلسل استعمال کی جاتی ہے تو عادت بن جاتی ہے، اسی طرح عذاب بھی عادت بن جائے گا لہٰذا جہنم میں رکھنے کا فائدہ؟ ایسے قول والے شخص کا کیا حکم ہے؟

الجواب بعون الملک الوھاب

کلام مقدس اور احادیث مبارکہ میں بالکل صراحۃً یہ مضمون کئی جگہوں پر موجود ہے کہ مؤمنین جنت اور کفار جہنم میں ہمیشہ کے لئے رہیں گے اور انہیں اس سے نہیں نکالا جائے گا۔ اب رہا یہ معاملہ کہ جب ہمیشہ جہنم میں رہیں گے تو عذاب کے عادی ہو جائیں گے؟ تو اس کا جواب یہ ہے کہ عذاب کی عادت اس وقت ہوتی جب عذاب ہمیشہ اسی جلد پر ہوتا جبکہ جب عذاب کی وجہ سے ان کی کھالیں جل جائیں گی تو فوراً دوسری کھال چڑھ جائے گی تاکہ عذاب کا تازہ بہ تازہ مزہ چکھیں۔ اور مذکورہ آدمی اگرچہ تاویل کر رہا ہے لیکن اس تاویل میں وہ حق کے راستے سے ہٹ گیا ہے لہٰذا اس کو توبہ لازم ہے۔

قال الله تبارک وتعالى (الجاثيه:۳۵): فَالْيَوْمَ لَا يُخْرَجُوْنَ مِنْهَا وَلَا هُمْ يُسْتَعْتَبُوْنَ

(الزخرف:۷٤، ۷۵): إِنَّ الْمُجْرِمِيْنَ فِيْ عَذَابِ جَهَنَّمَ خٰلِدُونَ لَا يُفَتَّرُ عَنْهُمْ وَهُمْ فِيْهِ مُبْلِسُوْنَ

(البقره :۱٦۷): كَذٰلِكَ يُرِيْهِمُ اللهُ أَعْمَالَهُمْ حَسَرَاتٍ عَلَيْهِمْ وَمَا هُمْ بِخٰرِجِيْنَ مِنَ النَّارِ

(الاعراف:٤٠): إِنَّ الَّذِيْنَ كَذَّبُوْا بِآيَاتِنَا وَاسْتَكْبَرُوْا عَنْهَا لَا تُفَتَّحُ لَهُمْ أَبْوَابُ السَّمَاءِ وَلَا

يَدْخُلُوْنَ الْجَنَّةَ حَتّٰى يَلِجَ الْجَمَلُ فِيْ سَمِّ الْخِيَاطِ وَكَذٰلِكَ نَجْزِي الْمُجْرِمِيْنَ

(النساء:٥٦):إِنَّ الَّذِيْنَ كَفَرُوْا بِآيَاتِنَا سَوْفَ نُصْلِيهِمْ نَارًا كُلَّمَا نَضِجَتْ جُلُوْدُهُمْ بَدَّلْنَاهُمْ جُلُوْدًا غَيْرَهَا لِيَذُوْقُوا الْعَذَابَ إِنَّ اللّٰهَ كَانَ عَزِيْزًا حَكِيْمًا

وفی الصحیح لمسلم (۳۸۲/۲): عن ابي سعيد الخدری رضی اللہ عنہ قال قال رسول الله صلی اللہ علیہ وسلم يجاء بالموت يوم القيمة كانه كبش املح...... ثم يقال يا اهل الجنة خلود فلا موت ويا اهل النار خلود فلاموت۔

(۴۷۰) روز قیامت جانوروں سے بھی حساب لیا جائے گا

سؤال

کیا فرماتے ہیں علماء کرام ومفتیان عظام اس مسئلہ کے بارے میں کہ کیا قیامت کے دن جانوروں کو زندہ کیا جائے گا؟ نیز جو واقعہ مشہور ہے کہ قیامت کے دن بے سینگ جانور کو سینگ دے کر بدلہ دلوایا جائے گا اس کی حقیقت کیا ہے؟

الجواب بعون الملک الوھاب

انسانوں کی طرح جانوروں کو بھی زندہ کیا جائے گا اور بے سینگ جانور کو سینگ دیکر بدلہ دلوایا جائے گا۔لیکن ان کا یہ حساب انسانوں کے حساب کی طرح بطور تکلیف (بطور مکلف ہونے کے) نہیں ہوگا۔بہر حال جانوروں کے حساب کے بجائے اپنے حساب کی فکر ہونی چاہیئے اور مابعد الموت کی خوب تیاری کرنی چاہیئے۔

لمافی الجامع للترمذی (۶۷/۲): عن ابي هريرة رضی اللہ عنہ ان رسول الله صلی اللہ علیہ وسلم قال لتؤدن الحقوق الى اهلها يوم القيامة حتى يقاد للشاة الجلجاء من الشاة القرناء۔

(۴۷۱) دوسرے شخص کو دیا ہوا گردہ معذب ہوگا یا نہیں؟

سؤال

کیا فرماتے ہیں علماء کرام ومفتیان عظام اس مسئلہ کے بارے میں کہ ایک آدمی کو گردے کی اشد ضرورت تھی۔چنانچہ ایک صحت مند شخص نے اسے خون اور گردہ دیا، چند دنوں کے بعد اس مریض کا انتقال ہوگیا۔اب سوال یہ ہے کہ اگر خدانخواستہ اس شخص کو عذاب ہو تو دوسرے شخص کا دیا ہوا جو گردہ اور خون ہے اسے بھی عذاب ہوگا یا نہیں؟ ازراہ کرم تفصیلی جواب عنایت فرمائیں۔

الجواب بعون الملك الوهاب

اگر عذاب سے مراد برزخی عذاب ہے توروایات سے یہی معلوم ہوتا ہے کہ برزخ میں عذاب اسی ''جسم عنصری'' کو ہوتا ہے۔اس طور پر کہ بدن انسانی کے ساتھ روح کا تعلق اس قدر پایا جاتا ہے کہ بدن انسانی تنعیم کی لذت اورتعذیب کے الم کو محسوس کر سکے۔

اب یہاں مذکورہ اعتراض اس لئے مندفع ہے کہ اس بات کا قوی احتمال ہے کہ اللہ تعالی اس خون اور گردے کوعذاب سے محفوظ رکھیں اور اس طرح محفوظ رکھنا کوئی امر محال نہیں ہے کیونکہ یہ ایسا ہی ہے جیسا کسی درندے نے انسان کولقمہ بنالیا، اب العیاذ باللہ اسے برزخ میں عذاب ہوتو اس عذاب کے اثرات درندے پر نہیں ہوتے حالانکہ معذَّب اس کے پیٹ میں موجود ہوتا ہے لہٰذا یہاں بھی ایسا ہوسکتا ہے کہ خون وگردہ باوجود اس کے کہ معذب کے بدن میں ہوں لیکن انہیں عذاب نہ ہو۔

اگر مراد یہ ہے کہ قیامت میں اس کوعذاب ہوگا یانہیں؟ تو قیامت میں بھی یہی اجسام ہوں گے جو دنیا میں ہیں بایں طور کہ وہ ذات عالم الغیب ہر انسان کے اجزاء اصلیہ کو جمع کرے گی اگر چہ وہ اجزاء ہماری ظاہری اور سطحی نظر سے معلوم نہ ہو سکتے ہوں۔اب اس طرح کے اجتماع (جمع کرنے) سے مذکورہ سوال ختم ہوجاتا ہے کہ کیونکہ جب ہر ایک کے اجزاء اصلیہ کو جمع کیا جائے گا تو یہ خون اور گردہ اپنے مالک کے اجزاء میں شامل ہوں گے نہ کہ جسے عاریۃً دیئے گئے لہٰذا اس صورت میں تعذیب اور غیر تعذیب کی بحث ختم ہی ہوجاتی ہے۔

اب رہی یہ بات کہ اجزاء اصلیہ سے کیا مراد ہے؟ تو ان اجزاء کی تعیین میں مختلف تعبیریں اختیار کی گئیں ہیں۔البتہ سب سے راجح تعبیر یہ ہے کہ ہم دیکھتے ہیں کہ انسان فربہ ہو یا کمزور ہر دوصورت میں اس پر انسان کا اطلاق کیا جاتا ہے۔تو ہر دوصورت میں اس پر انسانیت کا اطلاق اس بات پر دال ہے کہ اس میں وہ اجزاء موجود ہیں جنہیں انسان کہا جاتا ہے بس یہی انسان کے اجزاء اصلیہ ہیں۔ اگر چہ یہ اجزاء کی حقیقی تعریف نہیں لیکن مراد یہی اجزاء ہیں۔

اس پر زیادہ سے زیادہ یہ اعتراض وارد ہوتا ہے کہ اجزاء کی یہ تعبیر بعض روایات کے خلاف معلوم ہوتی ہے کیونکہ بعض روایات میں ہے کہ قیامت میں متکبرین کو اس حالت میں اٹھایا جائے گا کہ وہ چیونٹیوں کی طرح ہوں گے۔اس صورت میں اجزاء اصلیہ ہی سرے سے معدوم ہیں، اسی طرح اہل جنت کی صفات میں یہ ہے کہ ان کا قد حضرت آدم علیہ الصلوٰۃ والسلام کے قد کی طرح ہوگا۔اور اہل جہنم کی صفات میں یہ بیان کیا گیا کہ ان کا جسم اس قدر بڑا ہوگا کہ ان کی داڑھ احد پہاڑ کے برابر ہوگی (العیاذ باللہ) وغیرہ وغیرہ حالانکہ یہ جسم کے اجزاء اصلیہ سے کہیں بڑے ہیں لہٰذا یہ کہنا کہ انسان کو اس کے اجزاء اصلیہ کے ساتھ دوبارہ پیدا کیا جائے گا بظاہر صحیح معلوم نہیں ہوتا۔

اس کا جواب یہ ہے کہ یہ بات اپنی جگہ مسلم ہے کہ انسان کو اس کے اجزاء اصلیہ کے ساتھ پیدا کیا جائے گا البتہ متکبرین کو چیونٹیوں کی مثل پیدا کرنا ان کی تحقیر کے لئے ہوگا اور اہل جنت کے جسم میں زیادتی سے زیادہ سے زیادہ یہ لازم آتا ہے کہ بعض اجزاء پر

بلا عمل رب تعالیٰ کی رحمتوں کا نزول ہو رہا ہے۔ یہ تو رب تعالیٰ کے مظاہر رحمت میں سے ایک مظہر ہے نہ کہ کسی طرح کے اعتراض کا موقع۔

البتہ اگر اعتراض ہو سکتا ہے تو وہ یہ ہے کہ جہنم میں اجزاء اصلیہ سے زائد جسم کو عذاب ہوگا تو اس سوال کے مختلف جوابات دیئے گئے ہیں جن میں سے دو جواب زیادہ راجح معلوم ہوتے ہیں:

اول: اصل جسم انسانی کی ترکیب تو اجزاء اصلیہ سے ہی ہوگی البتہ تعذیب کی بناء پر جسم پھول کر اس قدر بڑا ہو جائے گا (العیاذ باللہ)۔

دوم: اصل عذاب تو اجزاء اصلیہ کو ہی ہوگا البتہ یہ زائد جسم صرف جہنمی کی صورت کو مزید قبیح کرنے اور روح اور جسم کو مزید تکلیف پہنچانے کے لئے ہوگا۔

لما فی المشکوٰة (ص۲۵): عن ابی هريرة قال قال رسول الله ﷺ اذا اقبر الميت اتاه ملكان اسودان ازرقان يقال لاحدهما المنكر والآخر النكير فيقولان ماكنت تقول فى هذا الرجل ...... وان كان منافقا قال سمعت الناس يقولون قولا فقلت مثله لاادرى فيقولون قد كنا نعلم انك تقول ذلك فيقال للارض التئمى عليه فتلتئم عليه فتختلف اضلاعه فلايزال فيها معذبا حتى يبعثه الله من مضجعه ذلك۔

وفيه ايضاً (ص۴۸۸): عن ابی هريرة رواية وذكر الحديث وفى آخره قال وليس من الانسان شئ لايبلى الاعظما واحدا وهو عجب الذنب ومنه يركب الخلق يوم القيامة متفق عليه وفى رواية لمسلم كل بنى آدم يأكله التراب الاعجب الذنب منه خلق وفيه يركب۔

وفى المرقاة (۱/ ۳۰۳): (اذا أقبر الميت) اى دفن وهو قيد غالبى والا يشمل الاموات جميعها حتى ان من مات واكلته السباع فان الله تبارك وتعالى يعلق روحه الذى فارقه بجزئه الاصلى الباقى من اول عمره الى آخره المستمر على حاله حالتى النمو والذبول الذى تتعلق به الروح اولا فيحيى ويحيى بحياته سائر اجزاء البدن۔

وفيه ايضاً (۱۰/۲۴۲): تحت الرواية الثانية ...(يوم القيامة) اى كماخلق اولا فى الايجاد كذلك خلق ثانيا فى الاعادة اوابقى حتى يركب عليه الخلق ثانيا قال كمابدأنا اول خلق نعيده وقال سبحانه كمابدأكم تعودون۔

وفى شرح العقائد (ص۱۲۴): يجوز ان يخلق الله تعالى فى جميع الاعضاء اوفى بعضها نوعا من الحيوة قدر ما يدرك الم العذاب اولذة التنعيم وهذا لايستلزم اعادة الروح الى بدنه ولا ان يترك اويرى اثر العذاب عليه حتى ان الغريق فى الماء والماكول فى بطون الحيوانات والمصلوب فى

الهواء يعذب وان لم نطلع عليه ومن تأمل فی عجائب ملكه وملكوته ...... لم يستبعد مثال ذلك فضلا عن الاستحالة۔

وفی النبراس (ص۳۲۳ الی ۳۲۹): والبعث هو ان يبعث الله الموتی من القبور بان يجمع اجزاء هم الاصلية ويعيدالارواح اليها ......وانكر الفلاسفة ...فان قيل هذا قول بالتناسخ لان البدن الثانی ليس هو الاول لماورد فی الحديث من اهل الجنة جرد مرد وان الجهنمی ضرسه مثل احد ...... قلنا انما يلزم التناسخ لولم يكن البدن الثانی مخلوقا من الاجزاء الاصلية للبدن الاول واما اذا كان مخلوقا من اجزائه لم يكن فرق بين البدن الافی الهيئة والتركيب وليس هذا تناسخا ......وفی هذا المقام ابحاث مهمة الاول ذكر المتكلمون ان البعث هو جميع اجزاء الاصلية وفی الحديث يحشر المتكبرون امثال الذرية يوم القيامة رواه الترمذی والذر النخلة الصغيرة وهی اقل من الاجزاء الاصلية وفی الحديث اهل الجنة علی صورة آدم ستين ذراعا كمافی صحيح البخاری وقد صح عظم جسد الكافر عظيما فاحشا حتی جاء فی الحديث يعظم اهل النار فی النار حتی ان مابين شحمة اذن احدهم الی عاتقه مسيرة سبعمائة عام كما فی المشكوة وهذا اكثر من اجزاء الاصلية اضعافا مضاعفة امامن المتكبرين فانهم يبعثون ببعض اجزاء هم تحقيرا لهم واماعن اهل الجنة فانه ضم اليهم اجزاء جديدة ولااشكال فی تنعيمها بلاعمل فان فضل الله سبحانه وسيع واماعن اهل النار فقد استشكلوا ضم الاجزاء الجديدة لانه يلزم تعذيبها بلاذنب ولهم فی التخلص عنه وجوه:احدها ان عظمهم انماهو بانتفاخ الاجزاء الاصلية۔ ثانيها ان العذاب ليس للجسد بل للروح المتعلق به فلا يلزم تعذيب غيرالعاصی واقول هذافی غاية الجودة لكنه يخالف ماعليه المشائخ من ان لكل من الروح والجسد حظا من العذاب ......ثالثها انه لايقبح من اللهسبحانه شئ وفيه نظر لانا ندعی ان تعذيب غيرالعاصی محال بل نقول منفی سمعا...رابعها ان الاجزاء الزائدة محفوظة عن العذاب انمازيدت تقبيحا للصورة وايلاما للروح والاجزاء الاصلية۔

وفی ''الروح''لابن قيم (ص۵۴):ان مذهب سلف الامة وائمتها ان الميت يكون فی نعيم اوعذاب وان ذلك يحصل لروحه وبدنه وان الروح تبقی بعدمفارقة البدن منعمة اومعذبة وانما تتصل بالبدن احيانا ويحصل له معها النعيم والعذاب ثم اذا كان يوم القيامة الكبری اعيدت الارواح الی الاجساد وقاموا من قبورهم لرب العلمين ومعادن الابدان

متفق عليه بين المسلمين واليهود والنصارى۔

(۴۷۲) معاد جسمانی کی حقیقت

سؤال

کیا فرماتے ہیں علماء کرام ومفتیان عظام اس مسئلہ کے بارے میں کہ معاد جسمانی کی حقیقت کیا ہے؟ مدلل جواب عنایت فرمائیں۔

الجواب بعون الملك الوهاب

بعث بعد الموت میں اللہ تعالیٰ انسان کو اپنی اصلی صورت اور جسم کے ساتھ اٹھائیں گے جس طرح پہلے انسانوں کو پیدا کیا۔

لمافی قوله تعالى (الروم : ۲۷): وَهُوَ الَّذِيْ يَبْدَأُ الْخَلْقَ ثُمَّ يُعِيْدُهُ وَهُوَ أَهْوَنُ عَلَيْهِ ط

(الانبياء:۱۰٤):يَوْمَ نَطْوِي السَّمَاءَ كَطَيِّ السِّجِلِّ لِلْكُتُبِ كَمَا بَدَأْنَا أَوَّلَ خَلْقٍ نُعِيْدُهُ وَعْدًا عَلَيْنَا إِنَّا كُنَّا فٰعِلِيْنَ

(يٰسٓ: ۷۹): قُلْ يُحْيِيْهَا الَّذِيْ أَنْشَأَهَا أَوَّلَ مَرَّةٍ وَهُوَ بِكُلِّ خَلْقٍ عَلِيْم ٥ لا

(القيٰمه :۳،٤):أَيَحْسَبُ الْإِنْسَانُ أَلَّنْ نَجْمَعَ عِظَامَهُ (3) بَلٰى قٰدِرِيْنَ عَلٰى أَنْ نُسَوِّيَ بَنَانَهُ

وفی البخاری (۲/٦٦٥): عن ابن عباس رضي الله عنه قال خطب رسول الله صلى الله عليه وسلم فقال یاآیها الناس انکم محشورون الى الله حفاة عراة غرلا ثم قال کمابدأنا اول خلق نعیده وعدا علینا انا کنافاعلین۔

وفی شرح العقائد (ص۱۷۵): والبعث وهو ان يبعث الله تعالى الموتى من القبور بان يجمع اجزاءهم الاصلية ويعيد الارواح اليها حق۔

(۴۷۳) چھوٹے بچوں کی حشر میں کیفیت

سؤال

کیا فرماتے ہیں علماء کرام ومفتیان عظام اس مسئلہ کے بارے میں کہ قیامت کے دن جب لوگوں کا حشر ہوگا تو کیا چھوٹے بچے اسی حالت میں اٹھائے جائیں گے جس میں ان کا انتقال ہوا تھا یا کوئی اور صورت ہوگی؟ بعض بچے پیدا ہوتے ہی انتقال کر جاتے ہیں، اس وقت ان میں بات کرنے کی بھی استعداد نہیں ہوتی، پھر ان کا معاملہ کیسا ہوگا؟

الجواب بعون الملک الوھاب

اللہ تعالیٰ اس بات پر قادر ہیں کہ بچوں کو زبان عطا کردیں کیونکہ صرف زبان میں یہ طاقت نہیں کہ وہ بول سکے بلکہ وہ تو محض ایک گوشت کا ٹکڑا ہے۔ اللہ تعالیٰ کی توفیق سے اس میں گویائی پیدا ہوتی ہے۔ اسی طرح قیامت کے دن ہاتھ اور پاؤں بھی بولیں گے تو پھر کیا بعید ہے کہ اللہ تعالیٰ چھوٹے بچوں کو گویائی عنایت فرمادیں۔

لقولہ تعالیٰ (یٰسٓ:٦٥): اَلْيَوْمَ نَخْتِمُ عَلٰٓى اَفْوَاهِهِمْ وَتُكَلِّمُنَآ اَيْدِيْهِمْ وَتَشْهَدُ اَرْجُلُهُمْ بِمَا كَانُوْا يَكْسِبُوْنَ

(البقرہ:٢٠):إِنَّ اللهَ عَلٰى كُلِّ شَيْءٍ قَدِيْرٌ

وفی المشکوۃ (ص٢٢):عن عائشة رضی الله عنها قالت قال رسول اللهﷺ ذراری المؤمنين قال من آبائهم فقلت يارسول الله بلاعمل قال الله اعلم بماكانوا عاملين قلت فذراری المشركين قال من آبائهم قلت بلاعمل قال الله اعلم بماكانوا عاملين۔

(۴۷۴) مشرکین کے بچے جنت میں جائیں گے؟

سؤال

کیا فرماتے ہیں علماء کرام ومفتیان عظام اس مسئلہ کے بارے میں کہ مشرکین کی اولاد جب بالغ ہونے سے پہلے مرجائے تو ان کا کیا حکم ہے؟ کیا وہ جنت میں جائیں گے یا جہنم میں؟ مدلل جواب عنایت فرمائیں۔

الجواب بعون الملک الوھاب

مشرکین کی اولاد جو کہ بالغ ہونے سے پہلے مرجائے تو ان کے بارے میں حضرات متکلمین اور فقہاء کرام رحمہم اللہ کے مختلف قسم کے اقوال ملتے ہیں جن کا خلاصہ یہ ہے کہ:

(۱)۔ جنت میں جائیں گے۔

(۲)۔ دوسرا قول یہ ہے کہ وہ جہنم میں جائیں گے۔

(۳)۔ تیسرا قول یہ ہے کہ وہ اعراف میں ہوں گے اور اعراف اس مقام کا نام ہے جو کہ جنت اور جہنم کے درمیان ہے۔

(۴)۔ چوتھا قول یہ ہے اور یہ قول امام ابوحنیفہ رحمۃ اللہ علیہ سے بھی مروی ہے کہ ان کے بارے میں سکوت کیا جائے اور جو بات دلیل شرعی سے ثابت نہ ہو اس کے بارے میں توقف ہی کرنا زیادہ بہتر ہے اور یہی قول زیادہ راجح ہے۔

لمافی القرآن الکریم(الروم:٣٠): فِطْرَتَ اللهِ الَّتِيْ فَطَرَ النَّاسَ عَلَيْهَا لَا تَبْدِيْلَ لِخَلْقِ اللهِ

ذٰلِكَ الدِّيْنُ الْقَيِّمُ وَلٰكِنَّ اَكْثَرَ النَّاسِ لَا يَعْلَمُوْنَ

وفی صحیح البخاری(۲/۹۷۶): حدثنا یحی بن بکیر... انه سمع اباهریرة رضي الله عنه یقول سئل رسول الله صلى الله عليه وسلم عن ذراری المشرکین فقال الله اعلم بما کانوا عاملین۔

وفی الصحیح لمسلم(۲/۳۳۶): حدثنا زهیر بن حرب... عن ابی هریرة رضي الله عنه قال قال رسول الله صلی الله علیه وسلم مامن مولود الا یلد علی الفطرة فابواه یهود انه وینصرانه ویشرکانه فقال رجل یا رسول الله ارایت لو مات قبل ذالك قال الله اعلم بما کانوا عاملین۔

وفی مرقاة المفاتیح (۱/۱۶۶): وقد اختلفوا فی ذالك فقیل انهم من اهل النار تبعا للابوین وقیل من اهل الجنة نظرا الی اصل الفطرة وقیل انهم خدام اهل الجنة وقیل انهم یکونون بین الجنة والنار لا منعمین ولا معذبین وقیل من علم الله منه انه یؤمن ویموت علیه ان عاش ادخل الجنة ومن علم منه انه یعجز ویکفر ادخله النار وقیل بالتوقف فی امرهم وعدم القطع بشئ وهو الاولیٰ لعدم التوقیف من جهة الرسول صلی الله علیه وسلم فلم یقطع علیه الصلاة والسلام بکونهم من اهل الجنة ولا من اهل النار بل امرهم بالاعتقاد الذی علیه اکثر اهل السنة من التوقف فی امرهم...

وفی الشامیة (۲/۱۹۲):(قوله وتوقف الامام الخ) ای فی انهم یسألون وفی انهم فی الجنة أو النار قال ابن الهمام فی المسایره۔ وقد اختلف فی سؤال اطفال المشرکین وفی دخولهم الجنة أو النار، فتردد فیهم ابوحنیفة وغیره وقد وردت فیهم اخبار متعارضة فالسبیل تفویض امرهم الی الله تعالیٰ، وقال محمد بن الحسن: اعلم ان الله لا یعذب احد بلا ذنب اهـ وقال تلمیذه ابن ابی شریف فی شرحه وقد نقل الامر بالامساك عن الکلام فی حکمهم فی الآخرة مطلقا عن القاسم بن محمد وعروة بن الزبیر من رؤس التابعین وغیرهما وقد ضعف ابو البرکات النسفی روایة التوقف عن ابی حنیفة وقال الروایة الصحیحة عنه انهم فی المشیئة لظاهر الحدیث الصحیح((الله اعلم بما کانوا عاملین)) وقد حکی فیهم الامام النووی ثلاثة مذاهب الاکثر انهم فی النار، الثانی: التوقف، الثالث:الذی صححه انهم فی الجنة لحدیث ((کل مولود یولد علی الفطرة)) ویمیل الیه مامر عن محمد بن الحسن وفیهم اقوال اخر ضعیفة اهـ

(۴۷۵) موت کے بعد جنت میں داخل ہونا

سؤال

کیا فرماتے ہیں علماء کرام ومفتیان عظام اس شخص کے بارے میں جو کہتا ہو کہ جنت اور اس میں داخل ہونا اور اس کی نعمتیں وہ فقط نفس کی خوشی اور مسرت کا نام ہے، جس شخص کا عقیدہ درست ہو اور اس کا دل خواہشاتِ نفسانیہ سے پاک ہو وہ جنت میں ہے اگر چہ وہ دنیا میں ہو، جنت میں داخل ہونے کیلئے موت ضروری نہیں بلکہ یہ نعمت جسم سے روح پرواز کرنے سے پہلے دنیا میں بھی حاصل ہوسکتی ہے۔

الجواب بعون الملك الوهاب

اگر اس شخص کا عقیدہ یہ ہو کہ قرآن وحدیث میں جو جنت مذکور ہے وہ صرف نفس کی خوشی اور مسرت کا نام ہے ایسا عقیدہ رکھنے والا شخص کافر ہے کیونکہ وہ قرآنی آیات اور جنت کے متعلق بے شمار وارد ہونے والی احادیث کا منکر ہے۔ نیز دخول جنت کیلئے موت ضروری ہے کیونکہ ساکنانِ جنت کے بارے میں وارد ہے کہ وہ جنت میں ہمیشہ ہمیشہ رہیں گے جبکہ دنیا دار البقا نہیں بلکہ دار الفنا ہے۔ نیز جنت میں موت اور بیماری کا نام ونشان تک نہیں پس اگر یہ خوشحال اور مسرور شخص جنت میں ہے تو اسے موت کا پیالہ کیوں پینا پڑتا ہے۔

لما فی قوله تعالى (البينه:۷،۹): إِنَّ الَّذِيْنَ آمَنُوْا وَعَمِلُوا الصّٰلِحٰتِ أُولٰٓئِكَ هُمْ خَيْرُ الْبَرِيَّةِ. جَزَآؤُهُمْ عِنْدَ رَبِّهِمْ جَنّٰتُ عَدْنٍ تَجْرِيْ مِنْ تَحْتِهَا الْأَنْهٰرُ خٰلِدِيْنَ فِيْهَا أَبَدًا رَضِيَ اللّٰهُ عَنْهُمْ وَرَضُوْا عَنْهُ ذٰلِكَ لِمَنْ خَشِيَ رَبَّهُ

قال الامام القرطبي (۱۴۶/۲۰): (خالدين فيها ابدا) اى لا يظعنون ولا يموتون۔

وفي الصحيح للبخاري (۹۶۹/۲): عن ابن عمر عن النبي ﷺ قال يدخل اهل الجنة الجنة واهل النار النار ثم يقوم مؤذن بينهم يااهل النار لاموت ويااهل الجنة لاموت خلود۔

وفي المشكوة (ص۴۹۵): عن ابي هريرة رضي الله عنه قال قال رسول الله ﷺ قال الله تعالى اعددت لعبادى الصالحين مالاعين رأت ولااذن سمعت ولاخطر على قلب بشر ......وعنه قال قال رسول الله ﷺ موضع سوط في الجنة خير من الدنيا ومافيها۔

وفيه ايضاً (ص۴۹۶): وعن ابي سعيد وابي هريرة رضي الله عنهما أن رسول الله ﷺ قال ينادى مناد ان لكم ان تصحوا فلا تسقموا ابداوان لكم ان تحيوا فلا تموتوا ابداوان لكم ان تشبوا فلا تهرموا ابداوان لكم ان تنعموا فلا تبأسوا ابدا۔

وفي الهندية (۲۶۴/۲): من انكر القيمة اوالجنة او النار ...... يكفر۔

فصل فی المتفرقات

(متفرق مسائل کا بیان)

(۴۷۶) پیغمبروں کا امت محمدیہ میں پیدا ہونے کی دعا مانگنے کی تحقیق

سؤال

کیا فرماتے ہیں علماء کرام ومفتیانِ عظام اس مسئلہ کے بارے میں کہ کیا کسی پیغمبر نے امت محمدیہ میں آنے کی دعا مانگی تھی؟ ایک صاحب بیان فرمارہے تھے کہ ہر نبی نے دعا مانگی فقط عیسیٰ علیہ الصلوٰۃ والسلام کی دعا قبول ہوگئی...... بندہ نے عرض کیا اس کا حوالہ بتاؤ محترم خاموش ہوگئے۔ بظاہر یہ بعید ہے کیونکہ عیسیٰ علیہ الصلوٰۃ والسلام کو تو نصرت امت محمدیہ کیلئے دوبارہ بھیجا جائے گا قتلِ دجال ان کا ہدف ہوگا۔ آپ مسئلہ کی کتب سیرت وتاریخ وحدیث کے حوالوں سے تفصیل فرمادیں۔

الجواب بعون الملک الوهاب

کتب احادیث اور تفاسیر میں مذکور ہے کہ حضرت موسیٰ علیہ الصلوٰۃ والسلام نے توریت میں جب امت محمدیہ علی صاحبہا الصلوٰۃ والسلام کے فضائل ومناقب دیکھے تو اللہ تعالیٰ سے عرض کیا کہ اے اللہ! اتنے مناقب اور فضائل کی حامل امت جو آئے گی تو دنیا میں سب سے آخر میں اور ان کی شان ورفعت کو دیکھو کہ جائے گی جنت میں سب سے پہلے، الٰہی! یہ امت مجھے عطا فرمادیں، تو دربارِالٰہی سے جواب ملا "تلك امة محمد" کہ یہ تو محمد (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) کی امت ہے، اس کے بعد جب دوسری عالیشان صفات دیکھ لی تو پھر وہی عرض کیا اور سابقہ جواب ملا، تو حضرت موسیٰ علیہ الصلوٰۃ والسلام نے دعا کی کہ پھر مجھے احمد کا امتی بنادے، تو اللہ تعالیٰ نے حضرت موسیٰ علیہ الصلوٰۃ والسلام کی دعا اس طرح قبول فرمائی کہ اللہ تعالیٰ نے امت محمدیہ میں سے حضرت موسیٰ علیہ الصلوٰۃ والسلام کو دو خصلتیں عنایت فرمادیں جس کا تذکرہ قرآن کریم میں اس آیت کے اندر مذکور ہے "یا موسی انی اصطفیتك علی الناس برسالاتی وبکلامی فخذما اتیتك و کن من الشاکرین٥" ترجمہ: اے موسیٰ! میں نے تجھ کو امتیاز دیا لوگوں سے اپنے پیغام بھیجنے کا اور اپنے کلام کرنے کا سو لے جو میں نے تجھ کو دیا اور شاکر رہ۔

حضرت عیسیٰ علیہ الصلوٰۃ والسلام کے بارے میں صرف اتنا تذکرہ ملتا ہے کہ جب انہوں نے حضرت محمد صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اور آپ کی امت کی

صفات دیکھیں تو اللہ تعالیٰ سے دعا کی کہ الٰہی! مجھے امت محمدیہ میں سے بنادے، اور پھر اللہ تعالیٰ نے ان کی دعا اس انداز سے قبول فرمائی کہ حضرت عیسیٰ علیہ الصلوٰۃ والسلام کو آسمانوں پر اُٹھا کر باقی رکھا اور قربِ قیامت میں ان کا نزول ہوگا تجدید اسلام کے ساتھ اس امت کے بڑے فتنے یعنی دجال کا سر قلم کریں گے اور دین اسلام کی مدد کریں گے۔

اس کے علاوہ حضرت عیسیٰ علیہ الصلوٰۃ والسلام کا اس امت کو مانگنے کی دعا یا دوسرے انبیاء سابقین کا اس امت کو طلب کرنے یا امت محمدیہ علی صاحبہا الصلوٰۃ والسلام میں امتی ہونے کا شرف حاصل کرنے کی دعا کا تذکرہ تلاشِ بسیار کے باوجود نہیں مل سکا۔

لمافی الدرالمنثور (سورة الاعراف ۳/۱۴۴ /۱۴۵) دارالفکر: وأخرج أبو نعيم في الدلائل عن أبي هريرة قال : قال رسول الله صلى الله عليه وسلم إن موسى لما نزلت عليه التوراة وقرأها فوجد فيها ذكر هذه الأمة قال : يا رب إني أجد في الألواح أمة هم الآخرون السابقون فاجعلها أمتي ، قال : تلك أمة أحمد ، قال : يا رب إني أجد في الألواح أمة هم المستجيبون والمستجاب لهم فاجعلها أمتي ، قال : تلك أمة أحمد ، قال : يا رب إني أجد في الألواح أمة أناجيلهم في صدورهم يقرأونه ظاهرا فاجعلها أمتي ، قال : تلك أمة أحمد ، قال : يا رب إني أجد في الألواح أمة يأكلون الفيء فاجعلها أمتي ، قال : تلك أمة أحمد ، قال : يا رب إني أجد في الألواح أمة يجعلون الصدقة في بطونهم يؤجرون عليها فاجعلها أمتي ، قال : تلك أمة أحمد ، قال : يا رب إني أجد في الألواح أمة إذا هم أحدهم بحسنة فلم يعملها كتبت له حسنة وإن عملها كتبت له عشر حسنات فاجعلها أمتي . قال : تلك أمة أحمد ، قال : يا رب إني وجدت في الألواح أمة يؤتون العلم الأول والعلم الآخر فيقتلون قرون الضلالة والمسيح الدجال فاجعلها أمتي ، قال : تلك أمة أحمد ، قال : يا رب فاجعلني من أمة أحمد فأعطي عند ذلك خصلتين {قال يا موسى إني اصطفيتك على الناس برسالاتي وبكلامي فخذ ما آتيتك وكن من الشاكرين} قال : قد رضيت يارب.

وفی فتح الباری (۲/۳۸۴)داراحیاء التراث العربي:وقيل إنه دعا الله لما رأى صفة محمد وأمته أن يجعله منهم فاستجاب الله دعاءه وأبقاه حتى ينزل في آخر الزمان مجددا لأمر الإسلام فيوافق خروج الدجال فيقتله۔

(۴۷۷) کھجور کے درخت کی پیدائش

سؤال

کیا فرماتے ہیں مفتیان عظام اس مسئلہ کے بارے میں کہ ایک شخص کہتا ہے کہ جس مٹی کے خمیر سے اللہ تعالی نے حضرت آدم علیہ الصلوۃ والسلام کو پیدا کیا اسی سے کھجور کے درخت کو پیدا کیا، کیا یہ بات صحیح ہے؟

الجواب بعون الملک الوھاب

یہ کہنا کہ آدم علیہ الصلوۃ والسلام کے بنانے سے بچی ہوئی مٹی سے اللہ تعالی نے کھجور کے درخت کو پیدا کیا صحیح ہے۔

لما فی احکام القرآن للقرطبی (۳۶۰/۹): وقال کلوا من عمتکم یعنی النخلة خلقت من فضلة طینة آدم علیه السلام۔

وفی معالم التنزیل للبغوی (۳۳/۳): الحکمة فی تشبیهها بالنخلة من بین سائر الاشجار ...... ولانها خلقت من فضل طینة آدم علیه السلام ولذلك قال النبی صلی اللہ علیہ وسلم اکرموا عمتکم قیل ومن عمتنا قال النخلة۔

وفی عمدة القاری (۱۵/۲): قال الکرمانی قیل ان النخلة خلقت من بقیة طینة آدم علیه السلام فهی کالعمة للاناسی۔

(۴۷۸) ملاقات کے وقت ہاتھوں کا بوسہ لینا اور جھکنا

سؤال

کیا فرماتے ہیں علماء کرام ومفتیان عظام اس مسئلہ کے بارے میں کہ ملاقات کے وقت ہاتھ چومنا اور جھکنا جائز ہے یا نہیں اگر جائز نہیں ہے تو پھر آجکل عام رواج کے اعتبار سے جو ہاتھوں کا بوسہ لیا جاتا اور بزرگوں اور علماء سے ملاقات کے وقت تھوڑا بہت جھکا جاتا ہے اس کا کیا حکم ہوگا؟ کیا مطلقاً ناجائز ہے؟ براہ کرم مفصل انداز میں جواب دیں۔

الجواب بعون الملک الوھاب

بزرگوں اور علماء سے ملاقات کے وقت ان کے ہاتھوں کو بوسہ دینا جائز ہے۔ نیز ملاقات کے وقت مطلقاً سر اور پیٹھ کو جھکانا تعظیماً درست نہیں البتہ تھوڑا معمولی جھکاؤ جو اپنی راحت اور آسانی کے طور پر ہوتا ہے وہ درست ہے۔

لما فی البخاری(۲/۹۲۶): باب المصافحة قال ابن مسعود علمنی النبی صلی الله تعالیٰ علیه وسلم التشهد وکفی بین کفیه وقال کعب بن مالك دخلت المسجد فاذا برسول الله صلی الله علیه وسلم فقام الی طلحة بن عبید الله یهرول فصافحنی وهنأنی۔

حدثنا عمرو بن عاصم...... عن قتادة قلت لانس اکانت المصافحة فی اصحاب النبی صلی الله تعالیٰ علیه وسلم قال نعم۔

وفی سنن ابی داؤد(۲/۳۵۳):حدثنا احمد بن یونس...ان عبدالله بن عمر حدثه وذکر قصة قال فدنونا یعنی من النبی صلی الله علیه وسلم فقبلنا یده۔

وفی سنن ابن ماجة (صـ۲۶۳): حدثنا ابوبکر بن ابی شیبة...... قال قبلنا ید النبی صلی الله تعالیٰ علیه وسلم۔

وفی حاشیته قبلنا ید النبی صلی الله تعالیٰ علیه وسلم قال فی الدر واما تقبیل ید صاحبه عند اللقاء فمکروه اجماعاً وکذا ما یفعلونه من تقبیل الارض بین یدی العلماء والعظماء والفاعل والراضی به آثمان لانه یشبه عبدة الاوثان۔

وفی الشامیة (۶/۳۸۳):فی الدرالمختار: ولا بأس بتقبیل ید الرجل العالم والمتورع علی سبیل التبرك درر ونقل المصنف عن الجامع انه لا بأس بتقبیل ید الحاکم والمتدین السلطان العادل وقیل سنة مجتبی...... ولا رخصة فیه ای فی تقبیل الید لغیرهما ای لغیر عالم وعادل هو المختار مجتبی...... واما تقبیل ید صاحبه عند اللقاء فمکروه بالاجماع وقال ابن عابدین رحمه الله تحته فمکروه بالاجماع ای اذا لم یکن صاحبه عالما ولا عادلاً...... وفی المحیط انه یکره الانحناء للسلطان وغیره... قوله هو المختار قدم علی الخانیة والحقائق ان التقبیل علی سبیل البر بلاشهوة جائز بالاجماع،

(۴۷۹) کافر کو سلام نیز اصحاب کہف کا حواری ہونا

سؤال

کیا فرماتے ہیں علماء کرام ومفتیانِ عظام اس مسئلہ کے بارے میں کہ کافر کو سلام کرنا کیسا ہے؟ پورا عام سلام کرے یا السلام علی من اتبع الھدی کہے میں ایک دینی مدرسہ میں "درجات علیا" کا طالب علم ہوں مجھے کتابیں پڑھنے کا شوق تھا فتاویٰ شامیہ

میں میں نے دیکھا تھا کہ انہوں نے حاجت کے وقت سلام کو یہ کہہ کر جائز کہا ہے کہ اس میں توقیر نہیں اور توقیر نہیں تو سلام جائز ہے اس سے تو یہ پتہ چلتا ہے کہ پورا سلام السلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہ کہنا جائز ہے؟ صحیح مسئلہ تحریر فرمائیں، نیز یہ بھی بتادیں کہ اصحاب کہف کیا قیامت کے وقت دوبارہ نکلیں گے اور یہ عیسیٰ علیہ الصلوٰۃ والسلام کے حواری ہیں۔ کیا ان باتوں کا ثبوت ہے؟

الجواب بعون الملک الوھاب

کافر کو از خود ابتداء بالسلام کرنا درست نہیں۔ اگر وہ ابتداء بالسلام کرے تو اس کو جواب میں صرف وعلیک کے الفاظ کہے جائیں۔ البتہ بوقتِ حاجت ذمی معاہد کو ابتداء بالسلام کرنا درست ہے تاہم السلام علی من اتبع الہدی کے الفاظ کہنا افضل ہے اور انہی الفاظ سے عام کافر کو بھی سلام کرسکتا ہے۔ نیز اصحابِ کہف حواری عیسیٰ علیہ الصلوٰۃ والسلام تھے اور قیامت کے قریب بھی وہ حواری عیسیٰ علیہ الصلوٰۃ والسلام ہوں گے۔

لمافی تبیین الحقائق کتاب الکراھیۃ فصل فی البیع (۶۷/۷) ط مرکز اھل السنۃ: ولا باس برد السلام علی الذمی ولا یزید علی قولہ وعلیکم فانہ علیہ السلام لم یزد حین رد علی الیھودی ولا یبدوہ بالسلام لان فیہ تعظیمہ وتکریمہ۔ وان کان لہ حاجۃ الیہ فلا باس ببداءتہ بہ۔

وفی الھندیۃ کتاب الکراھیۃ (۳۲۵/۵) ط ماجدیۃ کوئٹہ: واما التسلیم علی اھل الذمۃ فقد اختلفوا فیہ قال بعضھم لا باس ان یسلم علیھم وھذا اذا لم یکن للمسلم حاجۃ الی الذمی واذا کان لہ حاجۃ فلا باس بالتسلیم علیہ ولا باس برد السلام علی اھل الذمۃ ولکن لایزید علی قولہ وعلیکم۔

وفی الدرالمختار کتاب الکراھیۃ (۴۱۲/۶) ط سعید کمپنی: فلا یسلم ابتداء علی الکافر لحدیث لا تبدءوا الیھود ولا النصاری بالسلام فاذا لقیتم احدھم فی طریق فاضطروہ الی اضیقہ ... وفی الشامیۃ: قولہ و یسلم المسلم علی اھل الذمۃ: النظر ھل یجوز ان یاتی بلفظ الجمع لو کان ذمی واحدا۔ والظاھر انہ یاتی بلفظ المفرد ...... لکن فی الشریعۃ اذا سلم علی اھل الذمۃ فلیقل السلام علی من اتبع الھدی ...... قولہ : لہ حاجۃ الیہ ای الی الذمی ...... لان النھی عن السلام لتوقیرہ ولا توقیر اذا کان السلام لحاجۃ۔

وفی الدر المنثو،سورۃ کھف (۳۶۹/۵) ط دار الفکر: عن وھب بن منبہ رضی اللہ عنہ قال جاء رجل من حواری عیسی علیہ السلام الی مدینۃ اصحاف الکھف ... الخ۔ وفیہ ایضاً(۳۷۰): واخرج ابن مردویہ عن ابن عباس قال قال رسول اللہ ﷺ اصحاب الکھف اعوان المھدی۔

وفی جامع الاحکام القرآن سورۃ کھف (۳۸۶/۱۰) ط احیاء التراث: انھم قاموا ودخلوا الکھف بعد عیسی بیسیر وقد بقیت من الحواریین بقیة ... وفیه ایضاً(۳۸۸) وروت فرقة ان النبی ﷺ قال لیحجن عیسی ابن مریم ومعه اصحاب الکھف فانھم لم یحجوا بعد......

(۴۸۰) درس قرآن سے روکنا

سؤال

کیا فرماتے ہیں علماء کرام اس مسئلہ کے بارے میں کہ ہماری مسجد کے صدر صاحب نے مسجد کے اٹھارہ/بیس نمازیوں کی موجودگی میں یہ بات کہی کہ مسجد کے اندر امام مسجد جو درس قرآن دیتے ہیں، ترجمہ اور تفسیر پڑھاتے ہیں اس کو کل سے بند کرو، اس سے فساد ہوتا ہے (نعوذ باللہ)۔ اور باہر بڑا میدان ہے جہاں دل چاہے چلے جاؤ.......... ان کے ساتھ اس بات میں کچھ اور لوگ بھی شامل ہیں۔ آپ سے گزارش ہے کہ ان لوگوں کے بارے میں شریعت کا حکم بیان فرمائیں۔ کیا ان کا یہ عمل قرآن وسنت اور اسلامی تعلیمات کے موافق ہے؟

الجواب بعون الملک الوھاب

صورت مسئولہ میں اگر مذکورہ امام صاحب مستند اور صحیح العقیدہ عالم ہیں اور ترجمہ وتفسیر بھی اکابر کے نقش قدم پر چلتے ہوئے کرتے ہیں، اسمیں ذاتی تفردات سے کام نہیں لیتے اور تفسیر قرآن کی آڑ میں کسی کی ذاتیات پر حملہ نہیں کرتے جو کہ فساد کا سبب بنتا ہے تو پھر صدر صاحب کس وجہ سے امام صاحب کو درس قرآن سے روکتے ہیں؟ اگر صدر صاحب اور ان کے حامی لوگوں کے کچھ معقول اشکالات ہوں تو وہ بطور اصلاح کے امام صاحب کے سامنے لائیں۔ البتہ اگر مذکورہ بالا نقائص میں سے کوئی نقص امام صاحب میں موجود ہے تو پھر صدر صاحب امام صاحب پر اشکال کر سکتے ہیں۔

اگر صرف انانیت اور ذاتیات کی وجہ سے امام صاحب کو درس قرآن سے روکا جا رہا ہے تو یہ بہت بڑی جرأت ہے جس کا دنیوی واخروی انجام بہت برا ہے، ایسے شخص کے بارے میں قرآن وسنت میں سخت وعیدیں آئی ہیں اور ایسے شخص کو سب سے بڑا ظالم کہا گیا ہے۔ اور اگر اس طرح سے درس قرآن کو بند کر دیا گیا تو اس کا خمیازہ بھی بھگتنا ہوگا کہ خداوند تعالی اور اس کے کلام کی وقعت لوگوں کے دلوں سے نکل جائے گی، عبادات میں رغبت کم ہوگی، منکرات میں اضافہ ہوگا اور اس طرح ایک عظیم فساد برپا ہوگا جس سے بچنے کے لئے صدر صاحب درس بند کروا رہے ہیں۔

الغرض اس صورت میں صدر صاحب اور دیگر حمایتی افراد کو رب تعالی کے حضور اس جرأت عظیمہ سے توبہ کر کے درس قرآن کی اجازت دینی چاہیئے۔

قال الله تعالى (البقره:١١٤):وَمَنْ أَظْلَمُ مِمَّنْ مَنَعَ مَسْجِدَ اللهِ أَنْ يُذْكَرَ فِيهَا اسْمُهُ وَسَعٰى فِيْ خَرَابِهَا أُولٰئِكَ مَا كَانَ لَهُمْ أَنْ يَدْخُلُوْهَا إِلَّا خَائِفِيْنَ لَهُمْ فِي الدُّنْيَا خِزْيٌ وَّلَهُمْ فِي الْآخِرَةِ عَذَابٌ عَظِيْمٌ

و فی احکام القرآن للقرطبی تحت هذه الآية (٢/٧٧): قيل المراد من منع من كل مسجد الى يوم القيامة وهوالصحيح لان اللفظ عام ورد بصيغة الجمع، فتخصيصها ببعض المساجد وبعض الاشخاص . . . وعلى الجملة فتعطيل المساجد عن الصلاة واظهار شعائر الاسلام فيها خراب لها۔

وفی التفسیر المنير تحت هذه الآية (١/٢٨٠): لاظلم ولااعتداء على الحرمات اشد من منع العبادة فی المساجد العامة والسعی فی تخريبها وهدمها أو تعطيل وظائفها وشعائر الدين فيها لما فی ذلك من انتهاك حرمة الدين المؤدی الى نسيان الخالق، واشاعة المنكرات والفساد بين الناس۔

(۴۸۱)سودخور کی شکل کا مسخ ہونا

سوال

کیافرماتے ہیں مفتیان شرع متین اس مسئلہ کے بارے میں کہ ہمارے ہاں مشہور ہے کہ سودخور یعنی سود کھانے والا رات کے وقت اسکی شکل تبدیل ہوجاتی ہے مثلاً کبھی کتا بن جاتا ہے یا گدھا بن جاتا ہے یہ بہت مشہور ہے۔ کچھ دن پہلے صبح کے وقت ایک گھر سے پانچ چھ سال کی بچی کو ایک حیوان گھر سے اٹھا کر لے جارہا تھا۔ پھر لوگوں نے زبردستی اس سے چھڑوایا۔ ان لوگوں نے کہا کہ یہ حیوان کتا جیسا تھا لیکن یہ ہے سودخور واللہ اعلم۔ اس طرح کے واقعات پیش آتے رہتے ہیں۔ اگر یہ بات صحیح ہے تو دلائل سے مزین جواب عنایت فرمائیں۔

الجواب بعون الملک الوھاب

قرآن مقدس اور احادیث مبارکہ میں سودخور کے بارے میں سخت ترین وعیدیں وارد ہوئی ہیں اگر اللہ تعالیٰ دنیا میں لوگوں کی عبرت کے لئے سودخور کی شکل مسخ کر کے کتا، خنزیر یا بندر بنا دیں تو یہ اس کی قدرت وحکمت سے بعید نہیں ہے جبکہ احادیث میں سودخور کے بارے میں خسف ومسخ کی پیشن گوئی بھی موجود ہے۔ البتہ یہ قاعدہ کلیہ نہیں ہے کہ ہر سودخور کی شکل تبدیل ہوتی ہے بلکہ اللہ تعالیٰ کبھی کبھار عبرت کے لئے ایسا کرتے ہیں۔

لمافی الزواجر (١/٣٧٨): عن ابن مسعودؓ انه ذكر حديثا عن النبیﷺ قال فيه ماظهر فی قوم الزنا والربا الا أحلوا بانفسهم عذاب الله۔

وفیه ایضا (۳۸۰/۱): وعبداللہ بن احمد فی زوائد المسند والذی نفسی بیدہ لیبیتن اناس من امتی علی الشر وبطر ولھو فیصبحوا قردۃ وخنازیر باستحلالھم المحارم .... وبأکلھم الربا ولبسھم الحریر .... قال بعضھم: ورد ان اکلۃ الربا یحشرون فی صورۃ الکلاب والخنازیر من اجل حیلھم علی اکل الربا۔

(۴۸۲) فخر کے طور پر انگلش بولنا اور سیکھنا

سؤال

کیا فرماتے ہیں علماء کرام ومفتیان عظام اس مسئلہ کے بارے میں کہ فخر کے طور پر انگلش بولنا کیسا ہے نیز اسی نیت سے انگلش سیکھنا کیسا ہے کہ میرا انگلش بولنے کی بناء پر دوسروں پر رعب ہوگا؟ وضاحت فرمائیں۔

الجواب بعون الملک الوھاب

تمام زبانوں کا سیکھنا جائز ہے جب تک کہ کوئی اور قباحت اس میں نہ پائی جائے لہٰذا بغیر فخر ومباحات کے انگلش بولنا اور سیکھنا صحیح ہے اور اگر کوئی اس نیت سے سیکھے کہ غیر مسلموں کو دین کی دعوت دے سکوں تو اسے سیکھنے پر ثواب بھی ملے گا لیکن اگر کوئی شخص فخر ومباہات اور غیر مسلموں سے مشابہت کے طور پر سیکھتا اور بولتا ہے تو یہ درست نہیں بلکہ فخر کے طور پر اگر زبان سیکھنی اور بولنی ہے تو عربی سیکھنی اور بولنی چاہیئے کیونکہ اسے تمام زبانوں پر برتری وفضیلت حاصل ہے۔

لمافی الصحیح للبخاری (۲/۱): عن عمر بن الخطاب رضی اللہ عنہ قال قال رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم انما الاعمال بالنیات۔

وفی المشکوۃ (ص۳۹۹): عن زید بن ثابت قال امرنی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ان اتعلم السریانیۃ وفی روایۃ انہ امرنی ان اتعلم کتاب یھود ... الی آخر الحدیث۔

وفی سنن ابی داؤد (۲۰۳/۲): عن ابن عمر قال قال رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم من تشبہ بقوم فھو منھم۔

وفی صحیح ابن حبان (۲۷۵/۱): عن ابی موسی قال ...... المرأ مع من احب۔

وفی الدرالمختار (۴۱۹/۶): للعربیۃ فضل علی سائر الالسن وھو لسان اھل الجنۃ من تعلمھا اوعلمھا غیرہ فھو ماجور وفی الحدیث احبّوا العرب لثلاث لانی عربی والقرآن عربی ولسان اھل الجنۃ فی الجنۃ عربی۔

(۴۸۳) ''انشاء اللہ و ماشاء فلان'' کہنا

سؤال

کیا فرماتے ہیں علماء کرام ومفتیان عظام اس مسئلہ کے بارے میں کہ انشاء اللہ و ماشاء فلان (یعنی اللہ تعالی نے اور فلاں شخص نے چاہا تو یہ کام ایسے ہوگا) کہنا صحیح ہے یا نہیں؟

الجواب بعون الملک الوھاب

اس طرح کا جملہ کہنا صحیح نہیں ہے لہذا اس طرح کے کلام سے پرہیز کرنا چاہیئے۔

لمافی مسند احمدبن حنبل (۵۳۱/۶): عن حذيفة رضي الله عنه ان النبی صلی اللہ علیہ وسلم قال لاتقولوا ماشاء الله وشاء فلان قولوا ماشاء الله ثم ماشاء فلان۔

وايضا فيه (۳۵۴/۱): عن ابن عباس رضي الله عنه ان رجلا قال للنبی صلی اللہ علیہ وسلم ماشاء الله وشئت فقال له النبی صلی اللہ علیہ وسلم اجعلتنی والله عدلا بل ماشاء الله وحده۔

(۴۸۴) عرش افضل ہے یا کرسی؟

سؤال

کیا فرماتے ہیں علماء کرام ومفتیان عظام اس مسئلہ کے بارے میں کہ عرش افضل ہے یا کرسی؟

الجواب بعون الملک الوھاب

عرش کرسی سے افضل ہے اور کرسی آسمان سے افضل ہے۔

لمافی تنقیح الفتاوی الحامدية (۳۶۷/۲): وسئل هل العرش افضل من الكرسی أجاب نعم كماصرح به ابن قتيبة۔

وفی فتاوی الحديثية (ص۲۷): وسئل رضی الله عنه هل العرش افضل من الكرسی ؟ فأجاب رحمه الله بقوله : نعم كماصرح به ابن قتيبة۔

(۴۸۵) والد کو خلاف شرع کام سے روکنا

سؤال

کیا فرماتے ہیں علماء کرام ومفتیان عظام اس مسئلہ کے بارے میں کہ اگر کوئی شخص اپنے والد کو خلاف شرع کام کرتے ہوئے دیکھے تو روک سکتا ہے یا نہیں؟

الجواب بعون الملک الوھاب

صورت مسئولہ میں آدمی اپنے والد کو ایک دفعہ روک سکتا ہے، اگر بات مان لیں تو ٹھیک ہے ورنہ خاموش ہوجائے اور ان کے لئے استغفار کرے اور دعا کرتا رہے کہ اللہ تعالیٰ ان کو ہدایت نصیب فرمائیں۔

لمافی الشامیة (۷۸/۴): فی فصول العلامی :اذارأی منکرا من والدیه یأمرهما مرة فان قبلا فبها،وان کرها سکت عنهما واشتغل بالدعا والاستغفار لهما فان الله تعالی یکفیه مااهمه من امرهما۔

(۴۸۶) لفظ ''اسلام'' اس امت کی خصوصیت ہے؟

سؤال

کیا فرماتے ہیں علماء کرام ومفتیان عظام اس مسئلہ کے بارے میں کہ لفظ اسلام صرف اس امت کیلئے خاص ہے یا سابقہ امتوں کیلئے بھی استعمال ہوا ہے؟ کیونکہ میرا ایک دوست ہے وہ کہتا ہے کہ اسلام صرف امت محمدیہ کے ساتھ خاص ہے کیونکہ سابقہ امتوں کیلئے دیگر الفاظ استعمال ہوئے ہیں۔کیا یہ بات درست ہے؟

الجواب بعون الملک الوھاب

نصوص قرآنیہ سے لفظ اسلام کا استعمال تمام امتوں کیلئے عام معلوم ہوتا ہے کمافی قوله تعالیٰ (''اِنَّا کُنَّا مِنۡ قَبۡلِهٖ مُسۡلِمِیۡنَ'' ۔القصص:۵۳) وقوله تعالیٰ (''اَنَا مِنَ الۡمُسۡلِمِیۡنَ'' ۔یونس:۹۰) وقوله تعالیٰ (''رَبَّنَا وَاجۡعَلۡنَا مُسۡلِمَیۡنِ لَکَ'' ۔البقرۃ:۱۲۸) وقوله تعالیٰ (''هُوَ سَمّٰکُمُ الۡمُسۡلِمِیۡنَ'' ۔الحج:۷۸) جبکہ علامہ سیوطی رحمۃ اللہ علیہ نے اس امت کی خصوصیت والے قول کو راجح قرار دیا ہے۔البتہ اس میں بہتر بات یہ ہے کہ یوں کہہ دیا جائے کہ لفظ اسلام من وجہ عام ہے (اس اعتبار سے کہ تمام امتوں کے لئے یہ لفظ استعمال ہوا ہے لیکن دوسرے مذاہب کے اس کے علاوہ اور بھی نام تھے جیسے یہودی، عیسائی وغیرہ) اور

من وجہ یہ اس امت کے ساتھ خاص ہے ایک تو اس اعتبار سے کہ اس امت کے لئے صرف یہی نام منتخب کیا گیا اور اس کے علاوہ اس کا کوئی دوسرا نام نہیں رکھا گیا۔ اور دوسرا اس اعتبار سے کہ اس امت پر دینِ اسلام کی تکمیل بھی کردی گئی۔

لمافی القرآن الکریم(الحج:۷۸): هُوَ اجْتَبٰكُمْ وَمَا جَعَلَ عَلَيْكُمْ فِي الدِّيْنِ مِنْ حَرَجٍ مِلَّةَ أَبِيْكُمْ إِبْرَاهِيْمَ هُوَ سَمّٰكُمُ الْمُسْلِمِيْنَ مِنْ قَبْلُ وَفِيْ هٰذَا لِيَكُوْنَ الرَّسُوْلُ شَهِيْدًا عَلَيْكُمْ وَتَكُوْنُوْا شُهَدَاءَ عَلَى النَّاسِ

(آل عمران:۱۹):إِنَّ الدِّيْنَ عِنْدَ اللهِ الْإِسْلَامُ

(آل عمران:۲۰): فَإِنْ أَسْلَمُوْا فَقَدِ اهْتَدَوْا

(البقرہ:۱۲۸): رَبَّنَا وَاجْعَلْنَا مُسْلِمَيْنِ لَكَ وَمِنْ ذُرِّيَّتِنَا أُمَّةً مُسْلِمَةً لَّكَ

(المائدہ:۳): الْيَوْمَ أَكْمَلْتُ لَكُمْ دِينَكُمْ وَأَتْمَمْتُ عَلَيْكُمْ نِعْمَتِيْ وَرَضِيتُ لَكُمُ الْإِسْلَامَ دِيْنًا

وفی تفسیر روح المعانی(۱/۱۰۶): وقوله تعالیٰ (ان الدین عند الله الاسلام)... ای لادین مرضی عند الله تعالیٰ سوی الاسلام... وروی علی بن ابراهیم عن امیر المومنین کرم الله وجهه انه قال فی خطبة له لأنسبن الاسلام نسبة لم ینسبها احد قبلی، الاسلام هو التسلیم و التسلیم هو الیقین والیقین هو التصدیق والتصدیق هو الاقرار و الاقرار هو الاداء والاداء هو العمل... وفی (ص۱۰۷) وقد اختلف فی اطلاق الاسلام علی غیر ماجاء به نبینا صلی الله علیه وسلم والاکثرون علی الاطلاق واظن انه بعد تحریر النزاع لا ینبغی ان یقع اختلاف۔

وفی الحاوی للفتاویٰ (۲/۱۱۶): للعلماء فی هذه المسئلة قولان...... احدهما انه یطلق الاسلام علی کل دین حق ولا یختص بهذه الملة... فهذا القول... دلیل علی جهله بنصوص العلماء... وبنصوص الکتاب والسنة الواردة فی ذلك...... والقول الثانی ان الاسلام خاص بهذه الملة الشریفة ووصف المسلمین خاص بهذه الامة المحمدیة ولم یوصف به احد من الامم السابقة سوی الانبیاء فقط فشرفت هذه الامة بان وصفت بالوصف الذی یوصف به الانبیاء تشریفالها وتکریما وهذا القول هو الراجح نقلا ودلیلا لما قام علیه من الادلة الساطعة وقد خصت هذه الامة عن بین سائر الامم بخصائص لم تکن لاحد سواها الا الانبیاء فقط من ذلك الوضوء فانه خصیصة بهذه الامة ولم یکن احد من الامم یتوضأ الا الانبیاء فقط...

واقول من شاء التفصیل والتحقیق فله المساغ فی هذا المقام والله اعلم بحقیقة الکلام۔

(۴۸۷) مکہ افضل ہے یا مدینہ؟

سؤال

کیا فرماتے ہیں علماء کرام اس بارے میں کہ مکہ کی زمین افضل ہے یا مدینہ کی یا دونوں فضیلت میں مساوی ہیں؟ تفصیل سے بیان فرمائیں۔

الجواب بعون الملک الوھاب

دنیا کے تمام شہروں سے مکہ اور مدینہ افضل ہیں۔ اور ان دونوں میں کون سا افضل ہے اس میں اختلاف ہے۔ ائمہ ثلاثہ اور بعض صحابہ رضوان اللہ علیہم اجمعین سے منقول اور راجح یہ ہے کہ مکہ افضل ہے لیکن یہ فضیلت نبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے روضہ مطہرہ کے علاوہ کے اعتبار سے ہے کیونکہ روضہ مبارکہ بالاتفاق مکہ بلکہ عرش وکرسی سے بھی افضل ہے۔

لمافی المرقاة (۱۰/٦): وعن عبدالله بن عدی بن حمراء قال رأیت رسول الله صلى الله عليه وسلم واقفا علی الحزورة فقال والله انك لخیرارض الله واحب ارض الله الی الله ولولا انی أخرجت منك ماخرجت ...... فیه تصریح بان مکة افضل من المدینة کماعلیه الجمهور الا البقعة التی ضمت اعضاء ه علیه الصلوة والسلام فانها افضل من مکة بل من الکعبة بل من العرش اجماعا۔

وفی الدرالمختار مع ردالمحتار (۲/٦۲٦): ومکة افضل منها علی الراجح الاماضم اعضاء ه علیه الصلوة والسلام فانه افضل مطلقا حتی من الکعبة والعرش والکرسی۔

وفی الشامیة: اجمعوا علی ان افضل البلاد مکة والمدینة زادهما الله تعالی شرفا وتعظیما۔ واختلفوا ایهما افضل فقیل مکة وهو مذهب الائمة الثلاثة والمروی عن بعض الصحابة وقیل المدینة وهو قول بعض المالکیة والشافعیة۔قیل هو مروی عن بعض الصحابة ...... والخلاف فیماعدا موضع القبر المقدس فماضم اعضاء ه الشریفة فهو افضل بقاع الارض بالاجماع۔

(۴۸۸) وحی لکھنے کی کیفیت

سؤال

کیا فرماتے ہیں علماء کرام ومفتیان عظام اس مسئلہ کے بارے میں کہ حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے زمانے میں کاغذ تھے یا نہیں۔ عام طور

پر مشہور ہے کہ نہیں تھے تو پھر وحی کس چیز پر لکھی جاتی تھی؟

الجواب بعون الملک الوھاب

صورت مسئولہ میں یہ کہنا کہ آپ علیہ الصلوٰۃ والسلام کے زمانے میں کاغذ بالکل نہیں تھے صحیح نہیں ہے۔ بلکہ کاغذ موجود تھے اتنا ضرور ہے کہ کم تھے اور اس کمی کو پورا کرنے کے لئے پتھر، ہڈیاں، بڑے بڑے پتے اور چمڑے کے ٹکڑے استعمال کئے جاتے تھے۔

لمافی الصحیح للبخاری (۲/۷۴۵): فلم یزل ابوبکر یراجعنی حتی شرح الله صدری شرح له صدر ابی بکر وعمر فتتبعت القرآن اجمعه من العسب واللحاف وصدور الرجال حتی وجدت آخر سورة التوبة۔

وفی روح المعانی (۱/۲۱): فقد اخرج الحاکم بسند علی شرط الشیخین عن زید بن ثابت قال کنا عند النبی ﷺ نؤلف القرآن فی الرقاع۔

(وھکذا فی الاحکام القرآن للقرطبی (۱/۵۰)، وفی التفسیر المنیر (۱/۲۱)

(۴۸۹) مکڈونلڈ وغیرہ کے کھانے کا حکم

سؤال

کیا فرماتے ہیں علماء کرام ومفتیان عظام اس مسئلہ کے بارے میں کہ امریکہ، اسرائیل اور دیگر یورپی ممالک نے مسلم ممالک میں مکڈونلڈ، شیرٹن وغیرہ کے نام سے مختلف ہوٹل کھول رکھے ہیں۔ عموماً اس طرح کے ہوٹلوں میں ان کے ہاں رائج کھانے ہی پکتے ہیں۔ دور حاضر میں شاید ہی کوئی ملک ایسا ہو جو ان سے خالی ہو۔ کیا ان ہوٹلوں میں کھانا کھانا جائز ہے؟

الجواب بعون الملک الوھاب

مکڈونلڈ، کے ایف سی اور شیرٹن وغیرہ امریکہ، اسرائیل اور دیگر یورپی ممالک کی ملکیت ہیں۔ اور ان کی آمدنی کا ایک معتد بہ حصہ یہودیوں اور دیگر اسلام دشمن لوگوں کے تبلیغی فنڈ میں جاتا ہے جو عالمی سطح پر مسلمانوں کے خلاف تبلیغی سرگرمیوں اور دیگر منصوبوں میں استعمال ہوتا ہے تو گویا ان ہوٹلوں میں کھانا اور مشروبات پینا غیر ارادی طور پر اسلام کو مٹانے کی ناکام سعی میں حصہ دار بننے کے مترادف ہے۔ لہٰذا ہر مسلمان کا دینی فریضہ بنتا ہے کہ ان ہوٹلوں اور دیگر امریکن ویورپی مصنوعات کا مکمل بائیکاٹ کر کے ان لوگوں کو اقتصادی میدان میں کمزور کرنے میں اپنا کردار ادا کرے۔

(۴۹۰) تقدیر پر ایک شبہ کا ازالہ

سوال

کیا فرماتے ہیں علماء کرام ومفتیان عظام اس مسئلہ کے بارے میں کہ جب ایک شخص کی تقدیر میں لکھا ہے کہ فلاں شخص اسے قتل کردے گا تو پھر قاتل کو گناہ اور اس سے قصاص کیوں لیا جاتا ہے؟

الجواب بعون الملک الوھاب

صورت مسئولہ میں قاتل کو گناہ کا ملنا اور اس سے قصاص لیا جانا اس وجہ سے ہے کہ ہر شخص اپنے افعال میں مختار ہوتا ہے یعنی وہ ہر کام اپنی مرضی اور اختیار سے کرتا ہے اور قاتل نے اپنی مرضی اور اختیار سے ایک ایسا کام کیا جس سے اللہ تعالی نے منع فرمایا ہے تو اس فعل ممنوع کو کرنے کی وجہ سے اسے گناہ بھی ملتا ہے اور اس سے قصاص بھی لیا جاتا ہے۔

لما فی شرح العقائد للنسفی (صـ١٦٧): لما استحق القاتل ذما ولا عقابا ولا دیة ولا قصاصا اذ لیس موت المقتول بخلقه ولا بکسبه......ان وجوب العقاب والضمان علی القاتل تعبدی لارتکابه المنهی وکسبه الفعل الذی یخلق الله تعالی عقیبه الموت بطریق جری العادة فان القتل فعل القاتل کسبا وان لم یخلق۔

وھکذا فی شرح الفقه الاکبر (صـ١٢٥)

(۴۹۱) بنی اسرائیل سے من وسلوی ختم ہونے کی وجہ

سوال

کیا فرماتے ہیں علماء کرام ومفتیان عظام اس مسئلہ کے بارے میں کہ اللہ تعالی نے بنی اسرائیل پر من وسلوی نازل فرمایا تھا ، پھر یہ نعمت اللہ تعالی نے بنی اسرائیل سے اٹھالی۔ اس کی کیا وجہ تھی؟ آیا ذخیرہ اندوزی کی وجہ سے ایسا ہوا؟ اگر یہ بات صحیح ہے تو آجکل مدارس اور دیگر رفاہی اداروں میں جو ذخیرہ اندوزی ہوتی ہے مثلا بعض اوقات گوشت رکھے رکھے سڑ جاتا ہے پھر مستحقین کو کھلایا جاتا ہے۔ کیا ایسا کرنا شرعا جائز ہے یا نہیں؟

الجواب بعون الملک الوھاب

صورت مسئولہ میں بنی اسرائیل سے یہ نعمت ذخیرہ اندوزی کی وجہ سے ختم ہوئی تھی البتہ مدارس اور رفاہی اداروں کو اس پر قیاس

کرنا صحیح نہیں کیونکہ ان میں ذخیرہ اندوزی ضرورت کی وجہ سے کی جاتی ہے۔البتہ اس حد تک جمع کئے رکھنا کہ جمع شدہ اشیاء سڑنے لگیں ایسا کرنا صحیح نہیں ہے۔

لمافی قولہ تعالی (البقرہ : ۵۷): وَظَلَّلْنَا عَلَيْكُمُ الْغَمَامَ وَأَنْزَلْنَا عَلَيْكُمُ الْمَنَّ وَالسَّلْوٰى كُلُوْا مِنْ طَيِّبَاتِ مَا رَزَقْنٰكُمْ وَمَا ظَلَمُوْنَا وَلَكِنْ كَانُوا أَنْفُسَهُمْ يَظْلِمُوْنَ

وفی تفسیر ابن کثیر (۸۴/۱) تحت هذه الآية : عن وهب بن منبه: السلوی طیر سمین مثل الحمامة كان يأتيهم فيأخذون منه ...... فخبأوا للغد فنتن اللحم وخنز الخبز۔

وهكذا فی الدر المنثور للسيوطی (۱۷۲/۱)

(۴۹۲) پیدائش سے قبل سانس بھی متعین ہوتے ہیں؟

سؤال

کیافرماتے ہیں علماء کرام اس مسئلہ کے بارے میں کہ بچہ کی پیدائش سے قبل یا پیدائش کے بعد وہ کون سی چیزیں ہیں جن کے بارے میں لکھ دیا جاتا ہے مثلاً ہم نے سنا ہے کہ پیدائش سے پہلے ہی اس کا رزق،عمر،سعید ہوگا یا بد بخت یہ تمام امور متعین کردیئے جاتے ہیں۔اب معلوم یہ کرنا ہے کہ کیاانسان کے تمام سانس بھی لکھ دیئے جاتے ہیں کہ یہ بندہ اتنے سانس لے گا؟اگر اس کا ذکر کہیں قرآن وحدیث میں موجود ہوتو لکھ دیں۔

الجواب بعون الملک الوهاب

صورت مسئولہ میں بچہ کی پیدائش سے قبل جن چار چیزوں کے بارے میں لکھ دیا جاتا ہے وہ یہ ہیں:

(۱) یہ مرد ہوگا یا عورت (۲) رزق کتنا استعمال کرے گا (۳) اس کی عمر کتنی ہوگی (۴) سعید ہوگا یا شقی۔

نیز عمر کی تعیین سانس کے ذریعے سے ہوتی ہے یانہیں قرآن وسنت میں اس کی صراحت موجود نہیں ہے البتہ عمومی روایات سے یہی معلوم ہوتا ہے کہ سانس بھی متعین ہوتے ہیں۔

لقولہ تعالی (یٰس : ۱۲): وَكُلَّ شَيْءٍ أَحْصَيْنٰهُ فِي إِمَامٍ مُبِيْنٍ

(الانعام : ۵۹):وَعِنْدَه مَفَاتِحُ الْغَيْبِ لَا يَعْلَمُهَا إِلَّا هُوَ وَيَعْلَمُ مَا فِي الْبَرِّ وَالْبَحْرِ وَمَا تَسْقُطُ مِنْ وَرَقَةٍ إِلَّا يَعْلَمُهَا وَلَا حَبَّةٍ فِيْ ظُلُمٰتِ الْأَرْضِ وَلَا رَطْبٍ وَّلَا يَابِسٍ إِلَّا فِيْ كِتَابٍ مُبِيْنٍ

وفی الدر المنثور (۱۷/۱۷): يآايها الناس ان كنتم فی ريب من البعث فاناخلقناكم من تراب ثم

من نطفة الآية......اخرج احمد والبخاری ومسلم وابوداؤد والترمذی والنسائی وابن ماجة وابن المنذر وابن ابي حاتم والبيهقي فی شعب الايمان عن عبدالله بن مسعود قال حدثنا رسول اللهﷺ وهو الصادق المصدوق ان احدكم يجمع خلقه فی بطن امه اربعين يوما نطفة ......ثم يرسل اليه الملك فينفخ فيه الروح ويؤمر باربع كلمات يكتب رزقه واجله وعمله ...الی آخر الحديث ... واخرج الحكيم الترمذی فی نوادرالاصول وابن ابي حاتم عن ابن مسعود ...وفيه يقال للملك: اذهب الی ام الكتاب فانك ستجد فيه قصة هذه النطفة ......واخرج ابن جرير عن ابن مسعود ... قال يارب فماصفة هذه النطفة ...اذكر ام انثی ؟مارزقها؟ وماأجلها؟اشقي ام سعيد ؟فيقال له انطلق الی ام الكتاب فاستنسخ منه صفة هذه النطفة۔ والله اعلم بالصواب۔

(۴۹۳) کرامات اولیاء کا ثبوت

سؤال

کیا فرماتے ہیں علماء کرام ومفتیان عظام اس مسئلہ کے بارے میں کہ کیا کرامات اولیاء حق ہیں؟ اگر کوئی شخص ان کا انکار کرے تو ایسے شخص کا کیا حکم ہے؟

الجواب بعون الملک الوھاب

کرامات اولیاء کا ثبوت قرآن وسنت سے ہے۔ یہی وجہ ہے کہ اہل سنت والجماعت اتفاقی طور پر ان کی حقانیت کے قائل ہیں۔ البتہ جو شخص اس کے باوجود کرامات کا منکر ہو وہ اپنی خواہش کا غلام اور گمراہ ہے۔

لقوله تعالی(آل عمران:۳۷):- كُلَّمَا دَخَلَ عَلَيْهَا زَكَرِيَّا الْمِحْرَابَ وَجَدَ عِنْدَهَا رِزْقًا قَالَ يَا مَرْيَمُ أَنَّى لَكِ هٰذَا قَالَتْ هُوَ مِنْ عِنْدِ اللهِ إِنَّ اللهَ يَرْزُقُ مَنْ يَشَاءُ بِغَيْرِ حِسَابٍ

وفي الصحيح للبخاری (۵۸۷/۲): قال هشام بن عروة فاخبرنی ابي قال لما قتل الذی ببئر معونة واسر عمروبن امية الضمری قال له عامر بن الطفيل من هذا واشار الی قتيل فقال له عمروبن امية هذا عامر بن فهيرة فقال لقد رأيته بعد ماقُتل رُفع الی السماء حتی انی لانظر الی السماء بينه وبين الارض ثم وضع۔

وفيه ايضا (۵۸۵/۲): حدثنی ابراهيم بن موسی قال ......وفيه تصف بعض بنات الحارث حال

الخبیب وتقول مارأیت اسیرا قط خیرا من خبیب لقد رأیته یاکل من قطف عنب ومابمکة یومئذ وانه لموثق فی الحدید وماکان الارزق رزقه الله۔

وفی النبراس (ص۴۷۵): وکرامات الاولیاء حق ...... والدلیل علی حقیقة الکرامات ماتواتر عن کثیر من الصحابة ومن بعدهم لایمکن انکاره خصوصا الامر المشترك وان کانت التفاصیل آحاد۔

وفی شرح الفقه الاکبر (ص۷۹): والکرامات للاولیاء حق ای ثابت بالکتاب والسنة ولاعبرة بمخالفة المعتزلة واهل البدعة فی انکار الکرامة۔

(۴۹۴) سات زمینیں اور سات آسمان پیدا کرنے کی حقیقت

سؤال

کیافرماتے ہیں علماء کرام ومفتیان عظام اس مسئلہ کے بارے میں کہ اللہ تعالی فرماتے ہیں ''ہم نے سات زمینیں اور سات آسمان پیدا کئے'' اب معلوم یہ کرنا ہے کہ یہ سات زمینیں اور سات آسمان کہاں ہیں اور کیسے ہیں اور ان میں کوئی مخلوق آباد ہے یا نہیں؟ اگر آباد ہے تو وہ کون سی شریعت کی پابند ہے؟

الجواب بعون الملک الوھاب

قرآن پاک میں سات زمینوں اور سات آسمانوں کے پیدا کرنے کا ذکر ملتا ہے جس میں یہ تفصیل بھی ہے کہ یہ آسمان اور زمینیں اوپر نیچے تہہ در تہہ ہیں اور ان کا درمیانی فاصلہ پانچ سو سال کا ہے۔ اس کے علاوہ دوسری زمینوں میں مخلوقات آباد ہیں یا نہیں ،اگر ہیں تو کس شریعت کی پابند ہیں اس کی صراحت نصوص سے نہیں ملتی۔ البتہ مفسرین نے مختلف اقوال ذکر کئے ہیں اور سب سے بہتر یہ ہے کہ جس چیز کے بارے میں شریعت نے صراحۃً کوئی چیز بیان نہیں کی اس کی تحقیق میں نہ پڑا جائے خاص طور پر جبکہ وہ معاملہ عمل سے متعلق نہیں لہٰذا اس تفصیل سے بھی سکوت بہتر ہے۔

لقوله تعالى (الطلاق:۱۲): اللَّهُ الَّذِي خَلَقَ سَبْعَ سَمٰوَاتٍ وَّمِنَ الْأَرْضِ مِثْلَهُنَّ يَتَنَزَّلُ الْأَمْرُ بَيْنَهُنَّ لِتَعْلَمُوْا أَنَّ اللهَ عَلَى كُلِّ شَيْءٍ قَدِيرٌ وَّأَنَّ اللهَ قَدْ أَحَاطَ بِكُلِّ شَيْءٍ عِلْمًا

وفی روح المعانی (۱۴۲/۲۸): فقال الجمهور هی ههنا فی کونها سبعا اوکونها طباقا بعضها فوق بعض بین کل ارض وارض مسافة کمابین السماء والارض وفی کل ارض سکان من خلق الله عزوجل لایعلم حقیقتهم الاالله تعالی ......واخرج ابن ابی حاتم والحاکم وصححه عن ابن عمر

مرفوعا ان بين كل ارض والتى تليها خمسمائة عام......كون مابين كل أرضين خمسمائة سنة كمابين كل سماء ين جاء فى اخبار معتبرة كماروى الامام احمد والترمذى عن ابى هريرة ...... والاخبار فى تقدير المسافة بماذكر بين كل سماء ين اكثر من الاخبار فى تقديرها بين كل ارضين واضح ومنها ماهو مذكور فى صحيح البخارى وغيره من الصحاح ...وفيه ايضا: ان ثخن كل سماء خمسمائة عام۔

وفى تفسير ابن كثير تحت هذه الآية(۴/۳۴۷): ومن الارض مثلهن اى سبعا ايضا كماثبت فى الصحيحين من ظلم قيد شبر من الارض طوقه من سبع ارضين وفى صحيح البخارى خسف به الى سبع ارضين ...ومن حمل ذلك على سبعة اقاليم فقد ابعد النجعة واغرق فى النزع وخالف القرآن والحديث بلامستند۔

(۴۹۵)روضہ اطہر پر صلوٰۃ وسلام پڑھنا

سؤال

کیافرماتے ہیں علماء کرام ومفتیان عظام اس مسئلہ کے بارے میں کہ روضہ اطہر پر جا کر "الصلوة والسلام عليك يارسول الله" کہنا جائز ہے یا نہیں؟

الجواب بعون الملك الوهاب

روضہ اطہر پر مذکورہ کلمات سے صلوٰۃ وسلام پڑھنا جائز بلکہ مستحسن ہے۔

لمافى المشكوة (ص۸۷): عن ابى هريرة رضی اللہ عنہ قال قال رسول الله صلى الله عليه وسلم من صلى على عند قبرى سمعته ومن صلى علي نائيا ابلغته۔

وفى عمدة القارى (۸/۷۰): وكان ابن عمر اذا قدم من سفر اتى قبره المكرم فقال السلام عليك يارسول الله۔

وفى مناسك ملاعلى القارى (ص۵۰۸): ثم توجه مع رعاية غاية الادب فقام تجاه الوجه الشريف السلام عليك ايهاالنبى ورحمة الله وبركاته۔وهذا القدر مماثبت فى الاثر وقد اقتصر عليه بعض الاكابر كابن عمر واختار بعضهم الاطالة من غير الملالة وعليه الاكثر ويؤيده ماورد فى الاخبار والآثار من فضيلة الاكثار من الصلاة والسلام على النبى المختار۔

(۴۹۶) درود کے الفاظ احادیث میں

سؤال

کیافرماتے ہیں علماء کرام ومفتیان عظام اس مسئلہ کے بارے میں کہ جب احادیث کی کتابوں میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا نام آجائے تو وہاں درود پڑھا اور لکھا جاتا ہے۔اب سوال یہ ہے کہ درود بھی احادیث کے الفاظ میں داخل ہے یا محدثین اپنی طرف سے اضافہ کرتے ہیں؟ اگر محدثین کی اپنی اختراع ہے تو پھر مبتدعین کو اپنی طرف سے متعین مقامات (مثلاً اذان سے پہلے یا بعد) پر ان کے مخصوص درود (صلوٰۃ وسلام) پڑھنے سے کیوں منع کیا جاتا ہے؟ اور اگر احادیث میں آپ کے نام نامی پر پڑھا اور لکھا جانے والا درود ''صلی اللہ علیہ وسلم'' احادیث سے ثابت ہو یا صحابہ کرام رضوان اللہ علیہم اجمعین سے ثابت ہو تو مع حوالہ نقل کریں۔

الجواب بعون الملک الوھاب

احادیث مبارکہ میں جہاں نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کا نام مبارک آجائے تو وہاں جو درود پڑھا جاتا ہے وہ بھی صحابہ رضوان اللہ علیہم اجمعین سے ہی منقول ہے۔محدثین اپنی طرف سے اضافہ نہیں کرتے۔اس کی دلیل یہ ہے کہ جہاں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے کسی نے بالمشافہ ملاقات میں ''یا محمد'' یا ''یارسول اللہ'' کے الفاظ کہے تو ان مواقع پر وہ الفاظ بغیر درود کے نقل کرتے ہیں، اپنی طرف سے اضافہ نہیں کرتے۔

مبتدعین کو ان کے مخصوص ''صلوٰۃ وسلام'' سے منع کرنا اس وجہ سے نہیں ہے کہ صلوٰۃ وسلام منقول نہیں ہے بلکہ فساد عقیدہ اور التزام کی وجہ سے منع کیا جاتا ہے لہٰذا اگر فساد عقیدہ اور التزام نہ ہو تو پڑھنا جائز ہے۔

لمافی المشکوۃ (ص١١): عن عمر بن الخطاب ﷺ قال بینما نحن عند رسول اللہ ﷺ ذات یوم اذ طلع علینا رجل شدید بیاض الثیاب شدید سواد الشعر لایُری علیه اثر السفر ولایعرفه منا احد حتی جلس الی النبی ﷺ فاسند رکبتیه ......وقال یامحمد اخبرنی عن الاسلام۔

وفیه ایضاً (ص٢٧): عن عائشة رضی الله عنها قالت : قال رسول الله صلی الله علیه وسلم : " من أحدث في أمرنا هذا ما لیس منه فهو رد "۔

وفیه ایضاً (ص٢٢): عن عائشة رضی الله عنهاقالت قلت یارسول الله ذراری المؤمنین قال من آبائهم الی آخر الحدیث۔

(۴۹۷) کیا ابوطالب ایمان لے آئے تھے؟

سؤال

کیا فرماتے ہیں علماء کرام ومفتیان عظام اس مسئلہ کے بارے میں کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے چچا حضرت ابوطالب مرنے سے پہلے ایمان لے آئے تھے یا نہیں؟ قرآن وحدیث کی روشنی میں جواب عنایت فرمائیں۔

الجواب بعون الملک الوھاب

جمہور اہل سنت کے نزدیک ابوطالب ایمان نہیں لائے تھے اور اپنے آباء واجداد کی ملت پر دنیا سے رخصت ہوئے۔ لیکن احتیاط اس میں ہے کہ اس بارے میں زیادہ بحث نہ کی جائے بلکہ سکوت اختیار کیا جائے۔

لقوله تعالى (التوبه :۱۱۳): مَا كَانَ لِلنَّبِيِّ وَالَّذِيْنَ آمَنُوْا أَنْ يَّسْتَغْفِرُوْا لِلْمُشْرِكِيْنَ وَلَوْ كَانُوْا أُولِيْ قُرْبٰى مِنْ بَعْدِ مَا تَبَيَّنَ لَهُمْ أَنَّهُمْ أَصْحٰبُ الْجَحِيْمِ

وفى قوله تعالى (القصص:٥٦):إِنَّكَ لَا تَهْدِيْ مَنْ أَحْبَبْتَ وَلٰكِنَّ اللهَ يَهْدِيْ مَنْ يَّشَاءُ وَهُوَ أَعْلَمُ بِالْمُهْتَدِيْنَ

وفى روح المعانى (۹۶/۲۰): تحت آية انك لاتهدى من احببت ...... والآية مانطقت به كثير من الاخبار نزلت فى ابى طالب۔ اخرج عبد بن حميد ومسلم والترمذى وابن ابى حاتم وابن مردوية والبيهقى فى الدلائل عن ابى هريرة قال لما حضرت وفاة ابى طالب اتاه النبى صلى الله عليه وسلم فقال ياعماه قل لااله الاالله اشهد لك بها عندالله يوم القيمة فقال :لولا ان يعيرونى قريش يقولون: ماحمله عليها الاجزعه من الموت لاقررت بها عينك فانزل الله تعالى انك لاتهدى من احببت الآية ......ثم انه على القول بعدم اسلامه لاينبغى سبه والتكلم فيه بفضول الكلام فان ذلك مما يتاذى به العلويون بل لايبعد ان يكون ممايتاذى به النبى عليه الصلوة والسلام الذى نطقت الآية بناء على هذه الروايات بحبه اياه والاحتياط لايخفى على ذى فهم۔

وفى الصحيح للبخارى(۱۸۱/۱): حدثنا اسحق ......اخبرنا سعيد بن المسيب عن ابيه انه اخبره انه لما حضرت اباطالب الوفاة جاءه رسول الله صلى الله عليه وسلم فوجد عنده اباجهل بن هشام وعبدالله بن امية بن المغيرة قال قال رسول الله صلى الله عليه وسلم لابى طالب اى عم قل لااله الاالله كلمة اشهد لك بها عند الله فقال ابوجهل وعبدالله ابن امية يااباطالب اترغب عن ملة عبدالمطلب فلم يزل

رسول اللهﷺ يعرضها عليه ويعودان تلك المقالة حتى قال ابوطالب آخر ماكلمهم به هو على ملة عبدالمطلب وابى ان يقول لااله الاالله۔

(۴۹۸) جنت کے مینڈھے کا گوشت

سؤال

کیافرماتے ہیں علماء کرام ومفتیان عظام اس مسئلہ کے بارے میں کہ حضرت اسماعیل علیہ الصلوٰۃ والسلام کے بدلے میں جس مینڈھے کو جنت سے اتارا گیا تھا اس کا گوشت کس نے کھایا؟

الجواب بعون الملک الوھاب

بعض مفسرین کی صراحت کے مطابق اس مینڈھے کا گوشت پرندوں اور درندوں نے کھایا۔

لمافی حاشية الصاوی علی الجلالين (۳/۳۴۲): وفديناه بذبح (بكبش)عظيم (من الجنة هو الذى قربه هابيل جاء به جبرائيل عليه السلام)فذبحه السيد ابراهيم مكبرا.......(قوله فذبحه السيد ابراهيم) اى وبقى قرناه معلقين على الكعبة الى ان احترق البيت فى زمن ابن الزبير ومابقى من الكبش اكلته السباع والطيور لان النار لاتوثر فيماهو من الجنة۔

(۴۹۹) عید کے دن مبارک باد دینا

سؤال

کیافرماتے ہیں علماء کرام ومفتیان عظام اس مسئلہ کے بارے میں کہ عیدالفطر کے دن مبارک باد دینا ثابت یعنی جائز ہے یانہیں؟ کیا یہ بدعت تونہیں؟ مدلل جواب عنایت فرمائیں۔

الجواب بعون الملک الوھاب

اگراس کے التزام کاعقیدہ نہ ہوتو جائز ہے۔

لمافی ردالمحتار (۲/۱۶۹): والتهنئة بتقبل الله منا ومنكم لاتنكر۔

وفى الشامية : (قوله لاتنكر) خبر قوله والتهنئة ......قال المحقق ابن امير الحاج :بل الاشبه انها جائزة مستحبة فى الجملة ثم ساق آثارا باسانيد صحيحة عن الصحابة فى فعل ذلك ثم قال:

والمتعامل فی البلاد الشامية والمصرية عيد مبارك عليك ونحوه وقال يمكن ان يلحق بذلك فی المشروعية والاستحباب لمابينهما من التلازم فان من قبلت طاعته فی زمان كان ذلك الزمان عليه مباركا على انه قد ورد الدعاء بالبركة فی امور شتی فيوخذ منه استحباب الدعا بها هنا ايضا اھ۔

(۵۰۰)روضہ اقدس پر حاضر ہو کر شفاعت طلب کرنا

سؤال

کیافرماتے ہیں علماء کرام ومفتیان عظام اس مسئلہ کے بارے میں کہ آیت کریمہ {وَلَوْ أَنَّهُمْ إِذْ ظَلَمُوا أَنْفُسَهُمْ جَاءُوكَ فَاسْتَغْفَرُوا اللهَ وَاسْتَغْفَرَ لَهُمُ الرَّسُولُ لَوَجَدُوا اللهَ تَوَّابًا رَحِيمًا} سے معلوم ہوتا ہے کہ آپ کی حیات مبارکہ میں جاکر کوئی دعا کرا سکتا تھا لیکن کیا آج بھی ایسا کرسکتا ہے؟ کیونکہ حضرت مفتی شفیع رحمۃ اللہ علیہ نے اپنی تفسیر معارف القرآن میں لکھا ہے کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت اقدس میں حاضری جیسا کہ آپ کی حیات دنیویہ میں ہوسکتی تھی اسی طرح آج بھی روضہ اقدس پر حاضری اسی حکم میں ہے الخ۔

اب سوال یہ ہے کہ اگر آج کوئی شخص اپنی حاجات روضہ مبارک کے پاس جاکر پیش کرے کہ آپ میری حاجات سفارش کے ساتھ اللہ تعالی کے دربار میں پیش کریں جیسا کہ عام طور پر لوگ مزاروں پر جاتے ہیں تو ایسا کرنا شرعا درست ہے یا نہیں؟ تفصیل سے بحوالہ جواب عنایت فرمائیں۔

الجواب بعون الملک الوھاب

حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی قبر مبارک کے پاس جاکر اپنی حاجت کے لئے اللہ تعالی سے دعا کرنا اور شفاعت کرانا درست ہے البتہ خود حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی ذات سے حاجت طلب کرنا درست نہیں بلکہ شرک ہے۔ یہ آیت کریمہ اگرچہ منافقین کے حق میں نازل ہوئی لیکن اب بھی کوئی جاکر رفع حاجت کے لئے شفاعت طلب کرے گا تو جائز ہے چنانچہ مفسرین نے لکھا ہے کہ ایک اعرابی نے حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے روضہ مبارک کے پاس جاکر شفاعت کی درخواست کی تاکہ اللہ تعالی اس کی مغفرت فرمادیں تو اس نے خواب میں دیکھا کہ آپ اس اعرابی کی مغفرت کی خوشخبری سنا رہے ہیں۔

لمافی روح المعانی (۵/۷۱): '' وَلَوْ أَنَّهُمْ إِذْ ظَلَمُوا أَنْفُسَهُمْ جَاءُوكَ '' علی اثرظلمهم بلاريث متوسلين بك تائبين عن جنايتهم غير جامعين ......فاستغفروالله واستغفر لهم الرسول وسأل الله تعالى ان يقبل توبتهم ويغفر ذنوبهم۔

وفی احکام القرآن للقرطبی (۲۶۵/۵): ''ولو انهم اذظلموا انفسهم جاء وك ''روی ابوصادق عن علی :قال قدم علینا اعرابي بعد مادفنا رسول اللهﷺ بثلاثة ایام فرمی بنفسه علی قبر رسول الله وحثا علی رأسه من ترابه ؟فقال :قلت یارسول الله فسمعنا قولك،ووعیت عن الله فوعینا عنك وکان فیماانزل الله علیك ولو انهم اذظلموا انفسهم،الآیة وقد ظلمت نفسی وجئتك تستغفر لی،فنودی فی القبر انه قد غفر لك۔

وفی تفسیر ابن کثیر (۴۶۱/۱): ولو انهم اذظلموا انفسهم الآیة یرشدالله تعالی العصاة والمذنبین اذا وقع منهم الخطاء والعصیان ،ان یاتوا الی الرسول فیستغفروااللهعنده ویسألوه ان یستغفر لهم فانهم اذافعلوا ذلك تاب الله علیهم ورحمهم وغفر لهم،ولهذا قال لوجدواالله توابارحیما وقد ذکر جماعة منهم الشیخ ابومنصور الصباغ فی کتابه الشامل الحکایة المشهورة عن العتبی قال:کنت جالسا عند قبرالنبیﷺ فجاء اعرابي فقال:السلام علیك یارسول الله ......وقد جئتك مستغفرالذنبی مستشفعا بك الی ربی ثم انشأیقول

یاخیر من دفنت بالقاع اعظمه فطاب من طیبهن القاع والاکم

فنفسی الفداء لقبر انت ساکنة فیه العفاف وفیه الجود

ثم انصرف الاعرابي فغلبتنی عینی فرأیت النبیﷺ فقال یاعتبی الحق الاعرابي فبشره ان الله قدغفرله۔

(۵۰۱) آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم پرسلام اوراس کاجواب

سؤال

کیافرماتے ہیں علماء کرام ومفتیان عظام اس مسئلہ کے بارے میں کہ ایک حدیث کاترجمہ نظر سے گزراجس کاحاصل یہ ہے کہ ''نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم فرماتے ہیں:جب کوئی شخص مجھ پرسلام بھیجتاہے تواللہ تعالی میری روح کوواپس لوٹاتے ہیں یہاں تک کہ میں اس کوسلام کاجواب لوٹاتاہوں''۔اب سوال یہ ہے کہ اہل سنت کاعقیدہ ہے کہ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کوروضہ مبارک میں حیات حاصل ہے توپھراس روح کولوٹانے کاکیامطلب ہے؟براہ کرم اطمینان بخش جواب دے کرمیرے اس خلجان کودورفرمائیں۔

الجواب بعون الملک الوھاب

صورت مسئولہ میں روح کولوٹانے کے کئی مطلب علماء نے بیان کئے ہیں:

(۱) حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی روح مبارک اللہ تعالی کی جناب کی طرف ہر دم متوجہ رہتی ہے جس کی وجہ سے آپ کی ساری توجہ اسی طرف مرکوز رہتی ہے۔ جب کوئی شخص سلام کہتا ہے تو اللہ تعالی اس حالت سے دوسری حالت کی طرف آپ کی روح لوٹاتے ہیں تاکہ آپ اس کا جواب دے سکیں۔

(۲) روح کا لوٹانا کنایہ ہے اس بات سے کہ اللہ تعالی انہیں درود پڑھنے والے کا بتلاتے ہیں یعنی حقیقۃً روح نہیں لوٹائی جاتی بلکہ صرف یہ بتلایا جاتا ہے کہ فلاں نے سلام کہا البتہ اس کو روح لوٹانے سے تعبیر کیا۔

(۳) اس روایت کی وجہ سے شبہ میں پڑنے کی ضرورت نہیں کیونکہ یہ اہل سنت کے مذہب کے خلاف نہیں ہے وجہ یہ ہے کہ اگر روایت کو اپنے معنی پر باقی رکھ کر غور کیا جائے تو پتہ چلے گا کہ یہ روایت خود حیات انبیاء کی دلیل ہے۔ اور وہ اس طرح کہ اگر سلام کے وقت آپ کی روح کو واپس لوٹانا تسلیم کیا جائے تو کوئی وقت ایسا نہیں جس میں کائنات میں کوئی بھی شخص آپ پر درود وسلام نہ بھیج رہا ہو، تو اس معنی کے علاوہ کیا ہو سکتا ہے کہ آپ کی روح ہمیشہ آپ کے جسد مبارک میں رہتی ہے اور اسی کا نام حیات ہے۔

لمافی المشکوۃ (ص۸۶): عن ابی ھریرۃ رضی اللہ عنہ قال قال رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ما من احد یسلم علی الا رد اللہ علی روحی حتی ارد علیہ السلام۔

وفی المرقاۃ (۳۴۱/۲): تحت ھذہ الروایۃ ...قال القاضی لعل معناہ ان روحہ المقدسۃ فی شأن مافی الحضرۃ الالھیۃ فاذابلغہ سلام احدمن الامۃ رد اللہ تعالی روحہ المطھرۃ من تلک الحالۃ الی رد من سلم علیہ ......وقال ابن الملک رد الروح کنایۃ عن اعلام اللہ ایاہ بان فلانا صلی علیہ۔

وفی الحاوی للفتاوی (۱۵۱/۲): ان الرد یستلزم الاستمرار لان الزمان لایخلوا من مصل علیہ فی اقطار الارض فلایخلوا من کون الروح فی بدنہ ......راجعت کتاب الفجر المنیر فیمافضل بہ البشیر والنذیر للشیخ تاج الدین بن الفاکھانی المالکی فوجدتہ قال فیہ ......یؤخذ من ھذا الحدیث ان النبی صلی اللہ علیہ وسلم حی علی الدوام وذلک انہ محال عادۃ ان یخلوا الوجود کلہ من واحد مسلم علی النبی صلی اللہ علیہ وسلم فی لیل اونھار۔

(۵۰۲) درود شریف میں صرف حضرت ابراہیم علیہ السلام کا ذکر کیوں ہے؟

سؤال

کیا فرماتے ہیں علماء کرام ومفتیان عظام اس مسئلہ کے بارے میں کہ جب درود پڑھا جاتا ہے تو تمام انبیاء میں سے صرف

حضرت ابراہیم علیہ الصلوٰۃ والسلام کے ساتھ ہی کیوں تشبیہ ذکر کی جاتی ہے جیسے "کما صلیت علی ابراھیم"۔ حالانکہ کتنے ہی دوسرے انبیاء بھی گزرے ہیں؟

الجواب بعون الملک الوھاب

صورت مسئولہ میں درود شریف میں صرف حضرت ابراہیم علیہ الصلوٰۃ والسلام کو خاص کرنے کی کئی وجوہات علماء نے ذکر فرمائی ہیں:

۱۔ حضرت ابراہیم علیہ الصلوٰۃ والسلام نے نبی علیہ الصلوٰۃ والسلام کے واسطے لیلۃ المعراج میں ہمیں (امت محمدیہ کو) سلام کہلوایا لہٰذا ہمیں بھی ایسا کرنے کا حکم دیا گیا۔

۲۔ حضرت ابراہیم علیہ الصلوٰۃ والسلام نے ہمارا نام مسلمان رکھا اس پر ان کی فضیلت کے اظہار کے لئے صرف ان ہی کو خاص کیا۔

۳۔ درود شریف سے مقصود دعا کرنا ہے کہ جس طرح حضرت ابراہیم علیہ الصلوٰۃ والسلام کو اللہ تعالیٰ نے خلیل بنایا اسی طرح ہمارے نبی علیہ الصلوٰۃ والسلام کو بھی خلیل بنائیں۔

۴۔ آپ چونکہ نسب کے اعتبار سے آپ علیہ الصلوٰۃ والسلام کے آباء میں شامل ہیں اس لئے ایسا کیا گیا۔

۵۔ آپ بقیہ تمام انبیاء میں افضل ہیں۔

۶۔ آپ علیہ الصلوٰۃ والسلام کو حضرت ابراہیم علیہ الصلوٰۃ والسلام کی اقتدا کا حکم دیا گیا اس لئے درود میں بھی ان ہی کو خاص کیا گیا۔

لمافی الدر المختار (۵۱۴/۱): وخص ابراھیم لسلامہ علینا، اولانہ سمانا المسلمین اولان المطلوب صلاۃ یتخذ بھاخلیلا۔

وفی الطحطاوی علی الدر (۲۲۶/۱): (قولہ لسلامہ علینا) ای لیلۃ المعراج حیث قال ابلغ امتک منی السلام (قولہ اولانہ سمانا المسلمین) کما اخبر تعالی بقولہ ھو سماکم المسلمین۔

وفی ردالمحتار علی الدر المختار (۵۱۴/۱): نقل اولا کمانقل فی الطحطاوی ثم قال ...... واجیب باجوبۃ اخری :منھا ان ذلک لابوتہ ...... ولرفعۃ شانہ فی الرسل وکونہ افضل بقیۃ الانبیاء علی الراجح ...... وللامر بالاقتداء بہ فی قولہ تعالی ان اتبع ملۃ ابراھیم حنیفا۔

(۵۰۳) سید کون ہیں؟

سؤال

کیا فرماتے ہیں علماء کرام ومفتیان عظام اس مسئلہ کے بارے میں کہ آج کل اکثر لوگ اپنے نام کے ساتھ "سید" لکھتے ہیں۔ اب دریافت طلب امر یہ ہے کہ سید کا مصداق اصل میں کون ہے؟ اور کون کون لوگ اس میں شامل ہیں؟ نیز نبی علیہ الصلوٰۃ والسلام نے

سب سے پہلے سید کا لفظ کس کے لئے استعمال کیا؟

الجواب بعون الملک الوھاب

سیّد کے مصداق وہ لوگ ہیں جو حضرت علی، حضرت جعفر، حضرت عباس اور حضرت عقیل رضی اللہ عنہ کی اولاد میں سے ہیں۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے سب سے پہلے سید کا لفظ کس کے لئے استعمال کیا تھا اس کی صراحت نہیں مل سکی البتہ بعض روایات سے ایسا معلوم ہوتا ہے کہ حضرت سعد بن معاذ رضی اللہ عنہ کے لئے استعمال فرمایا۔

لمافی الصحیح لمسلم (۲/۲۷۹): حدثنی زھیر بن حرب ......حدثنی یزید بن حیان قال انطلقت انا وعمر بن مسلم الی زیدبن ارقم فلما جلسنا الیه ...قال قام رسول الله صلی الله علیه وسلم یوما فینا خطیبا ...وذکر الحدیث وفیه ثم قال واھل بیتی اذکرکم الله فی اھل بیتی اذکرکم الله فی اھل بیتی فقال له حصین ومن اھل بیته یازید الیس نساء ہ من اھل بیته قال نساء ہ من اھل بیته ولکن اھل بیته من حرم الصدقة بعده قال ومن ھم قال ھم آل علی وآل عقیل وآل جعفر وآل عباس قال کل ھؤلاء حرم الصدقة۔

وفی الصحیح للبخاری (۱/۵۳۷): عن ابی سعیدالخدری ان اناسا نزلوا علی حکم سعد بن معاذ فارسل الیه فجاء علی حمار فلمابلغ قریبا من المسجد قال النبی صلی الله علیه وسلم خیرکم اوسیدکم فقال یاسعد وذکر الحدیث۔

وفی الحاوی للفتاوی (۲/۳۲): اسم الشریف کان یطلق فی الصدر الاول علی کل من کان من اھل البیت سواء کان حسنیا، ام حسینیا ام علویا من ذریة محمد ابن الحنفیة وغیرہ من اولاد علی بن ابی طالب أم جعفر یا أم عقیلیا أم عباسیاولھذا تجد تاریخ الحافظ الذھبی مشحونا فی التراجم بذلك ...... لاشك ان المصطلح القدیم اولی وھو اطلاقه علی کل علوی وجعفری وعقیلی وعباسی کماصنعه الذھبی وکمااشار الیه الماوردی من اصحابنا۔

(۵۰۴) اپنے نام کے ساتھ سید یا صدیقی وغیرہ لگانے کا حکم

سؤال

کیا فرماتے ہیں علماء کرام ومفتیانِ عظام اس مسئلہ کے بارے میں کہ سید کا لفظ کسی بھی شخص کو لگانے کی اجازت ہے یا وہ لگائے صرف جو آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی اولاد سے ہو۔ آج تو ہر دوسرا بندہ لگایا ہوتا ہے کیا یہ درست ہے؟ کیا یہ اس وعید میں نہیں آئے گا کہ جس نے

اپنے آپ کو اپنے والد کے غیر کی طرف منسوب کیا۔ اسی طرح آج کل لوگ صدیقی اور فاروقی وغیرہ لگا لیتے ہیں اس کا حکم بھی واضح الفاظ میں مع دلائل بیان فرمائیں۔

الجواب بعون الملک الوھاب

اگر کسی آدمی کا ان حضرات سے سلسلۂ نسب ثابت ہے تو پھر اس کیلئے اپنے نام کے ساتھ ان القاب کو لگانا درست ہے، اور اگر سلسلۂ نسب ان حضرات سے ثابت نہیں ہے پھر اپنے نام کے ساتھ ان القاب کا لگانا جائز نہیں ہے۔ احادیث میں اس کے بارے میں سخت وعیدیں آئی ہیں۔

لمافی قول الله تعالیٰ (الاحزاب:۵): ادْعُوْهُمْ لِآبَائِهِمْ هُوَ أَقْسَطُ عِنْدَ اللهِ فَإِنْ لَّمْ تَعْلَمُوْا آبَاءَهُمْ فَإِخْوَانُكُمْ فِي الدِّيْنِ وَمَوَالِيْكُمْ وَلَيْسَ عَلَيْكُمْ جُنَاحٌ فِيْمَا أَخْطَأْتُمْ بِهِ وَلٰكِنْ مَّا تَعَمَّدَتْ قُلُوْبُكُمْ وَكَانَ اللهُ غَفُوْرًا رَحِيْمًا

وفی التفسیر المظھری (۵/۷۔ ۲۸۴) (رشیدیه): ادعوهم لآباءهم يعنی انسبوهم الی ابائهم الذين خلقوا من نطفهم ولكن ماتعمدت قلوبكم لكن الجناح فيماتعمدت قلوبكم ففيه الجناح عن سعد بن ابی وقاص وابی بکرۃ قالا قال رسول الله ﷺ من ادعی الی غير ابيه وهو يعلم فالجنة عليه حرام۔

وفی صحيح البخاری كتاب الفرائض باب من ادعی الی غير ابيه (۱۰۰۱/۲): عن سعد بن ابی وقاص رضی الله عنه قال سمعت النبی ﷺ يقول من ادعی الی غير ابيه وهو يعلم انه هو غير ابيه فالجنة عليه حرام فذكرته الی ابی بكرة فقال وانا سمعته اذنای ووعاه قلبی من رسول الله ﷺ عن ابی هريرة عن النبی ﷺ قال :لَا تَرْغَبُوا عَنْ آبَائِكُمْ فَمَنْ رَغِبَ عَنْ أَبِيهِ فَهُوَ كُفْرٌ۔

(۵۰۵) آب حیات کا وجود

سؤال

کیا فرماتے ہیں علماء کرام ومفتیان عظام اس مسئلہ کے بارے میں کہ عام طور پر مشہور ہے کہ جس نے آب حیات سے پانی پی لیا وہ ہمیشہ زندہ رہتا ہے۔ کیا یہ بات صحیح ہے؟ اور آب حیات کا کہیں وجود ہے یا صرف یہ بات شہرت کی حد تک ہی ہے؟

الجواب بعون الملک الوھاب

بعض تاریخی روایات سے معلوم ہوتا ہے کہ آب حیات موجود ہے البتہ اصل آب حیات جنت میں ہی ہوگا۔

لمافی عمدة القاری (۱/۱۷۰): عن ابی سعیدالخدری ﷺ عن النبی ﷺ وذکر الحدیث وفیه:
فیخرجون منها قد اسودوا فیلقون فی نهر الحیاة الحدیث۔
(فی نهر الحیاة)......لان المراد کل مایحصل به الحیاة۔
وفی البدایة والنهایة (۲/۹۸): وقد ذکر ابن عساکر من طریق وکیع ......ان ذا القرنین کان له صاحب من الملائکة یقال له رناقیل فسأله ذوالقرنین هل تعلم فی الارض عینا یقال لها عین الحیاة فذکر له صفة مکانها فذهب ذوالقرنین فی طلبها وجعل الخضر علی مقدمته فانتهی الخضر الیها فی واد فی ارض الظلمات فشرب منها ولم یهتد ذوالقرنین الیها۔

(۵۰۶) مجدد اور مہدی میں فرق نیز آبِ حیات کا حکم

سؤال

کیا فرماتے ہیں علماء کرام ومفتیانِ عظام اس مسئلہ کے بارے میں کہ مہدی مجدد بھی ہوں گے یا نہیں؟ یا مجدد کوئی الگ چیز ہے؟ مجدد اور مہدی میں کیا فرق ہے؟ کیا مہدی کی طرح مجدد کا ثبوت بھی احادیث سے ملتا ہے۔ نیز مفتی صاحب آبِ حیات کا وجود ہے یا یہ صرف مشہور ہے کہ جو آبِ حیات پی لے وہ ہمیشہ زندہ رہتا ہے بظاہر تو یہ خلاف شرع وعقل بات معلوم ہوتی ہے" کل نفس ذائقة الموت"۔

الجواب بعون الملک الوھاب

سوال میں ذکر کردہ مسائل کے جوابات مندرجہ ذیل ہیں:

(۱)۔مہدی اور مجدد یہ ایک ہی ہستی کے دو نام نہیں ہیں، بلکہ یہ دو الگ الگ ہستیاں ہیں۔

(۲)۔مہدی ایک شخص معین ہے کوئی عہدہ نہیں ہے کہ ہر شخص کو حاصل ہو سکے، جبکہ مجدد کسی شخص معین کا نام نہیں ہے، بلکہ کسی کا مجدد ہونا امر ظنی ہے۔

(۳)۔مجدد کا ثبوت بھی حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ کی حدیث سے ملتا ہے "عن رسول اللہ ﷺ قال ان اللہ یبعث لهذه الامة علی راس کل مائة سنة من یجدد لها دینها" (ابوداؤد ۲/ ۲۳۳)

(۴)۔بعض تاریخی روایات سے معلوم ہوتا ہے کہ آبِ حیات موجود ہے، لیکن حقیقت یہ ہے کہ اصل آبِ حیات (جس کو پینے کے بعد کبھی موت نہیں آئے گی) جنت میں ہوگا۔

لمافی قوله تعالی (الشوریٰ : ۵۱): وَمَا كَانَ لِبَشَرٍ أَنْ يُكَلِّمَهُ اللَّهُ إِلَّا وَحْيًا أَوْ مِنْ وَرَاءِ

حِجَابٍ أَوْ يُرْسِلَ رَسُولًا فَيُوحِيَ بِإِذْنِهِ مَا يَشَاءُ إِنَّهُ عَلِيٌّ حَكِيمٌ

لمافی سنن ابی داؤد(۲۳۲/۲) اول كتاب المهدى: عن ام سلمة رضى الله عنها قالت سمعت رسول الله ﷺ يقول المهدى من عترتى من ولد فاطمة۔

وفى بذل المجهود (۱۰۴/۵) كتاب الملاحم، باب ما يذكر فى قرن المائة: قال العلامة خليل احمد السهانفورى رحمه الله: والاظهر عندى والله اعلم ان المراد "بمن يجدد" ليس شخصا واحداً بل المراد جماعة يجدد كل واحد فى بلد فى فن او فنون من العلوم الشرعية ماتيسر من الامور التقريرية او التحريرية ... الخ

وفى تفسير المظهرى (۶۱/۶)، سورة الكهف(ط:رشيديه): قال البغوى اختلف الناس فى ان الخضر عليه السلام حى ام ميت قيل ان الخضر والياس حيان يلتقيان كل سنة بالموسم وكان سبب حياته فيما يحكى به انه شرب من عين الحياة وذلك ان ذا القرنين دخل الظلمة لطلب عين الحيوة وكان الخضر على مقدمة فوقع الخضر على العين فنزل فاغتسل وشرب وصلى وشكر الله تعالى واخطا ذوالقرنين الطريق فعاد۔

وفى صحيح البخارى (۸/۱) كتاب الايمان، باب تفاضل اهل الايمان فى الاعمال: عن ابى سعيد الخدرى عن النبى ﷺ قال يدخل اهل الجنة الجنة واهل النار النار ثم يقول الله اخرجوا من كان فى قلبه مثقال حبة من خردل من ايمان فيخرجون منها قد اسودوا فيلقون فى نهر الحيا أو الحياة شك مالك۔

وفى عمدة القارى (۱۷۰/۱) (فى نهر الحياة)...... لان المراد كل ما يحصل به الحياة۔

(۵۰۷) کیا صحیح بخاری کی احادیث دوسری کتابوں پر مقدم ہیں؟

سؤال

کیا فرماتے ہیں علماء کرام ومفتیان عظام اس مسئلہ کے بارے میں کہ یہ جو مشہور ہے کہ جو حدیث بخاری شریف میں موجود ہے وہ باقی کتب حدیث پر مقدم ہوگی۔ اس کی حقیقت کیا ہے؟ کیونکہ اگر کسی روایت کی سند صحیح ہو تو اسے بھی قبول کرنا چاہیئے ورنہ بخاری کے علاوہ سارا ذخیرہ حدیث (العیاذ باللہ) نا قابل اعتماد ہوگا۔ امید ہے کہ مفصل ومدلل جواب عنایت فرمائیں گے۔

الجواب بعون الملک الوھاب

بخاری شریف کو دوسری کتابوں پر جو فوقیت حاصل ہے وہ مجموعے کے اعتبار سے ہے یعنی "مجموعۃ من حیث المجموعۃ" بخاری شریف کو دوسری کتب پر ترجیح حاصل ہے۔ البتہ فرداً فرداً اگر ایک ایک روایت کو لیا جائے تو اس بات کا قوی احتمال بلکہ فی الواقع ایسا ہے کہ بعض دوسری کتب کی روایات سند کے اعتبار سے بخاری شریف میں موجود روایت سے زیادہ قوی سند سے مروی ہیں۔

اس کا سب سے بڑا نا قابل انکار ثبوت یہ ہے کہ ائمہ متقدمین میں سے بعض حضرات نے بعض احادیث کی سند کے بارے میں فرمایا کہ یہ دنیا کی صحیح ترین سند ہے۔ اگر چہ کسی ایک سند کو ہر اعتبار سے تمام اسناد سے صحیح ترین قرار دینا متاخرین کے نزدیک محل نظر ہے لیکن اس بات پر متاخرین کا اتفاق ہے کہ جن اسناد کے بارے میں ان ائمہ حضرات نے صحیح ترین کا قول کیا ہے وہ کم سے کم ان روایات سے جن کے بارے میں ایسا قول نہیں ملتا ضرور راجح اور صحیح ہیں اور اس طرح کی کئی اسناد بخاری کے علاوہ دوسری کتب میں موجود ہیں اور ان روایات کے بارے میں باقی اسناد کی نسبت سے صحیح ترین کا قول کئے بغیر کوئی چارہ نہیں۔ (جس میں بخاری کی روایات بھی شامل ہوں گی)۔

اس کے علاوہ دیگر کئی وجوہ کی بناء پر بھی بعض دیگر روایات، بخاری شریف کی بعض روایات پر مقدم ہوں گی لہٰذا یہ کہنا کہ بخاری شریف کی روایات کو فرداً فرداً دوسری تمام روایات پر فوقیت حاصل ہے یہ خلاف حقیقت اور محض پروپیگنڈہ ہے جو ایک خاص طبقے کی طرف سے کیا گیا ہے اور مقصود بخاری شریف کی آڑ میں اپنی خواہشات کی تکمیل ہے تاکہ دینداری کا لبادہ بھی باقی رہے اور اپنی خواہشات پر عمل بھی ہوتا رہے۔

لمافی تدریب الراوی (۹۸/۱): ولم یستوعبا الصحیح ولاالتزماہ قیل ولم یفتھما الاقلیل وانکر ھذا ......(ولم یستوعبا الصحیح) فی کتابیھما (ولاالتزماہ)ای استیعابہ،فقد قال البخاری ما ادخلت فی کتاب الجامع الاماصح،وترکت من الصحاح مخافۃ الطول ...(وانکر ھذا) القول البخاری فیمانقلہ الحازمی والاسماعیلی وماترکت من الصحاح اکثر۔

وفیہ ایضاً (۷۶/۱): والمختار انہ لایجزم فی اسناد انہ اصح الاسانید مطلقا۔قال شیخ الاسلام: مع انہ یمکن للناظر المتقن ترجیح بعضھا علی بعض من حیث حفظ الامام الذی رجح واتقانہ ،وان لم یتھیأ ذلک علی الاطلاق فلایخلوا النظر فیہ من فائدۃ،لان مجموع مانقل عن الائمۃ من ذلک یفید ترجیح التراجم التی حکموالھا بالاصحیۃ علی مالم یقع لہ حکم من احد منھم۔

وفي اعلاء السنن (۱۹/۶۵): ان دعوى اصحية مافي الكتابين اواصحية البخاري على صحيح مسلم وغيره انماتصح باعتبار الاجمال ومن حيث المجموع دون التفصيل باعتبار حديث وحديث صرح به في التدريب ...... حيث قال ...... قد يعرض للمفوق مايجعله فائقا كأن يتفقا على اخراج حديث غريب ويخرج مسلم اوغيره حديثا مشهورا اومما وصفت ترجمته لكونها اصح الاسانيد، ولايقدح فيماتقدم لان ذلك باعتبار الاجمال۔قال الزركشي :ومن هنا يعلم ان ترجيح كتاب البخاري على مسلم وغيره انماالمراد به ترجيح الجملة على الجملة لاكل فرد من احاديثه على كل فرد من احاديث الاخر۔

(۵۰۸) کسی بزرگ کے ہاتھ چومنا

سؤال

کیافرماتے ہیں علماء کرام اس مسئلہ کے بارے میں کہ کسی بزرگ کے ہاتھ چومنا کیساہے؟اسکی وضاحت فرمادیں۔

الجواب بعون الملك الوهاب

تعظیم واکرام کی غرض سے کسی عالم یابزرگ کے ہاتھ چومنا جائز ہے البتہ دنیاوی اغراض کے لیے یا عبادت سمجھ کر چومنا جائز نہیں ہے۔

لما في الهندية (۵/۳۶۹): ان قبل يدعالم اوسلطان عادل لعلمه وعدله لابأس به وان قبل يد غير العالم او غير السلطان العادل ان اراد به تعظيم المسلم واكرامه فلا بأس به ... وان اراد به عبادة له او لينال منه شيئامن غرض الدنيا فهو مكروه۔

وفي الدرالمختار (۶/۳۸۳): ولا بأس بتقبيل يد الرجل العالم والمتورع على سبيل التبرك ونقل المصنف عن الجامع انه لابأس بتقبيل يد الحاكم المتدين السلطان العادل ولارخصة فيه لغيرهما... وفي المحيط ان لتعظيم اسلامه واكرامه جاز وان لنيل الدنيا كره۔

(۵۰۹) کیامکڑی نے غارثور کے دہانے پرجالاتناتھا؟

سؤال

کیافرماتے ہیں علماء کرام ومفتیان عظام اس مسئلہ کے بارے میں کہ مشہور یہ ہے کہ مکڑی نے حضورصلی اللہ علیہ وسلم کی حفاظت کے

لئے غار حرا کے منہ پر جالا بنایا تھا۔ کیا یہ بات صحیح ہے؟ اگر صحیح ہے تو پھر یہ تو ایک اچھی چیز ہوئی جبکہ دوسری طرف مشہور یہ ہے کہ جس گھر میں مکڑی کے جالے ہوں گے اس گھر کے رزق میں برکت نہیں ہوگی۔ دونوں کا جواب عنایت فرمائیں۔

الجواب بعون الملک الوھاب

غار حرا نہیں بلکہ غار ثور کے دہانے پر مکڑی نے جالا تنا تھا اور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے اس کے مارنے سے منع فرمایا ہے۔ اگر یہ روایت صحیح تسلیم کر لی جائے تو اس کا مارنا جائز نہ ہوگا البتہ اس کے جالے جو گھروں میں ہوں ان کے صاف کرنے میں کوئی حرج نہیں کیونکہ حضرت علی رضی اللہ عنہ کی روایت میں اسے فقر کا سبب بتایا گیا ہے۔ دوسری بات یہ ہے کہ صفائی اور نظافت کے لئے ان کو صاف کیا جاتا ہے اور نظافت وصفائی کے استحباب میں کوئی تردد نہیں ہے۔

لمافی روح المعانی (۲۰/۱۶۱): تحت آیة "ان اوھن البیوت لبیت العنکبوت الآیة"....... وقیل لایسن قتلها فقد اخرج الخطیب عن علی کرم الله وجهه قال قال رسول الله صلی الله علیه وسلم دخلت انا وابوبکر الغار فاجتمعت العنکبوت فنسجت بالباب فلا تقتلوهن۔ ذکر هذا الخبر الجلال السیوطی فی الدرالمنثور والله تعالی اعلم لصحته وکونه مایصلح للاحتجاج به .... وذکر انه یحسن ازالة بیتها من البیوت لما اسند الثعلبی وابن عطیة وغیرهما عن علی کرم الله وجهه انه قال: طهروا بیوتکم من نسج العنکبوت فان ترکه فی البیوت یورث الفقر وهذا ان صح عن الامام کرم الله وجهه فذاك والافحسن الازالة لما فیها من النظافة ولاشك بندبها۔

وفی البدایة والنهایة (۳/۱۷۶): لما خرج من مکة مهاجرالی الله یرید المدینة قال .... قال ابن اسحاق ثم عمدا الی غار بثور جبل باسفل مکة فدخلاه .... فاقتفوا اثره فلما بلغوا الجبل اختلط علیهم فصعدوا الجبل فمروا بالغار فرأوا علی بابه نسج العنکبوت الخ۔

(۵۱۰) قبلہ یا کتابوں کی طرف پاؤں پھیلانا

سؤال

کیا فرماتے ہیں علماء کرام ومفتیان عظام اس مسئلہ کے بارے میں کہ قبلہ یا کتابوں کی طرف پاؤں پھیلانا کیسا ہے؟ میرے ایک عزیز جو معذور ہیں وہ نماز میں بھی قبلہ کی طرف پاؤں پھیلا کر بیٹھتے ہیں۔ کیا ایسا کرنا شرعاً صحیح ہے؟

الجواب بعون الملک الوھاب

قبلہ اور کتب شرعیہ کی طرف بلا کسی عذر کے قصداً پاؤں پھیلانا ناجائز ہے جبکہ کتب پاؤں کے برابر ہوں۔ اور اگر کوئی عذر ہو

یا پھر کتب پاؤں کے برابر نہ ہوں بلکہ اوپر ہوں یا بہت دور ہوں تو پھر پاؤں پھیلانا جائز ہے۔

لمافی الدرالمختار مع ردالمحتار (۱/۲۵۵): کرہ مد رجلیه فی نوم اوغیرہ الیها ای عمدالانه اساء ة ادب اوالی مصحف اوشئ من الکتب الشرعیة الاان یکون علی موضع مرتفع عن المحاذاة فلایکرہ۔

وفی الشامیة: ''ای عمدا'' ای من غیر عذر امابالعذر او السهو فلا۔ (لانه اساء ةادب) افاد ان الکراهة تنزیهیة لکن قدمناه عن الرحمتی ......انه سیأتی انه بمد الرجل الیها ترد شهادته قال وهذا یقتضی التحریم۔(مرتفع) ظاهره لوکان الارتفاع قلیلا۔ قلت ای بما تنتفی به المحاذاة عرفا ...... والظاهر انه مع البعد الکثیر لاکراهة مطلقا۔

(۵۱۱) قبلہ کی طرف پاؤں پھیلانا بے ادبی ہے

سؤال

کیا فرماتے ہیں علماء کرام ومفتیان عظام اس مسئلہ کے بارے میں کہ یہ کہنا کہ ''قبلہ کی طرف پاؤں کرنا بے ادبی ہے'' یہ بات کسی حدیث یا فقہ کی کتاب سے ثابت ہے یا نہیں؟ اور قرآن مجید یا کتب فقہ کو کتنا اونچا رکھنا چاہیئے جس سے بے ادبی لازم نہ آئے۔ وضاحت کے ساتھ جواب عنایت فرمائیں۔

الجواب بعون الملک الوھاب

قبلہ کی طرف پاؤں پھیلانا بے ادبی ہے اس کی صراحت تقریباً تمام کتب فقہ میں موجود ہے۔ اسی طرح کتب حدیث وفقہ کی طرف پاؤں پھیلانا بھی بے ادبی ہے البتہ اگر یہ کتب پاؤں کی برابری سے اس قدر اونچی ہوں جسے عرف میں برابری نہیں سمجھا جاتا تو پھر اس طرف پاؤں پھیلانا جائز ہوگا۔

لمافی الهندیة (۵/۳۲۲): مد الرجلین الی جانب المصحف ان لم یکن بحذائه لایکرہ وکذا لوکان المصحف معلقا فی الوتد وهو قدمد الرجل الی ذلك الجانب لایکرہ۔

وفی الدرالمختار مع ردالمحتار (۱/۶۵۵): کرہ مد رجلیه فی نوم اوغیرہ الیها ای عمداً لانه اسائة ادب اوالی مصحف او شئ من الکتب الشرعیة الاان یکون علی موضع مرتفع عن المحاذاة فلایکرہ۔

وفی الشامیة : (مرتفع) ظاهره لوکان الارتفاع قلیلا ط۔قلت:ای بما تنتفی به المحاذاة

عرفا۔ویختلف ذلک فی القرب والبعد،فانه فی البعد لاتنتفی بالارتفاع القلیل والظاهر انه مع البعد الکثیر لا کراهة مطلقا۔

(۵۱۲) مصافحہ کے وقت جھکنا اور سینے پر ہاتھ رکھنا

سؤال

کیا فرماتے ہیں علماء کرام ومفتیان عظام اس مسئلہ کے بارے میں کہ کسی عالم کے مصافحے کے وقت جھکنا اور مصافحہ کے بعد سینہ پر ہاتھ رکھنا صحیح ہے یا نہیں؟ بعض حضرات کا کہنا ہے کہ سینہ پر ہاتھ اللہ تعالی کی تعظیم کے لئے رکھا جاتا ہے لہذا اللہ تعالی کے علاوہ کسی اور کے لئے اس طرح کرنا صحیح نہیں۔آپ قرآن وسنت کی روشنی میں جواب عنایت فرمائیں۔

الجواب بعون الملک الوھاب

مصافحہ کے وقت جھکنا شرعا جائز نہیں ہے البتہ تھوڑا معمولی جھکاؤ جو اپنی راحت اور آسانی کے طور پر ہوتا ہے وہ درست ہے۔اسی طرح مصافحہ کرنے کے بعد سینے پر ہاتھ رکھنا کہیں سے ثابت نہیں ہے لہذا اس سے بھی احتیاط کرنی چاہیئے۔

دلائل المسئلة مرت سابقا فی رقم السؤال:۴۷۸

(۵۱۳) اللہ نبی وارث لکھنا

سؤال

کیا فرماتے ہیں علماء کرام ومفتیان عظام اس مسئلہ کے بارے میں کہ بعض گاڑیوں کے سوئچ بورڈ پر اللہ نبی وارث لکھا ہوتا ہے۔کیا ایسا لکھنا جائز ہے؟

الجواب بعون الملک الوھاب

اس قسم کے کلمات لکھنا جائز نہیں اگرچہ لکھنے والے کا عقیدہ صحیح ہو کیونکہ اس میں شرک کا پہلو پایا جاتا ہے بایں طور کہ اللہ تعالی کی صفات میں غیر کو شریک ماننا لازم آرہا ہے حالانکہ تمام چیزوں کے وارث ومالک حقیقی صرف اللہ تعالی ہی ہیں کوئی رسول یا فرشتہ یا ولی اللہ تعالی کے علاوہ کسی چیز کا مالک نہیں ہوسکتا۔

لقوله تعالی (الاسراء:۱۱۱): وَقُلِ الْحَمْدُ لِلّٰهِ الَّذِيْ لَمْ يَتَّخِذْ وَلَدًا وَّلَمْ يَكُنْ لَّهٗ شَرِيْكٌ فِي الْمُلْكِ وَلَمْ يَكُنْ لَّهٗ وَلِيٌّ مِّنَ الذُّلِّ وَكَبِّرْهُ تَكْبِيْرًا

(النور :٤٢):وَلِلّٰهِ مُلْكُ السَّمٰوٰتِ وَالْأَرْضِ وَمَا بَيْنَهُمَا وَإِلَيْهِ الْمَصِيْرُ
(الزمر :٦): ذٰلِكُمُ اللّٰهُ رَبُّكُمْ لَهُ الْمُلْكُ لَا إِلٰهَ إِلَّا هُوَ فَأَنّٰى تُصْرَفُوْنَ
(الشوریٰ : ٤٩): وَلِلّٰهِ مُلْكُ السَّمٰوٰتِ وَالْأَرْضِ وَمَا بَيْنَهُمَا يَخْلُقُ مَا يَشَاءُ وَاللّٰهُ عَلٰى كُلِّ شَيْءٍ قَدِيْرٌ

(۵۱۴) چھ کلمات کی حقیقت

سؤال

کیا فرماتے ہیں علماء کرام ومفتیان عظام اس مسئلہ کے بارے میں کہ قراء حضرات مساجد ومکاتیب میں چھوٹے بچوں کو چھ کلمے یاد کراتے ہیں اوران کے مخصوص نام ہیں جیسے کلمہ طیب ،شہادت ،تمجید ،توحید ،استغفار اوررد کفر۔کیا یہ کلمات احادیث سے ثابت ہیں؟ان کے پڑھنے پڑھانے کی شرعی حیثیت کیا ہے؟

الجواب بعون الملک الوھاب

ان چھ کلمات میں سے چار کلمے توبعینہا کتب احادیث میں ملتے ہیں۔پانچواں اور چھٹا کلمہ بعینہ احادیث میں موجود تونہیں البتہ یہ احتمال ہے ان دو کے الفاظ کومختلف ادعیہ سے لیا گیا ہوان کلمات کو پڑھنا اور پڑھانا ضروری نہیں ہے البتہ ان کلمات کو پڑھنے کے بہت سے فضائل وارد ہوئے ہیں لہٰذا بہتر یہ ہے کہ انہیں سیکھا اور سکھایا جائے۔

نیز احادیث میں ان کے نام مذکورنہیں ہیں اور نہ ہی مروجہ ترتیب ہے ہاں ممکن ہے کہ عوام میں امتیاز کے لئے ان کے نام اور مروجہ ترتیب مشہور ہوگئی ہو۔

لمافی الترغیب والترھیب (۲/۲۶۷): عن ابی ھریرةؓ قال قال رسول اللهﷺ ماقال عبد لاالہ الااللہ قط مخلصا الا فتحت له ابواب السماء حتی یفضی الی العرش مااجتنبت الکبائر۔

وفیه ایضاً (۲/۲۷۰): عن عبداللہ بن عمروبن العاص ؓ ان رسول اللهﷺ قال ان الله یستخلص رجلا من امتی علی رؤوس الخلائق یوم القیامة فینشر علیه تسعة وتسعین سجلا کل سجل مثل مد البصر .... فیقول اللہ تعالی بلی ان لك عندنا حسنة فانه لاظلم علیك الیوم فتخرج بطاقة فیھا اشھد ان لاالہ الااللہ واشھدان محمدا عبدہ ورسوله۔

وفیه ایضاً (۲/۲۷۱): عن ایوب ؓ عن النبیﷺ قال من قال لاالہ الااللہ وحدہ لاشریك له له الملك وله الحمد وھو علی کل شئ قدیر کان کعدل محرر اومحررین۔

وفیہ ایضاً (٢/٢٧٢): عن ابن عمر رضی اللہ عنہما قال سمعت رسول اللہ ﷺ یقول من قال لا الہ الا اللہ وحدہ لاشریک لہ الملک ولہ الحمد یحیی ویمیت وھو الحی الذی لا یموت بیدہ الخیر وھو علی کل شئ قدیر لا یرید بہ الا وجہ اللہ ادخلہ اللہ بھا جنات النعیم۔

وفیہ أیضاً (٢/٢٧٥): وعن رجل من أصحاب النبی ﷺ قال: أفضل الکلام سبحٰن اللہ والحمدللہ ولا الہ الا اللہ واللہ اکبر۔

وفیہ أیضا (٢/٢٩٠): عن ابی موسیٰ رضی اللہ عنہ أن النبی ﷺ قال لہ: قل لاحول ولاقوۃ الا باللہ فانھا کنز من کنوز الجنۃ۔

(٥١٥) لفظ اللہ کو تھوک سے مٹانا

سوال

کیا فرماتے ہیں علماء کرام ومفتیان عظام اس مسئلہ کے بارے میں کہ اگر کسی کاغذ پر اللہ جل جلالہ لکھا ہو تو اسے تھوک سے مٹانا جائز ہوگا؟ جبکہ اس میں اسم مبارک کی توہین بھی ہے۔

الجواب بعون الملک الوھاب

صورت مسئولہ میں تھوک سے اسم مبارک کو مٹانا جائز نہیں ہے۔

لما فی الھندیۃ (٥/٣٢٢): وقد ورد النھی عن محو اسم اللہ تعالی بالبزاق کذا فی الغرائب۔

وفی الدر المختار (١/١٧٨): وقد ورد النھی فی محو اسم اللہ بالبزاق۔

وفی الرد تحتہ: (وقد ورد النھی) فھو مکروہ تحریما۔

نجم الفتاوی [طبع جدید] کی مکمل چھ جلدوں میں موجود تحقیقی فتاوی کی فہرست

نجم الفتاوی کی یہ طبع جدید جہاں اور خاصیات کی حامل ہے وہاں اس کی زینت وہ تحقیقی اور تفصیلی فتاوی بھی ہیں جو ان چھ جلدوں میں جا بجا پھیلے ہوئے ہیں اور مختلف عنوانات کی یہ تحقیقات جو کہ فتاوی کا حسن ہوتی ہیں، متعلقہ ابواب میں انہیں درج کر دیا گیا ہے۔ اہل علم، صاحب نظر، فقہ وتفقہ کا ذوق رکھنے والوں اور تحقیق کے شناوروں کیلئے ان فتاوی میں انتہائی قابلِ قدر مواد موجود ہے، یہ موتیاں چونکہ چھ جلدوں میں جا بجا بکھری ہوئی ہیں لہذا سہولت کے پیشِ نظر ان سب کی ایک اجمالی فہرست یہاں دی جا رہی ہے۔ از مرتب فرحان حسن عفی عنہ

نجم الفتاوی جلد اول کے تحقیقی فتاوی

(۴)ازالۃ الدرن فی حکم الدعاء بعد السنن

(۵)الکتاب المقبول لبیان مذہب الحنفیۃ فی الذمی شاتم الرسول

(۶)تنبیہ ذوی العقول ببیان مذہب الحنفیۃ فی قبول التوبۃ لشاتم الرسول

(۷)الکلمات الغریبۃ فی تحقیق حدیثٍ یُروی فی القرابۃ القریبۃ

(۸)تنبیہ العقول برفع الشبہات عن "الصحابہ کلھم عدول"

(۹)ذکر الفضیلۃ لأخذ الوسیلۃ

نجم الفتاوی جلد ثانی کے تحقیقی فتاوی

نجم الفتاوی جلد ثالث کے تحقیقی فتاوی

(۲۷)الأصول الصلبية فی تعيين الحاجة الاصلية

کسی شخص کے زکوۃ وصول کرنے کیلئے سونا، چاندی، نقدی اور مال تجارت کے علاوہ حاجت اصلیہ سے زائد سامان کا نصاب تک پہنچنا بھی شرط ہے۔حاجت اصلیہ کا تعین کیسے ہو؟؟ کپڑے، گھر اور سواری وغیرہ میں حاجت اصلیہ کتنی ہوگی؟؟ مسئلہ ھذا میں موجود اغلاق اور شبہات کا تشفی بخش جواب۔[نجم الفتاوی طبع جدید ۴۷/۳]

(۲۸)دفع الضرورة فی زكوة الفلوس عند الضرورة

نوٹ کے فلوس کے حکم میں ہونے اور فلوس کے عند الضرورۃ کالعدم قرار دیے جانے سے زکوۃ کے مسئلے پر پڑنے والے اثرات اور مسئلہ ھذا میں محقق اور راجح قول کا تعین اور متعلقہ ابحاث۔ ۵۹/۳

(۲۹)سبيل الرشاد الی قضاء العبادات الواجبة التی لم يؤدها قبل الارتداد

ایک مسلمان العیاذ باللہ مرتد ہو جائے اور حالتِ اسلام میں مختلف واجبات (روزے، نماز اور زکوۃ وغیرہ) اس کے ذمے ہوں پھر یہ مرتد اللہ تعالیٰ کے فضل سے دوبارہ اسلام قبول کرلے تو اس پر گزشتہ حالتِ اسلام کی عباداتِ واجبہ جو اس نے اداء نہیں کیں ان کی ادائیگی واجب ہوگی یا نہیں؟ اس سلسلے میں فقہاء کے کلام میں پایا جانے والے ابہام اور توضیحات کا بیان۔ ۱۲۷/۳

(۳۰)قضاء البشر إذا أدخل ناسيا أو علم طلوع الفجر

روزے کی حالت میں بھول کر دخول کے بعد روزہ یاد آنے پر ذکر نکال لینا یا طلوع فجر سے قبل عمداً دخول کے بعد علم ہو کہ طلوع ہو چکا ہے ان دونوں صورتوں میں روزے کی قضاء اور کفارے سے متعلق عبارات کا تعارض شبہات اور استدراکات کے شافی وکافی حل سے متعلق مفصل ومدلل فتوی۔ ۳۴۳/۳

(۳۱)الطريق الفجّ الی فرضية الحجّ

فرضیت حج کب ہوتی ہے؟ درخواست جمع ہوتے وقت یا اشہر حج داخل ہونے کے وقت؟ مسئلہ ھذا پر اٹھائے گئے اشکالات کے مدلل جوابات مسئلہ کی مفصل تنقیح اور تمام مالہ وماعلیہ کا بیان۔ ۴۳۹/۳

نجم الفتاوی جلد رابع کے تحقیقی فتاوی

(۳۲) تحریر النقول فی مسئلة عدم الجهر بلفظ القبول

بوقتِ نکاح لڑکے کا قبول کے الفاظ کو آہستہ کہہ دینا اور اس سے متعلق ایک شبہ کا جواب، نیز علامہ شامی رحمۃ اللہ علیہ کی عبارات کی مدلل وضاحت، نکاح اور بیوع میں تعاطی سے متعلق علامہ رحمۃ اللہ علیہ کے مذہب کی علامہ رحمۃ اللہ علیہ کی اپنی عبارتوں کی روشنی میں مکمل تشریح۔[نجم الفتاوی طبع جدید ۴/ ۱۰۱]

(۳۳) نهاية الضدين فی وقوع الخطاء عند نكاح الاختين

دو بیٹیوں کے نکاح کے وقت ناموں میں غلطی سے برعکس ایجاب وقبول ہو جانے کی صورت میں انعقادِ نکاح سے متعلق تفصیلات، فقہی جزئیہ، اردو فتاوی میں پائے جانے والے تعارضات کا دفیعہ اور مسئلہ ھذا پر مکمل ومدلل تحقیقی فتوی۔ ۴/ ۱۲۱

(۳۴) قواعد الفقهاء فی خطاء القاضی عند تلفظ الأسماء

بوقتِ نکاح اگر قاضی لڑکے یا لڑکی کا نام غلط لے لے تو اس کی مختلف صورتیں اور ان کے احکام، نیز تلفظِ اسماء میں غلطی سے متعلق فقہاء کی عبارات سے مستخرج قواعد کا بیان۔ ۴/ ۱۵۱

(۳۵) الحكم الموافق فی الفرق بين الشرائط توافق العقد وتخالف

مقتضاء عقد کے موافق، ملائم اور مخالف شرائط کا بیان، عقد پر ان کے اثرات اور متعلقہ احکام سے متعلق تفصیلی فتوی۔ ۴/ ۱۵۹

(۳۶) العقود الدرية فی تحقيق حكم النكاح بدون الشهود عند المالكية

مالکیہ کے نزدیک بغیر گواہوں کے نکاح کے حکم سے متعلق مالکیہ کی کتب کی روشنی میں مفصل فتوی۔ ۴/ ۱۸۱

(۳۷)التقاطع فی شہادۃ الفاسق والتسامع

فاسق کی شہادت سے نکاح منعقد ہوجاتا ہے جبکہ قضاء فاسق کی شہادت قبول نہیں، فاسق کی شہادت سے قضاء نکاح ثابت نہیں ہوتا۔اس فرق کی وجہ اور بعض شبہات کا ازالہ نیز شہادت بالتسامع کا بیان۔ ۴/۱۹۰

(۳۸)الخنثی واحکامہ للشہادۃ فی الشریعۃ الاسلامیۃ

نکاح میں خنثی کی گواہی اور دیگر تفصیلات کا بیان۔ ۴/۲۰۶

(۳۹)حفظ المتاع فی رفع التعارض عن الآیات الواردۃ فی خطبۃ النکاح

سنن ابی داؤد، جامع ترمذی، سنن ابن ماجہ اور دیگر کتب حدیث میں خطبہ نکاح سے متعلق احادیث میں وارد سورۃ النساء اور سورۃ الاحزاب کی آیات کا مصحف عثمانی کے مقابلے میں تفاوت وتغیر، اس فرق کی وجہ، رواتِ حدیث کی تحقیق، کیا حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ کے مصحف میں ہی یہ تغیر تھا؟ امام شعبہ رحمۃ اللہ علیہ اور سفیان ثوری رحمۃ اللہ علیہ کی روایات میں فرق کیوں؟ کیا سفیان ثوری رحمۃ اللہ علیہ قرآن کو بالمعنی روایت کرنے کے جواز کے قائل تھے؟ حضرت سفیان ثوری رحمۃ اللہ علیہ سے ایک اور آیت کا بھی مختلف الفاظ میں نقل، الغرض مسئلہ ھذا اور اس سے متعلق ابحاث پر تحقیقی اور دلائل سے مبرھن فتوی۔ ۴/۲۲۶

(۴۰)الاجابۃ فی رؤیۃ المرأۃ قبل النکاح والاراءۃ

نکاح سے قبل لڑکی کو دیکھنا یا دیکھنے پر اصرار کرنا اور لڑکی کے اولیاء کیلئے اسے دکھانا، مسئلہ ھذا پر تفصیلی اور تحقیقی کلام۔ ۴/۲۷۳

(۴۱)الاجابۃ عن تحذیر بعض الناس من نکاح القرابۃ

بعض ڈاکٹروں کا قرابت داروں (بالخصوص فرسٹ کزن) میں نکاح سے منع کرنے پر مدلل اور تفصیلی رد، قرآن وسنت اور خیر القرون کے نظائر سے استشہاد اور اس ذیل میں پائی جانے والی بعض بے اصل روایات پر کلام ایک مدلل ومفصل استدراک۔ ۴/۳۰۷

نجم الفتاوی جلد خامس کے تحقیقی فتاوی

(٤٧) کسر الزجاج فی انعقاد الحفلة عند الزواج

رخصتی کیلئے بارات لے جانا، اس میں کھانے وغیرہ کا اہتمام کرنا اور مسئلہ ھذا سے متعلق دیگر اہم امور پر مدلل فتوی

(٤٨) استنارة القمرین فی جواب السؤال "هل تزويج الولد لازم على الابوين"

اولاد کی شادی کرانا والدین کے ذمے ہے یا والد کے یا لڑکا خود ذمہ دار ہے؟ مسئلہ ھذا سے متعلق امور پر مفصل تحقیقی فتوی

(٤٩) القضية السالبة اذا أنكح الجدُّ فی غير الكفوء البالغة

بالغہ لڑکی کا از خود غیر کفوء میں کیا نکاح روایتِ حسنؒ کے مطابق فاسد ہے البتہ ولی کی اجازت سے غیر کفوء میں نکاح ہو سکتا ہے لیکن باپ کی موجودگی میں دادا بھی ولی (اقرب) شمار ہوگا یا نہیں؟ اور کیا دادا کی اجازت سے یہ نکاح باپ کی موجودگی میں جائز ہے؟ نیز نابالغہ کے نکاح کرانے میں مسئلہ خیارِ بلوغ میں باپ اور دادا دونوں کا حکم یکساں ہے یعنی نابالغہ کو خیار نہ ملے گا یہ مسئلہ بھی مطلق ہے یا باپ کے نہ ہونے کے وقت دادا کا یہ حکم ہے؟ مسئلہ ھذا پر مفصل و مدلل فتوی

(٥٠) الجواب المختار فی كفاءة الرجل عند سوء الاختيار

باپ کا سوء اختیار واضح ہو جائے لیکن لڑکا، لڑکی کا کفوء ہو تو اس صورت میں نکاح کا حکم

(٥١) الجبيرة عن نكاح الصغيرة

بچپن میں اولاد کا نکاح کرا دینے اور بعض بڑی عمر کے اشخاص کا چھوٹی عمر کی لڑکیوں سے نکاح کی قباحت اور مخدوش استدلال کے جواب

(۵۲)اعلام الاذکیاء بأن عدم استحقاق الفسخ لنکاح الأب ثابت من الاحادیث الصحاح
''نابالغہ لڑکی کا باپ اگر اس کا نکاح کردے تو نابالغہ بعد از بلوغ اس نکاح کو فسخ نہیں کرسکتی۔'' اس حکم کا احادیث سے ثبوت اور بعض حضرات کے شبہات کا ازالہ، مسئلہ ھذا پر مفصل تحقیق

(۵۳)الرسالة البیضاء فی ردّ الاحتجاج علی نقض اجازة المکرهة من حدیث خنساء
بالغہ لڑکی سے اگر زبردستی نکاح کی اجازت لی جائے اور وہ زبانی اجازت دیدے تو اس کا نکاح منعقد ہوجاتا ہے۔ اس کے برخلاف بعض حضرات کا اس اجازت کو کالعدم قرار دینا اور اس پر حضرت خنساء رضی اللہ عنہا کی حدیث سے مخدوش استدلال، اس استدلال کا رد اور بیانِ محمل، الغرض مسئلہ ھذا پر مبسوط اور مدلل جامع فتوی

(۵۴)أداء الامانة ببیان أن الکفاءة تعتبر فیها عند الامام الدیانة
امام اعظم رحمۃ اللہ علیہ کے نزدیک مسئلہ کفاءت میں دیانت کے اعتبار سے متعلق مختلف اقوال کا بیان اور اس میں راجح کا تعین

(۵۵)الدلیل الجاذب علی أن نکاح المرأة فی غیر الکفوء نکاح فاسد
عورت کا بغیر ولی کی اجازت کے خود غیر کفوء میں کیا نکاح امام حسن بن زیاد رحمۃ اللہ علیہ کی مفتی بہ روایت کے مطابق غیر منعقد قرار دیا جاتا ہے۔ لیکن یہ نکاح فاسد ہے یا باطل؟ اس میں نکاح فاسد کے احکام (بعد از وطی مہر، عدت نسب وغیرہ) آئیں گے یا یہ نکاح باطل اور زنا ہے؟ مسئلہ ھذا سے متعلق تحقیق اور بعض اردو فتاوی میں پائے جانے والے تسامح کا بیان

(۵۶)اداء الفریضة ببیان أن مسئلة الکفاءة لا تصادم الشریعة
کیا مسئلہ کفاءت شریعت سے متصادم ہے؟ بعض لوگوں کے اس شبہ پر تفصیلی استدراک

(۵۷)ضوء الدار فی أن علة الکفاءة هی دفع العار
کفاءت کی علت دفع عار ہونے پر ایک اشکال اور اس کا جواب

(۵۸)اعلاء السافل بان العالم العجمی یکون کفؤا للعربی العالم والجاھل

کفاءت میں ایک عجمی عالم ہر عربی اور عجمی کا کفوء ہوگا یا صرف جاھل عربی کا؟ کتب فقہ میں موجود عبارت ''العالم العجمی یکون کفؤ اللجاھل العربی'' کی وضاحت، عالم کے علم کا ہر فضیلت سے افضل ہونے کا بیان اور مسئلہ ھذا پر مدلل ومحقق فتوی۔

(۵۹)الجواب المفصل لمن سئل عن تعیین مدۃ المھر المؤجل

مہر مؤجل بلاتعیین مدت اور مہر مسکوت عنہ میں مدتِ ادائیگی موت ہوگی یا طلاق؟ یا معجلاً ادائیگی ضروری ہوگی؟ مسئلہ ھذا میں مہر کی صورتیں، ان میں فرق کی تنقیح، ہر صورت سے متعلق صریح فقہی عبارات، دیگر اردو فتاوی میں پایا جانے والا تعارض محیط، بدائع، ھندیۃ اور شامیۃ کے صریح حوالہ جات کی روشنی میں مہر مؤجل بلاتعیینِ مدت اور مہر مسکوت عنہ سے متعلق ایک نادر اور مکمل تحقیقی فتوی

(۶۰)القول بالمساواۃ فی ان الفتوی علی ظاھر الروایۃ فی نفقۃ الزوجات

ایک یا ایک سے زائد بیویاں ہونے کی صورت میں ادائیگی نفقہ شوہر کی حالت کے بقدر ہوگا یا میاں اور بیوی دونوں کی حالت کا اعتبار ہوگا۔ مسئلہ ھذا سے متعلق فقہی عبارات، شرعی نصوص، دلالۃ النص یا قیاس سے اثبات، کتبِ فقہ کی روشنی میں ظاھر الروایۃ کی ترجیح اور متعلقہ ابحاث پر تفصیلی اور تحقیقی فتوی

(۶۱)فلاح الدارین فی حقوق الزوجین

زوجین میاں، بیوی کے ایک دوسرے پر حقوق اور معاشرتی زندگی کی تفصیلات کا بیان

(۶۲)أقوال الفقھاء فی استمتاع الزوجین عن فرج الآخر عند الجماع

ہمبستری کے وقت زوجین کا ایک دوسرے کی شرمگاہ سے استمتاع اور مذاہبِ اربعہ کی تفصیلات کا بیان

(۶۳)بیان المعانی فی الزواج الثانی

دوسری شادی کی شرائط اور مساوات پر قدرت کے وقت اس کا حکم، مسئلہ کے مختلف پہلوؤں کا مدلل بیان

نجم الفتاوی جلد سادس کے تحقیقی فتاوی

(٦٤) المذاهب والروایات فی الألفاظ الکنایات

الفاظ کنایات سے طلاق اور اس میں نیت اور احتمال طلاق سے متعلق مذاہب کی تفصیل اور دیگر امور پر شافی بحث

(٦٥) ذکر القرائن لعدم الحاق البائن بالبائن

طلاق بائن مطلقاً طلاقِ بائن سے ملحق نہیں ہوتی، چاہے صریح بائن ہو یا کنائی بائن۔ اس سلسلے میں شامیہ کی عبارات میں پایا جانے والا تعارض، اس کا دفیعہ، مطلقاً عدمِ الحاق کی وجہ اور بہت سی مغلق ابحاث سے متعلق تفصیلی فتوی

(٦٦) الدر الغربی فی تحقیق لفظ [احسبی وافرضی]

احسبی، افرضی یعنی [سمجھ لے تجھے طلاق ہے] یا [سمجھ لے کاغذ ہے، کاغذ ہے، کاغذ ہے] وغیرہ سے طلاق کا بیان

(٦٧) الحرف النہائی فی جعل الصریح قرینۃ للنیۃ فی الکنائی

الفاظ کنائی سے طلاق کیلئے نیت کی ضرورت ہوتی ہے، لیکن بسا اوقات کنائی کے ساتھ صریح الفاظ کا استعمال کنائی سے نیتِ طلاق ہونے پر دال بن جاتا ہے، صریح کب دال بنتا ہے؟ نیز مسئلہ ھذا سے متعلق ابحاث پر شافی وکافی فتوی

(٦٨) ھدیۃ الباری فی تحقیق "کارو کاری"

کاروکاری کی رسم، اس میں کئے جانے والے قتل، الزام اور وقوع طلاق سے متعلق اہم فتوی

(٦٩) رفع الالتباس عن مسئلۃ الطلاق الثلاث

تین طلاقوں کے تین ہونے اور غیر مقلدین کے جاری کردہ فتوی پر تفصیلی استدراک، متعلقہ امور پر شافی وکافی تحقیق

بیان